هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ

بَيَانٌ لِّلنَّاسِ

احمدُ الدّین

تعارُف

عوام کی قسمت میں یہی لکھا ہے کہ وُہ ہمیشہ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ہی رہیں یا بجبر واکراہ رکھے جائیں، جبّار حکومتوں نے ہمیشہ اپنی رعایا کو اپنی صحیح وغیر صحیح مرضیات کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا، حکّام نے اپنی جُوع الارضی، عیش کوشی، انتقام کشی و دُشمن کشی کی خواہشات کی تکمیل کے لئے بدبخت عوام پر علماء ومشائخ اور اُمراء وعمائد کو مُسلّط کیا، زندان کی چار دیواری، سپاہ کے درخشاں اسلحے، پولیس کی سخت گرفت، مولوی کا دلنشین وعظ، پنڈت کی پوتر کتھا، صوفی کی تلقین مُراقبہ، لیڈر کا ہیجان انگیز لیکچر اور مُصنّف کی دلکش عبارت، ایک ہی منزل کی راہیں ہیں اور ایک ہی مقصد کے حاصل کرنے کے ذرائع یعنی عوام بیدار نہ ہونے پائیں، انہیں اپنے انسان ہونے کا احساس نہ ہونے پائے اور وُہ اپنے قوائے فکر وعمل کو آزادی و اختیار سے استعمال کرنے کے قابل نہ ہوسکیں۔

اس ظلمت آباد میں اگر کبھی کوئی نورانی پیکر نمودار ہُوا، اگر کوئی صدائے حق بلند ہُوئی تو تمام مذکورۃ الصدر قوتوں نے اُس کو مٹانے کی کوشش کی، مذہبی مقدّسوں نے اس کو مذہب سے خارج قرار دیا، عوام نے اس پر فتویٰ رَدّ ولعن صادر کئے، حُکّام نے اس کو قید وبند اور قتل وصلیب سے سرفراز فرمایا۔ کائناتِ انسانی کے جرائم کی فہرست میں "اعلانِ حق" سے بڑا اجرم آج تک تصوّر نہیں کیا گیا، ہر بڑے سے بڑے مجرم کی حمایت میں اُس کے احباب واَعِزّہ اور اولاد ووالدین پیش پیش نظر آتے، اُس کو غیر مجرم ثابت کرنے کیلئے زر ومال اور صدق وایمان کو ہاتھ سے کھو دیتے ہیں، لیکن کلمۃ الحق کے مُرتکب کو باپ گھر سے نکال[1] دیتا ہے، بیٹا بائیکاٹ کا اعلان کردیتا ہے[2]، قوم آمادۂ رجم ہوجاتی ہے[3] بیوی رفاقت چھوڑ دیتی ہے[4]، سُولی کے اُوپر اُسکا مقام ہے اور زہر کا پیالہ اُسکی خوراک۔

ایسی حالت میں کون ہے جو اِن قطعی اور یقینی نتائج کو دیکھتا ہُوا میدان میں نکلے اور آگ میں کُود پڑے۔ بس یہ موانع ہیں جنہوں نے عموماً حق شناسوں کو حق گوئی سے باز رکھا،

---

[1] جناب ابراہیمؑ کو باپ نے کہا واھجرنی ملیا [2] ابن نوحؑ کا حال دیکھو [3] شعیبؑ کا بیان پڑھو [4] نوحؑ ولوطؑ کی بیویوں کے متعلق دیکھو ۲۸

فطرت کی آواز

قرآن مجید رسول حمید | حضرت رسالتمآب کے عہد میں موثر سوانح مبارکہ خالص قرآن مبین کی روشنی میں۔ مؤلفہ خواجہ احمد الدین صاحب۔ ۱۲ آنہ کے ٹکٹ ڈاک بھیجکر منگالیں۔

برہان القرآن قیمت ۸ | **اصل مطاع** قیمت ۶ | یہ دونو کتابیں ان دو مباحثوں کو شامل ہیں جو حضرت مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مدیر اہلحدیث اور خواجہ احمد الدین صاحب کے درمیان واقع ہوئے ایں اہلحدیث پر ابد تک کیلئے اتمام حجت کر دیا ہے کہ رسول غلط مطاع نہیں اور قرآن عزیز کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں صفحات علی الترتیب ۱۴۲ و ۱۲۰

خیر کثیر خدا تعالیٰ کے وجود کے معقول دلائل۔ بے نظیر چیز ہے (زیر طبع) قیمت ۴

بیان للناس | یعنی تفسیر بیان للناس کی تیسری۔ چوتھی اور ساتویں منزل جکا بدل سیزدہ صد سالہ تفاسیر میں نہیں ملتا۔ صفحات علی الترتیب ۳۰۰ و ۲۸۲ و ۲۸۲۔ قیمت فی جزو عہ۔ (رعایتی)

تفسیر سورۃ الفاتحہ | تفسیر بیان للناس میں سے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر الگ چھاپ دی گئی ہے تاکہ اہل ذوق اسے پڑھکر تفسیر بیان للناس کی قدر و قیمت سے واقف ہو سکیں۔ ۲ آنہ کے ٹکٹ ڈاک بھیجکر منگالیں

معجزۃ القرآن | حدیثی و فقہی یعنی نام نہاد شرعی قوانین میراث کی غلطیاں قرآن کریم کو سامنے رکھکر نکالی گئی ہیں۔ علمی دنیا میں بے حد مقبول ہے۔ زیر طبع قیمت ۸

ریحان القرآن | اس میں حدیث اور حدیث پرستوں کی حقیقت بے نقاب کر دی گئی ہے قیمت ۴

کتبخانہ امت مسلمہ امرتسر

سادہ تعلیمات کو اپنی طبیعت کے تصنع، تمدّن کی گوناگوں رنگ آمیزیوں اور فلسفیانہ مباحث کی دقّت آزیوں سے کس قدر پیچیدہ بنا دیا اور اس طرح یہ سادہ حقیقت انسانی نظروں سے اوجھل اور مستور ہوگئی، اس پر ستم یہ ہوا کہ اس علمی سعی و اجتہاد کے عہد کی مساعی آیندہ نسلوں کی کورانہ تقلید کا موجب ہوئی، اور اس طرح اس ذہنی تنزل و انحطاط کا ایک سلسلہ قائم ہوگیا۔ ان الجھنوں نے تقلید کے پرستار عوام کی طبعی اور فطری استعداد سلب کرلی اور وہ رفتہ رفتہ قرآن کے صحیح مسلک سے بہت دُور جا پڑے۔

عوام قرآن پاک کے سادہ طریق استدلال اور فطری اسلوب بیان سے اس قدر نا آشنا ہو چکے ہیں کہ اگر کوئی آواز بلند کی جائے کہ یہ تعلیمات ایزدی وضعی علوم کی تمام پیچیدگیوں سے منزّہ اور خارجی مؤثرات سے بے نیاز ہوکر بھی اپنے اندر ایک حسن، ایک عظمت رکھتی ہیں تو دِقت پسند طبائع اس کو ہرگز برداشت نہیں کرسکینگی۔ قرآن پاک کو سمجھنے اور اس کی حقیقی تعلیم سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے لازمی ہے کہ ہم ان تمام پردوں کو یکسر دُور کردیں جو ہمارے اسلاف کی کم نگاہیوں کے باعث اس پر پڑ چکے ہیں، لیکن اس حقیقت کا اعلان بہت بڑی جرأت ہے۔

ہمارے زمانے میں سب سے پہلے یہ جرأت مولوی چراغ علی، سر سیدؒ مولانا غلام[1] علی رحمہم اللہ

---

[1] زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا۔ کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے۔

حضرت مولانا غلام علی قصوری (قدس اللہ سرہ و وفقنا لاتباعہ فی الھدیٰ والاحسان) وہ قدسی صفات بزرگ تھے جنہوں نے شرک آباد پنجاب میں سب سے پہلے عَلَمِ توحید بلند کیا، آپ مجسمہ علم و عمل تھے آپ نے اپنے دین کو حنفی، اہل حدیث وغیرہ فرقوں میں محدود نہیں کیا آپ حقیقی غیر مقلدؔ، محقق اور مؤحد تھے۔

حضرت مولانا خواجہ احمد الدین (متعنا اللہ بطول بقائہ) کے قلب و دماغ میں جو بے اندازہ عشق قرآن، نشہ توحید اور مبنی برعقل جذبہ ترک غیر القرآن ہے اس کا آغاز حضرت مولانا مرحوم ہی کی صحبت بابرکت سے ہوا۔ ان کے باہمی تعلقات آتش عقیدت کا نمونہ اس زمانے میں کمیاب ہے اس ذکر مبارک کی تفصیل کا ابھی وقت نہیں۔

یہ ایک تاریخی نکتہ ہے کہ مولانا عبداللہ چکڑالوی مرحوم ایسے متشدد اہلحدیث کو خواجہ صاحب ہی مباحثہ و مکاتبہ کے ذریعے قرآن کریم کی طرف لائے چنانچہ ان کی روش اس منزل میں پہنچکر بھی بیگانۂ اعتدال رہی (رحمۃ اللہ علیہ) مولانا قصوری مرحوم حدیث کو آجکل کے بعض غالی اہلحدیث کی طرح مثل قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ احادیث صحاح کو

---

[2] بالعموم (منہ)

انہیں بجائے مقتدا بننے کے عوام کا مقتدی ہونا پڑا، عوام کی زبان و اصطلاح میں باتیں کرنی پڑیں، امام غزالیؒ نے اتنی کتابیں علوم دین پر تحریر کیں لیکن حقیقت کا اظہار کسی میں بھی نہ کر سکے چنانچہ مولانا شبلی الکلام میں فرماتے ہیں :-

" یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے ائمہ فن کے اصلی خیالات یا سرے سے ظاہر ہی نہ ہو سکے، یا ہوئے تو اس طرح کہ کسی نے سمجھا اور کسی نے نہ سمجھا "

پھر فرماتے ہیں :-

" امام غزالی وغیرہ کی تصنیفات پڑھو تو صاف نظر آتا ہے کہ سینکڑوں خیالات دل میں بھرے ہیں لیکن زبان تک نہیں لا سکتے۔ جواہر القرآن میں لکھتے ہیں کہ بعض کتابوں میں میں نے کچھ اصلی خیالات بیان کئے ہیں لیکن قسم دلائی ہے کہ بجز خاص اہل لوگوں کے یہ کتابیں اور کسی کے ہاتھ میں نہ جانے پائیں "

الکلام صفحہ ۵۹ پر ارشاد ہوتا ہے :-

جن تصنیفات میں امام صاحب نے اسلام کے اصلی عقائد اور ان کے حقائق بیان کئے ہیں ان کو نہایت اہتمام سے مخفی رکھنا چاہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود مختصر اور سہل ہونے کے وہ رواج پذیر نہیں۔ خدا کی ذات صفات افعال اور قیامت کے متعلق عقائد کو انہوں نے احیاء العلوم وغیرہ میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن جواہر القرآن میں لکھتے ہیں کہ

یہ چاروں علوم یعنی علم ذات۔ صفات و افعال و معاد۔ ان کے ابتدائی اور جامع اصول جہاں تک مجھ کو معلوم ہو سکے میں نے بعض تصنیفات میں درج کئے باوجود اس کے کہ فرصت کم اور آفتیں بہت تھیں اور دوست و مددگار کم یاب تھے لیکن ان تصنیفات کو میں نے ظاہر نہیں کیا کیونکہ اکثر لوگ اُن کو سمجھ نہ سکتے اور ان سے ان کو نقصان پہنچتا اور مدعیان علم اکثر اسی قسم کے ہیں۔ ان تصنیفات کو اُن لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا چاہئے جنکو علم ظاہر میں کمال حاصل ہو چکا ہو اور صفات مذمومہ کے دور کرنے میں اس قدر کوشش کر چکے ہوں کہ ان کا نفس رام ہو گیا ہو اور دنیا کی خواہش بالکل باقی نہ رہی ہو اور طلب حق کے سوا اُن کی کچھ غرض نہ ہو۔ ان سب باتوں کے ساتھ ذکی الطبع خوش فہم حدید الذہن، سلیم الطبع ہوں جس کے ہاتھ میں یہ تصنیف پڑ جائے اُس پر حرام ہے کہ کسی شخص کے سامنے اس کو ظاہر کرے بجز ایسے شخص کے جس میں یہ تمام صفات جمع ہوں "

یہ امر نہایت افسوسناک ہے کہ مفسرین نے تفسیر کرتے وقت قرآن حکیم کے فطری حقائق اور

کم کرتے ہیں کہ "زید" علیہ السلام نے کیا سمجھا اور "بکر" رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا۔

(۲) وہ لغاتِ عرب اور کارگاہِ فطرت کے سوا کسی اسناد و استشہاد کے نیازمند نہیں معلوم ہوتے،

(۳) وہ اللہ تعالیٰ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ کو متصرف فی الکائنات سمجھتے ہوئے قبولیتِ دعا پر بہت مضبوط ایمان رکھتے ہیں،

(۴) وہ اس بات کی بہت کم پرواکرتے ہیں کہ عوام یا علما اُن کی تحریر کو کس نگاہ سے دیکھینگے چنانچہ اُن کے مضامین کی اشاعت کے دوران میں اُن پر اور اُن کے رفقا پر طرح طرح کی سختیاں کی گئیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُسی طرح صاف گوئی اور حق کوشی میں مصروف ہیں؛

(۵) اُنہوں نے تقسیم میراث کے مسئلہ پر صدیوں سے جو حجاب پڑ چکے تھے اُن کو کافی غور و تعمق کے بعد دُور کردیا۔

(۶) انہوں نے عبادتِ الٰہی کو رسم و تقلید کی پستیوں سے نکال کر حقیقت و معرفت کے بلند مینارہ پر رُونمائے عالم کردیا؛

(۷) انہوں نے رسالت والوہیت کے حدود و امتیازات سب سے پہلے اور سب سے زیادہ کھُلے طور پر بیان فرمائے۔

(۸) اُنہوں نے عقیدہ توحید باری کو اسرار و رموز اور تصوّف و طریقت کی پیچیدگیوں سے نکالکر قابلِ فہم حد تک ظاہر فرمایا،

(۹) اُنہوں نے قرآن مجید کی آیات، رکوعات اور سُوَر کے باہمی ربط کو نہایت خوش اسلوبی سے واضح کیا؛

(۱۰) اُن کی مساعی جمیلہ کا سر رشتہ اُن عالی ظرف متقدّمین سے جا ملتا ہے جنہوں نے مذہبی فرقہ بندیوں سے بلند ہوکر قرآن مجید کا مخاطب تمام نوعِ انسانی کو قرار دیا؛

اِن اجمالی اشارات کے علاوہ محقق ناظرین اس تفسیر میں بہت کچھ سامانِ بصیرت پائیں گے جو آیندہ نسلوں کی قرآن فہمی کے لئے ازبس ضروری ہے؛

یہ وہ اِبتدا ہے جو یقیناً اُن سعید رُوحوں کے لئے مشعلِ راہ ہے جو قانونِ خداوندی کو اپنے حقیقی رنگ میں جلوہ گر دیکھنے کی تمنا رکھتی ہیں مصنّفِ علّام ہر اُس کوشش کے لئے

اور اُن کے بعض تلامیذ کی طرف سے ظاہر ہوئی۔ اِن بزرگوں نے کوشش کی کہ اپنے عام اجتہادات کے لئے کتب سلف سے استشہاد کریں اور لغت، تصوف، تفسیر، حدیث وغیرہ سے مستفید ہوں، تاکہ شاید اسی ذریعہ سے بارگاہ عوام میں رسائی حاصل کرسکیں، لیکن غیر ملکی اور غیر مذہبی حکومت کے تسلط اور گرفت کے باوجود علما و عوام نے جو کچھ اُن سے بن پڑا کیا۔

اِن میں سے بعض مخلصین اسلام نے جدید فلسفہ اور سائینس کے نظریات و مسلمات کا اعتدال سے زیادہ احترام کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تفسیر آیات میں اکثر مقامات پر روح قرآنی سے دُور ہو گئے، چنانچہ تاویل معجزات اور اجابتِ دعا وغیرہ سے متعلق سید صاحب نے جو کچھ سمجھا ہے عموماً الفاظِ قرآنی اُس کے متحمل نہیں (تفصیل کیلئے دیکھو حیات جاوید، حالی)

عصر حاضر میں مولانا ابوالکلام نے اپنی تفسیر سورۃ فاتحہ میں بہت صاف گوئی سے کام لیا ہے، کاش وُہ تمام ترجمہ و تحشیہ میں یہی التزام قائم رکھتے،

پیش نظر تفسیر کو مذکورۃ الصدر مساعی کا نقش ثانی سمجھنا چاہئے، اِس میں آپکو بہت سے نکات ایسے نظر آئیں گے جو نقش اوّل میں قطعاً نہیں اور اگر ہیں تو اس وضاحت سے نہیں،

(۱) مولینا خواجہ احمدالدین قرآن کو صرف قرآن سے سمجھنا چاہتے ہیں وہ اِس کی پروا بہت کم

(بقیہ حاشیہ صـ۲) بھی مخالف قرآن دیکھتے تو بڑی جرأت سے انکار کردیتے آپ کے نیک اور کمزور دل جانشین اگر آپ کی تفسیر کو جو چند پاروں پر مشتمل ہے شائع کردیتے تو علمی دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ اُس تاریک زمانہ میں جبکہ ہر طرف تقلید و انسان پرستی کے چرچے تھے، آپ کتنے آزاد خیال اور روشن دماغ تھے آپ نے صدیوں کے بعض مسلمات سے محققانہ انکار کردیا۔ چنانچہ ولادت مسیح کے متعلق آپ کے الفاظ یہ ہیں (اور قیدؔ غیر اب کی زاید قرآن سے ہے قرآن میں نہیں صـ۲۸ نسخہ قلمی) اسی طرح معراج و معجزات وغیرہ میں خوب دادِ تحقیق دی ہے مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایک دفعہ آپکے صاحبزادہ خلیفہ عبدالرحمٰن مرحوم اس تفسیر کو شائع کرنے پر آمادہ ہوئے تو مولانا احمداللہ مرحوم نے یہ کہہ کر روک دیا کہ لوگ مخالف ہو جائینگے عیدین اور جمعہ کی امامت سے برطرف کردیئے جاؤ گے خلیفہ صاحب کے انتقال کے بعد انکے برادرزادہ جناب مولینا محمد داؤد صاحب وکیل قصور نے بھی ارادہ کیا تو بعض تاریک خیال ملاؤں نے عوام کو اس آمادگی کے خلاف بھڑکا دیا اور یہ خزانۂ علم و تحقیق پھر گوشۂ تعطل میں پڑا رہ گیا۔ اب یہ خاندان خدا کے فضل سے معاش کے معاملے میں عوام کا دست نگر نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن میں کوئی مرد جری پیدا کرے جو عوام و جہلا کی رضا جوئی کو بالائے طاق رکھ کر اپنی اس خاندانی دولت کو دستبردِ زمانہ سے بچائے اور اہل تحقیق کو استفادہ کا موقعہ دے۔

(عرشی)

؎ یعنی جناب مسیح کا بے باپ پیدا ہونا قرآن سے ثابت نہیں۔

کا عقیدہ یہ ہے کہ بلحاظ وحی قرآن کافی ہے اور اگر کوئی احسن بات حدیث وغیرہ سے ملے تو اسکی قدر کرنی چاہیئے چنانچہ مولوی عبداللہ صاحب نے مروّج طریق "سلام" اور اذکار صلوٰۃ وغیرہ کو بدل دیا لیکن خواجہ صاحب نے اِن میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

ہر چند کہ آپ عزلت پسند واقع ہوئے ہیں مگر آپ نے بعض احباب کے تقاضے سے درسِ قرآن کا سلسلہ جاری کر دیا اور اکثر محقق اس درس میں شامل ہونے لگے انہی دنوں آپکے بعض احباب نے ایک ماہوار رسالہ کی ضرورت محسوس کر کے "ضیاء الاسلام" جاری کر دیا۔ اسی اثناء میں مسٹر عبدالغفور (دھرم پال۔ غازی محمود) آریہ ہو گئے۔ اور "ترکِ اسلام" نامی کتاب شائع کی جس میں اسلامی عقاید پر اعتراض کئے جن کی بنیاد بالعموم حدیثوں پر تھی حکیم نورالدین صاحب قادیانی۔ مولوی ثناءاللہ صاحب اور بعض دیگر علماء نے "ترکِ اسلام" کے جواب لکھے خواجہ صاحب نے بھی "ضیاء الاسلام" میں باقساط جواب دیئے اور الحمدللہ کہ دھرمپال صاحب خالص قرآنی مسلم ہو گئے ان دنوں آریہ سماج امرتسر نے آرین ڈبیٹنگ کلب جاری کر رکھی تھی جسکی مساعی سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ نوجوان مسلم متشکک نہ ہو جائیں چنانچہ خواجہ صاحب نے احباب کے مشورہ سے اسلامی مجلس مناظرہ کی بنیاد رکھی جسکو کافی شہرت وہر دلعزیزی حاصل ہوئی۔

امرتسر میں ماسٹر مست رام اور عبدالرزاق خاکی دو مشہور ناستک تھے جو ہستیٔ باریتعالیٰ کے متعلق آپ سے گفتگو کیا کرتے تھے آپ نے اُن کے اعتراضات کے جواب میں ایک نہایت معقول اور مسکت رسالہ "خیر کثیر در اثباتِ وجودِ ربِ قدیر" شائع فرمایا جس پر اکثر اخبارات نے شاندار ریویو کئے اور بعض نے اُسکے اقتباسات بھی شائع کر دیئے۔

آرین ڈبیٹنگ کلب امرتسر کے صدر حکیم صاحب دیال سے خواجہ صاحب کا گوشت خوری کے موضوع پر ایک تحریری مباحثہ ہُوا۔ جس میں حکیم صاحب کو چند پرچوں کے بعد مباحثہ سے گریز کرنا پڑا۔ یہ مباحثہ شائع ہُوا۔ اور اس قدر مقبول ہُوا کہ بار بار چھپا۔

اسی اثناء میں اعمام کے ساتھ پوتے کے حصّہ وراثت کے متعلق مولوی ثناءاللہ صاحب سے بحث چھڑ گئی مولانا نور احمد مرحوم امرتسری اور مولانا محمد عالم صاحب آسی نے بھی پوتے کے حصّہ کے خلاف کئی مضامین لکھے جنکے جوابات ضیاء الاسلام اور مختلف ٹریکٹوں میں دیئے گئے بالآخر خواجہ صاحب نے قانون میراث کے متعلق ایک جامع کتاب "معجزۂ قرآن" شائع کی جس میں ثابت کیا کہ مروّجہ قانون میراث قابل اصلاح ہے اس تصنیف نے اس قدر شہرت حاصل کی کہ "معارف" اعظمگڈھ تک نے اس کی اہمیت کو تسلیم کیا اور خواجہ صاحب کی جُرأتِ ایمانی کی تعریف کی اور اہلحدیث طبقہ کو اصلاح کی طرف متوجّہ کیا۔ علاوہ ازیں زمیندار۔ وکیل۔ پیسہ اخبار پیغام صلح۔ وطن۔ میونسپل گزٹ۔ کشمیری میگزین وغیرہ مُلک کے ممتاز جرائد نے شاندار ریویو کئے۔

چشم براہ ہیں جو اس معاملہ میں بروئے کار لائی جائے اور اُن کے دل کی گہرائیوں سے ایسے مجاہدین کے لئے مخلصانہ دعائیں نکلتی ہیں۔

۷۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء (صوفی) غلام مصطفٰے تبسّم۔ ایم اے
پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

ھٰذہ تذکرہ

حضرت خواجہ احمد الدین صاحب کی دینی خدمات کے تفصیلی تذکرہ کی تو اس مختصر میں گنجایش نہیں۔ البتہ اجمالاً چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

بچپن سے ہی آپکو علمی تحقیق کا ذوق تھا۔ چنانچہ آپ رئیس الموحدین حضرت مولینا غلام علی صاحب قصوری ثم امرتسری کے درس میں شامل ہُوا کرتے تھے مولانا مرحوم نہایت آزاد خیال اور فرخندہ خصال بزرگ تھے آپ کی روشن خیالی سے خواجہ صاحب بیحد متاثر ہُوئے اور فرصت کے لمحے آپکی صحبت میں گذارنے لگے۔ اور قرآن کے عاشق و خادم بن گئے۔

ابتداءً آپ مائل حدیث تھے اگرچہ آپ نے ممدوح کے اثر کی وجہ سے حدیث کو کبھی مثل قرآن نہیں سمجھا لیکن بلاشبہ آپ حدیث سے حسن ظن رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ عیدگاہ امرتسر کی ملحقہ مسجد میں ایک جمعہ کے خطبہ میں شامل تھے جہاں آپ نے حضرت موسیٰؑ کے ملک الموت کو طمانچہ مارنے کی روایت پہلی دفعہ سُنی آپ سُنتے ہی کانپ گئے پھر خیال کیا کہ یہ کوئی بازاری روایت ہوگی لیکن جب معلوم ہُوا کہ صحیح بخاری کی مصدقہ ہے تو شبہات پیدا ہونے لگے چنانچہ آپ نے صحاح کا مطالعہ شروع کیا جب ان میں ایسی احادیث دیکھیں جن کی بنا پر اعداء مقدس رسولؐ قرآن اور اہل بیتؓ کے خلاف طعن کر رہے ہیں تو آپ حدیث سے بد دل ہو گئے آپ نے اپنی اس تحقیق کا اپنے احباب واعزہ میں اعلان کر دیا۔ چنانچہ اکثر اصحاب آپ کے ہمخیال ہو گئے۔ اسی اثنا میں مولینا عبد اللہ چکڑالویؒ لاہور تشریف لے آئے اور انہوں نے اعلان کیا کہ قرآن حکیم اور بخاری کے سوا کوئی کتاب حجتِ شرعی نہیں خواجہ صاحب نے مولینا مرحوم سے تبادلہ خیال کر کے ان کو بھی قائل کر لیا کہ صرف قرآن ہی حجّت ہو سکتا ہے۔

مولیناؒ صرف قرآن ہی سے ہر چیز کو ثابت کرتے اور خارج از قرآن بات کو تسلیم نہ کرتے لیکن خواجہ صاحب

فہرست مضامین

حکیم معراج الدین صاحب ایڈیٹر راعین میگزین نے اپنے رسالہ کا میلاد نمبر شائع کرنیکا اعلان کیا اور خواجہ صاحب سے اس موضوع پر مضمون کے طالب ہوئے تو خواجہ صاحب نے ایک مبسوط مضمون لکھا جس میں پچاس عقلی دلائل سے ثابت کیا کہ رسول کریم خدا کے سچے نبی اور قرآن حمید خدا کا آخری قانون ہے یہ مضمون بھی بہت مقبول ہوا۔ اور بتکرار شائع کرنا پڑا

جناب مولوی ثناء اللہ صاحب نے خواجہ صاحب کو "حجیت حدیث" پر بحث کرنے کیلئے مجبور کیا چنانچہ مباحثہ شروع ہوا اور یہ قرآن حمید کی صداقت کا زندہ معجزہ ہے کہ مولانا ممدوح شرائط مباحثہ کے خلاف چھ پرچوں کی بجائے صرف دو پرچے لکھکر اکتا گئے اور مباحثہ سے پہلو تہی کر گئے اس مباحثہ کی روئیداد برھان القرآن ایک نہایت ہی قابل دید کتاب ہے۔

تھوڑا عرصہ بعد پھر مولانا موصوف اور خواجہ صاحب کے مابین "اصل مطاع" ایک ہے یا دو' کے موضوع پر بحث ہوئی جس میں مولانا صاحب اصل موضوع سے علیحدہ ہو گئے۔ بہر حال اس مناظرہ کی مطبوعہ روئیداد بھی موجود ہے جو طالبان حق کیلئے مشعل راہ کا کام دے سکتی ہے اس کے بعد مختلف ناصرین حدیث کا مجموعی جواب ریحان القرآن کے نام سے شائع کیا جو معلومات کا خزانہ ہے۔

الغرض خواجہ صاحب کی زندگی کا بیشتر حصہ اعلائے کلمۃ الحق میں گذرا ہے آپ کے صدہا مضامین اواعظ۔ تہذیب الاخلاق۔ ضیاء الاسلام۔ اعجاز القرآن۔ بلاغ وغیرہ صحائف میں موجود ہیں جن سے تشنۂ تحقیق حضرات قیامت تک سیراب ہوتے رہیں گے اور آج قرآن حمید کی جو تفسیر ناظرین کے ہاتھوں میں ہے معلومات کا ایک بے بہا خزینہ ہے جس سے سعادت مند روحیں فیض حاصل کرسکتی ہیں۔

(ابوالاحسان)

الطّباعۃ الثانیہ

پہلی دفعہ تفسیر " بیانُ للناس " منزل اوّل باقساط صحیفہ " بلاغ " کے ساتھ شائع ہوئی، جو حلقۂ " بلاغ " سے باہر پہنچنا تو درکنار، اکثر یارانِ " بلاغ " کے پاس بھی محفوظ نہ رہ سکی. لیکن مسائل کی اہمیّت اور علمدوست طبقہ کا شوق و اصرار مقتضی ہُوا کہ اِس مائدۂ آسمانی کو دستبردِ روزگار سے بچانے کی سعی کی جائے، جسکا محسوس نتیجہ اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے ناظرین کرام کے سامنے ہے۔ طباعتِ اُولیٰ کے لفظ ومعنی کی تمامتر ذمہ داری حضرت مصنّف پر تھی، لیکن طباعتِ ثانیہ میں رفع تکرار، ایجاز واطناب، تصحیح زبان وغیرہ کی وجہ سے صرف جناب ممدوح کی " رُوحِ فکری " کو محفوظ رکھنے کی سعی کی گئی ہے ؎

اے برادر قصّہ چوں پیمانہ است — معنی اندروے بسانِ دانہ است
دانۂ معنی بگیرد مردِ عقل — ننگرد پیمانہ را گر گشت نقل

مرتّب

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ــــ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا

تمہید

(۱) اصل دینداری

دینداری کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے مالک کا سچا اور مخلص بندہ بنے، اس کی یاد سے دلی اطمینان حاصل کرے، اسی کی رضا کا طالب رہے، اور ارحم الراحمین کی مخلوق کے ساتھ نیک دلی اور ہمدردی سے پیش آئے، اُن کے ساتھ احسن برتاؤ کرے اور اس طرح وہ شکرگذار بندہ، گھربار کا اچھا رکھوالا، شفیق باپ، خدمت گذار بیٹا، ہمدرد ہمسایہ، وفادار دوست، نیک شہری، رحم دل بادشاہ، امن و آئین پسند رعایا، نیک دل اور بہادر سپاہی، خیرخواہ طبیب، فائدہ رساں تاجر، مختصر یہ کہ انسانی برادری کا مفید رکن بن جائے۔ وہ دل سے سب کا بھلا چاہے اور بلاوجہ موجہ کسی کو تکلیف دینے کی خواہش نہ کرے

دیندار، دُکھ میں ہو یا سُکھ میں، اپنی ہر حالت کو نیکی کے ساتھ نباہتا، جائز ترقی پاتا اور مناسب اصلاح کرتا رہتا ہے۔ وہ اپنی ہر حالت کو صابر و شاکر بننے، نیکی کمانے اور خوشنودی الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ بناتا رہتا ہے

دیندار انسان تمام بنی نوع کو ایک ہی خالق کی مخلوق، ایک ہی معبود کے عابد، ایک ہی مالک کے غلام اور ایک ہی منتظم کے زیرِ انتظام سمجھ کر کسی کے ساتھ نااتفاقی نہیں رکھتا اور کسی بدامنی یا بے انتظامی کا موجب نہیں بنتا۔ وہ تمام نوعِ انسان کو ایک ہی ماں باپ کی اولاد سمجھ کر بھائی بھائی جانتا، سب کو ایک ہی جسم کے اعضا اور ایک ہی درخت کی شاخیں مانتا، کسی کی اصلاح و ترقی میں حارج نہیں ہوتا، تمام قدرتی سامانوں کو خاص اپنے لیئے ہی نہیں

اللہ

سر آغاز

اے نام تو زینتِ سر آغاز
آوازِ تو برتر از ہر آواز

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی، لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عموماً ہر تفسیر تفسیرِ قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیاتِ قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلّہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (اِلّا ماشاء اللہ) قرآن کو (کہ قولِ الٰہی ہے) آیاتِ قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعلِ الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اُسکے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیشِ نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ نہایت قابلِ قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں، کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں، کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اسلئے ضرورت تھی کہ عصرِ حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسکا ایک عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے۔ پس اس تفسیر میں یہ پانچ خصوصیتیں ہیں جو اسکو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں:۔

۱۔ اسکے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے

۲۔ اسمیں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقلِ سلیم کے خلاف نہ ہو

۳۔ ترجمہ میں سب سے پہلے اصول عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ۴۔ اسکے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے

۵۔ اسکے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے

اسکا فیصلہ بالغ نظر ناظرین کی رائے پر ہے کہ مصنف علّامہ حضرت خواجہ احمد الدین صاحب امرتسری کو ان مقاصد میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ ہمارے دل حضرت حکیم شہاب الدین، میاں مولا بخش صاحب سوداگر صابون، ڈاکٹر طالب علی صاحب، خواجہ غلام محمد صاحب محقق وغیرہم بزرگوں کے شکریہ و احسان سے معمور ہیں، جنکی تحریک و تشویق نے خواجہ محترم کو اس امرِ اہم کے لئے آمادہ کیا اور آج ہمارے ہاتھ میں یہ متبرک صحیفہ موجود ہے۔ جزاہم اللہ جمیعاً!

محمد حسین عرشی امرتسری

لگاتے اور دوسروں کی ترقی پر جلتے ہو۔ خود تو کچھ کرتے نہیں، مگر دوسروں کا بُرا چاہتے ہو

اس بیان سے بھی یہی صاف عیاں ہوتا ہے کہ ہر مذہب کے پرستار اصلی بدیوں کو پہچانتے ہی نہیں، بلکہ ان کی مضرت کے بھی قائل ہیں۔ اب اگر اعتراض کرنے سے پہلے وہ اپنی اپنی حالت پر غور کریں، خود ان بدیوں سے بچنا سیکھیں اور اپنے تمام اقوال و اعمال میں، بلکہ خیال میں بھی ان بدیوں کو دخل نہ پانے دیں، تو تمام دُنیا کا بھلا ہو جائے اور جو کچھ دینداری کا منشا ہے، بلا تکلف حاصل ہو جائے۔ صرف انہی اصولوں پر کاربند ہونے سے دنیوی و اُخروی نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ نیکی ہر جگہ قابلِ عزت ہے اور بدی ہر جگہ لائقِ نفرت

جو شخص سچ مچ خدا تعالےٰ کو مانتا اور اس کی توحید کا سچے دل سے قائل ہے وہ بلاشبہ موحد ہے، مُسلم ہے، خواہ یہ تعلیم اُس نے خود اپنی فطرت سے یا کسی رسول یا دانا استاد سے یا کسی کتاب ہی سے حاصل کی ہو۔ اپنے فریق کے مواحد کو مواحد کہنا اور دوسرے فریق کے مواحد کو مواحد نہ جاننا، سرتاپا باطل ہے۔ اس سے خدا تعالےٰ کا ماننا اصل نہیں رہتا۔ فرقہ بندی اصل شے بن جاتی ہے۔ تمام رسول و بزرگ توحید کے ماننے سے ہی مواحد تھے۔ اگر وہ شرک کرتے، تو ان کے ایسا کرنے سے شرک صحیح اور قابلِ اتباع نہ بن جاتا، بلکہ وہ خود "خاسرین" اور "معذبین" میں سے بن جاتے۔ بنیادی نیکیاں دائمی صداقتیں ہیں۔ ان کا قیام صرف خدا تعالےٰ کے ساتھ ہے

(۳) زرّین اصول نیکی و بدی کو صاف دکھا دیتا ہے

زرّین اصول کیا ہے؟ وہ عدل و مساوات کا قانون ہے، جس سے نیکی و بدی متمیز ہو جاتی ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس بھلائی کے ہم خدا تعالےٰ سے اپنے حق میں خواہاں ہوں، اُسی صورتِ حال میں اس بھلائی کو دوسروں کے حق میں ویسے ہی روا رکھیں، اور جس ضرر کے اوروں کے ہاتھ سے نہ پہنچنے کی خدا تعالےٰ سے دُعا کرتے ہیں، اُس مضرت رسانی سے خود بھی باز رہیں

حاصل یہ کہ جو ہم اپنے لئے پسند نہیں کرتے، دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کریں اور جو ہم اپنے لئے چاہتے ہیں، وہی اوروں کے لئے چاہیں

سمجھتا، بلکہ سب کے ساتھ بانٹ کر کھاتا ہے اور جہاں تک ممکن ہو، گرے ہوؤں کو ابھارتا اور سرفراز کرتا ہے

(۲) بنیادی نیکیاں ہر مذہب میں مسلّم ہیں

جب مختلف مذاہب کے پیرو اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں پیش کرنے کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں، تو سب یہی کہا کرتے ہیں کہ ہمارا مذہب خدا تعالےٰ کی محبت و عظمت سکھاتا، اس کی عبادت کی طرف بلاتا، بندہ کا اُس کے حقیقی آقا کے ساتھ ملاپ کراتا اور اُسے اپنے مالک کی رضا کا طالب بناتا ہے۔ مخلوقِ الٰہی کے ساتھ عدل و احسان کا درس دیتا، حق، معقولیت اور اعتدال و سلامتی کی راہوں پر چلاتا اور حریّت و مساوات کو قائم کرتا ہے۔ عورتوں اور یتیموں کو اُن کے حقوق دلاتا، ان کی حالت سنوارتا اور عہد و پیمان کی رعایت سکھا کر آپس کے تعلقات کو مضبوط بناتا ہے۔ دُنیا کے اتحاد و امن کا حامی ہے۔ بے حیائی و نامعقولیت اور جبر مذہبی و بغاوت سے روکتا ہے، شرک و توہمات و تعصبات اور فضول رسومات سے باز رکھتا ہے

اس سے صاف واضح ہے کہ ہر مذہب والا بنیادی نیکیوں کو بخوبی جانتا اور اُن کی خوبی اور عمدگی کو مانتا ہے۔ اگر جملہ اہلِ مذاہب اپنے اپنے اقرار کے مطابق انہی بنیادی نیکیوں کو اپنا اصول بنالیں اور اپنے کسی کام میں اس اصول کی مخالفت نہ ہونے دیں، تو ہمیں اسی دُنیا میں بہشتی زندگی حاصل ہو جائے

پھر جب کبھی کسی مذہب والا دوسرے مذاہب کے معتقدین پر معترض ہوتا ہے، تو یہ کہتا ہے کہ تم بعض دل کو خدا تعالےٰ کے شریک بناتے، اہواء و توہمات میں پھنساتے، خود غرضی، جہالت، تعصب اور نفسانیت سکھاتے، جبرِ مذہبی کرتے اور لوگوں کے حقوق مارتے ہو تم غلامی کے حامی اور آزادی کے دشمن ہو، لونڈیوں کو بغیر نکاح کئے گھر میں ڈال لیتے ہو، عورتوں کی دلی رضامندی اور اُن کی بہتری کے خلاف کئی نکاح کر لیتے ہو، زناکاری اور بےحیائی کی نشر و اشاعت تمہارا نصب العین ہے۔ حریّت مساوات کا تمہیں کوئی پاس نہیں، عہد و پیمان کی تمہیں پروا نہیں، تم دُنیا کی اصلاح اور امن میں خلل ڈالتے۔ دلوں میں کینہ اور کپٹ کی جڑ

کبھی ایسا نہ کریں۔ کوئی چور بھی یہ نہیں چاہتا کہ دوسرا شخص اُس کا مال چُرا لے۔ وہ اپنے مال چُرانے والے کو بہت سخت سُست کہتا ہے اور اس طرح اپنے خلاف فتوے لگاتا ہے۔ یہی حال دیگر مجرموں مثلاً زانیوں، ڈاکوؤں، خونیوں، باغیوں وغیرہ کا بھی ہے۔ ڈاکو اپنے ماتحتوں کے باغی ہونے کو بُرا جانتا ہے، لیکن خود اپنے حاکم سے بغاوت کرتا ہے

کس قدر اندھیر ہے کہ ناقص انسان، کامل مطلق خدا کے متعلق اس سے بھی بڑھ کر ظلم روا رکھتا ہے۔ خود ناقص ہوتا ہوا کہتا ہے کہ میں ضرور موجود ہوں۔ کامل مطلق کے متعلق دہریہ یہ کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتا کہ کامل مطلق ضرور موجود نہیں۔ خود ناقص ہوتے ہوئے جو کچھ وہ اپنے متعلق پسند نہیں کرتا، کامل مطلق کے حق میں روا رکھتا ہے۔ (افسوس!)

وجود ذہنی موجود فی الخارج نہیں ہوتا۔ وہ ذہن پر منحصر ہوا کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کسی پر منحصر ہونا حقیقی کمال نہیں۔ پس محض وجود ذہنی رکھنے والا کامل مطلق نہیں ہو سکتا۔ کامل مطلق اگر محض مفہوم ذہنی ہی ہو، لیکن خارج میں نہ پایا جائے، تو وہ کسی طرح علے الاطلاق کامل نہیں۔ اس سے اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ کامل مطلق کا محض وجود ذہنی ہونا، یا یوں کہو کہ موجود فی الخارج نہ ہونا قطعاً محال ہے۔ پس کامل مطلق یعنی اللہ بالضرور موجود ہے

پھر اس بات کا انکار نہیں ہو سکتا کہ کوئی نہ کوئی چیز بالاستقلال قدیم ضرور ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک بالذات قدیم کسی اور بالاستقلال قدیم کی کوئی ضرورت یا کمی پورا کرنے، یا اس سے اپنی کوئی کمی پورا کرانے کی غرض سے قدیم نہیں ہوا کرتا۔ مستقل قدامت کسی اور مقدم ضرورت یا وجہ کے سبب سے نہیں ہو سکتی۔ پس ذاتی قدیم کا بلا احتیاجِ غیر اپنے آپ میں کامل مطلق ہونا لازم ہے۔ وہ اپنے کسی کمال کے لئے اور اپنے کسی ارادہ کو پورا کرنے کے لئے محتاجِ غیر نہیں ہو سکتا

تمام کی تمام کائنات کے لئے صرف ایک ہی کاملِ مطلق کافی ہے۔ شریک کا ہونا، کمالِ مطلق کے قطعاً منافی ہے۔ اگر کوئی شخص خدا تعالےٰ سے مُنہ موڑ کر اور اس سے لاپروا ہو کر نجات حاصل کر سکتا ہو، تو یہ خدا تعالےٰ کے کمالِ مطلق کے برخلاف ہو گا۔ خدا تعالےٰ پر ایمان رکھنا اور شرک سے بچنا، سب سے بڑھ کر ضروری ہے

جب کوئی شخص ایک کل بناتا ہے، تو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اُس کی ایجاد کی مناسب

اگر ہم اپنے سب کاموں میں اس اصول کو سامنے رکھیں اور اسے عملی جامہ پہنائیں، تو نیکی بدی کی اصلیت ہم پر ہمیشہ واضح ہو جایا کرے، چنانچہ ہم چاہتے ہیں کہ خدا تعالے ہمیں بخشے، پس ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم اپنے قصورواروں کو معاف کریں۔ ہم کھلی آنکھوں کسی کے ہاتھ سے کوئی خبیث چیز لینا نہیں چاہتے، ایسے ہی ہم دوسروں پر بھی گندی چیزیں خرچ کرنے کا قصد کریں۔ ہم نہیں چاہتے، کہ دوسرے لوگ ہمارے بعد ہماری کمزور اور نادان اولاد کے حقوق غصب کرلیں، ہم کس دل و جگر سے کسی کی اولاد کو نقصان پہنچائیں ؟ ہر شخص دوسروں سے پورا ماپ تول لینا چاہتا ہے، پھر دوسروں کو کم دینا اسکے لئے کیسے زیبا ہے ؟

اگر ہم اپنے مسلّمات و معتقدات کی تبلیغ کا حق طلب کرتے ہیں، تو لازم ہے کہ یہی حق دوسروں کو بھی دیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دوسرے ہم پر جبر مذہبی نہ کریں، تو ہم بھی کسی کیلئے جبر مذہبی کو روا نہ رکھیں

اگر ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں کہ لوگ اپنی باتیں ہمیں بے دلیل منوائیں، تو ہم بھی اپنی باتیں ان کو بے دلیل منوا سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔ اگر ہم کسی کے آگے سائل بن کر جائیں تو کیا ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں ڈانٹ بتائے۔ اگر نہیں، تو ہم بھی کسی سائل کو نہ جھڑکیں

کیا ہم پسند کرتے ہیں کہ لوگ ہماری بیویوں اور بیٹیوں کو چھین لے جائیں، انہیں اپنی لونڈیاں بنالیں اور کس و ناکس کے ہاتھ فروخت کردیں۔ اگر نہیں، تو ہمیں ایسا وحشیانہ ظلم دوسروں کے حق میں روا رکھنا جائز ہو سکتا ہے ؟ اگر کوئی خود جرم کر کے ہمارے ذمے لگائے تو کیا ہم اس سے خوش ہوں گے ؟ جب نہیں، تو ہم اپنے قصور دوسروں کی طرف کیوں منسوب کریں ؟

اگر ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ملازم باغی ہو جائیں اور ہماری اولاد نافرمان بن جائے تو دوسروں کے ملازموں اور اولاد کو بھی ایسی پٹی نہ پڑھائیں، بلکہ جہاں تک ہو سکے، انہیں ایسی حرکتیں کرنے سے باز رکھیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی ہمارے ساتھ بدعہدی کرے، اور ہماری امانتیں کھا جائے۔ ہم بھی اپنے عہدوں اور امانتوں کی پوری رعایت کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ حاکم ہمارا مقدمہ انصاف کے ساتھ کر کے ہمارا حق دلادے، ہم بھی لوگوں کے حق اُن کو پہنچا دیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی شخص ہمارے ماں باپ اور بزرگوں کو گالی دے۔ ہم بھی

الحاصل یہ علوم بلا قید زمان و مکان اور زمانی و مکانی اشیاء پر انحصار رکھنے کے بغیر، بلا ابتداء، ناقابلِ ترمیم و تنسیخ اور غیر متغیر و بے بدل چلے آتے ہیں۔ کائنات صرف ان کے مطابق ظہور پاتی، اور اپنی جلوہ گری میں ان کا پتہ بتاتی ہے۔ پھر چونکہ یہ علوم محض وجودِ ذہنی رکھتے ہیں، اس لئے لازم ہے کہ ایک **قدیم و مستقل عقل و ذہن** میں ان کا قیام ہو۔ اگر اس قدیم عقل و ذہن کو سرے سے ہی معدوم فرض کیا جائے، تو ان علوم کا قیام تو الگ رہا، وجود بھی متصور نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علوم تو ہمیشہ سے موجود ہوں اور ان کے لائق عالم پایا ہی نہ جائے؟ مصنوعات بغیر صانع کے، ممکنات بغیر واجب کے، معلومات بغیر عالم کے پائے ہی نہیں جا سکتے۔

اگر اس قدیم ذہن یعنے خدا تعالے کو نہ مانا جائے تو **حق** دائمی صداقت اور بے بدل حقیقت نہیں ٹھیر سکتا، **حق** تو پیدا چیز نہیں، جو کبھی تو **حق** ہو، اور کبھی **غیر حق**۔ ہمارا فہم متغیر ہو سکتا ہے اور ہم کچھ کا کچھ سمجھ سکتے ہیں، مگر **حق** ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔ حقائق چونکہ ایک ہی ذہن کا منشاء ہیں، اس لیے ان میں کبھی تناقض راہ نہیں پا سکتا۔ حقیقی علوم میں فی الواقع تناقض کا نہ ہو سکنا اُس **قدیم و مستقل عقل کی وحدت و بے تغیری** کی صاف دلیل ہے

ہر کتاب اپنے مندرجہ علوم کی حامل ہوتی ہے، ان کی عالم نہیں ہوتی۔ اسی طرح صحیفۂ فطرت بھی خود عالم نہیں، صرف حاملِ **علومِ الٰہی** ہے۔ ان **علوم** کا اصل صحیفۂ فطرت کا مصنّف ہے

کسی مرغی کے نیچے، مرغی کے انڈوں کے ساتھ بطخ کے انڈوں سے بھی بچے نکلوائیے، پھر جب وہ کچھ قوت پائیں، تو انہیں مرغی سمیت کسی تالاب کے کنارہ پر لے جاؤ، بطخ کے بچے بغیر کسی پہلے تجربہ یا مشاہدہ کے فوراً پانی میں کود پڑیں گے۔ مرغی انہیں بخوفِ نقصان پکار پکار کر روکے گی مگر وہ نہیں رُکیں گے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کو طوفان سے بھی کچھ خوف نہیں، کیا یہ علم انہیں نیچر کے مصنف کے بغیر ہی مل گیا ہے؟

تیتری اپنے انڈے گوبھی کے پتوں پر چپکا دیتی ہے، ان انڈوں سے بے پر کیڑے نکلتے ہیں، گوبھی کو بڑے شوق سے کھاتے ہیں، کچھ مدت بعد وہ کیڑے کسی محفوظ جگہ کو دیکھ کر بے حس و حرکت حالت میں پڑ جاتے ہیں، پھر کچھ دیر بعد نئی زندگی پا کر اپنے اوپر کے خول پھاڑ کر، پردار تیتریاں بن کر، باہر نکل آتے ہیں اور کوئی تجربہ و مشاہدہ حاصل کئے بغیر گوبھی کے پتوں کی بجائے سیدھے

ہو جانا، نکاح کے حاجتمند کو بیوی کا مل جانا، اولاد کے خواہشمند کی امید بر آنا وغیرہ وغیرہ آدمیوں کے لئے خوبی و کمال ہیں، لیکن خدا تعالےٰ کے لئے ان میں سے کوئی بھی باعثِ کمال نہیں، کامل مطلق ایسے اوصاف سے موصوف اور ایسے صفات سے متصف نہیں ہو سکتا۔ وہ تعالےٰ سرے سے بھوکا، پیاسا، بیمار، کمزور، معطل، نکاح کا طالب یا اولاد کا حاجتمند ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ کمال جو مقدم نقص و احتیاج کی بنا پر کمال بنتے ہیں حقیقۃً کمال نہیں ہوتے۔ خدا تعالےٰ ان سے پاک ہے

الحاصل، انسان ایسے کمالات کی جو احتیاج کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں، اپنے لئے تو خواہش کر سکتا ہے، لیکن ان نام نہاد کمالات کا خدا تعالےٰ کے حق میں چاہنا جائز نہیں، جیسے نفخ۔ وہ ریح کے اخراج کو بڑی خوبی جانتا ہے، لیکن خدا تعالےٰ کی شان میں ایسی مضحکہ خیز خوبی کی خواہش نہیں کی جا سکتی۔ زرین اصول کے استعمال میں ایسے دعووں سے ضرور بچنا چاہیئے

مختصر یہ کہ جب انسان اپنے لئے اپنے لائق کمال کو پسند کرتا ہے، تو خدا تعالےٰ کے لئے وہی کمال مسلم رکھے، جو اس تعالےٰ کی ذات پاک کے لائق ہے

ٹرین کا ڈرائیور انجن کو اپنے ارادہ سے حرکت دیتا ہے، وہ حرکت انجن سے پہلی گاڑی، پہلی گاڑی سے دوسری گاڑی اور اسی طرح علی التسلسل آخری گاڑی تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں ڈرائیور کا حرکت دینا اپنے ارادہ سے ہے اور انجن اور گاڑیوں کا ایک دوسرے کو حرکت دیتے جانا محض قسری ہے

مختار اور آزاد محرک پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ از خود کیسے حرکت دے سکتا ہے، جو از خود حرکت دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ وہ حرکت دینے میں آزاد ہے، چاہے تو حرکت دے، نہ چاہے تو نہ دے۔ اس کا حرکت دینا، اپنے آزاد ارادہ سے ہوتا ہے اور جو تحریک آزاد مرضی سے ہو، اس پر کسی مقدم دباؤ کے تلاش کی ضرورت نہیں، ہاں جو تحریک محض قسری یعنے بلا ارادہ خود ہو، وہ کسی مقدم آزاد ارادہ کے بغیر پائی ہی نہیں جا سکتی۔ مثلاً

میز پر ایک کتاب پڑی تھی، اس کو میں نے اٹھا لیا۔ اب سوال ہوتا ہے کہ اس کتاب کو کون سی چیز حرکت میں لائی؟ اگر کتاب میں از خود حرکت کرنے کا اختیار فرض کیا جائے، تو جواب واضح طور پر یہ ہوگا کہ چونکہ کتاب میں از خود حرکت کرنے کا اختیار ہے، اس لئے جب اس

پھولوں کی طرف اُڑ جاتے ہیں، اور ان سے اپنی نئی حالت کے لائق خوراک حاصل کرتے ہیں؟ کیا ان باتوں کے سکھانے کے لئے اعلیٰ معلم و ملہم کی ضرورت نہیں؟

شہد کی مکھی کو کون الہام کرتا ہے کہ مناسب جگہوں میں اپنے چھتے لگائے، پھولوں اور پھلوں سے شہد حاصل کرے، لمبے چکر لگا کر سیدھی اپنے چھتے کو واپس آجائے اور وقتاً فوقتاً اپنا کام پورے انتظام کے ساتھ بدلتی رہے؟ کیا ان کے عین لائق ملہم کے بغیر ہی یہ سب کام سرانجام پا رہے ہیں؟

پھر دیکھئے! کہ کائنات میں نر و مادہ کا سلسلہ عام طور پر پھیلا ہوا ہے۔ تمام جنسوں کے پھیلانے کے لئے اس سلسلہ کی اشد ضرورت ہے۔ اس ضرورت کے عین مطابق نر کے مقابلہ میں مادہ اور مادہ کے مناسب نر بنایا گیا ہے۔ اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے ہی باقی سامان بھی، جن کا خود نر و مادہ کو علم نہیں ہوتا، انہیں ٹھیک اندازہ کے ساتھ عطا کئے گئے ہیں اُن میں جذب و کشش بھی رکھی گئی ہے۔ اب اگر یہ اعلےٰ حکمت والے ترتیب دہندہ کا کام نہیں تو کیا نروں نے خود ہی تیار ہو کر اپنے ذاتی تقاضا سے اپنے متناسب ماداؤں کو بنا لیا ہے؟ یا ماداؤں کے تقاضا سے نر تیار ہو گئے ہیں؟

اگر بات یہ ہے تو کیوں کوئی کل ساز اپنے متعلق یہ بات سننا نہیں چاہتا کہ اس کی کل کے ایک پرزہ نے خود ہی تیار ہو کر دوسرے پرزہ کو اپنے مناسب حاصل کر لیا ہے، اس لئے اس کل کی تیاری میں اس کل ساز کی عقل کے دخل کی کوئی ضرورت نہیں اور کیوں کوئی مصنف اپنی تصنیف کے متعلق اس تنقید سے خوش نہیں ہوتا کہ اس کی کتاب کے ایک لفظ نے دوسرے لفظ کو، اور ایک جملہ نے دوسرے جملہ کو خود ہی اپنے مناسب منتخب کر لیا ہے۔ اس میں اس مصنف کی اپنی کوئی خوبی نہیں۔ ناقص انسان جو نقص اپنے لئے نہیں چاہتا۔ حیف ہے اگر کامل مطلق کے لئے اس کو روا رکھے، کیا زرین اصول اس کی برائی کو واضح نہیں کرتا؟

یہ بھی یاد رہے کہ بعض باتیں ناقص انسان کے لئے تو باعث خوبی و کمال ہیں، لیکن کامل مطلق خدا کے واسطے ذریعۂ کمال نہیں۔ اس فرق کو ذہن نشین کرنے کے لئے بیانِ ذیل کو ہمیشہ مدِنظر رکھیں:۔

بھوکے کا سیر ہونا، پیاسے کو آبِ خنک ملنا، بیمار کا صحت پانا، معزول و معطل کا برسرِ روزگار

اگر کوئی ڈاکٹر ہمارے دماغ کا ادنیٰ سا نقص بھی دور کردے، تو وہ بالضرور شکریہ کے قابل ہوتا ہے۔ کوئی ڈاکٹر احسان فراموش مریض سے خوش نہیں ہوتا، پھر کیا خود دماغ کا بنانے والا، اس ڈاکٹر سے بے شمار گنا بڑھ چڑھ کر شکریہ کا مستحق نہیں؟ اور اگر وہ صاحب ارادہ نہیں، تو کیا مجبور چیز شکریہ و عبادت کے لائق ہوا کرتی ہے؟ مجبور چیز نعمت ہوتی ہے نہ منعم، شکریہ منعم کا کیا جاتا ہے۔

ارادی تحریک، قسری حرکتوں کے سلسلہ سے، ہمیشہ مقدم ہوتی ہے، جیسا کہ ٹرین کی مثال سے واضح ہے، مگر نادان لوگ کائنات کی حرکات کے تسلسل کو بالارادہ محرک کے بغیر ہی خیال کرتے ہیں اور جو ارادہ و اختیار عالم میں پایا جاتا ہے، اس کو قسری حرکات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک بے اختیاری سے اختیار اور بے علمی سے علم اور موت سے زندگی پیدا ہو جاتی ہے، گویا خلا خود ہی اپنے لائق پُری کو بنا لیتا ہے۔ افسوس!

پھر کوئی شخص اپنے لئے اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اس کی بیوی اس کے نوکروں کے ساتھ مل جائے، اس لئے کہ وہ نوکر اس کے واسطے کھانا پانی اور دیگر سامان تیار کرکے لاتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسے ہی خیالات سے بہت سے معبود بنائے جاتے ہیں۔ لوگ خدا تعالیٰ پر وہ باتیں لگاتے ہیں، جن کو اپنے لئے بھی مکروہ جانتے ہیں۔

الغرض یہ ایک ایسا زرین اصول ہے، جس کے ذریعہ سے کل دینی اصول فوراً سامنے آجاتے ہیں۔

بعض لوگ کمزور اور ناقابلِ اولاد شخصوں کو کہتے ہیں کہ اپنی بیویوں کو اولاد حاصل کرنے کے لئے تندرست اور مضبوط آدمیوں کے پاس بھیجو، لیکن وہ خود اس نمونہ کو اپنی بیویوں میں کھلم کھلا قائم کرکے نہیں دکھاتے۔ کمزور اور ناقابل اولاد شخص خوب جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنی بیویوں کو تندرست اور جوان لوگوں کے ساتھ ملنے کا موقعہ دیا، تو ان کی طبیعت اُن جوانوں کے ساتھ مل جائے گی اور کمزور خاوند، اُن کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگیں گے، اس سے اُن خاوندوں کے قتل و غارت کے رستے سہل ہو جائیں گے، یا وہ عورت اپنے پسندیدہ مرد کے ساتھ بھاگ جائے گی۔ خود اجازت دے کر مرغوب مرد سے ملانا اور پھر ٹالنے کی کوشش

نے بلا تحریکِ غیر، اپنی آزاد مرضی سے، حرکت کرنے کا ارادہ کر لیا، تو باختیار خود حرکت میں آگئی

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کتاب میں از خود حرکت کرنے یا حرکت دینے کا اختیار موجود نہیں، بنا بریں مثالِ بالا میں یہ سوال ضرور رہ سکتا ہے کہ اس کتاب کو کون سی چیز حرکت میں لائی؟

جواب میں کہا جائے گا کہ کتاب کو ہاتھ نے ہلایا، ہاتھ کو بازو نے اٹھایا، بازو کو اعصاب و رباطات نے متحرک بنایا اور انہیں دماغ حرکت میں لایا، ان سب پہ پھر یہی سوال ہوگا کہ جب ان میں از خود حرکت دینے کا اختیار نہیں، تو انہوں نے از خود حرکت دے کیسے دی؟

جن کو از خود حرکت دینے کا اختیار نہیں، ان پر یہ سوال لگاتار وارد ہوتا جائے گا، یہ سوال اس وقت تک لاجواب اور لاینحل رہے گا، جب تک کسی از خود حرکت دینے والے مختار کو نہ مانا جائے۔

جس چیز میں بذاتِ خود حرکت دینے کا اختیار موجود ہے، وہ ہر وقت حرکت دینے کا اختیار رکھتی ہے، لیکن اگر کوئی بے اختیار چیز اپنی موجودہ حرکت کسی اور شے کو دیدے، تو وہ اس حرکت کو کھو کر، دوبارہ کسی از خود حرکت دینے والے سے حرکت پانے کے بغیر حرکت نہیں دے سکے گی، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اندھادھند، اتفاقی، حرکت حسبِ ضرورت و نتیجہ خیز نہ ہوگی۔ حرکت کو مفید بنانے کے لئے باقاعدہ اور حسبِ موقعہ پہنچانے کا انتظام کرنا اور حرکت کو پانے اور رنگارنگ مناسب صورتوں میں لانے کے لئے مناسب اشیاء کا تیار کرنا اور انہیں مناسب ترتیب کے ساتھ رکھنا، بااختیار حکیم کے بغیر متصوّر ہی نہیں ہو سکتا۔

کتاب کو حرکت دینے والا کبھی نہیں مانے گا کہ اس کتاب کی حرکت لاانتہا مسلسل حرکتوں کا نتیجہ ہے۔ اس لئے یہ حرکت کسی صاحبِ ارادہ کے سبب سے نہیں، پھر کیا یہ صحیح ہے، کہ وہ اپنی ہستی کو آباء و اُمہات کے لاانتہا سلسلہ کا نتیجہ قرار دے اور پہلے انسان کا تجویز کرنے والا کسی کو نہ سمجھے۔

یا، کیا ٹرین کا ڈرائیور پچھلی گاڑیوں کے مسافروں کا یہ قول پسند کر سکتا ہے، کہ ہمیں کوئی ڈرائیور اپنے اختیار سے حرکت نہیں دیتا، بلکہ گاڑیوں کے لاانتہا تسلسل سے ہمیں حرکت مل رہی ہے اور ہمارا سفر کرنا، کسی صاحبِ ارادہ ڈرائیور کے سبب سے نہیں۔

جب کوئی باپ اُس کی بیٹی کو اُس کے ساتھ جانے سے رُوکے جانا پسند نہیں کرتا، تو یہ کیسے مناسب ہے کہ وہ خود زرّین اصول کے مخالف، اپنی بیوی کو اُس کے باپ کے پاس نہ جانے دے؟
باپ، بیٹے اور بھائی کے اس اعتبار کو قائم رکھنے سے دُنیا کے امن کا قیام ہے۔
اصولِ حرمت وحلت (نسب کے لحاظ سے حرمت کا یہ اصول ہے کہ مرد کے لئے اُوپر وہ تمام عورتیں جو اُس کی اصول ہیں، اور نیچے تمام وہ عورتیں جو اس کی فروع ہیں، ابدی حرام ہیں۔ نیز اس مرد، اس کے تمام اصول اور تمام فروع کی بہنیں بھی حرام ہیں۔ اسی طرح عورت کے لئے اُوپر تمام وہ مرد جو اس کے اصول ہیں اور نیچے تمام وہ مرد جو اس کے فروع ہیں، ابدی حرام ہیں۔ (نیز اس عورت کیلئے اِسکے، اپنے بھائی۔ اِس کے اصول کے کل بھائی اور اِسکے فروع کے تمام بھائی حرام ہیں) اگر محض نسب کے لحاظ سے اس قاعدہ میں اصولاً ذرا بھی زیادت کی جائے، تو کوئی بھی عورت حلال نہیں رہیگی
یہ قاعدہ محض نسب کے لحاظ سے ہے، جو باپ، بیٹے، بھائی کی حرمت سے مستنبط ہے
لیکن جن لوگوں کا تعلق نسبیوں کے ساتھ نکاح کے ذریعہ سے ہو، اُن کی حُرمت کا اصول یہ ہے کہ تمام مرد، جو زید کے اصول (مثلاً باپ، دادا، پردادا) و فروع (مثلاً بیٹا، پوتا۔ پڑپوتا) ہیں۔ ان سب کی بیویاں زید کے لئے محرمات ابدی بن جاتی ہیں اور تمام عورتیں جو ہندہ کی اصول و فروع ہیں۔ ان سب کے خاوند ہندہ کے لئے ہمیشہ حرام ہوتے ہیں۔
پھر جن کا نکاح نسبیوں کے ساتھ ہو، ان نکاح والوں کے سبب سے جو ابدی حُرمت پیدا ہوتی ہے اس کا اصول یہ ہے کہ:۔
ہر مرد کو اپنی بیوی کے اصول و فروع حرام ہیں اور اسی طرح ہر عورت کو اپنے خاوند کے اصول و فروع حرام ہیں۔
اگر باپ، بیٹا، بھائی سچ مچ حرام ہیں، تو اگر مذکورہ بالا اصول سے بہتر اصول کوئی صاحب پیش نہیں کر سکے گا، تو یہ حرمتیں بھی سب کی مُسلّمہ بن جائیں گی، ورنہ نہیں
دودھ ماں، اخوات من الرضاعۃ، جمع بین الاختین اور خاوند والیوں کی حُرمت کا بیان اپنے موقعہ پر آئے گا، انشاء اللہ تبارک وتعالےٰ۔
قصہ کوتاہ، بہت سی باتوں کی بھلائی بُرائی زرّین اصول کے مطابق تو بالکل واضح ہے۔ اگر لوگ اپنی روشن مسلّمات پر ہی عمل کرنے لگ جائیں اور اپنے کاموں میں ان کی مخالفت سے

کرنا بھی عجیب ہے۔

جب سلسلہ نسب ہمیشہ باپ ہی سے چلایا جاتا ہے، تو اصلی باپ کے معلوم ہوتے ہوئے بیٹا دوسرے مرد کا کیوں کر بن جاتا ہے؟ اس سے نسب، میراث اور حلت و حرمت کا سلسلہ بھی بالکل درہم برہم ہو جاتا ہے

عورتوں کی نسبت، مرد زیادہ مضبوط اور بہادر ہوتے ہیں۔ ان کی حفاظت میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ مردوں کو اپنی بیویوں، بہو بیٹیوں اور بہنوں کی عصمت کی حفاظت کے متعلق غیرت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اسی غیرت کے سبب، مرد اپنی بہادری اور مال سے کام لے کر، ان کی عصمت کو بچاتے ہیں، لیکن جو لوگ اپنی بیویوں کی برہنگی کو خود بھی کھولنے کا حق رکھتے ہوئے، دوسروں کو بھی ان کی برہنگی کھولنے کا حق دیتے ہیں، ان کی غیرت کہاں ہے؟

اور جب غیرت، جو بہادری کی محرک ہے، نہ رہی تو غیرت مندانہ بہادری بھی جاتی رہے گی، جس بہادری سے دوسروں کے حقوق غصب کرنے اور ان کو گرانے اور دبانے کا کام لیا جائے، وہ چوروں اور قزاقوں والی بہادری ہے نہ غیر تمندوں والی۔

حاصل یہ کہ جو لوگ ایسی بےحیائی کو اپنی بیویوں کے لئے پسند نہیں کر سکتے، وہ دوسری عورتوں کو کیوں ایسی پٹی پڑھاتے اور کیوں مستوں کو سرود سنا کر جذبات کو مشتعل کرتے اور یوں زریں اصول کی مخالفت کرتے ہیں۔

پھر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایسے مرد کے پاس اکیلے بھیجنا، یا سفر میں اکیلے روانہ کرنا نہیں چاہتا، جو اس کی بیوی کے بیوہ یا مطلقہ ہونے کی صورت میں، اس کے ساتھ نکاح کرنے کی طمع کر سکتا ہو۔ یہ مرد بھی اس بیوی کو اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار نہیں کر سکتا

لیکن اگر اس عورت کا باپ، بیٹا یا بھائی اس کو اپنے ساتھ لے جانا چاہے، تو کسی بدگمانی کا خیال بھی نہیں آ سکتا۔

اگر باپ، بیٹے یا بھائی پر خواہ مخواہ ایسا گمان روا رکھا جائے، تو کسی عورت کا خاوند ہرگز پسند نہ کرے گا کہ اپنی بیوی کو اس کے باپ، بیٹے یا بھائی کے ساتھ بھیج دے، اس سے سخت بے اعتباری اور بدامنی پھیل جائے گی۔

رُشد و غی اس قدر واضح و متبیّن ہیں کہ دنیا میں بطور ضرب الامثال مشہور چلی آتی ہیں۔ کسی ملک یا بولی میں ایک مثل یا مثال جاری ہو جاتی ہے، تو اُسے دوسرے ملکوں اور بولیوں والے پسند کر کے اپنے ہاں لے جاتے ہیں۔ اور جو مثلیں اور مثالیں زیادہ روشن اور موثر ہوتی ہیں، عام قبولیّت حاصل کر لیتی ہیں۔ ذیل میں چند ایک مثالیں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:-

(۱) دیانت داری سب سے اچھی حکمتِ عملی ہے۔ (۲) سانچ کو آنچ نہیں۔ (۳) بڑے بول کا سر نیچا۔ (۴) اتفاق قوت ہے۔ (۵) ضرورت ایجاد کی اصل ہے۔ (۶) جہاں چاہ، وہاں راہ۔ (۷) پہلے تولو، پیچھے بولو۔ (۸) چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ۔ (۹) گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ (۱۰) گھسنے سے پہلے نکلنے کا راستہ سوچ لو۔ (۱۱) ہاتھ پھیلانے سے پانی مُنہ میں نہیں پہنچ جاتا۔ (۱۲) اُونٹ سوئی کے ناکے سے نہیں گذر سکتا۔ (۱۳) گھروں میں دروازوں سے آؤ۔ (۱۴) خدا اُن کی مدد کرتا ہے، جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ (۱۵) سُوت کات کات کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دو۔ (۱۶) کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھاتا (۱۷) جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے۔ (۱۸) نیکی بدی برابر نہیں، نور و ظلمت یکساں نہیں۔ (۱۹) چاؤ سے کچھ نہیں بنتا۔ (۲۰) درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ (۲۱) خدا داری چہ غم داری (۲۲) دشمن چہ کُند چو مہرباں باشد دوست (۲۳) چاہ کن را چاہ در پیش۔ (۲۴) در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست (۲۵) برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر۔ (۲۶) جگت مزدوری دیت ہے، کب راکھے بھگوان (۲۷) ہر جیسے کو تیسا۔ (۲۸) پاپی کے مارنے کو پاپ مہابلی ہے (۲۹) لوبھ پاپ کا مول۔ (۳۰) مانس کے پرکھنے کو معاملہ کسوٹی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

کئی ایک کہاوتیں ادنےٰ و باطل خیالات کو بھی دکھلاتی ہیں، مگر رُشد، غی سے فوراً واضح ہو جاتا ہے۔ طالب کے لئے حق بالکل ظاہر ہے

(۴) فطرتِ انسانی میں نیکی و بدی کی تمیز موجود ہے

انسان کی فطرت میں فجور و تقوےٰ یعنی بُرائی اور بھلائی کا الہام موجود ہے۔ یہ حالت

بچیں، تو یہ سب قوموں کے لئے باعث رحمت ہو جائے

افراط و تفریط عام طور پر بری چیزیں ہیں۔ طریقِ اعتدال ہی صراطِ مستقیم ہے مثلاً:۔

ایک خدا کو بھی نہ ماننا تفریط ہے اور خدا تعالیٰ میں تعدد کا اعتقاد کرنا افراط ہے، یہی ایک ہی خدا کا ماننا صراطِ مستقیم ہے۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک اور خدا کا، یا ہزاروں خداؤں کا ہونا ایک ہی بات ہے، جس کا ایک بھی مثنیٰ یا مثل یا نقشہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کے کروڑوں نقشے بھی ویسے ہی ممکن ہیں، پس ممکن میں کثرت ہے اور ممتنع میں ہونا اور ہو سکنا کچھ بھی نہیں صرف بالذات واجب میں ہی ذاتی وحدت کا ہونا واجب ہے۔

خدا تعالیٰ کی غلامی سے آزاد ہو جانا، تفریط ہے اور بندوں کے بھی غلام بن جانا افراط ہے۔ صراطِ مستقیم یہی ہے کہ سچے خدا کے ہی ٹھیک طور پر بندے بنے رہیں۔

کسی بندے کو اس کی ساخت و جبلت کے لحاظ سے بھی برا سمجھنا اس کو خدا تعالیٰ کی مخلوق ہونے سے نکالنا ہے اور کسی کو خدائی صفات سے متصف کرنا، اسے خود خدا یا مثلِ خدا بنانا ہے، پس نہ کسی بندہ کو حقیر جاننا چاہیئے اور نہ کسی کی پوجا کرنا چاہیئے۔

قوانینِ فطرت کے ٹوٹ جانے کو ماننا تمام علموں کا باطل کرنا ہے۔ اُن میں خدا تعالیٰ کے حکیمانہ تصرف و تدبیر کے دخل کا انکار کرنا صرف مجبور نیچر کو ہی خدا جاننا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ قوانینِ فطرت کے توڑنے کے بغیر ہی ان میں دخل دیتا اور حسبِ ارادہ نتیجے نکالتا ہے اس کے آگے گڑگڑانا اور دعائیں مانگنا بالکل صحیح ہے۔

اسراف و بخل دونوں بُری چیزیں ہیں۔ درمیانی رستہ ہی سخاوت ہے۔ تہور و جبن دونوں مضر ہیں۔ شجاعت عمدہ ہے۔ جزع و بیدردی دونوں بُری ہیں۔ دردمند صابر بننا ہی اچھا ہے اتباعِ شہوات اور رہبانیت دونوں سے بچنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی مناسب قدر اور ان کا ٹھیک استعمال ضروری ہے۔ اپنی عقل سے کام نہ لینا یا اسے بے غلط ٹھیرانا دونوں بُری باتیں ہیں۔ اعتدال کا راستہ ہی بالعموم اچھا ہوتا ہے

مختصر یہ کہ اعتدال پسندی سے بھی صراطِ مستقیم کا صاف پتہ چل جاتا اور نیکی و بدی کا بہت کچھ علم حاصل ہو سکتا ہے

جس قدر حالات میں وہ اس حقیقت کا معائنہ کرتے ہیں، انہی کے متعلق بتلائیں، کہ ان لوگوں میں عام طور پر وہ کون سی چیز پائی جاتی ہے، جو ان کی مشرکانہ عادتِ مستمرہ پر غالب آکر خود ان کی زبان سے ہی توحید کا اقرار کرا دیتی ہے

بہت سے مشرک ایسے ہیں کہ جب اُن کی طبیعت راستی و انصاف پر آتی ہے، تو ان کی زبان سے توحید کے کلمات کے سوائے کچھ نہیں نکلتا۔ لیکن ضد اور مقابلہ کے وقت وہ تمام حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ جب بیٹا پیدا ہوتا ہے، تو کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی نظرِ عنایت سے یہ نعمت ملی ہے، لیکن جب وہ بیٹا بیمار ہو کر اس بزرگ کی نظرِ عنایت سے بچ نہیں سکتا، تو کہتے ہیں کہ اسے خدا نے مارا ہے۔ جس بزرگ کی رضا کو خدا تعالےٰ بیٹے کے دینے میں ضرور مانتا ہے، اُسی کی رضا کو، اسی بیٹے کو مار کر، کیوں توڑ دیتا ہے؟ خود بزرگ کے بیٹے اور پیارے مرتے تھے اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ بزرگ بڑا زور لگا کر اپنے پیٹ سے فاسد ریح کو خارج کرنا چاہتا تھا۔ لیکن نہیں کر سکتا تھا، جس کی رضا کا عمل خود اپنی ریح کے اخراج پر نہیں ہو سکتا۔ اس کی رضا کا عمل بیٹا دینے میں کسی دوسرے مرد و زن کے اعضا پر کیسے ہو سکتا ہے؟ بسا اوقات پیروں کی اولاد کی پرورش اور علاج و معالجہ خود مریدوں کو کرنا پڑتا ہے، لیکن تماشا ہے، تو یہ ہے، کہ وہی محتاج پیر اُن ہی مریدوں کو اولاد دینے والے سمجھے جاتے ہیں

ایک مرید اپنے پیر کے ہاں کچھ عرض کرنے کو گیا، وہاں جاکر کیا دیکھتا ہے کہ مرض کی شدت کے سبب پیر صاحب کی حالت دگرگوں ہو رہی ہے، اس لئے وہ شخص اس پیر پر اپنا ما فی الضمیر اس کے پاس بیٹھ کر بھی باوجود کمال تمنا کے ظاہر نہ کر سکا۔ بالآخر مایوس ہو کر گھر واپس آیا، لیکن پھر گھر پہنچ کر کہنے لگا کہ جو کچھ ہم دل میں خیال کرتے ہیں۔ پیر صاحب پر سب روشن ہے، ہائے اس جہالت کا ستیاناس!

یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب بھی خدا تعالےٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور ان بنی آدم کی نظر ان کے اپنے آپ پر ڈالی کہ دیکھو، کیا میں ہی تمہیں آج تک نہیں پالتا آیا۔ پھر اس وقت کیا تمہاری اولاد کے لئے کسی اور ربّ کی ضرورت ہے، تو انہیں اپنے آپ پر ایسی نظر ڈالنے کے بعد ہمیشہ یہی کہنا پڑا کہ بلاشبہ تو ہی ہمارا رب ہے۔ ہم نے اسے خوب دیکھ لیا ہے ہم اس پر شاہد ہیں

اور سچا دین فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ بجز اس کے اس کی تسلی ہی نہیں ہو سکتی بے بسی کی حالت میں جب کہ بناوٹ اور تکلف کا وقت نہیں رہتا، اصلی حالت سامنے آجاتی ہے

انسان کی ایک مادری زبان ہوتی ہے، جسے وہ بلا تکلف بولتا ہے۔ دوسری زبانیں تعلیمی ہوتی ہیں، جنہیں وہ بڑا ہو کر تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے۔ تعلیمی زبان میں انسان خواہ کتنا ہی عالم ہو، اچانک حادثے کے وقت، انتہائے بے بسی کے عالم میں، اُس کے منہ سے مادری زبان کے کلمات ہی نکلتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ اس شخص کی فطرت میں، اس کی مادری زبان کو، اس کی تعلیمی زبان پر، غلبہ حاصل ہے۔ اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ جو چیز روزمرہ کی عادت کو بھلا دے اور اُس پر غالب آجائے، وہ بالضرور عادت سے بڑھ کر راسخ ہوتی ہے

اب دیکھئے کہ ایک شخص شروع سے ہی شرک کی تعلیم پاتا اور اپنے اِرد گرد ہر گاہ شرک ہی کے نمونے دیکھتا ہے، وہ امن کی حالت میں شرک پر ہی عمل کرتا، غیروں کو پکارتا اور اُسی اعتقاد پر جما ہوتا ہے، لیکن یک لخت زلزلہ آجانے یا جہاز کے طوفان میں گھر جانے کے وقت، تمام دیوتاؤں اور بزرگوں کو بھول جاتا ہے۔ اس وقت وہ اُسی کو پکارتا ہے، جس کا نام اُس نے اللہ یا خدا یا اسی کے ہم معنی رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ انسان میں ایک ایسی چیز موجود ہے، جو اُس کی مشرکانہ پختہ عادت اور اُس کے پدری و مادری و قومی پیش کردہ نمونوں پر بھی غالب آجاتی ہے انسان کی یہ ساخت اس کی حاصل کردہ عادت سے الگ اور اس سے بہت زبردست ہوتی ہے، چنانچہ چال بازوں کی زبان سے بھی بعض اوقات بھول کر سچی بات نکل جاتی ہے انسان کی یہ موحدانہ اور عابدانہ حالت اصل دین کا پتہ لگا دیتی ہے۔ وہ اپنی اصلیت کے لحاظ سے اِسی فطرت پر پیدا ہوا ہے، اسے یہودی و مجوسی و نصرانی اس کے ماں باپ بناتے ہیں

بعض لوگ مریض حالتوں کو بطور استثناء کے پیش کر کے اس امر کے قاعدہ کلیہ ہونے سے انکاری ہیں، لیکن ایسے اعتراضات سرتاپا فضول ہیں۔ معترضین پر لازم ہے کہ

گئے۔ سنگسار کئے گئے، اُن کی ثابت قدمی کی ہر شخص داد دیتا ہے

جن عورتوں نے اپنی عصمت کے بچانے کی خاطر جانیں قربان کردی ہیں، اُن کی بہادری کو دیکھ کر ہر شخص متاثر ہوتا، اور اُن کی پارسائی کے گیت گاتا ہے

بعض دفعہ کسی بھلے آدمی کے ہاتھ سے محض غلطی کے ساتھ پوشیدگی میں کسی بیگناہ شخص کا خون ہوجاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی جگہ ناکردہ گناہ لوگ پھنس جاتے ہیں، یا کوئی اس کا ہمدرد اس کے جرم کو اپنے ذمے لے لیتا ہے اور اس طرح جب بے گناہوں کو سزا ملنے لگتی ہے، تو اصل قاتل اپنے آپ کو پیش کرکے، خود اپنی جان دینے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ ایسے مرد کی بہادری کا ہر شخص معقولیت کے ساتھ اعتراف کرتا ہے اور اگر وہ مارا جائے، تو سب کو ماننا پڑتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو پاک کرلیا

ایمان وعصمت کے بچانے، حق پر قائم رہنے، سچی گواہی دینے، وعدہ پورا کرنے اور خلق اللہ کی بھلائی چاہنے میں، اگر جان بھی دینی پڑے، تو اسے بڑی بہادری کا کام سمجھا جاتا ہے۔ پھر کیا وہ کام، جو جان کو خطرہ میں ڈال کر بھی، اچھے سمجھے جاتے ہیں امن کی حالت میں نہایت ہی ضروری نہیں ہیں؟

یہ بھی یاد رہے کہ ان جان قربان کرنے والوں کی تعریف اس خیال سے نہیں کی جاتی کہ ان کے نیک نمونوں سے دنیا کو کبھی کوئی بڑا فائدہ پہنچنا ممکن ہے، بلکہ ان کی قدر اس لئے کی جاتی ہے کہ انہوں نے فانی فوائد سے منہ موڑ کر اور ادنی خوشیوں کو چھوڑ کر، اعلے ارادوں، نیک نیات اور باقی رہنے والی خوبیوں کو حاصل کرلیا ہے ہماری محبت و ہمدردی ان کے ساتھ دنیا کے کسی آئندہ فائدے کے حصول کی غرض سے نہیں ہوتی، بلکہ خود ان کے بہادر بننے کے سبب سے ہوتی ہے

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دشمن تو اپنی طرف سے دشمنی کرتے ہیں، مگر اُس کا انجام مفید اور بالخیر ہوتا ہے اور با اخلاص شفیق محبت کے ساتھ فوائد پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے، مگر نتیجہ میں نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اچھے نتائج کے سبب بدنیت دشمن کو خیرخواہ نہیں سمجھا جاسکتا اور با اخلاص، ہمدرد دوستوں سے اگر کوئی نقصان پہنچ جائے تو اُن کی کوششوں کی بے قدری نہیں کی جاسکتی۔ قدردانی میں

انسان دوسرے کے کہنے سے بدظنی اور ضد کا پہلو اختیار کر لیتا ہے، لیکن جب خدا تعالیٰ خود ہی اس کی نظر اس کے اپنے آپ پر ڈال دے، تو اُسے علم توحید کے لیے کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ انسان اس حقیقت سے بے خبر نہیں، کیونکہ خود اس میں یہ علم موجود ہے۔ اس لئے کوئی باہوش شخص شرک کرنے میں معذور قرار نہیں پا سکتا

جس طرح ہم خوشبو کو پسند کرتے اور بدبو سے متنفر ہوتے ہیں، اسی طرح حق بات سے ہمارا ضمیر مطمئن ہوتا اور باطل سے اذیت پاتا ہے۔ لیکن اگر ضمیر کی آواز کو بے لگام جذبات، الٹی عادات اور تقلید و تعصبات سے دبا دیا جائے اور اس کی آواز پر کان نہ رکھا جائے، تو وہ مریض ہو جاتا ہے۔ "طبع العلیل یمیل الی الاباطیل"

بدیوں کی طرف انسان خواہ کتنا ہی مائل ہو، بنیادی نیکیوں کا انکار ہرگز نہیں کر سکتا۔ بنیادی نیکیاں از قسم محکمات و بیّنات ہیں۔ ہر شخص کو ان کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کون ہے، جو حاتم کی فیاضی اور نوشیرواں کی عدالت اور سقراط کی حق گوئی کی تعریف نہیں کرتا؟

یا کون ہے، جو صبر و شکر و قناعت، رضا و تسلیم و عبادت، مخلوق پر شفقت، ماں باپ کی خدمت، عہد و امانت کی رعایت، انسانی اخوت، حُسنِ معاملت، اتفاق و وحدت، راستی و دیانت، محنت و ریاضت، ہمت و استقامت، صفائی نیت، علم و حکمت اور اسی قسم کی خوبیوں کو بُرا کہہ سکتا ہے؟

یا، کون ہے جو بے ایمانی، ناشکرگذاری، بددیانتی، بے صبری، بدخواہی، بدعہدی، امن شکنی، غلامی، اوہام پرستی، نااتفاقی، چغل خوری، کینہ کشی، کاہلی، فضول خرچی، کنجوسی، بے انتظامی، سرکشی، تفرقہ اندازی، فرقہ سازی، جبرِ مذہبی، بے حیائی، بے وفائی یا اس جیسی دوسری بدیوں کو اچھا قرار دے سکتا ہے؟

جب کوئی بہادر آدمی ڈوبتوں کے بچانے میں، یا جلتے مکانوں سے بچوں، عورتوں، یا دیگر اشخاص کے نکالنے میں، یا ظالموں، درندوں اور متعدی امراض سے لوگوں کو چھڑانے میں اپنی جان دے دیتا ہے، تو سب لوگ تہ دل سے اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس نے بڑا درجہ حاصل کیا، حالانکہ بظاہر وہ شخص اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے

جو لوگ حق گوئی اور توحیدِ الٰہی کی خاطر آگ کی خندقوں میں ڈالے گئے، آروں سے چیرے

L750

ہوتا ہے۔ پھر بار بار تکرار سے وہ ملکہ اس میں راسخ ہوتا جاتا ہے۔ پھر اِن خیالات و معلومات کے مطابق عمل کرنے سے وہ ملکہ اس کے اندر اور بھی پختہ و مضبوط بنتا جاتا ہے۔ نیک و بد عمل کا اثر بھی پہلے عامل کی اپنی ذات پر ہوتا ہے، پھر دوسروں کو پہنچتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے، تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ نیک نیّت ہمدرد اپنی دنیاوی زندگی کو عملاً تو قربان کردے، لیکن خود اس کی ذات پر اپنی نیک نیتی اور اپنے اس اعلیٰ عمل کا کوئی بھی اثر باقی نہ رہے، اور وہ اثر صرف دُنیا تک ہی محدود رہے یعنی وہ انسان اپنے تمام حاصل کردہ اثرات کو کھو کر فنائے محض میں پہنچ جائے۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں

پس، انسان اس خود فدائی کی نیت و عمل کے سابقہ نیک اثرات سے خالی نہیں ہو جاتا، بلکہ اور زیادہ مکمل اور قابلِ تعریف بن جاتا ہے

حاصل یہ ہے کہ دنیا ایسے بہادروں کی قربانیوں کو ان کی نیک نیتی اور اخلاص کے لحاظ سے قابلِ قدر جانتی ہے، ورنہ نیکوں کے شہید ہونے کی نسبت ظالموں کی موت سے دُنیا کا بہت زیادہ بھلا ہوتا ہے۔ اگر محض دُنیا کے نفع و نقصان کی کمی بیشی کے لحاظ سے ان کے جان دینے کی قدر کی جاتی، تو ظالموں کا اپنے ظلم پر قائم رہ کر جان دینا بھی بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ پس شہیدوں کی قدر اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ اپنی نیک نیتی اور قوتِ عمل کو کام میں لاکر قابلِ قدر ثابت شدہ اور سچے بہادر بن گئے ہیں۔ پہلے سے ناقص تر یا بالکل ضائع نہیں ہو گئے

پس دُنیا ان بہادروں کی قدر و محبت سے صاف بتلا رہی ہے کہ جزا و سزا کا عالم موجود ہے اور بے لاگ جزا و سزا دینے والا احکم الحاکمین اور اعلےٰ ترقیات پر پہنچانے والا ارحم الراحمین ضرور ہمارے سر پر بیٹھا ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان محض امکان سے وجود میں آکر اور پھر مٹی پانی سے ارتقا پاکر انسان تو ضرور بن گیا ہے، لیکن اب جبکہ وہ علمی ترقیات کے لامتناہی میدان میں داخل ہوگیا ہے، تو کیا وہ اس علمی دوڑ میں آکر ہی فنا ہوجائے گا؟ افسوس! اعلیٰ و باقی مقاصد کے حصول کے لائق بن کر انسان مٹ نہیں جاتا

جیل خانہ سزا دینے کے لئے ہوتا ہے۔ حاکم جب کسی شخص کو قید کرکے وہاں بھیجتا ہے

نیک نیتی اور اخلاص کا اصل دخل ہے

نیات کا جاننے والا صرف خدا ہے۔ اس کی نفی سے نیت بے معنی ہو جاتی ہے اور مادی نتائج اصل ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ نیات کو ہمارے اعمال میں بڑا دخل ہے

ذاتی خوبیاں بڑی قابلِ قدر ہوتی ہیں، اس کے لئے ایک مشہور مثال بیان کی جاتی ہے:-

حاتمؒ طائی سے لوگوں نے پوچھا، کیا تو نے ہمت میں اپنے سے بزرگ تر کسی کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ دیکھا ہے۔ ایک دفعہ میں نے سو اونٹ قربان کر کے بڑی بھاری ضیافت تیار کی، جس میں امراء تک کو دعوت دی۔ اسی اثناء میں کسی ضرورت کے لئے مجھے جنگل میں جانا پڑا، وہاں میں نے ایک بوڑھے خارکش کو دیکھا۔ میں نے اسے کہا آپ کیوں اس قدر زحمت اٹھا رہے ہیں؟ حاتم کی مہمانی میں کیوں نہیں جاتے؟ بہت سی خلقت اس کے ہاں آ رہی ہے۔ آپ بھی وہاں تشریف لے جائیں اور اپنے اہل و عیال کے لئے بھی جس قدر چاہیں، لے آئیں۔ یہ سن کر اس غریب بوڑھے محنتی نے جواب دیا ؎

"ہر کہ نان از عملِ خویش خورد
منتِ حاتمِ طائی نہ برد"

حاتم کہتا ہے کہ یہ کلمات سن کر میں غش غش کر اٹھا اور انصاف کے ساتھ مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بزرگ ہمت میں مجھ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے

اس مثال سے بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو خستِ نفس اور دُون ہمتی سے بچانا اور مخلوق پر انحصار نہ رکھنا، بڑی اعلےٰ درجے کی خوبی ہے۔ اِنسان کی ہمت یا خست اس کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ خارجی فوائد اس کی ذات سے الگ ہوتے ہیں۔ پس اصلاحِ ذات مقدم چیز ہے۔ اس کے بغیر خارجی فوائد جسدِ بے روح کی مانند ہیں۔

انسان جو کچھ نیت وارادہ یا غور و فکر کرتا ہے۔ پہلے ان کا اثر خود اس کے اندر

رحم پر ہی اپنا کام بخوبی چلا رہے ہیں اور انہیں کسی جہاز ران اور امیر البحر کی کوئی ضرورت نہیں۔ افسوس!

(۵) خدا تعالیٰ کا ایمان سب سے بڑھ کر ضروری ہے

اوّل۔ انسان اس کائنات کا ایک نہایت ہی ضعیف جزُ ہے۔ اس کی طاقت و علم و اختیار نہایت ہی قلیل ہیں۔ موت اس کے قابو میں نہیں۔ زلزلے اس کے اختیار میں نہیں، آندھیاں اس کے بس میں نہیں، بارشیں اور گرنے والے پتھر اس کے ہاتھ میں نہیں۔ قوم قوم میں اکثر ایسی مخالفت اور عداوت پھیل جاتی ہے کہ کسی کی جان و عصمت و دولت محفوظ نہیں رہتی۔ آدمی کو اپنے ساتھیوں پر بھی اعتبار نہیں رہتا۔ دشمن تو الگ رہے۔ کئی دفعہ سچے دوستوں سے بھی خلاف توقع سخت ضرر پہنچ جاتے ہیں۔ انسان خود اپنے نفسِ امّارہ، بے لگام جذبات، قلق ڈالنے والے شبہات اور بدی کے محرکات کے ہاتھ سے بے چین رہتا ہے۔ اسے اپنے اعمال کے بد نتائج اور نفس کی شرارتوں سے پناہ مانگنی پڑتی ہے۔ اس کائنات کے محیط میں انسان اس طرح سے گھرا ہوا ہے، جس طرح کسی بڑے سمندر میں کوئی شخص ہاتھ پاؤں مارتا ہوا بہہ رہا ہو۔ ایسی ڈانواں ڈول حالت میں اگر انسان کو اس قدر بھی تسلّی ہو کہ مجھے ایک قادرِ مطلق اور حکیم برحق دیکھ رہا ہے۔ وہی میرا محافظ ہے۔ اُسے اُونگھ بھی نہیں آتی، پھر نیند کہاں۔ وہ مجھ سے ایک آن بھی غافل نہیں ہوتا۔ میں لاکھ خطروں میں پڑا رہوں، مجھے آخر کار اس سے خیر کی امید ہے۔ وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں ہونے دے گا۔ اس نے میرے لئے اعلیٰ مقاصد اور اعلیٰ مراتب رکھے ہوئے ہیں۔ وہ مجھے میری بڑی ضرورت کے وقت بالضرور ملیں گے۔ مجھے علم و نیکی و خوشی میں اعلیٰ ترقیات ملتی جائیں گی، جن کی کبھی انتہا نہیں ہوگی، تو کیا اس کے لئے اس قسم کی تسلی بھی کچھ کم غنیمت ہے؟ یہ تسلّی خدا تعالےٰ کو ماننے کے بغیر کسی اور جگہ حاصل نہیں ہو سکتی

خدا تعالےٰ کا ماننے والا، ہر تکلیف کو حکمت قرار دیتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے جان دینا بھی آسان ہے۔ حق کے راستے میں وہ ہر مصیبت کو گوارا کر لیتا ہے، دھندلی ابتدا سے وہ نہیں ڈرتا، اُس کی نگاہ روشن انجام پر ہوتی ہے۔ ع

تو اُس کے منشاء کے خلاف کوئی شخص مجرم کو وہاں سے نکال نہیں سکتا۔ حاکم کی مقرر کردہ جزا و سزا میں اس کی لاعلمی اور کمزوری کی صورت میں ہی دخل دیا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ دار الجزاء وہ جگہ ہوتی ہے، جہاں حاکم کے سوا کسی دوسرے شخص کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

اِس دُنیا میں انسان کو بہت کچھ اختیار ملا ہوا ہے۔ ایک آدمی دوسرے آدمیوں کے مصائب کو دُور کر کے ان کو راحت پہنچا سکتا، جہالت مٹا کر علم کی اشاعت کر سکتا، امراض کو دفع کر کے لوگوں کی صحت کو درست بنا سکتا اور بدامنی کو ہٹا کر امن و انتظام پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح آدمی ایک دوسرے کو قتل و غارت بھی کر سکتے ہیں اور اپنے ملک کو، بلکہ کل دنیا کو، مصیبت میں ڈال سکتے ہیں۔ اگر اس دنیا کے تمام دُکھ سُکھ خدا تعالےٰ کی طرف سے ناقابل تبدیل سزا و جزا کی طرح مقرر شدہ ہوتے، تو ان میں دخل دینے کا دوسرے لوگوں کو اختیار نہ ہوتا۔ یہ دُنیا ٹھیک طور پر جزا و سزا کی جگہ نہیں ہو سکتی، کیونکہ دار الجزاء وہ ہے، جہاں کسی انسان کا دوسرے انسان کے نفع و ضرر پر کوئی اختیار نہ ہو اور معاملہ بالکلیہ خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں ہو

حاصل یہ ہے کہ توحید خدا، ضرورتِ جزا اور بہت سی نیکیوں کا علم، انسان کے لئے ہوا اور پانی سے بھی زیادہ سہل الحصول بلکہ داخلِ فطرت ہے۔ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے، جس پر چل کر لوگ منعم علیہم بنتے چلے آئے ہیں۔ اگر تمام قومیں اِن روشن اور مسلّمہ بنیادی نیکیوں کو اپنا اصول بنالیں، اپنے کسی بھی کام میں (اپنی طرف سے) اس اصول کی خلاف ورزی نہ ہونے دیں، اس اصول کے حامیوں کو جرأت دلائیں اور اپنی وسعت کے مطابق نیکیوں میں سبقت کریں، تو تمام دُنیا کا بھلا ہو جائے اور سب کی عاقبت سنور جائے

جو انسان اصل نیکیوں کا قدردان، با اخلاص، معقول پسند، اپنے نفس کی تہِ دل سے اصلاح چاہنے والا، راستباز، حق گو، حق پسند، خیر خواہِ خلائق اور عادل ہوگا، ممکن نہیں کہ وہ اسی زندگی میں خدا تعالےٰ کا قائل نہ ہو۔ مریض دل والا (اگر اپنے نفس میں غور کرے) تو ضرور اسے اپنے مرض کی وجہ اپنے اندر نظر آجائے

یہ کائنات ایک ناپیدا کنار سمندر کی مانند ہے، جس میں بے شمار جہاز ضروری سامانوں کے ساتھ چل رہے ہیں، لیکن نادان خیال کرتے ہیں کہ یہ جہاز پانی اور ہوا کی رَدوں کے

چاند، زمین، ہوا، پانی، خوراک، سر، آنکھ، کان، ناک، زبان، ہاتھ، پاؤں، پیٹ، جگر، شش، دل اور دماغ سچ مچ قابلِ قدر نعمتیں ہیں، تو کیا ان نعمتوں کے عطا کرنے والے کا اس کے لائق شکریہ ادا کرنا لازم نہیں۔ کیا اس شکریہ کے لائق کوئی مخلوق چیز ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں، خدا تعالےٰ کو ماننے کے بغیر ہماری اعلیٰ شکرگذاری کا ملکہ بالکل بے مصرف اور نکما بن جاتا ہے

پھر مصائب و ناکامیوں میں گھرے ہونے کے باوجود آخری فلاح کی اُمید ہمیشہ انسان کی شریکِ حال رہتی ہے، کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔ یہ ظاہر ہے کہ سلسلہ کائنات مختار و عالم بھی نہیں، جو اُسے متزلزل اور متذبذب کر دیتا ہے اور اس لئے اس پر آخری فلاح کی امید قائم نہیں کی جا سکتی۔ اس ملکہ کی سیری اور آخری فلاح و بہبود کے حصول کے لئے صرف خدا تعالےٰ پر ہی امید رکھنے کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی رضا و تسلیم و تفویض کی سیری کا بھی اسی پر انحصار ہے۔ خوف بھی اسی کا زیبا ہے، جس کی پکڑ سے اس کے سوا کوئی اور پناہ نہیں صرف وہی پناہ دیتا ہے، اس کے مقابلہ میں کوئی اور پناہ نہیں دے سکتا

ہم میں قربانی کا ملکہ بھی موجود ہے۔ قربانی کیا ہے؟ اعلےٰ و ابقےٰ مقاصد کے حصول کے لئے ادنےٰ و فانی خواہشوں کو ٹھکرا دینا، خدا تعالےٰ کی خواہش کے سوائے کوئی چیز بھی خیر و ابقےٰ نہیں۔ پس اس ملکہ کی سیری بھی خدا تعالےٰ کے بغیر صحیح طور پر نہیں ہو سکتی

حاصل یہ ہے کہ انسان ایک عابد مخلوق ہے۔ اس میں عبادت کا ملکہ بڑا زبردست ہے لوگ اس ملکہ کی سیری عناصر و اصنام سے اور بزرگوں، اوتاروں، رسولوں، نبیوں اور دیگر مخلوقات کی توجہ سے چاہتے ہیں، لیکن ملکہ عبادت کی سیری معبودِ حقیقی کے بغیر محال ہے

نیکی کا کرنا اور بدیوں سے بچنا، اسی صورت میں عبادت قرار پا سکتا ہے، جب کہ معبودِ حقیقی کو مانا جائے۔ وجودِ معبود کے بغیر عبادت کے کوئی معنے ہی نہیں۔ الٰہی ذہن کے منشا کا نام ہی حق ہے۔ اپنی مرضی و اختیار کو اسی ذہن کی مطابقت میں چلانا اور اپنی رضا کی پروا نہ کرکے اسی کی رضا چاہنا عبادت ہے۔ اس عبادت سے غیر محدود اعلےٰ مقصد مل جاتا ہے اور دل قائم ہو جاتا ہے۔ ہر طرف مارا مارا نہیں پھرتا

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست "

وہ تکلیف کی حالت میں جزع فزع نہیں کرتا، اقبال حاصل کرکے مغرور اور لاپروا نہیں بنتا، بلکہ شکرگذار رہتا ہے۔ اگر انسان کو سچ مچ ایسے اطمینان کی ضرورت ہے، تو یہ خدا تعالےٰ کے دھیان کے بغیر نہیں مل سکتا۔ محدود علم والے فانی غلط کار دل پر ایسا بھروسہ نہیں ہوسکتا!

دوم ۔ انسان میں بہت سے ملکات اور بھی ہیں، جو دبانے سے دبتے نہیں اور ان میں کوئی بُرائی بھی نہیں۔ اگر خدا تعالےٰ کو نہ مانا جائے، تو وہ نکمے اور بے مصرف ہو جاتے ہیں، اور اُن کی سیری کا کوئی اور ذریعہ نہیں مل سکتا۔ مثلاً :-

ہم میں اطاعت کا ملکہ ہے، اس کا سبق ہمیں شروع سے ہی ملتا ہے۔ ہم پہلے ماں باپ کی اطاعت کرتے ہیں، پھر معلّمین و حکّام کی۔ یہ اطاعتیں گو حقیقی اطاعتیں نہیں، تاہم مفید اور اپنے اپنے وقت میں ضروری بھی ہیں۔ ہم یہ اعتقاد کبھی نہیں رکھ سکتے، کہ ہمارے ماں باپ، معلم اور حاکم اپنی اختیاری حالت میں ضرور بے غلط ہوتے ہیں۔ محدود علم والا صاحبِ اختیار ضرور غلطی میں پڑ سکتا ہے، لیکن حقیقی اطاعت وہ ہے، جو ہر حالت میں اعتقادِ صحت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ یہ اطاعت سب اطاعتوں سے اعلےٰ اور سب کی اصل ہے۔ ایسا مطاع صرف صاحبِ ارادہ اور بے غلط خدا ہی ہوسکتا ہے۔ اندریں صورت اگر معاذ اللہ خدا تعالےٰ کو نہ مانا جائے، تو ہماری اعتقادی اطاعت کے ملکہ کی تسلّی کے لئے کوئی اور موقعہ ہو ہی نہیں سکتا

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مخلوقات کے وہ کام، جو وہ کل کی طرح مجبوراً کرتے ہیں، اُن کے اپنے نہیں ہوسکتے۔ مجبور مخلوق کی خود اپنی اطاعت کے کچھ معنے ہی نہیں۔ عابدانہ اطاعت صرف معبود کی ہی کی جاسکتی ہے

ہم میں شکرگذاری کا مادہ بھی ہے۔ اگر کوئی حکیم علاج کرکے ہمارے سر کا چکرانا دُور کردے، تو ہم اس کے شکرگذار ہوتے ہیں، پھر کیا سر کا بنانے والا اس سے بڑھ کر شکریہ کا مستحق نہیں؟ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی بے اختیار و مجبور چیز کو کہنا کہ میں تیرا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ صاف بت پرستی ہے۔ نعمت کے لئے شکریہ منعم کا کیا جاتا ہے۔ اگر سورج،

اگرچہ انسان پُورے غور کے بعد عازمِ سفر ہوتا، کوئی دُکان کھولتا، کسی تجارت کو شروع کرتا، محنت و مزدوری کو اختیار کرتا ہے، یا قومی، ملکی اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے، پھر بھی ان باتوں میں نتیجہ بارہا اس کے خلاف منشاء نکلتا ہے۔ اندریں صورت خداپرست نتیجہ کے خراب ہونے سے کبھی نہیں گھبراتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ فائدہ ہو، یا نقصان، میرا کام نیکی کرنا ہے۔ اس سے میری رُوح کی اصلاح ضرور ہو رہی ہے۔ اس درخت کو پھل دار بنانے والا اور رونق و ترقی دینے والا، خدا سر پر موجود ہے۔ میری کوئی محنت، بلکہ نیّت بھی ضائع نہیں جاسکتی۔ ظاہری نتیجہ کا بُرا ہونا کوئی حرج نہیں پہنچاتا، بلکہ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں جو بھی تکلیف پہنچے، وہ اس کی رحمت و محبت کا اور زیادہ امیدوار بناتی ہے۔ اگر معاذ اللہ خدا قدر دان نہ ہو، تو پھر ہمارے درد و عشق کی کیا قدر کرسکتی ہے؟

جو لوگ خدا تعالےٰ کو نہیں مانتے، وہ خود غرض، بے وفا اور فانی چیزوں کے عشق میں سر سے پاؤں تک پھنسے ہوئے ہیں۔ اصلی درد و عشق کی حقیقت اُن کی بلا جانے۔ کیا انسان کا ضمیر اُسے نادم نہیں کرتا۔ ع

زندگی بے بندگی، شرمندگی

اگر خدا اور روزِ جزا صحیح ہیں، تو خدا پرست کے لئے دائمی خوشی ہے۔ دُنیا کے فوائد اس کے علاوہ ہیں

سوم ۔ اس دُنیا میں ہمارے ماں باپ، بیوی، بچے، بہن، بھائی، رشتہ دار، برادری کے لوگ، یار و مددگار، حاکم و بادشاہ موجود ہوتے ہیں، جو وقتاً فوقتاً ہمیں مدد دیتے اور تکالیف سے بچاتے رہتے ہیں۔ خدا تعالےٰ بھی ہمیں حُسن و خوبی وصحتِ جسمانی، اور سامانِ زندگی عطا فرماتا رہتا ہے، جن سے ہمارے دنیا کے کئی کام سرانجام پاتے رہتے ہیں، لیکن جب ہم مرجاتے ہیں، تو خدا تعالےٰ کی دی ہوئی تمام نعمتوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، اس وقت ہمارے ساتھ کوئی معاون و مددگار نہیں جاتا، بلکہ ہمارا جسم کثیف بھی جاتا رہتا ہے اور لطیف جسم بھی (جو ساتھ جاتا ہے) بالکل ڈھیلا پڑجاتا ہے، جس کا پورا پورا درست کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اندریں حالت اگر ہم نے خدا تعالےٰ کے ساتھ بھی اپنا تعلق نہ پیدا کیا ہو، تو اس بے سروسامانی کی حالت میں ہمارے لئے اور کون سا آسرا ہوسکتا ہے؟

جب قدرتی سامان ہمارے حسب منشا نہیں چلتے اور بادشاہ اور حکام ہماری کچھ نہیں سنتے، بلکہ دشمن بن جاتے اور ہمیشہ در پئے آزار رہتے ہیں اور جب ہمارے ماں باپ یار دوست اور خیر خواہ بھی پہلوتہی کرتے ہیں۔ اس وقت ہم میں دُعا کا ملکہ موجزن ہوتا ہے اگر خدا تعالےٰ کو نہ مانا جائے، تو اس ملکہ کی سیری و تسلّی کا کہیں کوئی ذریعہ مل ہی نہیں سکتا۔ خدا تعالےٰ بالضرور موجود ہے، وہ مضطر کی دُعا کو، جب وہ اُسے پکارتا ہے، ضرور سُنتا ہے وہ تکلیف کو رفع کر دیتا ہے اور ہمیں زمین میں اختیار دیتا ہے۔ کیا خدا تعالےٰ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں

شروع دنیا سے آج تک مظلوموں کو کون با اقبال بناتا اور زبردست سرکشوں کو مٹاتا آیا ہے۔ سبب سوز اور سبب ساز وہی ہے۔ کون ہے، جو بے بسی اور بے کسی کے وقت اُسے نہیں پکارتا؟

انسان سمجھتا ہے کہ اُسے سب سے زیادہ محبت اپنی جان کی ہے، لیکن یہ پُورے طور پر صحیح نہیں۔ انسان میں طلب ہے، جو مطلوب کو چاہتی ہے۔ مطلوب کے بغیر طلب محض دُکھ ہوتی ہے۔ مطلوب کے نہ ملنے پر آدمی بسا اوقات خودکشی کر لیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو دراصل محبت مطلوب کی ہوتی ہے

غلط کار، فانی، بے ثبات اور ضعیف مطلوبوں سے دُکھ پیدا ہوتا ہے۔ وہ آج دل بہلاتے ہیں، کل داغِ مفارقت دے جاتے ہیں۔ آج فائدہ پہنچاتے ہیں، کل دُکھ کا موجب بن جاتے ہیں۔ کائنات کی اشیاء خود بخود ہماری طلب کے مطابق جمع نہیں ہو جاتیں

یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ دوست فائدہ رسانی کی کوشش کرتے ہوئے نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ حکیم علاج کرتے ہوئے مار دیتے ہیں۔ اگر ایک فائدہ رساں چیز میسر آتی ہے تو دوسری ضرر رساں چیزیں بھی حملہ کرنے کو پاس ہی موجود ہوتی ہیں۔ اس کائنات کی اشیاء ایک دوسرے کے اثر کو زائل کر دیتی ہیں۔ یہ مجموعۂ اضداد ہے۔ مجموعۂ اضداد میں خود ہی حسب منشاء موجود رہنے اور کام کرنے کی طاقت نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ قلبی اطمینان کا حاصل کرنا اور خوف و حزن اور غم و غصہ سے نجات پانا، حکیمِ مطلق کے سوا محال ہے

تمام محامد اسی کے لئے ہیں۔ دوسروں کو اس کی تحریک و تعلیم و تربیت سے ملتے ہیں، وہی رب العالمین ہے۔ پس اسے چھوڑ کر حق، نیکی اور خوشی کے حاصل کرنے کی امید کرنا سرتاپا باطل ہے

اگر حق اور نیکی کو بے بدل اور غیر متغیر دائمی صداقتیں نہ سمجھا جائے، تو دل میں ان کی کچھ وقعت نہیں رہتی، اور یہ ظاہر ہے کہ حق اور نیکی کا دائمی صداقت ہونا، قدیم ذہن کے تسلیم کرنے کے بغیر مانا نہیں جا سکتا۔ پس حق اور نیکی کی اصلی قدر خدا تعالےٰ کو ماننے کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی

حق، چونکہ بے بدل، غیر متغیر اور قدیم ہے، اس لئے حق کی پیروی کرنے میں اعلےٰ مقصد حق ہی ہو سکتا ہے۔ کوئی بے ثبات اور فانی چیز اعلیٰ مقصد نہیں بن سکتی، اور یہ واضح ہے کہ رضامندی چاہنے کے لائق وہ حق ہے، جو زندہ اور صاحب ارادہ حق ہو۔ نیکی کرنے کے لئے ابتغاء مرضات اللہ (یعنی خدا کی رضا جوئی) سے بڑھ کر کوئی اور اعلےٰ مقصد نکل ہی نہیں سکتا۔ زندہ حق کو ماننے کے بغیر حق مُردہ رہ جاتا ہے

جو لوگ نیکی کرنے میں مخلوق کے لحاظ کو مدِنظر رکھتے، اُن کا اعتبار و اعتماد حاصل کرنا چاہتے، اُن کی رضا جوئی کے خواہاں، یا اس میں دکانداری بھاجی اور خود غرضی کے اصول پر چلتے ہیں، یا جبری ضرورتوں کے تحت میں نیکی کرتے ہیں۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اعلیٰ و غیر فانی مقصد نہیں ہے

اکثر لوگ قانون کی زد سے بچ کر اور نئی نئی چالیں پیدا کر کے دوسروں کو لوٹنے میں کوئی باک نہیں رکھتے

بدیاں بالعموم چھُپ کر کی جاتی ہیں اور جب ان کی پڑتال ہوتی ہے، تو لوگوں کے خوف سے جھوٹ بولا جاتا ہے۔ جھوٹا آدمی لوگوں کو راضی کرنا چاہتا ہے اور اُن سے ڈرتا ہے اگر وہ خدا تعالےٰ سے ڈرتا، اور اُس کی رضامندی کی قدر کرتا، تو پوشیدگی میں بھی بدی نہ کرتا خدا تعالےٰ کو سامنے رکھنے والا ہی ظاہر و باطن میں فحشاء اور منکر سے رُک سکتا ہے

حاکموں سے ڈرنے والا، ظاہرا بدیوں سے بچے گا، لیکن احکم الحاکمین سے ڈرنے والا، ظاہر و باطن، بے حیائیوں اور بدیوں سے ضرور برکنار رہنے کی کوشش کرے گا۔ خدا تعالےٰ

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حیات بعد الممات کے لئے ہم کو خدا تعالےٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی اٹل ضرورت ہے۔ اگر ہم اس بے بسی اور بے کسی کی حالت میں خدا کو اپنا سہارا نہ بنائیں، تو ایسے وقت میں اور کون کام آسکتا ہے؟ اس وقت بھی ہم اکیلے موجود ہوں گے۔ وہ ہماری دائمی زندگی ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ زندگی بمنزلہ صفر ہے کیا ایسی زندگی کی درستی کے لئے خدا تعالےٰ کی ضرورت نہیں؟ ؎

جہاں ساتھی نہ والد اور ما ہے
وہاں جو ساتھ دیوے، وہ خدا ہے

خدا تعالےٰ کے ایمان کے بغیر جزا و سزا کے عالم کو نہیں مانا جا سکتا۔ اس کے بغیر عدل و رحم کے اعلیٰ ظہورات کا کوئی موقعہ نہیں آسکتا۔ اس دُنیا میں تمام حاکموں کی کوششوں کے باوجود بھی مکمل عدل نایاب ہے۔ صرف گذارہ چلانے اور وقت نباہنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اصل حالات کو تمام و کمال معلوم کر لینے اور کم و بیش اندازوں کی باریکیوں کا پتہ لگانے کی کسی کو طاقت ہی نہیں۔ کئی دفعہ راستباز ہار جاتے ہیں اور جھوٹے بازی لے جاتے ہیں۔ اس جگہ اصل رحمت کے اعلےٰ و مکمل ظہور بھی نہیں پائے جاتے۔ اس دُنیا میں ہٹ دھرم لوگ صادقوں کے صدق کا صفائی کے ساتھ اقرار نہیں کرتے، پھر اپنے کاذب ہونے کے معترف کیونکر ہوں؟ صرف جزا کا دن ہی دودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے دکھلانے والا ہو سکتا ہے۔ وہاں کسی مُنکر کو بھی انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ اُس وقت صدق کی قوت و برکت کا پُورا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ سو، اگر معاذ اللہ، خدا کو نہ مانا جائے، تو حق و عدالت او محبت و رحمت کے سچے اور مکمل ظہور کبھی نہیں ہو سکیں گے اور روحانی کمالات کی اعلےٰ رونق دیکھنے کا کبھی موقعہ نہیں آسکتا۔ اندریں صورت اِس دُنیا میں جان و مال قربان کر دینے والے محض بے وقوف قرار پائیں گے اور لوگوں کے مال کھانے والے عیّاش، بڑے دانا اور موقعہ شناس سمجھے جائیں گے۔ جو لوگ عدل و رحم کے اعلےٰ ظہور کے اُمیدوار نہیں، وہ خدا تعالےٰ اور اُس کی بے لاگ جزا کے قدر شناس نہیں

مخفی نہ رہے کہ حق، نیکی اور خوشی کسی فانی اور بے ثبات چیز میں قائم نہیں، اُن کا قیام حقیقی طور پر اس کے ساتھ ہے، جو اپنی ذات سے حق اور نیک اور خوش ہے۔ ذاتی طور

حصّہ لینے سے روکیں۔ جب تمام بادشاہوں کے اُوپر ایک ملک الناس اور احکم الحاکمین ہے تو کیا انہیں مناسب ہے کہ ایک دوسرے پر تعدّی وظلم کریں۔ بلاشبہ رب العالمین اور احکم الحاکمین کا ایمان انسانوں کے اتحاد کا سب سے بڑا باعث ہے، پھر خدا تعالےٰ کے ساتھ کسی اور صاحبِ اختیار کو بے غلط نہیں مانا جاسکتا۔ تمام انسانوں کو رائے دینے کا حق یکساں ہے۔ کسی آدمی کو رب کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، سب کو بندہ ہی ماننا پڑتا ہے۔ اندریں صورت خدا تعالیٰ کی توحید کے ماننے سے انسانی حریّت ومساوات کا ماننا لازم آتا ہے۔ جب خدا تعالےٰ کے ساتھ کوئی اور اعتقادی حاکم نہیں مانا جائے گا، تو اس سے تمام فرقہ بندیاں جاتی رہیں گی۔

پس خدا تعالےٰ کا سچا ایمان جہان کے امن وامان کا پُورا ضامن ہے

پنجم ۔ تمام مذاہب کی تاریخ سے متفقہ طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب کبھی حق پرستوں اور مشرکوں کا مقابلہ ہوُا ہے، تو ہمیشہ خدا پرست ہی غالب وکامیاب ہوئے۔ بُت پرستوں کی تاریخیں بھی اس امر کی بڑے زور سے شہادت دیتی ہیں

الہامی کتابوں کے نام لیوا دُنیا میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ انہی کی حکومتیں نظر آتی ہیں۔ جن لوگوں میں کوئی الہامی کتاب موجود نہیں۔ وہ غیر مہذب، وحشی اور ذلیل ہیں۔ اگرچہ الہٰی کتابوں کے نام لیوا بہت کچھ بگڑے ہوئے ہیں، مگر اُن کے بگاڑ میں بھی نسبتاً اور مقابلتہً تصرفِ الہٰی کے آثار مشاہدہ میں آرہے ہیں۔ بالیقین سچّے مومن اور صالح، ظالموں کے مقابلہ میں، ہمیشہ فوقیت حاصل کریں گے۔ خدا تعالےٰ دُنیا میں بھی انہیں کبھی ضائع نہیں ہونے دیگا۔

تمام عزت خدا تعالےٰ کے لئے ہے اور وہ عزت اسی کے تعلق سے مل سکتی ہے

خدا تعالےٰ کی ہستی کے بے شمار فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو آنے والے خطرات کی خبر دے دیتا ہے، تاکہ لوگ اُس کی طرف مائل ہوں۔ کامیابی کی خوشخبریاں بھی اکثر ملتی رہتی ہیں۔ دُنیا میں بہت ہی کم لوگ ایسے ہوں گے، جنہوں نے اپنی تمام مدت العمر میں کوئی نہ کوئی ایسی صاف وصریح خواب نہ دیکھی ہو، جو حرف بحرف پُوری نہ ہوئی ہو

کا سچا ایمان ہی بدیوں سے بچانے اور نیکیوں میں سبقت کرانے کا باعث ہے

الحاصل، خدا تعالیٰ کے ماننے سے ہی روز جزا میں عدالت و رحمت کے اعلیٰ ظہور کی امید کی جاسکتی ہے۔ اسی سے حق کی زندگی و قوت مانی جاسکتی ہے، اسی سے نیکی کرنے، اور بدی سے بچنے کے لئے اعلیٰ مقصد مل سکتا ہے۔ پھر عملاً ظاہر و باطن میں نیکیاں کرنا اور بدیوں سے بچنا بھی اسی عالیشان ایمان ہی کا ثمرہ ہے

چہارم۔ خدا تعالیٰ کے ایمان سے ہی آدمیوں میں اتحاد و محبت پیدا ہوتی ہے۔ اسی کی برکت سے انسان کی حریت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے

یہ ظاہر ہے کہ غیریت کی زیادت سے الفت میں کمی آتی جاتی ہے اور جس قدر وحدت ہوتی ہے، محبت بڑھتی جاتی ہے۔ اگر کوئی ہندوستانی امریکہ میں گیا ہو، تو اُسے اپنے ہم وطن ہندوستانی کے ملنے سے بہت خوشی حاصل ہوتی ہے اور اگر وہ شخص اس کے شہر، یا محلّہ، یا برادری سے تعلق رکھتا ہو، تو اس کی خوشی اور بھی بڑھ جاتی ہے، لیکن اگر وہ شخص، اُس کا باپ، بھائی یا بیٹا ہو، تو اُس کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہتی

اسی طرح اگر ہم مختلف قوموں کو اصل کے لحاظ سے مختلف ماں باپ کی اولاد جانیں، تو ہم میں اور اُن میں وہ اُلفت و یگانگت پیدا نہیں ہوسکتی، جو تمام بنی آدم کو ایک ہی اصل سے پیدا شدہ ماننے میں حاصل ہوتی ہے۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہونے کے سبب ہم سب بھائی ہیں۔ کسی اچھے نے کیا اچھا کہا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند　　که در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار　　دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی　　نشاید کہ نامت نہند آدمی

اسی بیان کے مطابق اگر ہم تمام اقوام و عوالم کا ایک ہی رب العالمین مانیں، اور ایک ہی رب الناس جانیں، تو ہمارے پیار و محبت کی کوئی حد نہیں رہتی

ایک بادشاہ کی رعایا کے لئے لازم ہے کہ آپس میں مل جل کر کام کریں اور بدامنی نہ پھیلائیں۔ اگر یہ بات سچ ہے، تو ہمیں حاکموں کے حاکم اور ملک الناس کی رعایا ہو کر کب زیبا ہوسکتا ہے کہ اسی کی عطاؤں میں، اسی کے دسترخوان پر، ایک دوسرے کو امن کے ساتھ

نفرت کے ساتھ بدل جاتی ہے
مرغی کو اگر انڈے نہ ملیں، تو اینٹ پتھر کے ٹکڑوں کو اپنے نیچے لے لیتی ہے، اور جب انڈوں پر بیٹھتی ہے، تو اپنے تمام آرام کو حرام کر کے خاصہ چلہ کماتی ہے، پھر بچوں کی حفاظت کرتی ہے اور خطرہ کے وقت پروں میں سمیٹ لیتی ہے، لیکن جب بچوں کو اسکی حفاظت کی زائد ضرورت نہیں ہوتی، تو انہیں دھکیلتی، اور ان کے ساتھ لڑتی ہے اور یہ ظاہر ہے، کہ جانوروں کو اپنے انڈوں، بچوں کی حفاظت و پرورش سے کسی صلہ کی توقع نہیں ہوتی
اب سوال یہ ہے کہ کیا جانور اپنے انڈوں اور بچوں کی ضروریات کا علم رکھتے ہیں، کیا وہ جانتے ہیں کہ انڈوں کو فلاں جگہ رکھنا مفید ہے اور فلاں جگہ مضر، یا ان انڈوں کے سینے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ خود ہی پرورش پا جائیں گے اور اگر ضرورت ہے، تو کیا کبھی نر کے بیٹھنے کی بھی ضرورت ہے یا نری مادہ ہی کی اور پرورش ہو چکنے پر نکال دینا، بلکہ دشمن بن جانا چاہیئے، یا نہیں
لق لق اپنے بچوں کو نہیں نکالتے، انہیں بڑھاپے میں اپنے بچوں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے، ان کی محبت دونوں طرف سے نہیں ٹوٹتی۔ سب کام حکمتوں کے مطابق ہوتے ہیں، مگر خود انہیں ان حکمتوں کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ جس طرح مثال اول میں نادان بچہ از خود سوال کا جواب دینے کے قابل نہیں۔ بالکل اسی طرح جانور بھی حکیم برحق کے سکھانے کے بغیر حسب ضرورت کاموں کو سرانجام دینے کے لائق نہیں
اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس کام کے سرانجام دینے کے لئے ذرا بھی عقل و اختیار کی ضرورت ہے، وہ کام اگر کسی نادان اور مجبور کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور اس پر کسی ہوشیار صاحب ارادہ کی نگرانی نہ ہو، یا اس کو غلطی سے بچانے کے لئے پہلے سے ہی تجاویز و تدابیر نہ کی گئی ہوں، تو ایسی روک تھام کے بغیر وہ کام ہمیشہ تباہ و برباد ہو جایا کرے۔ اس بات کا تجربہ ہر شخص جب چاہے، کر سکتا ہے
اس سلسلۂ کائنات کے تحت میں اور اس کے زیر اثر بے شمار عقل و اختیار والی مخلوق پیدا ہوتی رہی ہے۔ انسان ذمہ دار مخلوق ہے۔ اس کو صاحب اختیار ہونے کی وجہ سے اپنے اعمال و افعال کی جواب دہی کرنا پڑتی ہے۔ یہ صاحب اختیار سلسلۂ کائنات سے ہی پیدا ہوتے ہیں، مگر یہ

توحیدِ الٰہی کی مزید تشریح

اگر ایک چھوٹا بچہ ایسا سوال کا حل کردے، جس کا جواب بی۔ اے کلاس کا تعلیمیافتہ اور ذہین طالب علم ہی دے سکتا ہو، تو ضرور سمجھا جائے گا کہ اس بچہ نے وہ جواب کسی جاننے والے سے رٹ لیا ہے۔ جب وہ بچہ اس سوال کے حل کرنے کا قاعدہ ہی نہیں جانتا۔ تو وہ اس کا جواب کسی سمجھ دار سے سُننے کے بغیر کیسے دے سکتا ہے۔ اس صورت میں اگرچہ بظاہر وہ نادان بچہ ہی اس سوال کا جواب دے رہا ہے، پھر بھی ہم یقیناً اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ جواب اُس نے کسی جاننے والے سے سیکھ کر حل دیا ہے۔ ایسے سوال کے جواب دینے کی طاقت اس نادان بچہ کو بلا مددِ غیر محض اپنی ذات سے کبھی نہیں ہوسکتی

بسا اوقات اندھے ماں باپ سے بڑی بڑی آنکھوں والا بیٹا پیدا ہوجاتا ہے، اگرچہ وہ لڑکا اندھے والدین ہی سے نکلتا ہے، مگر اُس کو بڑی بڑی آنکھیں دینا والدین کا کام نہیں

مثالِ بالا میں آنکھیں دینے کے لئے آنکھوں کے لائق صانع کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سوال کا صحیح جواب دینے کے لئے ایسے شخص کا ہونا ضروری ہے، جو اس سوال کے حل کرنے کا قاعدہ جانتا ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنکھوں کے عطا کرنے کے لئے مذکورہ بالا سوال کی نسبت بہت زیادہ حکمت اور کاریگری درکار ہے

کئی جانور مناسب جگہوں میں انڈے دیتے ہیں اور پھر ہمیشہ کے لئے انہیں بھلا دیتے ہیں۔ مثلاً تیتری گوبھی کے پودے پر اپنے انڈے چپکا دیتی ہے، پھر اُن کی کبھی خبر نہیں لیتی۔ سنسار کی مادہ اپنے انڈے ریگ میں دبا جاتی ہے، بعد ازاں کبھی ان کے پاس نہیں آتی۔ ان انڈوں سے جو بچے نکلتے ہیں، اُن کو اپنے ماں باپ کی حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ بچے ماں باپ کے بغیر ہی بخوبی پرورش پا جاتے ہیں، لیکن اکثر پرندوں کو اپنے انڈے بڑی توجہ اور احتیاط کے ساتھ سینے پڑتے ہیں، پھر وہ ایک وقت تک اُن کی پرورش کرتے ہیں۔ جب بچے کچھ طاقت حاصل کر لیتے ہیں، تو وہ اُن سے بیزار ہوجاتے، اور دشمنوں کی طرح مار کر نکال دیتے ہیں۔ ماں کی پہلی محبت بالکل

ہونے کی صورت میں وہ غلام اپنے کاموں کے لئے جوابدہ ہوسکتا ہے، کیونکہ اس وقت اس کا اپنا اختیار بھی کام کرتا ہے لیکن اس کا یہ اختیار کسی صورت سے بھی حقیقی و اصلی اختیار نہیں ہے۔ اس کا اختیار زنجیروں والے کے اختیار سے باہر ہو کر کام نہیں کر سکتا۔ اصلی اختیار زنجیر والے کا ہے۔ وہ چاہے، تو اسے حرکت کرنے دے اور چاہے تو ہلنے بھی نہ دے چاہے تو کسی چیز کو ہاتھ لگانے دے، چاہے نہ لگانے دے اور اگر چاہے تو اس کے خلاف منشاء چیز پر اُسے ڈال دے۔ غلام کا اختیار کسی وقت بھی زنجیر والے کے علم و قدرت سے باہر نہیں ہوسکتا اور اس کے ڈھیل دینے کے بغیر کام نہیں کر سکتا

یہ بالکل ادنےٰ درجہ کی مثال ہے۔ غلام اور اس کا اختیار، بلکہ خود زنجیر اس زنجیر والے کی پیدا کردہ نہیں ہے۔ پھر اس کی زنجیر غلام کے ذرہ ذرہ پر بھی حاوی و محیط نہیں لیکن خدا تمام اشیاء کا خالق ہے اور اس کی زنجیریں ہر شے کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں وہی ہر شے پر بالاستقلال حکمران ہے۔ کسی کا اختیار اس کے اختیار سے باہر ہو کر کام نہیں دے سکتا، اور اس کے ڈھیل دینے کے بغیر چل نہیں سکتا

دو سلطنتیں آپس میں جنگ کرتی ہیں۔ دونوں طرف سے قواعد داں، باسامان افواج میدان میں آتی ہیں۔ تجربہ کار، وفادار افسروں کی بھی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ رسد پانی کا انتظام بھی پورے طور پر کر لیا جاتا ہے، لیکن باوجود ان تمام احتیاطوں کے ایک فریق بار بار میدان ہار کر بھی آخر کار کامیاب ہوجاتا ہے اور دوسرا فریق سخت صدمے پہنچا کر بھی شکست کھا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی ہزیمت اٹھانے کے لئے فوج کشی نہیں کرتا اور لڑائی نہیں چھیڑتا۔ نتیجہ سے پہلے دونوں فریق حیران اور صلح نہ ہوسکنے کی صورت میں اپنی فتح اور حریف کی شکست کے لئے تہ دل سے آرزو کرتے ہیں۔ جو کچھ فریقین کے اختیار میں ہوتا ہے وہ اپنی طرف سے اس کے بجالانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے، مگر بے شمار قدرتی روئیں ان کے اختیار سے باہر ہیں اور اپنے محدود علم کے سبب سے وہ غلطی میں پڑنے اور بھول جانے سے بھی نہیں بچ سکتے۔ فتح کو ضرور ہی حاصل کر لینا اور شکست سے ضرور ہی بچ جانا، اُن کے اختیار سے باہر ہے

اسی طرح مقدمات و مباحثات میں نصرت و عزت پانا، کھیتی کی پیداوار کو حسب مراد گھر میں لانا

سلسلۂ کائنات خود صاحب اختیار نہیں۔ اس سلسلۂ کائنات سے صاحبان اختیار کا پیدا ہونا بالکل ایسا ہے، جیسے اندھے ماں باپ سے بڑی بڑی آنکھوں والے بیٹوں کا پیدا ہو جانا، جس طرح اندھے ماں باپ اپنے بیٹوں کو بڑی بڑی آنکھیں دینے کے اصلی اور حقیقی باعث نہیں ہیں اسی طرح سلسلۂ کائنات کی مجبور کل ارادہ واختیار وعمل والے انسان کے پیدا ہونے کی اصلی علت نہیں ہے

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ عقل واختیار والے انسان کے پکے ارادے بھی ٹوٹتے رہتے ہیں اور اکثر دفعہ اس کے اختیار کو چلنے نہیں دیا جاتا، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا اختیار محض بالتبع ہے، بالاستقلال نہیں۔ جب بات یہ ہے، تو کیا بالتبع اور عارضی عقل واختیار کے اوپر مستقل عقل واختیار کا ہونا لازم نہیں؟ عارضی اور منحصر کو ماننا اور مستقل منحصر علیہ کو نہ ماننا بھی عجیب بات ہے

حاصل یہ ہے کہ اس سلسلۂ کائنات کے اوپر ایک صاحب ارادہ حکیم برحق ضرور موجود ہے، جو اسے بے غلط قاعدوں، بے بدل قوانین، مقررہ کیمیائی مناسبتوں، معقول ترتیبوں اور مناسب ضرورتوں کے مطابق چلاتا اور ترقی دیتا ہے اور جب بنیادی وابتدائی اشیاء آگے ترقی کر جاتی ہیں، تو ان کی جگہ ویسی ہی ابتدائی اشیاء امکان سے خارجی وجود میں لاتا رہتا ہے اور جب اخلاقی اور اختیاری دخل مناسب ہوتا ہے، تو بے غلط قواعد، ناقابل ترمیم قوانین اور احسن ترتیبوں کو توڑنے کے بغیر، تصرف کرتا ہے اور اس طرح صاحب اختیار مخلوق کے فسادوں کو مٹاتا، اور بے بس اور بیکس عاجزوں کی مدد کرتا رہتا ہے

اختیار دو قسم کا ہوتا ہے:۔

ایک آزاد اور حکمران اختیار۔ دوسرا مشروط ومقید وماتحت اختیار۔ دونوں کے امتیاز کے لئے مثال ذیل پر غور فرمائیں:۔

ایک شہزور پہلوان نے ایک میدان میں مختلف چیزیں رکھ دیں اور اپنے غلام کی گردن میں مضبوط حلقہ ڈال کر اسے ایک لمبی زنجیر کے ساتھ باندھ دیا۔ زنجیر کا دوسرا سرا اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اسے ڈھیلا چھوڑ دیا، پھر غلام کو فرمایا کہ زنجیر کے ڈھیلے ہونے کی صورت میں فلاں چیز کو کام میں لانا اور فلاں چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ اندریں حالت ظاہر ہے کہ زنجیر کے ڈھیلے

تحریکات کا پورا علم ہو، تو وہ پہلے ہی سے معلوم کر سکے گا، کہ ان رودٗں کا یہ نتیجہ نکلنا لازم ہے۔ کوئی کل اپنی مرضی سے اپنی معینہ چال کو نہیں بدل سکتی اور جس طرح چاہے، نہیں چل سکتی۔ لیکن اگر اس سلسلۂ کائنات کی کل میں اختیاری دخل دیا جائے، تو ضرور ہے کہ معینہ نتائج کی جگہ ان سے غیر نتائج بھی پیدا ہوں

یہ سلسلۂ کائنات ایسی طرز پر چلایا گیا ہے کہ اس میں اختیاری دخل برابر دیا جا سکتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے ملک کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، وہ کسی مناسب جگہ سے، دریا کے اونچے کنارہ کو کاٹ کر، اسے پہلے سے بھی زیادہ پستی کی طرف بہا سکتے ہیں۔ اور یوں دریا کی پہلی چال کو بدل کر دشمنوں کے جہازوں کو کیچڑ میں پھنسا سکتے ہیں۔ دریا کی اپنی پہلی چال سے کچھ اور نتائج نکلتے تھے، لیکن انسان دریا کے رَو کو دوسری طرف ڈال کر ان سے مختلف نتائج نکال لیتا ہے

اس سلسلۂ کائنات کی کل میں انسان اپنی سمجھ اور اختیار کے دخل سے ایک حد تک برابر تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔ وہ دریا کے اوپر پل بناتا ہے اور ان پر ریل گاڑیوں کو خاصہ کامیابی کے ساتھ چلاتا ہے۔ ہوائی سفر کے لئے ایروپلین تیار کرتا ہے، رنگا رنگ اوزار اور کلیں بناتا ہے، جہاز چلاتا ہے، شہر بساتا ہے، قسم قسم کے اناج بوتا ہے، درختوں میں پیوند لگاتا ہے، ملک ملک سے مالِ تجارت لاتا ہے، دواؤں کے جوہر نکالتا ہے۔ شفاخانے، مدرسے اور چھاپے خانے جاری کرتا ہے، علوم پھیلاتا ہے، دشمنوں اور وباؤں کا دفعیہ کرتا ہے۔ انسان ایسے ایسے تمام تغیرات اپنی ضروریات کو پورا کرنے اور تجربات کے ذریعہ سے نئے نئے معلومات حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے

اس سلسلۂ کائنات کی چال انسان کی سمجھ اور اختیار کے دخل سے ایک حد تک ضرور بدل جاتی ہے، مگر انسانی اختیار کے دخل کے بعد یہ کل بالکل کل کی طرح ہی باقاعدہ چلی جاتی ہے۔ یہ کل معینہ حسابوں اور قاعدوں کے بغیر کبھی اندھا دھند نہیں چل سکتی۔ اس میں ازخود اپنی چال کو بدلنے کی طاقت نہیں۔ اس کی اپنی چال میں، جب کبھی کوئی تبدیلی ہوگی، تو سمجھ اور اختیار کے دخل کے بغیر کبھی نہیں ہوگی۔

کائنات کی کل کی چال میں اُس کے اپنے رَو سے الگ بلاشبہ تبدیلیاں ہوتی

تجارتوں سے حسب منشاء فائدہ اٹھانا، امتحانوں اور ملازمتوں میں کامیابی حاصل کرنا، صحت
طول حیات کو فرداً فرداً ضرور ہی پالینا، بیوی بچوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک کا حاصل
ہونا، اُن کا نیک اور وفادار بننا، عزیزوں کی کامیابی اور کل دُنیا کا بھلا دیکھنا المختصر
قسم کے تمام نتائج کا ضرور ہی میسر آجانا انسان کے اختیار سے اُوپر ہے

اس بیان سے خدا تعالےٰ اور دیگر صاحب ارادہ مخلوقات کے اختیاروں میں صاف فرق معلوم ہوجاتا ہے۔ خدا تعالےٰ کا اختیار تمام اشیاء کے اوپر حکمران ہے، لیکن مخلوقات کا اختیار اس کے اختیار کے ماتحت ہے اور اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر کچھ بھی نہیں

تمام لوگوں کا اختیار قدرتی سلسلوں کے اندر جکڑا ہوا ہے۔ تمام سامانوں کا علم اور اُن پر قدرت تو علیحدہ رہی، ان کو ایک ایک سلسلہ، بلکہ ایک ایک شے کا بھی پورا علم و طاقت نہیں۔ پھر، نامعلوم مخالف سامانوں کی زد سے بچنا، ان کے علم و قدرت سے باہر ہے۔ لوگ اپنے حاصل کردہ سامانوں کے ماتحت کام کرتے ہیں اور چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلا سکتے ہیں۔ پس تمام سامانوں کا کام شروع کرنے سے پہلے مکمل طور پر حاصل کر لینا، پھر تمام رکاوٹوں پر غالب آکر ان سے حسب پسند آخری نتائج کا نکال لینا، سب لوگوں کے اختیار سے بالاتر ہے

لیکن خدا تعالےٰ کا اختیار سب چیزوں کے اوپر حاوی و محیط ہے۔ وہ اس لئے جانتا ہے کہ اس نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے، وہ اس لئے ان پر قادر ہے کہ ان کی یہ ہستی اسی کی مرضی پر موقوف و منحصر ہے۔ اس کے قانون کو اور اس کے اختیاری قطعی فیصلوں کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اس کے ارادوں اور حکموں کو کوئی نہیں پھیر سکتا۔ حکم اُس کا ہے، اور فیصلہ اُس کا ہے۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے، تو تمام مناسب اسباب اس کے حکم کے پیچھے چلتے ہیں

حاصل یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کا علم و اختیار فوق الفطرت اور مستقل ہے، لوگوں کا علم و اختیار تحت الفطرت اور عارضی ہے

یہ سلسلۂ کائنات مناسب حسابوں اور قاعدوں کے ساتھ بطور کل کے خاص طریق پر ہی چلتا ہے اور اگر کوئی صاحب اختیار اس میں دخل نہ دے، تو ضرور ہے کہ یہ معینہ نتائج پر ہی پہنچتا جائے۔ اگر کسی شخص کو اس کل کے تمام سامانوں اور پرزوں کا اور اس کی تمام تاثیرات و

لوگ اپنی ضروریات کو پُورا کرنے کے لئے اپنی سمجھ اور اختیار سے کائنات کی کل میں اپنے مناسب حال تبدیلیاں پیدا کرنے کا ارادہ کرتے رہتے ہیں، مگر بسا اوقات خود ان میں کامیابی حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور نہ کوئی اور تحت الفطرۃ صاحبِ ارادہ ہی ان کی مدد کر سکتا ہے، لیکن پھر بھی ان کی اپنے اختیار سے چاہی ہوئی تبدیلی کا وقوع، کائنات کی کل میں ان کے حسب منشاء ہو جاتا ہے۔ چونکہ حسب بیان بالا ایسا وقوع اختیاری دخل کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس لئے یقیناً ثابت ہو جاتا ہے کہ صاحبِ ارادہ لوگوں کی اپنے اختیار سے چاہی ہوئی تبدیلیاں جنہیں وہ خود پیدا نہیں کر سکتے اور نہ کوئی اور تحت الفطرۃ اختیاری ہی پیدا کر سکتا ہے محض خدا تعالےٰ کے فوق الفطرۃ اختیار کے دخل سے ہی واقع ہوتی رہتی ہیں۔ کائنات کی کل میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے اپنے اختیاری دخل سے کئے ہوئے ارادوں اور نیتّوں کو خود ہی جان لے اور پھر ان اختیاری ارادوں کے مطابق اپنے میں تبدیلی پیدا کرلے

ہم ہر روز کائنات کی کل میں اس قسم کی تبدیلیوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک آدمی اپنے اختیار سے کسی امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے، لیکن سخت بیماری کے سبب امتحان کی تیاری نہیں کر سکتا، باوجود اس کے وہ اپنے سکول کے تمام محنتی طلباء میں سے اکیلا ہی پاس ہوتا ہے۔ اس کی اپنے ارادہ سے چاہی ہوئی تبدیلی اس کے حسب منشاء پیدا کر دی جاتی ہے

ہم کسی تجارت میں اصلاح کر کے اسے نئے طریق پر چلانا چاہتے ہیں، یا کوئی نئی ایجاد یا تصنیف کر کے اس سے نفع حاصل کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں، یا کسی اصلاح کو ملک و قوم میں جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن سخت مخالفتوں، مقابلوں، مصیبتوں اور بیماریوں کے سبب سے ایسی رکاوٹیں پڑ جاتی ہیں کہ حسب منشاء نتائج کے حصول سے مایوسی ہو جاتی ہے اور جان تنزلزل میں آجاتی ہے اور ہر طرف سے ٹھٹھے ہونے لگتے ہیں، تو یک لخت غائبانہ مدد پہنچ جاتی ہے اور حسب دل خواہ مراد حاصل ہو جاتی ہے۔ ایسے تمام کام خدا تعالےٰ کے فوق الفطرۃ اختیار کے دخل کے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتے

اکثر دفعہ تھوڑے لوگ بڑی جماعتوں پر غالب ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات ناتوان اور بے سامان

رہتی ہیں، جو خدا تعالےٰ کے فوق الفطرۃ اختیار کو صاف دکھلاتی ہیں۔ اس کی کسی قدر تفصیل
ذیل میں ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے

ایک شخص اپنی سمجھ اور اختیار سے کسی کنواری یا بیوہ عورت کو اپنے نکاح کے لئے پسند کرتا ہے اور اس نکاح میں کامیاب ہونے کے لئے تمام جائز ذرائع سے کام لیتا ہے۔ وہ تہِ دل سے چاہتا ہے کہ ضرور ہی وہ عورت اس کے نکاح میں آجائے

اب اگر وہ شخص اس نکاح میں کامیاب ہو جائے، تو اس کے اس ارادہ کے پورا ہونے سے، جو اُس نے اپنے اختیار سے کیا تھا، ضرور کائنات کی کل میں اس کل کی اپنی چال سے الگ ایک تبدیلی پیدا ہوگی اور اگر وہ شخص اپنے اختیاری دخل سے اس تبدیلی کا ارادہ تو کرلے، مگر اس تبدیلی کو خود پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے اور کوئی اور شخص اس کی چاہی ہوئی تبدیلی کو اس کے حسب منشاء پیدا کردے، تو وہ دوسرا شخص بھی قدرت کے کل میں اپنے اختیار کا دخل دینے کے بغیر ایسا نہیں کرسکے گا، جس تبدیلی کا ارادہ اختیار سے کیا گیا ہے۔ اس تبدیلی کا حصول بھی اس ارادہ کے بعد ہی واقع ہوگا۔ اختیاری ارادہ فطرت کی کل میں اختیاری دخل دینے ہی سے ہوتا ہے۔ پس وہ تبدیلی، جو اس اختیاری ارادہ کے مطابق اور اس کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔ وہ ضرور اس اختیاری ارادہ کے پورا کرنے کے لئے ہی ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ کسی کے اختیاری ارادہ کو پورا کردینا بھی اختیار کے دخل کے بغیر نہیں کیا جاسکتا

ناظرین اگر اس بیان پر بخوبی غور فرمائیں گے، تو اُن پر روشن ہو جائے گا، کہ اگر کوئی شخص کائنات کی کل میں اپنے اختیاری دخل سے کسی تبدیلی کے پیدا کرنے کی خواہش کرے، اور وہ خود اس تبدیلی کو پیدا نہ کرسکے، لیکن کوئی اور اس کے حسب منشاء اس تبدیلی کو پیدا کردے، تو ضرور یہ کام اُس دوسرے شخص کے اختیاری دخل سے ہی ہوگا اختیاری دخل سے ارادہ کی ہوئی تبدیلی کو خواہ خود ارادہ کرنے والا پیدا کرے، یا اُس کی جگہ کوئی دوسرا پیدا کردے۔ دونوں صورتوں میں وہ تبدیلی کائنات کی کل میں اختیاری دخل کے بغیر نہیں ہوسکتی

اس بیان کے سمجھ لینے کے بعد التماس ہے کہ ہم ہر روز مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ

اس کے حسب منشاء تبدیلی اپنے میں پیدا کر لیا کرے۔ پھر وہ تبدیلی کئی دفعہ پہلے سے ہی خواب وغیرہ میں اطلاع دے کر اس اطلاع کے عین مطابق کی جائے، پھر ایسی حالت میں وہ تبدیلی واقع ہو، جبکہ نیچر کی کل کھلم کھلا اس تبدیلی کے بالکل مخالف چلتی آتی ہو، اور تجربہ کار و معاملہ فہم لوگ بڑے زور سے فتوے لگا رہے ہوں، کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا

ایسی آیات دنیا میں رات دن چھوٹے یا بڑے پیمانہ پر بیشمار واقع ہوتی رہتی ہیں۔ اولو الابصار کے لئے صرف نظرِ عبرت کی ضرورت ہے

کوئی آدمی جب نیچر کی مجبور کل میں کسی خاص تبدیلی کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کے لئے لازم ہوتا ہے کہ اس اختیاری ارادہ کے ساتھ اس کے لائق کوششیں بھی کرے اور اگر وہ نہ کر سکے، تو کوئی اور اس کے لئے اپنے اختیار کا دخل دے کر وہی تبدیلی پیدا کر دے لیکن جب وہ تبدیلی اس کے خاص اختیاری ارادہ کے بعد نیچر کی مجبور کل میں مناسب وقت کے اندر اس کے حسب منشاء پیدا ہو، تو کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ یہ اختیار کے دخل کے بغیر ہی ہو گئی ہے

پھر جو انسانی اختیار نیچر کی مجبور کل کو ایک حد تک اپنے نیچے چلا سکتا ہے، وہ نیچر کی مجبور کل کی پیدائش نہیں ہو سکتا۔ اس کے اختیار ملنے کے لئے بھی خدا تعالےٰ کے فوق الفطرۃ اختیار کے دخل کی ضرورت ہے

نیچر جب کہ بطور کل کے چلتی ہے، تو وہ لوگوں کے نیک و بد اختیاری ارادوں اور نیتوں میں کوئی فرق نہیں کر سکتی

غلطی اور بھول سے سنکھیا کھانے والے اور عمداً کھانے والے کو نیچر برابر مار دیتی ہے اور یہ بات سورج کی طرح ظاہر ہے کہ اعمال کی بھلائی اور برائی کا انحصار نیتوں پر ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو اعمال کا پھل نیتوں اور دلی اخلاص کے مطابق دینے کے لئے اور قابلِ رحم مظلوموں کی ان کے لائق مدد کرنے کے لئے سمیع و بصیر اور صاحبِ ارادہ حکیم کی ضرورت ہے۔ مجبور نیچر مضطروں کی پکار کا کچھ لحاظ نہیں کر سکتی

ہمارا علم و فہم بڑا محدود ہے۔ تمام اسباب کا حاصل کر لینا اور تمام مزاحمتوں سے

مظلوموں اور عاجزوں کی آنکھوں کے سامنے باسامان اور حکمران ظالم تباہ ہوجاتے ہیں اور وہ عاجز برسرِ حکومت آجاتے ہیں۔ بہت سے مریضوں کو تجربہ کار ڈاکٹر جواب دے دیتے لیکن وہ حیرت انگیز طریقوں سے شفا پاتے ہیں، جن کی زندگی سے قطعی مایوسی ہوجاتی ہے وہ ایسے طور پر صحت حاصل کرتے ہیں کہ لوگوں کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ دیکھو، مردہ زندہ ہوگیا پھر بسا اوقات ان نتائج کی خوابوں وغیرہ کے ذریعہ سے قبل از وقت نہایت کمزوری اور پریشانی کے وقت میں اطلاع بھی مِل جاتی ہے۔ ایسی تمام باتیں خداتعالےٰ کے دخل کو پورے طور پر دکھلادیتی ہیں

اگر کہا جائے کہ فطرت کی کل انسان کے اختیاری ارادوں سے قطع نظر کرکے بطور خود ہی اپنی چال پر چلی جاتی ہے اور انسان کے ارادے اس کل سے الگ اپنے طور پر واقع ہو رہے ہیں، ایک کا دوسرے پر کوئی انحصار نہیں۔ جب کبھی قدرتی چال اور انسان کے اختیاری ارادوں میں توارد و توافق ہوجاتا ہے، تو وہ کام انسان کے فائدہ کا ہوتا ہے اور جب تخالف ہوتا ہے، تو انسان کو نقصان پہنچ جاتا ہے، اس میں کسی فوق الفطرۃ ارادہ کے دخل کی کوئی ضرورت نہیں، تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ

انسان اپنے اختیار سے کوئی ارادہ کرے یا نہ کرے، اس کے اختیاری ارادہ سے قطع نظر کرکے، قدرت کی کل اپنی چال میں اپنے خاص راستے پر چل کر، جو کچھ بھی کرتی رہی، وہ ضرور ہے کہ کسی نہ کسی آدمی کے لئے کسی نہ کسی صورت میں یا مفید ہو، یا مضر ہو، یا اسکے نفع و نقصان کے ساتھ اس کا کوئی لگاؤ نہ ہو

اس جگہ ہماری بحث کا اس مطلق و بے قید حالت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے گفتگو صرف اس میں ہے کہ بے شمار انسانوں میں سے ایک خاص انسان بے شمار معاملات و مقدمات میں سے کسی خاص امر کا اپنے اختیار سے ارادہ کرتا ہے اور اس خاص معاملہ یا مقدمہ میں کسی خاص فائدہ کو حاصل کرنا، یا کسی خاص ضرر سے بچنا چاہتا ہے اور تہِ دل سے خواہش کرتا ہے کہ وہ خاص غرض، مناسب وقت کے اندر اندر حاصل ہوجائے، تو کیا ایسی حالتوں کے متعلق نیچر کی مجبور کل میں یہ طاقت پائی جاسکتی ہے کہ ایک خاص انسان کے خاص معاملہ میں خاص صورت کے فائدہ کے مطابق اس کے اختیاری ارادہ کے بعد اور مناسب وقت کے اندر

زیادہ اُلجھنوں میں پھنساتی جائے گی

پھر انسان ایک جوابدہ مخلوق ہے۔ اسے اس دنیا میں صاحبِ اختیار حاکموں اور افسروں کے سامنے بہت سے کاموں کی جواب دہی کے لئے بلایا جاتا ہے، لیکن انسان کے بے شمار گناہ و صواب اور بھی ہوتے ہیں، جن کی جواب دہی کے بغیر ہی یہ اس دُنیا سے گذر جاتا ہے۔ حاکموں کے آگے جواب دہی کرنے کے کام بھی بہت سے در پردہ اور بے سزا رہ جاتے ہیں

انسان کی جس خیانت اور چوری اور دغابازی اور زناکاری اور خونریزی کا پتہ نہیں چل سکتا، اس کی سزا اس دُنیا کے صاحبِ اختیار حکام بھی نہیں دے سکتے۔ اب کیا انسان چھپ کر اور بچ کر بدیاں کرنے میں آزاد ہے۔ اگر نہیں، تو کیا وہ مجبور نیچر کے آگے جوابدہی کریگا۔ تمام آخری اپیلوں اور ذرہ ذرہ کی جواب دہی کے لئے احکم الحاکمین ہی کی ضرورت ہے

مجبور نیچر آخری اپیلیں اور فریادیں سُننے کے بھی قابل نہیں۔ یہ کل کسی شکرگذاری کی بھی مستحق نہیں۔ شکریہ کے لائق وہ ہے، جس نے بالارادہ اس کل کو ہمارے لئے بنایا ہے یہ کل ہر شے کو اعلیٰ ارتقاؤں پہ پہنچانے اور اعلےٰ علوم اور حکمتیں سکھانے کے لئے از خود ہی نہیں چلی آسکتی

جس طرح صاحبِ ارادہ مخلوقات کا اختیار، خدا تعالےٰ کے حکمران اختیار کے ماتحت ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کچھ بھی نہیں، اسی طرح مخلوقات کا علم بھی خدا تعالےٰ کی سند کے بغیر کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ خدا تعالےٰ کی سند اس کا اپنا کلام اور اس کے اپنے کام ہیں

نیچر کی کل کے تمام کام، پیدا کرنے اور خاص ترکیب و ترتیب میں چلانے کے لحاظ سے خدا تعالےٰ کے کام ہیں۔ قلم کی تحریر کا ذمہ دار کاتب ہے

پھر اس کل میں خدا تعالےٰ اپنے تصرف کے دخل سے جو کام کرتا ہے، وہ بھی اسی کے کام ہیں اور صاحب ارادہ مخلوق کے وہ کام، جنہیں وہ اپنے اختیار سے ایک طرح پر کرتے ہیں، یا دوسری طرح پہ وہ بھی ابتدائی سامان مہیا کرنے اور ڈھیل دینے کے لحاظ سے خدا تعالےٰ ہی کے ہیں، لیکن ڈھیل دینے کے وقت ان کے اپنے اختیار سے ان کاموں کو کرنے

پیچھے رہنا ہمارے قابو میں نہیں، پھر ہماری قوتِ عمل بھی نہایت کمزور ہے۔ ایسی حالت میں ہمارا فرض صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی بساط کے مطابق تحقیق کریں اور کسی بات کو اپنی سمجھ کے مطابق نیک اور صحیح دیکھ کر عمل میں لائیں اور اپنی وسعت کے لائق کسی کوشش کے کرنے میں دریغ نہ رکھیں، لیکن اگر پھر بھی ہماری کمزوری اور کم علمی کے سبب نتیجہ صحیح نہ نکلے، تو اس کے لئے ہم ذمہ دار نہیں ٹھیرائے جا سکتے۔ اس صورت میں جو ہمارا فرض تھا، وہ ہم ادا کر چکے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ ہم اپنی نیک نیتی اور جانفشانی کے لئے، بلکہ نتیجہ میں دکھ اٹھانے کے لئے بھی کسی قدردانی کے امیدوار ہوں، لیکن اس قدردانی کی بہر صورت امید نہ ہمیں دوسرے لوگوں سے ہی ہو سکتی ہے اور نہ نیچر سے۔

ہم بڑی خیر خواہی کے ساتھ کسی شخص کو فائدہ پہنچانے کی تہِ دل سے کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش میں بڑے نقصان بھی اٹھاتے ہیں، لیکن اس شخص کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچ جاتا ہے۔ وہ ہم سے ناراض ہو جاتا ہے، بلکہ ہمیں اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک ہماری نیکی برباد ہو جاتی ہے اور گناہ لازم قرار پاتا ہے

اسی طرح ہم نیچر کی قدر کر کے پوری نیک نیتی کے ساتھ اپنی طرف سے اسکی مطابقت و متابعت میں کام کرتے ہیں، لیکن نیچر ہماری بے بضاعتی اور کم علمی کے سبب غلطی کر بیٹھنے سے ہمیں کچل ڈالتی ہے۔ وہ ہماری مجبوریوں اور معذوریوں کا کچھ لحاظ نہیں کرتی اندریں صورت کیا ہمیں ایک شاکر علیم کی ضرورت نہیں ہے، جس کی نظر صرف ہمارے اخلاص پر ہو۔ وہ نتیجہ کے غلط یا صحیح ہونے کا خیال نہ کرے، بلکہ نتیجہ میں دکھ اٹھانے کا زائد معاوضہ دے۔ جو چیزیں کل کی طرح چلتی ہیں اور جو صاحب ارادہ تحت الفطرۃ ہونے کے سبب کمزور و کم علم ہیں، وہ ایسے کام کے لائق نہیں

حقانی اصول بھی اسی صورت میں فائدہ پہنچاتے ہیں۔ جب اصل حقیقت کے لحاظ سے ان کے مطابق چلا جائے۔ کمزوری و کم علمی و مجبوری کا وہ بھی کچھ لحاظ نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے صرف خدائے شاکر علیم کی ہی ضرورت ہے۔ جو لوگ صاحب ارادہ اور دانائے کل خدا کو نہیں مانتے، وہ نیچر کی مجبور کل ہی کو خدائی کے لئے کافی سمجھتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ نیچر انسان کی مصائب کے دفعیہ کے لئے ہرگز کفایت نہیں کرے گی، بلکہ بغیر خدا کے نیچر

اوران کاموں کا پتہ لگے، جن میں فوق الفطرت مدد کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ پس ہمارے لئے نیچر کا علم حاصل کرنا اوراس سے مناسب فوائد اٹھانا لازم ہے

ہمیں چاہیئے کہ اپنی طاقت وعلم کے مطابق نیچر سے ضرور فوائد حاصل کریں۔ ایک دوسرے سے بطرز مناسب مشورے لیں اور آپس کے اتحاد و اتفاق سے قوت پائیں، ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھیں اور ایک دوسرے کی تعظیم و اطاعت و شکریہ بھی کریں۔ حاکموں اور حکیموں اور معلموں اور محافظوں سے مناسب فوائد حاصل کریں۔ انہیں بھی اپنی مدد اور کوشش کے فوائد پہنچائیں۔ خداتعالےٰ نے یہ تمام انتظام فضول اور کھیل کے طور پر نہیں بنایا، بلکہ اس لئے بنایا ہے، تاکہ ہم اس سے دنیا و آخرت کے فوائد حاصل کریں

ہاں یہ ضرور ہے کہ جب ہم اپنی بساط کے مطابق حتی الوسع نیچر سے کام لینے اور حاکموں اور حکیموں اور معلموں اور محافظوں سے بھی ممکن و مناسب مشورہ و مدد حاصل کرنے کی اپنی طرف سے کوششیں کر لیتے ہیں، لیکن پھر بھی اندھیرے میں ہی رہتے ہیں اور مقصود حاصل ہوتا ہوا، دکھلائی نہیں دیتا، تو ایسے وقت میں ہمیں فوق الفطرت امداد کی طلب ہوتی ہے۔ ایسی طلب خداتعالےٰ کے سوائے کسی اور سے کرنا ظلم عظیم ہے

زلزلوں کے وقت اور جہازوں کے طوفان میں گھر جانے کی حالت میں فطرۃً تمام لوگ خداتعالےٰ ہی کو پکارتے ہیں۔ اُس وقت اُنہیں کسی دیوتے یا پیغمبر یا ولی یا شفیع کی حاضری کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ وہ سب یک لخت دل سے محو ہو جاتے ہیں اور فطرتِ انسانی کی تمام توجہ محض خداتعالےٰ کی طرف ہی لگ جاتی ہے۔ اس وقت انسان کی حالت عابدانہ ہوتی ہے، لیکن چونکہ یہ حالت قہری اور جبری طور پر پیدا ہوتی ہے، اس لئے اس سے اختیاری عبادت اور اختیاری ایمان کا فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا

امن و آسائش کی حالت میں خداتعالےٰ کی شکرگذاری اور بھی زیادہ لازم ہونی چاہیئے تھی، مگر افسوس ہے کہ لوگ اس وقت بے خوف ہو کر خداتعالےٰ کی ضرورت ہی کو بھلا دیتے ہیں اور بجائے خداتعالےٰ کے غیروں کو پکارنے لگ جاتے ہیں

اس صحیفۂ فطرت میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے، جو دوسری مناسب چیزوں کے ساتھ ملنے کے بغیر ہی بذاتِ خود کام کرنے کے لائق ہو۔ اس صحیفۂ فطرت میں ایک دوسرے

یا نہ کرنے، یا ایک طرح پر، یا دوسری طرح پر کرنے کے لحاظ سے وہ خود ان کے اپنے کام بھی ہیں

یہ بھی یاد رہے کہ صاحب ارادہ مخلوق کے وہ کام، جنہیں خدا تعالےٰ ان کے ہاتھ سے ان کے اختیاری دخل کے بغیر خود ہی کراتا ہے۔ وہ ان کے اختیاری کام نہ ہونے کے سبب، حقیقت کے لحاظ سے، خدا تعالےٰ کے ہی کام ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ صاحب اختیار مخلوق کے تمام کام کٹھ پتلی کی طرح نہیں کرائے جاسکتے، کیونکہ اس صورت میں ان کا صاحب اختیار و مکلف و ذمہ دار ہونا باطل ہو جائیگا

خدا تعالےٰ نے ہم کو نیچر کی کل سے کام لینے کے لائق بنایا ہے۔ ہم سورج، چاند، ستاروں اور ہوا، پانی، آگ وغیرہ سے فائدے اٹھاتے ہیں۔ ہاتھیوں، اونٹوں، گھوڑوں، خچروں اور گدھوں پر سوار ہوتے ہیں اور خدا تعالےٰ کا اس کی نعمتوں کے لئے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ نیچر کی کل خدا تعالےٰ کی بڑی نعمت ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اس کل سے کام لینے میں تمام معقول کوششیں کریں اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔ دوسروں کے ساتھ مل جل کر اور صلاح و مشورہ کر کے کام کریں۔ خود بھی اُن کو مدد دیں، اور ان سے بھی مدد لیں۔ علاج و معالجہ کرائیں، تعلیم پائیں، مقدمات کا فیصلہ چاہیں اور ماں باپ اور معلمین اور ناصحین اور حکام کی ہدایات اور احکام پر چلیں

لیکن باوجود ان تمام کوششوں اور احتیاطوں کے یہ ضرور نہیں کہ نتائج ہمارے حسب منشاء نکلیں۔ ہمارا کام سعی و کوشش کرنا ہے، لیکن غلطیوں سے بچانا اور آفات کو ٹالنا اتمام کو پہنچانا اور نتائج کا حسب دلخواہ نکالنا، صرف خدا تعالےٰ کا کام ہے

جو شخص کسی کام میں ایسی امداد و اعانت کے لئے خدا تعالےٰ کے سوائے کسی اور کی طرف دھیان لگائے گا، یا اُس کو پکارے گا، وہ صریح مشرک ہے۔ جو باتیں فوق الفطرت اختیار کے ساتھ علاقہ رکھتی ہیں، اُن کا تحت الفطرت اختیار والوں سے مانگنا، قطعاً غلط ہے

بیان بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک سے بچنے اور توحید الٰہی کی پیروی کرنے کے لئے نیچر کی حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے، تاکہ فطرت کے علم سے فوق الفطرت مختار کا علم حاصل ہو

انسان آپس میں اس طرح لڑتے جھگڑتے ہیں کہ ان میں اور درندوں میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ ایک دوسرے کے حقوق شیر مادر کی طرح ہضم کر لئے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی عورتوں کی عصمت کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا

انسان اپنی کرتوتوں سے ایسی الجھنوں میں پھنس جاتا ہے، جن سے نکالنا کسی تحت الفطرۃ اختیار کی طاقت سے خارج ہوتا ہے۔ موت نے سب کی شیخی کر کری کی ہوئی ہے

الحاصل، اس صحیفۂ فطرت میں نفع وضرر اس طرح دوش بدوش موجود ہیں کہ کسی حالت پر پورا اعتماد نہیں کیا جا سکتا، جس طرح سانپ، بچھو اور زہروں میں بہتری کے پہلو بھی نکل آتے ہیں، بالکل اسی طرح شیر و شکر جیسی اشیاء میں بھی مضرت کے پہلو موجود ہیں

اس بیان سے صاف کھل جاتا ہے کہ نہ ایسی نیچر ہی اپنے آپ میں پورے بھروسے کے لائق ہے اور نہ اس میں گھرے ہوئے تحت الفطرت اختیار والوں ہی پر پورا توکل کیا جا سکتا ہے، صرف خدا تعالےٰ ہی تمام مزاحمتوں اور زیانوں سے بری ہے اور وہی سچے اعتقاد و اعتماد و تفویض و عبادت کے لائق ہے

تمام ریفارمر، حکیم اور بادشاہ اور وہ تمام لوگ، جنہیں دنیا پکارتی اور خدا کے بیٹے بناتی ہے، مصیبتوں سے گھبراتے تھے اور تلخ پیالوں کو پینا نہیں چاہتے تھے، بیماریوں سے تنگ آتے تھے، اولاد کے مرنے سے محزون ہوتے تھے، ایک حد سے زیادہ بھوک نہیں برداشت کر سکتے تھے۔ آخر کو بھوکے ہوتے تھے، غم و غصہ اور بھول چوک سے نہیں بچ سکتے تھے۔ اگر انہیں ان مصیبتوں سے بچنے کا اختیار ہوتا، تو وہ کبھی اپنے آپ پر ان مصیبتوں کو نہ آنے دیتے۔ مصیبت کو کوئی شخص خوشی سے نہیں پسند کرتا۔ صبر کے ساتھ ہی اُسے برداشت کرنا پڑتا ہے اور اگر انہیں اس قسم کا علم ہوتا کہ وہ تمام بیماریوں اور مصیبتوں کے اسباب اور ان کے دفعیہ اور علاج کے قاعدے جانتے، تو وہ اپنے آپ پر اور اپنی اولاد پر اور اپنے عزیزوں اور تابعداروں پر ان مصائب کو نہ آنے دیتے، اگر انہیں خطرناک امراض کا حکمی علاج معلوم ہوتا، تو وہ ضرور دنیا کو اس سے آگاہ کر کے جاتے وہ خدا تعالےٰ کے بتلائے ہوئے غیبوں پر کبھی تجل نہ کرتے، وہ تو انشاء اللہ کہنے کے بغیر کسی کے ساتھ کل کے لئے بھی کوئی وعدہ نہیں کر سکتے تھے

کے کاموں اور کوششوں کو ملیا میٹ کر دینے والے سامان بھی موجود ہیں۔ اندریں حالات ضروری ہے کہ ہم اپنے کاموں میں سیدھے راستہ پر چلنے اور حسب دل خواہ نتائج تک تک پہنچنے کے لئے خدا تعالےٰ ہی سے دعائیں مانگتے رہیں، یہ ہرگز زیبا نہیں کہ خود تو نیچرلی علتوں اور سامانوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں، لیکن اُن کی جگہ کام کرنے کے لئے خود خدا تعالےٰ ہی کو بلائیں اور احکم الحاکمین سے اُسے خدمتگاروں اور وزاروں کی جگہ رکھ کر خدمت لیں

تحت الفطرت اختیار والے صرف اپنی تھوڑی سی حاصل کردہ علتوں اور سامانوں ہی کے مطابق کام کر سکتے ہیں اور چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلا سکتے ہیں۔ وہ تمام مناسب اور ضروری سامانوں کو اپنے ارادہ سے ہی اپنی خواہش کے مطابق نہیں چلا سکتے، صرف فوق الفطرت مختار ہی ایک ایسا مختار ہے، جس کے محض ارادہ کے پیچھے تمام اسباب و سامان بلا مزاحمت چلتے ہیں

اس صحیفۂ فطرت کی تمام چیزیں ایک دوسرے کی احتیاج رکھتی ہیں۔ اگر مرد کو عورت کی خواہش ہے، تو عورت کو مرد کی ضرورت ہے۔ اگر بادشاہ پیٹ کی طرح ہے، تو رعیت کان، آنکھ ناک اور دیگر اعضا کی مانند ہے، سب کو مل جل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ اگر ایسا نہ کریں، تو نقصان سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اندریں صورت اگر ایک آدمی ایک لحاظ سے شکریہ کا مستحق ہے تو دوسرا آدمی دوسرے لحاظ سے ویسے ہی شکریہ کے لائق ہے

اس صحیفۂ فطرت میں تقسیم کار کے قاعدہ کے موافق چھوٹے بھی بڑے قابل قدر ہیں۔ پس ایسے انسانوں کو جو ایک دوسرے کے خادم و مددگار ہیں، ایک دوسرے کی پوجا نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر ایک پوجا کے لائق ہے، تو دوسرے کو بھی پوجا کرانے کا ویسا ہی استحقاق ہونا چاہیئے۔ عبادت کا مستحق صرف فوق الفطرت مختار ہی ہو سکتا ہے اور بس

اس صحیفۂ فطرت میں ایک اثر دوسرے اثر کو اور ایک فعل، دوسرے فعل کو بالکل نکما کر دیتا ہے۔ ایک زلزلہ بنی بنائی سلطنت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔ ایک غلطی فتح کو شکست بنا دیتی ہے۔ ایک بیماری تمام حسن و جوانی کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ قحط، لڑائیاں، وبائیں اور آتش زدگیاں خاندانوں کے خاندان، اور قوموں کی قومیں تباہ کر دیتی ہیں۔ بسا اوقات

کی اپنی شخصیت اور اس کے برسرِحکومت ہونے میں کوئی ملازمت نہیں ہے۔ اسی طرح کسی انسان کی شخصیت اور اس کے حسن و جوانی وصحت میں کوئی ضروری علاقہ نہیں۔ ممکن ہے کہ صبح کو ایک جوان محبوب و تندرست ہو، لیکن شام کو بسترِ علالت پر پڑا ہو، اور اس کے مُنہ پر ایسی سوجن ہو کہ اس کے دیکھنے سے خوف آئے اور غلاظت میں اس طرح آلودہ ہو، کہ دیکھنے والوں کو سخت نفرت آئے

یہی حال انسان کی خوشی و ہوش اور سمجھ اور دیگر کمالوں کا بھی ہے۔ صرف ایک خدا تو ہی ایسا ہے کہ جس کی شخصیت اور حق ایک ہی چیز ہے۔ اس کی شخصیت اور حکومت اور دیگر تمام ذاتی کمالات میں علٰحدگی متصور ہی نہیں ہو سکتی

اس صحیفۂ فطرت میں انسان اپنے آنکھ، ناک، کان اور دل و دماغ اور ہوش و حواس پر بھی تکیہ نہیں کر سکتا۔ دوسرے انسانوں پر بھروسہ کرنا، اپنے جان و مال و اولاد کے بھروسہ سے زیادہ بعید ہے۔ صرف ایک فوق الفطرت مختار ہی سچے توکل کے لائق ہے

ایک عورت اپنے خاوند کو خاوند مان کر اس کے حقوق ادا کرتی ہے، لیکن جب وہ مر جاتا ہے اور اس عورت کو نکاح ثانی کرنا پڑتا ہے، تو اس وقت وہ دوسرے خاوند کو پہلے خاوند کی طرح خاوند جانتی ہے اور دوسرے کے لئے پہلے خاوند والے حقوق تسلیم کرتی ہے۔ بالفرض اگر پہلا خاوند زندہ ہو کر دُنیا میں آ بھی جائے، تو اب اس سے کوئی سروکار نہ ہو گا، غیروں کی طرح اس سے پُورا پرہیز کیا جائے گا

حاصل یہ ہے کہ مخلوقات کے حقوق ادلتے بدلتے اور ٹوٹتے پھوٹتے رہتے ہیں، صرف ایک خدا تعالیٰ ہی ایسا ہے، جس کے حقوق کبھی نہیں چھوٹتے

اس صحیفۂ فطرت میں ایک خاص چیز کی جگہ ہزار ہا دوسری چیزیں ہمیں کام دے سکتی اور فوائد پہنچا سکتی ہیں۔ فائدہ رسانی کے لحاظ سے ہر چیز کا بدل موجود ہے۔ اگر ایک طبیب ہمارا علاج نہیں کرتا، تو ہم دوسرے طبیبوں سے علاج کرا سکتے ہیں۔ اگر ایک معلم ہمیں نہیں سکھاتا، تو ہم دوسروں سے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ایک بادشاہ ہماری غور و پرداخت نہیں کرتا، تو ہم دوسرے بادشاہ کے ماتحت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ فائدہ رسانی کے لحاظ سے ہر مخلوق کا بدل، بلکہ نعم البدل ہو سکتا ہے

اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ایسا اختیار و علم نہ ان کو خود اپنے لئے اور نہ اپنے متعلقین کے لئے کبھی حاصل تھا، بلکہ انہیں مصیبت الموت تک کوئی نہ کوئی تکلیف اور غم ضرور پہنچتا رہا

ایسا علم و اختیار فوق الفطرت مختار کے سوائے کسی اور کے لیئے ثابت کرنا اور اسے پکارنا ظلم عظیم ہے۔ مخلوقات کی کمزوریوں اور احتیاجوں کا علم ادنے تامل سے بسہولت بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے اور جھوٹے معبودوں کی قلعی کھل سکتی ہے

اگر کسی ملک کا انتظام کسی بچہ کی تحویل میں دے دیا جائے، تو اس ملک کی تباہی میں کوئی شک نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر خدائی تصرفات کسی مخلوق کی مرضی پر چھوڑے جائیں، تو مخلوقات کی بربادی یقینی ہو گی۔ جو لوگ ہمارے دل و دماغ و جگر و شش اور معدے کے حالات و ضروریات سے ناواقف ہیں، اگر ان کو ہمارے معاملہ میں خود مختار بنا دیا جائے، اور ہمارا انتظام ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو یہ ہمارے لئے رونے کا مقام ہے

اس صحیفۂ فطرت کی ہر شے ارتقاء میں ہے۔ جو ابتدائی چیزیں آگے بڑھ جاتی ہیں، ان کی جگہ دوسری ویسی ہی چیزیں امکان سے خارجی وجود میں لائی جاتی ہیں۔ یہ ارتقائی درجات تمام اشیاء کو ملتے رہتے ہیں۔ ایسی چیزوں میں سے اگر کوئی شے کسی ارتقائی درجہ پر پہنچ کر خدا تعالٰے کا بیٹا بن سکتی ہے، یا لائقِ عبادت قرار پا سکتی ہے، تو چونکہ اس ارتقائی درجہ کو ہر شے عبور کر کے ہی آگے بڑھتی ہے، اس لئے اس ارتقاء سے گذرتے ہوئے ہر شے کا بیٹا یا شریک بننا لازم آتا ہے، لیکن عبادت وہ اعتقاد و اعتماد و تفویض و توکل ہے جو صرف ایک کے ساتھ ہی رکھا جا سکتا ہے، اس میں کسی دوسرے کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔ بیٹے یا شریک کے ماننے سے عبادت میں دوئی لازم آتی ہے، جو عبادت کے مفہوم سے یقیناً خارج ہے

اس صحیفۂ فطرت میں ہر شے کا کمال اس کی شخصیت سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک آدمی اپنی طرف سے کوئی بات کرے، لیکن وہ بات حق نہ ہو۔ پس کسی شخص کے اپنے کلام اور اس کلام کے حق ہونے میں کوئی لزوم نہیں ہے۔ اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص صبح کے وقت بادشاہ ہو اور شام کو اس کے نوکر ہی اسے قید کر لیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی آدمی

صحیفۂ فطرت میں کوئی شے اکیلی کام کرنے کے لائق نہیں، صرف خدا تعالےٰ ہی جو فوق الفطرت ہے، اس میل جول کے سلسلہ سے باہر ہے۔ پس بدیع السموات والارض ہی جوڑے سے پاک ہے اور اسلئے اس کا ولد نہیں ہو سکتا

حاصل یہ ہے کہ ولد کے لئے والد اور والدہ کی علّتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اندریں صورت اگر ماں ہو، لیکن باپ نہ ہو۔ تو یہ محال ہے کہ خدائے قدوس خود بیچ میں آکر باپ کی جگہ کام دے۔ اسی طرح گھڑی کے کوکنے کے لئے جو علّتیں مناسب ہیں، گھڑی ان کے ذریعہ سے ہی کوکی جائے گی۔ جو علّتیں پتھر کے سرکانے اور جُوتی کے بنانے اور گندگی کے اٹھانے اور دیگر تمام تحت الفطرت کاموں کے کرنے کے لئے درکار ہیں، یہ سب کام انہی علّتوں سے بطرز مناسب لئے جائیں گے۔ خدا تعالےٰ اپنی اِن پیدا کردہ علّتوں سے کام لے گا، لیکن ان علّتوں کی جگہ خود بیچ میں آکر کبھی کام نہیں دے گا

اگر خدا تعالےٰ ان علّتوں کے کام، ان علّتوں کے بغیر خود ہی کر دیا کرے، تو ایک تو اس کا خادموں کی طرح کام کرنا اور صحیفۂ فطرت کے تحت میں صحیفۂ فطرت ہی کا ایک پُرزہ بن جانا لازم آئے اور دوسرے اِن علّتوں کا بنانا، ایک امرِ فضول ہو جائے اور ہمیں اِن علّتوں سے کام لینا ضروری نہ رہے۔ اگر لاہور جانا ہو، تو مقفّل کوٹھڑی کے اندر بیٹھ کر ہی خدا تعالےٰ کو کہہ دیا کریں کہ ہمیں لاہور پہنچا دے۔ اگر بیٹے کی ضرورت ہو، تو رُوح القدس سے سایہ ڈلوا کر ہی بیٹا حاصل کر لیا کریں

یہ خدا تعالےٰ کی ہتک کرنا اور اس کے سلسلۂ اسباب کو نکمّا بنانا اور غیر معقول سمجھنا ہے

بعض نادان کہتے ہیں کہ اگر خدا تعالےٰ نے زمین کو چلایا ہے، تو پتھر کے اس چھوٹے سے گولے کو لڑھکا کر دکھلائے۔ اگر اس نے سُورج کو گھمایا ہے، تو اس ذرا سی گھڑی کو کوک دے۔ اگر اس نے اس صحیفۂ فطرت میں بے شمار علوم رکھے ہیں اور ستاروں کو حساب کے ساتھ چلایا ہے، تو ہمارے اس سوال کا جواب کاغذ پر لکھ دے۔ وغیرہ وغیرہ

ایسے فضول سوال اس صورت میں صحیح ہو سکتے ہیں۔ اگر خدا تعالےٰ کے لئے تحت الفطرۃ علّتوں کی جگہ خود بیچ میں آکر کام کرنا صحیح ہو۔ اگر باپ کی علّت کی جگہ خدا تعالےٰ کا خود کام

صرف ایک احکم الحاکمین ہی ایسا ہے جس کا بدل ممکن نہیں۔ وہی سچے توکل اور عبادت کے لائق ہے

پھر ہر شخص کو اپنے باپ کی تعظیم کرنی لازم ہے، لیکن کوئی شخص یہ دعوے نہیں کر سکتا کہ تمام آدمی میرے ہی باپ کو اپنا باپ سمجھیں اور باپ کی طرح اسی کی عزت کریں

ہر آدمی اپنے بادشاہ کی اطاعت کرتا ہے، لیکن یہ کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے ملک والوں سے کہے کہ تم دوسرے بادشاہ کے ماتحت رہتے ہوئے، میرے بادشاہ کی ہی اطاعت کیا کرو

ہم اپنے سورج سے سورج کا کام لیتے ہیں، لیکن دوسرے نظامِ شمسی والوں کو نہیں کہہ سکتے کہ تم اپنے سورج سے نہیں، بلکہ ہمارے ہی سورج سے سورج کا کام لیا کرو

الحاصل، اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کی طرف رجوع کرنے کی، اور جس کے ساتھ توجہ لگانے کی، اور جس پر ایمان رکھنے کی ہر نظامِ شمسی والے کو یکساں ضرورت ہو اور ماضی وحال و مستقبل کے ہر زمانہ والوں کو اسی سے ہی سروکار رکھنا پڑے

صرف ایک خدائے قدوس ہی ایسا ہے، جو تمام موجودات کی توجہ و تعلق کا حق دار ہے۔۱۱ صحیفۂ فطرت کے زیرِ اثر نہیں ہے، بلکہ اس کے اوپر حکمران ہے

خدا تعالےٰ کا اختیار فوق الفطرت ہے۔ فطرت میں اس حکیم برحق نے علت و معلول کے بہت سے سلسلے بنائے ہیں۔ یہ تمام علتیں اس کی خدمت گار اور فرمانبردار ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان علتوں کے کام انہی سے لیتا ہے۔ نوکروں کی جگہ خود بیچ میں آ کر کام نہیں دیتا۔ اس نے مولود یا ولد کے پیدا کرنے کے لئے والدین کو علتیں بنایا ہے۔ ان علتوں کے بنانے سے پہلے، جسے وہ ان کے بغیر پیدا کرے گا، وہ ولد نہیں ہوگا، بلکہ سلسلۂ توالد و تناسل کی بنیادی کڑی کہلائے گا۔ یہ بنیادی کڑی بھی اپنے مناسب علتوں سے ہی بنے گی، اور چونکہ وہ علتیں نہایت بعید اور پیچیدہ ہوں گی، اس لئے ضرور ہے کہ وہ بنیادی کڑی قدرتی کل میں بڑے لمبے زمانہ کے بعد مکمل ہو

پھر جب بھی جوڑوں کا نہایت معقول اور مستحکم اور ترقی یافتہ نظام قائم ہوگیا، تو ضرور تھا کہ آگے انسان اسی احسن طریق سے پھیلتے، اس طرح تولید پانے والوں کو ولد کہتے ہیں

ہمیں امن وآسائش کے وقت خدا تعالےٰ کو یاد رکھنا چاہیئے اور عابد بن کر اس کے حکموں پر چلنا چاہیئے۔ وہ ہمارے دکھوں میں ہم کو یاد رکھے گا۔ وہ اس وقت ہمیں چھوڑ نہیں دیگا اور ہماری مناسب اصلاح فرمائے گا۔ ہم خدا تعالےٰ سے بالضرور دعائیں مانگتے ہیں، لیکن خدا تعالےٰ کو اپنے غلط خیالات اور راہوا کے پیچھے چلانا قطعاً غلط ہے

صحیفۂ فطرت مخلوق اور حاملِ علم ہونے کے لحاظ سے احسن اور مکمل ہے۔ اس میں لاانتہا علوم رکھے گئے ہیں۔ ہمارے آئندہ علمی ارتقاؤں کے وقت اس صحیفۂ فطرت کی نئی نئی شانیں کھلتی جائیں گی۔ موت کے بعد اس کے نئے نئے رنگ پیشِ نظر ہوتے جائیں گے

خدا تعالےٰ کے علوم کی کوئی حد نہیں، لیکن ہمارے علم کی حقیقت مثالِ ذیل سے کسی قدر واضح ہوسکتی ہے:۔

ایک گنجان اور بہت سی شاخوں والے اور سبز پتّوں سے لدے ہوئے درخت کے وسط میں ایک گھونسلا ہے۔ اس میں ایک انڈا ہے۔ اس انڈے کے چھلکے کے اندر ایک بچہ نکلنے کو تیار ہے۔ اس بچہ کے لئے اس کا زمین وآسمان اس انڈے کا پھوٹنے والا پوست ہی ہے۔ جب وہ بچہ اس چھلکے سے نکل آتا ہے، تو اس کے لئے کل کائنات وہ گھونسلا ہی ہوتا ہے۔ جب وہ بچہ کچھ قوت پاکر اپنے آشیانہ سے نکلتا ہے، تو اس کے لئے تمام عالم وہ پتوں سے ڈھکا ہوا درخت ہی ہوسکتا ہے

پھر جب وہ پرندہ اس درخت کے اوپر آ بیٹھتا ہے، تو اُسے یہ آسمان وزمین دکھلائی دیتے ہیں۔ زمین کی آبادی پر اس کی نگاہ پڑتی ہے۔ آسمان میں سورج، چاند اور ستارے نظر آتے ہیں، لیکن معاملہ یہاں ختم نہیں ہوجاتا، آگے لاانتہا ترقیات کے راستے کھلے ہیں

کمالِ مطلق میں ارتقاء کی گنجائش ہی نہیں۔ ایک ارتقاء کے بعد دوسرا ارتقاء اسی صورت میں متصوّر ہوسکتا ہے، جبکہ پہلے ارتقاء میں دوسرے کی نسبت کمی تسلیم کی جائے۔ جو اعلیٰ بنتا ہے، وہ ادنےٰ سے ہی اعلےٰ بنتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کمی اور ضرورت اور طلب اور امید از خود ہی پوری نہیں ہوجایا کرتیں۔ پس ایک ارتقاء سے دوسرے ارتقاء پر پہنچانا صرف ارحم الراحمین اور علیمِ کل اور کاملِ مطلق غنی ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ کوئی خلا از خود نہیں پُر ہوسکتا، اور کوئی مکان

دینا جائز ہے، تو یہ اعتراض بھی کچھ وقعت رکھ سکتے ہیں، لیکن جس صورت میں ایسا اعتقاد رکھنا، خدا تعالے کی ہتک کرتا ہے، تو ایسے اعتراض کرنے والے خدائے حکیم کی توہین کرنے والے ہیں

احکم الحاکمین نے ہمیں صحیفۂ فطرت سے بہت سے کام لینے کے لائق بنایا ہے۔ ہمیں اپنے کرنے کے کام خود ہی کرنے لازم ہیں۔ ہمیں اپنے دل و دماغ اور آنکھ، کان اور جوارح اور دیگر عطیاتِ الٰہی سے کام لینا اور ان کی قدر کرنا چاہیئے۔ ایسا کرنا ہرگز زیبا نہیں، کہ خود تو بندے بن کر خدا تعالے کی نعمتوں سے کام نہ لیں اور خدا تعالے کو بندہ بننے کے لئے بلائیں دیکھیئے، مرد و عورت کیسے عجیب تناسب کے ساتھ ایک دوسرے کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم مناسب طریق سے آپس میں سکینت حاصل کریں

ہمیں پتھر کو سرکانے کی طاقت بخشی گئی ہے۔ پس ہم منعم حقیقی کی عطا کردہ طاقت سے خود پتھر کو سرکائیں۔ گھڑی کو ہم نے اس کے دیئے ہوئے علم سے بنایا ہے۔ اس کے کوکنے کے لئے خدا تعالے کو بلانا کیسے مناسب ہے، خود ہی اسے کوکیں

ہم نے صحیفۂ فطرت سے بہت سے علم حاصل کئے ہیں۔ انہی علوم کے مطابق سوالات بھی حل کر لیا کریں، کوشش کریں گے، تو آگے زیادہ انعام پائیں گے۔ بے قدری کرینگے تو خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔ جو کام ہم اسی کے عطیات سے اور اسی کے دیئے ہوئے علوم سے کرتے ہیں۔ وہ کام بھی حقیقت کے لحاظ سے اسی کے انعام ہیں

خدا تعالے سے ایسی دعائیں کرنا، جن سے اس کا درمیانی علتوں کی جگہ خود آکر کام کرنا پایا جائے، یا سلسلۂ علت و معلول کا فضول ہونا لازم آئے، یا جن سے خدا تعالے ہمارے غلط سلط خیالات اور اہواء پر چلنے کو مجبور ہو جائے، معتدین کا کام ہے

اگر خدائے برحق ہمارے اہواء کے پیچھے چلے، تو زمین و آسمان تباہ ہو جائیں۔ ہمیں خدا تعالے سے ایسی دعائیں کرنی چاہئیں کہ:۔

اے معبود برحق! ہم تیرے عابد بن کر تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھے راستے پر چلا اور دنیاء و آخرت میں جو ہمارے لئے حسنہ ہے، وہ ہمیں عطا فرما۔ ہمیں انعام والوں کا راستہ دکھلا

کے یقین میں اسی نسبت سے زیادہ قوت و رونق نہیں آنی چاہیئے
انسان اپنے ماحول کے حالات سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ ماحول کے بدلنے اور جذبات کے بھڑکنے سے اس کے علم و یقین پر بھی دباؤ پڑ جاتا ہے
جو لوگ اس دباؤ کا مقابلہ کر کے اپنے سچے ایمان کو قائم رکھتے ہیں، ان میں بہادری کی رُوح پیدا ہوتی جاتی ہے اور اُن کی ثابت قدمی بڑھتی جاتی ہے لیکن جو لوگ اس مقابلہ سے جی چُراتے ہیں، اُن کے دل زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ ایمان بالغیب کی خوبی اس مقابلہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ ع

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

الغرض نیک انسان اس دُنیا میں اپنی مرضی کو احکم الحاکمین کی مرضی کے پیچھے چلانے اور اس کی رضا پر راضی ہونے کی عابدانہ کوشش کرتے ہیں، لیکن جب آخرت ان کے سامنے آتی ہے، تو انہیں بے غلط اور رحیم خدا کی رضا میں ہی اصل خوشی نظر آتی ہے۔ اس وقت نیک لوگ عابدانہ کوشش کے بجائے دلی محبت اور شوق سے خدا تعالےٰ کی رضا ہی میں اپنی خوشی دیکھتے ہیں، لیکن جنہوں نے اس دُنیا میں خدا تعالےٰ کی رضا چاہنے کے لئے عابدانہ کوشش نہیں کی، وہ پردوں کے کھُل جانے کے وقت سخت ندامت اٹھاتے ہیں، اور سخت دلی کے مرض کے لئے سخت علاج، یعنی نارِ جہنم کی طرف مضطر ہوتے ہیں
حاصل یہ ہے کہ نیک لوگ جو اس دُنیا میں اپنی خوشی بے غلط خدا تعالےٰ کی رضا ہی میں دیکھنے کی عابدانہ کوشش کرتے ہیں۔ جب وہ دوسرے عالم میں سچ مچ اپنی خوشی خدا تعالےٰ کی رضا ہی میں پاتے ہیں اور ان کی اپنی رضا کا کوئی استقلال باقی نہیں رہتا۔ اگر خدا تعالےٰ کسی کو جنت دیتا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ سے بڑھ کر رحیم اور کون ہو سکتا ہے اور اگر کسی کو جہنم میں ڈالتا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ سے بڑھ کر حکیم اور کون ہو سکتا ہے۔
تو اس صورت میں جو لوگ اُن کو پکارتے ہیں۔ کیا وہ انہیں خلاف منشائے الٰہی کچھ فائدہ دے سکتے ہیں، یا ان کی اس حرکت سے خوش ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں
برعکس اس کے خدا تعالےٰ کی بے قدری کرنے والوں سے وہ سخت ناراض ہو جاتے ہیں اور ان کے دشمن بن جاتے ہیں، کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ رنج خدا تعالےٰ کی مخالفت ہی

اپنے مکینوں کو خود نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح وسعتِ مکانی اپنے لائق مادہ کو خود اپنے میں نہیں لا سکتی۔ مادہ کے لئے مکان کی بلاشبہ ضرورت ہے لیکن مکان بغیر مادہ کے بھی ہو سکتا ہے۔ پس مکان کے وجود کے ساتھ مادہ کے وجود کا کوئی لزوم و وجوب نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جو چیز کسی کو اپنے فعل سے نہیں مل سکتی، وہ اسے خارج سے ملی ہے

پھر دیکھیئے، کہ اگر ہم کسی بھلے یا بُرے جلسہ میں شامل ہو کر اس سے حظ اٹھانا چاہیں تو وہ حظ بانیٔ جلسہ کی موافقت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ مخالفت و ناراضگی کی حالت میں کسی جلسہ کی شمولیت خوشی کا موجب نہیں بن سکتی

یہ کائنات بھی ایک بڑے جلسہ کی مانند ہے۔ جس کی شمولیت سے ہم ترک نہیں سکتے۔ یہ جلسہ خدا تعالےٰ کا تجویز کردہ ہے۔ پس اس جلسہ سے بھی ہم خدا تعالےٰ کی موافقت اور اس کی رضامندی کے بغیر حظ نہیں اٹھا سکتے

اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ بسا اوقات ہمارے چاؤں کے برخلاف ہوتا ہے ہم اس کی حکمت نہ سمجھنے کے سبب شکوے کرتے ہیں اور غم و غصّہ میں مبتلا رہتے ہیں، لیکن اگر ہم منشائے الٰہی کے ساتھ موافقت کرنا سیکھیں اور رضا و تسلیم کے رنگ سے رنگے جائیں اور اپنی مرضی کو خدا تعالےٰ کی مرضی کے پیچھے لٹا دیں اور اُس کی رضا میں اپنی خوشی دیکھیں تو ہم ہر حال میں خوش ہو سکتے ہیں۔ بے غلط خدا کے پیچھے چلنے سے ہی ہم خوشی و امن پا سکتے ہیں۔ سوائے خدا کے کسی کی رضا کو استقلال دینے سے خوشی اور امن نہیں مل سکتا۔ اصلی خوشی کا مالک اور حقیقی توکّل کے لائق بے غلط خدا ہی ہے۔ اسی کے ہاتھ میں اپنے آپ کو سونپ دینے سے ہی اصلی خوشی حاصل ہو سکتی ہے اور ﴿لاخوفٌ علیہم ولا ھم یحزنون﴾ کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے

اس دُنیا میں انسان کو ضروری علم و یقین تو ضرور حاصل ہو سکتا ہے، لیکن موت کے بعد اصلی حالات کا معائنہ و مشاہدہ کر کے موجودہ یقین میں جو قوت آتی ہے، وہ اس دُنیا میں محض دلائل اور مثالوں کے ساتھ، بلکہ اس تعلیم کے ساتھ بھی جو وحی سے ملتی ہے، نہیں پیدا ہو سکتی

دوسری زندگی میں جب سخت سے سخت کافر بھی کسی طرح انکار نہیں کر سکتے، تو کیا مومنوں

اُس افسر کو رازق جانتا ہے۔ رزق کا ذمہ دار خدا تعالےٰ ہے۔ اگر ایک دروازہ بند ہو جائے تو وہ دوسرا دروازہ کھول سکتا ہے اور اگر ایک ذریعہ جاتا رہے، تو وہ دوسرے ذرائع مہیّا کر سکتا ہے

مَنّ واذٰے اور ریاکاری سے تمام عبادتیں اور سخاوتیں ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ عابد و سخی کہلانے کے لئے عبادت و سخاوت کرنا نہایت ہی ادنےٰ خیال ہے۔ ایک بزرگ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے ؎

پارسایان روئے در مخلوق
پشت بر قبلہ مے کنند نماز

سچا قبلہ خالق تعالےٰ ہی ہے اور بس!

پھر دیکھئے، کسی کام کو اس کے قدرتی اور طبعی فوائد کے لئے کرنا ہرگز منع نہیں، لیکن جو کام اپنے مناسب فوائد سے خالی ہو، تو ایسے کام کو خدا تعالےٰ کے سوائے کسی اور کی عظمت و ہیبت کے لئے کرنا اور محض اس کے تعلق سے ہی اُسے ثواب جاننا، ظلم عظیم ہے کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے کسی مخلوق کے نام لینے کی کوئی قدرتی یا طبعی ضرورت نہیں۔ ذبح کے وقت کسی انسان یا فرشتے کا نام ذکر کرنا کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ ایسے تمام کام اظہارِ عظمت و وقار کے لئے صرف خدا تعالےٰ ہی کے ساتھ خصوصیت رکھ سکتے ہیں اور اسی کے تعلق سے مفید و نتیجہ خیز بن سکتے ہیں

خدا تعالےٰ کی تعلیمی وحی رسولوں کے ذریعہ سے پہنچتی ہے۔ اس فائدہ کے سبب رسولوں کا بالتبع ماننا لازم آتا ہے، لیکن اگر اس فائدہ کا لحاظ نہ کیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ رسول اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کے ساتھ محض منوانے ہی کے لئے آتے ہیں، جس طرح خدا تعالےٰ کا محض ماننا نتیجہ خیز اور مفید ہے۔ یہی حال محض ان کے ماننے کا بھی ہے۔ ایمان کے خارجی فوائد کے بغیر ان کا اپنے آپ میں ماننا ہی ضروری ہے۔ گویا ان کا آنا، ان لوگوں کو جو انہیں نہ مانیں، صرف کافر ٹھیرانے کے لئے ہی ہوتا ہے، تو ان کا اس طرح پر ماننا عین کفر ہے ایسا فوق الفطرت ایمان سوائے فوق الفطرت مختار کے کسی اور کے تعلق سے ہرگز ہرگز کوئی نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا۔ ایسے تمام کام جو اپنے قدرتی فوائد سے خالی ہوں اور وہ صرف

میں ہے

اس بیان سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالے کی رضا جوئی اخروی نجات کے لئے کس قدر ضروری ہے، جس طرح اس عالم کی ترقی مادیات سے ہوتی ہے۔ اسی طرح دوسرے عالم کی ترقی خیالات و نیّات و اعتقادات کی درستی پر منحصر ہے

نیچر غلطیوں کو نہیں معاف کرتی۔ دلی اخلاص کا کچھ لحاظ نہیں رکھتی۔ ہماری توبہ و استغفار اور گریہ و زاری کو دھیان میں نہیں لاتی۔ بہت سے مظلوموں کو یونہی بے نیل مرام اس دنیا سے باہر نکال دیتی ہے۔ ایسی تمام باتوں کا لحاظ صرف سمیع علیم اور قدردان خدا ہی رکھ سکتا ہے۔ جو فوق الفطرت اختیار کا مالک ہے۔ پس خدا تعالے کی رضامندی کے لئے نیکیوں کا کرنا اور بدیوں سے بچنا، نہایت ہی ضروری ہے

جو کام قدرتی قواعد کے ماتحت صحت کے ساتھ کئے جاتے ہیں، وہ قدرتی فوائد سے خالی نہیں ہو سکتے۔ دہریہ بھی ان سے مستفید ہو سکتا ہے، لیکن جب وہ کام خدا تعالے کی رضا جوئی کی نیت سے کئے جائیں، تو وہ دوسری زندگی کے لحاظ سے بھی جس کی بنیاد نیک نیتوں اور نیک اعتقادوں پر قائم ہوتی ہے، حسنات اور باعث ثواب بن جاتے ہیں۔ برعکس اس کے خدا تعالے سے لاپروائی کرنے کا نتیجہ گنہگاری اور رحمت سے دوری ہوتا ہے

فوق الفطرت مختار کا کوئی ارادہ رک نہیں سکتا۔ وہ کسی ایسے قوانین رحم و انصاف پر نہیں چلتا، جو اس سے الگ موجود چلے آتے ہوں۔ وہ کسی از خود قائم حق کا پیرو نہیں، بلکہ اس کا اپنا ارادہ ہی عین رحمت و انصاف و حق ہوتا ہے۔ جو کچھ بھی صدق و عدل و رحم کی صورت میں جلوہ گر ہے، وہ اسی کے پاک منشاء کا اظہار ہے

اگر ایسا سچا خدا اپنے بندے سے راضی نہ ہو، تو تمام کائنات کی رضامندی اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور اگر راضی ہو، تو کسی کی ناراضگی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اس کی رضامندی سے مخالف ہونے کی صورت میں تمام رضامندیاں قابل رد ہیں

اگر کوئی افسر کسی بے گناہ کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنے ملازم کو مجبور کرے، کہ وہ اس بے گناہ کے برخلاف جھوٹی گواہی دے، تو ایسی حالت میں اس افسر کا کہنا ہرگز نہ ماننا چاہیئے اور اس کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ نوکری کے جاتے رہنے کے خوف سے جھوٹ بول دینا

کے معنے یہ ہیں کہ اس سے وہ تمام کام ہو سکتے ہیں، جن کے کرنے کی اس کو قدرت ہے
اگر اس سے بلا لحاظ کسی دوسری چیز کی موجودگی کے کچھ ہو نہیں سکتا، تو اس کے صاف یہ معنے ہوں گے، کہ وہ خود کچھ کر نہیں سکتا۔ جہاں کر سکنا ہے، وہاں ہو سکنا بھی ساتھ ہی لازم ہے
لازم اگرچہ ملزوم کے ساتھ ہی ہوتا ہے، مگر اس کے بغیر پایا نہیں جا سکتا

پھر کر سکنا، کر سکنے والے یعنی قادر کی صفت ہے، جو پہلے ہی بالفعل موجود ہوتا ہے
لیکن ہو سکنا، ہو سکنے والے یعنی ممکن کی صفت ہے، جو پہلے بالفعل موجود نہیں ہوتا

محال و ممتنع وہ ہے، جو نہ پہلے ہی موجود ہوتا ہے اور نہ کبھی آئندہ ہی موجود ہو سکتا ہے۔ ممکن اگرچہ پہلے موجود بوجود خارجی نہیں ہوتا، مگر ہو سکتا ہے۔ اگر ممکن میں ہو سکنا نہ پایا جائے، یا یوں کہو کہ اگر ممکن بھی نہ ہو سکے، تو وہ ممکن نہیں محال ہے

پس قادر یعنی کر سکنے والے کے ساتھ ممکن یعنی ہو سکنے والا ہمیشہ سے ضرور لازم و ثابت ہے۔ لیکن بوجودِ خارجی نہیں

پھر کر سکنے کی صفت کوئی حقیقت نہیں رکھ سکتی۔ اگر وہ حسبِ ارادہ فعل میں نہ آ سکے
اگر کر سکنے والے سے کسی کام کا کر دینا بلا موجودگی کسی اور شے کے کبھی بھی ظہور میں نہ آ سکے، تو وہ کر سکنے والا بھی نہیں

اس سے لازم آتا ہے کہ جو بذاتِ خود کچھ کر سکنے والا ہے، وہ جس وقت اپنی آزاد مرضی سے کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے، تو وہ اُسے ضرور کر بھی دیتا ہے، یا یوں کہو کہ اسے وجودِ خارجی بخش دیتا ہے

اگر یہ سچ ہے کہ کر سکنا فعل میں آ کر کر دینا ہو جاتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ اسی فعل کے سبب ہو سکنا، ہو جانا نہ بن جائے۔ کسی کام کا کر دینا، اسی صورت میں صحیح ٹھیر سکتا ہے جبکہ وہ کام ہو بھی جائے۔ اگر وہ کام ہو نہیں گیا، تو یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ کام کر دیا ہے۔ کر سکنے اور کر دینے میں جو نسبت ہے، وہی نسبت ہو سکنے اور ہو جانے میں ہے

یہ بھی یاد رہے کہ کسی کام کے کر دینے کے بعد خدا تعالےٰ میں کر سکنے کی صفت بلا فرق اسی طرح موجود ہوتی ہے، جیسا کہ اس کام کے کر دینے سے پہلے ہوتی ہے۔ پس کسی ہو سکنے

فوق الفطرت عظمت و وقار ہی کے دکھلانے کے لئے کئے جاتے ہوں، وہ طبعی خوف و محبت سے بھی کوئی علاقہ نہ رکھتے ہوں۔ وہ فوق الفطرت مختار کے ساتھ ہی خاص ہیں

پھر فوق الفطرت مختار کے لئے دور و نزدیک، مشکل و آسان، پوشیدہ و ظاہر سب یکساں ہیں، کسی اور کو ایسا سمجھنا اور اسے دور و نزدیک سے پکارنا اور اٹھتے بیٹھتے اس کا نام لینا سرتاپا غلط ہے۔ فوق الفطرت مختار صرف ایک ہی ہو سکتا ہے

اگر کوئی شخص دور و نزدیک سے یکساں سننے والا ہو، تو وہ اکیلا ہی سب کے پکارنے کے لائق ہوگا، جن کو مختلف زمانوں اور مکانوں کے لوگ الگ الگ پکارنے کے لائق سمجھتے آئے ہیں۔ ان سب کا پکارنا باطل ہے۔ سوائے خدا تعالٰے کے کبھی کوئی اور شخص متفقہ طور پر پکارنے کے لائق نہیں سمجھا گیا اور اس صفت کا مالک بھی صرف ایک ہی ہونا چاہیئے

اللہ تعالٰے کی صفات ذاتی ہیں۔ وہ اپنی ذات میں ہی تمام خوبیوں کا مالک ہے۔ ذاتی صفتیں نہ کہیں سے لی جاتی ہیں اور نہ کسی کو دی جا سکتی ہیں۔ پس خدائی صفات کسی میں نہیں آسکتیں۔ مخلوقات کی ہستی اور صفات و حرکات خدا تعالٰے کے فعل و تحریک و تعلیم و تربیت سے ملی ہیں اور اسی لئے ان سے چھینی بھی جا سکتی ہیں۔ اگر تمام چیزیں اپنے وجود خارجی کو کھو کر امکان محض میں چلی جاویں، تو خدا تعالٰے ان کو پھر اسی طرح سے پیدا کر سکتا ہے۔ ممکنات کے خزانے ہمیشہ اس کے پاس موجود رہتے ہیں۔ جنہیں وہ جب چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے، وجودِ خارجی میں لاتا ہے۔ اس کی مالکیت حقیقی ہے، وہ اصلی غنی ہے باقی سب فقیر ہیں

ہمارے پاس جو کچھ ہے، وہ خرچ ہو جاتا ہے، لیکن خدا تعالٰے کے پاس جو کچھ ہے، وہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ارادی فعل و تحریک تعلیم سے ہمیں وجود خارجی و قوت وسامان و علم دیتا ہے اور جب ہم اس کے مطابق کام کرتے ہیں، تو نتائج صحیحہ تک وہی پہنچاتا ہے۔ بلاشبہ وہ رحمٰن و رحیم ہے

خالق و مخلوق کسی صورت سے بھی ایک نہیں ہو سکتے، ورنہ ایک کو خالق جاننا اور دوسرے کو مخلوق ماننا، صحیح نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی درست نہیں کہ مخلوق خود ہی اپنی خالق ہو۔ پس خالق و مخلوق میں حقیقی فرق و امتیاز کا ہونا لازم ہے

خدا تعالٰے کی ذات و صفات قدیم ہیں۔ قدرت یعنی کر سکنا، اس کی دائمی صفت ہے۔ کر سکنے

جائے اور آئندہ ایسے نمونہ کی کوئی ضرورت نہ رہے، بالکل غلط ہے۔ جب بھی کوئی شخص مردانہ وار جرأت کرکے حق پر چلانے کے لئے اور یہ دکھلانے کے لئے کہ اس حق بات پر چلنا محال نہیں، ممکن ہے نمونہ بن جائے، وہ ہمیشہ بہت لوگوں کے لئے مفید ہوتا ہے۔ ایسے نمونوں کی اگر مل سکیں، تو ہر وقت ضرورت ہے۔ یہ ضرورت کسی خاص شخص کے ساتھ کسی خاص زمانہ میں ہی ختم نہیں ہوجاتی

بلاشبہ گذشتہ بزرگوں اور بہادروں کے حالات پڑھ کر بھی جرأت اور رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس طرح زندہ بہادر بھی دوسروں کے لئے نمونہ بن جاتے ہیں، لیکن یہ نمونے حق پر چلنے کا شوق ضرور دلاتے ہیں، مگر احکامِ الٰہی میں کچھ کمی بیشی کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے

حق کی تعلیم اور عملی نمونے دو چیزیں ہیں۔ بلاشبہ نمونوں میں زائد فائدہ ہوتا ہے، لیکن اگر دُنیا میں کوئی بھی نمونہ نہ ہو اور لوگ سب کے سب بگڑ جائیں اور کسی کو حق کا شوق نہ رہے، تو بھی اس سے حق کی اصل تعلیم میں خواہ مخواہ کوئی فرق نہیں آجائے گا۔ نمونے عملاً حق کو دکھلاکر لوگوں کو حق کی تعلیم کی طرف مائل کرتے ہیں اور اس کی قدر دلوں میں بٹھاتے ہیں اور اس کا شوق پیدا کرتے ہیں، مگر وہ اصل حق کو بنانے والے نہیں ہیں۔ اگر وہ حق کی تعلیم کے برخلاف ہیں، تو وہ اس تعلیم کے نمونے ہو ہی نہیں سکتے

بڑا افسوس ہے کہ لوگ اپنے بزرگوں کو نمونہ کہہ کر تو پیش کرتے ہیں، مگر اس نمونہ کے معنے یہ لے لیتے ہیں کہ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اختیار ملا ہوتا ہے کہ اصل الٰہی تعلیم میں جو کچھ بھی کمی و بیشی وہ کردیں، وہ الٰہی تعلیم کی طرح ہی، اعتقاد صحت کے ساتھ اصولاً ہمیشہ کے لئے واجب الاطاعت ہوتی ہے۔ مقصود ان کا اس سے یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام کی طرح کسی انسان کے اپنے اقوال و افعال کو بھی منوایا جائے اور دائمی شریعت بنایا جائے

دوم۔ انسانوں کے مقرر کردہ قواعد و قوانین کی اصلاح و تکمیل دوسرے انسان بھی کرسکتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ایک انسان کی ترمیمات دوسروں سے اعلیٰ ثابت ہوتی ہیں، لیکن احکامِ الٰہی کی تکمیل کے لئے حکمِ الٰہی ہی کی ضرورت ہے۔ یہ حق اگر کسی انسان کو مل سکتا ہے، تو انسانیت والا حق دوسرے انسانوں کو بھی مل سکتا ہے، لیکن کسی بھی انسانی حکم میں

والے کے ہو جانے کے بعد ممکنات کا خزانہ جو قدرتِ الٰہی کے لئے لازم ہے، کچھ کم نہیں ہو جاتا۔ اس بیان سے خالق و مخلوق کے فرق کا کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے

خدا تعالےٰ ایک ہی قسم کے ممکنات میں سے جسے چاہتا ہے، پہلے وجود خارجی میں لاتا ہے اور جسے چاہتا ہے مؤخر کر دیتا ہے اور یوں اسے کام کرنے کا موقعہ پیچھے دیتا ہے، لیکن جس ممکن کو چاہتا ہے کہ اسے وجودِ خارجی میں نہ لائے، اسے ہمیشہ امکان ہی میں رہنے دیتا ہے۔ ان تمام باتوں میں اس کا مختار ہونا لازم ہے

اگر خدا تعالےٰ اپنے تمام مقدورات و ممکنات کو ایک دفعہ اکٹھے ہی وجودِ خارجی میں لانے کے لئے مجبور ہو، تو یہ قطعاً محال ہے، اس لئے کہ اگر یہ سمجھا جائے کہ وہ اپنی قدرت کے تمام ممکنات و مقدورات کو ایک ہی دفعہ ظہور میں لے آتا ہے اور پھر اس کے لئے کوئی چیز ممکن نہیں رہتی، تو اس سے لازم آئے گا کہ آئندہ اس میں کر سکنے کی صفت یعنی قدرت موجود نہ رہے لیکن یہ غلط ہے۔ خدا تعالےٰ ایک چیز کو بنا کر پھر بھی اس کی بے شمار مثلوں کے بنانے پر قادر ہی رہتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک اس میں قدرت یعنی کر سکنے کی صفت موجود ہے اس کے مقدورات و ممکنات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ ہر کام اس کے ارادہ کے بعد ہوتا ہے اور ارادہ کرنے کی صفت کبھی اس سے الگ نہیں ہو جاتی

اسی طرح خدا تعالےٰ اپنے فوق الفطرت تصرفات کے کرنے میں بھی پورا اختیار رکھتا ہے، وہ انہیں کسی جبر کے ماتحت عمل میں نہیں لاتا

خدا تعالےٰ کے مستقل بیٹوں اور شریکوں کا ثابت کرنا تو محال ہے لیکن مشرک لوگ چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان کے بزرگ بھی خدا تعالےٰ کے ساتھ عام بزرگوں کی طرح نہیں، بلکہ خصوصیت کے ساتھ مانے جا سکیں، اس لئے وہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے بزرگوں میں ایسی خصوصیتیں ثابت کریں، جن کے سبب سے وہ خدا تعالےٰ کے ساتھ خاص طور پر ماننے کے لائق بن جائیں۔ اس کے ثابت کرنے کے لئے کئی داؤ پیچ کھیلے جاتے ہیں :۔

اوّل۔ حق کی تعلیم کے ساتھ اگر عملی نمونے جرأت اور شوق دلانے کے لئے اور سستوں کو جگانے کے لئے موجود ہوتے رہیں، تو بلاشبہ یہ ایک نہایت مفید بات ہے، لیکن ایسے نمونوں میں یہ خصوصیت پیدا کرنی کہ ضرور فلاں شخص ہی فلاں وقت میں ایسا نمونہ بن۔۔

ہے اور کوئی اسے نہیں کہہ سکتا کہ تو نے اسے اپنے دل سے بنا لیا ہے
خدا تعالےٰ کسی انسان کی جس بات کی تصدیق کر دے، وہ بات ضرور ہی صحیح ہوگی اور جس بات کی تردید کر دے وہ ضرور غلط ہوگی، لیکن اس کی جن باتوں کی نہ تصدیق کرے، اور نہ تکذیب، انہیں وہ ہماری تحقیقات پر چھوڑنا ہی کافی سمجھتا ہے۔ لیکن بڑا افسوس ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ اس انسان کی جن باتوں کی نہ تصدیق کرے اور نہ تردید، وہ بھی خدا تعالےٰ کی مصدقہ باتوں کی طرح ہی اعتقاد صحت کے ساتھ واجب الاطاعت ہوتی ہیں۔ ان کے نزدیک مصدّقہ اور غیر مصدّقہ کی ایک ہی حیثیت ہے۔ غرض ان کی ایسی بناوٹوں سے یہ ہے کہ کوئی خاص آدمی غیر مصدقہ الٰہی باتوں میں بھی خدا تعالےٰ کی طرح قابل اعتقاد سمجھا جائے اور اس کی باتوں میں کسی اصلاح کی باوجود معقول ضرورت کے بھی گنجائش نہ رہے
چہارم۔ خدا تعالےٰ اس صحیفۂ فطرت میں جو تصرفات کرتا ہے، ان میں اپنے اختیار کو ہمیشہ قائم رکھتا ہے چونکہ یہ تصرفات فوق الفطرت اختیار کے ہیں، اس لئے اگر ان تصرفات کو کسی تحت الفطرت مختار کی مرضی کے ساتھ معلق کر دیا جائے، تو یہ تصرفات فوق الفطرت نہیں رہیں گے
دیکھئے، خدا تعالےٰ اپنی مرضی سے کسی کو بیٹا عنایت کرے، یا نہ کرے اور اسے نکما ساخت والا، یا زندگی والا بنائے یا نہ بنائے، اس کا اختیار ہے، لیکن اگر خدا تعالےٰ کسی شخص کو کہہ دے کہ میں تیری درخواست پر لوگوں کو بیٹے دیا کروں گا، اور تیرے کہنے پر انہیں تندرست اور زندگی والا بنا دیا کروں گا، تو اس سے خدا تعالےٰ کا فوق الفطرت اختیار اپنے عرش سے گر جائے گا، یا اس عرش پر دوسرا شخص اس کے داہنے جا بیٹھے گا
جو فیصلے خدا تعالےٰ اپنے فوق الفطرت اختیار سے دیتا ہے، ان میں کسی اور کے اختیار اور مرضی کو دخیل بنانا قطعاً غلط ہے۔ خدا تعالےٰ کبھی کسی صاحب اختیار کو اس کی اختیاری حالت میں اپنا فیصلہ دینے میں اپنے ساتھ دوسرا اصول نہیں ٹھہرائے گا
خدا تعالےٰ کسی شخص کے ساتھ ایسا وعدہ ہرگز نہیں کرے گا، کہ تو جس کے لئے جو کچھ بھی مانگے، میں اسی رنگ میں تیرے کہنے کے مطابق اسے دیدیا کرونگا
بڑا افسوس ہے کہ لوگ جسے چاہتے ہیں، خدا تعالےٰ سے ایسے ایسے اختیار دلوا کر

بلا تصدیق الٰہی از خود ہی، الٰہی حکم قرار پانے کی صلاحیت نہیں ہے

افسوس ہے کہ لوگ ججوں کی ترمیموں اور تعلیموں کے قیاس سے جو وہ انسانی فیصلوں میں کرتے ہیں، خدا تعالےٰ کے ساتھ بھی ایسے جج ٹھیراتے ہیں، جو احکامِ الٰہی پر قاضی قرار دیئے جاتے ہیں۔ غرض ان کی اس گندے قیاس سے یہ ہوتی ہے کہ جس طرح انسانوں کے ساتھ دوسرے انسانوں کے حکم مانے جاتے ہیں۔ اسی طرح الٰہی حکم کے ساتھ کسی خاص بندے کا حکم بھی الٰہی حکم کی طرح مانا جاسکے، لیکن حیرت ہے تو یہ ہے کہ ایک انسانی جج کو اس کے انسانی فہم میں احکامِ الٰہی پر جو ججی کا حق دیا جاتا ہے، وہ انہی صورتوں میں اور انہی ضرورتوں کے ماتحت دوسرے ججوں کو کیوں نہیں دیا جاتا۔ کیا ایک انسانی جج کو ایسی ضرورتیں پیش آتی ہیں اور دوسروں کو پیش نہیں آتیں

سوم - ہر صاحبِ اختیار انسان خدا تعالےٰ کے حضور میں اپنے کاموں کا جوابدہ ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو کام جوابدہی کے قابل ہیں، ان میں کسی کو بھی بلا تحقیق پہلے ہی سے صحیح اعتقاد کر لینا صحیح نہیں۔ اندریں صورت خدائی احکام اور انسانی احکام میں اس فرق کا ماننا لازم ہے کہ خدائی احکام کے متعلق بڑے زور سے یہ کہا جاسکتا ہے، کہ وہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوں گے، بلکہ جب بھی ثابت ہوں گے، صحیح ہی نکلیں گے اور جب تک ان کا ثبوت نہ ملے، تو انہیں خدائی احکام ماننے کی صورت میں یہ کہنا لازم ہوگا، کہ یہ ضرور صحیح ہیں، مگر ہمیں ابھی تک ان کی سمجھ نہیں آتی، لیکن انسانی احکام کے متعلق ایسا کہنا ہرگز درست نہیں۔ وہ اگر صحیح نہیں ثابت ہوں گے، تو ان کے متعلق ہرگز ہرگز یہ یقین نہیں کیا جائے گا کہ یہ ضرور ہی صحیح ہیں۔ انسانی احکام جب تک صحیح ثابت نہیں ہو لیں گے ان کے متعلق صحت کا اعتقاد رکھنا ضروری نہیں

خدائی فرمانوں میں ذرا سا اختلاف بھی محال ہے، لیکن غیر اللہ کی تمام باتیں بے اختلاف نہیں ہو سکتیں۔ اگر خدا تعالےٰ کسی انسان کو ایسا بنا دے کہ اس کے تمام اقوال و افعال بے اختلاف ہوں، تو اس لحاظ سے خدا تعالےٰ میں اور اس انسان میں کوئی امتیاز نہیں رہے گا۔ ایسے معصوم اور بے غلط انسان کے لئے خدائی فرمانوں کے الگ ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایسا انسان اپنی معصومیت کے لحاظ سے اپنی ہی باتوں کو کتابِ الٰہی کے طور پر پیش کر سکتا

حاصل یہ ہے کہ ایسی ایسی تمام بناوٹیں اس لئے کی جاتی ہیں، تاکہ لوگ خداتعالےٰ کے ساتھ اپنے اپنے بزرگوں کو بھی ملاسکیں اور اپنے اپنے فرقہ کے استقلال کا دعوےٰ کرسکیں اور دوسرے فرقہ کے ایسے لوگوں کو، جو ان سے بڑھ کر خداپرست اور نیکوکار اور خوش معاملہ ہیں، کافر کہہ سکیں اور اکیلے خداتعالےٰ کو اس کے اپنے فوق الفطرت تصرفات میں کافی نہ جانیں اور جو کام خاص خداتعالےٰ کے کرنے کے ہیں، ان میں بھی دوسروں کو اس کے ساتھ کسی نہ کسی طرح ملالیں

حاصل کلام، اِلٰہ یعنی معبود وہ ہے، جو اپنی مرضی اور حکم کا بالاستقلال مالک ہو اور اگر مستقل مالک کسی کو اپنی مرضی و حکم میں بمنزلہ مستقل کے بنادے، تو وہ بھی اِلٰہ ہی ہوگا، کیونکہ دونوں صورتوں میں ان سے دعائیں مانگنا اور ان پر توکل کرنا اور ان کی یکساں اطاعت کرنا لازم آئیگا

چونکہ طوالت موجبِ ملالت بن رہی ہے، اس لئے میں مضمون کے اس حصّہ کو ختم کرتا ہوں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں اس مضمون کو اپنے حسب منشاء بیان نہیں کرسکا اور یوں تو خداتعالےٰ کی حقیقی شان کا دکھلانا، تمام مخلوقات کی طاقت سے باہر ہے، اس لئے اِس اقرار کے ساتھ اسے ختم کیا جاتا ہے، کہ

اے برتر از قیاس وخیال وگمان ووہم
وز ہرچہ گفتہ ایم وشنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

اسے پکارنے یا توکل کرنے کے لائق بنا لیتے ہیں

پنجم۔ بعض لوگ بڑے ایمان دار دکھلائی دیتے ہیں، مگر ان کی کسی بدپرہیزی یا حاصل کردہ مرض کے سبب ایمان ان کے دل کے اندر نہیں گھستا

بعض لوگ ظاہرا نیکیاں کرتے اور دوسروں کو تزکیہ نفس سکھلاتے ہیں، لیکن ان کے اندر نیکیوں کا رنگ نہیں چڑھا ہوتا۔ آزمائش کے وقت صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ نیکیوں کا دکھلاوا محض بے بنیاد تھا

اندریں صورت لازم ہے کہ ہم کمال عجز و ادب کے ساتھ گڑگڑا کر اور پوشیدہ طور پر خدا تعالےٰ سے اصل ہدایت مانگیں اور ہدایت پر قائم رہنے کی دعائیں کریں۔ پکارنے کے لائق ہادی صرف خدا تعالےٰ ہی ہے۔ کوئی بڑا بزرگ انسان اپنے پیارے کو باوجود کمال توجہ کے بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ باوجود اس کے کئی لوگ دل کی صفائی چاہنے کے لئے اپنے خاص بزرگوں کو پکارنے کے لائق سمجھتے ہیں اور اپنے دماغ میں ان کی صورتوں کا تصور جماتے ہیں

ششم۔ اللہ تعالےٰ اگر کسی کے قصور کو معاف کرنا، یا اُسے نجات دینا چاہے، تو اس فیصلہ کو خود ہی دے دینے میں اس پر کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی

اندریں صورت احکم الحاکمین کے لئے یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اپنے اس فیصلہ کو کسی بے تعلق شخص کی مرضی کے ساتھ معلق کر دے اور اسے اذن دے کہ اگرچہ اس نے تیرا کوئی قصور نہیں کیا، مگر تو اس کے لئے سفارش کر، میں تیری سفارش کے بعد اپنی ہی مرضی کو پورا کروں گا، جبکہ خدا تعالےٰ نے اپنی رحمت کے کمال کو اور اپنی مرضی کی آزادی دکھانا ہے، تو ایسا کرنا سراسر خلافِ مدعا ہے۔ اس سے تو اُلٹا دوسرے کی رحمت و مرضی کا مقدم ہونا دکھلایا جائے گا

برعکس اس کے بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہم گنہ گار ہیں۔ ہمارے لئے ارحم الراحمین کی نہیں، بلکہ کسی دوسرے شفیع کی ضرورت ہے

یہ لوگ اپنے شفیعوں پر بھروسہ رکھتے ہیں اور پکار کر کہتے ہیں کہ جس کا ایسا شفیع ہے اُسے کسی قسم کا خوف نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے لئے کوئی غم ہی ہے

کی جگہ خود ہمیں فائدہ پہنچانے لگا ہے۔ ان کے بتائے ہوئے ارتقاء سے مناسب اصلاح کے ساتھ ہمارے ہاتھ میں بہت سے دلائل آ گئے ہیں

ان کی باتوں سے اگرچہ دُنیا بہت کچھ غلطیوں اور گمراہیوں میں پھنسی ہوئی ہے، مگر فائدہ اٹھانے والوں نے ہر جگہ سے حکمت کو لے لیا ہے

- ساتھ ہی اس بات کو مد نظر رکھنا چاہیئے کہ جو غلطی نیک نیتی سے پیدا ہوتی ہے، یا کم از کم اس میں شرارت کا دخل نہیں ہوتا، وہ بلاشبہ قابلِ معافی ہے۔ ہاں جو لوگ شرارت سے ایسے کام کرتے ہیں، وہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک قابلِ مواخذہ ہیں۔ دِلوں کا حال اللہ تعالےٰ ہی خوب جانتا ہے۔ ہم بُرے کاموں کو بُرا کہہ سکتے ہیں، لیکن کسی خاص شخص کو اصل حقیقت کے لحاظ سے یقیناً بُرا اور قطعی جہنمی نہیں ٹھہرا سکتے۔ یہ کام صرف خدا تعالےٰ سے تعلق رکھتا ہے

جس طرح جسمانی مریض قابلِ رحم ہوتے ہیں اور حتی الوسع ان کا علاج کرنا ضروری ہوتا ہے، یہی حال روحانی مریضوں کا بھی ہے۔ اگرچہ وہ بیماریاں انہوں نے سرکشی اور شرارت سے ہی حاصل کی ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی شخص شرک کی وصیت کرتا ہوا مر جائے، تو ہم اس کے لئے بخشش نہیں مانگیں گے، لیکن ہم کو اس کے لئے بددُعا کرنے کا بھی کوئی حق نہیں ہے

- بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تم اپنی گورنمنٹ کے باغیوں سے میل جول رکھنا پسند نہیں کر سکتے، لیکن تعجب ہے کہ اپنے خدا تعالےٰ کے باغیوں کے ساتھ نیک معاملہ کرنا اور میل جول رکھنا سکھاتے ہو

اس کے جواب میں عرض ہے کہ بلاشبہ احکم الحاکمین کے باغی دُنیا کے حاکموں کے باغیوں سے زیادہ بُرے ہیں، لیکن ان دونوں بغاوتوں میں دو بڑے فرق بھی موجود ہیں۔ ان فرقوں کے مطابق ان کے حکم بھی الگ الگ ہونے چاہئیں۔ وہ فرق حسب ذیل ہیں:-

اوّل۔ دُنیا کے حکام اپنے باغیوں کو فوراً قید کر لیتے ہیں اور طاقت رکھتے ہوئے انہیں آئندہ بغاوت پھیلانے کا موقعہ نہیں دیتے، لیکن خدا تعالےٰ مشرکوں کو ان کی موت تک برابر مہلت دیتا ہے اور انہیں عملی آزادی بخشتا ہے، تاکہ وہ کسی کے جبر کے بغیر اپنے اختیار سے ہی موحد بن جائیں، یا شرک ہی کرتے رہیں۔ خدا تعالےٰ یہ بھی چاہتا ہے۔ ہم ان کے

(۶) جبر مذہبی کا دل سے نکال دینا، دُنیا میں قیامِ امن کا بڑا باعث ہے

جس طرح مجھ کو اپنے خیالات کے اظہار کا حق ہے، اُسی طرح یہ حق ہر شخص کو ملنا چاہیئے دہریہ و مشرک بھی اپنے اعتقادات و خیالات کے پرچار کا پُورا حق رکھتے ہیں۔ مذہبانہ طور پر ہر شخص ایک دوسرے کی باتوں کا جواب بھی دے سکتا ہے، لیکن جبر کرنا اور بدامنی پھیلانا کسی کے لئے جائز نہیں۔ جبر اور ظلم کے سوا کسی کو ایذا دینا حرام ہے

مَیں جس کام کو بُرا سمجھتا ہوں، اُسے بُرا کہہ سکتا ہوں اور کفر و شرک کی بُرائی بیان کر سکتا ہوں، لیکن گالیاں دینے اور فحش بکنے کا مجھے کوئی اختیار نہیں۔ اختلافِ عقائد کے سبب حسنِ معاملت کو ترک کر دینا قطعاً ناجائز ہے

پھر نئے نئے اور مختلف خیالات کا اظہار علوم کی ترقی کا باعث ہے اور نئی تحقیقات کا موجب بنتا ہے

دہریوں اور مشرکوں نے اپنے غلط عقائد کو علمی طور پر کھڑا کرنے کے لئے بڑی کوششیں کی ہیں۔ ان کی بعض تحقیقات سے مناسب اصلاح کے ساتھ کئی سچے علم اور مفید ہنر پیدا ہو گئے ہیں

ستارہ پرستوں کے سبب علم ہیئت و علمِ حساب کو بڑی مدد ملی ہے

بُت پرستوں کے سبب سنگ تراشی اور مصوّری کی صنعتوں میں بہت کچھ کمال پیدا ہُوا ہے۔ ان کے چھوڑے ہوئے مجسموں سے بعض پُرانے تاریخی معلومات کا بھی صحیح طور پر پتہ لگتا ہے

جھُوٹے کیمیاگروں کے تحلیل و ترکیب میں مشغول ہونے کے سبب سچے علمِ کیمیا کی بنیاد پڑی ہے۔ بہت سی عجیب دوائیں ہاتھ آگئی ہیں

دہریوں کے سبب سے نیچر کی ہم آہنگی اور علت و معلول کا علم پختہ ہو گیا ہے۔ اور ان

صرف وہی ہے۔ جزا کے عالم میں کسی شخص کا کسی دوسرے کے متعلق کوئی اختیار نہیں رہتا اس لئے ایسے علاج اُس نے صرف اپنے ہاتھ میں ہی رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارا ایسے علاجوں کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا۔ جبر کرنے والے دُنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ اگر اس سے باز نہیں آئیں گے، تو ہمیشہ تباہ و ذلیل ہی ہوتے جائینگے

برادران! ہمارے دلوں میں مشرکوں کے ساتھ کوئی کینہ نہیں۔ ہاں ہمارے دلوں کو اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ ہمارے بھائی مشرک ہونے کی صورت میں لمبے عذاب میں پھنسینگے لیکن پھر بھی ہمیں اس بات سے بہت کچھ اطمینان ہے کہ کوئی انسان کبھی ضائع نہیں ہوگا اور آخر سب بچھڑے ہوئے بھائی صحیح و تندرست ہو کر مل جاتے ہیں۔ اندریں صورت ہمارے دل میں کسی کی طرف سے کینہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی

ہاں، ہم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے کہ لوگوں کو مائل کرنے کے لئے شرک وظلم کو بھی اچھا کہیں۔ ہماری اس مداہنت سے لوگ تو شرک وظلم کے بدنتیجہ سے بچیں گے ہی نہیں، لیکن ہم بھی ساتھ ہی سخت مریض ہو کر سخت علاج کے لائق بن جائیں گے، جس میں لمبے زمانوں تک رونا اور چلّانا ہوگا

صاحبان! حق والوں کو جبر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حق کے لئے معرضِ امتحان میں آنا اور علمی تحقیقات سے پرکھے جانا نہایت ہی مبارک ہے۔ حق آہستہ آہستہ دلوں پر قابض ہوتا جاتا ہے، لیکن جبر کرنے والوں سے شروع ہی میں نفرت ہو جاتی ہے۔ ان کی باتوں کو کوئی خوشی سے نہیں سُنتا۔ حق والوں کے لئے نفرت کا پیدا کرنا سخت مضر ہے

وہ سلطنت جو جبر مذہبی کی دشمن ہے اور اپنے ملکوں میں تمام مذاہب کو تبلیغ کی پوری آزادی دیتی ہے اور علم وعقل کی حامی ہے، خدا تعالےٰ کی بڑی نعمت ہے۔ وہ خوب جانتی ہے کہ حق ہی دلوں میں گھر کر سکتا ہے اور اگر اس طرح تبادلۂ خیالات کرنے سے لوگوں کو کوئی سچا علم مل گیا، تو اس سے دُنیا کا بھلا ہی ہوگا، کچھ نقصان نہیں ہوگا

حاصل یہ ہے کہ اگر لوگ باوجود اختلافِ عقائد کے جبر مذہبی کو چھوڑ دیں گے اور آپس میں بھائی بھائی بن جائیں گے، بلکہ آپس میں رشتے ناطے بھی کرنے لگیں گے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانا پینا شروع کر دیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ اپنے حقوق و فرائض کی رعایت کرینگے،

اختیار کے وقت میں انہیں حکمت اور موعظ حسنہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کے رستہ کی طرف بلائیں اور ان کے ساتھ حسن کلامی سے پیش آئیں اور انہیں ایسی بات کہیں، جو قول لَیّنْ اور احسن ہو۔ یہی نہیں، بلکہ ان کی سیئہ کے مقابل میں اپنی طرف سے حسنہ کے ساتھ پیش آئیں

جس طرح وہ لوگ ابتلاء میں ہیں، اُسی طرح ہم بھی ان کے ساتھ ابتلائی حالت میں ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ابتلاء کے وقت کے بعد ہی جزا کا وقت آتا ہے اور نتیجہ کا فیصلہ ابتلاء کے بعد ہی ہوتا ہے

سو اگر یہ سچ ہے کہ مشرک لوگ اس دُنیا میں اپنی موت تک خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتلائی حالت میں رکھے ہوئے ہیں، اور انہیں اپنے کاموں میں مختار بنایا ہوا ہے، تو ایسی صورت میں ان پر جبر کرنا خدا تعالیٰ کے منشاء کے صراحتہً برخلاف ہے

نیک حکام رعایا کو خونریزی اور لوٹ مار اور چوری اور خیانت اور عصمت دری اور دیگر جبروں اور ظلموں سے روکتے ہیں، لیکن ان کے ذاتی معاملات اور اعتقادات میں کوئی مداخلت نہیں کرتے، تاکہ ان کی ابتلائی حالت جبری حالت نہ بن جائے۔ ہمیں بھی حکام کو عدالت و امن کے قائم کرنے میں مدد دینی چاہیئے

ابتلائی حالت کا نتیجہ نکالنا اور اس کی سزا دینا صرف خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جو کوئی ان باتوں میں جبر کرتا ہے، وہ خدائی اختیار اور حق کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے

دوم۔ اس جہان کے حکام اپنے باغیوں کو مٹا کر اپنی حکومت کو ان کی شرارت سے بچاتے ہیں اور ان کو تباہ کر کے خوش ہوتے ہیں، لیکن خدا تعالیٰ کو اس بات کا کوئی خوف نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کی حکومت کو مٹا دے گا، وہ بے زوال حکومت کا مالک ہے، اور خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کی تباہی سے بھی خوش نہیں ہوتا۔ ارحم الراحمین لوگوں کو جہنم میں ان کے علاج کے لئے بھیجتا ہے، نہ کسی کینہ کشی کے لئے اور کسی غصہ کو نکالنے کے لئے

حاصل کلام، جب خدا تعالیٰ کو ہر حالت میں اپنی مخلوقات کے ساتھ رحمت ہی مقصود ہے تو وہ ہمیں بے رحمی کیوں سکھانے لگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دُکھوں کے ساتھ اور جہنم کے عذابوں کے ساتھ یقیناً پاک کر دینے کا طریقہ صرف خدا تعالیٰ ہی کو صحیح طور پہ آتا ہے اور جزا کا مالک بھی

بنیادی اور اصل نیکیوں کو عمل میں لانے کے لئے کئے جاتے ہیں، جن کو لوگ مختلف طرح سے کرتے آئے ہیں اور وہ نظری باتیں، جنہیں لوگ ایک ہی طرح سے نہیں سمجھ سکے۔ ان کے متعلق اس بات کا لحاظ رکھنا لازم ہے کہ وہ ان مشترکہ اصولوں اور بنیادی نیکیوں اور دائمی صداقتوں کے برخلاف نہ ہوں، ورنہ اختلاف اصولی بن جائے گا، فروعی نہیں رہیگا

اگر وہ مشترکہ اصول خداتعالےٰ کی طرف سے ہیں اور سچ مچ محکم و روشن ہیں، تو اختلافی باتوں کے معنے ان کے برخلاف ہرگز نہیں لینے چاہئیں، کیونکہ خداتعالےٰ کی باتوں میں اختلاف کا ہونا محال ہے

ایسی اختلافی باتوں میں ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنے نیک انجام کا خیال کرکے اور خداتعالےٰ کا خوف رکھ کے، جس طریق پر مناسب دیکھے، عمل کرے، لیکن ان اختلافی باتوں کے سبب دوسروں کی تکفیر و تفسیق نہ کرے اور انہیں نجات سے جواب نہ دے

یہودی یہ نہ کہیں کہ نصاریٰ کسی بات پر نہیں۔ نصاریٰ یہ نہ کہیں کہ یہودی کسی بات پر نہیں۔ ان اختلافی باتوں کے سبب کوئی قوم خود ہی اللہ تعالےٰ کے اولیاء اور احبا نہ بن بیٹھے اور خود ہی نجات پر قبضہ نہ جمالے اور آخرت کا گھر دوسرے لوگوں کے سوائے خالص اپنے لئے ہی نہ ٹھیرالے، بلکہ سب کو حصہ لینے دے

ہاں، ہر فریق معقول طور پر یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ میرا طرزِ عمل یا طریق حل دوسروں سے اعلےٰ ہے۔ اگرچہ دوسروں کا طریق بھی گذارہ چلانے کے لائق اور قابل رواداری ہے

حاصل یہ ہے کہ دنیا سے فرقہ بندی کو مٹانے کے لئے اس سے زیادہ صحیح اور ممکن التعمیل راستہ نہیں ہے کہ تمام مذاہب کی مشترکہ سچائیوں سے ہرگز اختلاف نہ کیا جائے اور باقی تمام اختلافی باتوں میں کسی کو بھی اصول ٹھیرا کر دوسروں کی تکفیر یا تفسیق نہ کی جائے۔ طرزِ عمل اپنا اپنا رکھیں اور اکٹھے ہوکر حسنات و خیرات میں ایک دوسرے پر سبقت کریں، اور ایک دوسرے کو اصل نیکیوں کی جرأت دلائیں

تمام مذاہب کا خدا ایک ہی خدا ہے۔ خداتعالےٰ سب کی مشترکہ چیز ہے۔ صرف اسی میں اکٹھے ہونے اور اسی کے مطیع بننے سے یگانگت پیدا ہوسکتی ہے۔ اگر لوگ اس کے ساتھ اپنی اپنی مختلف شخصیتوں کو بھی اعتقادی اطاعت میں شامل کرلیں گے، تو اس طرح سے فرقہ بندی کی وباء

تو اس میل جول سے حق کو کوئی ضعف نہیں پہنچے گا، بلکہ اگر حق میں کوئی اپنی طاقت ہے، تو آخر وہی دلوں میں گھر کرے گا

جبر مذہبی کے ترک کر دینے سے کم سے کم یہ تو ضرور ہو جائے گا، کہ تمام مذاہب اپنی اپنی جگہ امن کے ساتھ اپنی تبلیغ کر سکیں گے اور ایک دوسرے کی باتیں سن سکیں گے

(۷) فرقہ بندی کو دور کرنے کا واحد طریقہ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کئی ایک اعتقادی اور عملی نیکیاں ایسی ہیں، جو تمام مذاہب میں مشترکہ طور پر مسلّم ہیں

یہ نیکیاں فطری طور پر بھی قابلِ تسلیم ہیں۔ زرّین اصول بھی انہیں صاف طور پر دکھلا دیتا ہے۔ قانونِ اعتدال بھی ان کا پورا پورا مؤید ہے۔ باریک اور پیچیدہ نظری دلائل کو چھوڑ کر موٹی موٹی عقلی دلائل بھی ان کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں

اندریں صورت جو لوگ ان مشترکہ و متحدہ نیکیوں کے برخلاف اعتقاد و عمل سکھاتے ہیں وہ اس اتحاد و اتفاق کو بھی مٹانا چاہتے ہیں، جو تمام مدعیٔ الہام مذاہب کے مشترکہ حصہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جن باتوں کو خدا تعالےٰ نے اپنی کمال مہربانی سے تمام مدعیٔ الہام مذاہب میں قائم رکھا ہوا ہے، اور جن کا الہام تمام انسانوں کے اندر بھی موجود ہے۔ ان میں اختلاف ڈالنے والا، ضرور تفرقہ اندازی کرنے والا اور فرقہ بندی کو بڑھانے والا ہے

جب بات یہ ہے، تو کیا تمام اہلِ مذاہب کے لئے مناسب نہیں، کہ ان مشترکہ طور پر تسلیم شدہ اپنے اصولوں ہی کو اصول بنائیں اور اپنے باقی تمام اقوال و افعال میں ان کی کسی طرح سے بھی خلاف ورزی نہ ہونے دیں۔ اہلِ مذاہب سے ایسا مطالبہ کرنا، ان کو ان کے دینوں سے ہٹانا نہیں ہے، بلکہ انہیں تاکید کرنا ہے کہ دین کو اصلیت اور حقیقت کے لحاظ سے قائم کرو۔ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، لیکن جنہوں نے خدا تعالےٰ کے ساتھ دوسروں کو ملانا ہے، ان پر یہ بات بھاری گذرتی ہے۔ ان اصولوں کو ہی اصل دین جاننا اور ان میں اختلاف نہ کرنا، دنیا کے اتحاد کا اصل باعث ہے

باقی رہے، وہ تمام امور جو ہر مذہب میں کلاً یا جزءً مختلف ہیں۔ مثلاً وہ طرزِ عمل جو ان

جہنم کے ذریعہ سے یہ رحمت ملتی جائے گی
کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ہفتاد و دو فریق حسد کے عدد سے ہیں
اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں

(۸) قرآن حکیم کی اپنی تفسیر کی ضرورت

تمام مذاہب کی مشترکہ تعلیم جو اوپر پیش کی گئی ہے اور تمام منعم علیہم کا مشترکہ رستہ، جو پہلے دکھلایا گیا ہے، بلاشبہ قرآن حکیم کی یہی تعلیم ہے

نزولِ قرآن کے وقت مسلمانوں کے فرقے شیعہ، سنّی، خارجی، جبری، قدری، اہل حدیث، معتزلہ وغیرہم کوئی بھی موجود نہ تھے۔ صرف یہود و نصاریٰ و صابئی وغیرہم یعنے دوسرے مذاہب کے فرقے ہی پائے جاتے تھے۔ قرآن مجید ان کی نا اتفاقیوں اور تفرقہ اندازیوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ اس فرقہ بندی کو شرک بتلاتا ہے۔ خداتعالےٰ اپنے رسولؐ کو ارشاد کرتا ہے، کہ تیرا اس فرقہ بندی کی حمایت کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں۔ ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے

قرآن مجید انہیں فرقہ بندیوں سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ بلاشبہ تم سب ایک ہی جماعت ہو اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس میری ہی عبادت کرو، اور انہوں نے اپنے امر (مقصود) کو آپس میں بانٹ لیا ہے۔ (کیا ہوا) سب نے ہمارے پاس ہی آنا ہے ۲۱/۹

قرآن مجید کئی بار نمونہ کے طور پر پے در پے کئی ایک رسل و انبیاء کی تعلیم کو پیش کرتا ہے اور نتیجے میں بلا استثناء ہمیشہ یہی دکھلاتا ہے کہ اس تعلیم پر چل کر انہوں نے دنیا کی فلاح اور عقبےٰ کی نجات حاصل کی، لیکن کل جبّار عنید ہمیشہ نامراد ہوتے رہے۔ جس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ اصلی تعلیم یہی ہے

قرآن مجید نے سورت ابراہیمؑ میں تمام رسولوں اور ان کی امتوں کا یکجائی طور پر ذکر کیا ہے اور سب کی تعلیم کا ایک ہی ہونا دکھلایا ہے اور اسی کو باعثِ فوز و نجات بتلایا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی بھی یہی تعلیم تھی۔ اسی طریق پر رسول کریمؐ کو اور تمام دوسرے انسانوں

دُنیا سے دُور نہیں ہو گی

کیا متفرق ارباب بہتر ہیں، یا اکیلا رب العالمین ہی خیر ہے، جو اکیلا ہی غالب اور کافی ہے۔ جو لوگ خدا تعالےٰ کو نہیں مانتے، انہیں ایک بننے کے لئے کوئی واحد چیز نہیں مل سکتی، لیکن جو لوگ خدا تعالےٰ کو مانتے ہیں، اگر وہ دوسروں کو بطور اصول کے خدا تعالےٰ کے ساتھ ملالیں، تو ان پر افسوس ہے۔ جس شخص کے نفی کرنے سے خدا تعالےٰ بھی ساتھ ہی جاتا رہے، وہ شخص خدائی میں داخل قرار دیا گیا ہے

ہاں، دوسروں کو خدا تعالےٰ کے خادم قرار دے کے حقانی اصولوں پر چلنے کے لئے ان سے مدد لینی لازم ہے، لیکن انہیں تمام جہان کے لئے ہمیشہ کے واسطے اعتقادی طور پر خدا تعالےٰ کی طرح برابر کا واجب الاطاعت ٹھیرانا غلط ہے اور فرقہ بندی کا موجب ہے

صراطِ مستقیم تمام منعم علیہم کا مشترکہ رستہ ہے، نہ کسی خاص منعم علیہ کا۔ سب کی کوششوں کی قدر کرنا لازم ہے۔ کسی خاص کو خدا تعالےٰ کے ساتھ ملانا اور سب کی کوششوں کی قدر نہ کرنا، افراط و تفریط ہے۔ افراط ضلال ہے اور تفریط مغضوبیت

تمام اہلِ مذاہب میں سے جو لوگ اس اصول پر جمع ہو جائیں اور اس اصول کے حامیوں کی مدد کریں اور جو لوگ اس اصول کی مخالفت کرنے کے لئے جبرِ مذہبی پر آمادہ ہوں، ان کی شرارتوں کا دفعیہ کریں۔ یہی جماعت دُنیا کے امن کی حامی اور خیرِ اُمت ہے۔ یہ معقول باتوں کا حکم دیتے ہیں اور نامعقول سے منع کرتے ہیں اور خاص اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر دوسرے کتاب والے بھی اس اصول کے حامی بن جائیں، تو وہ بھی ہدایت والے ہیں۔ اے لوگو! تم سب ایک ہی اُمت ہو اور خدا تعالےٰ تمہارا ایک ہی رب ہے، سو سب اس کے عابد بن جاؤ اختلاف سے نکلنے کا معقول طریق یہی ہے، مگر افسوس ہے کہ دُنیا اپنے جذبات اور توہمات میں اس قدر پھنسی ہوئی ہے کہ اس اختلاف سے نکلنا نہیں چاہتی۔ پس ہمیں چاہیئے کہ ہم خود اپنے لئے اس اصول پر چل کر اس اختلاف سے نکلیں۔ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے، کہ لوگ ایک جماعت بن جائیں، لیکن وہ جبراً ایسا نہیں کرتا اور لوگ خود اختلاف سے نکلنا نہیں چاہتے وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے، مگر وہی اس اختلاف سے نکلے گا، جس پر خدا تعالےٰ کی مہربانی ہو، اور اسی رحمت کے لئے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ جو خوشی سے اس رحمت کو نہیں لیتے، انہیں

چمک دکھلاتا ہے۔ کافروں پر بھی اکثر ایسے وقت آتے رہتے ہیں۔ جب وہ دل سے چاہتے ہیں کہ کاش ہم مومن ہوتے ۱۵:۲

چونکہ حقیقی دین وہی فطرت ہے، جس پر انسان بنایا گیا ہے، اس لئے اگر انسان اپنی اصلی فطرت کے مطابق ہی چلتے، تو اس فطری الہام کے سوا جو ہر انسان کے اندر موجود ہے کسی اور رسول و نبی کے آنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی

یہی فطری الہام وہ الہام ہے، جس کی پیدائش انسان کے شروع سے ہی ضرورت تھی۔ چونکہ یہ الہام پیدائشی ہے، اس لئے کوئی انسان اس سے خالی نہیں ہو سکتا

انسان اپنی پیدائش کے شروع میں بلا آمیزش، اصل فطری حالت پر قائم اور ایک ہی جماعت تھے۔ وہ کسی فرقہ بندی اور اختلاف کو نہیں جانتے تھے۔ انہیں روحانی سکون حاصل تھا۔ یہ انسان کی جنتی حالت تھی، مگر افسوس ہے کہ اس جنتی حالت کو انسان دیر تک قائم نہیں رکھ سکا

انسان کو گمراہ کرنے والی دو چیزیں ہیں۔ ایک جذبات اور دوسرے جھوٹے اعتقادات اور توہمات اور شبہات۔ جب انسان ان کے سبب سے اپنی اس جنتی حالت سے نکل گئے، تو اس وقت انسان کے لئے ایسی تعلیم کی ضرورت ہوئی، جو اُسے معقول طور پر جذبات سے بچنا سکھائے اور نئے پیدا ہونے والے شبہات کا جواب دے۔ اس تعلیمی الہام کی ضرورت فطری الہام سے غافل ہونے کی صورت میں ہی پڑی۔ جب پہلے انسان اپنی اس جنتی حالت سے نکلے، تو اس وقت ہی ان کو کہا گیا کہ "تم سب اس (اعلےٰ حالت) سے اُتر جاؤ۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آوے، تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، تو اُن پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم کریں گے، اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، وہ آگ والے ہیں۔ وہ اس میں رہنے والے ہیں ۲:۳۸

جب انسانوں میں بولی رواج پا جاتی ہے اور وہ اس قابل ہو جاتے ہیں، کہ ایکدوسرے سے تعلیم حاصل کریں، تو ایسے وقت میں ہی تعلیمی الہام کا ملنا ممکن ہے۔ تعلیمی الہام انسان کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

انسان ایک جماعت تھے، سو (جب اُنہوں نے حق سے اختلاف کیا ۲:۲۱۳، تو) اللہ نے نبی بھیجے

نیکی کا طالب ہو۔ اس کے لئے تورات کو کافی بتلاتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ ان کے عبادت خانوں میں ذکرِ الٰہی ہوتا ہے

قرآن مجید فطری تعلیم کی طرف بلاتا اور اسے بے تبدیل ٹھیراتا ہے۔ قرآن مجید زرین اصول پر چلاتا ہے اور اسلام کو تمام زمانوں اور زمین اور آسمانوں کا متحدہ دین بتلاتا ہے

قرآن حکیم ایسے بیانات سے بھرا پڑا ہے، وہ اہلِ مذاہب کے اختلافات کو دور کرنا اور ان کے جھگڑے مٹانا اور انہیں امن اور اتحاد کے ساتھ رہنا اور ایک دوسرے کے مددگار بننا سکھاتا ہے۔ یہ کام اکیلے قرآن مجید کا ہے، لیکن اس کے ساتھ جو دوسری چیزیں اس کی مثل ٹھیرا کر ملائی گئی ہیں، چونکہ وہ ہر ایک کے پاس مختلف ہیں، اس لئے ضرور ہے کہ وہ خود مسلمانوں میں ہی اصولاً فرقہ بندی کا باعث ہوں۔ دوسرے مذاہب کو ایک بنانا تو علیحدہ رہا

حاصل کلام، ہمارے لئے خالص قرآن مجید کے اپنے ہی فہم کی ضرورت ہے

اس تفسیر سے ہمیں معقول طور پر قرآن حکیم کا صرف اپنا منشاء ہی دکھلانا مقصود ہے اور اگر یہ سچ ہے کہ قرآن مجید اس اصول کے ماتحت تمام اہلِ مذاہب میں صلح کرانے آیا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ تمام کتابوں والے اس کے اس اصول کے ماتحت نہ چلیں

(۹) رسل و انبیاء کی ضرورت اور ختمِ نبوت کی حقیقت

وہ بنیادی نیکیاں اور دائمی صداقتیں، جن کا علم انسان کے اندر فطری طور پر موجود ہے، اوپر بہ تفصیل مذکور ہو چکی ہیں۔ اصل دین خدا تعالےٰ کی وہی ساخت ہے، جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اس ساخت میں کبھی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی ۲۱/۳۰

پھر خدا تعالےٰ نے نفسِ انسان کا خوب تسویہ کیا ہے اور ہر نفس کو الہام کر دیا ہے کہ یہ تیرے لئے تقویٰ ہے اور یہ فجور ہے ۸/۹۱

یہ فطری الہام ہے۔ اس سے کوئی انسان خالی نہیں۔ اس الہام کو جذبات اور توہمات اور شبہات دبائے رکھتے ہیں، مگر جب انسان ان سے خالی الذہن ہوتا ہے، تو وہ فوراً اپنی

بڑا نقصان پہنچایا۔ انبیاء ان سے نکال کر اصل حق کی طرف راہنمائی کرتے رہے۔ لیکن جب تمام ممکن شبہات پیدا ہو گئے اور جس قدر فاسد اعتقادات حق سے دور کرنے کے لئے نکالے جا سکتے تھے، معرضِ ظہور میں آ گئے، تو اُس وقت ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو ان تمام شبہات کے یکجائی طور پر جوابات دے اور تمام نو پیدا شدہ اعتقادات کے متعلق علمی بحثیں کرے اور ان سے بچنے کے علمی طریقے سکھلائے اور اصل حق کو بتلا کر تمام اہلِ مذاہب کو ایک خدا کے بندے بنائے اور اختلافات مٹائے اور تمام کتابوں اور نبیوں کو اس اصول کے ماتحت منوائے۔ اگر ایسی کتاب کی ضرورت ہے تو ہمارے نزدیک اس کام کی تکمیل علمی بحثیں کر کے صرف قرآن پاک ہی نے کی ہے۔ اگر تمام اہلِ مذاہب کے لئے کوئی ایک بتانے والا حکم درکار ہے تو سرسری مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ حکم قرآن مجید ہی ہے۔ اس کے ذریعہ سے تمام مذاہب میں صلح ہو سکتی ہے اور تمام الہٰی کتابوں کی تصدیق کی جا سکتی ہے اور تمام نیکوں کی کوششوں کا شکریہ بجا لایا جا سکتا ہے۔ اس نے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ ہر نامعقول بات سے بچو اور ہر معقول بات کو لے لو۔ اور سب کی باتوں کو سن کر احسن کی پیروی کرو۔ اور اچھائی بات پر چلو حکمت خیر کثیر ہے۔ عقل نہ کرنے والوں پر پلیدگی ڈالی جاتی ہے۔ آیاتِ الٰہی پر بہرے اور اندھے ہو کر نہ گرو۔ وہ بہرے گونگے جو عقل نہیں کرتے شر الدواب ہیں۔ علم والے اور بے علم یکساں نہیں ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

جو لوگ قرآن مجید کے اس اصول کے ماتحت فرقہ بندی سے نکل کر معقول طریق پر چلنے لگے اور جبر مذہبی کرنے والے ظالموں سے بچنے اور اس اصول کو پھیلانے کے لئے متحد ہوئے اور بھائی بھائی بنے اُن کے اتحاد کے قیام کے واسطے اور ان کے طرزِ عمل کو اعلیٰ بنانے کے لئے قرآن مجید نے کئی ایک معقول اصول اور رکھ، بیان کئے۔ لیکن دوسرے مذاہب والوں کو اگر وہ صرف بنیادی اصولوں پر کاربند ہو کر ہی صلح رکھیں اور اپنی اپنی الہامی کتاب اور عقل کے ماتحت چل کر دنیا میں امن اور نیکی کو پھیلائیں، تو ان کو بھی نجات سے

اس حال میں کہ وہ خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے تھے اور ان کے ہمراہ حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ وہ کتاب لوگوں کے درمیان ان باتوں میں جن میں اُنھوں نے اختلاف کیا تھا، فیصلہ دیوے اور ان میں آپس کی سرکشی سے (یعنی ایک دوسرے پر علو چاہنے کے لئے) روشن دلائل کے آنے کے بعد (بھی) وہی لوگ اختلاف ڈالتے آئے ہیں، جن کو وہ ملی تھیں، سو (اب) اللہ نے مومنوں کو ان باتوں کی رہنمائی اپنے اذن سے کردی ہے، جن میں لوگ حق سے اختلاف کرتے آئے ہیں، اور اللہ جسے چاہتا ہے، سیدھے رستے کی طرف چلا دیتا ہے ﴿﴾

اس آیۂ مبارکہ سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ ابتداءً انسانوں میں دینی وحدت موجود تھی اور اسی لئے وہ سب ایک امت تھے، لیکن جوں جوں اس وحدت میں فرق آتا گیا، اور نئے نئے شبہات پیش کر کے نئے نئے اعتقادات گھڑے گئے، تو ان اختلافات کو مٹانے کے لئے نبی آئے اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اختلاف مٹانے والی کتابیں لائے

اہل حق سے ہٹانے والے اعتقادات و شبہات و توہمات و اعتراضات دُنیا میں آہستہ آہستہ پیدا ہوتے رہے ہیں اور شیاطین، توحید الٰہی کو مشتبہ کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً ایسے نئے نئے طریقے ایجاد کرتے رہے ہیں، جن کے سبب سے دنیا اہل حق سے دُور ہو کر سخت گمراہی میں گرتی رہی ہے

کبھی ایسا زمانہ تھا، کہ خدا تعالےٰ کو ایک خونی دیوتا کی طرح پیش کیا جاتا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ وہ دنیا کی مصیبتوں اور تباہیوں اور خونریزی کے نظاروں سے خوش ہوتا ہے۔ اس بناء پر جانوروں کے خون بہانے کو اور ان کو جلا دینے یا دبا دینے کو عبادت سمجھا جاتا تھا طیبات کے ترک کرنے کو اعلیٰ نیکی قرار دیا جاتا تھا۔ برف سے گلنے اور آگ میں جلنے کو آنے والی سخت مصیبتوں سے بچنے کا علاج اور کفارہ خیال کیا جاتا تھا۔ سیدھی سادی نیکیوں کی قدر دل سے جاتی رہی تھی

پھر کبھی خدا کو عاشق بنایا جانے لگا۔ اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں مقرر کی گئیں۔ کوئی ان میں سے لوگوں کے گناہ اُٹھانے لگا، کوئی ہاتھ پکڑ کر خدا تک پہنچانے لگا، کوئی شفاعت کر کے چھڑانے لگا، اندھا دُھند تقلید کو دینداری سمجھا گیا اور عقل کو دین سے خارج ٹھیرایا گیا

اہل حق سے دُور کرنے والے جھوٹے استدلالات اور شبہات و توہمات نے دُنیا کو

اسی طرح سے چاہتا ہے، جس طرح مومنین قرآن کی۔ چنانچہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ :-
"ہم نے آگ والوں کو نہیں بنایا مگر فرشتے، اور ہم نے ان کی یہ گنتی نہیں مقرر کی، مگر کافروں کو نکھارنے کے لئے (یعنی ان کا علاج کرنے کے لئے) تاکہ کتابوں والے یقین کریں اور مومن ایمان میں اور بڑھ جائیں اور کتابوں والے اور مومن شک میں نہ رہیں اور تاکہ دلوں کی بیماری والے اور کافر یہ کہہ لیں کہ خدا نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے۔ اس طرح سے اللہ اُس شخص کو جو (گمراہ ہونا) چاہتا ہے، گمراہ کرتا ہے اور جو (ہدایت کو) چاہتا ہے اُسے ہدایت دیتا ہے اور تیرے رب کی افواج کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا اور یہ بات تو تمام بشروں (کو بچانے) کے لئے ایک نصیحت ہے ۲۹/۱۵۔

۱۰۔ قرآن حکیم کی ضرورت

اوّل - دُنیا اپنی طرف سے مذہبی جھگڑوں کو مٹائے یا نہ مٹائے اور اپنے جذبات اور توہمات کی پیروی سے نکلے یا نہ نکلے اس کا اختیار ہے، لیکن مذہبی جھگڑوں سے نکلنے کی کوئی نہ کوئی معقول صورت ضرور موجود ہونی چاہیئے۔ اگر ان جھگڑوں کو مٹانے کی کوئی بھی معقول اور منصفانہ صورت موجود نہیں ہے تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ خود خدا تعالٰے ہی لوگوں کو خواہ مخواہ لڑتے جھگڑتے دیکھنا پسند کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالٰے پر ایسا گمان کرنا سخت عیب ہے

جب بات یہ ہے تو اس امر کا تسلیم کرنا لازم ہے کہ خدا تعالٰے نے دُنیا کو مذہبی جھگڑوں کے مٹانے کا ضرور کوئی نہ کوئی معقول اور عادلانہ طریقہ سکھلایا ہُوا ہے

لیکن افسوس ہے کہ تمام کتابوں والے اس معقول اور منصفانہ طریق کی تلاش نہیں کرتے بلکہ اپنے مذہبی جھگڑوں کا فیصلہ ایسے غلط طریقوں سے کرنا چاہتے ہیں، جن سے نوعِ انسان کے خاتمہ تک بھی کسی تصفیہ کے ہونے کی کوئی ممکن صورت دکھلائی نہیں دیتی۔

---

۵۱ - وما جعلنا اصحاب النار الا ملٰئکۃ۔ الخ

جواب نہیں دیا

الحاصل قرآن حکیم کا مقصد لوگوں کی فرقہ بندی اور اختلاف کو مٹانا اور اپنے ماننے والوں کے لئے اعلیٰ ہدایت و رحمت بننا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

"ہم نے تجھ پر یہ کتاب (کسی اور غرض کے لئے) نہیں اتاری، مگر اس لئے کہ تو ان کے واسطے ان باتوں کا بیان کردے، جن میں انہوں نے اختلاف کیا ہے اور تاکہ یہ ماننے والے لوگوں کے لئے (اعلیٰ) ہدایت اور رحمت بنے" ۱۶/۶۴

یہ بھی ارشاد کیا کہ

بالتحقیق یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی اِن باتوں کا بیان کرتا ہے، جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور یہ ماننے والوں کے لئے بڑی ہدایت اور رحمت ہے بلاشبہ تیرا پروردگار ان میں اپنے (وحی والے) حکم کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور وہ غلبہ والا علم والا ہے (پس وہ ضرور اسلام کو غالب کریگا) سو تو اللہ پر توکل کر۔ بلاشبہ تو صریح حق پر ہے۔ تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا اور نہ بہروں کو جب وہ پیٹھ پھیر کر مُڑ جائیں یہ پکار سُنا سکتا ہے اور تو اندھوں کو ان کی گمراہیوں سے (جن سے وہ نکلنے والے نہیں۔ نکال کر) ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ تو تو ان کو سُناتا ہے جو ہماری آیات (الہامی اور قدرتی) کو مانتے ہیں، اسلئے کہ وہ مسلم ہیں۔ ۲۷/۷۶

اللہ تعالےٰ اہلِ کتاب کے اشرار کی بعض شرارتوں کا بیان کرکے فرماتا ہے کہ:۔

یہ سب ایک جیسے نہیں۔ اہلِ کتاب میں سے ایک لوگ (حق پر) قائم ہیں۔ رات کی گھڑیوں میں اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور معقول کام کا حکم دیتے ہیں اور نامعقول سے منع کرتے ہیں اور نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ اور یہی ہیں صلاحیت والوں سے۔ اور جو خیر کے کام یہ کرتے ہیں، ان میں ان کی ناقدردانی نہیں ہوگی اور اللہ متقیوں کو جاننے والا ہے ۳/۱۱۵ وغیر ذالک من الآیات

قرآن مجید دیگر کتاب والوں میں سے ہر ایک کو کافر نہیں کہتا، بلکہ ان میں سے کئی لوگوں کو کافروں اور مریض دل والوں سے الگ ٹھیراتا ہے اور کتاب والوں کی ثابت قدمی

تعظیم وتکریم کرنا لازم ہے۔ اسے خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک صف میں جگہ دے کر ایسا کوئی کام کرنا درست نہیں

مخفی نہ رہے کہ بشروں کے وہ کام جو ان کے اختیار کے بغیر ان سے سرزد ہوتے ہیں، حقیقتہً ان کے اپنے کام نہیں ہوسکتے۔ بشروں کے اپنے افعال واقوال وہی ہیں، جن کو وہ خود اپنے اختیار سے کرتے یا کہتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اختیاری اقوال وافعال کا تمام بشروں کے لیئے ایک ہی حکم ہونا چاہیئے

پھر جس طرح لوگ اپنے بزرگوں کو ان کی اصلیت سے بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے مذہب کے بزرگوں کو گھٹاتے ہیں۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ تیرا بزرگ گنہگار تھا۔ دوسرا کہتا ہے کہ تیرا بزرگ آزاد مشرب، خدائی کا دعوے کرنے والا، شرابخور، کھاؤ، فاحشہ عورتوں سے میل جول رکھنے والا اور ایسا اور ویسا تھا۔ ایسی سب باتیں جہالت اور تعصب سے پیدا ہوتی ہیں۔

اسی طرح تمام مذاہب والے اپنی اپنی کتابوں کی حمایت میں بھی سخت مقابلے کرتے ہیں۔ ہر فریق اپنی کتاب کی خوبیاں پیش کرتا ہے اور دوسری کتابوں کے عیب دکھاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کا عیب دکھلائیگا، تو دوسرا اس کے عیبوں کو ظاہر کریگا۔ اور جب ایک شخص اپنے بزرگوں کو بڑا بنا کر منوائیگا تو دوسرا اُن کو نیچا دکھلانے اور اپنے بزرگوں کو بڑا بنانے کی کوشش کریگا

ایسے مقابلوں اور جنگوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے لیئے عدل واعتدال کے رستے پر چلنے کی سخت ضرورت ہے ورنہ یہ مقابلے فرقہ بندی کو مٹانے کا کوئی علاج نہیں ہیں

بعض لوگوں نے مذہبوں کے اِن مقابلوں سے تنگ آکر یہ رائے قائم کرلی ہے کہ تمام مذاہب باطل ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔ ان لوگوں نے باوجود ناقدردانی کے فرقہ بندی کو ہٹایا نہیں، بلکہ اور زیادہ کردیا ہے

پھر اِن منکرینِ الہام کے بھی بے شمار فرقے دنیا میں موجود ہیں۔ سو کیا ان لوگوں نے آپس کے اختلافات کو مٹانے کا بھی کوئی معقول ومنصفانہ رستہ پیش کیا ہے اور اگر یہ کوئی ایسا

کوئی کہتا ہے کہ میرا بزرگ حبیبِ خدا تھا۔ دوسرا کہتا ہے کہ میرا بزرگ بمنزلہ خدا کے بیٹے کے تھا، بلکہ خدا سا تھا۔

کوئی کہتا ہے کہ میرا بزرگ معجزے دکھلاتا تھا۔ دوسرا کہتا ہے کہ میرے بزرگ کی تمام زندگی ہی معجزہ تھی

کوئی کہتا ہے کہ میرا بزرگ بشری غلطیوں سے پاک کیا گیا تھا۔ دوسرا کہتا ہے کہ میرے بزرگ کی پیدائش ہی خدا تعالٰے کے خاص طور پر سایہ ڈالنے سے ہوئی تھی، اسلئے اسمیں کسی غلطی کا سرے سے آنا ہی محال تھا

کوئی کہتا ہے کہ میرا بزرگ خدا تعالٰے سے اذن پاکر شفاعت کریگا۔ دوسرا کہتا ہے کہ میرا بزرگ پیدا ہی دُنیا کی شفاعت کے لئے کیا گیا تھا اُسے کسی آئندہ اذن کے انتظار میں نہیں ڈالا گیا تھا۔

کوئی کہتا ہے میرے بزرگ نے بڑی قربانیاں کی تھیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ میرے بزرگ نے اس سے بڑھکر قربانیاں کی تھیں بلکہ وہ مجسّم قربانی اور خدا کا بے عیب برّہ تھا

کوئی کہتا ہے کہ میرے بزرگ کی برکت سے دنیا قائم ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ اگر میرا بزرگ نہ ہوتا تو زمین و آسمان سرے سے ہی موجود نہ ہوتے

ہر مذہب والا اگر اپنے بزرگ کو بشر بھی کہتا ہے تو بھی اسے دوسرے بشروں سے الگ کیفیت والا بشر قرار دیتا ہے۔ دوسرے تمام بشروں کی مثل بشر نہیں سمجھتا۔ غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ اسے اسکے اپنے بشری اقوال و افعال میں بھی کوئی ایسی خصوصیت دیدے۔ جسکے سبب سے دوسرے بشر اسکی مثل واجب الاطاعت اور قابلِ اعتقاد نہ بن جائیں اور اسکے بعد کوئی اور بشر اس کی مثل اطاعت کے لائق اور اعتقاد کے قابل نہ ٹھیر سکے اور پھر وہ اکیلا ہی خدا تعالٰے کے ساتھ، خدا تعالٰے کی مانند اصولاً ایمان اور اطاعت کے قابل بنا رہے جس طرح خدا تعالٰی کا شریک ممتنع ہے اسی طرح اس کے اپنے اقوال و افعال میں واجب الاطاعت ہونیکے سبب اسکا شریک بھی آئندہ کے لئے ممنوع ہو

برادران! ہر بشر کو بشروں کی صف میں رکھ کر ہی ماننا اور اسکی اپنی الگ اطاعت و

اختلافات کو مٹانے اور ان میں صلح کرانے کا کوئی معقول و منصفانہ طریق تلاش کیا جائے اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ ایسے طریق کا خدا تعالیٰ کی طرف سے سکھلایا جانا ضروری ہے

دیکھئے اس دنیا میں انسان کی زندگی اور صحت و قوت اور آرام و خوشی و اطمینان اصلی چیزیں ہیں۔ باقی چیزیں جو انکے حصول و قیام حفاظت کے لئے درکار ہیں، ان کی ضرورت بالتبع ہے

پھر اصلی و حقیقی مفید اشیاء میں سے بھی بعض کا تعلق ہماری زندگی کے، اور اس زندگی قابلِ برداشت بنانے کے ساتھ ہے اور دوسری اشیاء صحت و طاقت و آرام و خوشی و اطمینان کے گھٹانے یا بڑھانے کے ساتھ علاقہ رکھتی ہیں۔ اگر ہمیں قابلِ برداشت زندگی حاصل ہو تو باقی چیزوں کی کمی بھی قابلِ برداشت ہو سکتی ہے

اسی طرح تمام کتابوں اور حکمت والوں میں توحیدِ الٰہی اور یادِ الٰہی اور شفقت بر مخلوقاتِ الٰہی مشترکہ طور پر مسلّم ہے یہی اصل دین ہے اور یہی اصل زندگی ہے اگر یہی نہیں تو کچھ بھی نہیں اور اگر یہ ہے تو باقی چیزوں کی کمی و بیشی اور انکا تغیر و تبدل سب قابلِ برداشت ہیں

انسان کو نجات کی ابتدا سے ہی ضرورت رہی ہے، لیکن ترقیات آہستہ آہستہ حاصل ہوتی رہیں۔ نجات کے بغیر زندگی حرام ہے اور ترقیات کے بغیر زندگی کچھ نہ کچھ ضرور قابلِ برداشت ہو سکتی ہے۔ ہماری نجات بالکل اسی طرح سے ہونی لازم ہے جس طرح پہلے لوگوں کی ہوتی تھی۔ نجات کا طریقہ کبھی بدل نہیں سکتا اسکا تعلق فطرۃ انسانی کیساتھ ہے اسمیں وقتاً فوقتاً نئے نئے خارجی عنصر نہیں ملائے جاتے۔ جس نجات کی طرف مومنِ آلِ فرعون بلاتا تھا اسی کی طرف اب بھی بلانا لازم ہے ۲۴

اصولِ نجات اور اصلی نیکیوں میں خدا تعالیٰ کبھی فرق نہیں ڈالتا لیکن دوسری باتوں میں لوگوں کی کج فہمی اور جہالت اور ناقابلیت کے سبب سزا کے طور پر حلالوں کو حرام بھی بنایا جا سکتا ہے اگر کوئی قوم پوری اصلاح کو رد کرے تو ضروری اصلاح کو بتا کر باقی باتوں کو اسی طرح بھی چھوڑا جا سکتا ہے جس طرح سے نا قدر دانی پر تلے ہوں۔ انکو اعلیٰ اور فیصلہ کُن معلومات سے بے بہرہ بھی رکھا جا سکتا ہے۔ وقتی اور قومی نقطۂ نگاہ سے بھی فرق کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ باتیں اصل نجات اور حقیقی زندگی کو

طریق پیش کرتے ہیں، تو کیا مختلف کتابوں والے اگر اس طریق پر صلح کرنی چاہیں، تو نہیں کر سکتے؟

ہم اُوپر دکھلا چکے ہیں کہ صلح کا معقول اور منصفانہ طریقہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ضرور آیا ہؤا ہے اور یہ بھی بہ تفصیل بتلایا گیا ہے کہ وہ طریقہ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور بس

مخفی نہ رہے کہ تمام مدعیٔ الہام کتابیں لوگوں کی اصلاح کے لئے آنے کا دعوے کرتی ہیں ان کتابوں کے لانے والوں نے اپنی لائی ہوئی اصلاحوں کو پیش کیا۔ لوگوں نے انکو خوب ستایا مگر وہ ہر طرف سے سخت مصائب میں گھرے ہونے کے باوجود ان اصلاحوں پر نہایت مضبوطی کے ساتھ جمے رہے۔ ان کی اس ثابت قدمی کو دیکھ کر اور ان کی بے سروسامانی پر نگاہ کر کے لوگ بڑے زور کے ساتھ کہنے لگے کہ یہ سخت پاگل ہیں۔ جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھتے ہیں۔ ان کو ہر طرح سے ایذائیں دی گئیں، حتےٰ کہ انہیں اپنا گھر بار اور اپنے خویش واقربا اور اپنا عزیز وطن سب کچھ چھوڑنا پڑا۔ آخر وہ سخت تزلزل میں پڑ گئے اور بول اُٹھے کہ الٰہی مدد کہاں ہے۔ اسوقت ان کو خدا تعالےٰ کی طرف سے مدد پہنچی اور اُن کی اصلاحیں بارور ہوئیں اور ہر ایک نے اپنی زندگی میں کامیابی کا کچھ نہ کچھ مُنہ دیکھ لیا۔ یہ ثابت قدمی اُنہوں نے اس علم کے بعد دکھلائی کہ جنت مصیبتوں کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور الٰہی تعلیم کا ثمرہ پوری بے سروسامانی اور کامل بے بسی و بے کسی کے بعد ہی جبکہ تمام مخلوق آسرے اور سہارے جاتے رہتے ہیں، مل سکتا ہے اور ان کے ساتھ معاملہ بھی ایسا ہی پیش آیا۔ آخر بے شمار لوگوں کے دلوں میں ان کی صداقت گھر کر گئی اور آج تک کروڑوں آدمی ان کی تصدیق کرتے آتے ہیں۔ اور ان کی عزت کی حفاظت کے لئے جان دینے کو اب بھی موجود ہیں۔ کیا ایسی کتابوں کے لانے والوں کو افترا پرداز اور جاہل قرار دینے سے دُنیا کی فرقہ بندی دُور ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں!

اندریں صورت ہمیں ان مدعیٔ الہام کتابوں میں سے کسی کی بھی تکذیب کرنی ٹھیک نہیں اور یہ فرقہ بندی کے مٹانے کا کوئی علاج بھی نہیں، لیکن چونکہ ان کتابوں میں ظاہرا اختلافات پائے جاتے ہیں اور خدائی باتوں میں اختلاف کا ہونا محال ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ ا

سدھار کرنا چاہیئے

دوم ۔ بنیادی نیکیاں اگرچہ فطرت میں مرکوز اور بہت معروف ہیں، لیکن افسوس لوگ ان کی قدر کو فوراً دل سے بُھلا دیتے رہے ہیں، اور ان کی جگہ ہمیشہ جھوٹے اعتقادات اور توہمات کو ملتی رہی ہے اور انہی کو اصل دین سمجھا جاتا رہا ہے ۔ انبیاء علیہم السلام خدا تعالےٰ کی طرف سے ان نئے نئے پیدا ہونے والے شبہات کے جوابات اور قلبی بیماریوں کے علاج لاتے رہے ہیں ۔ لیکن قرآن مجید نے یہ کام سب سے بڑھ کر مکمل طور پر کر دیا ہے ۔ قرآن مجید نے ذکرِ خدا اور فکرِ آخرت اور درستئ خیال اور ضرورتِ اصلاح پر سب سے بڑھ کر زور دیا ہے ۔ قرآن مجید کی محض تلاوت ہی اگر تنہائی میں اور رات کے اوقات میں اور خاص کر صبح کے وقت سوچ سمجھ کر کی جائے، تو دل کو نورانی کر دیتی ہے، اور اصل نیکی کا شوق دل میں پیدا کر دیتی ہے اور بندہ کو اپنے مالک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے ۔ شرک اور فضول اعتقادات سے بچنے کا اس سے بڑھ کر کوئی علاج نہیں ہے

جو لوگ حق کے مخالف رستوں پر چلتے ہیں، وہ عذابِ الیم کے بغیر منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے ۔ لیکن جن کا مقصود حق اور اصل نیکیاں ہیں ۔ وہ اگر تنگ اور خطرناک رستوں پر چل کر منزلِ مقصود کو پہنچ جائیں، تو انہیں پہنچا ہوا ہی کہیں گے ۔ لیکن جب تک وہ اُن رستوں پر چل رہے ہیں ۔ انہیں قرآن پاک کے سہل اور محفوظ رستہ کی طرف ہی بُلانا لازم ہوگا ۔ خدا تعالےٰ کے اعلےٰ محفوظ بنائے ہوئے رستہ سے مُنہ موڑنا، خدا تعالےٰ کی ذمہ داری سے نکلنا اور خطرہ میں پڑنا ہے

اِس تمہید کو ختم کر کے میں نہایت ادب سے التماس کرتا ہوں ۔ کہ یہ تمہید دوسری تفسیروں کی تمہیدوں سے بالکل نرالی ہے ۔ امید ہے کہ آئندہ ختم نہ ہونے والے جھگڑوں کی بجائے، الٰہی کتابوں پر اِس لحاظ سے غور کیا

ناقابلِ برداشت نہ بنادیں۔ ان باتوں کو بلاشبہ ایک دوسرے کو سمجھانا اور اچھے حالت کی طرف بلانا ضروری ہے، لیکن ان کو وجۂ کفر بنانا درست نہیں

اِس معقول طریق سے بلاشبہ تمام کتابیں خدا تعالےٰ کی طرف سے سمجھی جاسکتی ہیں۔ لیکن اس معقول طریق کو محض عقل کی بناء پر ہی پیش کرنا کافی نہیں۔ اسلئے کہ ہر کتاب والا کہہ سکتا ہے کہ میں خدائی فرمانوں کو انسانی عقل کی بناء پر چھوڑ نہیں سکتا، اور کسی حکم کو دقتی یا قومی خود ہی نہیں ٹھیرا سکتا اور کسی بات کو بطور سزا کے ڈالا ہوا خود ہی نہیں قرار دے سکتا۔ وغیرہ وغیرہ

اس لئے ضرور ہے کہ وہ طریقِ فیصلہ خود خدا تعالےٰ ہی سکھائے۔ الٰہی کتابوں کے حکم بننے کا حق کسی الٰہی کتاب کو ہی دیا جاسکتا ہے

اگر ایسے حکم بننے کی قابلیت توریت و انجیل میں ہے، تو "دلِ ماشاد۔ چشمِ ما روشن" اور اگر وید مقدس اور ژند اوستا میں ہے، تو ہمیں اِن سے بھی کوئی ضد نہیں، وہی ہمارے لئے مبارک ہوں گی۔ اور اگر کتاب اقدس معقول بحثیں کرکے اس اسلام کا پتہ لگاتی ہے، جو زمینی و آسمانی تمام لوگوں کا مشترکہ دین ہے اور اسی کی طرف لوگوں کو بلاتی ہے تو ہمیں اسی کو حکم بنانا چاہیئے

لیکن ہمارے نزدیک ایسے حکم بننے کی قابلیت صرف قرآن مجید ہی میں ہے اور ہمیں پورا یقین ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے حکم کو تلاش کرنے کی نیت سے جو دنیا کی فرقہ بندی کو مٹانے کا معقول اور منصفانہ طریق سکھلائے، قرآن مجید پر ایک سرسری نظر ڈالیگا، تو اسے اس حقیقت کا پورا پتہ لگ جائیگا

اے کتاب والو! قرآنِ کریم تمہارے اختلافات کو مٹاتا ہے، اور اے عقل والو! قرآن کریم تمہارے آگے ریشنل دین پیش کرتا ہے۔ اگر آپ حضرات کو ان باتوں کی طلب ہے، تو ادھر آؤ اور بھائی بھائی اور معقول پسند بن کے دنیا میں اصل نیکی کو پھیلاؤ۔ صحیح اصول پر سب کو اکٹھے ہو کر کام کرنا اور تمام دنیا کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ



چند ابتدائی امور جن کا بیان تفسیر قرآن مجید کے شروع میں کرنا ضروری ہے درج ذیل ہیں:-

اوّل - ہر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" قرآن حکیم کی آیت ہے۔ کسی آدمی نے کوئی بسم اللہ بھی قرآن شریف میں اپنی طرف سے داخل نہیں کردی، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ محفوظ قرآن میں کوئی انسان اپنی طرف سے کچھ ملا کر قرآنِ عزیز کے دعوئے حفاظت کو مشتبہ بنادے۔

دوم - بسم اللہ میں بٓ کا تعلق کسی مناسب مقدر کے ساتھ ہے۔ وہ مقدر اللہ تعالےٰ کی طرف سے اِبدٔا ، یا اِقرأ ، یا اُتْلُ ، یا اِستَعِن یا اسی قسم کا کوئی اور لفظ ہوسکتا ہے۔ مطلب یہ کہ اے بندے تو اس سورت کو اللہ رحمٰن رحیم کے نام کے ساتھ شروع کر یا پڑھ یا تلاوت کر یا اسکے پڑھنے میں اس کی مدد چاہ۔ وغیرہ

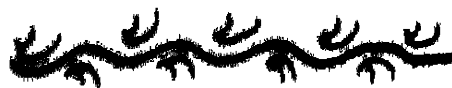
اوپر واحد حاضر کے صیغے آئے ہیں۔ اگر خطاب تمام لوگوں کی طرف سمجھا جائے تو جمع مخاطب کے صیغے بھی لائے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح مذکر و مونث کا فرق بھی کیا جاسکتا ہے

اگر بندہ بسم اللہ کو اپنی طرف سے کہے تو اسکے معنی بھی موقع و محل کے مطابق ہی لئے جائینگے مثلاً اگر بندہ کھانا کھانے یا کچھ لکھنے سے پہلے بسم اللہ کہے تو اسکے معنے یہ ہونگے۔ کہ میں کھانے کو یا لکھنے کو اللہ رحمٰن رحیم کا نام لے کر شروع کرتا ہوں یا کرتی ہوں

سوم - پہلی بسم اللہ پہلی سورت میں داخل ہے۔ باقی سورتوں کے شروع میں جو

جائے گا، کہ کون سی کتاب حکم بن کر سب مدعیٔ الہام کتابوں میں معقول طور پر صلح کراتی ہے، اور اس طرح سب کے آگے ایک بے تبدیل ریشنل دین پیش کرتی ہے

برادران! اتحاد کو بڑھاؤ اور فساد کو مٹاؤ، اور ہماری پکار تو ہر وقت یہی ہے کہ خدا تعالےٰ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں، جو سب کا ایک ہی ربّ ہے ✦



ان سورتوں کے پہلے جو بسم اللہ ہیں وہ صرف فصل کے لئے ہی ہو سکتی ہیں وہ ان سورتوں کی آیات کی گنتی میں الحمد شریف کی بسم اللہ کی طرح داخل نہیں ہیں۔ اس بیان سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ سورت قل یاایہا الکافرون، اور سورت قل اعوذ برب الناس کی چھ چھ آیتیں ہیں۔ ان کے پہلے جو بسم اللہ ہیں وہ صرف فصل کے لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے لائی گئی ہیں لیکن الحمد شریف کی بسم اللہ کا یہ حال نہیں وہ ہر طرح سے الحمد شریف میں داخل ہے اور الحمد شریف کی آئیتیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی آیت سمیت سات ہیں۔

قرآن پاک میں اس سورت کا نام (سبعاً من المثانی) رکھا گیا ہے۔ سبع من المثانی کے معنے ہیں ایسی سات آئیتیں جو ان اصول دین اور محامد الٰہی سے ہیں، جو قرآن عظیم میں بار بار دُہرائے گئے ہیں۔ یہ سورت اصول کے لحاظ سے تمام قرآن مجید کا خلاصہ ہے یہ بمنزلہ متن قرآن کے ہے۔ رمضان کی لیلۃ القدر میں پہلے پہل یہی سورت نازل ہوئی تھی اس رات میں اسی سورت کے نازل ہونے سے ہر ایک حکمت والی یعنی اصولی بات کا فیصلہ ہو گیا تھا (فیہا یفرق کل امر حکیم (دخان)) اس رات میں فرشتے ہر ایک امر مقصود کا روح یعنی وحی لے کر نازل ہو گئے (لیلۃ القدر)

علمائے اسلام نے بھی الحمد شریف کو الگ کر کے باقی قرآن مجید کو الٓمٓ سے شروع کیا ہے اور پہلے سیپارہ کا نام الٓمٓ رکھا ہے۔ عام قاعدہ کے مطابق اسکا نام سیپارہ الحمد نہیں رکھا اس سے بھی اس سورت کے متن قرآن ہونے کی ہی تائید ہوتی ہے

چہارم۔ قرآن عظیم میں متن کی سورت سمیت ایک سو تیرہ سورتیں ہیں سورہ انفال اور سورہ براۃ دو سورتیں نہیں ہیں، بلکہ یہ دونوں مل کر صرف ایک ہی سورت بناتی ہین۔ یہی وجہ ہے کہ انکے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی آیۂ فصل نہیں لائی گئی

حاصل یہ ہے کہ سورت انفال و براۃ ایک ہی سورت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں جنگِ بدر کا ذکر ہے اسوقت مسلمان بہت کمزور تھے یہ فتح خدا تعالےٰ نے عاجز مسلمانوں کو بطور نشان کے یہ دکھلانے کیلئے دی تھی کہ اے ایماندارو! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کافر تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔

اس سورت کے دوسرے حصہ میں اسلام کے پورے غلبہ و کامل عزت کا ذکر ہے ان دونوں

بسم اللہ ہیں، وہ انہیں الگ سورتیں دکھلانے کیلئے ہیں۔ اس لئے انہیں آیات الفصل کہنا درست ہے۔ شروع کی بسم اللہ دو سورتوں میں فصل کرنے والی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے پہلے کوئی اور سورت نہیں

پہلی سورت بمنزلہ متن قرآن ہے۔ دوسری سورتیں اس متن کی تدائی تفسیر ہیں۔ پس پہلی بسم اللہ داخلِ متن ہے دوسری بسم اللہ متن و تفسیر میں فصل دکھلاتی ہے اور جو باقی بسم اللہ ہیں وہ الٰہی تفسیر کے الگ الگ حصوں میں فصل دکھلانے کے لئے ہیں

پہلی سورت ایک دعا ہے جو بندے کی زبان سے کہلائی گئی ہے۔ اس کے پہلے جو بسم اللہ ہے اس کے یہ معنے ہونگے کہ اے بندو اس دعا کو اللہ رحمٰن رحیم کا نام یاد کر کے مانگو۔ دوسری کوئی سورت بحیثیتِ مجموعی دعا نہیں۔ اس لئے ان پر جو بسم اللہ ہیں ان کے یہ معنے ہونگے کہ اے بندو ان سورتوں کو اللہ رحمٰن رحیم کا نام یاد کر کے پڑھو۔ پہلی سورت بسم اللہ کے ساتھ مل کر کلام الٰہی بنتی ہے اور بغیر بسم اللہ کے بندہ کی طرف سے صرف ایک دعا ہی رہ جاتی ہے۔ باقی سورتیں بسم اللہ کے بغیر بھی اپنا کلام الٰہی ہونا ہی دکھلاتی ہیں پس ان کے ساتھ بسم اللہ کا ایسا تعلق نہیں ہو سکتا جیسے الحمد شریف کے ساتھ ہے

اگر کہا جائے کہ الحمد شریف بطور دعا کے رسولِ کریم کی زبان پر وحی الٰہی سے ہی جاری کرائی گئی ہے اس لئے وہ بندہ کی طرف سے دعا بھی ہے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے وحی بھی ہے اگر بات یوں ہے تو الحمد شریف کی بسم اللہ کے متعلق بھی یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ داخلِ دعا ہو کر ہی وحی الٰہی ہے۔ اس صورت میں الحمد شریف کی بسم اللہ کے یہ معنے ہوں گے کہ میں اللہ رحمٰن رحیم کا نام یاد کر کے یہ دعا مانگتا ہوں یا مانگتی ہوں لیکن کسی دوسری سورت کی بسم اللہ کے ایسے معنی کرنے سے بھی وہ بسم اللہ الحمد شریف کی طرح اس سورت کا جزء نہیں بن سکتی صرف فصل کو ہی دکھلانے والی ہوگی

قرآنمجید میں پانچ سورتوں کے پہلے قُل آتا ہے جس کے معنے ہیں کہ اے رسول تو یہ بات کہدے جو آگے آتی ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورتیں قُل سے شروع ہوتی ہیں اور ان کے اوپر جو بسم اللہ ہیں ان کے معنوں میں بھی تقدیراً یہ لفظ موجود ہیں کہ تو اس سورت کو پڑھ۔ پس

ترتیب اور ان کے سیاق و سباق ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر آیات کے نظم و ربط اور ترتیب کو نہ مانا جائے تو قرآن حکیم کا صحیح مفہوم کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا

حاصل یہ ہے کہ ہر سورت کی آیات سلسلہ وار ہی نازل ہوئی ہیں اور اصل مضمون کے لحاظ سے بالکل علی الاتصال ہیں۔ ہر آئندہ حصہ اپنے سابقہ اور گذشتہ حصہ کے ساتھ ہی پیوستہ کیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے " اور ہم ان کے لئے اس قول کو پیوستہ کر کے لائے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں " ۲۰

کسی مضمون کے نامکمل حصہ سے وہ مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا، جو مکمل مضمون میں اس کے واقع ہونے سے سمجھا جاتا ہے جب قوم جن کے لوگ قرآنمجید سننے آئے تھے تو انہوں نے ایک ہی مجلس میں سارا قرآن مجید نہیں سن لیا تھا، بلکہ قرآنمجید کا ایک تھوڑا سا حصہ سُنا تھا لیکن وہ حصہ (یا سورت) مطلب سمجھانے کیلئے کافی ومکمل تھا اسی لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ " فلما قضی ولوا الیٰ قومھم منذرین " (احقاف) یعنی جب وہ حصۂ قرآن (جو جنوں نے سُنا تھا) پُورا ہو گیا تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانیوالے (یعنی مبلغ یا واعظ) بنکر واپس چلے گئے۔ اگر جنوں پر اس سے کم آئتیں پڑھی جاتیں، جسقدر انہوں نے سُنی تھیں تو وہ مضمون پورا نہ ہوتا اور جو سمجھ انہوں نے پورے مضمون سے حاصل کی وہ اسکے ایک حصہ سے نہ مل سکتی، بلکہ ممکن تھا کہ نامکمل مضمون کے سننے سے بہت سے شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے

اس آیت میں خدا تعالےٰ نے قرآنمجید کے ایک مکمل حصہ کے پورا ہونے کو قرآنمجید کا پُورا ہونا فرمایا ہے اور اسے مبلغ بننے کے لئے کافی قرار دیا ہے

رسولؐ کریم کو جب وحی ہوتی تھی تو ہر دفعہ پورے مضمون کی وحی نہ ہوتی تھی، بلکہ بعض دفعہ مضمون کا نامکمل حصہ اُتر کر وحی رُک جاتی تھی حضور انور وحی کے لینے میں اپنا کوئی اختیار نہیں رکھتے تھے اس نامکمل حصہ کے سُنانے سے بعض دفعہ غلط فہمی واقع ہو جاتی تھی اسلئے خدا تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ۔ لا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ وقل رب زدنی علما (طہ) یعنی قرآن کے سُنانے کے ساتھ تو جلدی نہ کیا کر جب تک اسکی وحی تیری طرف پوری پوری نہ ہو لے (یہاں بھی مکمل مضمون کی وحی ہونا ہی مراد ہے) اور یہ دُعا مانگا کر کہ اے میرے رب مجھے علم میں ترقی دے "

حصّوں کو بالمقابل آمنے سامنے رکھنے سے یہ دکھلانا مقصود ہے کہ عاجز بندوں کے ساتھ اس طرح اپنا وعدہ پورا کرنے والا اور گرے ہوؤں کو عزت دینے والا سوائے خدا تعالےٰ کے اور کون ہو سکتا ہے

اس سورت کے اخیر میں رسولؐ مقبول کی زبان سے کہلوایا ہے کہ "اللہ میرے لئے کافی ہے اسکے سوائے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے میں نے اسپر توکل کیا اور وہ عرشِ عظیم کا رب ہے"

پنجم ۔ قرآن حکیم کی ہر ایک سورت اپنے مضمون کے لحاظ سے ایک مکمل اور قیم کتاب ہے (فیہا کتبٌ قیمۃ) اس لئے ضرور ہے کہ ہر ایک سورت کی آیات میں نزول کے مطابق ہی ترتیب قائم ہو اور یہ ظاہر ہے کہ کسی مضمون کی اصلی ترتیب کو بدل دینے سے اس مضمون کے مفہوم میں فرق پڑ جاتا ہے۔ دیکھئے زید کے طلاق دینے کے بیان کے ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ: "اے مومنو! جب تم عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو، تو تمہارے لئے کسی عدت کے گننے کی کوئی ضرورت نہیں" (احزاب)

اس حکم کے اس موقع پر لانے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دیدیا تھا، وہ شروع سے ہی اپنی بیوی کو ایسا مکروہ جانتا تھا کہ اُسے اخیر تک ہاتھ لگانے کی رغبت ہی نہیں پیدا ہوئی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے زید و زینب میں سلوک تھا۔ ناچاقی کی وجہ پیچھے پیدا ہوئی۔ ان کا قول سرتاپا غلط ہے۔ زید نے صرف لحاظ میں آکے نکاح کر لیا تھا ورنہ وہ ابتدا سے ہی اُسے پسند نہیں کرتا تھا۔

اگر اس آیت کو جسمیں یہ ذکر ہے کہ ہاتھ لگانے کے بغیر طلاق دینے میں کوئی عدت نہیں۔ زید کے طلاق کے ساتھ نہ لایا جاتا بلکہ یہ آیت کسی اور سورت (مثلاً بقرہ و طلاق وغیرہا) میں آتی تو اس سے یہ نتائج ہرگز نہ نکالے جاسکتے۔ آیات کے معنے کرنے میں سیاق و سباق کا دیکھنا نہایت ہی ضروری ہے آیات کے نظم و ربط سے یہ بھی روشن ہوتا ہے کہ قصور صرف زید کا تھا۔ زینب بیچاری بالکل نیک تھی اسکی طرف سے اس معاملہ میں کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ ہاں یہ بات ضرور تھی کہ صورت و شکل کے لحاظ سے زید جیسا ممنونِ احسان شخص بھی اسے پسند نہیں رکھتا تھا۔ یہ سب باتیں آیات کی

تو پچھلی آیت کو منسوخ بنانے کے کیا معنے۔ اور ایک ہی سورت کی آیات میں خواہ مخواہ بے ترتیبی ڈالنے سے کیا حاصل۔ ناسخ و منسوخ کا مفصل بیان اگر خدا تعالےٰ نے چاہا، تو اپنے موقع پر آئے گا۔

ہر ایک سورت کی آیات کی ترتیب اور نظم و ربط سے بہت سے مفید علم حاصل ہوتے ہیں اور بہت سے سچے واقعات کا پتہ لگ جاتا ہے۔ بعض واقعات جن میں افراط و تفریط کی گئی ہے، ان کی اصلیت کھل جاتی ہے۔ ان کی مثالیں دینے سے طوالت کا خوف ہے اسلئے ان اشارات پر ہی کفایت کی جاتی ہے

ہر سورت کی آیات مسلسل لکھی چلی آتی ہیں۔ موجودہ طرزِ کتابت کے مطابق ان میں پیراگرافوں کے لئے کسی سطر کا کوئی حصہ نہیں چھوڑا گیا ہاں رکوع کے نشان ان پیراگرافوں کو دکھلانے والے معلوم ہوتے ہیں

ششم۔ رسولِ کریم پہلے پہل اپنی قوم کو تبلیغ کرتے تھے۔ چونکہ یہ تعلیم انکے مروجہ عقائد کے برخلاف تھی اور وہ معقولیت کے ساتھ اسکا جواب نہیں دے سکتے تھے اسلئے وہ ظلم و تعدی پر اُتر آئے۔ مومنوں کو حکم تھا کہ صبر کرو اور لڑائی سے اپنے ہاتھ رد کے رکھو اور نماز و خیرات کرتے رہو اور اپنے نفس کی اصلاح میں لگے رہو۔ آخر کفار نے اسقدر ایذائیں دیں اور خونریزی پر اُتر آئے کہ خود رسولِ مقبول کو بھی اپنا گھر بار اور عزیز وطن چھوڑنا پڑا۔ اسوقت مکہ میں ہر شخص کے لئے امن تھا، لیکن اللہ تعالےٰ کی توحید کی طرف بلانے والوں کے لئے مکہ والوں کی طرف سے کوئی پناہ نہ تھی

اس ہجرت سے پہلے قرآنِ مجید کی جو سورتیں نازل ہوئیں یا جن کا بڑا حصہ نازل ہو چکا تھا وہ مکی سورتیں کہلاتی ہیں اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں انکو مدنی سورتیں کہتے ہیں

ہجرت سے پہلے مسلمانوں کی کچھ اور حالت تھی، لیکن ہجرت کے بعد انہیں دیگر مناسب حالات سے گذرنا پڑا۔ اس وقت مسلمان اپنی جان و ایمان کی حفاظت کے لئے کفار کے ظالمانہ حملوں کا دفعیہ کرتے تھے اور ان حالات کے موافق خدا تعالےٰ کی طرف سے نئی اصلاحیں اور ہدائتیں پاتے تھے۔

اس مختصر بیان سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم کی آیات کی ترتیب کس قدر ضروری ہے اسکے بغیر کوئی مضمون اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہ سکتا پس قرآنمجید کی ہر ایک سورت کی آیات میں اصلی ترتیب کا ہونا لازم ہے جو لوگ قرآن حکیم کی کسی ایک سورت کی آیات میں مضامین کے نزول کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر مانتے ہیں، سخت غلطی میں مبتلا ہیں

قرآن کریم کی آیات بینات میں مطلقاً اختلاف نہیں ہو سکتا، لیکن افسوس ہے کہ لوگ خواہ مخواہ اختلاف پیدا کر کے قرآن مجید کے کسی حکم کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور کسی کو ناسخ ٹھہراتے ہیں۔ پھر تماشا یہ ہے کہ ایک ہی سورت کی مسلسل و مربوط آیات میں ناسخ کو پہلے دکھلاتے ہیں اور منسوخ اس آیت کو بتلاتے ہیں جو پیچھے آتی ہے۔ منسوخ کا پیچھے آنا نزول کے لحاظ سے تو ناممکن ہے ہی، ترتیب مضامین کے لحاظ سے بھی نامعقول ہے۔ ایسے اعتقاد والے اصحاب کے نزدیک گویا خدا تعالے نے ترتیب نزول کو بھی بدلا اور اس تغیر و تبدل سے اپنے کلام پاک میں کوئی معقول فائدہ بھی پیدا نہ کیا

سورت بقرہ میں پہلے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ بیویاں چار مہینے دس دن تک بیٹھی رہیں۔ پھر جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے حق میں مناسب طور پر کریں۔ ۲/۱۴

پھر اگلے رکوع میں ارشاد کیا کہ تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک بغیر نکالنے کے متاع دیا جائے۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں، تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے حق میں کوئی مناسب بات کر لیں اور (یاد رکھو) اللہ غالب حکمت والا ہے۔ ۲/۱۵

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر بیوہ عورتوں کیلئے کوئی معقول صورت پیدا نہ ہو تو انہیں ایک سال تک تو ضرور خرچ و مکان دیا جائے لیکن اگر وہ خود نکل جائیں اور چار مہینے دس دن کے بعد نکاح ثانی کر لیں تو انکا یہ فعل خلاف معروف نہیں ہوگا۔ اس صورت میں اگر وارث پورے سال تک ان کو خرچ و مکان نہ دیں، تو اُن پر کوئی گناہ نہیں

ان دو نو آیات میں کسی قسم کا اختلاف و تناقض نہیں پیدا کیا جا سکتا اور جب اختلاف پایا ہی نہیں جاتا

اس لئے ہر جگہ اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا، لیکن یہ بھی مناسب نہیں کہ جہاں جسقدر اسکی رعایت ممکن ہو اس سے بھی پہلو تہی کی جائے

اس بات کو دکھلانے کے لئے ضروری ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں کے ایسے حصے کئے جائیں کہ جن میں سے ہر ایک حصہ میں ایسی مکی یا مدنی سورتیں شامل ہوں، جن میں بالکلیہ تقدیم وتاخیر پائی جائے۔ یا بعض مکی سورتوں کی حالت میں بڑے حصے کے لحاظ سے تقدیم وتاخیر موجود ہو۔

دیکھئے قرآن پاک میں ایک سو تیرہ سورتیں ہیں۔ ان میں سے ستاسی ۸۷ سورتیں مکی معلوم ہوتی ہیں اور چھبیس ۲۶ سورتیں مدنی ہیں۔ مکی سورتوں کے دس حصے کئے گئے ہیں اور مدنی سورتیں بھی دس حصوں میں منقسم ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ترتیب وار پہلے ایک حصہ مکی اور پھر ایک حصہ مدنی رکھا ہے اور اسی طریق سے اخیر تک تمام حصوں کو ترتیب دے دی ہے۔ ہر حصہ میں جو سورتیں ہیں ان میں جہاں تک ہو سکتا تھا۔ نزول کے مطابق بھی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے

سورۂ الحمد جو متنِ قرآن ہے سب سورتوں سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ متن کا شرح سے پہلے ہی آنا لازم ہے اور ان سورتوں میں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں سورت بقرہ سب سے پہلی سورت ہے۔ معوّذتین سب سے آخری مدنی سورتیں ہیں

بڑے افسوس سے ذکر کیا جاتا ہے کہ بہت سے لوگوں کے نزدیک سورت علق سب سے پہلی سورت ہے لیکن یہ یقیناً غلط ہے۔ اس سورت کے پڑھنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ رسولِ کریم کو ایک جابر کافر (ابو جہل) قرآن کریم کے پڑھنے سے روکتا تھا۔ خدا تعالےٰ نے اس روکاوٹ کے باعث ارشاد فرمایا کہ تو اس کا کہا نہ مان اور اپنے رب کے نام کی برکت سے پڑھ۔ تیرا ربّ اکرم ہے وہ تجھے عزت دیگا

یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو حکم دیتا ہے کہ تو پڑھ، تو اسکے یہ معنے ہرگز نہیں ہوسکتے کہ تو اس پڑھنے کے حکم کو پڑھ۔ کیا یہ ٹھیک ہے کہ اُستاد

حالات کے اِن اختلافات سے بالعموم پتہ لگ جاتا ہے کہ کون سی سورتیں ہجرت سے پہلے ملیں اور کونسی سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں

کئی سورتیں بڑے لمبے زمانہ تک نازل ہوتی رہیں۔ سورت مزمّل میں بیس آئتیں ہیں۔ ان میں سے پہلی اُنیس آئتیں ہجرت سے بہت پہلے نازل ہوچکی تھیں، لیکن اس سورت کی آخری آیت یقیناً ہجرت کے قریب نازل ہوئی ہے۔ اس لمبے عرصہ میں ضرور ہے کہ قرآن مجید کی اور بھی بہت سی سورتیں نازل ہو رہی ہوں۔

سورت انفال کے دوسرے حصّہ کا نام سورت براءۃ کرکے مشہور ہے۔ اس حصّہ کی ابتدائی آیات کے نزول کے وقت مکہ ہرگز فتح نہیں ہُوا تھا، لیکن فلا یقربوا المسجد الحرام کے نزول کے وقت مکہ یقیناً فتح ہوچکا تھا۔ پھر فتح مکہ کے بعد سورت کے اِس حصّہ میں مہم تبوک کی تیاری کا بیان ہے۔ پھر مہم تبوک سے مراجعت کا ذکر ہے۔ اس سورت کے اثنائے نزول میں سورتِ مائدہ اور سورتِ نصر اور سورتِ فتح نازل ہوئیں۔ سورت فتح میں سورت براءۃ کے ایک حکم کا حوالہ بھی ہے (کذالکم قال اللہ من قبل)

حاصل یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی کئی سورتیں اکٹھی ہی نازل ہُوا کرتی تھیں۔ ہر ایک سورت اپنے اپنے سلسلۂ کلام اور طرزِ بیان کے لحاظ سے الگ الگ اور مکمل و قیم کتاب ہے۔ کسی سورت کا کوئی حصّہ دوسری سورت کے کسی حصہ سے پہلے نازل ہوتا تھا اور کوئی حصّہ پیچھے اُترتا تھا۔ اندریں حالت مختلف سورتوں میں ہر جگہ ترتیبِ نزول کا لحاظ رکھنا محالات سے ہے۔ ایسا کرنے سے ایک ایک سُورت کی آیات کی ترتیب بھی درہم برہم ہو جاتی۔ ہاں مناسبت مضامین کے لحاظ سے خود خدا تعالےٰ نے ہی ایک سورت کو دوسری سورت کے ساتھ رکھ دیا ہے اور ان علینا جمعہ وقرآنہ کے وعدہ کے مطابق خود ہی اپنے بندے کو پڑھا کر تمام سورتوں کو ایک دوسری کے ساتھ پرو دیا ہے اور رسولِ مقبول کی زندگی ہی میں قرآن مجید کو جمع کرکے اخیر میں معوذتین کو نازل فرما کر دعائے ختم القرآن بھی سکھا دی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ چونکہ سورتوں میں ہر جگہ نزول کے مطابق ترتیب کا قائم رکھنا محال تھا

کو دکھلا دیتا تھا اور موقعہ موقعہ پر لکھا کر جمع کرا دیتا تھا۔ اس طرح قرآنمجید حفاظتِ خداوندی کے ساتھ مکمل ہوگیا

خدا تعالےٰ نے حفاظتِ قرآن کی بڑے زور کے ساتھ تحدی کی ہے۔ اگر اس تحدی میں بظاہر کوئی فرق آتا تو عہدِ رسولؐ میں شور پڑجاتا اور قرآن پاک میں اسکا جواب آتا۔ قرآن کریم اس وقت کی عینی شہادت ہے۔ قرآن مجید کسی معقول اعتراض کے جواب سے پہلوتہی نہیں کرسکتا تھا۔ قرآن حکیم نے زید کے معاملہ کو کھول کھول کر اور نام لے کر بیان کیا ہے۔ قرآن مجید میں سوائے زید کے کسی اور صحابی کا نام نہیں آیا۔

خدانخواستہ اگر قرآن عزیز کی ترتیب خدا تعالےٰ کی طرف سے نہ ہوتی، یا اس میں کوئی کمی بیشی ہوجاتی تو سیاق وسباق کے بدل جانے اور نئے سیاق وسیاق کے پیدا ہوجانے کے باعث اسمیں آگے پیچھے سے غلطی وباطل کا دخل راہ پاجاتا، لیکن قرآن کریم ایسی عزت و غلبہ والی کتاب ہے کہ کسی دخلِ بیجا سے یہ متاثر نہیں ہوئی اور کسی کے آگے کبھی نہیں دبی۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید ۴۲/۱۹ یعنی یہ قرآن بالضرور ایک نہ دبنے والی کتاب ہے باطل اسکے آگے پیچھے سے راہ نہیں پاتا۔ یہ حکمت والے حمد والے کی طرف سے اُتری ہے

جو کریم النفس اور نیکوکار لوگ سفیر بناکر تبلیغ کے لئے بھیجے جاتے تھے انکے ہاتھوں میں قرآنمجید کے صحیفے ہوتے تھے جیسا کہ قرآن مجید خود فرماتا ہے۔

" انھا تذکرۃ۔ فمن شاء ذکرہ۔ فی صحف مکرمۃ۔ مرفوعۃ مطھرۃ۔ بایدی سفرۃ۔ کرام بررۃ قتل الانسان ما اکفرہ " ۸۰/۱۲ یعنی بالتحقیق یہ ایک نصیحت نامہ ہے جو چاہے اسے یاد کرے۔ یہ ایسے صحیفوں میں ہے جن میں مکرمت اور رفعت اور طہارت بھری ہوئی ہے یہ ایسے سفیروں کے ہاتھ میں ہیں جو کریم النفس اور نیکوکار ہیں یہ (مخالف) انسان تباہ ہوا۔ یہ کیسا ناقدردان ہے۔

پھر جن لوگوں کو یہ علمِ قرآن ملتا تھا۔ وہ اسے اپنے سینوں میں جگہ دے کر حفظ بھی کرلیتے تھے۔ آج تک قرآن کریم کے بیشمار حفاظ موجود ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اپنے شاگرد کو کہے کہ تُو پڑھ اور شاگرد مقابلہ میں کہہ دے کہ تو پڑھ۔ پڑھنے والی چیز پڑھنے کے حکم سے بالضرور الگ ہوتی ہے۔ پھر رکاوٹ کے بعد جو پڑھنے کا حکم ملتا ہے وہ اس روکی ہوئی چیز کے پڑھنے ہی کا حکم ہوتا ہے

اس بیان سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ سورت علق سے پہلے متنِ قرآن اور قرآن عظیم کا ایک اور حصہ بھی ضرور نازل ہو چکا تھا۔

ہفتم۔ اللہ تعالیٰ سورت مریمؑ میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ "واذکر فی الکتاب مریم الخ" یعنے اور (اس جگہ) اس کتاب میں مریم کا ذکر کر (جب اس پر وہ باتیں واقع ہوئیں، جن کا آگے بیان آتا ہے)

اس کے بعد فرمایا "واذکر فی الکتاب ابراھیم" الخ یعنی اور (اس جگہ) اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کر (جیسا کہ ہم آگے بیان کرتے ہیں)

پھر حکم کیا کہ "واذکر فی الکتاب موسےٰ" یعنی اور (اس جگہ) اس کتاب میں موسیٰ کا ذکر کر (جو آگے آتا ہے)

اس کے بعد فرمایا "واذکر فی الکتاب اسمٰعیل" یعنی اور اس کتاب میں اسمٰعیل کا ذکر کر (جیسا کہ آگے بیان ہوتا ہے)

بعد ازاں فرمایا "واذکر فی الکتاب ادریس" یعنی۔ اور اس کتاب میں ادریس کا ذکر کر (جیسا کہ آگے مذکور ہے)

ان مبارک آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نازل ہوتے ہی کتاب میں لکھا جاتا تھا اور خدا تعالیٰ خود ہی بتلا کر اسے ترتیب وار لکھا دیتا تھا اور یہ کام خدا تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ رسولؐ مقبول کی سرپرستی میں کرایا جاتا تھا

پھر سورت القیامہ میں فرمایا "انّ علینا جمعہ و قرآنہ" یعنی بلاشبہ ہم پر لازم ہے اس قرآن کا جمع کرتے جانا اور اسکو پڑھ دینا۔

اس آیۂ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ پڑھ کر بھی قرآن مجید کی ترتیب

الغرض جب بھی شیطان مردود کی طرف سے کوئی خدشہ یا وسوسہ پہنچے یا پہنچنے کا خطرہ ہو تو اسوقت ہم کو خوب ہوشیار ہو جانا اور شیطان رجیم کی چالوں سے خدا تعالے کی پناہ میں آجانا چاہیئے۔ یہ کام خواہ ہم دل کی توجہ سے کریں یا زبان سے بھی کہیں، نہایت ضروری ہے

حاصل یہ ہے کہ جب ہم قرآنمجید پڑھنے لگیں تو پہلے ہم دلی توجہ سے یہ کہیں "رب اعوذ بك من همزات الشياطين۔ واعوذ بك رب ان يحضرون" ۱۸/۶ اور اگر "اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم" یا "اعوذ بالله من الشيطان الرجيم" کہیں، یا اپنی بولی میں ہی اس منشا کا اظہار کریں یا دلی توجہ سے ہی اس مدعا کو بجالائیں تو ہر صورت میں تعمیل حکم الٰہی ہو جاتی ہے

اور اگر قرآنمجید کے پڑھتے وقت یا کسی اور کام کے کرتے وقت شیطان کی طرف سے کوئی طائف یا نزغ پہنچے یا پہنچنے لگے تو فوراً ہوشیار ہو جانا اور اعوذ باللہ پڑھنا لازم ہے

اسی طرح قرآن کریم کے پڑھ چکنے کے بعد بھی اعوذ برب الفلق من شر ما خلق اور اعوذ برب الناس۔ ملك الناس۔ اله الناس۔ من شر الوسواس الخناس کہنا مناسب ہے

اور اگر کسی وقت کسی شخص کو ایسا کرنا بھول جائے، تو جب یاد آئے خدا تعالے کو یاد کرے اور اپنے دل کو صاف کرے۔ یہ سب باتیں قرآنمجید کے منشا کے مطابق ہیں۔ دل کی صفائی بہرصورت عمدہ ہے

دہم۔ قرآنمجید خدا تعالے کا کلام ہے اور صحیفۂ فطرت خدا تعالے کا کام ہے اور یہ قاعدہ بالکل صحیح ہے کہ "تصنیف را مصنّف نیکو کند بیاں" اسلئے قرآن مجید کی وہ تفسیر بالکل صحیح ہوگی، جو خود قرآن مجید کی آیات سے یا صحیفۂ فطرت کی آیات سے ذہن نشین ہو جائے۔ اگر ایک شخص بھی ایسی تفسیر بتلادیگا تو وہ درست ہوگی اور اگر تمام جہان اسکے برخلاف تفسیر پیش کریگا تو وہ یقیناً غلط ہوگی

قرآنمجید احکم الحاکمین کا کلام ہے۔ اندریں صورت یہ سب پر حاکم اور قاضی ہونا چاہیئے۔ جو لوگ اس پر کسی بڑے نیک آدمی کو بھی حاکم اور قاضی ٹھیراتے ہیں ظلم عظیم کے مرتکب ہیں۔ کسی بڑے سے بڑے انسان کا کلام، وحی الٰہی یا صحیفۂ فطرت کی قابل فہم سند کے پیش کرنیکے بغیر محض اس انسان کی ذات کے لحاظ سے ہی ہرگز ہرگز اعتقاداً اور اصولاً واجب الاطاعت نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں پر سخت افسوس ہے جو احادیث اور اجماع کی بناپر احکم الحاکمین کے حکموں کو منسوخ بتلاتے ہیں

"بل ھو آیات بینات۔ فی صدور الذین اوتوا العلم" ۴۹ یعنی بلکہ یہ آیات بیّنات ہے ان لوگوں کے سینوں میں جن کو (اسکا) علم ملا ہے۔

علاوہ بریں صحابہ کے وقت کا لکھا ہوُا قرآن مجید آجتک دنیا میں موجود ہے کسی اور کتاب کو خدا تعالےٰ نے کبھی ایسا شرف نہیں بخشا۔

ہشتم۔ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن عزیز سات قرأتوں پر نازل ہوُا ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ اگر دوسری قرأتیں بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوتیں، تو وہ بموجب وعدہ کے اس قرآن کی طرح ہی اسی قرآن میں محفوظ ہوتیں اور اسی قرآن کی طرح حدِ تواتر کو پہنچ جاتیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید پہلے پہل بغیر حرکات وسکنات کے لکھا گیا تھا۔ اِس سبب سے بعض دوُر کے لوگوں کو اپنی کاریگریاں دکھلانے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے کہا کہ ہم فلاں لفظ کو یوں بھی پڑھ سکتے ہیں اور یوں بھی۔ اگر قرآن کریم کے حافظ عام طور پر نہ پائے جاتے تو ایسے شبہات کی کوئی گنجائش متصور بھی ہوسکتی، لیکن شکر ہے کہ خدا تعالےٰ نے جلدی ہی بذریعہ حفّاظ حرکات وسکنات کا بھی بخوبی انتظام کرا دیا۔

نہم۔ جب ہم قرآن مجید پڑھنا شروع کرتے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ ہم صاف دل ہوکر اور کسی طرفداری یا مخالفت کا خیال نہ کرکے پڑھیں۔ اس کے لئے ہم پر لازم ہے۔ کہ ہم شیطان مردود سے بھاگ کر خدا تعالےٰ کی پناہ میں آویں

اور جب ہم قرآن مجید کو پڑھ رہے ہوں اس وقت بھی ہمیں اپنے دل کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کہیں مخالفت یا ظلم کی طرف نہ جھک جائے اور اپنی خواہشِ نفسانی کی حمایت میں نہ پھنس جائے۔ پس اس وقت بھی ہمیں خدا تعالےٰ کی پناہ کی برابر ضرورت ہے

اور جب ہم قرآنمجید پڑھ چکیں تو اُسوقت ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ مبادا کہیں ہم ایک کان سے سُنکر دوسرے کان سے نہ نکال دیں اور صرف باتیں بنانے والے ہی نہ ٹھہریں، بلکہ اس پر قائم رہیں اور اسکے مطابق عمل کرکے فائدے اٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی شیطان کے داؤ میں آکر نعمت کو کھو بیٹھیں۔ سو اسوقت بھی ہمیں خدا تعالےٰ کی پناہ میں آنے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[قرآنِ مبین کو ترتیل کے ساتھ یعنی آہستہ آہستہ اور سوچ سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ اس صحیفۂ پُر حکمت کی تلاوت سے تدبّر و تفکّر اور تعقل و تذکّر کا حاصل کرنا مقصود ہے۔ اِسے بارِ خاطر نہ بنایا جائے بلکہ تھوڑا یا بہت جس قدر آسان ہو خلوص و محبت اور شوق سے پڑھا جائے

بعض شائقین نے ہفتہ کے سات ایّام کے لحاظ سے قرآن مجید کو سات (تخمیناً) برابر حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر حصّہ منزل کہلاتا ہے۔ ابتدائی منازل کم سورتوں پر مشتمل ہیں اور آخری زیادہ پر۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ قرآن کریم میں لمبی لمبی سورتیں بالعموم پہلے رکھی گئی ہیں اور چھوٹی چھوٹی بعد میں لائی گئی ہیں۔ ہاں ترتیبِ مضمون اور نظم و ربط کے مدّنظر اس کلّیہ میں کہیں کہیں فرق بھی ڈالا گیا ہے

سورۂ فاتحہ متنِ قرآن ہے۔ یہ کتاب کی اصل ہے۔ باقی تمام قرآن اسکی تفصیل و تشریح اور حکمت بیان کرتا ہے۔ سورۂ فاتحہ گو چھوٹی سی سورت ہے تاہم متن قرآن ہونے کے سبب اس کا قرآنِ عظیم کے شروع میں لانا ہی مناسب تھا۔ نزول کے لحاظ سے بھی یہی سورہ سب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس متنِ قرآن کے ساتھ اور تین سورتیں ملکر پہلی منزل بناتی ہیں اور اگر سورہ انفال اور توبہ کو الگ الگ سورتیں قرار دیا جائے تو دوسری منزل میں پانچ سورتیں آتی ہیں۔ تیسری منزل سات سورتوں کا مجموعہ ہے۔ چوتھی منزل میں نو سورتیں داخل ہیں۔ پانچویں منزل گیارہ سورتوں پر مشتمل ہے اور چھٹی میں تیرہ سورتیں ہیں۔ یوں آخری (ساتویں) منزل کیلئے پانچ دفعہ تیرہ (یعنی ۶۵) سورتیں باقی رہ جاتی ہیں

پہلی منزل سورۂ فاتحہ سے دوسری سورۂ مائدہ سے تیسری سورۂ یونس سے چوتھی سورۂ بنی اسرائیل سے پانچویں سورۂ شعراء سے چھٹی سورۂ والصّافات سے اور ساتویں سورۂ ق سے شروع ہوتی ہے۔ ان سات منزلوں کا نام مندرجہ صدر سورتوں کے اسماء کے پہلے حروف کو بالترتیب ملاکر "فمی بشوق" بنتا ہے۔ اسکے معنی ہیں "میرا منہ شوق سے (پڑھتا) ہے" یا یوں کہو کہ "میرا منہ شوق کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے"۔ جو شائقین تندرست ہوں جنہیں فرصت حاصل ہو اور وہ قرآن مجید کے فرمودہ مقدم احکام کو پیچھے نہ ڈال دیں، ایسے باہمت شائقین کو سُست بنانا ہمیں مقصود نہیں۔

تفسیر کے حصص کی تقسیم بھی منزلوں کی بناء پر کیگئی ہے۔ یہ حصہ پہلی منزل (الفاتحہ۔ البقرہ۔ آل عمران اور نساء) کو شامل ہے]

ہاں جو لوگ قرآن حکیم کے ماتحت اور اسکے فرمانوں کے مطابق حاکم و قاضی بنتے ہیں اور اسکے حل مطالب میں مدد دیتے ہیں، بلکہ انکو ذہن نشین کراتے ہیں، ضرور قابل قدر ہونے چاہئیں انکی خدمات صحیحہ سے فائدہ اٹھانا لازم ہے۔ انسانوں کو انسان کی طرح جانو۔ خدا کو خدا کیطرح مانو۔

خدا تعالے نے قرآنمجید کو اسلئے نازل فرمایا ہے کہ قرآن حکیم کے ماننے والوں کے لئے کسی اور چیز کو بطور وحی کے تلاش کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بطور معقول کے بھی کسی اور چیز کو نہ لیا جائے

ہمیں بطور معقول و معروف کے ہر جگہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے، لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ کسی خاص ملک یا قوم یا زمانے کے تمدن اور طرزِ معاشرت ہی کو تمام دُنیا اور تمام زمانوں کے لئے اصول بنا لیا جائے۔ اسمیں مناسب تبدیلیاں کرنا ضروری ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ قرآن مبین عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ اسکا فہم حاصل کرنے کیلئے عربی مبین کا لحاظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔ فضول تاویلیں کرنا اور صاف اور صریح ترجموں کو خواہ مخواہ بدلنا، قرآنِ کریم کو بازیچۂ اطفال بنانا ہے

اب یہ ذرّہ بیمقدار، شیطانِ رجیم سے خدا تعالے کی پناہ میں آکر تفسیر قرآنِ حکیم کو شروع کرتا ہے اور توفیق خدا تعالے سے مانگتا ہے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب؛



متن

(۱) بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾ (۲) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲﴾ (۳) الرَّحۡمٰنِ
الرَّحِیۡمِ ﴿۳﴾ (۴) مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۴﴾ (۵) اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ﴿۵﴾
(۶) اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۶﴾ (۷) صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ
الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾

ترجمہ (۱) شروع، اللہ رحمٰن رحیم کے نام کے ساتھ (۲) سب تعریف اللہ کیلئے ہے (جو) تمام جہانوں کا پروردگار (۳) رحمان (و) رحیم (۴) (اور) جزا کے دن کا (اکیلا) مالک (ہے) (۵) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں (۶) ہمیں سیدھا راستہ دکھا (۷) ان کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ جو وہ لوگ نہیں جن پر غضب کیا گیا۔ اور جو گمراہ نہیں

تشریحات۔ اِس دُعا کا آغاز اللہ کے مبارک نام سے ہوتا ہے۔ اللہ کے معنی ہیں کامل مطلق ذات۔ پس اللہ اپنی ذات کے کمال کے لئے غیر کا محتاج نہیں، وہ کچھ بنائے یا نہ بنائے بہرصورت اپنے آپ میں کامل مطلق ہے۔ ہاں جب وہ اپنی آزاد مرضی سے خارجی اشیاء کو پیدا کرتا ہے تو اس کا تعلق خارج کیساتھ رحمانیت اور رحیمیت کا ہوتا ہے۔ اس نے پیدا کرنے سے خود ہی رحمت کو اپنے ذمّے لے لیا ہے کسی نے اُسے مجبور نہیں کیا۔ کَتَبَ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ

رحمٰن وہ ہے جو سامانِ رحمت کو اپنی مخلوق کے لئے پیدا کرے اور انہیں ہر حالت میں کام کرنے کے لائق فطری یا الہامی ہدائت بخشے۔ یہی وجہ ہے کہ رحمان کا اطلاق کسی مخلوق پر قطعاً جائز نہیں۔ قرآن مجید کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ اس میں اَللّٰہ اور رحمٰن جیسے خاص نام موجود ہیں جو سوائے خدا کے کسی اور پر نہیں لگ سکتے۔ یہ بات شرک سے بچانے کیلئے اشد ضروری ہے، جو نام دوسروں پر بھی لگ سکتے ہوں اگر ان میں قرینہ توبہ نہ ہو تو لوگ اُنہیں جدھر چاہیں لگا سکتے ہیں

رحیم وہ ہے جو ان سامانوں اور ہدایتوں کے مطابق کوشش کرنے والے کی کوششوں کو ضائع نہ ہونے دے بلکہ اُنہیں بارور کرے اور اگر بندہ آلودۂ عصیان اور کاہل پسند ہو جائے تو اُسے دُکھ دے کر پھر صاف کرے۔ جگائے اور اُبھارے

مخلوق پر مصائب اس لئے آتے ہیں اور اُن کے کمال اس لئے سلب ہو جاتے ہیں کہ وہ کمالات اُن کے ذاتی نہیں ہوتے۔ اِس لئے سکھایا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ یعنے تمام کمالات ذاتی طور پر کامل مطلق ذات

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃ

نام | خدا تعالیٰ نے اس سورت کا نام سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِیْ رکھا ہے۔ اس میں وہ اصول دین اور محامد الٰہیہ ہیں جو قرآن عظیم میں بار بار دہرائے گئے ہیں۔ متن قرآن ہونے کی وجہ سے اس کا یہ وصفی نام خود خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اس کے سوا کسی اور سورت کا نام اللہ نے مقرر نہیں کیا۔ لوگ خود بھی شناخت کی خاطر چیزوں کا نام رکھ لیا کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ قرآن ہی کے وقت صحابہؓ نے سورتوں کے نام کسی ایسے لفظ کے ساتھ معیّن کر لئے تھے جس پر ان کے نزدیک سورت کے مضمون کا بہت کچھ انحصار تھا۔ یا جس سے کوئی خاص عقدہ حل ہوتا تھا۔ چونکہ یہ نام لکھے ہوئے قرآن کے ساتھ ساتھ چلے آتے ہیں اس لئے یقیناً اُسی وقت کے ہیں

اس سورت کا مشہور نام "الفاتحۃ" ہے، یہ لفظ اس سورت میں نہیں آیا۔ "فاتحہ" کے معنے مضامین کے کھولنے والی اور ابتدائی چیز کے ہیں، چونکہ یہ سورت متن قرآن ہونے کے سبب تمام مضامین کی کلید ہے اور سب سے پہلے نازل ہوئی۔ نیز بحکم خدا بلحاظ ترتیب بھی قرآن عظیم کا آغاز وافتتاح اسی سورہ مبارکہ سے ہوا۔ لہٰذا یہ سورۃ اس نہایت مناسب نام سے موسوم ہوئی

مضمون | دعوتِ قرآن کی طرف آنیوالوں کو اس سورت میں پہلے خدا تعالیٰ سے روشناس کرایا گیا ہے۔ اس تعارف کے بعد خدا تعالےٰ کے ساتھ ان کی باتیں کرائی گئی ہیں اور باتیں بھی وہ جو بندوں کے لائق اور اُن کیلئے نہایت ہی مفید ہیں

اس سورت میں بندوں کا اپنے مالک کے ساتھ تعلق ٹھیک طور پر واضح کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کو کوئی احتیاج نہیں۔ بندوں ہی کو بہرصورت اس کی عبادت کرنے اور اُس سے مدد مانگنے کی اشد ضرورت ہے۔ سب سے بڑھکر مانگنے کی چیز صِرَاطِ مُسْتَقِیْم ہے۔ یہ صراطِ مستقیم کسی خاص "منعم علیہ بندہ" کا راستہ نہیں بلکہ تمام منعم علیہم کا مشترکہ راستہ ہے۔ یہ راستہ اعتدال پر چلاتا اور انعام کے لائق بناتا ہے، افراط کو دین بنا کر تفرقہ ڈالنا غضب میں پڑنا ہے اور تفریط کا پہلو اختیار کر کے توحید واحسان کو بھی چھوڑ دینا عین ضلالت ہے رَبّ العلمین کی صفت کا اظہار کر کے تمام اقوام عالم میں مساوات، اور مل کر مدد مانگنے سے عام خیر خواہی اور ہمدردی کو دلوں میں بھر دیا ہے۔ یہی اصلِ دینداری ہے جس کا اس سورت میں بیان ہے

اللہ کا نام نیک اس بات کا مقتضی ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے۔ اس لئے آگے آتا ہے
اِیَّاکَ نَعْبُدُ (ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں)
دوسرا مقدّس نام رَبّ ہے۔ اس نام کا اقتضاء یہ ہے کہ اس سے مدد مانگی جائے چنانچہ سکھایا
وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم خاص تجھ سے مدد مانگتے ہیں)
تیسرا اسمِ عالی شان "رحمان" ہے۔ اس کے عین مطابق اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (ہم کو سیدھی راہ کی رہنمائی کر) وارد ہوا ہے۔ ہدایتِ قرآن بھی رحمان کا ہی کام ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ
چوتھا پاک نام "رحیم" ہے جو انعامِ الٰہی پر دلالت کرتا ہے۔ اس نام کے مناسب صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (ہم کو ان لوگوں کے رستے کی طرف رہنمائی کر جن پر تو نے انعام کیا) ارشاد فرمایا
اور چونکہ "مغضوب علیہ" اور "ضال" سوائے صاحبِ اختیار اشرار کے اور کوئی نہیں ہو سکتا اور اختیار والے بدکاروں کی سزا صفتِ "مالکِ یومِ الدین" کے ساتھ خاص علاقہ رکھتی ہے اس لئے اِس باعظمت نام کے مقابلہ پر اُن کو لا کر ڈرایا ہے کہ اگر دُنیا کی زندگی میں تم بچے بھی رہے تو حیات بعد الممات میں "مالکِ یومِ الدین" کے قابو سے نہیں نکل سکتے
پھر دیکھئے جب ہم کسی شخص کی تعظیم و تکریم بجا لاتے ہیں تو اس کے پانچ محرک ہوتے ہیں:۔
(۱) عشق۔ بیوی کا اپنے میاں کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے اس قدر و منزلت میں وہ کسی اور کو اس کے ساتھ ملانا نہیں چاہتی یہ خاص قدر و عزت غیر مشترکانہ رنگ میں صرف ایک کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے اسے عاشقانہ (یا مخلصانہ) رنگ کی تعظیم و تکریم کہنا چاہئے
(۲) محبّت۔ اگر کوئی شخص دُوسروں پر احسانات کے علاوہ اپنی ذات میں بھی بہت سے حُسن و کمال اور محامد رکھتا ہو تو ہمارا دل اس کے ساتھ محبّت کرنے کو بھی چاہتا ہے یہ قدر و منزلت محبّانہ صورت رکھتی ہے
(۳) شکر۔ اگر کسی شخص کے ہم پر اتنے احسانات ہوں کہ ہم کسی صورت سے بھی ان کا معاوضہ نہ دے سکیں تو ہم اپنی ناقابلیت اور تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں اور حتی الوسع دل سے اس کا شکریہ بجا لاتے رہتے ہیں۔ یہ قدر و عزت شاکرانہ تعظیم و تکریم کہلاتی ہے
(۴) معاوضہ۔ اگر کسی شخص نے ہم پر کبھی کوئی احسان کیا ہو تو ہم دل سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح ہم بھی کچھ نہ کچھ اس کا معاوضہ دے سکیں۔ یہ قدر و منزلت معاوضانہ رنگ رکھتی ہے
(۵) خوف۔ اگر کوئی شخص حاکم بالا دست ہو یا بڑا اقبال و اختیار رکھتا ہو تو ہم اس کی عزت

کے لئے مختص ہیں۔ مخلوقات کو اُسی خدا کی تحریک و تعلیم یعنے ربوبیت ہی سے کچھ ملتا ہے۔ ذاتی کمال نہ کہیں سے لئے جاتے ہیں اور نہ کسی کو دیئے جا سکتے ہیں۔ مخلوقات کا وجود و کمال صرف فعلی و تحریکی و تعلیمی ہوتا ہے نہ قائم بالاستقلال۔ اِس لئے سکھایا کہ وُہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے یعنی کائنات کو ربوبیت ہی سے کچھ بخشتا ہے۔ "ماسوی اللّٰہ" کو "عَالَم" کہتے ہیں۔ "عَالَمْ" وُہ ہے جو اپنے وجود و کمال و عجز سے اپنے خالق کے وجود و کمال پر شہادت دے۔ عَالَم سے خالق کا علم ملتا ہے۔ عَالِم جاننے والا ہوتا ہے سو عَالِم عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ کے علم میں ہوتا ہے۔ "عَالَمِین" کے معنے جہانوں کے علاوہ مخلوقات کی قبیلی اور انسانی قوموں کے بھی ہیں۔ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی خاص مخلوق یا قوم کے ساتھ کوئی خاص رعایت نہیں وُہ تمام عوالم و اقوام کا یکساں رَبّ ہے

مخلوقات کی پانچ حالتیں ہوتی ہیں:۔

(۱) وُہ حالت جبکہ شئے مخلوق امکانِ محض میں ہوتی ہے۔ اشیاء کا یہ حال وجودِ خارجی پانے سے پہلے ہوتا ہے

(۲) جبکہ اشیاء وجودِ خارجی تو پا لیتی ہیں لیکن ابھی اُن میں صفتِ حیات کا ظہور نہیں ہوتا۔ جیسے آکسیجن۔ ہائیڈروجن وغیرہ۔ ہوا۔ پانی۔ مٹی وغیرہ اور دیگر تمام جمادات

(۳) جبکہ نشوونما یعنے زندگی کا ظہور ہوتا ہے جیسے نباتات

(۴) جبکہ حرکت ارادی پیدا ہوتی ہے جیسے حیوانات

(۵) جبکہ اختیار۔ سوچ بچار اور استدلال پیدا ہو جاتے ہیں جیسے انسان

مخلوقات کی مذکورہ بالا حالتوں کے مطابق اِس سُورت میں خدا تعالیٰ کے پانچ اسمائے حُسنیٰ اسی ترتیب سے لائے گئے ہیں۔ اوّل اَللّٰہُ دوم رَبّ سوم رحمان چہارم رحیم پنجم مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اَللّٰہ کے نام پاک کا تعلق مخلوقات کے پانچوں مذکورہ حالات کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن "ربوبیت" (جو اشیاء کے وجود و قیام و ترقی کے مدارج میں برابر عمل کرتی ہے) کا تعلق مخلوقات کی پچھلی چار حالتوں کے ساتھ ہے۔ "رحمانیت" آخری تین حالتوں کے لئے جبکہ اشیاء میں آگے خود ترقی کرنے کی طاقت آجاتی ہے۔ سامان مہیا کرتی ہے۔ "رحیمیت" کا علاقہ پچھلی دو حالتوں کے ساتھ ہے جبکہ اشیاء کے لئے ان کے اپنے ارادی یا اختیاری افعال پر نتائج مترتب ہونے لگتے ہیں۔ پانچویں (آخری) حالت یعنے جزا کی "مالکیت" کا خاص تعلق صاحبِ اختیار مخلوق کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے اور بس

پھر ان اسمائے خمسہ کے عین مطابق مخلوقات کے پانچ احوال بیان کئے گئے ہیں:۔

خود بینی - وہم پرستی - سرکشی
"الحمد شریف" میں بھی سات شفابخش آئتیں ہیں - ایک ایک آیت میں مذکورہ بالا ایک ایک مرض کا علاج ہے

جب بندہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کہے یعنی اللہ رحمٰن ورحیم کا نام لیکر کام شروع کرے۔ تو کیا نا امیدی اُس کے نزدیک آسکتی ہے ؟

جب وُہ " الحمد للہ رَبّ العٰلمین " کہے - یعنے یہ سمجھے کہ خدا تعالےٰ میں تمام کمالات موجود ہیں۔ وُہ سب کی تربیت و پرورش کرتا ہے اور ہمیں اسی کے خزانوں سے سب کچھ مل سکتا ہے تو کیا حرص نا جائز طلب اور بُری خواہش کیلئے کوئی وجہ باقی رہ سکتی ہے ؟

" الرحمٰن الرحیم " کا مبارک نام یاد کرنے کے بعد بُخل کی تحریک وترغیب کیونکر ممکن ہے ؟ ہاں ان صفات کی محبت سے ایثار وسخاوت کا دل میں قیام ہوجاتا ہے

" مالِکِ یومِ الدّین " کہنا یعنے یہ سمجھنا کہ جزا کے مناسب وقت میں میرا محاسبہ کرنیوالا ایک مالک سر پر کھڑا ہے بسُستی وکاہلی یا بیکاری کو پاس پھٹکنے نہیں دیتا

" ایاکَ نعبدُ وایاکَ نستعین " کا وِرد یعنے اپنے عجز واحتیاج پر نظر کرنا خود بینی کیلئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا اور توکّل واطمینان کے حصُول کا موجب بنجاتا ہے

بندہ کا "اِہدنا الصّراط المستقیم" کی دُعا کرنا یعنی صراطِ مستقیم کا طالب وخواہاں بننا اوہام پرستی و جہالت پسندی کا خاتمہ کردیتا ہے۔ پھر توحق وصدق اس کا اصل مقصد بن جاتے ہیں

جب بندہ "صراطَ الذین انعمت علیہم۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالّین" پر غور کرتا ہے تو اسکا سرکشی اور بغاوت کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں رہتا بلکہ انعام کے شوق سے تمام نیکیوں کی رغبت، غضب کے خوف سے تمام بدیوں سے نفرت اور ضلالت کی برائی سے، جہالت سے بیزاری پیدا ہوجاتی ہے

الغرض جہنم کے مذکورہ (۱۴/۱۵) سات دروازوں سے ان آیات کی برکت سے پُوری پناہ مل جاتی ہے

خدا تعالی ہر وقت مالک ہے، وُہ اس دُنیا میں بھی جزاء وسزا دے سکتا ہے، دُنیا کی زندگی میں اُس مالک الملک نے جسقدر چاہا ہے ہمیں بھی اختیار دیا ہے، اس اختیار کے ہوتے ہُوئے آدمی دوسروں کو سکھ بھی پہنچا سکتا ہے اور دُکھ بھی دے سکتا ہے، خدا تعالےٰ کا انسان کو اس کی دُنیوی زندگی میں تھوڑا بہت اختیار دینا ثابت کرتا ہے کہ اُس نے اس دُنیا کو پُوری پُوری جزاء وسزا کا عالم نہیں بنایا۔ جزا کا عالم صرف وہی ہوسکتا ہے جہاں کسی آدمی کو دوسرے آدمی پر کوئی اختیار نہ دیا جائے اور معاملہ تمام کا تمام خدا

اِس خوف سے کرتے ہیں کہ کہیں اس کی ناراضگی سے ہمیں کوئی تکلیف یا نقصان نہ پہنچ جائے۔ یہ تعظیم خائفانہ رنگ کی ہوتی ہے

خداتعالیٰ ہماری اِن پانچوں قسم کی قدر کے لائق ہے

دیکھئے "اللہ" کی صفت کا تقاضا ہے کہ ہم عاشقانہ و مخلصانہ بلکہ عابدانہ رنگ میں اسکی تعظیم و تکریم بجالائیں

ہرایک بیوی اپنے خاوند سے خاص پیار رکھتی اور اسکی عزت خصوصیت کے ساتھ کرتی ہے۔ بیویاں الگ الگ بیشمار ہیں، اُن کے خاوند بھی الگ الگ اتنے ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا ایک ہی خداوند اور مالک ہے اُس کے سواہم میں سے کسی کا بھی کوئی اور خداوند اور مالک نہیں۔ وُہ تعظیم جو بلا استثناء تمام بندوں کو ایک ہی خداوند کی کرنا چاہئے۔ جس میں کسی کے لئے کوئی اور خداوند عملاً بھی تجویز نہ کیا جا سکے۔ عبادت کہلاتی ہے

"رَبّ" کی صفت چاہتی ہے کہ ہم اس کی محبّانہ قدر کریں۔ "رحمان" ہونے کی وجہ سے اس کی شاکرانہ قدر و عزّت کرنا چاہئے۔ "رحیم" کی صفت خداتعالیٰ کیلئے کم از کم ہماری معاوضانہ قدردانی کو ضروری ٹھیراتی ہے اور "مالکِ یَومِ الدِّین" کی صفت بلاشبہ ہمیں خائفانہ تعظیم و تکریم کی طرف بُلاتی ہے

افسوس ہے کہ ہم خداتعالیٰ کی شان کے لائق اس کی قدر نہیں کرتے

"یوم الدین" یعنے جزا کے وقت کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے لئے اِس دُنیا سے جزا کے عالم کی طرف ایک سفر درپیش ہے۔ ہر سفر کے لئے زادِ راہ۔ سامانِ باربرداری۔ سیدھی اور پختہ سڑک۔ نیک ہمسفر اور ڈاکوؤں اور سبز باغ دکھانے والوں سے امن کا ہونا ضروری ہے

چونکہ سفرِ آخرت کیلئے زادِ راہ یقیناً عبادتِ الہیٰ ہے۔ اِس لئے "یوم الدّین" کے بعد "اِیّاکَ نعبد" لایا گیا ہے۔ مگر ہماری عبادت اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل نہیں، اِس لئے "اِیّاکَ نستعین" میں اس کو چلانے کے لائق مدد مانگی گئی ہے۔ پھر "اِھْدِنا الصِّراط المستقیم" میں سیدھی اور پختہ سڑک کی رہنمائی کی درخواست ہے۔ "صِراطَ الّذِین انعمت علیہم" میں یہ چاہا گیا ہے کہ یہ سڑک اچھے لوگوں کے چلنے والی ہو۔ اور "غیر المغضوب علیہم ولا الضّالین" میں ڈاکوؤں۔ سبز باغ دکھانے والوں اور دھوکہ دینے والوں سے امن مانگا گیا ہے

اِنسان کو بے راہ اور تباہ کرنے والی سات بدیاں ہیں۔ نااُمیدی۔ حرص۔ بخل۔ سُستی

اسی سے مانگنا چاہئے

(۳) جو شخص پہلے ہی کبر و عجب سے پُر ہو کر آئے گا۔ اس میں کسی خیر و خوبی کے حاصل کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ متکبر اور ناقدرداں کا خالی ہاتھ جانا ہی لازم ہے۔ بندے کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کے آگے فقیر و محتاج اور قابل رحم بن کر آئے اور اس کی بارگاہ عالیہ میں عرض کرے کہ مجھ بیکس بےبس کا سوائے تیرے کوئی حامی کار نہیں۔ تو ہی مجھ پر مہربانی فرما۔ نتیجہ یہ کہ بندے کو پہلے اپنی بےبسی اور بیکسی کا اقرار اور عملی اظہار کرنا چاہئے جب تک پوری طلب اور جذب پیدا نہ ہو کسی چیز کا حاصل ہونا مشکل ہے، ہمیں چاہئے کہ خدا تعالےٰ کے آگے مضطر ہو کر اور اس کی ہیبت و وقار کو مان کر اس کے حضور میں لیٹ جائیں اور اس طرح اپنے دل میں امید و طلب پیدا کر کے مدد مانگیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب مومنین قرآن یہ دعا مانگتے ہیں کہ " اے خدا ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خالص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہمیں صراط مستقیم دکھا " تو کیا مومنین قرآن کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ ہم اکیلے ہی خاص خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں اور محض ہم ہی خدا تعالےٰ سے مدد مانگتے ہیں۔ اس لئے تنہا ہم کو ہی صراط مستقیم دکھایا جائے بجز ہمارے کسی کو نہیں۔ اور چونکہ اکیلے ہم ہی خدا تعالےٰ کے عابد اور خالص مستعین ہیں اس لئے اکیلے ہمیں ہی صراط مستقیم پر چلایا جائے یا صراط مستقیم پر قائم رکھا جائے؟ ہرگز نہیں۔ جب کہ خالص عبادت اور استعانت کی بناء پر یہ دعا مانگی گئی ہے تو لازم ہے کہ جو بھی لوگ خالص عابد اور مستعین ہوں وہ اس دعا میں اور اس دعا کے نتیجہ میں بھی شریک ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے اس دعا میں جمع کے صیغے تعلیم فرمائے ہیں

کیا اہل کتاب کی نمازوں کی تعریف نہیں کی گئی؟ پ۴ کیا ہم میں اور دیگر اہل کتاب میں ایک ہی خدا کی خالص عبادت کا حکم نہیں؟ پ۳۰ کیا اُن کے عبادت خانوں کی حفاظت ہم پر مسجدوں کی طرح لازم نہیں؟ پ۱۷ کیا قوم موسیٰ میں ایک حق پسند جماعت موجود نہیں پ۹ کیا خدا تعالیٰ کی دیگر مخلوقات میں حق پرست لوگ نہیں پائے جاتے؟ بالضرور۔ پھر کیا وہ بھی خالص عابد اور خالص مستعین ہونے کے سبب اس دعا کے جمع کے صیغوں میں شامل نہیں؟ یقیناً وہ سب اس دعا میں شامل ہیں

المختصر جب مومنین قرآن یہ دعا مانگتے ہیں تو لازم ہے کہ ان کی اس دعا کے یہ معنے ہوں کہ " اے خدا ہم مومنین قرآن اور ہمارے بھائی اہل تورات و اہل انجیل اور دیگر کتابوں والے اور دوسرے حق پرست لوگ بھی خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خالص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم سب کو صراط مستقیم دکھا کر متحد بنا دے کیونکہ یہ صراط مستقیم تمام منعم علیہم کا مشترکہ راستہ ہے لیکن منعم علیہم سے ہماری مراد کوئی بڑے

تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہو۔ اسی لئے خدا تعالیٰ جزا کے وقت کا بالکلیہ تنہا مالک ہے

اس امر کی تفسیر خدا تعالیٰ نے خود ہی کر دی ہے جس دن آدمی مرجاتا اور سب کچھ پیچھے چھوڑ کر اکیلے خدا کے آگے پیش ہوتا ہے اُسے یَوْمَ التَّلَاق کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسے وقت میں پوچھتا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ (آج کس کی بادشاہت ہے؟) جواب بجز اس کے کچھ نہیں ہوتا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (اللہ کی جو اکیلا ہی غالب ہے)

پھر سورت انفطار میں "یَوْمَ الدِّیْن" کے معنی خود ہی کر دیئے ہیں یعنی يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (جزا کا دن وہ ہوتا ہے جب کہ کوئی نفس کسی نفس کے لئے کوئی بھی اختیار نہیں رکھتا اور اس دن حکم اللہ ہی کا ہوتا ہے) پس "مالک یوم الدین" کا مطلب ہوا "جزا کے دن کا اکیلا مالک"

اِنسان جب سے پیدا ہوئے ہیں مرتے بھی آئے ہیں اور مر کر "یوم الدین" میں پہنچتے بھی رہے ہیں۔ پس "یوم الدین" اِس وقت موجود ہے اور اللہ تعالیٰ اس وقت بھی "مالک یوم الدین" ہے اس لئے کہ حیات بعد الممات اس وقت بھی اپنے لائق عالم میں پائی جاتی ہے اور جزا و سزا اس وقت برابر ہو رہی ہے

پھر "ایاک نعبد وایاک نستعین" میں سکھایا گیا ہے کہ بندہ پہلے عابد بنے۔ پھر اللہ سے مدد مانگے اس تعلیم سے تین فائدے حاصل ہوتے ہیں:۔

(۱) بندہ مصیبت کے وقت فطری طور پر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتا ہے لیکن اگر وہ پہلے غیروں کو پکارا کرتا اور اِدھر اُدھر سرگردان پھرتا تھا تو یہ بڑی شرم کی بات ہوگی کہ بندگی تو اوروں کی کیا کرے اور ان کی سرپرستی کا دم بھرتا رہے لیکن جب مصیبت آپڑے تو مدد کیلئے خدا تعالیٰ کو پکارنے یہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی عورت خاوند والا تعلق تو اوروں کے ساتھ رکھے لیکن جب بھوک ننگی ہو تو خوراک و پوشاک کیلئے خاوند کے آگے ہاتھ پھیلائے

الحاصل بندوں کیلئے مناسب ہے کہ پہلے بندگی کا اقرار کریں پھر خدا تعالیٰ سے اپنی ضروریات مانگیں

(۲) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہاتھ پاؤں۔ آنکھ زبان، ناک کان، دل، دماغ اور دیگر سامان مثلاً سورج، چاند، ہوا، پانی وغیرہ اس لئے مرحمت فرمائے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حسب منشا، ان سے کام لیں اور اس کی مرضی پر چلیں۔ پھر اپنے کام کی درستی اور نتیجہ کی عمدگی خدا تعالیٰ سے مانگیں بندوں کیلئے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ وہ خود تو بندہ بن کر کام نہ کریں اور عطیاتِ الٰہی کو نکما بنا دیں لیکن خدا تعالیٰ سے یہ تقاضا کریں کہ وہ خود ہی ان کے ہاتھ پاؤں ہلانے کے بغیر ان کی خواہشوں کو پورا کردے

غرض پہلے ہمکو بندہ وعابد بن کر عطیاتِ الٰہی سے کام لینا چاہئے پھر صحیح رستہ اور حسب مُراد نتیجہ

معنے کے لحاظ سے "غیر" کا لفظ "صراط" کے لفظ کی طرح منصوب ہونا چاہیئے تھا لیکن یہ صراحتہً مجرور ہے۔ پس یہ بالضرور کسی ایسے مجرور کی صفت ہے جو پہلے مذکور ہے اور وہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ہے۔ جو صراط کا مضاف الیہ ہونے کے سبب مجرور ہے

الحاصل "الذین انعمت علیہم" کے معنے وہ منعم علیہم ہیں جو "مغضوب علیہم" اور "ضالین" نہیں۔ پس وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ الحمد شریف میں خدا تعالےٰ نے نہیں نبی بننے کی دعا سکھائی ہے یقیناً غلطی پر ہیں وہ اپنے خیال کے پیچھے چلتے ہیں۔ لیکن خدا تعالےٰ نے جو تفسیر خود ہی کر دی ہے اُس کی کچھ پروا نہیں کرتے

جو راستہ تمام کے تمام منعم علیہم میں مشترک ہوگا وہ ادنیٰ درجہ کے منعم علیہم میں بھی پایا جائے گا۔ جو لوگ نیکی کی قدر نہیں کرتے بلکہ صرف بڑے آدمیوں کو دیکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ اِس جگہ منعم علیہم سے بالخصوص انبیاء مراد ہیں کیونکہ جن کے رستہ پر ہمکو چلنا چاہیئے وہ صرف نبی ہی ہو سکتے ہیں لیکن نیکی کی قدر کرنے والے ادنےٰ لوگوں سے بھی سبق حاصل کر لیتے ہیں۔ اِسی بات کو سمجھانے کیلئے خدا تعالےٰ نے منعم علیہم کی صفت خود ہی بیان کر دی ہے۔ نیکیاں ہر جگہ نیکیاں ہیں۔ خواص میں ہوں یا عوام میں۔ نیکیاں آدمیوں کے کرنے سے نیکیاں نہیں بنتیں بلکہ آدمی نیکیوں کے کرنے سے نیک بنتے ہیں۔ بدیاں بڑے آدمیوں کے کرنے سے بدیاں ہی رہتی ہیں اور خود اُن کو قابلِ ملامت بنا دیتی ہیں

یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مسلمان ہمیشہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دعا مانگتے رہتے ہیں۔ کیا انہوں نے ابھی تک "صراطِ مستقیم" نہیں دیکھا؟ معترض اگر اس بات پر غور کرتے کہ ہم اس دعا میں دنیا کے تمام خدا پرستوں کو شامل کر کے سب کیلئے مجموعی طور پر "صراطِ مستقیم" کے دکھائے جانے کی اِستدعا کرتے ہیں تاکہ وہ متحد ہو کر "منعم علیہم" بن جائیں تو وہ کبھی ایسا اعتراض نہ کرتے۔ ہم ہمیشہ یہ دعا کرتے رہیں گے تاکہ خدا تعالےٰ کے ماننے والے سب کے سب صراطِ مستقیم کی حقیقت کو سچی طرح سے سمجھ کر ہمارے ساتھ متحد ہوتے چلے جائیں

صراطِ مستقیم اپنے آپ میں بالکل واضح چیز ہے لیکن لوگوں نے اس کے ساتھ ایسے رستے بھی ملالئے ہیں جن کے سبب اُن کی نگاہ خالص "صراطِ مستقیم" پر نہیں پڑتی۔ صراطِ مستقیم کی طرف وہ اتنی توجہ نہیں کرتے۔ جتنی زائد اور فضول باتوں پر صرف کرتے ہیں۔ وہ زوائد اور فضولیات کو اصل ٹھیرا لیتے ہیں اور حقیقی "صراطِ مستقیم" کو عملاً کوئی استقلال نہیں دیتے

وہ لوگ جو "صراطِ مستقیم" کو بالاستقلال کافی بھی سمجھتے ہیں وہ بھی جب کوئی کام کرنے لگتے ہیں

اعلٰی درجہ کے منعم علیہم نہیں بلکہ صرف ایسے لوگ مراد ہیں جو مغضوب علیہم اور ضالّین نہیں۔ مدعا یہ کہ ہم سب بھائی کم از کم غضب اور ضلالت سے تو نکل جائیں اور منعم علیہم کے ادنٰی درجہ میں تو ضرور شامل ہو جائیں

دنیا کے مختلف فرقوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو توحید الٰہی کے قائل ہیں اور خاص اللہ تعالٰی کے عابد ہونے اور خالص اسی کو اپنا فوق الفطرت معین ومعاون سمجھنے اور توحید کو اصل الاصول جاننے کے مدعی ہیں۔ اندریں حالت انکا قومی وملکی تعصبات میں پڑکر اپنے اس اتحاد کی قدر نہ کرنا بلکہ ایک دوسرے کی ترقیات میں رکاوٹ ڈالنا کس قدر قابل افسوس ہے۔ اگر انہیں یہ بات نظر آجائے کہ ان کے اتحاد کیلئے صراطِ مستقیم یہی ہے تو وہ سب آپس میں ایک ہو جائیں بلاشبہ اقرار توحید ہمارے اشتراک عمل کیلئے کافی سے بڑھ کر مؤید ومعاون ہے۔ ۱۲

پس جب تمام لوگ توحید الٰہی کے قائل ہیں تو کیا وجہ ہے کہ یہ دعا "(اے خدا! ہم سب خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خالص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو ہمیں صراط مستقیم دکھا تاکہ ہم متحد ہو کر منعم علیہم بن جائیں)" ان سب کی طرف سے نہ ہو؟

تمام فرقوں کے خدا پرست لوگ اس دنیا ہی میں اعلٰی درجہ کے نیک اور اعلٰی درجہ کے خوشحال کبھی نہیں بنیں گے۔ اس لئے اس دعا میں صرف اتنا ہی چاہا گیا ہے کہ کم از کم ہم لوگ مغضوب علیہم اور ضالّین کی کی افراط وتفریط سے تو نکل جائیں

اس دعا میں اللہ تعالٰی نے "انعمت علیہم" کی تعریف خود ہی کر دی ہے کہ ان منعم علیہم سے ہماری مراد صرف وہ لوگ ہیں جو مغضوب علیہم اور ضالّین نہیں۔ اس سے بوضاحت تمام معلوم ہو جاتا ہے کہ تمام خدا پرستوں کو مغضوبیت اور ضلالت سے تو ضرور الگ ہو جانا چاہیئے اور ان بلاؤں کو سچی تعلیم اور نیک نمونے کے ساتھ لوگوں کے سر سے ٹالنے کی جائز کوشش کرنا چاہیئے۔ اگر مخالفین توحید جبر مذہبی کریں تو ان کے جبر وتشدد کا دفعیہ باہم متحد ہو کر کرنا چاہیئے وگرنہ توحید کے مقابلہ میں شرک کا پہلو لینا "ایاک نعبد وایاک نستعین" کے دعوے کے خلاف جائیگا۔ سب کے قومی وملکی مفاد الگ الگ ہیں۔ ان میں انصاف ومساوات اور صلاحیت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے۔ کسی زبردستی نسبی شرافت یا قومی تقدس کا ان میں کوئی دخل نہیں۔ شخصی خصوصیتیں توحید کے بالکل منافی ہیں پس قومی ملکی تعصبات کے سبب اہل توحید کے اتحاد کو ہرگز صدمہ نہ پہنچنا چاہیئے۔

"غیر المغضوب علیہم ولا الضالّین" کے ترجمہ کرنے میں عام طور پر ایک غلطی کی جاتی ہے لوگوں کے خیال میں اس کے یہ معنے ہیں کہ "اے خدا تو ہمیں مغضوب علیہم اور ضالّین کا رستہ نہ دکھا" اس

مگر چونکہ "صراطِ مستقیم" کی تفصیلی تعریف میں مخلوقات کیساتھ احسان و شفقت کرنا بھی شامل ہے۔ اِس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے صراطِ مستقیم کو بصورتِ ذیل مفصل بیان کر دیا ہے۔ اُس کی تفصیل کے بعد کسی اور کی تشریح کی کوئی ضرورت باقی نہیں۔

لوگ کھانے پینے کے فضول جھگڑوں میں پھنسے ہوئے تھے اللہ تعالےٰ ارشاد کرتا ہے :-

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۔ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۔ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۔ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

یعنی (اے رسُول) تو کہہ دے ۔ آؤ! میں تمہیں پڑھکر سناؤں جو کچھ تم پر تمہارے رَبّ نے (اپنے اس زمان میں) حرام کیا ہے کہ تم اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور اپنی اولاد کو تنگی کی وجہ سے (بھی) قتل نہ کرو۔ ہم تم کو اور اُن کو بھی رزق دیتے ہیں اور ظاہر و باطن بےحیائیوں کے نزدیک نہ جاؤ۔ اور جان کو جسے خدا نے قابلِ قدر بنایا ہے ناحق قتل نہ کرو۔ خدا تمہیں یہ وصیّت کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور مالِ یتیم کے قریب نہ جاؤ مگر اس (نیّت اور طریقہ) سے جو بہت نیک ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور ماپ اور تول کو انصاف سے پُورا کرو۔ ہم کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھکر تکلیف نہیں دیتے اور جب بات کرو تو عدل کرو۔ اگرچہ قریب کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو (اور جب تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عہد کرتے ہو تو یہ نہ سمجھو کہ تم نے یہ عہد محض اپنے جیسے ایک آدمی کے ساتھ کیا ہے اگر اسے توڑ دیں گے تو کچھ پروا نہیں۔ نہیں بلکہ یہ سمجھو کہ ہم نے یہ عہد خدا تعالیٰ کے حضور میں اور اس پر ایمان ظاہر کرکے کیا ہے اس لئے یہ عہد خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے، تم اپنے ہاتھ پر اس آدمی کے ہاتھ کو نہ دیکھو بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ پر نظر کرو۔ جس پر ایمان رکھ کے عہد کیا ہے پس کسی کے ساتھ عہد کرتے وقت حقیقت میں خدا کا ہاتھ تمہارے ہاتھ پر ہوتا ہے حاصل یہ کہ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ اور اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ کے حسب الحکم تم اس عہد کو جو اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ کا عہد سمجھو۔ یہ نہیں کہ ان انسانوں ہی کو خدا بنالو۔ عہد کی اہمیت

توجذبات اور اہواء کے پیچھے چل کر اور قومی و ملکی تعصبات کے زیر اثر ہو کر "صراط مستقیم" کی حقیقت کو اپنے سامنے نہیں رہنے دیتے

چونکہ بے لگام جذبات اور بے موقع محبت و عداوت انسان کو اندھا کر دیتی ہیں اس لئے اس دعا کی ہر وقت ضرورت ہے کہ

"اے خدا! ہمارے تمام کاموں میں "صراط مستقیم" ہی ہمارے مدنظر رہے۔ ہم کبھی اس کی طرف سے اپنی آنکھیں بند نہ کر لیں۔ اور کبھی اس کی خلاف ورزی پر نہ اُتر آئیں"

"اِہدنا الصراط المستقیم" کے یہ بھی معنے ہیں کہ تو ہمیں صراط مستقیم پر چلا" یا اس پر ثابت و قائم رکھ۔ یہ دونوں مفہوم "دکھا" کے لفظ میں آ جاتے ہیں۔ اور یہ یاد رہے کہ اس جگہ "دکھا" کے لفظ سے ظاہری آنکھوں سے دکھانا یا محض سرسری تعلیم مراد نہیں

وہ صراط مستقیم جسکے ہمیشہ پیش نظر رہنے کی ہم اس لئے درخواست کرتے ہیں کہ اسکے ذریعہ سے مغضوب علیہم اور ضالین سے الگ ہو جائیں یہ ہے۔ کہ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (جو شخص اللہ سے مضبوط تعلق پیدا کر لے پس وہ سیدھے رستہ پر چلا یا گیا)

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اقرار کرایا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (بلاشبہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ پس اسکی عبادت کرو۔ یہ "صراط مستقیم" ہے)

خود اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے اُعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (تم میری عبادت کرو یہ صراط مستقیم ہے)

پھر خدائے برحق نے اپنے رسول کو فرمایا۔ اُدْعُ اِلٰی رَبِّکَ اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ (تو اپنے رب کی طرف بُلا۔ بلاشبہ تو مستقیم ہدایت پر ہے)

تمام نیکیوں کا اصل الاصول عبادت الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف، توکل اور اس کی رضا کی طلب ہی سے سب نیکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ عبادت الٰہی انسانوں کی حریت و مساوات کا اصلی باعث ہے اسی کے سبب عام آدمی نبی کے ساتھ مجلس شوریٰ میں رائے دینے کا یکساں حق رکھتا ہے اسی وجہ سے نبی کو اپنی خطا کا اقرار کرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ اُسے اپنے پاس آنے والے عاجزوں کو پہلے سلام کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا آیات میں اجمالی طور پر عبادتِ الٰہی کو صراط مستقیم سے تعبیر کیا ہے

اہل دربار پر عجب کیفیت طاری ہوئی ہوگی

اِس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہمیشہ اِقْرَءْ ہی مقدر نہیں ہوتا۔ یہ مقدر ہمیشہ موقع کی مناسبت کے مطابق سمجھا جاتا ہے

شہر سبا یمن میں واقع ہے۔ یمن عرب کا ایک صوبہ ہے جو حجاز کے جنوب کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ بیان بالا سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ملکہ سبا اور اس کے اہل دربار رحمٰن کے لفظ کو اللہ تعالیٰ کا ہی نام جانتے تھے پس رحمٰن کا مقدس نام ملک عرب میں قرآن پاک کے نزول سے بہت پہلے موجود تھا

یہود و نصاریٰ عرب میں کثرت بستے تھے، وہ پہلے انبیاء کے پیرو کہلاتے تھے۔ انبیائے سابقین بالضرور رحمان کے مقدس نام کے ماننے والے تھے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا:۔ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ؎ حضرت ہارون ؑ نے فرمایا۔ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ ؎ حضرت مریم ؑ نے کہا اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ ؎ اور اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا ؎ ۔ پس عرب کے یہود و نصاریٰ میں بالضرور "رحمان" کا پاک نام مروّج تھا

مجوس بھی عرب میں پائے جاتے تھے، وہ بھی اپنا تعلق حضرت ابراہیم کے ساتھ بتاتے ہیں، اُن کی الہامی کتاب میں آج تک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا مفہوم موجود ہے۔ پس عرب کے مجوس بھی رحمٰن کے ذی شان نام کے قائل تھے

بہت سے مشرک بھی اس مقدس اسم کو جانتے تھے (وقالوا لوشاء الرحمٰن ما عبدناهم ؎)

لیکن مشرکین مکہ الہامی مذاہب سے سخت نفرت رکھنے کے سبب بالعموم اس نام کے منکر تھے بلکہ اس سے چڑتے تھے۔ ان میں بھی خبردار لوگ بالضرور اس کی شہادت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ۔ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا { "وہ رحمٰن ہے پس (ان کے انکار کی کچھ پروا نہ کرو اور) اس کی بابت کسی خبردار سے پوچھ، اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو۔ تو یہ کہتے ہیں کہ رحمان کیا ہوتا ہے۔ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کے لئے تو ہمیں حکم کرتا ہے؟ اور یہ بات انہیں نفرت میں بڑھاتی ہے ؎ " }

سورت رعد میں بھی ان کے انکار کا بیان ہے ؎ یہ لوگ رحمٰن کے ذکر کے منکر تھے ؎ صرف ایک فریق کے انکار کے سبب یہ کہنا کہ یہ مقدس نام عربی نہیں اور عرب اسے نہیں جانتے تھے قطعاً غلط ہے

سب نیک نام خدا تعالےٰ کے لئے ہیں خواہ کسی بولی میں ہوں۔ خدا تمام خوبیاں رکھتا ہے، مگر لفظ پرست لوگ ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں، وہ خوبیوں پر نظر نہیں رکھتے۔ صرف لفظوں پر مرتے ہیں۔ دوسرا فریق ہر چند خدا تعالیٰ کی بڑے اخلاص کے ساتھ اس کی شان کے لائق تعریف کرتا ہو مگر لفظی فرق کے باعث وہ اُسے پسند نہیں کرتے اور اس کی نماز کو نماز نہیں کہتے۔ یہی حال عرب میں بھی تھا۔ خدا تعالےٰ نے اس منافرت کو دُور کرنے کے لئے فرمایا:۔

کو دکھانے کے لئے بندوں کے ساتھ عہد کرنے کو خدا کا عہد فرمایا ہے۔ سوئم) اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ خدا تمہیں یہ وصیت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور یہ میرا صراط مستقیم ہے۔ اس فرمان کا خلاف بھی اصلی حرام ہے پس اس کی پیروی کرو اور متفرق رستوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں خدا کے (اس) رستے سے الگ کردیں گے۔ خدا تمہیں یہ وصیت (اسلئے) کرتا ہے کہ تم بچ جاؤ ۔

گو بوقتِ اضطرار سؤر کا کھالینا بحکم قرآن جائز ہے لیکن مذکورہ بالا صراطِ مستقیم کو "صراط مستقیم" نہ سمجھنا یقیناً حرام ہے۔ یہ دائمی صداقتوں پر مشتمل ہے یہ صداقتیں ہمیشہ سے چلی آتی ہیں۔ تورات ان صداقتوں کے بعد ہی ملی تھی جو رستہ ان صداقتوں کے برخلاف ہے وہ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ کے انتباہ کے مطابق فرقہ بندی کا باعث ہے ہمیں اپنے تمام کاموں میں ہمیشہ الہی صداقتوں کو مدنظر رکھنا چاہئے اور خدا تعالی سے دعا کرنا چاہئے کہ یہ صداقتیں ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہیں خیالات کی اصلاح تمام عملی اصلاحوں کی بنیاد ہے

الحمد شریف کی دعائیں، دعا کے بہت سے آداب سکھائے گئے ہیں جو سرسری نگاہ سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ ان میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں یہ سکھایا ہے کہ انعام کرنیوالا خود اللہ تعالے ہی ہے لیکن مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اور ضَالِّينَ میں اس قسم کی کوئی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف نہیں کی گئی۔ اس سے اقرار کرایا ہے کہ غضب اور ضلالت بندوں کے اپنے اعمال بد کا نتیجہ ہے "ضال" خود گمراہ ہونے والے کو کہتے ہیں۔ "ضال" اپنے نقص کو نہیں دیکھتا۔ اس لئے نرہ کے ساتھ بلا تکلف گمراہی میں بڑھتا چلا جاتا ہے لیکن غضب کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ ہاں ایسے کام ضرور کرتا ہے جس کا نتیجہ غضب ہو۔ اس لئے مغضوب علیہم کی جگہ (ضالین کی طرح) یہ نہیں فرمایا کہ وہ اپنی مرضی سے غضب کے طالب ہیں بلکہ یہ دکھایا ہے کہ ان کے اعمال بد کے سبب اُن پر غضب وارد ہوتا ہے

حواشی

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں جو رحمٰن و رحیم کے صفات آئے ہیں۔ ان میں رحمٰن کیلئے "رب العٰلمین" کی صفت بطور بنیاد کے اور رحیم کیلئے "مالک یوم الدین" کی صفت بحیثیت نتیجہ کے ہے چنانچہ سورت کے اگلے حصہ میں بسم اللہ کے رحمٰن و رحیم کی تفصیل کی گئی ہے۔ بیفائدہ تکرار نہیں

۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا مفہوم نہایت قدیم ہے حضرت سلیمان ؑ نے سبا کی ملکہ بلقیس کیطرف جو خط لکھا تھا اُس کے شروع میں انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر فرمایا تھا وہ ملکہ آفتاب پرست تھی۔ اس کو ان مبارک کلمات سے یہ سکھانا مقصود تھا کہ آفتاب نہ کامل مطلق ہے اور نہ رحمٰن و رحیم ہے۔ جب اس ملکہ نے ان مبارک کلمات کو پڑھکر سنایا ہوگا۔ تو

اگر دعا مانگنے والا اور دیگر سامعین کسی ایک دعا یا تمام دعاؤں کے بعد جو ایک ہی بار مانگی گئی ہوں تَقَبَّلْ دُعَائِیْ یا تَقَبَّلْ مِنَّا کہیں تو بالکل بجا اور درست ہے

تَقَبَّلْ - اِسْتَجِبْ اور اٰمِین کے ایک ہی معنے ہیں۔ سو اگر ہم دعا کے ساتھ "اٰمین" بھی کہدیں۔ تو کوئی حرج نہیں۔ آمین خواہ اونچی آواز سے ہو، یا دبی آواز سے، دونو جائز ہیں۔ خدا دونو کا سننے والا ہے۔ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

حاصل یہ کہ الحمد شریف کی دعا کے بعد بھی "آمین" کہہ دینا کسی نقصان کا موجب نہیں لیکن یاد رہے کہ "آمین" الحمد شریف کی وحی الٰہی سے سکھائی ہوئی دعا میں مطلقاً داخل نہیں

۵ اس سورت میں اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنے بندوں کو دعا مانگنا سکھایا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ بعض لوگ دعا مانگنے پر کئی ایک اعتراض کرتے ہیں۔ جن کے جوابات درج ذیل ہیں:۔

اعتراض اوّل - خدا تعالیٰ کو ہماری ضروریات کا پورا علم ہے، وہ ہماری حاجات کو بخوبی جانتا ہے۔ جاننے والے مالک کو اپنی حاجات اور ضروریات کے بتانے سے کیا حاصل؟

جواب - ایک لڑکے نے اپنے بھائی کو گندی گالیاں دیں۔ ان کا باپ ہمسایہ کے مکان میں کسی مریض کو دیکھنے آیا ہوا تھا۔ اس نے وہ تمام گالیاں اپنے کانوں سے سنیں لیکن لڑکوں کو کچھ علم نہ تھا کہ ان کا باپ پاس کے مکان میں بیٹھا ہے۔ جب باپ گھر آیا تو گالیاں دینے والے نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ یہ جھوٹی شکایت کرتا ہے میں نے اُسے گالی نہیں دی۔ باپ نے ڈانٹ کر کہا۔ کیوں جھوٹ بولتا ہے، میں نے اپنے کانوں سے تیری تمام گو اس سُنی ہے اگر تو اپنے قصور کا اعتراف کریگا اور اپنے بھائی سے معافی مانگے گا تو میں تجھے چھوڑ دوں گا ورنہ سخت سزا دوں گا۔ اس پر وہ لڑکا بہت نادم ہوا اور صفائی کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کیا اور اپنے بھائی سے بڑی منت وسماجت کے ساتھ معافی مانگی

اس مثال میں باپ کا اپنے لڑکے سے قصور کا اقرار کرانا اس بنا پر نہ تھا کہ باپ کو اس کی شرارت کا علم نہ تھا یا باپ یہ چاہتا تھا کہ لڑکا مجھے اپنے قصور سے آگاہ کر دے۔ ورنہ اس بات کے جاننے کے بغیر کہ اس نے کوئی قصور کیا ہے، وہ اُسے کیسے کہہ سکتا ہے کہ جا میں نے تیرا قصور معاف کیا؟ باپ کو پورا علم تھا۔ باوجود اس کے وہ چاہتا تھا کہ لڑکا خود اپنے قصور کا اقرار کرنا اور اپنی حالت پر نظر ڈالنا سیکھے، باپ کو اپنے لڑکے سے اقرار کرانے سے خود علم حاصل کرنا مقصود نہ تھا بلکہ اس سے اُسے محض اپنے بیٹے کی اصلاح منظور تھی

پھر جب اس لڑکے نے اپنے بھائی سے معافی مانگی اور اسے کہا کہ اے بھائی میں نے تیرا اور اپنے باپ کا قصور کیا ہے میں اس لائق نہیں کہ آپ کو اپنا منحوس چہرہ دکھاؤں۔ اے بھائی تو بھی مجھے معاف کر دے۔ اس معافی سے یہ غرض ہرگز نہ تھی کہ وہ بھائی کو اپنی شرارت سے آگاہ کرے بلکہ اس سے بھی اسی لڑکے کی اصلاح مقصود تھی

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۔ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى الخ { ترجمہ) (اے رسول) تو کہدے کہ تم اللہ کو پکارو یا رحمان کو۔ جس کو بھی تم پکارتے ہو تو (اس سے خداتعالے دو نہیں بن جاتا بلکہ) سب نیک نام اسی کیلئے ہیں }

خداتعالی نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ اور رحمٰن کے ناموں کو جمع فرماکے ابتدائے قرآن ہی میں اس شبہ کو دُور کردیا ہے، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

۳۔ یہ زمین بحیثیت مجموعی ایک عالم ہے اس کائنات میں اس قسم کے بیشمار جہان ہیں نظارد۔ زہرہ۔ مریخ۔ مشتری وغیرہ بھی عالمین کے لفظ میں داخل ہیں۔ عالمین کے لفظ سے معلوم ہوتاہے کہ ہماری زمین کے علاوہ اس کائنات میں اور بھی آبادیاں ہیں جن میں دواب (چلنے پھرنے والے جاندار پائے جاتے ہیں) دابہ میں حشرات الارض انسان چارپائے وغیرہ سب شامل ہیں (حقیر) پانی سے پیدا ہوتے ہیں

اللہ تعالی فرماتا ہے۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ { آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور جو آسمان اور زمین ہردو میں خدا نے جاندار پھیلائے ہیں یہ اس کے نشانوں میں سے ہے اور جب وہ چاہے ان کے جمع کرنے (اور ملانے) پر قادر ہے }

اس آیۂ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس زمین کے علاوہ آسمانوں میں بھی جاندار پائے جاتے ہیں پس اس زمین کے علاوہ عالم یعنے جہان بھی بالضرور موجود ہیں الحمد شریف میں "عالمین" کے لفظ کو جمع لانے سے اسی بات کا ثبوت ملتا ہے

مذکورہ بالا آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مختلف جہانوں کے لوگ جب فوت ہوتے ہیں تو خداتعالے انہیں ان کی موت کے بعد جب چاہتا ہے آپس میں ملا دیتاہے اور ہوسکتا ہے کہ خداتعالی جب چاہے زمین اور مریخ وغیرہ کے لوگوں میں سلسلہ آمدورفت قائم کرکے انہیں آپس میں ملادے

۴۔ جب ہم کوئی نیکی کا کام کرتے ہیں تو اس میں ہماری غفلت اور لاپروائی وغیرہ کے سبب بہت سے نقص رہ جاتے ہیں اس لئے ہم کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ :۔ اے خدا! ہمارا یہ کام بالکل ناکارہ ہے تو ہی اسے قبول فرما

جب حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام ہر طرح کے نمازیوں کیلئے کعبہ کی مسجد بنا رہے تھے تو انہوں نے دعا کی تھی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا (اے ہمارے پروردگار تو ہم سے قبول فرما پ)

جب والدۂ مریمؑ نے اپنے پیٹ کے بچہ کو خداتعالی کیلئے نذر کرنے کا وعدہ کیا تو انہوں نے بھی کہا تھا۔ تَقَبَّلْ مِنِّیْ (تو مجھ سے قبول فرما پ)

جب حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ تو ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا۔ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ (اے ہمارے پروردگار میری دُعا کو قبول فرما پ)

اس کے آگے انہوں نے اور بھی دُعا کی تھی

خدا تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے یا بُری ۔ اس لئے اگر وہ اسے بہتر سمجھیگا تو خود بخود کردیگا ورنہ ۔ نہ سہی'' یہ تمام خیال سرتاپا غلط بلکہ گناہ عظیم ہیں ۔ ایسے خدا سے فقیروں کی طرح مانگنا لازم ہے ۔ خدا اپنے فقیروں کو دیتا ضرور ہے مگر ایسی طرح کہ ان کا کوئی حق قائم نہ ہو جائے ۔ اور وہ فقیر کے فقیر ہی بنے رہیں ۔ کوئی فقیر دوسرے فقیر سے نہیں کہہ سکتا کہ چل میں تجھے دلا دوں ۔ دعا ، امید و بیم کے ساتھ کی جاسکتی ہے (ادعوہ خوفًا و طمعًا پ۸)

اعتراض دوم ۔ اگر خدا تعالیٰ کا ارادہ ہماری ضروریات کو پُورا کرنے کا ہوگا ۔ تو وہ انہیں خود ہی پُورا کردیگا ۔ اور اگر اس کا ارادہ یہ ہوگا کہ انہیں پُورا نہ کرے ۔ تو ہمارے دعا مانگنے سے بھی نہ کرے گا ۔ دونوں صورتوں میں ہمارا مانگنا بے سُود ہے

جواب ۔ دُعا کے دو حصے ہوتے ہیں ۔ ایک حصہ بندہ کا خُدا تعالیٰ سے مانگنا ہے ۔ دُوسرا حصہ خدا تعالیٰ کا بندہ کی ضرورتوں کو پُورا کرنا ہے ۔ دونوں حصے اپنی اپنی اہمیت رکھتے ہیں ۔ ان میں سے کسی حصے کے لحاظ سے دُعا کو لاحاصل کہنا یقینًا غلط ہے ۔ پہلے حصہ کے متعلق عرض ہے کہ :۔

نیکی کا کوئی خارجی فائدہ ہو یا نہ ہو' نیکی اپنا اجر خود ہی ہے ۔ فرض کرو میں سب کا بھلا چاہتا ہوں ۔ کسی کا بھلا ہو یا نہ ہو' میری یہ نیت بجائے خود نیکی ہوگی ۔ اور میرے دل میں اطمینان پیدا کریگی ۔ دو قومیں آپس میں لڑتی ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ فساد چھوڑ کر امن سے رہنا سیکھیں ۔ اب اگر وہ پہلے سے بھی زیادہ فساد برپا کرنے لگیں تو مجھے اپنی اس نیت کو ترک نہ کردینا چاہئے ۔ میری تمنا ہے کہ سب لوگ خدا تعالیٰ کی توحید کے قائل اور اسکے مطابق عامل ہو جائیں' اب اگر تمام جہان خدا پرستی کو بے فائدہ قرار دے تو بھی میرے اعتقاد کے صحیح اور میری نیت کے دُرست اور مفید ہونے میں کوئی شُبہ نہیں ہوسکتا ۔ جو چیز اپنے آپ میں نیک ہو ۔ اس سے کوئی خارجی فائدہ ملے یا نہ ملے ۔ اسے لاحاصل کہنا غلط ہے ۔ اسی طرح اگر خدا ہماری ضرورت کو پُورا کرنے کا ارادہ کرے یا نہ کرے ہمیں اس بنا پر دعا مانگنے کو لاحاصل کہنے کا کوئی حق نہیں جبکہ یہ اپنے آپ میں عین عبادت ہے

دیکھئے جب ہم خدا کے آگے اپنی ضروریات پیش کرتے ہیں تو ہم اسے داتا ۔ کریم ۔ قادر ۔ حسب ارادہ خود دے سکنے والا اور فوق الفطرت تصرفات کرنیوالا سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو محتاج ۔ قابلِ تربیت ۔ طالبِ علم ۔ عابد اور مضطر پاتے ۔ ان حقائق کا اقرار کرتے اور خالی ہو کر اس کے آگے جُھک جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تیرا در چھوڑ کر کدھر جائیں ۔ ہمارے لئے کوئی اور پناہ نہیں ۔ کامل مطلق خدا کے ساتھ ایسا رابطہ پیدا کرنا اپنی ذات ہی میں ایک نیکی ہے ۔ خدا تعالےٰ ہماری کسی خارجی ضرورت کو پُورا کرنے کا ارادہ کرے یا نہ کرے ۔ ہماری اس اندرونی اصلاح اور عبادت کو لاحاصل کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے ؟

اب دوسرے حصے کے متعلق عرض ہے کہ :۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ جب اپنے بندوں کو فرماتا ہے کہ تم اپنی عاجزی اور بے بسی کا میرے آگے اقرار کرو۔ مجھے قادرِ برحق مختارِ مطلق اور اپنا آقا مان کر اپنے دکھ درد مجھے بتاؤ۔ مجھ سے دعائیں مانگو اور اپنی خطاؤں کا اقرار کرکے مجھ سے معافی چاہو۔ تو اس سے خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ وہ ہمارے بتانے سے ہماری حالتوں کا علم حاصل کرے بلکہ یہ مقصود ہے کہ ہماری کمزوریوں کا احساس دلا کر ہمیں اصلاح کی طرف مائل کرے۔

پیاس کے بغیر پانی کوئی لطف نہیں دیتا۔ اسی طرح طلب و خواہش کے بغیر کسی چیز کی قدر نہیں کی جاتی۔ جس شخص کو سخت بھوک لگی ہو اسے اگر نانِ جویں بھی مل جائے تو وہ اسے نعمت عظمیٰ سمجھتا ہے۔ سخت پیاسے کے لئے بدبودار اور کھاری پانی بھی عطیۂ کبریٰ ہے۔ دعا کرنے سے طلب میں قوت آتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر خدا تعالیٰ اس عاجز سوالی کو معمولی نعمت بھی دیگا تو اس کے دل میں اس کی قدر پیدا ہو گی۔ وہ شکر گذار بننا سیکھے گا۔ اور ایسی طلب و خواہش سے حاصل کی ہوئی چیز کو ضائع نہ ہونے دیگا۔ بلکہ اس کا ٹھیک استعمال کریگا اور اسے بڑھائیگا۔

آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں بزبانِ حال ہر وقت خدا تعالیٰ سے مانگ رہی ہیں۔ مردہ شہر بارش مانگتا ہے۔ درخت خشک شاخوں کو اٹھائے ہوئے دست بدعا ہیں۔ دکھیا صحت کا طالب ہے مصیبت زدہ مصیبت سے رہائی چاہتا ہے۔ فقیر کی صورت ہی سوال ہے۔ اس سوال کی صورت کے دکھانے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا لیکن دل و زبان سے سوال کرنے یعنی مانگنے پر لے دے کی جاتی ہے۔ افسوس!

سخت مصیبت کے وقت انسان بے اختیار ہو کر زبان سے بھی دہائی دیتا ہے لیکن حیرت ہے کہ اختیار کے ساتھ زبان ہلانے پر اعتراض کرتا ہے۔ جو آدمی خوشی سے نہیں مانگتا۔ خدا تعالیٰ اسے بے اختیار کرکے دکھا دیتا ہے کہ تو ہے ہی مانگنے والا۔ ہم نے تیری طبیعت کے تقاضے کے مطابق ہی دعا مانگنے کا حکم دیا ہے تاکہ تو اپنی اصلی حالت کو سامنے رکھے۔ ورنہ مجھے سب علم ہے۔

خدا تعالیٰ اپنے فوق الفطرت تصرفات میں مختار ہے۔ دعا کرنے سے کوئی ایسا حق پیدا نہیں ہو جاتا جیسے مزدور کا اپنی مزدوری طلب کرنے کا حق۔ دعا مانگنا فقیر کے سوال کی مانند ہے۔ مزدور کہہ سکتا ہے کہ مجھے میری مزدوری ملیگی لیکن فقیر نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنے حسب منشاء ضرور لیکر جاؤنگا۔ ممکن ہے کہ داتا اس کے مانگنے کے مطابق دے کم یا زیادہ عطا کرے، دوسرے وقت پر ٹال دے یا اسے ایسے رستے کا اشارہ کر دے جس پر چلنے سے اسے کچھ مل سکے۔

جب بات یہ ہے تو جو شخص اس حقیقت کا اقرار کرتا ہے۔ کہ عاجز اور بے بس انسان کو خدا تعالیٰ اپنی مرضی سے اپنے فوق الفطرۃ تصرف سے مدد دے سکتا ہے لیکن خدا سے وہ صراطِ مستقیم کا خواہاں نہیں تو یا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسکے محتاج اور فقیر بننے سے خدا تعالیٰ پر فرض ہو جاتا ہے۔ کہ وہ خود ہی اسکی فوق الفطرۃ مدد کر دے یا یہ کہ خدا تعالیٰ فوق الفطرۃ مدد دینے یا روک لینے پر اختیار نہیں رکھتا۔ یا اپنے عدمِ علم کی بنا پر کہے کہ چونکہ مجھے یہ علم نہیں کہ صراطِ مستقیم کی رہنمائی

میں لوگوں کا خیال الگ الگ ہو سکتا ہے لیکن خدا تعالےٰ کا حکم غلطی سے پاک ہوگا

اگر کوئی شخص ظلم کر کے اپنے ظلم میں کامیاب ہونا چاہتا ہے تو خدا تعالےٰ اُسے خوب جانتا ہے اگر کوئی آدمی خلافِ حق یا گناہ کی دُعا کرتا ہے تو وہ بھی خدا تعالےٰ سے پوشیدہ نہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالےٰ کو اپنی ہوئی کے پیچھے چلانا چاہتا ہے تو خدا کبھی کسی کے داؤ میں آنے والا نہیں۔ ہاں اگر دو مخالف فریق مجبور ہوں۔ تو خدا تعالیٰ ان دونوں کو مختلف صورتوں میں فوائد پہنچا سکتا ہے۔ دُعا میں جو کچھ مانگا جاتا ہے اس سے مقصود حقیقی فائدہ اور اصلی بھلا ہوتا ہے' یہ کچھ ضروری نہیں کہ وہ اسی صورت میں پُورا ہو یا دُوسرے رنگ میں۔ اللہ تعالیٰ اگر ایک فائدہ کسی سے روک لیتا ہے۔ تو اُسے اُس سے بڑھ کر دوسرا فائدہ دے سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ مذکورہ بالا دونو بادشاہوں یا فریقوں میں عزت کے ساتھ صُلح کرا سکتا ہے اور اُنہیں ایک دُوسرے کے خیرخواہ اور مددگار بھی بنا سکتا ہے' پھر خدا تعالیٰ ایسا بھی کر سکتا ہے کہ ایک طرف بارش ہو اور دوسری طرف نہ ہو۔ خدا تعالےٰ بارش کر کے بھی پُرانے مکانوں کو محفوظ رکھ سکتا ہے

حیات بعد الممات میں بھی دُعا کے جو فوائد حاصل ہونیوالے ہیں۔ وہ سب سے اعلےٰ ہوں گے۔ فالحمد للہ

اعتراض کے مطابق صرف دعا کرنا ہی بے ثمر نہیں ٹھیرتا بلکہ تمام نیکیوں اور کوششوں کا کرنا بالکل فضول ہو جاتا ہے ایک شخص کا بیٹا بیمار ہے۔ معترض کی طرح وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خدا کا ارادہ ہے کہ میرے بیٹے کو شفا بخشے تو خدا کا ارادہ ضرور پورا ہوگا میرے علاج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ شفا نہ دے تو میرے علاج کرنے سے خدا تعالیٰ کا ارادہ ٹل نہ سکیگا۔ دونو صورتوں میں علاج معالجہ بالکل فضول ہے

اسی طرح کسان کہہ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کا ارادہ غلّہ پیدا کرنے کا ہے تو وہ ضرور ہی اسے پیدا کردیگا اور اگر ارادہ یہ ہے کہ غلّہ پیدا نہ ہو تو میرے بیج بونے پانی دینے اور حفاظت کرنے سے بھی غلّہ پیدا نہ ہو سکیگا۔ اس لئے دونو میں کسی قسم کی محنت اور غور و پرداخت سراپا لاحاصل ہے۔ یہ اعتراض تمام نیکیوں۔ کوششوں اور محنتوں کے خلاف ہے اسے صحیح ماننے سے دنیا کا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا

جب اِس اعتراض کے باوجود علاج کرنا اور بیج بونا ضروری ہی رہتا ہے تو اعتراض کی بنا پر دعا مانگنا کیوں لاحاصل بن جاتا ہے

یاد رہے کہ خدا کا ارادہ تین طرح کا ہوتا ہے (۱) میں اس کام کو ضرور کروں گا۔ یا (۲) میں اسے بالضرور نہیں کرونگا یا (۳) یہ کہ خدا اس کام کے کرنے اور نہ کرنے کو اپنے لئے ضروری نہ ٹھیرائے بلکہ کھلا رکھے۔ دعا کرنا اسی کھلے ارادے سے فائدہ اُٹھانے کی التجا کرنا ہے

اعتراض سوم۔ علاج کرنا شفا پانے کی اور بیج بونا غلہ کے پیدا ہونے کی علت ہے اِن میں علت و معلول کا تعلق صاف نظر آتا ہے لیکن کسی چیز کے لئے دعا کرنا اُس چیز کے حاصل ہونے کی کوئی علت معلوم نہیں ہوتی۔ پھر دعا سے وہ چیز کیسے مل سکتی ہے ؟

جواب۔ مزدور کی محنت اپنی اُجرت کی بلا شبہ علت ہے۔ مگر فقیر کا مانگنا پیسے حاصل کرنے کی اس طرح پر کوئی علت نہیں۔ لیکن پھر بھی فقیر کو روپے پیسے مل جاتے ہیں۔ دعا مانگنا اور فقیر کا سوال کرنا یکساں ہے۔ داتا اِن اسباب کو مہیا کر دیتا ہے

اعتراض چہارم۔ دو بادشاہ آپس میں جنگ کرتے ہیں۔ جانبین اپنی فتح اور مخالف کی شکست کی دعائیں مانگتے ہیں۔ عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوتا ہے فریقین اپنی اپنی کامیابی کیلئے خدا کے حضور التجا کرتے ہیں۔ زمیندار بارش چاہتے ہیں۔ ٹوٹے پھوٹے مکانوں والے غریب لوگ دعا کرتے ہیں کہ بارش نہ ہو۔ ایسی تمام متضاد باتوں میں خدا کس کی دعا قبول فرمائے گا اور کس کی رد کریگا ؟

جواب۔ مدعی و مدعا علیہ کی درخواستوں میں تو تضاد ہو سکتا ہے لیکن جج کے حکم میں تضاد نہیں ہو سکتا۔ بادشاہوں کی خواہشیں ایک دوسرے کے مخالف ہو سکتی ہیں لیکن احکم الحاکمین کے فیصلہ میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بارش کی طلب

میں آکر قاتلوں کا پتہ بتا دیا۔ موسیٰؑ نے قاتلوں کو سخت سزا دیکر آئندہ کیلئے لوگوں کی جانوں کو محفوظ کر دیا۔ مگر اُن کے دل پھر سخت ہو گئے اور انبیاء اور مبلغین حق کو برابر قتل کرتے رہے۔ حق کے سننے کی رغبت اُن میں بہت کم تھی لیکن عنایات الٰہی انہیں موقعہ اور سہارا دے رہی تھیں

"بقرہ" کے اس واقعہ کی بنا پر یہ نام بوجوہ ذیل موزوں ہے:۔

(۱) اس سورت میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ دین ہونے کی صلاحیت صرف اسلام میں ہے۔ قدیم لوگوں کا یہی دین تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اسی دین پر چلتے تھے لیکن تورات میں یہودیت کا عنصر بھی شامل تھا۔ یہود اعتراض کرتے تھے کہ انجیل کی طرح قرآن نے بھی تورات کے خدائی احکام (مثل سبت و دیگر محرمات) کا خلاف کیا ہے اور انہیں منسوخ ٹھیرایا ہے۔ اس کا معقول جواب یہی تھا کہ "اے اہل کتاب بہت سے احکام تمہاری سخت دلی کے سبب تم پر ڈالے گئے تھے ورنہ ابتدا میں ایسا نہ تھا۔ اسی طرح تمہارے ظلم فسق اور بغی کے باعث کئی حلال چیزیں تم پر حرام کی گئیں اور تمہاری ناقابلیت کی وجہ سے بہت سے عمدہ معلومات تم سے روک لئے گئے۔ اور تمہاری حق نہ پذیری کے سبب بہت سی فضول باتیں بے اصلاح رہنے دی گئیں علاوہ ازیں بہت سی معقول باتوں کو تم نے اپنی ناقدردانی کے سبب متروک ٹھیرا کر بھلا بھی دیا تھا۔ یہ سب باتیں خدا نے تمہاری جہالت پسندی اور شرانگیزی کی سزا میں تم پر ڈالی تھیں۔ یہ خدا تعالےٰ کے اصلی احکام نہ تھے۔ اس طرح کے سزائی احکام سے یہ نتیجہ نکالنا کہ تورات اصل اسلام کے خلاف ہے قطعاً غلط ہے"

اس سورت میں اس مدعا کو ثابت کرنے کیلئے یہود کی جہالتوں اور شرارتوں کو پیش کیا ہے۔ اور چونکہ "واقعۂ بقرہ" اُن کی جہالت و شرارت کا سب سے بڑھکر ثبوت ہے اور انکی وہم پرستی اور شرانگیزی کو معاً ثابت کرتا ہے۔ اس لئے اس حقیقت کو مدنظر رکھنے کی خاطر اس سورت کو بقرہ کے نام سے موسوم کرنا بالکل مناسب ہے

(۲) یہود کہتے تھے کہ "ہم خدا تعالےٰ کے بیٹے، حبیب اور اس کی خاص قوم ہیں۔ ہم نبیوں کی اولاد ہیں۔ دوسرے لوگوں کے سوا آخرت کا گھر ہمارے لئے مختص ہے۔ یہودی ہونا ہی باعث نجات ہے" اس سورت میں ان کی شرارتیں دکھا کر ثابت کیا ہے کہ یہود ہوتے ہوئے اگر بقرہ پرستی اور خونریزی ایماندار رہنے دیتی ہے تو ایسا مذہب بہت بُرا حکم دینے والا ہے۔ اسلام تو سچے ایمان اور نیک اعمال کے بغیر محض ناموں کی کچھ پروا نہیں کرتا

(۳) بڑے بڑے نبیوں کا صحابی ہونا بدکاروں کے کچھ کام نہیں آتا۔ جو لوگ موسیٰؑ کے سامنے خدا کا حکم سن کر اسے تبدیل کرنا چاہتے اور اس "سانڈھ" کو چھپاتے اور خون کرکے بیگناہ لوگوں پر الزام عائد

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ

نام | اِس سورت کے آٹھویں رکوع میں ایک سانڈ کا ذکر ہونے کے سبب اسکا نام بقرہؔ پڑ گیا ہے۔ بقر گاؤ کو کہتے ہیں۔ نر ہو یا مادہ

جب خدا تعالےٰ نے بنی اسرائیل کو بحر سے پار کر کے فرعون کے جور و ستم سے نجات دلائی اور فرعون کو سمیت بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا تو بنی اسرائیل ایک بُت پرست قوم پر وارد ہوئے اور اُن کے بتوں کو دیکھ کر کہنے لگے۔ اَے موسیٰ! ہمارے لئے بھی اِن جیسا ایک معبود بنا دے۔ غرض دشمن کی گرفت سے امن پا کر بھی اُنہوں نے خدا تعالیٰ کو دِل میں جگہ نہ دی اور شرک کی محبت میں بدستور ڈوبے رہے

جب حضرت موسیٰ طور پر گئے تو اُن کی غیر حاضری میں بنی اسرائیل باغی ہو کر سامری کے ساتھ مل گئے اور ایک گوسالہ (بچھڑا) بنا کر پوجنے لگے۔ حضرت ہارون نے اُنہیں روکا تو اُن کے قتل کے درپے ہوگئے آخر حضرت موسیٰ نے واپس آکر شرک کے اِس نشان کو اُن سے دُور کیا۔ لیکن گوسالہ پرستی کی محبت اُن میں راسخ ہو چکی تھی پ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے درپردہ ایک تندرست، بیداغ، بے عیب اور جوان سانڈھ چھوڑ رکھا تھا۔ نہ وُہ اُسے جوتتے۔ نہ اُس سے کھیتی کو پانی دیتے اور نہ ہی اُس سے کوئی اور کام لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو قوم کی اِس حرکت سے خبردار کر دیا۔ آپ نے اُنہیں کہا کہ خدا تمہیں ایک سانڈ کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اُنہوں نے اِس حکم کے بجا لانے میں لیت و لعل کی اور اُس سانڈھ کا ٹھیک ٹھیک نشان پوچھا۔ حضرت موسےٰ اُنہیں اس بیل کا تھوڑا تھوڑا پتہ دیتے گئے۔ آخر جب اُنہیں پورا پتہ مل گیا تو اُنہیں مجبوراً اُسے ذبح کرنا پڑا۔ لیکن وُہ دِل سے ایسا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ شرارت تو اُن کے دل میں پہلے ہی تھی اِس پر غالباً انہوں نے یہ گمان کیا کہ موسیٰ کے بھائی یا کسی اور خیر خواہ نے ان کو ہماری اِس حرکت کا پتہ بتایا ہے۔ اِس شرارت اور ظن کی بنا پر اُنہوں نے ایک مُعزز نفسِ انسانی کو ایسا مارا پیٹا کہ اُس بیچارے کے دل کی حرکت اور تنفس بند ہو گیا

حضرت موسیٰ کو فوراً اِطلاع ہو گئی۔ قاتل اس وقت بھی معاملہ کو رفع دفع کرنے اور موسیٰ یا اُن کے بہی خواہوں کے سر تھوپنے اور اُن کے کسی کینہ و رنجش کا نتیجہ قرار دینے لگے

اگرچہ وُہ نیک مرد جانبر نہ ہو سکا لیکن خدا تعالیٰ کی بتائی ہُوئی تجویز سے اُس نے آنکھیں کھول کر اور ہوش

دوم۔ الحمد شریف میں اس بات کا شائبہ تک بھی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ اُسکے مضمون کو کسی قسم کے تحکم کے ساتھ منوا رہا ہے۔ الحمد شریف میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں لایا گیا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ یہ خدا کا حکم یا اس کی وحی ہے یا قرآن یُوں فرماتا ہے یا رسُول یُوں کہتا ہے۔ اِس لئے اسے لوگو تم اِسے مانو۔ نہیں بلکہ الحمد شریف میں انسان کی اپنی فطرت ہی کو کھول کر اُس کے آگے رکھدیا ہے اور دکھایا ہے کہ خود انسان ہی اپنی فطرت کے لحاظ سے ایسا کہہ رہا ہے۔ وُہ کسی دباؤ سے ایسا نہیں مان رہا۔ بلکہ یہ اعتراف اسکی فطرت میں مرکوز ہے کہ اللہ ربّ العٰلمین، رحمٰن و رحیم ہے۔ وُہی روزِ جزا کا مختارِ مطلق ہے۔ ہم اُس کے عابد اور بندے ہیں اور سب اُس سے مدد مانگتے ہیں۔ صراطِ مستقیم نہایت ضروری چیز ہے۔ انعام کا مستحق بننا اچھا ہے، غضب، ضلالت میں پڑنا بہت بُرا ہے۔ پہلے انسان فطرت کے لحاظ سے قرآن کو ماننے والا ہوتا ہے۔ پھر نیکی کی برکت سے ظاہراً بھی اُس کا ماننے والا بن جاتا ہے۔ پہلے بطور بیج کے اُسکے اندر قرآن کی جڑھ لگتی ہے۔ پھر اُس میں وُہ درخت کی صُورت میں ظاہر ہو جاتا ہے

الحمد شریف میں فطری طور پر حق کی محبت کی تحریک کی گئی ہے۔ اِس سُورت میں دکھایا ہے کہ یہ قرآن حق پسند کے لئے ضرور ہادی بن جائے گا

سوم۔ الحمد شریف کے اخیر میں تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہے (ا) منعم علیہم (ب) مغضوب علیہم۔ (ج) ضالّین

اِس سُورت کے شروع میں بھی تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہے۔ منعم علیہم کی جگہ متقین لائے گئے ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ مغضوب علیہم کی جگہ کافر لائے گئے ہیں جن کے دِل سخت ہیں ضالّین کی جگہ منافقوں کا بیان ہے۔ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا ہے

چہارم۔ الحمد شریف میں اوّلاً عبادت الٰہی کا بیان ہے۔ سُورہ بقرہ میں بھی تینوں قسم کے لوگوں کو خطاب فرمایا ہے کہ ”اپنے رب کی عبادت کرو۔ تاکہ تم بچ جاؤ اور متقی بن جاؤ“

پنجم۔ الحمد شریف میں ہر کام میں صراطِ مستقیم کو مدِ نظر رکھنا سکھایا ہے۔ سورہ بقرہ میں اسلام کا بیان ہے۔ اور دکھایا ہے کہ کیونکر انسان اپنے کاموں میں صراطِ مستقیم پر عملاً چل سکتا ہے

مضمُون

سورۃ بقرہ میں اسلام کا اصل دین ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ یہ دین قدیم سے چلا آیا ہے۔ ایک مضمون بہت سے طریقوں پر لکھا جا سکتا ہے۔ اِس موضوع (اسلام) کا بھی یہی حال ہے۔ خدا تعالےٰ نے اِس مضمون کو

کرتے تھے ایسے لوگوں کی روایت وشہادت صحابی کہلانے کے سبب قابلِ اعتبار نہیں۔ اُن کے ٹُوٹے فہم سند نہیں ہو سکتے۔ وہ کلام الٰہی کو جان بُوجھ کر بدل رہے تھے ایسے لوگ محض صحابی ہونے کے سبب عادل نہیں کہلا سکتے

(۴) بنی اسرائیل میں پے در پے رُسُل وانبیاء آئے اور کتابیں لائے۔ اُنہوں نے نُصرتِ الٰہی کے بہت سے نشان بھی دیکھے لیکن بے ایمانی اور سخت دلی کے ساتھ آیات ونُذُر کوئی کام نہ دے سکے۔ بار بار متواتر اعانت کے دُنیا کی دیگر اقوام کے مقابلہ میں جو کچھ اُن کا حال ہے۔ وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس قوم کے حالات سے ایک اہم اور بینظیر سبق حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اصل چیز خدا تعالیٰ پر سچا ایمان رکھنا اُس کے منشاء کو (جو عین حق ہے) ماننا اور اس کے مطابق صلاحیت والے اعمال بجالانا ہے

وہم پرستی اور سخت دلی اصل گناہ ہیں۔ پس خدا تعالےٰ کے خوف یعنی تقویٰ ہی کو بزرگی کا اصلی باعث سمجھنا لازم ہے۔ ہم کو تقویٰ ضرور اختیار کرنا چاہئے لیکن ہمارے اِتّقا کی اصلیت کو صرف خدا تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۲۶/۱۳۔ کسی شخص کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ " چونکہ میں بڑا صاحب اتقا ہوں اس لئے بڑا بزرگ ہوں"۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض واذ انتم اجنة فی بطون امھاتکم فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی (خدا ہی خوب جاننے والا ہے جب تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں جنین تھے۔ سو تم اپنے آپ کو پاک نہ ٹھیراؤ۔ خدا اسے خوب جاننے والا ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا ہے ۲۷/۲)

خدا کے خوف کی تلقین کرنے والے خادم شرع وتقویٰ ضرور ہیں۔ اُن کی بزرگی کا انحصار خود حقیقی تقوے پر ہے وہ خود منحصر علیہ نہیں۔ جھوٹے بہانے بنا کر ان کو خدا کے ساتھ دوسرے منحصر علیہ ٹھیرانا ظلم عظیم ہے

(۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ اپنے رسُول سے ایسے سوال کرو جیسے قبل ازیں موسیٰؑ سے کیئے گئے؟ اور جس نے ایمان کی جگہ کفر کو بدل ڈالا وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ۱/۱۳

اِس آئت سے پہلے مذکور ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے صحابہ نے انؑ سے بقرہ کے متعلق ایسے سوالات کیئے تھے جن کا مقصد محض ایمان کی جگہ کُفر کو قائم رکھنا تھا۔ خدا نے رسُول کریم کے صحابہ کو ایسی حرکت سے تاکیداً روک دیا۔ نیک صحابہ نے اس سبق کی یاد میں اس سُورت کا نام بقرہ رکھا

نظم وربط

اوّل۔ الحمد شریف متنِ قرآن ہے۔ باقی قرآن اس کی تشریح ہے۔ متن کا تشریح کیساتھ تعلق واضح

کہ ہم خود ہی ایسے بوجھ اپنے سر پر لے لیں جن کی ہم میں طاقت نہ ہو)
(۴) وَاعْفُ عَنَّا (اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما)
(۵) وَاغْفِرْ لَنَا (اور ہماری کمزوریوں کو ڈھانپ لیجیو)
(۶) وَارْحَمْنَا۔ (اور اس کے علاوہ بھی ہم پر رحمتیں فرما اور ہمیں ترقیات دے)
(۷) اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (چونکہ تو ہی ہمارا والی ہے اس لئے جب ناقدردان لوگ ان اصلاحوں کی مخالفت کرکے ہمارے ساتھ جنگ کریں۔ تو تو ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رکوع ۱

(۱) الٓمّٓ ۚ (۲) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ (۳) الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ (۴) وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ (۵) اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۶) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۷) خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

ترجمہ (۱) الٓمّٓ (۲) یہ (عالیشان) کتاب (جو ہے) اس میں کوئی قلق ڈالنے والی بات نہیں (ہر دو قسم کے متقین (کے فوائد) کیلئے یہ کامل) ہدایت ہے۔ (۳) (ایک وہ جو (اپنی فطرت اور ضمیر کی) اندرونی ہدایت پر ایمان رکھتے اور (اپنی) نماز کو قائم کرتے اور اُس سے جو ہم نے ان کو روزی دی ہے خرچ کرتے ہیں (۴) اور (دوسرے، وہ جو اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں جو تیری طرف نازل کی گئی۔ اور (ان پر بھی) جو تجھ سے پہلے نازل ہوئیں۔ اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں (۵) یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور

قرآن مجید میں مختلف طریقوں پر بیان فرمایا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس مضمون کو بطریق ذیل ادا کیا ہے:۔
پہلے بیان فرمایا ہے کہ انسان تین طرح کے ہیں۔ مومن۔ کافر۔ منافق۔ اس کے بعد تینوں کو مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ اکیلے خدا کے عابد بننے سے تمہارا بچاؤ ہے۔ پھر اس توحید پر خدا تعالے کے کاموں سے دلیل پیش کی گئی ہے اور فرمایا ہے۔ کہ اگر تمہیں اس تعلیم پر کوئی شک ہے تو تم اس کی مثل لے آؤ۔ پھر خدا کے اس انعام کا ذکر کیا ہے کہ اس نے انسان کو علم دیا اور اشرف المخلوقات بنا کر ابتداءً اصلی فطری حالت میں (جو جنتی حالت ہے) رکھا تھا۔ لیکن انسان نے خطا کرکے اس جنتی حالت کو کھویا اس وقت تعلیمی الہام کی ضرورت ہوئی۔ اسی قاعدے کے مطابق یہ تعلیمی الہام یعنی قرآن تمہارے پاس آیا ہے۔ سو اے بنی اسرائیل! تم اس پر جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتا اور تم سب کو متحد بناتا ہے ایمان لاؤ۔ نیک بنو اور اعمال صالحہ بجا لاؤ۔ خدا نے تم پر نہایت عاجزی کی حالت میں بہت سے انعام کئے تھے۔ اس دن سے ڈرو۔ جس میں کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئیگا۔ اور نہ ہی کوئی شفاعت قبول ہوگی۔ اس کے آگے بنی اسرائیل کی شرارتوں کا ذکر کرکے سمجھایا ہے کہ یہودی و نصرانی وغیرہ ہونا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیا گوسالہ پرستی کرتے ہوئے بھی کوئی شخص کسی فرقے کے ساتھ صرف رسمی واسمی تعلق رکھنے کے سبب اصل ایمان دار ہو سکتا ہے؟ نجات اُس کی ہے جو اصل مومن اور محسن ہو۔ ایسا شخص سچا مسلم ہے۔ اسکے بعد پھر دوہرایا ہے کہ "اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئیگا اور نہ ہی کوئی شفاعت و کفارہ قبول کیا جائیگا"

اس تمہید کے بعد بتایا ہے کہ یہی اسلام ابراہیمؑ، اسمعیلؑ، اسحقؑ وغیرہم کا دین تھا۔ ازاں بعد عبادات اور معاملات میں ایسی اصلاحیں کی گئی ہیں جو صراط مستقیم پر چلنے والے یعنی مسلم کے لئے بالکل مناسب ہیں

اخیر میں الحمد شریف کی سات آیتوں کے مطابق سات دعاؤں پر اس سورت کو مکمل کردیا ہے۔ یہ دعائیں عین اسلام سکھاتی ہیں:۔

(۱) ربنا لاتواخذنا ان نسینا او اخطانا (اے ہمارے پروردگار اگر ہم خطا کریں یا بھول جائیں تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا)

(۲) ربنا ولا تحمل علینا اصرًا کما حملتہ علی الذین من قبلنا (اے خدا ہم پر ایسے سزائی بوجھ نہ ڈال جیسے تو نے پہلے لوگوں پر اُن کی شرارتوں کے سبب ڈالے تھے)

(۳) ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ (اے ہمارے پروردگار ہمیں ایسی مشکلات میں نہ پھنسا

المختصر سورتوں کے شروع میں جو لفظ لائے جاتے ہیں۔ آگے ان میں انہیں الفاظ کی تشریح ہوتی ہے اس عام قاعدہ کے مطابق حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتوں میں بھی یہی سمجھنا لازم ہے

یہ قرآن عالیشان کتاب ہے۔ چونکہ تلاوت کے علاوہ اسے لکھ کر بھی پہنچانا اور قائم رکھنا مقصود تھا۔ اِس لئے خداتعالے نے اِس کا نام "کتاب" رکھا۔ پس یہ قرآن رسول کریمؐ کے عہدِ سعادت مہد ہی میں لکھا جاتا تھا۔ یہ قرآن بالفاظہٖ (حفظ وکتابت کے ہر دو طریق سے معاً) بطریق تواتر چلا آیا ہے۔ اِس قرآن سے اصلی مقصود ہدایت ہے اور ہدایت ایسی باتوں سے ہوتی ہے جو فہم میں آسکیں۔ جن سے دِل میں کوئی قلق پیدا نہ ہو۔ اور فطرتِ انسانی ان کے ماننے سے انکار نہ کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ متقی لوگوں کے لئے یہ قرآن خود ہی ہادی بن جاتا ہے اور اُن کے متحد ہو جانے کا باعث ہوتا ہے۔

متقی دو قسم کے ہیں۔ ایک وُہ جو اپنی فطرت اور فہم سے متقی بنتے ہیں۔ دوسرے وُہ جو کتابوں کو مان کر تقوےٰ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ جل جلالہٗ نے اِن دونو قسموں کا بیان آگے کیا ہے۔

سچا دین عین فطرتِ انسانی ہے۔ اِس میں کوئی تغیر وتبدّل ممکن نہیں۔ خداتعالیٰ نے ہر نفس کے اندر اسکے تقوےٰ اور اس کے فجور کا الہام کیا ہوا ہے

اندریں صورت سچے دین کا فطرتِ انسانی سے الگ ہونا محال ہے ہاں فطری ہدایت چونکہ انسان کے اندر ہوتی ہے اس لئے غیب کہلاتی ہے۔ پس "الذین یومنون بالغیب" کے یہ معنے ہیں کہ جو اپنی فطرت اور ضمیر کی اندرونی ہدایت پر ایمان رکھتے ہوں۔ اس ہدایت کے لئے انہیں کہیں سفر کرکے جانا نہیں پڑتا۔ خداتعالےٰ اور نتائج اعمال کا علم سب کے اندر موجود ہے۔ اس پر ایمان لانا اور اس سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے' یہ تیل آگ چھونے کے بغیر ہی روشنی دینے کو تیار ہے' خدا کے ایمان کے ساتھ اسؑ کی یاد بھی ضروری ہے۔ پس وُہ متقی اپنی نماز کو قائم کرتے ہیں اور چونکہ خداتعالیٰ کا منشار مخلوق کو ترقی دینا ہے اس لئے یہ متقین خلقت کے ساتھ احسان کرتے اور خدا کی دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ پہلی قسم کے متقیوں کا بیان ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں خدا اور اُس کے منشا پر چلنے کی (جو عین حق ہے) محبت پیدا ہو جائے گی۔ وُہ خود ہی ترقیات اور اتحاد حاصل کرنے کے لئے قرآن مجید کی پناہ میں آجائینگے قرآن مجید کی طرف بلانے کا یہی مقدم طریق ہے

دوسرے الّذین سے دوسری قسم کے متقیوں کا بیان شروع ہوتا ہے۔ یہ متقین وُہ ہیں جو الہامی کتابوں کے ماننے والے ہیں۔ کسی بھی الہامی کتاب کو اگر اپنی اصلاح کے سچے ارادہ کے ساتھ مانا جائے تو ضرور ہے کہ وُہ کتاب انسان کو متقی بنادے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ الہامی کتابوں کو اپنا الگ فرقہ بنانے

یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (۶) بلا شبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا (تو جب تک وہ کفر سے نہیں ٹلتے) اُن پر تیرا ڈرانا یا نہ ڈرانا یکساں ہے وہ نہیں مانتے۔ (تو ایسے لوگوں پر) (۷) اللہ نے (اُنکے کفر پر اڑے رہنے کی حالت میں) اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر مہر لگادی ہے۔ اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور (اُن کے اِس اصرار کی وجہ سے) اُن کے لئے بڑا عذاب ہے

تشریحات - اللہ جل جلالہٗ نے الحمد شریف میں فطرت انسانی کے اقتضاء کی ترجمانی کی ہے۔ گویا انسان خود ہی اِن باتوں کا اقرار کرتا ہے یہ کہہ کر نہیں منوایا کہ یہ میرا حکم ہے اِس لئے اِسے مانو۔ مطلب یہ کہ قرآن پاک کے نزدیک ہدایت و حقیقت کو ماننا ہی مقصود اصلی ہے۔ محض لفظ پرستی کی کوئی وقعت نہیں اگر الفاظ قرآن سے ان الفاظ کی حقیقت اور مفہوم کو الگ کر لیا جائے تو وہ الٓمٓ یا دیگر حروف مقطعات کی طرح مجہول المعنی بن جائیں گے جن کا مطلب بغیر خدا تعالیٰ کی تفہیم و تفصیل کے ہرگز معلوم نہیں ہوسکیگا ایسی تفاصیل کے بغیر یہ حروف قطعاً کوئی فائدہ نہ دے سکیں گے۔

اگر کوئی رسول نزول وحی کی حالت میں اپنے دل کے کانوں سے کوئی عجمی لفظ سُنے۔ جسے وہ اور اسکی قوم کے لوگ نہ جانتے ہوں۔ تو اس لفظ کی تشریح و تفصیل کا خدا تعالیٰ کی طرف سے آنا لازم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

"اگر ہم اِس قرآن کو عجمی بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتوں کی تفصیل کیوں نہیں کی گئی ۲۴ پ"

یعنی قرآن مجید میں کوئی ایسا مجہول المعنی لفظ نہ آنا چاہیئے اور اگر آجائے تو ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس کی تشریح کی جائے

چونکہ اِس مقام پر "الٓمٓ" کو یہ بات سمجھانے کیلئے کہ الفاظ بغیر مفہوم کے بیفائدہ ہوتے ہیں بطور مثال کے پیش کیا ہے۔ اِس لئے لازم ہے کہ اس سورت میں جو کچھ آگے آئیگا وہ اُسی کی تفصیل ہو۔ تفصیل کے آجانے کے بعد یہ حروف جو مذکورہ بالا فایدے کیلئے مثالاً پیش کئے گئے ہیں بیفائدہ نہیں رہتے

جن سورتوں کے پہلے الٓمٓ کے حروف آئے ہیں۔ اُن میں اسلام پر الگ الگ انداز میں بحث کیگئی ہے۔ پس "الٓمٓ" کے حروف میں جو مشترک بات پائی جاتی ہے وہ "اسلام" ہی ہے

قرآن مجید میں جن سورتوں کے پہلے حمد کا لفظ آیا ہے اُن میں خدا تعالیٰ کے محامد و کمالات کو جُدا جُدا طریق پر بیان کیا ہے۔ جن کے پہلے تسبیح کے الفاظ یعنی سَبَّحَ، یُسَبِّحُ، سَبِّحِ اور سُبحان لائے گئے ہیں اُن میں خدا تعالیٰ کا جملہ نقائص، بُرائیوں اور بُرے ظنوں سے پاک ہونا دکھایا ہے۔ اور جن کے پہلے تبارک کا لفظ آیا ہے۔ اُن میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوقات کو خیر کثیر اور برکات ملنے کا ذکر ہے

موت صحیح ہے۔ اسی طرح آخرت بھی صحیح ہے، خدا تعالیٰ نے فرعون کو آخرت اور دُنیا کے عذاب میں پکڑا تھا پ۳۰
اِسی آخرت کے متعلق نیک لوگ دُعائیں کرتے آئے ہیں رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ پ۲
یہی وُہ آخرت ہے جس پر الہامی کتابوں کے ماننے والوں کو یقین رکھنا لازم ہے۔ یہ آخرت متقین کے پیش نظر تھی اور خود ان پر وارد ہونیوالی تھی۔ اِس لئے ضرور تھا کہ وُہ اسے بخوبی سمجھ کر اس پر یقین کریں، یہ وُہ ملت یا صحیفہ نہ تھا۔ جو نہ ان کے پیش نظر تھا۔ نہ ان کے پاس آنے والا تھا اور نہ وُہ کبھی ان کے ساتھ کسی صورت سے بھی کوئی تعلق پیدا کرنے والا تھا

مخفی نہ رہے کہ اگر انسان کو کسی علم کے حاصل کرنے کا شوق نہ ہو۔ اور اس فن کے علوم متعارفہ پر اس کا ایمان اور عمل نہ ہو۔ تو ایسے شخص کو اس علم کے متعلق کچھ بھی نہیں سکھایا جا سکتا۔ اِسی طرح دینداری میں ترقی حاصل کرنے کیلئے دینداری کا شوق رکھنا اور دینداری کے علوم متعارفہ پر ایمان لانا اور ان پر عامل ہونا لازم ہے، اتنے اتقا کے بغیر دینداری میں ترقی کرنا محال ہے

قرآن مجید دینداری میں ترقی دینے والا ہے، پس اس سے ہدایت حاصل کرنے کیلئے لازم ہے کہ پہلے اتقاء کے ابتدائی مدارج انسان کو حاصل ہوں۔ انسان اِن ابتدائی مدارج کو خواہ اپنی فطرت سے حاصل کرے یا کسی کتاب کے تعلق سے اس کی فطرت کی ان کی طرف رہنمائی ہو جائے۔ بہر صُورت قرآن مجید سے ہدایت پانے کے لئے انسان کا ایک حد تک متقی ہونا لازم ہے

دیکھئے قرآن مجید ظالموں کو گھاٹے میں بڑھاتا ہے پ۱۵۔ اب جو شخص قرآن پاک سے فائدہ حاصل کرنا چاہے۔ اس کے لئے لازم ہے کہ وُہ پہلے ظالمانہ حرکات کو چھوڑ دے اور ظالمانہ حرکات کو کوئی شخص اُسی صُورت میں چھوڑ سکتا ہے جب اس کو معلوم ہو کہ یہ ظالمانہ حرکات ہیں۔ پس ظالمانہ حرکات کا علم انسان کے اندر قرآن مجید کے ماننے سے پہلے موجود ہوتا ہے

اِسی طرح قرآن مجید فاسقوں کو (یعنی انہیں جو خدا تعالیٰ کے فطری عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس کے ملانے کا خدائی امر ہے اسے قطع کر ڈالتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلا کر گھاٹے والے بنتے ہیں) گمراہ کرتا ہے۔ پ۱

پس اگر یہ لوگ قرآن مجید سے ہدایت پانا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ پہلے اپنے فسق و فجور کو چھوڑ دیں۔ اور اگر خود ان کی فطرت میں ان باتوں کا علم نہیں تو وُہ قرآن مجید کے ماننے سے پہلے مذکورہ بالا فسق و فجور کو چھوڑ کیسے سکتے ہیں؟

جب انسان فطری طور پر فجور کو جانتا ہے تو لازم ہے کہ اس کے نقیض یعنی تقویٰ کو بھی جانے۔ اللہ

کے لئے قبول کرتے ہیں۔ اگر انہیں فی الحقیقت اصلاح مقصود ہوتی تو ضرور تھا کہ وہ ہر شخص کی صلاحیت کی قدر کرتے۔ نیک لوگ بات کو سن لیتے ہیں اور احسن کی پیروی کرتے ہیں۔ لیکن مذہبی لوگوں کا یہ حال ہے کہ دوسروں کی احسن بات کی پیروی کرنے کی بجائے اس میں عیب نکالتے۔ قائل کے مفہوم کو بگاڑتے اور تحریف کرتے ہیں

پھر مذہبی تعصب کے دلدادہ اپنے قومی رسم ورواج اور دیگر فضول ونامعقول خیالات کو جنہیں انہوں نے مقدس اور داخلِ مذہب سمجھ رکھا ہے اپنی الہامی کتاب سے مستنبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یوں انہیں خدائی احکام قرار دے لیتے ہیں۔ اس طرح الہامی کتابیں اپنے ماننے والوں کیلئے بجائے مفید ہونے کے مضر بنجاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال اس گدھے کی ہوتی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔ یہ لوگ ان کتابوں کی حقیقت کو نہیں سمجھتے صرف رسمی اعمال کے بوجھ کے نیچے دبے ہوتے ہیں

حاصل یہ کہ الہامی کتابیں اپنے ماننے والوں کے لئے صرف اسی صورت میں مفید ہوسکتی ہیں جب وہ اپنی آخرت کے سدھارنے میں لگے ہوں اور حیات بعد الممات پر یقین رکھتے ہوں۔ آخرت کے اصلی یقین کے بغیر کوئی الہامی کتاب فائدہ نہیں دے سکتی

یہی وجہ ہے کہ خداتعالیٰ نے الہامی کتابوں کے ایمان کے ساتھ وبالآخرۃ ھم یوقنون فرمایا ہے یعنی وہ لوگ آخرت کے ایمان کا صرف زبانی ہی دعویٰ نہیں کرتے بلکہ اس پر دلی یقین رکھتے ہیں

برعکس اسکے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ الآخرۃ سے مراد الصحیفۃ الآخرۃ یا الملۃ الاخرۃ ہے۔ ان کے نزدیک عہد رسول کریم میں بھی متقی لوگ ایک آخری صحیفہ یا آخری ملت پر یقین رکھتے تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی چیز پر یقین، اس چیز کو بخوبی سمجھ لینے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ پس اگر آخرت سے مراد ایک آخری صحیفہ یا آخری ملت ہے تو کیا وہ صحیفہ وملت تیرہ چودہ سوسال کے بعد آنیوالا ہوسکتا ہے؟ کیا اسی صحیفہ یا ملت کو رسول کریم کے زمانہ کے لوگ بخوبی سمجھ کر اس پر یقین رکھتے تھے؟ ہرگز نہیں

اگر کہا جائے کہ اس زمانہ کے لوگ ایک آخری صحیفہ یا آخری ملت پر نہیں بلکہ اس صحیفہ یا ملت کے آنے پر یقین رکھتے تھے تو اس سے آیت میں ایک اور لفظ مجیٔ یعنے "آنے کا" بڑھانا پڑیگا

قرآن مجید کی سورت صٓ میں الملۃ الآخرۃ کا لفظ آیا ہے۔ مشرک کہتے تھے کہ ہم نے اس توحید کو جو قرآن سکھاتا ہے "مِلۃ آخرۃ" میں نہیں سنا ۷:۳۸ اب کیا یہ تیرہ چودہ سوسال بعد والی ملۃ آخرۃ یا صحیفہ آخرۃ وہی ہے جس میں کفار نے توحید الٰہی کو نہیں سنا تھا؟

جس آخرت کا قرآن مجید میں ذکر ہے یہ وہ آخرت ہے جو انسان کی موت کے ساتھ ساتھ چلی آئی ہے جس طرح

اوکسبت فی ایمانھا خیرا ﷺ قرآن مجید اس ایمان کیطرف نہیں بلاتا جسے وُہ بیہُود قرار دیتا ہے وُہ تو اصلی اور مفید ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ بے ثمر ایمان کوئی ایمان نہیں

بنی اسرائیل توریت کا الہامی کتاب ہونا مانتے ہیں۔ توریت کا فرمان ہے:۔ " نہ لوگوں کو قتل کرو اور نہ ہی انہیں اُن کے گھروں سے نکالو"۔ نیز ارشاد ہے کہ " اگر تمہارے بھائی دوسرے لوگوں کے زیر حراست ہوں اور تمہارے پاس لائے جائیں۔ تو انہیں فدیہ دیکر چھُڑا لو"۔ رسُول کریم کے وقت میں یہوُد اپنے لوگوں کو پہلے ظلم کے ساتھ اُنکے گھروں سے نکال دیتے تھے لیکن جب وُہ آوارہ و بے خانماں ہوکر دوسروں کی قید میں پھنس جاتے اور اسیری کی حالت میں اُنکے پاس لائے جاتے تو وُہ فدیہ دیکر انہیں چھُڑا لیتے۔ یہ عجیب ایمانداری ہے کہ پہلے کسی بھائی کا گھر بار چھین لیا جائے اور یُوں اُسکو آوارہ و مفلس بناکر تباہی اور قید میں ڈال دیا جائے۔ پھر جب وُہ اسیر ہوکر آئے تو اسی کے مال سے کچھ دیکر رہا کرا دیا جائے

ایسی حرکات کے مرتکب درحقیقت تورات کے مومن نہ تھے، وُہ جو کچھ کرتے تھے اپنے جذبات اور کبر کے ماتحت کرتے تھے۔ نزولِ قرآن کے وقت خدا تعالیٰ اُن کے ایسے ہی اعمال کے متعلق فرماتا ہے:۔ " پھر کیا تم تورات کے ایک حصّہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصّے کے کافر ہو؟" ﷺ اِس جگہ خدا تعالیٰ اُن کے ایسے ایمان کو جسکے ساتھ اُس کے مطابق، کچھ نہ کچھ کسب خیر نہ ہو، صحیح قرار نہیں دیتا۔ پس تورات کے ایمان کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ اس کے مطابق کچھ بھی کسبِ خیر نہ کیا جائے اور صرف زبان سے کہہ دیا جائے کہ " وُہ کبھی اُتری تھی "

مدینہ میں طاغوت موجُود تھے۔ منافق ان کی طرف فیصلے لے جاتے تھے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کا حکم تھا کہ ان کے کافر بنو (وقد امروا ان یکفروا بہ ﷺ) ان موجود طواغیت کے کفر کرنے کے ہرگز یہ معنے نہ تھے کہ انکی موجودگی کا انکار کردو۔ بلکہ صاف مطلب یہ تھا کہ انہیں مفسد و مُضر سمجھ کر اُن سے اجتناب کرو۔ دیکھئے جب حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے اصحاب نے ہجرت کی تو اپنی قوم سے کہا "کفرنا بکم"۔ اس سے ہرگز یہ مُراد نہ تھی کہ ہم تمہارے یہاں موجود ہونے کو نہیں مانتے بلکہ یہ کہ ہم تمہیں مُضر پاکر تم سے الگ ہوتے ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے ایمان سے محض اس کے وجود کا اقرار مقصود نہیں بلکہ اُس کے ایمان میں اُس کی توحید کا یقین، اُس کی فرمانبرداری کی رغبت اور اس کی مخالفت کا خوف بھی داخل ہیں۔ نیز اُسے بالاستقلال مفید اور ضروری سمجھ کر اس سے مستفید ہونے کیلئے آمادہ ہونا بھی لازم ہے

اصلی مؤمن کیلئے محض اٰمنّا کہہ دینا کافی نہیں۔ مومن کی آزمائش ہوگی۔ اُس پر مصائب آئیں گے، پھر اگر اُس وقت اُس کے ایمان نے کام دیا۔ تو وُہ مومن ہے، ورنہ نہیں (عنکبوت)

تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر نفس میں اس کے فجور اور اس کے تقویٰ کا الہام کیا ہوا ہے پس انسان فطری طور پر خود ہی ایک حد تک تقویٰ اختیار کر کے متقی بن سکتا ہے اور جب آدمی اس حد تک اتقاء اختیار کر لیتے ہیں — تو قرآن مجید ان کو ترقیات دینے اور سلسلہ اتحاد میں منسلک کرنے کیلئے خود ہی ان کا ہادی بن جاتا ہے۔ اس کی مزید تائید کیلئے آیات ذیل پر بھی غور فرمائیں۔

۱۔ سوائے اس کے نہیں کہ تُو تو اسے ڈراتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمٰن سے غائبانہ ڈرے

۲۔ سوائے اس کے نہیں کہ تُو تو اسے ڈرانے والا ہے جو آخرت کا خوف رکھے

۳۔ تو نہیں سُناتا مگر ان کو جو ہماری آیات کو مانتے ہیں۔ اس لئے کہ وُہ مسلم ہیں

۴۔ سوائے اس کے نہیں کہ تُو ان لوگوں کو ڈراتا ہے جو اپنے پروردگار سے غائبانہ ڈرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں وغیر ذلک من الآیات"

الغرض، قرآن حکیم سے استفادہ کرنے کیلئے انسان کو ابتداءً کچھ نہ کچھ اتقا کی ضرورت ہے، اور چونکہ قرآن کریم علم الٰہی کے مطابق نازل ہوا ہے اِس لئے انسان خواہ کتنا ہی اعلےٰ درجہ کا متقی بن جائے۔ پھر بھی اسکو اپنے تقویٰ کے قیام و ثبات اور مزید ترقیات کے حصول کیلئے قرآن پاک کے تلمذ کی احتیاج ہے بالیقین قرآن حکیم متقین کے لئے تا ابد ہادی ہے

ایسی "لاریب فیہ" اور مکمل کتاب کی ایک بھی آیت منسوخ نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ قرآن مجید تیرہ سو سال کے غیر معمولی زمانہ تک تمام دُنیا کیلئے مکمل اور ہمیشہ ہدایت نامہ بنا رہا ہے مگر اب اس میں متقین کیلئے بذات خود ہادی بننے کی صلاحیت نہیں رہی۔ ان کی سمجھ پر افسوس ہے

دوسری آیت (دربارۂ متقین) قرآن مجید اور دیگر کتب سماوی پر ایمان لانے کا ذکر کرتی ہے۔ اگر اس ایمان سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ فلاں کتاب خدا کی طرف سے آئی تھی لیکن اس کے مطابق عمل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ تو کتابوں کے اِس ایمان میں قرآن مجید کے داخل ہونے سے قرآن کا ایمان بھی اسی رنگ کا بے ثمر ایمان بن جائیگا۔ اور یوں کوئی بھی کتاب کسی فائدہ رسان ایمان کے قابل نہیں رہیگی

اگر ایمان سے مقصود مفید ایمان ہے تو اس ایمان کے ساتھ اسکے لائق کچھ نہ کچھ کسب خیر بھی لازم ہے جس ایمان سے اصلاح کی طرف کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو۔ وُہ اصلی ایمان نہیں

جب نزع کے وقت انسان دُوسرے عالم کے بعض نشانات کا معائنہ کر لیتا ہے تو اُس وقت اس کا ایمان لانا اُسے نفع نہیں دیتا۔ بشرطیکہ وُہ اس سے پیشتر ایمان نہ لا چکا ہو۔ اور اگر پہلے ایمان لا چکا ہو تو بھی بوقت نزع اسکا وُہ ایمان کچھ نفع نہ دے گا مگر اُس حالت میں جبکہ اُس نے اس ایمان میں کچھ کسب خیر کیا ہو

جائے گا

اہل علم اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ کہ مذکورہ بالا آیات میں دو قسم کے متقین کا بیان ہے
چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:۔

"ناچار برائے داخل کردن اہل کتاب کہ مشرف بہ اسلام شوند۔ در زمرۂ متقیاں۔ بر ایمان بالغیب صفتِ دیگر را عطف فرمودند۔ تا اشعار شود بآں کہ متقیاں دو قسم اند۔ قسم اوّل کسانے کہ ایمان بغیب مے آرند۔ و بہ مقتضائے آں ایمان۔ اعمال و اخلاق خود را درست میکنند۔ وقسم دوم کسانے کہ از سابق ایں امورِ غیبیہ را معلوم دارند۔ و برائے تاکید و تقویت آں معلومات خود التجا بایں کتاب مے آرند۔ مثل عبداللہ بن سلام و امثالِ ایشاں وہمیں جماعہ اند مراد ازیں آیۃ کہ "والذین یؤمنون بما انزل الیک" یعنی ونیز از متقیاں اند کسانے کہ ایمان مے آرند بآنچہ نازل کردہ شدہ است بسوئے تو"

شاہ صاحب کو مجبوراً ماننا پڑا کہ متقی دو قسم ہیں۔ لیکن ان کی تشریح صحیح نہیں۔ اُن کے نزدیک متقین کی دو قسمیں یہ ہیں۔ (۱) اُمیّین (۲) اہل کتاب

چونکہ امیّوں کے پاس پہلے وحی نہیں آئی تھی۔ اس لئے اُن کیلئے وحی پہلے "غائب" تھی۔ اب قرآن مجید کے تشریف لانے سے وحی ان پر بھی ظاہر ہوگئی۔ اہل کتاب کیلئے وحی پہلے ہی ظاہر تھی۔ اب قرآن مجید کے آنے سے اور زیادہ ظاہر ہوگئی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص وحی کے ظاہر ہونے کے بعد ہی اس پر ایمان لا سکتا ہے۔ جب بات یہ ہے۔ تو کیا صرف اتنے فرق سے کہ ایک شخص پر وحی کا کم ظہور ہو۔ اور دوسرے پر زیادہ۔ پہلے کو غیب پر ایمان لانے والا۔ اور دوسرے کو الٰہی کتابوں پر ایمان لانے والا کہہ سکتے ہیں؟ کیا خدا تعالیٰ نے بھی الٰہی کتابوں پر ایمان رکھنے والوں کو ظاہر پر۔ ایمان لانے والا کہا ہے؟ اگر غیب یہاں اس معنی میں ہے تو اس کے مقابلہ میں الٰہی کتابوں پر ایمان لانے کی بجائے "ظاہر" پر ایمان لانے کا ذکر آنا چاہیئے تھا

قرآن کریم پر پہلے ایمان لانے والا دوسری کتابوں پر بھی ایمان لانے والا ہے۔ ایسا شخص بالیقین دوسری قسم میں داخل ہے۔ اسے پہلی قسم میں داخل کر دینا دونوں قسموں میں گڑبڑ مچا دینا ہے

متقی ایک قسم نہیں۔ دو قسم ہیں۔ بدو وجہ:۔

اوّل۔ پہلی آیت میں متقین کے الگ الگ تین کام دکھائے ہیں۔ اور دوسری آیت میں ان کے دو کام بیان کئے ہیں۔ اگر ان پانچوں جملوں میں سے ہر ایک پر الگ الگ الذین آتا۔

مرض الموت میں بقائے ہوش وحواس کے ساتھ ایمان لانا صحیح ہے مگر وہ بھی ایسا ایمان کہ اگر آزمائش کے موقعے آجائیں تو قائم رہ سکنے والا ہو

ایک شخص متوکل علی اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور اگر جبر سے نہیں تو دھوکہ سے امانتیں کھا جاتا ہے اور ذرا ذرا سے دُنیوی فوائد کیلئے جھوٹ بولتا ہے۔ تو وہ متوکل علی اللہ نہیں کہلا سکتا

ایسا ہی اگر ایک شخص کہے کہ میں خدا تعالیٰ کو سچ مچ سزا وجزا دینے والا مانتا ہوں۔ لیکن وہ دل میں بُرے منصوبے گانٹھتا۔ تنہائی میں عورتوں کو چھیڑتا' یتیموں کا مال باطل طریق پر کھا جاتا۔ اور خیر کے ہر موقعہ سے جی چُراتا ہو۔ محتاجوں کی معمولی باتوں میں بھی مدد نہ کرے لیکن ریاکاری کے ہر موقعہ میں پیش پیش ہو۔ کسی کا معمولی قصور بھی معاف نہ کرے بلکہ بیگناہوں کے پھنسانے کی فکر میں لگا رہے یا اسی قسم کے دیگر افعال شنیعہ کا ارتکاب کرے۔ تو کیا ایسے شخص کے دل میں جزا سزا کے ایمان کا کوئی شائبہ بھی ہو سکتا ہے ؟

الحاصل' جو بدیاں انسان کی بے ایمانی کو ظاہر کرتی ہیں مومن بننے کیلئے اُن سے بچنا لازم ہے اور جس ایمان سے موقعہ ملنے پر بھی کوئی خیر پیدا نہ ہو۔ وہ درست ایمان نہیں

ایمان جتنا کامل ہوگا۔ اُسی قدر عمل کی طاقت بڑھے گی۔ بنا بریں جن آیات میں ایمان اور کفر کے بڑھنے گھٹنے کا ذکر ہے وُہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے یقیناً صحیح ہیں

خدا ایک ہے۔ یہ حقیقت کبھی نہ بدلے گی۔ ہاں قلب انسانی کا اس حقیقت کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ضرور کم وبیش ہوتا اور بدلتا رہتا ہے۔ اور اگر وہ کم وبیش نہیں ہوتا۔ تو اس کے زائل ہوجانے سے اس کی منفی حالت میں کُفر کیسے پیدا ہوجاتا ہے؟ کیونکہ بے بدل چیز نہ کبھی زائل ہوتی ہے اور نہ نئے سرے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ غلطی "بے بدل حقیقت" کو اس کے ایمان کے ساتھ خلط ملط کرنے سے پیدا ہوتی ہے

آیت زیر بحث میں الٰہی کتابوں پر ایمان لانے سے یہ مقصود ہے کہ انسان اُن کے مطابق کچھ نہ کچھ کسب خیر ضرور کرے۔ کیونکہ سب کتابوں کے بنیادی اصول ایک ہی ہیں

قرآن کریم کا منشاء ہے کہ دنیا میں اصل نیکیاں پھیلیں۔ لہٰذا دنیا میں جس قدر نیکیاں بڑھیں گی' اس سے قرآن ہی کا منشاء پورا ہوگا۔ اور اگر وہ فی الواقع دنیا کا سچا خیرخواہ ہے۔ تو جب نیک لوگ دیکھیں گے کہ انہیں اکٹھے کام کرنے کیلئے ایک نظام میں پروئے جانے کی ضرورت ہے۔ تو وہ کسی متحد کرنیوالی کتاب کی طرف خود ہی مائل ہوں گے۔ اور یُوں قرآن مجید ایسے متقین کیلئے بھی خود ہی ہادی ہے

بالکل مُردہ ہوگئی ہے۔ نہیں بلکہ صرف دب گئی ہے۔ اور اس لئے اس کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ الہی کتابیں اس کو جگانے کے لئے آتی ہیں۔ اسی لئے رسولوں کو مُذَکِّر (بھولے ہوئے کو یاد کرانے والا) کہتے ہیں ف۳ لوگ اصلی ہدایت کو ان کے یاد کرانے کے سبب پہچان لیتے ہیں ۔

دو قسم کے متقین کے بیان کے بعد فرمایا۔ کہ یہ دونو اپنے پروردگار کی طرف سے اصلی ہدایت کی لائن پر چڑھ آئے ہیں "عَلٰی ھُدًی" کے لفظ سے اسی بات کا سمجھانا مقصود ہے۔ فطری ہدایت اور الہامی کتابیں دونو خدا تعالےٰ کی طرف سے ہیں۔ اس لئے اس کے ساتھ مِنْ رَّبِّہِمْ بھی فرما دیا۔ اور چونکہ یہ لوگ ہدایت کی راہ پر گامزن ہو چکے ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ یہ آگے ترقیات حاصل کرتے اور اعلےٰ پھل پاتے جائیں۔ اسی بات کے سکھانے کیلئے ارشاد فرمایا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

ایمانداروں کے ذکر کے بعد کفار کا بیان ہے۔ اس کے سمجھنے کیلئے پہلے قرآن حکیم کے طرز بیان پر غور کر لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

ولن ترضی عنك الیھود ولا النصارٰی حتی تتبع ملتھم (یہود و نصاریٰ تجھ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ جب تک تو ان کے طریق کی پیروی نہ کرے) یہ ایک خبر ہے۔ اگر یہود و نصاریٰ سے یہودیت و نصرانیت کے وصف کو الگ کر کے محض ان کے اعیان مُراد لئے جائیں۔ تو یہ خبر صراحۃً غلط بن جاتی ہے اس لئے کہ لاکھوں یہود و نصاریٰ مسلم بن کر رسول خدا سے راضی ہو گئے۔ باوجودیکہ رسول مقبولؐ نے ان کے طریق کی پیروی نہیں کی۔ پس ضرور ہے کہ یہود و نصاریٰ سے مُراد ان کی وُہ حالت ہو جب کہ وُہ یہودیت و نصرانیت کی تفرقہ انداز مذہبی حالت پر اڑے ہوئے ہیں۔ آیت کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنی اس یہودیت و نصرانیت کی تفرقہ انداز حالت پر قائم رہتے ہوئے کبھی تجھ سے راضی نہیں ہوں گے۔ ہاں جب وُہ اس حالت کو چھوڑ دیں گے تو مسلم ہونے کی حالت میں تجھ سے راضی ہو جائیں گے

اسی طرح رسول کریمؐ نے بحکم الہی کفار سے کہا "تم اس کو نہیں پُوجو گے جس کو میں پُوجتا ہوں" یعنی تم کافر ہو کر جب تک کفر پر اڑے رہو گے تو اس حالت میں خدا تعالیٰ کے پجاری نہیں بن سکتے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص بیک وقت ایک بات کا انکار بھی کرے اور اُسے مانے بھی۔ ضدی کے لئے ضد پر اڑے رہنے کی حالت میں ماننا محال ہے۔ ضدی تو اپنی ضد کی زیادہ مشق سے زیادہ سخت ہوتا جائے گا۔ و یضل اللہ الظلمین

بلاشبہ ظالم ظالم رہ کر ہدایت نہیں پاتا بلکہ ظلم و گمراہی میں بڑھتا جاتا ہے۔ ہاں جب ظالم ظلم چھوڑ دے، اور اس سے بیزار ہو کر عدل اختیار کر لے، تو پھر عدالت پر قائم رہ کر اس میں اور ترقی کرتا جائیگا۔

یا تمام جملوں پر شروع میں ایک ہی الذین آتا۔ تو ان تمام امور میں متقین کے ایکدوسرے سے ممتاز ہونے کی کوئی وجہ نہ رہتی۔ لیکن ان آیات میں پہلے تین کاموں پر ایک "الذین" اور دوسرے دو کاموں پر دوسرے الذین کے لانے سے پہلے تین کاموں اور دوسرے دو کاموں میں صاف تمیز ہو جاتی ہے۔ الحاصل وُہ لوگ جو پہلے تین کام کرتے ہیں۔ اور وُہ جو دوسرے دو کام کرتے ہیں۔ ہر دو متقی ہیں

پہلے متقی اپنی فطرت کی اندرونی ہدایت کو مانتے۔ اور اسی کی بنا پر یادِ الہی اور خیرات کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے متقی الہی کتابوں کو مانتے ہیں۔ اور چونکہ ایمان بغیر کچھ نہ کچھ کسبِ خیر کے کوئی چیز نہیں۔ اِس لئے وُہ نماز و زکوٰۃ کو وحی سے سیکھ کر بجا لاتے ہیں۔ انہی اعمال کی تاکید کیلئے آگے فرمایا کہ "وُہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں"۔ جب پہلی آیت میں ایمان اور اعمال صالحہ کا ذکر آ گیا ہے۔ تو اس کا مکمل قسم ہونا ظاہر ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں الہی کتابوں کے ایمان کا اور ضمناً اعمال کا بیان ہے۔ پس وُہ قسم بھی مکمل ہے۔ دو مکمل قسموں کو مخلوط کر دینا صحیح نہیں

دوم۔ پہلی آیت میں اگر غیب سے وحی الہی یعنے الہامی کتابیں مراد لی جائیں۔ تو دوسری آیت میں پھر الہامی کتابوں کا ذکر لانا فضول تکرار ہو جائے گی۔ اور چونکہ الہامی کتابوں کے ماننے کے بعد کوئی اور غیب ایسا باقی نہیں رہ جاتا جس پر ایمان لانا ضروری ہو۔ اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ الغیب عام ہے اور الہی کتابیں خاص ہیں۔ پس ان آیات میں الہی کتابوں کا ایمان اور غیب کا ایمان دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ان کو ایک بنا دینا غلط ہے

یہ بھی یاد رہے کہ نبیوں کی بعثت سے پہلے جب لوگ امة واحدة یعنی ایک دین پر تھے۔ تو وُہ دین ان کو نبیوں کے ذریعہ سے نہیں ملا تھا۔ اور جب وُہ دین انبیا نہیں لائے تھے۔ تو ضرور ہے۔ کہ وُہ فطری الہام ہی سے ملا ہو

لیکن جب فطرت شبہات و بدعادات کے نیچے دب گئی۔ اور "سوات" کا ظہور و غلبہ ہو گیا۔ تو ایسے وقت میں دبی ہوئی فطرت کے جگانے کیلئے تعلیمی الہام کی ضرورت پڑی۔ فی زمانہ عام حالتوں میں محض فطرت سے راہ یاب ہونا بلا شبہ مشکل ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جنکی نگاہ اپنی اندرونی فطرت پر پڑ جاتی ہے اور وہ اس کی آواز کو سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ وُہ بھی محض اپنی فطرت سے بنیادی ہدایت نہیں پا سکتے۔ ہرگز نہیں۔ محض فطرت سے بنیادی ہدایت پانے والے اگرچہ کم ہیں مگر موجود ضرور ہیں

عام حالتوں کے متعلق بھی یہ نہ سمجھنا چاہئے۔ کہ فطرت انسانی سیئات اور شبہات کے سبب

لیکن اگر صاحب اختیار کافر اس تقسیم سے الگ کر دیئے جائیں۔ اور کافروں سے مُراد صرف مجبُور اور لاعلاج کافر لئے جائیں۔ تو اس تقسیم میں تمام عاقل بالغ لوگ نہیں آسکیں گے۔ پھر مجبُور دل کے داخل کرنے سے یہ تقسیم صاحبِ اختیار لوگوں کی نہیں رہیگی

سوم۔ مومن، کافر، منافق کی تقسیم کی توضیح کے بعد ان سب کو اکٹھا کرکے "یٰاَیُّھَا النَّاسُ" کہہ کر خطاب کیا ہے۔ اور فرمایا ہے :- "اے سب لوگو! (جنہیں یہ تینوں اقسام داخل ہیں) اپنے رَبّ کی عبادت کرو"۔ نتیجہ اس عبادت کا یہ ہے "کہ تُم بچ جاؤ یا متّقی بن جاؤ"۔ اندریں صُورت اگر کفّار سے مراد صرف مجبور اور لاعلاج کفّار ہوتے تو وُہ اس خطاب کے لائق ہی نہ تھے۔ جن کا مومن بننا محال ہے اُنہیں یہ کہنا کیسے صحیح ہے۔ کہ "خدا تعالیٰ کی عبادت کرو۔ تاکہ تم بچ جاؤ"؟

چہارم۔ کفر کے مرض کی شدّت جب لاعلاج حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اور کافر کیلئے اپنے کفر سے باز آنے اور ایمان لانے کا اختیار نہیں رہتا۔ تو ایسے کافر کو جلدی ہی اُٹھا لینے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ چونکہ وُہ صاحب اختیار لوگوں کی قسم سے نکل جاتا ہے۔ اس لئے اُسے اختیاری اِصلاح کی خاطر اِس دُنیا میں رہنے دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی اصلاح جہنّم کے ذریعے کی جاتی ہے۔ اندریں صُورت خُدا اسے یہ نہیں کہہ سکتا کہ "اپنے رَبّ کی عبادت کر۔ تاکہ تو بچ جائے"

حاصل یہ ہے کہ ان آیات میں ایسے صاحبِ اختیار مومنوں، کافروں اور منافقوں کا ذکر ہی جو عبادتِ الٰہی کے ذریعے بچ سکتے ہیں

حواشی

(۱) حروف مقطعات بلاشبہ حروفِ ہجا ہیں۔ وُہ مِل کر کوئی لفظ نہیں بناتے۔ اور اعراب سے خالی ہیں۔ وُہ اُن حروفِ مفردہ سے بھی نہیں جو عربی بول چال میں خاص معنے رکھتے ہیں۔ اور وُہ معنے سب کو معلوم ہیں جیسے اَ (استفہام وندائے قریب کیلئے) بِ (جارہ وقسمیہ وزائدہ) تَ (قسم اور ضمیر) ۃ (تانیث ومبالغہ وغیرہ) سَ (استقبال قریب) فَ (عاطفہ) کَ (تشبیہ وخطاب) لِ (جارہ۔ استغاثہ۔ ابتدائ تاکید۔ امر اور بمعنی کَیْ) نَ (تاکید۔ جمع۔ وقایہ وغیرہ) وَ (عاطفہ حالیہ۔ قسمیہ وغیرہ) ھَ (ضمیر وسکتہ وغیرہ) یَ (ضمیر وغیرہ) یہ حروف حروفِ معانی ہیں۔ لیکن حروف مقطعات حروف تہجّی ہیں۔ ان کے معنی کسی انسان کو معلوم نہیں۔ بعض حرف، الفاظ یا جُملوں کی مختصر صُورتیں ہوتے ہیں جیسے ص یا صلعم برائے صلی اللہ علیہ وسلّم۔ رض = رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ رح = رحمۃ اللہ علیہ۔ ع = علیہ السلام تعم = تعالیٰ۔ اسی طرح ف = فائدہ کک = کذٰلکَ، اور الخ یا الخ = اِلیٰ آخرہ وغیرہ وغیرہ حروفِ مقطعات اس قسم کے حروف بھی نہیں

ایسے تمام حکم اس خاص حالت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس حالت کو چھوڑنے سے ان کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ ظالم اسی وقت تک ظالم ہوتا ہے جب تک وُہ ظلم پر قائم رہے اور اُسے پسند کرے۔ لیکن جب وُہ ظلم سے متنفر ہو کر اُسے ترک کر دے۔ تو اگرچہ گذشتہ ظلم کے مُضر اثرات اس پر قائم ہوں۔ لیکن وُہ آئندہ کو عملاً ظالم نہیں رہے گا۔ عادل بننے سے ظلم کے اثرات زائل ہوتے جائیں گے اور عدل کے مفید اثرات راسخ ہوتے جائیں گے

کافروں کے متعلّق آیات کا ایسا ہی مطلب ہے۔ جب کوئی شخص ایمان سے رُوگردان ہو کر کفر اختیار کرتا ہے۔ تو کفر کی حالت کیلئے یہ لازم ہے کہ وُہ ایمان کی بات سے فائدہ نہ لے بلکہ کفر کی زیادہ مشق سے اس میں سختی پیدا ہوتی جائے۔ لیکن اگر وُہ کفر کو ترک کر دے اور ایمان لے آئے۔ تو اُس وقت اُس پر ایمان کے حکم صادق آنے لگیں گے۔ اس کی سخت دلی دُور ہوتی جائے گی۔ اور اس کا قلب خدا تعالیٰ کی طرف مائل ہوتا جائے گا اور ذکرِ الٰہی سے اسے اطمینان ملنے لگیگا۔ اور وُہ اُسے پاک کرتا جائیگا وَیُزَکِّیھِمْ

جس طرح خُدا تعالیٰ کُفر کے سبب مُہریں لگا دیتا ہے اُسی طرح ایمان کے سبب اُنہیں مٹا بھی دیتا ہے اس کے فضل پر بھروسہ کر کے اُس سے مانگنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " اگر میں تمہاری آنکھ اور کان خراب کر دوں اور تمہارے دلوں پر مُہر لگا دوں۔ تو میرے سوا اور کون معبود ہے جو تمہارے پاس ان چیزوں کو درست کر کے لے آئے؟" پس مُہروں کا دُور کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ پس اے کافرو! اس پر ایمان لا کر اُس سے اپنی مُہریں دور کراؤ!

اگر خدا تعالیٰ ہماری بے اعتدالیوں کے سبب ہمیں مرض میں مبتلا کرتا ہے تو ہمارے رجوع اور علاج معالجہ کرنے سے ہمیں شفا بھی بخش دیتا ہے۔ جب ہم اچھے بیج بوتے ہیں۔ تو خُدا انہیں پال کر درخت بنا دیتا ہے۔ اور ہمیں اچھے پھل کھلاتا ہے۔ اور جب ہم بُرا بیج بوتے ہیں۔ تو خُدا اُسے بھی بارور کر کے اس کے زہریلے نتائج ہمارے سامنے لے آتا ہے۔ نیک و بد اعمال کا بھی یہی حال ہے

لوگوں نے قرآن حکیم کے طرزِ بیان کو نہ سمجھ کر اِس آیت میں بڑا دھوکہ کھایا ہے۔ عام طور پر مفسّرین نے یہ کوشش کی ہے کہ اس آیت میں کافروں سے مُراد خاص ایسے کافر لیں۔ جن کا ایمان لانا ناممکن ہو گیا ہے لیکن یہ غلط ہے بوجوہ ذیل:-

اوّل۔ الذین کفروا سے بظاہر الفاظ عام کافر مراد ہیں۔ بلا دلیل خاص کافر سمجھ لینا صحیح نہیں

دوم۔ اس جگہ صاحب اختیار لوگوں کے تین حِصّے کئے گئے ہیں (۱) مومن (۲) کافر (۳) منافق۔ جُملہ عاقل بالغ لوگ اِن تین اقسام میں سے ضرور کسی ایک قسم میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ تقسیم مکمل ہے۔

لوں گا۔ کہ وُہ علم کو پسند کرتا ہے۔ لیکن اس شخص کے ایسا کہنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عین کے معنے ہمیشہ علم کے ہیں یا عین علم کے معنوں میں مستعمل ہُوا کرتا ہے۔ اور اگر وُہ میم کہہ دے۔ تو میں قرینہ سے سمجھ لیتا کہ وُہ مال کو چاہتا ہے۔ ایسے تکلفات کے ساتھ حروف مقطعات کا کوئی تعلق نہیں

بعض کہتے ہیں کہ یہ حروف خدا کے دستخط ہیں۔ دستخطوں میں بھی نام کے خاص خاص حروف لکھے جایا کرتے ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ لکھنے والے ان دستخطوں کی صرف نقل ہی کرتے آئے ہیں۔ جب تک خدا تعالیٰ کا اصلی دستخط نہ دیکھا جائے تب تک یہ نقلی دستخط جعلی ہی قرار پائیں گے

قرآن مجید خدا کی طرف سے لکھا ہُوا نہیں آیا۔ اور اگر خدا نے کسی منشی سے لکھوا کر پہلے یا پیچھے دستخط کر دیئے تھے تو وُہ دستخط دکھائے جائیں تاکہ ثابت ہو جائے کہ یہ دستخط ان اصلی دستخطوں کی نقل ہیں جن نقلی دستخطوں کی اصل نہ ہو۔ اُن کے جعلی ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے ؟

یہ بھی عجیب ہے کہ دستخط تو پہلے کر دیئے جائیں اور پھر منشیوں کو کہدیا جائے کہ آگے جو دل چاہے لکھ لو۔
دستخط کا ایک ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص کے بہت سے مختلف دستخط پائے جائیں۔ تو وُہ احتمال کا موجب ہوں گے

پھر یہ بھی عجیب بات ہے۔ کہ چند سورتوں کے لئے تو دستخطوں کی ضرورت ہو۔ اور باقی سُورتیں بغیر دستخط ہی کے قابل اعتبار ٹھیر جائیں

بعض فرماتے ہیں کہ الٓر۔ حٰمٓ۔ نٓ سے الرحمٰن بنتا ہے۔ اگر یہ قاعدہ صحیح ہے۔ تو مہربانی فرما کر دُوسرے حرُوف کو بھی جوڑ کر اسی طرح خدا تعالیٰ کے اسمائے حُسنےٰ بنا کر دکھائیں

حاصل یہ کہ ان حروف کا لغت۔ وضع اور صرف نحو کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ عربی زبان میں ان کے معنے کہیں نہیں ملتے۔ وُہ لوگ ان حروف کو با معنے کلمات کی طرح اپنی بول چال میں کبھی استعمال نہیں کرتے۔ باوجود اس کے تمام حروف تہجی معنے سے خالی نہیں۔ لیکن ان کو با معنی سمجھنے کا ایک اور طریق ہے یعنی:۔ جس طرح کلمات حروف سے مرکب ہوتے ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ ان کلمات کے معانی بھی آگے ایسے بسیط معانی سے ترکیب پائے ہُوئے ہوں۔ جو ان حروف کے ساتھ علاقہ رکھتے ہوں کسی بولی کی ساخت میں قدرتی قوانین اور انسانی صنعت دونوں کو دخل ہوتا ہے۔ انسانی صنعت میں عموماً حروف کا لحاظ نہیں رکھا جاسکتا لیکن قوانین قدرت کام کو جڑ یعنی مفردات سے شروع کرتے ہیں اس لئے لازم ہے کہ ان کی بنا حروف سے شروع ہو۔ بولی کی قدرتی ساخت میں بسیط، نازک اور باریک معانی کا تعلق خود بسیط حروف کے ساتھ ہونا بالکل معقول ہے لیکن ان نازک اور باریک معانی کا معلوم کر لینا ہمارے محدود اور کمزور ادراک سے باہر ہے۔ علاوہ بریں ہمیں یہ بھی خبر نہیں کہ کن الفاظ کو لوگوں نے خود ہی وضع کر لیا ہے۔ اور وہ کون سے الفاظ ہیں جو قدرتی محرکات کے ماتحت بنے ہیں۔ ہمارے کسی چیز کو نہ جاننے سے اسکا عدم لازم

بعض لوگ اپنی کتابوں میں مفرد حروف کا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ خود ہی پہلے لکھ دیتے ہیں۔ کہ غ سے ہماری مُراد "مفردات راغب" ہوگی۔ قؔ سے قاموس۔ لؔ سے لسان العرب سمجھنا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حروف مقطعات کا اس قسم سے بھی کوئی علاقہ نہیں

بعض حروف تہجی کسی لفظ کے لئے مشہور ہوجاتے ہیں۔ جیسے میں نے اس کی تحریر پر "صادؔ" کردیا۔ یعنی مَیں نے اسے صحیح سمجھا۔ لیکن حروف مقطعات اِس قسم سے بھی نہیں۔ بوجوہ ذیل:۔

اوّل۔ اگر یہ حروف اِس طرح مستعمل ہوتے۔ تو یہ معنے بول چال میں ضرور آتے جس طرح "صاد کردن" ہر جگہ بولا جاتا ہے ان کا بھی ہر جگہ اسی طرح استعمال ہوتا۔ حروف مقطعات میں یہ وضع کبھی مشہور نہیں ہوئی۔ ایک آدھ شخص کے اپنی طرف سے کچھ لکھ دینے کے سبب وہ وضع متداول و مشہورہ نہیں بن جاتی۔ پھر جب اس شخص کے ایک ہی بات میں مختلف اقوال ہوں تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ شخص صرف رائے زنی کر رہا ہے۔ کسی مشہور استعمال کی خبر نہیں دے رہا

جو استعمال مشہور ہوجاتا ہے۔ اس کو دوسرے لوگ اپنی کتابوں میں لے آتے ہیں اور اپنی عام بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ وہ استعمال کسی خاص کتاب تک ہی محدود نہیں رہتا

دوم۔ یہ استعمال اس وقت کیا جاتا ہے۔ جب کہ ایک لفظ یا عبارت کے بار بار لانے کی ضرورت ہو۔ اس تکرار و طوالت سے بچنے کیلئے مختصر الفاظ یا حروف کو لانا پڑتا ہے۔ حروف مقطعات کے استعمال سے قرآن پاک میں یہ فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ دیکھئے نؔ، کھیعص، طٰہٰ، یٰسٓ، ص اور ق وغیرہ صرف ایک ایک سورت کے شروع میں آتے ہیں

حروف مقطعات صرف انتیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ اگر ان حروف کی جگہ انتیس بامعنی آیات بھی آجاتیں تو قرآن پاک میں کوئی طوالت نہ ہوتی۔

سوم۔ اس اختصار کی خاطر جب اس قسم کے حروف کسی کلام میں آتے ہیں تو وہ کلام کے شروع میں آنے کی کوئی خصوصیت نہیں رکھتے۔ وہ اس کلام میں ہر جگہ آسکتے ہیں۔ اور فاعل مفعول یا متعلق فعل سب کچھ بن سکتے ہیں۔ لیکن حروف مقطعات کی خصوصیت صرف سورتوں کے ابتداء کے ساتھ ہی ہے اور بس

شاعر کا قول ملاحظہ ہو:۔ "قلت لها قفی ۔ فقالت لی قاف" [مَیں نے اس عورت کو کہا کہ تو ٹھیر جا (یعنے واقف وقائم ہوجا) تو اس نے (قفی کے لفظ کے مقابل) مجھے "قاف" کہہ دیا (کہ مَیں واقف وقائم ہوئی یعنے ٹھیر گئی)] حروف کا ایسا استعمال پہیلیاں کہنے والوں کے کلام میں۔ جملوں کے درمیان اور قرائن کی موجودگی میں ہونا ممکن ہے لیکن تکلف سے خالی نہیں۔ اس جگہ "قفی" کا لفظ "قاف" کے معنے خود ہی بتا رہا ہے۔ "قاف" خاص اسی جگہ "قفی" کے قرینہ سے "وقفت" کے معنی دیتا ہے۔ اگر ہر جگہ اس معنی میں آتا۔ تو قرآن مجید میں بھی "قاف" کے معنے "وقفت" ہی ہوتے۔ ایک اور مثال لیجیئے:۔

مَیں کسی سے پوچھوں "کیا تو علم چاہتا ہے یا مال؟" تو وہ شخص جواب میں کہے "عین"۔ مَیں اپنے سوال کے قرینہ سے سمجھ

بہت سی سورتوں کے شروع میں آتے ہیں تو یہ علمیت کا فائدہ کیونکر دے سکتے ہیں ؟ گھر میں باپ اپنے چھ سات بیٹوں کی شناخت کیلئے ایک ہی نام نہیں رکھتا۔ اسی طرح ایک ہی کتاب میں مشترک نام رکھنا ٹھیک نہیں

لیکن اگر نام سے یہ مقصود ہو کہ اس سورت میں الٓمٓ کی تشریح ہے اس لئے ہم اسے الٓمٓ کہتے ہیں۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جو مختلف مضامین "حقیقتِ اسلام" پر لکھے جائیں۔ ان سب کا نام "حقیقت اسلام" رکھ سکتے ہیں۔ نام کی اس تشریح سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ حروف مقطعات سے آگے سورت میں جو کچھ بیان آتا ہے وہ انہی حروف کی تفصیل ہے

ان حروف کے چند ایک فوائد درج ذیل ہیں :۔

اوّل۔ عجائب پسند لوگوں کا خیال ہے۔ کہ وحی الٰہی میں وہ باتیں ہونی چاہئیں جو عقل میں نہ آسکیں ان کی نزدیک جو باتیں عقل میں آسکتی ہیں۔ ان کے لئے وحی کی کوئی ضرورت نہیں

مکّہ کے مشرک چاہتے تھے کہ یہ قرآن عجمی ہوتا

پھر عام طور پر لوگوں کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ وحی الٰہی میں بہت سی ایسی مخفی اور ناقابل فہم باتیں ہوتی ہیں جن کو صرف نبی ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن ان نبیوں کے فہم کا بھی یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں کو خود وحی الٰہی سے کسی دوسرے کو سمجھا نہیں سکتے بلکہ اتنا نہیں بتا سکتے کہ یہ حرمت فلاں آیت سے سمجھی جاتی ہے تم بھی اس پر غور کر کے دیکھو

خدا تعالیٰ حروفِ مقطعات کے نمونہ سے ایسے تمام لوگوں کی غلطی ظاہر کر کے سکھاتا ہے۔ کہ ناقابل فہم کتاب بالکل نکمّی ہوگی جب تک خدا تعالیٰ خود ہی اس کی تشریح نہ کر دے۔ خدا تعالیٰ کی تفصیل کے بغیر ناقابل فہم بات نبی کے بشری ذہن میں بھی کیسے نفوذ کرے گی ؟ جو بات تمام انسانوں کیلئے ناقابل فہم ہے وہ ایک بشر کیلئے کس طرح قابل فہم بن سکتی ہے ؟ کیا ناقابلِ فہم چیز پر تم یہ اعتراض نہ کرو گے کہ اس کی آیات کی کیوں تفصیل نہیں کی گئی ؟ ۴۴/۴۱ پھر کس منہ سے دعوی کرتے ہو۔ کہ وحی الٰہی ناقابلِ فہم ہونی چاہئے ؟

دوم۔ خدا تعالیٰ خود ہی قرآن پاک میں رسول مقبول کے آگے اور ہمارے آگے حروف مقطعات کی تفصیل بیان فرماتا ہے۔ یہ بیان ایسا ہے جیسے بیج اور اسی بیج سے پھیلے ہوئے درخت کو پاس پاس رکھ کر ہمیں دکھا دیا جائے کہ دیکھو! میں نے اس ننھے سے بیج سے کیسا عالیشان اور خوشنما درخت پیدا کر دیا ہے۔ ایسا کرنے سے خدا تعالیٰ ان شاخوں پتوں اور پھولوں کو خود بیج ہی میں الگ الگ کر کے ہمیں نہیں دکھاتا۔ ہاں اُن کی ابتدائی باریک شکلوں کے دکھانے کے بغیر ہی اُن کی پھیلی ہوئی شکلوں کو ہمارے سامنے لے آتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں الٓمٓ کے پھیلائے ہوئے معنے ہمیں دکھائے ہیں۔ لیکن خود الٓمٓ کے بیج میں جس باریک حقیقت کو ا۔ ل اور م دکھاتے ہیں۔ اُن کو الگ الگ دکھا کر اور پھر اُس سے خود ہی اسی نتیجہ پر پہنچ جانا ہمیں نہیں سکھایا۔ یہ علم نہ ہم کو دیا ہے اور نہ رسول مقبول ؐ کو۔ اگر رسول کو کوئی الگ علم دینا ہوتا۔ تو ایسی باتوں کا علم تو ضرور دیا جاتا۔ ان حروف کی برکت سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہماری

نہیں آتا۔ اشیاء کی ماہیت کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ گو ہم نہیں جانتے کہ مادہ، روح، بجلی اور کشش کی ماہیت کیا ہے

حروف تہجی کے ساتھ جن نازک اور باریک معانی کا تعلق ہے اُن کا علم اگرچہ ہمیں نہیں تاہم خدا سے پوشیدہ نہیں
المختصر اگرچہ ان حروف کے معنے لغت سے نہیں مل سکتے۔ پھر بھی حقیقت کے لحاظ سے انہیں بے معنی کہنا ٹھیک نہیں

عربی زبان بہت کچھ علمی زبان ہے۔ اس کے الفاظ عموماً اپنے خاص خاص اوزان کے ماتحت معنے بدلتے رہتے ہیں۔
حروف زیادت کے ذریعے ان کے معنوں میں بالضرور تغیر پیدا ہوجاتا ہے۔ حروف کی زیادتی بھی معنوں کی زیادتی کو دکھاتی ہے،
ملتے جلتے حروف کے الفاظ عموماً معنوں میں بھی قرب رکھتے ہیں۔ جس لفظ میں نَ اور فَ جمع ہوں۔ اس میں کسی نہ کسی
لحاظ سے خروج کے معنے، جہاں ف اور ل اکٹھے ہوں، وہاں پھاڑنے کے، اور جس لفظ میں جَ اور نَ ہوں وہاں پوشیدگی
کے معنے نکلتے ہیں۔ اِس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ حروف کو معنوں میں ضرور کوئی نہ کوئی دخل ہے۔ پس اِس حقیقت
کے لحاظ سے حروف کو بے معنی کہنا صحیح نہیں

غرض ان حروف میں نہایت باریک اور نازک معنے ضرور موجود ہیں گو وُہ ہمیں دکھائی نہیں دے سکتے۔ ایسے ہی
بیج میں درخت موجود ہوتا ہے لیکن وُہ بیج ہی میں ہمیں دکھائی نہیں دے سکتا۔ ہاں خداتعالیٰ کو بیج ہی میں پورا درخت
نظر آتا ہے کیونکہ اسے اسی لطیف وخبیر نے بنایا ہے۔ بیج کے اندرونی درخت کے شاخ وگل کو خدا الگ الگ کرکے ہمیں
نہیں دکھاتا۔ کیونکہ اس نے ہماری نگاہ میں اس قدر طاقت نہیں رکھی۔ ہاں وُہ بیج اور اس سے پھیلائے ہوئے درخت
کو ہمارے سامنے رکھکر دکھاتا ہے کہ یہی بیج ہے جسے میں ہی پھیلا کر اس طرح کا مفصّل درخت بناتا۔ اور ان پوشیدہ
حقائق کو رنگا رنگ لباسوں میں ظاہر کرتا ہوں۔ میرے بتائے بغیر تم خود ان مفردات وبسائط سے یہ مطالب کبھی حاصل
نہ کرسکتے۔ پس مجھی سے علم حاصل کرو

وحی کی تفصیل بھی خداتعالیٰ ہی کا کام ہے۔ یہ کسی انسان پر اس طرح نہیں چھوڑی جاسکتی کہ اس کا کہنا بھی بمنزلہ وحی
یا عین وحی قرار دیدیا جائے۔ ہاں عقلی تشریح وتفصیل ہر جگہ سے لی جاسکتی ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں کہ معقول بات
فلاں شخص سے لو۔ اور فلاں شخص سے نہ لو۔ جس طرح یہ کہنا درست نہیں کہ نامعقول بات کو فلاں شخص سے لو اور فلاں شخص سے نہ لو
یہ ایک عجیب بات ہے کہ الہام الٰہی تو مخفی علوم کو مخفی رکھے اور اُن کا واضح اور روشن کرنا کسی دوسرے کے حوالے کردیا جائے۔
خداتعالیٰ الٓمٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ اور کٓھٰیٰعٓصٓ وغیرہ خود کہے اور اس کی تفصیل خود نہ کرے۔ حاشا وکلّا

خداتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے خود ہی اپنے کلام پاک میں ان حروف کے آگے ان کو درخت کی صورت
میں پھیلا کر ان کی تشریح کردی ہے

اکثر علماء کا خیال ہے کہ "یہ حروف ان سورتوں کے اسماء ہیں۔ جن کے شروع میں یہ لائے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ حروف
محض بے معنی ہیں۔ تاہم ان سے صرف اسمائے اعلام کا فائدہ لینا مقصود ہے"۔ یہ بالکل غلط ہے۔ جب الٓمٓ حٰمٓ اور الٓرٰ

ہفتم تمام مدعئ الہام کتابیں خدا کے وجود[1]۔ اُس کی توحید[2]، استقلال[3]، قدوسیت[4]، رحمانیت[5]، تصرف[6]، وحی[7]، اُس کی یاد[8]، اُس کی مخلوق پر شفقت[9]، جزائے اعمال[10]، دارِ آخرت[11]، انسانی ترقیات[12]، رُسل وانبیاء[13]، اور دیگر صالحین کی بشریت اور عقل وحکمت[14] کی ضرورت کو اصولاً پیش کرتی ہیں[1]

الہامی کتابوں کے ماننے والے بھی اِن چودہ اصولوں کا دعوی کرتے ہیں۔ اگرچہ تاویلیں کر کے اور پیچ ڈال کر مُشرکوں سے بھی کئی قدم آگے نکل جاتے ہیں مگر دہریہ یا مُنکرِ روزِ جزا کہلاتے سے غضبناک ہوتے ہیں۔ لیکن وہم پرست مُشرک جو کسی الہامی کتاب کے قائل نہیں وُہ اقرارِ شرک اور اعترافِ دہریت اور انکارِ جزا ووحیِ الٰہی اصولاً بھی کرتے ۔ اور مذکورہ بالا اصول کے خلاف بحث کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ایسے اوہام پرست مُشرکین کیساتھ ایک ایک اصل مذکور پر بحث کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن الہامی کتابوں کے قائلین کو ایمان واسلام کی حقیقت سمجھانا ہی کفایت کرتا ہے

انتیس سُورتوں پر حروف مقطعات آئے ہیں۔ ستائیس مکی ہیں۔ جن میں اِن حروف کی تمام شکلیں لائی گئی ہیں۔ لیکن باقی دو ابتدائی مدنی سُورتوں پر ان کی صرف ایک ہی شکل الم آئی ہے

الم کا تعلق حقیقتِ اسلام سے ہے اور چونکہ مدینہ میں اہل کتاب بستے تھے اِس لئے دو ابتدائی مدنی سُورتوں کے پہلے صرف الم ہی لایا گیا ہے

یہُود غیر معقول سزائی اعمال کو بھید قرار دیکر منوانا چاہتے تھے۔ اور اُن سے پہلوتہی کرنے والوں کو کافر کہتے تھے۔ نصاریٰ تثلیث وکفارہ کے سرتا پا غلط عقیدہ کو بصیغۂ راز منواتے تھے اور اُس کے مُنکر کو نجاتِ اُخروی سے جواب دے دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ الم ایکدفعہ سورۂ بقرہ کے شروع میں آیا ہے۔ جس میں بنی اسرائیل کو خاص کر کے خطاب کیا گیا ہے۔ اور دُوسری دفعہ سورۂ آل عمران کے ابتداء میں جہاں حضرت مریم ومسیح علیہما السلام کو اِلٰہ بنانے والوں کی نادانی ظاہر کی گئی ہے آلِ عمران سے مُراد حضرت مریمؑ ہے

لیکن مُشرکین مکہ کو مذکورہ بالا چودہ بُنیادی امور کا سرے ہی سے سمجھانا مقصُود تھا۔ اس لئے مکی سُورتوں کے شروع میں چودہ اشکال کے حروف مقطعات لائے گئے ہیں اور چونکہ مشرکین بلحاظ شرکِ ذات[1]، شرکِ ترکیب[2]، شرکِ تقریب[3]، شرکِ تقلید[4]، شرکِ صفات[5]، شرکِ افعال[6]، شرکِ اغراض[7] کئی قسم تھے۔ اسلئے بعض حروف کو ضرورت کے مطابق سات یا اس سے تھوڑی بار لانا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اِسی طرح مکی سُورتوں کے شروع میں اِن حروف کا ستائیس دفعہ آنا قرینِ قیاس ہو سکتا ہے"

بلاشبہ ہمارا فہم نہایت کمزور اور محدود ہے ہمارے لئے خدا تعالیٰ کی بہت سی باتیں ہمیشہ بھید رہیں گی لیکن یہ بھی یاد رہے کہ جو باتیں قطعاً مخالفِ عقل ہیں اور جن کی غلطی کو ہم یقیناً ثابت کر سکتے ہیں انہیں اِس دھوکہ سے نہیں منوایا جا سکتا کہ وُہ بھید ہیں اگر ایسا کرنا جائز ہو تو تمام گندی باتیں اور شرک وظلم بھید کے نام سے منوائے جا سکتے ہیں

جو باتیں محض بھید ہیں وُہ ہمارے اعتقاد وعمل کے لئے کچھ مُفید نہیں ہو سکتیں اور اگر ان کا کبھی بھی پتہ نہ لگے تو وُہ ہماری

[1] یہ مصنف کا قیاس ہے۔ مرتب

اور رسول کریمؐ کی قرآن فہمی کے قواعد الگ الگ نہیں۔ اگر رسولِ امین کو ان حروف کی مخفی اور باریک تشریح معلوم
ہوتی تو آپ اسے ہرگز ہرگز نہ چھپاتے

سوم۔ حروف مقطّعات کی جو بھی تفصیل آئی ہے۔ وُہ صرف قرآن کریم ہی میں آئی ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر
ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان حروف کی تفصیل و تشریح حدیث میں بھی آئی ہے۔ اس سے صاف واضح ہو جاتا
ہے کہ قرآن مجید اپنی تفسیر و تفصیل کرنے کا خود حق رکھتا ہے۔ پس "اِنّ علینا بیانہٗ" اور احسن تفسیرٌ خدا
تعالیٰ ہی کا حصّہ ہے۔ اِسے بلاوجہ رسُول کا کام بنا دینا ظلم عظیم ہے

وحی دینے والا وحی سے دی جانے والی تفسیر کو خود ہی دے سکتا ہے۔ وحی پانے والا۔ وحی والی تفسیر کو
وحی دینے والے کے وحی کرنے کے بغیر خود ہی نہیں کھینچ لا سکتا۔ پس وحی والی تفسیر وحی کرنے والے ہی کا حق ہے

چہارم۔ خدا نے قرآن کو وحی کا کافی مجموعہ بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ قرآن پر ایمان لانے کے بعد کسی اور وحی کی کوئی ضرورت نہ ہے
رسُولؐ کو خدا کی طرف سے جو وحی ہماری تعلیم و تبلیغ کے لئے آئی تھی وُہ سب اس قرآن میں محفوظ ہو گئی۔ حتّیٰ کہ حروف بھی باہر نہ چھوڑے۔
جب حروف تک قرآن سے باہر نہ رکھے گئے تو اور کون سی وحی قرآن پاک سے باہر رکھی جا سکتی ہے؟

پنجم۔ رسُول امینؐ وحی الٰہی کے پہنچانے میں ایسے امانتدار تھے کہ حروف تک کو بھی باوجود اُن کا مطلب جاننے کے نہ چھوڑا

ششم۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حروف و معانی کا آپس میں ضرور علاقہ ہے۔ جس سے یہ لازم آتا ہے کہ جن سورتوں
میں خاصکر حرُوفِ مقطعات کے معانی اور ان کی تفصیل مرقوم ہے اُن میں دیگر سورتوں کی نسبت اِن حروف کی زیادتی پائی جائے،
مَیں نے جہاں تک اس امر کی آزمایش کی ہے اسے صحیح پایا ہے مثلاً سُورۂ قٓ کو لیجیئے۔ اس میں جتنے قاف آئے ہیں اُنہیں گن
ڈالیئے۔ پھر قرآن کے کسی دُوسرے مقام کو نکالئے۔ اور اُس میں سے سُورۂ قٓ کے برابر سطریں شمار کیجئے اِن سطروں میں جس قدر قاف
آئے ہیں۔ اُن کا بھی شمار کر لیجئے۔ آپکو معلوم ہو جائیگا کہ بہرصُورت سُورۂ قٓ کے قاف دُوسری سوُرتوں کی اتنی سطروں کے
حروفِ قاف سے گنتی میں زیادہ ہیں۔ اِس مشاہدہ سے ثابت ہُوا کہ جن سُورتوں میں خاص خاص حروف زیادہ ہیں اُن میں اُن
حروف کے مطابق معانی و مطالب بھی خاص ہیں۔ جن سُورتوں میں کسی خاص حرف کی قابلِ ذکر زیادت نہیں اُن کے پہلے کسی خاص
حرف کے لانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ چونکہ حروفِ مقطعات والی سُورتوں میں بعض حرف مُشترک بھی آتے ہیں اِس لئے ان
کا مقابلہ اُن سورتوں کے ساتھ کرنا چاہیئے جن کے پہلے ایسے حرف نہیں آتے

قرآن میں اصلی اور بنیادی نیکیوں پر رنگا رنگ طریق پر زور دیا ہے۔ کسی سُورت میں اُن پر فطری، عقلی اور تاریخی دلائل
کے ساتھ بحث کی ہے اور کسی میں اُنہیں مسلّمات کے طور پر پیش کر کے ان کے مطابق تعمیل چاہی ہے۔ مقطعات والی سُورتیں زیادہ تر
بنیادی اصُول پر روشنی ڈالتی ہیں، اِن میں آیاتِ قدرت، پہلے رسل و انبیاء اور صالحین کی واحد تعلیم یعنی توحید اور اعمال صالحہ کا خصوصیت
کے ساتھ ذکر ہے

نقطوں والی کتابیں

۳- اِن چودہ حروف میں آدھے حروفِ اصلی ہیں اور آدھے حروفِ زیادت ہیں۔ ح، ر، ص، ط، ع، ق اور ک حروف اصلی ہیں۔ باقی ا، س، ل، م، ن، ھ اور ی حروفِ زیادت ہیں۔ کل حروفِ زیادت دس ہیں۔ جن کا مجموعہ سأل تمونیھا ہے۔ یہ حروف عربی الفاظ میں بکثرت ہیں۔ حروف مقطعات میں ان میں سے اکثر لائے گئے ہیں

۴۔ عربی حروف ا۔ ب۔ ت۔ ث جس ترتیب سے لکھے جاتے ہیں۔ ان کے تین حصّے کریں: پہلے نو حروف کو (ا سے ذ تک) ایک حصّہ سمجھو۔ اور پچھلے نو حروف کو (ف سے ی تک) آخری حصّہ قرار دو۔ ر سے غ تک درمیانی حصّہ بن جائیگا

حروفِ مقطّعات میں پہلے حصّہ میں سے صرف دو (ا اور ح) آئے ہیں۔ پچھلے حصّے سے صرف دو نہیں آئے یعنی ف اور و۔ درمیانی حصّہ میں سے یکے بعد دیگرے پانچ حروف آئے ہیں اور پانچ نہیں آئے۔ ر آئی ہے ز نہیں آئی۔ س ہے ش نہیں۔ ص ہے ض نہیں۔ ط ہے ظ نہیں۔ ع ہے غ نہیں۔ کیا ایسی ترتیب بلا ارادہ واقع ہوسکتی ہے؟

۵۔ قرآن مجید میں یہ چودہ حروف چودہ ہی تراکیبِ اشکال میں لائے گئے ہیں:۔ الم، المص، المر، الر، کھیعص، طہ، طسم، طس، یس، ص، حم، عسق، ق اور ن

۶۔ حروف کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جس قسم کے حروف عربی میں زیادہ مستعمل ہیں۔ ان میں حروف مقطعات زیادہ ہیں۔ اور جس قسم کے حروف کم آتے ہیں مقطعات ان میں کم ہیں۔ لیکن بیشتر اقسام کے حروف، حروف مقطّعات میں نصف نصف لائے گئے ہیں اور جس قسم کے حروف طاق ہیں یعنے جن کا نصف حقیقی نہیں ہوسکتا۔ وہاں نصف اوّل یا نصف اکثر آتے ہیں

دیکھئے حروف مہموسہ دس ہیں:۔ س، ت، ش، ح، ث، ک، خ، ص، ف اور ہ۔ باقی اٹھارہ حروف مجہورہ ہیں۔ حروفِ مقطعات میں مذکورہ بالا دو اصناف میں سے پورے نصف نصف حرف موجود ہیں

پھر حروف شدیدہ آٹھ ہیں:۔ ا، ج، د، ک، ق، ط، ب اور ت۔ باقی حروف رخوہ و متوسط ہیں۔ ان میں سے بھی نصف نصف حروف لئے گئے ہیں

اسی طرح حروف مطبقہ چار ہیں۔ ص، ض، ط، ظ، باقی سب منفتحہ ہیں۔ حروفِ مقطعات میں یہ بھی نصف نصف پائے جاتے ہیں ہمارے علماء نے اس قسم کے اور بھی بہت سے نمونے پیش کئے ہیں لیکن یاد رہے کہ یہ زائد فوائد ہیں مقصود اصلی وہی ہے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یہ حروف بیج کا حکم رکھتے ہیں۔ جس کی تفصیل آگے خود خدا نے پیش کردی ہے

علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ حروفِ اصلی کے لحاظ سے عربی کلمات یک حرفی سے لیکر پنج حرفی تک آتے ہیں۔ حروفِ مقطعات ان پانچوں ہی طرح کے آتے ہیں

تین سورتوں کے شروع میں تین حروف اکیلے اکیلے لائے گئے ہیں۔ وہ ص، ق اور ن ہیں۔ عربی میں یک حرفی کلمات تین ہی قسم کے آتے ہیں:۔ (۱) اسم بغیر حذف جیسے لۂ خطاب (۲) فعل بحذف جیسے قِ، لِ، ر (۳) حرف بغیر حذف جیسے

آئندہ ترقیات کا بھی باعث نہیں بن سکتیں۔ وحی الٰہی گم علوم کو گم ہی رکھنے کیلئے نہیں آتی۔ ایسی وحی سے کوئی فائدہ نہ ملیگا۔ حروف مقطعات کی وحی اگر اعتقاد و عمل کیلئے مفید ہے تو آگے ان کی تشریح بھی ہونی چاہیئے۔ جو (شکر ہے) کہ کی گئی ہے۔ اسی سبق کے لئے یہ نمونے دکھائے گئے ہیں۔ دوسرے فوائد علاوہ ہیں

ہشتم۔ قرآن میں معقولیت، فطرتِ انسانی اور آیات قدرت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور تدبّر، تفکّر، تعقّل اور تذکّر کی طرف بلایا ہے۔ تقلید کی جس قدر تردید قرآن میں ہے۔ کسی پڑھنے سننے والے سے پوشیدہ نہیں۔ چونکہ ایسی باتیں دلوں پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اس لئے جن کے مذہب کی بنار توہمات پر ہوتی ہے اُن کو ایسی باتیں موت دکھائی دیتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں کہ ان باتوں کو نہ سنو۔ اور اگر کہیں لوگوں کو سنتے دیکھو۔ تو شور مچاکر ابتری پھیلا دو۔ مشرکین مکہ کا بھی یہی شیوہ تھا۔ پ۲۴۔ ایسے لوگ جب حروف مقطّعات مثلاً کھیعص، حمٓ، عسقٓ وغیرہ سنتے ہوں گے۔ تو حیران ہوکر کان کھڑے کر لیتے ہوں گے اور اُسے ایک عجیب امر سمجھتے ہوں گے اور گمان کرتے ہوں گے کہ اس کا مطلب کچھ آگے کھلیگا۔ اس لئے دھیان لگاکر سنتے ہونگے اور جب انہیں معلوم ہوتا ہوگا کہ ان حروف کا وہی مطلب ہے جو سنایا گیا ہے تو نادم ہوتے ہوں گے۔ گویا ان حروف سے ایک زائد فائدہ یہ بھی حاصل کیا گیا کہ نفرت کرنیوالے اور شور مچاتے والے مشرکوں کے کانوں میں یہ قرآن ڈالا گیا۔ اور یوں حق تبلیغ اعلےٰ طور پر ادا کرایا گیا۔ مکّی سورتوں میں ان حروف کی کثرت کا ایک یہ بھی باعث ہے۔ اہل کتاب کی نسبت مشرکین مکّہ قرآن مجید کے سننے سے بہت متنفر تھے

نیز زائد فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس وقت لوگ کسی تعلیم کے سننے سے بھاگتے ہوں۔ یا ابتری پھیلاتے ہوں۔ اُس وقت سنانے والا بھی بڑا صابر اور اعلےٰ درجہ کا حوصلہ مند ہونا چاہیئے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی سنانے والا پہلے ایسے حروف کھلے دل کے ساتھ اور صحت سے پڑھ لے تو اُس کا جھجکنا جاتا رہتا ہے۔ اور آواز درست ہوکر طبیعت قائم ہوجاتی ہے۔ اور آگے پڑھنے کیلئے جرأت پیدا ہوجاتی ہے

نہم۔ علاوہ بریں ان حروف میں کئی ایک لطائف ایسے معلوم ہوتے ہیں جو بغیر مُقدّم ارادہ کے ان میں نہیں آسکتے۔ اور جن کا از خود جان لینا اُمّی رسول کیلئے مشکل معلوم ہوتا ہے اُن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :۔

۱۔ اگر الف اور ہمزہ دو حرف سمجھے جائیں۔ تو عربی کے اُنتیس حروف بنتے ہیں۔ لیکن الف اور ہمزہ میں چونکہ صرف سکون اور تحرک کا فرق ہے۔ اس لئے انہیں ایک حرف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے عربی کے صرف اٹھائیس حروف ہوتے ہیں۔ اٹھائیس کا نصف چودہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے حروفِ مقطعات میں صرف ذیل کے چودہ حروف ہجّی انتیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں :۔ ا ح ۔ ر س ص ط ع ۔ ق ک ل م ن ھ ی ۔ ان کا مجموعہ "صراط علیٍ حق نمسکہ" ہے

۲۔ یہ حروف عربی میں بڑی کثرت سے مستعمل ہیں۔ چنانچہ عربی کے بہت ہی تھوڑے الفاظ ایسے ہیں۔ جو ان حروف سے خالی ہیں۔ ان چودہ حروف میں گیارہ حروف غیر منقوط ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عربی میں بے نقط کتابیں لکھنا ایسا مشکل نہیں جیسے

بن گئے۔ یہود و نصاریٰ میں سخت عداوت چلی آتی ہے۔ باوجود اس کے وُہ تورات کے یکساں محافظ ہیں۔ وُہ اگرچہ آپس میں دشمنی رکھتے ہیں تاہم ایک ہی تورات کے شاہد ہیں

پھر رسول کریمؐ نے بحکم الٰہی اعلان کیا۔ کہ تم تورات و قرآن سے زیادہ ہدایت والی کوئی الٰہی کتاب لے آؤ۔ میں اُسکی پیروی کروں گا۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول مقبول کے عہد میں قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور الٰہی کتاب تورات سے بڑھکر رہنمائی کرنے والی نہ تھی۔ پھر کیا ایسی تورات نماز کی رہنمائی ہی سے خالی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس تورات کی تعلیم کردہ نماز یقیناً نماز ہے۔ اور اس کے ادا کرنے والے کے نمازی ہونے میں کوئی کلام نہیں!

پھر دیکھئے! خدا تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ کو انجیل عطا فرمائی۔ انجیل میں بھی ہدایت و نور ہے۔ حضرت مریمؑ انجیل کے ملنے سے پہلے ہی نماز گذار تھیں۔ حضرت عیسےٰؑ مرتے دم تک نماز اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے۔ کیا یہ انجیل نماز سے خالی ہے؟ کیا اِس میں دُعا مانگنے کے طریقے بڑی تاکید کے ساتھ نہیں سکھائے؟ اور ریاکاری کی نماز کی مذمت نہیں کی؟ پھر کیا انجیل کے مطابق نماز ادا کرنے والے نمازی نہیں؟ افسوس! لوگوں نے اپنی اپنی خود ساختہ چند حرکات اور کلمات کا نام نماز رکھ چھوڑا ہے

قرآن کریم میں اہل کتاب کی نمازوں کی تعریف موجود ہے۔ اللہ تعالےٰ اہل کتاب کی بعض بُرائیوں کا ذکر کرکے فرماتا ہے کہ "سارے اہل کتاب یکساں نہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک ایسی جماعت ہے جو (حق پر) قائم ہے۔ وُہ رات کی گھڑیوں میں آیات الٰہی پڑھتے اور سجدے کرتے ہیں"۔ اب کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ قرآن اہل کتاب کی نمازوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہمارے رسول کریم تمام اہل کتاب کو اکیلے خدا کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور بحکم الٰہی ان کو کہتے ہیں کہ "خدائے واحد کی عبادت ہم تم میں یکساں ہے"۔ اس سے صاف کھُل جاتا ہے کہ اہل کتاب کی عبادت اور نماز اور مومنین قرآن کی عبادت اور نماز حقیقت کے لحاظ سے ایک ہی ہے۔ صُورتوں میں خواہ کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو۔ جب تک حقیقت قائم ہے صُورتوں کے فرق سے نماز جاتی نہیں رہتی

قرآن پاک کے نزُول کے وقت ایسے عیسائی بھی تھے۔ جو قرآن مجید سُن کر خوشیاں مناتے اور ٹھوڑیوں کے بل سجدوں میں گر پڑتے تھے۔ قرآن کی حقّانی تعلیم کو سُن کر اسے دِل سے سچّا مانتے تھے اور قرآن کی رواداری کے سبب اپنے آپ کو نصاریٰ ہی کہتے تھے۔ ان میں رہبان و قسّیس بھی تھے۔ حاصل یہ کہ وُہ اعتقاداً مومنین قرآن جیسے ہی تھے۔ لیکن عاملِ نصاریٰ کے طریق پر تھے۔ قرآن کریم انہیں جنّت کا حقدار بناتا بلکہ انہیں جنّت میں پہنچا دیتا ہے۔ کیا ایسا قرآن نصاریٰ کی نمازوں کی بیقدری کر سکتا ہے؟ ان کے اخلاص کو یاد کرکے ہمارا دل ان کی محبت سے بھر جاتا ہے۔ اِن بزرگوں کے متعلق قرآن مجید صاف فرماتا ہے کہ:۔

"اہل کتاب میں سے جو لوگ راسخ فی العلم ہیں۔ اور وُہ جو مومنین قرآن ہیں وُہ سب اس قرآن کو اور اس قرآن سے پہلی کتابوں کو مانتے ہیں اور وُہ خاص کر نماز کے قائم کرنے والے ہیں الخ"

حروف جارہ بِ تَ کَ لِ وَ

قرآن پاک میں دو حرفی مقطعات چار آئے ہیں طٰہٰ، طٰس، یٰس اور حٰم۔

عربی میں دو حرفی کلمات بھی چار قسم کے ہوتے ہیں (۱) اسم بغیر حذف جیسے من۔ ذو۔ اِذ (۲) اسم بحذف جیسے اب اخ، دم (۳) فعل بحذف جیسے قل، بع، خف (۴) حرف بغیر حذف جیسے منْ، عن۔ مذ

یہ دو حرفی مقطعات نو سورتوں پر آئے ہیں۔ ہر دو حرفی اسم اپنے پہلے حرف کی زبر۔ زیر اور پیش کے لحاظ سے تین قسم کا ہوتا ہے یہی حال ہر دو حرفی فعل اور اسم کا بھی ہونا چاہئے۔ اسی طرح دو حرفی اسم، فعل اور حرف بھی نو قسم کے ہوئے

سہ حرفی مقطعات تین ہیں:۔ الٓمٓ، الٓرٰ اور طٰسٓمٓ

عربی میں سہ حرفی کلمات تینوں اقسام (اسم، فعل اور حرف) پائے جاتے ہیں۔ عربی اوزان کی بنا فَ عَ لَ پر ہے۔ تمام اوزان میں ف ع ل کی جگہ حروف اصلی ضرور لکھتے ہیں

عام اسماء و افعال ان اوزان کے ساتھ بالضرور تعلق رکھتے ہیں مگر حروف کا ان اوزان سے کوئی علاقہ نہیں

سہ حرفی اسم دس اوزان پر ہوتے ہیں اور سہ حرفی افعال کے بنیادی وزن تین ہیں۔ پس سہ حرفی اسماء و افعال کے بنیادی وزن کل تیرہ ہوئے۔ سہ حرفی حروف مقطعات بھی تیرہ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں

چار حرفی حروف مقطعات دو سورتوں کے شروع میں لائے گئے ہیں وہ المٓصٓ اور المٓرٰ ہیں

رباعی مجرد بھی دو قسم کا ہے (۱) اصلی جیسے دحرج۔ جعفر (۲) ملحق جیسے حلبب۔ قردد

پنج حرفی حروف مقطعات بھی دو سورتوں کے پہلے آتے ہیں۔ وہ کٓھٰیٰعٓصٓ اور حٰمٓ عٓسٓقٓ ہیں

خماسی مجرد کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) اصلی جیسے سفرجل (۲) ملحق جیسے حجنفل

عربی کے بامعنی کلمات کے ساتھ حروف مقطعات کی اس مشابہت سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حروف حقیقت کے لحاظ سے بے معنی نہیں۔ اندریں صورت اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا، کہ آگے سورتوں میں ان کی تشریح ہی لائی گئی ہے فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

(ب) نماز۔ خداتعالےٰ نے تورات کو نازل فرمایا۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ وہ نیکوکاروں کیلئے "تمام" یعنی کافی و وافی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایسی تورات میں نماز جیسی چیز نہ سکھائی گئی ہو، اور کیا یہ صحیح ہے کہ جو لوگ تورات شریف والی نماز پڑھیں وہ نمازی نہ کہلائیں؟

بڑے بڑے انبیاءؑ یہود کیلئے تورات کے مطابق فیصلے دیتے رہے۔ احبار اور ربانی لوگ بھی ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ پھر حضرت عیسےٰؑ کو بھی خداتعالےٰ نے وہی تورات سکھائی۔ اور یوں حضرت عیسےٰؑ کے پیرو بھی اسی تورات کے محافظ

مسجدیں مثلاً مسجد کعبہ، مسجد اقصٰے اور مسجد بیت المقدس موجود نہ تھیں؟ یا کیا صلٰوۃ وغیرہ الفاظ تیرہ سو سال ہی سے بنے ہیں اور پہلی قومیں ان کے معنے نہ سمجھتی تھیں؟

قرآن مجید انہی نمازوں کا ذکر کرتا ہے جن کو پہلے لوگ جانتے تھے۔ ہاں جس نماز میں کوئی قابلِ ذکر نقص تھا اس کو قرآن مجید نے کھول کر بیان کر دیا ہے مثلاً فرمایا ہے کہ:۔

"ان (قریش) کی نماز خانہ کعبہ کے نزدیک سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہے"

جو باتیں صراحتہً نماز کی حقیقت کے خلاف اور اس میں خلل ڈالنے والی ہیں اُن سے بچنا چاہیئے۔ یا کم سے کم سیٹی اور تالی کی صورتوں کو نماز میں داخل نہ سمجھنا چاہیئے۔ اگر ایسی صورتوں اور رسموں کے علاوہ نماز میں کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں پائی جاتی تو یہ صُورتیں محض فضول ہیں

منافقین کی نماز کے متعلق فرمایا ہے کہ "وہ نماز کی طرف بے دلی سے آتے ہیں۔ لوگوں کے آگے دکھلاوا کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں"۔ نماز سے ظاہری شکل مقصود نہیں بلکہ دلی توجہ درکار ہے

قرآن حکیم نے نماز کی حقیقت پر خوب زور دیا ہے اور مقصدِ نماز کو نہایت موثر پیرائے میں بیان کیا ہے خدا نے قرآن میں کوئی کمی اور کجی نہیں رکھی

حاصل یہ کہ نزولِ قرآن کے وقت لوگ کئی طرح سے نمازیں ادا کرتے تھے۔ اور اب بھی لوگ سینکڑوں طریق پر نمازیں پڑھتے ہیں۔ اگر ان میں اخلاص اور ذکرِ الٰہی شامل ہے۔ تو یہ سب نمازیں ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سب نمازوں کی اجازت دیتا ہے۔ اور حکم کرتا ہے کہ "نماز ضرور پڑھو"۔ صُورتوں کی کوئی بحث نہیں کرتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

"ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ اور کوئی نہ کوئی طریقہ جائز قرار دیدیا ہے۔ اور اگر اللہ کو منظور ہوتا۔ تو تم کو (ان طریقوں میں بھی) ایک جماعت بنا دیتا۔ ولیکن اللہ کو یہ منظور ہے کہ تمہاری اسی میں آزمائش کرے جو تمہیں دیا ہے۔ سو تم (اصل) نیکیوں میں سبقت کرو۔ تم سب کو خدا کی طرف مُڑنا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتلائے گا کہ تم کن معمولی باتوں میں اختلاف کر رہے تھے" پ۶

قارئین اس آیۂ مبارکہ کے سیاق و سباق کو سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ خدا تعالیٰ اسلام کے انتہائی غلبہ کے وقت کس طرح تمام مذاہب میں صلح کراتا اور سب کو ایک بناتا ہے

پھر سورت حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

ہم نے ہر ایک امت کیلئے وہی طریقہ عبادت جائز ٹھہرایا ہے۔ جس کے مطابق وہ عبادت کرنے والے ہیں۔ سو یہ لوگ تیرے ساتھ اصل عبادت میں جھگڑا نہ کریں۔ اور تو اپنے رب کی طرف بُلا۔ بلاشبہ تو سیدھی ہدایت پر ہے پ۱۷

قرآن حکیم اس قسم کی آیات سے بھرا پڑا ہے۔ کیا ان آیات سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عبادت کے طریقوں میں خواہ مخواہ

خدا تعالیٰ کی یاد کے تعلق ہی سے اہل کتاب کے معابد کی حفاظت بحکم قرآن اصولاً واجب ہے لیکن بُت پرستوں کے بتخانوں کی حفاظت صرف عہد اور ذمّہ کے سبب سے واجب ہو تو ہو۔ اصولاً نہیں

یہود عام طور پر تورات کی حقیقت سے بےخبر ہو کر صرف رسم و رواج کے بوجھ کے نیچے گدھے کی طرح دبے ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ انہیں اقامۃ تورات کی طرف بلاتا ہے حقیقی طور پر وہ تورات سے اسی طرح ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی چیز کی اقامت اس چیز کی حقیقت کے قیام میں ہے۔ اسی طرح اقامت صلوٰۃ کے معنی خدا تعالیٰ کا با اخلاص عابد و قانت بن کر خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی یاد کرنا بندہ بن کر اس سے دعا مانگنا اور اسی کی طرف راغب و متبتّل ہو جاتا ہے۔ یہی نماز ہے جو بےحیائی اور نامعقولیت سے روکتی ہے جو چیز اپنے مقصود سے خالی ہو وہ لغو ہے

جس طرح طعام سے انسانی جسد کی زندگی ہے۔ اسی طرح نماز سے انسانی روح کو حیات ملتی ہے۔ انسان خواہ مکئی، چنے یا گندم کی روٹی پر گذارہ کرے یا مٹھائی اور پھل کھائے یا چاول کا استعمال کرے۔ وہ بہر صورت قرآنی الطعام ہی کا کھانے والا ہوگا۔ اگر یہ چیزیں وہ کسی مسکین، یتیم اور اسیر کو کھلائے تو وہ قرآنی الطعام کا کھلانے والا اور قرآنی صدقہ کا کرنے والا ہی سمجھا جائیگا۔ اسی طرح نماز اپنی بہت سی شکلوں کے باوجود الصّلوٰۃ ہی رہتی ہے

مسلمانوں کے مختلف فرقے تھوڑے سے فرق کے ساتھ کئی طرح پر نمازیں ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے جو لوگ اہل قرآن کہلاتے ہیں انہوں نے نماز کے بہت سے طریقے نکال لئے ہیں جن کے ذریعے وہ اپنی نمازیں اخلاص و محبت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ اور ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ بھی کسی نہ کسی طرح اپنی نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ نماز کا پڑھنا کوئی امر محال نہیں جو عمل میں نہ لایا جا سکے

مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہر فرقے کے لوگ اپنی مخصوص حرکات و سکنات اور کلمات ہی کو نماز سمجھتے ہیں۔ اور دوسروں کی نماز کو جن سے نماز والے فوائد بدرجہا بڑھ چڑھ کر حاصل ہوتے ہیں۔ نماز نہیں کہتے بلکہ اُلٹا گناہ، بلکہ کفر و شرک قرار دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک خود خدا تعالیٰ اور اس کی یاد سب سے اعلیٰ و اکبر اور خیر و ابقیٰ نہیں بلکہ خاص صورت کا بنانا اور مخصوص کلمات ہی کا رٹنا مقصود اصلی ہے

یہ سچ ہے کہ کام کسی نہ کسی شکل ہی میں کئے جاتے ہیں لیکن یہ درست نہیں کہ کسی کام کے کرنے کی بہت سی مناسب شکلوں اور طریقوں کو محض اس لئے بُرا کہا جائے کہ وہ ہمارے ڈھب پر نہیں

جس نماز کو لوگ بہت سے طریقوں سے ادا کر رہے ہیں بلکہ اور نئے نئے طریقوں کے ساتھ بھی پڑھ رہے ہیں۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ ہمارے مفروضہ نمونہ کے بغیر تم نماز میں یہ قیدیں کیسے لگا سکو گے جو ہم لگاتے ہیں؟ عجب حیرت انگیز سوال ہے۔ بھلا کیا یہی سوال پہلی کتابوں اور حدیثوں والے تم پر نہیں کر سکتے؟

نماز زمانۂ قدیم سے چلی آئی ہے۔ کیا پہلے مسجدیں نہیں بنائی جاتی تھیں؟ کیا رسول کریمؐ کے وقت میں پہلے زمانہ کی

سکتا ہے۔ بشرطیکہ وُہ نماز قرآن کی معقول اور ضروری ہدائتوں کے خلاف نہ ہو۔ لیکن جماعت کی نماز میں وحدت اور انتظام ضروری ہے۔ تاکہ اصل نماز میں خلل نہ پڑ جائے۔ سو جب ہم دوسروں کے ساتھ نماز پڑھیں۔ تو اُن کے ساتھ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ اور تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کے حسب الحکم ضروری موافقت ملحوظ رکھیں۔ جبکہ نیکی کے کام پر مدد کرنا لازم ہے تو کسی جماعت کے انتظام میں خلل ڈالنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا

ہاں جب مومنینِ قرآن خود جماعت کرائیں تو ضرور ہے کہ عقل و شوریٰ سے کام لیکر کسی معقول طریق سے نماز پڑھائیں۔ جو باتیں وحی الٰہی نے عقل و شوریٰ پر چھوڑی ہیں اُن میں اُنہی ذرائع سے کام لینا لازم ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمارے جماعت کرانے کیلئے آج ہی عقل و شوریٰ کی ضرورت پڑی ہے؟ نہیں بلکہ اگر کوئی ضرورت تھی تو خود رسُولِ خدا اور آپ کے صحابہ کو بھی تھی۔ پس جو طریق جماعت مُسلمان آج تک استعمال کرتے آئے ہیں۔ اُس کے معقول ہونے کی صُورت میں اُسے چھوڑنے کی کون سی وجہ ہو سکتی ہے؟ جب دُوسروں کی جماعتوں میں خلل ڈالنا منع ہے تو کیا آپس کی جماعتوں ہی میں خلل انداز ہونا اچھا ہو سکتا ہے؟ ہم مُسلمانوں کا طریق جماعت نہایت ہی عُمدہ ہے۔ آپس کی جماعتوں میں بلا وجہ اِس کی خلاف ورزی دُرست نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ وحیُ الٰہی کو وحیِ الٰہی مانا جائے اور غیر معقول کو بطور معقول ہی لیا جائے

ہماری مروّجہ نماز میں بھی بہت سی خوبیاں ہیں۔ یہ تمام نمازوں کا خلاصہ ہے۔ مروّجہ دُعاؤں کے علاوہ ہم اِس میں اور دُعائیں بھی مانگ سکتے، خدا تعالیٰ کو اور بھی زیادہ یاد کر سکتے اور اس کی طرف دھیان لگا سکتے ہیں۔ تاہم اگر اس میں مندرجہ ذیل تین اصلاحات کر دی جائیں تو کسی صلح پسند خُدا پرست کو ہمارے ساتھ ملکر نماز پڑھنے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا

(۱) اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کی جگہ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کہا جائے۔ یہ اصلاح نہایت ہی ضروری ہے۔ نماز میں کسی مخلوق کے ساتھ بات چیت کرنا صحیح نہیں اور پھر اُس مخلوق کے ساتھ جو سامنے موجود نہ ہو بلکہ دوسرے عالم میں پہنچی ہوئی ہو

(۲) اگرچہ التحیات میں صالحین پر سلام کہا گیا ہے لیکن اگر درود شریف میں بھی رسُولِ کریم اور آپؐ کی آل کے ساتھ دوسرے مذاہب کے صالحین اور مصطفےٰ لوگوں کو ملا لیا جائے تو اس سے ہماری صاف دلی اور رواداری کا ثبوت ملیگا۔ کوئی نقص پیدا نہ ہوگا۔ مَیں مانتا ہوں کہ آلِ ابراہیمؑ کے الفاظ میں یہود و نصاریٰ کے تمام نیک بندوں پر درود و برکات کے نازل ہونے کا اجمالی ذکر آ جاتا ہے

(۳) جو لوگ عربی نہیں سمجھتے یا الفاظ کو طوطے کی طرح رٹ لینے کے سبب اُنہیں توجہ الی اللہ حاصل نہیں ہوتی۔ اُنہیں چاہئے کہ اپنی اپنی زبان میں ذکرِ الٰہی کریں اور دُعائیں مانگیں

برادران! جب ہم تمام قوموں کی نمازوں کی قدر کرتے ہیں تو کیا ہم کسی صُورت سے مُسلمانوں کی نماز کے ساتھ ناپسندیدگی

جھگڑا نہ کیا جائے ۔ اور اختلاف نہ بڑھایا جائے ۔ نیکیوں اور امر مقصود ہی کو اصل عبادت سمجھا جائے

ہاں قرآن مجید کا یہ منصب ضرور ہے کہ اگر کسی طریقۂ عبادت میں کوئی گناہ یا شرک دیکھے تو اس سے روک دے اور وحی کے ذریعے سے جو اصلاح مناسب سمجھے اسے بیان کردے ۔ قرآن حکیم نے اِس ذمّہ داری کو پوری طرح ادا کر دیا ہے

الحاصل اگر کوئی شخص کسی کو دیکھ کر یا اپنی عقل سے سمجھ کر کسی طرح بھی نماز ادا کرے ۔ تو کسی آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس پر خواہ مخواہ قیود عائد کرے، اور اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی اجازت سے مناسب فائدہ اٹھانا چاہتا ہے ۔ تو اسے یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ "تو اپنی نماز کی ہر ایک بات کو قرآن مجید سے ثابت کر"۔ جو بندش و قید قرآن لگاتا ہی نہیں، وہ قرآن مجید سے کیونکر لگائی جاسکتی ہے

ہاں یہ اعتراض ہم پر ہر شخص بلا شبہ کرسکتا ہے ۔ کہ تمہاری نماز قرآن کے خلاف ہے یا اس میں وہ غلطیاں ہیں جن سے قرآن روکتا ہے ۔ یا اس میں وہ خوبیاں نہیں جو قرآن پیش کرتا ہے ۔ ایسے شخص کے ہم ضرور شکر گذار رہیں گے کیونکہ وہ ہمیں قرآن کریم ہی پر چلانا چاہتا ہے، اور کتاب الٰہی کے سوا کسی اور کو حَکم نہیں بناتا

یاد رہے کہ قرآن عقل و دانش کی بہت تعریف کرتا ہے ۔ اور خدا کے رستہ کی طرف حکمت اور موعظۂ حسنہ کے مطابق بلانے کی تلقین کرتا ہے ۔ فرمایا ہے :۔

"جس کو حکمت دی گئی اسے بڑی خوبی ملی"۔ لقمان حکیم کو یہ خیر کثیر ملی تھی ۔ اسی کے ذریعے سے وہ توحید الٰہی اور اخلاق عالیہ کا وعظ کرتے اور نماز ادا کرنا بھی سکھاتے ۔ بلا شبہ نماز حکمت سے سکھائی جاسکتی ہے ۔ قرآن مجید عقل کی بڑی اہمیت ثابت کرتا ہے :۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں پر پلیدگی ڈال دیتا ہے جو عقل نہیں کرتے"۔ عقل نہ رکھنے والے قوانین الٰہی کے مطابق سخت گمراہی اور جہالت کا شکار ہو جاتے ۔ وہ بندر اور سؤر سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں

قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو تمام کتابوں پر حاوی اور مہیمن ہے ۔ اس میں توراۃ، انجیل، زبور اور دیگر تمام الہامی کتابوں کی ضروری وحی لائی گئی ہے ۔ اور اسے ایک مکمل مجموعۂ وحی بنا یا گیا ہے ۔ تمام الہامی کتابیں اس قرآن میں آجاتی ہیں ۔ یہ قرآن بھی زبر الاوّلین میں موجود ہے ۔ قرآن خود اقرار کرتا ہے کہ "میں پہلی کتابوں میں پایا جاتا ہوں"۔ چاہئے کہ مکمل قرآن ہمیں تمام دیگر کتب وحی سے مستغنی کردے ۔ وحی کے لحاظ سے جو کچھ ہمیں درکار ہے وہ قرآن نے ہمارے لئے ایک جگہ مہیا کر دیا ہے ۔ اور جو کچھ قرآن نے بیان نہیں فرمایا اُسے ہماری عقل یا پسند پر چھوڑنا کافی سمجھا ہے ۔ اگر قرآن کا یہ بھی منصب ہوتا کہ کوئی معیّن شکل کی نماز مقرر کردے جسکے سوا کوئی اور نماز قبول نہ ہو ۔ تو اُس کیلئے ایسا کرنے میں کونسی دقت ہوسکتی تھی؟ قرآن صرف ایک دو صفحات ہی میں ایسی معیّن اور خاص نماز کا ذکر بخوبی کرسکتا تھا ۔ لیکن شکر ہے کہ وہ نماز کی کوئی ایسی معیّن صورت فرض کرنا نہیں چاہتا تھا ۔ جس کے سبب سے مختلف لوگوں کی معقول نمازیں بھی نمازیں نہ رہیں

نماز اکیلے بھی ادا کی جاسکتی ہے اور اکٹھے ہو کر بھی ۔ اکیلا نمازی اخلاص و محبت کے ساتھ جس طرح بھی پسند کرے نماز پڑھ

اس پر جو پہلے نازل ہو چکا، ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس بات کا کہ تم میں اکثر خود فاسق ہیں تو کہہ دے۔ (گو تمہارے نزدیک ہماری حالت قابل تمسخر ہے تاہم) کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نتیجہ کے لحاظ سے جن کی حالت اس سے بھی بدتر ہے (وہ کون ہیں وہ وہی لوگ ہیں) جن پر خدا نے لعنت کی۔ اور ان پر غضب کیا۔ اور ان میں سے بندر اور سؤر بنا دیئے۔ اور جنہوں نے طاغوت پرستی کی۔ یہی لوگ درجہ میں بدتر اور راہِ راست سے گمراہ تر (اور دور تر) ہیں" پ٦/١٣

قرآن مجید میں جس قدر نماز کا ذکر آیا ہے اس میں سے امور ذیل بھی قابل ذکر ہیں:۔

مساجد۔ چونکہ سب کی نماز، نماز ہے، اسلئے مساجد اللہ میں ذکر الٰہی کے لئے ہر شخص آ سکتا ہے کسی کو ذکرِ الٰہی سے روکنا سخت ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اور انہوں نے کہا۔ کہ جنّت میں یہودی یا عیسائی کے سوائے کوئی اور ہرگز داخل نہ ہوگا۔ یہ ان کے چاؤ ہیں۔ تو کہہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچّے ہو۔ ہاں جو اپنی توجہ اللہ کے لئے سونپ دے، اور وہ احسان کرنیوالا ہو، تو اس کیلئے اسکا اجر اس کے پروردگار کے پاس ہے۔ اور ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم۔ اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی بات پر نہیں۔ اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود کسی بات پر نہیں حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ اسی طرح اُن لوگوں نے جو علم نہیں رکھتے۔ اُنکی مانند ہی بات کہی۔ خدا ان کے درمیان قیامت کے دن اُن باتوں کا فیصلہ کریگا۔ جنمیں وہ اختلاف کرتے تھے اور چونکہ وہ ایسے اختلافات کے سبب ایک دُوسرے کو مساجد اللہ سے روکتے تھے اِس لئے فرمایا کہ) اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کا ذکر کرنے سے روکے اور ان مسجدوں کی بے آبادی میں کوشش کرے۔ یہ لوگ جو ہیں (ایک وقت ایسا تھا جبکہ) ان کیلئے ممکن نہ تھا کہ مسجدوں میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہُوئے (اب جو انہیں امن ملگیا ہے تو اوروں کو روکتے ہیں) اُن کیلئے دُنیا میں رسوائی ہے اور اُن کیلئے آخرت میں بڑا عذاب ہے اور مشرق اور مغرب تو اللہ ہی کا ہے، سو جدھر تم مُنہ کرو، وہیں اللہ سامنے ہے، بلاشبہ اللہ فراخی والا علم والا ہے پ١/١٤

کیا اس سے قرآن کریم کی دریا دلی ثابت نہیں ہوتی؟ ہمیں بھی تنگدلی سے کام نہ لینا چاہیئے۔ کچھ لوگ چکر لگا کر گویا خدا پر قربان ہو کر ذکر الٰہی کرتے تھے۔ ایسے نمازیوں کو طائفین کہتے تھے۔ بعض لوگ بیٹھ کر خدا کی طرف دھیان لگاتے تھے وہ عاکفین کہلاتے تھے۔ ایک اور لوگ کھڑے ہو کر یا رکوع و سجود کر کے نماز ادا کرتے تھے وہ قائمین اور الرکع السجود کے نام سے موسوم تھے۔

یہ سب لوگ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے چلے آتے تھے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے بحکم الٰہی مسجد کعبہ کی بنیاد رکھی اور اُسے درست کیا، تو خدا نے فرمایا کہ ان سب قسم کے نمازیوں کیلئے میرے گھر کو پاک اور صاف رکھ۔ یہاں ہر ایک کیلئے آزادی ہے خواہ یہاں کا رہنے والا ہو یا باہر سے آیا ہُوا ہو۔ کیا اب بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید سب کو ایک بنانے اور متحد کرنے نہیں آیا؟

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ: ہم نے ہر اُمت کیلئے کوئی نہ کوئی جائے عبادت (یا جائے اصلاح و مشاورت) جائز ٹھیرائی ہے (وہاں وہ خوراک کیلئے مویشی ساتھ لیجاتے ہیں) تا کہ ان مویشیوں پر جو انہیں اللہ نے بطور روزی کے دیئے ہیں، اللہ ہی کا نام لیں، سو تم سب کا معبود ایک ہی ہے، پس اپنے آپ کو اسی کے سپرد کردو۔ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری دے۔ (وہ عاجزی کرنے والے کون ہیں؟) وہ وہی ہیں کہ جب اللہ

کا اظہار کر سکتے ہیں؟ حاشا وکلاّ!

رسول کریم ؐ کے زمانہ میں مختلف مذاہب کے لوگ فرقہ بندی کو ترک کر کے مسلم اور بھائی بھائی بن گئے تھے۔ وہ متحد ہو کر جبر مذہبی کرنے والے ظالموں کے ظلم کا دفعیہ کرتے اور دنیا میں حرّیت و مساوات پھیلاتے تھے۔ جب یہ سب بھائی اکٹھے نماز پڑھتے تھے تو ان کے اتحاد کے قیام کیلئے رسول کریم ؐ نے قرآنی اجازتوں کے ماتحت ایک ایسی نماز تجویز کر دی تھی جسے وہ آپس کی جماعت کے وقت بلا تکلف اکٹھے ادا کر سکیں۔ اور اگر اکیلا نمازی بھی اسے ادا کرے تو اس میں بھی کوئی ہرج نہیں

ہم بخوشی اسی نماز کو پڑھتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ ہم اسکے عقلی حصّہ کو محض عقلی و انتظامی ہی جانتے ہیں، جو بات وحی نہیں اُسے خواہ مخواہ وحی قرار نہیں دیتے۔ ہم ضرورتاً اس میں تغیّر و تبدّل کرنے کے بھی مجاز ہیں۔ ہم دوسرے لوگوں کی نماز دعا کی بھی قدر کرتے اور انہیں نمازی مانتے ہیں، ہم کسی کی نیکی اور اخلاص کو حقیر نہیں سمجھتے اور موقع آنے پر دوسرے مذاہب کے خدا پرستوں کے ہمراہ بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کی یاد میں سب کے ساتھ اکٹھے ہو جاتے ہیں، ہم فرقہ بندی اور خواہ مخواہ کے اختلافات سے بیزار ہیں۔ ہمارا قرآن کریم ہم کو اسی راستہ پر چلاتا ہے

قرآن حکیم دوسرے لوگوں کے روزوں کو روزے اور ان کے مناسک کو مناسک ہی مانتا ہے۔ ہاں بجا طور پر انکی غلطیاں نکالتا اور مناسب اصلاحات سکھاتا ہے مگر کسی کے لئے عقل سے کام لینے پر خواہ مخواہ رکاوٹیں نہیں ڈالتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں کسی کام پر لمبی چوڑی قیود عائد نہیں کی گئیں اور صورتوں اور شکلوں پر زور نہیں دیا گیا۔ تاکہ لوگوں پر فضول تنگیاں عائد نہ ہو جائیں

قرآن حکیم فرقہ بندیوں کو مٹانے آیا ہے۔ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کے موجودہ فرقے نہیں پائے جاتے تھے۔ اس وقت یہود و نصاریٰ وغیرہ مذاہب ہی تھے جو اپنے آپ کو خدا کے خاص دوست کہتے اور نجات کے واحد ٹھیکیدار بنے بیٹھے تھے۔ اپنے احبار و رہبان کو اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ سمجھتے تھے۔ قرآن کریم ان سب کو اکٹھا کرنا اور ان کے فسادات کو دُور کرنا چاہتا تھا۔ وہ نئی قیود بڑھا کر ایک نیا فرقہ تیار نہ کرنا چاہتا تھا۔ قرآن کریم کا ہرگز ہرگز یہ منشا نہیں کہ دنیا کی فرقہ بندی اور تفرقہ اندازی میں معاونت کرے

اگر قرآن مجید سچ مچ تمام مذاہب کو ایک بنانے آیا ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ نجات کیلئے نئے رستے پیش کرے اور باقی تمام دنیا کو نجات سے محروم کر دے۔ ایک خاص نماز کو نماز کہنے سے دنیا کی فرقہ بندی دور نہیں ہو سکتی

وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے قدردان نہیں اور جن کے دل مسخ ہو گئے ہیں۔ وہ ہماری نماز پر ٹھٹھے کرتے ہیں۔ وہ اس بات پر کڑھتے ہیں کہ ہم نے دیگر الٰہی کتابوں کی نماز کو نماز کیوں کہ دیا۔ رسول کریم ؐ کے عہد سعادت مہد میں وہ اہل کتاب جو فرقہ بندی کے حامی تھے۔ مسلمانوں کی نماز کو اسی طرح ٹھٹھوں میں اُڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

اور جب تم نماز کی طرف بلاتے ہو تو یہ لوگ اسے ٹھٹھا اور کھیل بناتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں تو کہہ دے کہ اے کتاب والو! کیا تم ہم سے اس بات کا غصہ نکالتے ہو کہ ہم اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا، اور

آیا ہے

حقیقت صلوٰۃ | قرآن میں نماز کو تسبیح، تحمید، دعا اور ذکر الٰہی کہا گیا ہے۔ یہ تمام مفہوم ذکر الٰہی ہی میں آجاتے ہیں۔ پس نماز کی اصل غرض یہی ہے کہ ہم ذکر الٰہی کریں۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ

ذکر الٰہی دو قسم ہے۔ ایک عام دوسرا خاص۔ عام ذکر میں ہم اپنے تمام کام کاج اور معاملات بجا لاسکتے ہیں اور آپس میں بات چیت بھی کرسکتے ہیں۔ حوائج ضروری کا بجالانا اس ذکر میں حارج نہیں ہوسکتا۔ حالت اختیاری میں اگر غفلت ہوجائے تو سنبھل جانے اور دھیان کو تازہ رکھنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ یہ ذکر کثیر جو بلا قید وقت و نیت ہے۔ عام نماز ہے

خاص نماز میں بصورت امن و اطمینان کام کاج اور بات چیت سے بچنا چاہیئے۔ ہاں خوف کی حالت میں خاص نماز کی نیت سے عام نماز بھی باحسان الٰہی خاص نماز ہی سمجھی جاتی ہے

اوپر جس آیت شریفہ میں یہ ارشاد کیا گیا ہے کہ اپنی نماز کو ہر کوئی جانتا ہے پہلے اس میں صرف تسبیح کا لفظ آیا ہے۔ پھر اس تسبیح کے دو حصے کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ کا نام "صلوٰۃ" رکھا ہے اور دوسرے کا نام "تسبیح"

تسبیح کے ایک حصے کو صلوٰۃ کہنے سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ خاص تسبیح ذکر خاص نماز ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ ترقی و تمدن و انتظام جماعت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کا ادا کرنا ترقی اور خوبی کا باعث ضرور ہے۔ لیکن جن خاص کام کے نہ کرنے پر کسی خاص صورت میں وعید آیا ہے۔ اس کی حفاظت اسی خاص صورت میں یقیناً لازم ہے

جہاں اہل کتاب کی نمازوں کی تعریف کی گئی ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ آیات اللہ پڑھتے اور سجدے کرتے ہیں۔ ایسے ہی ہمارے لئے بھی آیات اللہ کا پڑھنا نہایت ہی عمدہ بات ہے لیکن یہ کبھی نہیں فرمایا کہ آیات اللہ کے علاوہ دوسرے مخلصانہ اذکار کے بجالانے سے نماز نہیں ہوتی

نماز میں اپنی حاجات اور ضروریات کو بھی مانگنا چاہیئے۔ اور جس چیز کا خیال پیچھا نہ چھوڑے اسی کی اصلاح کے متعلق دعاؤں میں لگ جانا چاہیئے۔ خدا کے سوا کوئی بھی حقیقی حاجت روا اور مستعان نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے :-
وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ

حضرت زکریاؑ نے نماز میں بیٹے کے لئے نہایت ہی عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر دعا کی تھی

حاصل یہ کہ خاص نماز کا ادا کرنا بھی بڑا سہل امر ہے۔ ہم صرف قرآن مجید کی دعائیں مانگ کر بخوبی نماز ادا کرسکتے ہیں۔ اس نماز کو بقائمی ہوش و حواس نہ چھوڑنا چاہیئے۔ حیرت ہے کہ اس حالت میں بھی ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ تم نماز کس طرح پڑھ سکو گے؟ ہم تو تمام دنیا کو نمازی بنانا چاہتے ہیں۔ نماز کو کسی خاص گروہ کی ملکیت نہیں بناسکتے۔ ہم کسی صورت کی نماز کو کوئی ایسی خصوصیت نہیں دے سکتے جس سے دوسروں کی مخلصانہ و موحدانہ نمازیں نہ قرار پائیں۔ اور جس کے ذریعے اصولاً ایک نئے فرقہ کا پیدا ہونا لازم آئے

کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو ان کے دل (اللہ کی عظمت سے) کانپ اُٹھتے ہیں۔ اور وہ جو مصائب پر صبر کرنے والے اور نماز کو قائم کرنیوالے ہیں۔ اور اُس چیز سے جو ہم نے انہیں روزی دی ہے۔ خرچ کرتے ہیں (یعنے جانوروں اور خوراک وغیرہ نعمتوں کو ضائع نہیں کرتے) ۳۵/۲۲

کیا قرآن مجید کی اس کشادہ دلی کا نمونہ کہیں اور بھی ملتا ہے؟

چونکہ مساجد اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں (انَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ) اس لئے ان پر کسی کا خاص قبضہ نہ ہونا چاہئے۔ پس ان سے ذاتی فوائد حاصل کرنا یقیناً منع ہے۔ لیکن ایسے فوائد ضرور حاصل کرنا چاہئے۔ جن سے خدا تعالےٰ کے منشاء کے مطابق سب کا بھلا مقصود ہو ان کے منتظمین کا عزل ونصب بھی صرف مشاورت کے اصول پر ہی کیا جائے

مساجد سے نوعِ انسان کی ضروری اور عام بھلائی کے کام لئے جاسکتے ہیں۔ ان میں تعلیم دی جاسکتی ہے، مشاورت کی جاسکتی ہے۔ مقدمات کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ رفاہِ عام کیلئے تقاریر اور وعظ کئے جا سکتے ہیں۔ قرآن مجید نماز کے بعد مدعی و مدعی علیہ اور گواہوں کو روک کر مقدمات کے فیصل کرنے کی تلقین کرتا ہے

اگر مساجد سے جبراً روکا جائے یا ان میں گنجائش نہ ہو تو مساجد کے تمام کام دوسری مناسب جگہوں میں کر لینے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔ میری زمین فراخ ہے۔ پس (جہاں بھی عبادت کے کام کرو) میری ہی عبادت کرو۔ بلاشبہ ہمارے لئے تمام زمین مسجد ہے

نماز کا سب کو علم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" تو نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں (طوعًا یا کرہًا) خدا تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اور پرندے بھی پر کھولے ہوئے (یا صفیں باندھے ہوئے) ہر ایک کو اپنی اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے اور اللہ کو سب خبر ہے جو یہ کرتے ہیں" نیز ارشاد ہے" کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، دیگر چلنے پھرنے والے، اور آدمیوں میں سے بھی بہت سے، اللہ کو سجدے کرتے آتے ہیں۔ اور بہت سے آدمی ایسے بھی ہیں جو (سجدے نہ کرنے کے سبب) عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں اور جسے اللہ (سجدے نہ کرنے کے سبب) ذلیل کرے اُس کے لئے کوئی اور عزت دینے والا نہیں۔ بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۱۸/۲۲

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا سب کو علم ہے۔ پس جنہیں اس علم کے ساتھ عقل اور قوتِ بیان بھی ملی ہے وہ اس نماز کو بیان بھی کرسکتے ہیں، دوسری آیت سے واضح ہوتا ہے کہ بہت سے آدمی اللہ کو سجدے کرتے یا یوں کہو کہ نمازیں پڑھتے آتے تھے، اور جو نہیں پڑھتے تھے انہیں عذاب کے مستحق اور ذلیل قرار دیا ہے۔ یہ نمازیں آدمی اپنے اختیار اور ارادہ سے پڑھتے تھے۔ ان کے تارک پر عذاب کے عائد ہونے کی یہی وجہ ہے

یہ بھی یاد رہے کہ جب سے آدمی موجود ہیں" کثیرٌ من الناس" سجدے کرتے آئے ہیں۔ سورج، چاند، پہاڑ، درخت وغیرہ بھی جب سے چلے آتے ہیں۔ سجدے کرتے ہیں۔ سب کے لئے یسجد کا ایک ہی لفظ

پھر ارشاد ہے:۔ انّ المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً ۲۹ بلاشبہ مسجدیں (یا نمازیں) اللہ کیلئے ہیں۔ پس اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو (اور کسی دوسرے کو خطاب نہ کرو)

سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے کہ

"ان نمازوں کی (یعنی ان احکامِ الٰہی کی جو اُوپر بیان ہوئے ہیں اور جو آگے بھی آتے ہیں) حفاظت کرو۔ اور الصلوٰۃ الوسطیٰ کی (بھی حفاظت کرو)"۔ صلوٰۃ وسطیٰ کے معنے ہیں وُہ نماز جو سب سے افضل و اکبر ہے، وُہ کیا ہے؟ وُہ ذکرِ الٰہی ہے، اگر یہی ذکر نماز نہیں تو نماز اس سے کوئی چھوٹا کام ہوگا

یاد رہے کہ دُنیا کے تمام فساد خود غرضی سے پیدا ہوتے ہیں۔ خود غرضی اور نفس پرستی سے بچنے کا علاج صرف حق کی پیروی کا شوق ہے۔ اور حق خدا کے منشاء کا نام ہے۔ پس زندہ حق (خدا) کی طرف لگ جانا ہی تمام خود غرضیوں کا علاج ہے

اِس سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ذکرِ الٰہی بندہ کو خدا کے نزدیک کرنے اور اس کے پاس پہنچانے کا واسطہ و وسیلہ ہے، ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف یہی وسیلہ درکار ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ واسطہ درمیانی شئے ہوتا ہے۔ اسی سبب سے ذکرِ الٰہی "صلوٰۃ وسطیٰ" کہلاتا ہے۔ صلوٰۃ وسطیٰ کے معنے علی اختلافِ اقوال فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا، تہجد یا جمعہ وغیرہ کے نہیں بلکہ مُطلق نماز کے ہیں مطلب یہ کہ خاص ذکرِ الٰہی بھی کرو جو تم میں اور اللہ میں واسطہ ہے۔ آگے اِس ذکر کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ اللہ کی طرف مؤدّب (اور چپ چاپ ہوکر) لگ جاؤ۔ خاص نماز میں کسی کے ساتھ باتیں کرنا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ادب کے منافی ہے

قُومُوا لِلّٰہِ کے معنے اللہ کی طرف لگ جانے کے ہیں۔ قیام للشیٔ کے معنی ہیں مراعاۃ لہ۔ اگر وُہ شئے عظیم القدر ہے تو اس کی مراعات، اس کی عظمت کا پاس کرکے اس کی خدمت میں لگ جانا ہے اور اگر وُہ شئے ادنیٰ درجہ کی ہے تو اس کی مُراعات اس کی حفاظت اور اس کے حقوق کی نگہداشت ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ قل انما اعظکم بواحدۃ۔ ان تقوموا للہ مثنیٰ وفرادیٰ۔ ثم تتفکروا ۔ ما بصاحبکم من جنّۃ۔ ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید ۳۴ (تو کہہ دے کہ سوائے اس کے نہیں کہ مَیں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہُوں کہ تم دو دو اور ایک ایک کرکے خدا کی طرف لگ جاؤ۔ پھر سوچو۔ تمہارے اِس رفیق کو کوئی جنون نہیں۔ یہ تو عذاب شدید سے پہلے تمہارے لئے محض ایک ڈرانے والا ہے)

اِس آیۂ مبارکہ میں ان تقوموا للہ کے معنی خدا کا لحاظ کرکے اور اُسے سامنے رکھکر سوچنے کے ہیں۔ نہ کھڑے ہوکر سوچنے کے

آگے فرمایا۔ پھر اگر تمہیں (کسی قسم کا بھی) خوف ہو تو (اللہ کی طرف لگ جاؤ) سوار یا پیادہ (ہر حال میں)۔ پھر جب تمہیں امن و اطمینان حاصل ہو۔ تو اللہ کو (ایسی محبت کے ساتھ) یاد کرو۔ جس طرح (محبت سے) اس نے تم کو وُہ باتیں سکھائی ہیں، جو تم نہیں جانتے تھے ۲

قرآن مجید میں جس طرح خدا کے خاص ذکر کا امر ہے اسی طرح عام ذکر کا بھی حکم ہے۔ فرمایا: "جب تم نماز ادا کر لو۔ تو کھڑے بیٹھے اور لیٹے' اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو" پ۵ ع۱۲

پھر ارشاد فرمایا:۔ جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ کا فضل طلب کرو (یعنی روزی کماؤ) اور اللہ کا بہت ذکر کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ پ۲۸ ع۱۲

یہ بھی حکم کیا کہ:۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرو۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو پ۲۲ ع۲

یہ بھی فرمایا:۔ جو کچھ (بھلا بُرا) یہ کہتے ہیں تو اس پر صبر کر اور سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر۔ اور رات کی چند گھڑیوں میں بھی تسبیح کر۔ (یہ خاص ذکر ہوا) اور دن کے اور وقتوں میں بھی (یہ بلا قید وقت عام ذکر ہوا۔ یہ سب ذکر اس لئے ہیں) کہ تو (اپنے رب کی رضا پر) راضی ہو جائے اور تو اپنی آنکھیں اُس (دولت و نعمت) کی طرف نہ پھیلا۔ جو ہم نے ان میں سے بعض لوگوں کو دے رکھی ہے' یہ اس ادنیٰ زندگی کی رونق ہے۔ تاکہ ہم اس میں ان کی آزمائش کریں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور زیادہ قائم رہنے والا ہے اور اپنے اہل کو (بھی اسی) نماز کا حکم کر۔ اور خود اس پر قائم رہ۔ ہم تجھ سے کھلانے کو نہیں مانگتے۔ ہم خود تجھے کھانے کو دیتے ہیں۔ اور نیک انجام تقویٰ (یعنی خوفِ خدا) کے لئے ہی ہے پ۱۶ ع۱۷

سورۂ قٓ میں فرمایا ہے:۔ جو یہ کہتے ہیں تو اس پر صبر کر اور سورج نکلنے سے پہلے اور غروب سے پہلے تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور کچھ رات کو بھی اُس کی تسبیح کر (یہ خاص نماز ہے) اور سجدوں (یعنے نمازوں) کے بعد بھی (یہ عام نماز ہے) پ۲۶ ع۱۷

سورۂ دھر میں فرمایا ہے:۔ اور اپنے رب کا ذکر کر صبح اور شام اور کچھ رات کو اُسے سجدے کر (یہ خاص نماز ہوئی) اور لمبی راتوں میں اس کی تسبیحیں کیا کر (یہ عام نماز ہے) پ۲۹ ع۲

مذکورہ بالا آیات میں خاص و عام نمازوں کا اکٹھا ذکر ہے۔ بہت سی آیات میں الگ الگ بھی ان کا بیان ہے۔ دونوں قسم کے ذکر و تسبیح و دعا کا یکساں حکم ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عام نماز و دعا کے متعلق کوئی نہیں پوچھتا کہ کیا پڑھا جاتا ہے اور کون سی صورت اختیار کی جائے لیکن خاص نماز کے متعلق شور مچایا جاتا ہے حالانکہ دونوں جگہ تسبیح و ذکر و دعا ایک ہی چیز ہے۔ خاص و عام نماز میں فرق صرف وہی ہے جو قرآن مجید میں آیا ہے یعنی:۔

۱۔ خاص ذکر میں وقت کی قید ہے مگر ہیئت کھلی۔ لیکن عام ذکر میں وقت کی کوئی بھی قید نہیں

۲۔ خاص ذکر میں کسی مخلوق کے ساتھ بات چیت نہ کرنا چاہئے۔ سب سے منقطع ہو کر اکیلے خدا کی طرف ہی لگ جانا لازم ہے' فرمایا ہے:۔ واذکر اسم ربّك وتبتّل الیه تبتیلا پ۲۹ ع۱۲ اپنے رب کا ذکر کر اور سب سے منقطع ہو کر اس کی طرف لگ جا

نیز فرمایا:۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ پ۳۰ جب تو (کام کاج سے) فارغ ہو تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جا

سے تم ان کا نام لیتے اور ذکر کرتے تھے۔ اُسی دھیان اور محبّت سے خدا کی حمد گاؤ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر
بڑے افسوس کا مقام ہے کہ مشرکوں کو تو اپنے باپ دادا کا ذکر کرنا آتا ہو، جس کے لئے انہیں ہزارہا تکلفات و توہمات
کا شکار ہونا پڑتا ہے لیکن مومن خدا کا ذکر کرنا نہ جانیں جہاں کسی ظاہرداری اور تکلف کی بجائے محبت و اخلاص درکار ہے۔
گنگے کی بولی کو خدا اُسی طرح سمجھتا ہے جس طرح کسی حلق پھاڑنے والے قاری کے کلام کو، کیا محبّت سے پیدا ہونے والے ٹوٹے
پھوٹے الفاظ خدا کی درگاہ میں کچھ قدر نہیں پاتے؟

جس طرح مشرک ذکر کو جانتے تھے اُسی طرح سجدہ کو بھی جانتے تھے لیکن وہ اس سجدے کو غیروں کے آگے کرتے تھے
اور کہتے تھے کہ خدا کی عالیشان بنائی ہوئی ہستیوں کو سجدہ کرنا بالواسطہ خدا ہی کو سجدہ کرنا ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے ہم خدا ہی کے پجاری
اور عابد ہیں۔ اُن کے ذریعے ہم خدا ہی کے مُقرّب بننا چاہتے ہیں، یہ خدا کے ہاں ہمارے وسیلے واسطے اور شفیع ہیں۔ اللہ فرماتا
ہے کہ "اگر تم خاص خدا کی عبادت کرنے والے ہو تو سورج اور چاند (جیسی شاندار ہستیوں) کو بھی سجدہ نہ کرو۔ اور اُسی اللہ کو سجدہ کرو
جس نے اُنہیں پیدا کیا ہے"۔ پھر اگر یہ (خدا کے حضور ساجد بننے سے) تکبّر کریں تو وہ لوگ جو خدا کے نزدیک (پہنچے ہوئے)
ہیں (جنکو یہ سجدے کرتے ہیں) وہ رات اور دن اُسی کی تسبیحیں گاتے ہیں اور تھکنے کا نام نہیں لیتے ۲۴/۱۹ (کیونکہ اُن کے نزدیک
جنّت اور حور دقصور سب کچھ تسبیح و حمدِ الٰہی ہی ہے)

برادران! خدا ہی کو سجدے کرنا انسان کو ذی عزت بناتا ہے۔ انسان کو مُقرّب بنانے کا سبب اور واسطہ یہی ہے
(واسجد واقترب)

مُشرک جس طرز کے سجدے، اپنے بزرگوں، چاند اور سورج کو کرتے تھے وہ سجدے اُنہوں نے کسی تعلیمی وحی سے نہ سیکھے تھے
خدا انہیں فرماتا ہے کہ "یہ سجدے تم اُن کے آگے نہ کرو، خدا تعالیٰ کے آگے کرو"۔ پس جس طرز کے سجدے مُشرکوں کو دیکھکر ہم خدا کے
آگے کر سکتے ہیں۔ اُن کے متعلق یہ پوچھنا کہ تم خدا کو کیسے سجدہ کروگے۔ عجیب سوال ہے۔ اگر کوئی شخص خدا کے آگے عجز و نیاز کے ساتھ
جھک کر سجدے کرتا جائے تو وہ بھی قرآنی تعلیم کے مطابق الرکع السجود میں داخل ہو کر نمازی ہے

مُشرک لوگ اعتکاف کو بھی جانتے تھے لیکن وہ غیروں کے لئے اعتکاف کرتے تھے ان کو علم تھا کہ یہ بھی ایک عبادت ہے۔ اِذ
قال لابیه وقومه ماھٰذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون۔ قالوا وجدنا اٰباءنا لھا عابدین ۲۱/۵۔ خدا نے ان
کے مشرکانہ فعل کو ضلالِ مبین قرار دیا اور اپنا عاکف بننا سکھایا (وانتم عاکفون فی المساجد ۲/۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی مسجد الحرام کو عاکفین کیلئے بھی پاک صاف کیا۔ اِس اعتکاف میں کسی نخرے کی ضرورت نہیں۔
صرف خدا کی یاد کیلئے جم جانا اور اس کی طرف دھیان لگانا ہوتا ہے۔ یہ اعتکاف ایک رات کیلئے بھی ہو سکتا ہے، دس راتوں کیلئے بھی
معتکف بن سکتے ہیں۔ یہ اعتکاف تیس یا چالیس رات تک بھی کیا جا سکتا ہے

جب تک اس اعتکاف کی نیت ہو۔ مباشرت نہ کرنا چاہئے (ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد)

اس آیت سے پہلے خدا نے بہت سی ایسی باتیں سکھائی ہیں جو ہمارے لئے دنیا و آخرت میں بڑی مفید اور کارآمد ہیں۔ یہ بڑی قابل قدر اصلاحات ہیں۔ ان کے تعقید کیلئے فرمایا کہ تم ان نمازوں کی حفاظت کرو۔ ان اصلاحات کی قدردانی اور عملی شکرگذاری کے لئے ساتھ ہی "صلوٰۃ وسطیٰ" کا یعنی ذکر الٰہی والی نماز کی حفاظت کا بھی فرمان جاری کردیا اور فرمایا کہ مؤدب ہو کر اللہ کی طرف لگ جاؤ۔ حاصل یہ کہ خاص نماز میں کسی مخلوق کے ساتھ بات چیت نہ کرنا چاہئے

بعض لوگ اس آیت کے معنے اس طرح کرتے ہیں کہ جب تمہیں امن ہو تو تم اللہ کو یاد کرو یا اس کی نماز پڑھو جس طرح اس نے تمہیں نماز کے متعلق وہ باتیں سکھائی ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ اس معنے سے بھی یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ ذکر الٰہی یا نماز کو تو سب لوگ جانتے تھے لیکن نماز کے متعلق بعض اصلاحوں کو بھولے ہوئے تھے

بلاشبہ نماز کو سب لوگ جانتے ہیں لیکن اس کے متعلق کئی ایک غلط فہمیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید نے وہ تمام غلط فہمیاں دور کردی ہیں اور یہی اس کا منصب ہے۔ قرآن مجید نے تمام غلطیوں کی اصلاح ایسے اعلیٰ طور پر فرما دی ہے جس سے بڑھکر ممکن ہی نہیں۔ اندریں صورت ہمیں خدا کے ساتھ جو احکم الحاکمین ہے کسی اور کو اعتقادی حکم و حاکم بنانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی" افغیر اللہ ابتغی حکماً وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا"

مالم تکونوا تعلمون کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ تم نماز کو کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ اس لئے اللہ نے اس کے ذرا ذرا حصہ کو معین و مشخص کرکے اور اسے ترتیب دیکر تمہیں سکھا دیا ہے پس تم نماز کا ایک ہی ڈھانچ ہمیشہ قائم رکھو۔ اور دوسروں کی نماز کو نماز نہ جانو۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ کہ تم ذکر الٰہی کو تو جانتے ہو اسے کئے جاؤ۔ مگر جو غلطیاں تم نے اس میں شامل کرلی ہیں جنکی برائی کا تمہیں علم نہیں۔ ان سے بچو۔ قرآن نے تمہیں ان اغلاط سے غیر مشتبہ الفاظ میں آگاہ کردیا ہے۔ نماز میں سب سے بڑی غلطی شرک کی ملاوٹ ہے نماز کے اذکار کوئی ایسی چیز نہیں ہو سکتے جو کبھی منسوخ ہو سکیں پھر کیا وجہ ہے کہ جو پہلے نمازیں تھیں وہ اب نمازیں نہ رہیں؟

حج کے بیان میں ارشاد کیا ہے :۔ فاذکروا اللہ کذکرکم اٰبائکم او اشد ذکرا (اللہ کا ذکر اس طرح کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے آئے ہو یا اس سے بھی بڑھکر ذکر کرنا) پہلی آیت کی طرح اس آیت میں بھی اللہ کے ذکر کا طریق ہی سکھایا ہے۔ اس آیت سے کئی علم حاصل ہوتے ہیں

مشرک لوگ از خود ہی اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے اور ان کی بڑائی اور بزرگی کی داستان سے رطب اللسان تھے۔ وہ ذکر کے معنی بخوبی سمجھتے تھے فرق صرف یہ تھا کہ وہ اپنے آباء و اجداد کا ذکر کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ذکر تو ایسے ہی کیا جاتا ہے لیکن تمہیں چاہئے کہ جس طرح تم پہلے بڑوں کا ذکر کرتے تھے۔ اب اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھکر اللہ کا ذکر کرو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک ذکر الٰہی کے لئے کوئی ایسے مخصوص الفاظ نہیں جیسا کہ لوگوں نے خیال کیا ہوا ہے۔ اگر ذکر سے کوئی مخصوص شکل مراد ہوتی تو یہ کیوں فرمایا جاتا کہ خدا کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح اپنے بڑوں کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی بڑھکر؟

اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ جو "دوہے" تم اپنے باپ دادا کے لئے کہتے تھے وہی خدا کیلئے بولو۔ نہیں بلکہ جس توجہ اور محبت

اسی طرح تمہاری دعائیں قبول فرمائے گا

قرآن پاک کے ان دعاؤں کو پیش کرنے سے لوگوں کو صرف دعا کے نمونے دکھانا مقصود ہے نہ لفظی پابندی کرانا۔ کیا ہم موسیٰؑ کی وہ دعا جس میں "ھارون اخی" آیا ہے۔ انہی الفاظ کے ساتھ مانگا کریں

کلمہ خبیث۔ خدا کے نزدیک اس لئے مکروہ نہیں کہ اس کے الفاظ وحی کے الفاظ نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ خبیث ہے۔ اسی طرح کلمہ طیب الفاظ وحی کے بغیر بھی طیب ہے۔ تمام طیب کلمات خدا کے ہاں قبولیت کا درجہ پاتے ہیں

اللہ فرماتا ہے کہ وہ لوگ کافر ہوئے۔ جنہوں نے "اِنَّ اللّٰہَ ثالث ثلاثہ" کہا۔ اب اگر کوئی شخص ان الفاظ کی بجائے اِنَّ اللّٰہَ ثانی اثنین کہے تو کیا وہ ویسا ہی کافر نہ ہو گا؟ یا کیا لفظی فرق سے ان کے کفر میں کچھ فرق آ جائے گا۔ خبیث مضمون تبدیل الفاظ سے خبیث ہی رہتا ہے۔ ایسے ہی طیب مضمون بھی تبدیل الفاظ سے طیب ہی رہتا ہے

ہمارا قرآن زبر الاولین میں موجود ہے لیکن قرآنی الفاظ و عبارات کے ساتھ نہیں۔ پھر بھی قرآن مہیمن پہلی کتابوں میں ہوتا ہوا ویسا ہی طیب ہے جیسا ہمارے پاس

قرآن خود بھی ایک بات کو مختلف الفاظ میں بیان کرتا ہے' اگر خواہ مخواہ لفظی پابندی کی کوئی ضرورت ہوتی تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا

قرآن کا ایک بڑا حصہ کافروں اور شیطانوں کے اُن اقوال پر مشتمل ہے جن کی قرآن تردید کرتا ہے۔ قرآن اُن اقوال میں کفار و شیاطین کا صرف مفہوم ہی ادا کرتا ہے لیکن طرز بیان خدا کا ہے

جب کوئی انجان آدمی ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں سوال کرتا ہے تو اکثر دفعہ جواب دینے والا عالم اس کے سوال کو خوب واضح کر کے عالیشان پیرائے میں لوگوں کو سنا کر اُس انجان شخص کے سوال کا منشا سمجھا دیتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ قرآن میں کافروں اور دوسرے لوگوں کا مدعا ہی بیان فرماتا ہے ان کے الفاظ و عبارات کو لفظ بلفظ نہیں پڑھ دیتا۔ خدانخواستہ اگر قرآن میں لوگوں کے عبارات و کلمات ہی لفظ بلفظ جمع کئے گئے ہیں تو اس سے اِس کی فصاحت و بلاغت کا دعویٰ بالکل بے حقیقت بن جائیگا کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ قرآن کی یہ عبارات کفار کی بنائی ہوئی ہیں

قرآن کے اِس طرز بیان سے معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک لوگوں کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ بھی اظہار حقیقت کیلئے کافی ہیں

قرآن نے قُلْ کے حکم کے ساتھ کئی دعائیں سکھائی ہیں' وہ بھی نمونہ کے طور پر ہیں' اُن کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے مناسب الفاظ کے ساتھ وہی دعائیں مانگے تو وہ قبول نہ ہونگی

دیکھئے! قرآن کریم میں بہت جگہ بخشش مانگنے کا حکم آیا ہے ایک جگہ قُلْ کے لفظ کے ساتھ بخشش کی ایک چھوٹی سی دعا سکھائی ہے۔ فرمایا ہے:۔ قل رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین ۝

جہاں نیک لوگوں کے بخشش مانگنے کا ذکر کیا ہے وہاں یہ نہیں فرمایا کہ اُنہوں نے ہماری بتائی ہوئی دعا مانگی۔ نیکوں کے بخشش مانگنے کا بہت جگہ ذکر ہے۔ ہر نیک شخص نے نئے نئے الفاظ کیساتھ بخشش مانگی ہے

باقی قدرتی حاجات کے پورا کر لینے کی کوئی ممانعت نہیں

جب اتنے لمبے اعتکاف کو لوگ از خود کر سکتے ہیں تو کیا اپنی اپنی نمازوں ہی کو اپنی اصلاحوں کے ماتحت بجا نہیں لا سکتے؟ قرآن میں کئی جگہ اپنی نمازوں کی حفاظت کا صراحۃً ذکر ہے ۲۳/۹، ۶/۹۲، ۷۰/۲۳، باقی صرف خدائی اصطلاحات رہ جاتی ہیں جو قرآن میں پورے طور پر مذکور ہیں۔ سورۃ ماعون ہی میں کافی اصطلاحیں آجاتی ہیں

مشرک دعا کو بھی جانتے تھے لیکن وہ پکارتے غیروں کو تھے۔ اللہ نے سکھایا کہ اپنے ربّ کو گڑگڑا کر اور خفیہ طور پر پکارو، اور یہ کہ اخلاص، خوف اور امید کے ساتھ پکارو۔ اور یہ بھی کہ اس کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔ جن کو یہ لوگ خدا کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کی کوئی بات قبول نہیں کرتے۔ ان کا حال یہ ہے جیسے کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے تاکہ وہ اس کے منہ میں پہنچ جائے، پر وہ اس طرح اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں، حاصل یہ کہ دعا کرنے میں صرف خدا کے آگے ہی ہاتھ پھیلانا چاہئے کسی اور کے آگے نہیں

جب مشرک سمندر کی لہروں میں گھر جاتے ہیں تو اس وقت وہ اللہ کیلئے بندگی کو خالص کرتے ہوئے اسے پکارتے ہیں ۱۱/۱۰۔ اور یہ سورج کی طرح ظاہر ہے کہ اس وقت مشرک، قرآن سے سیکھی ہوئی دعائیں نہیں مانگتے بلکہ خود ہی ان کی زبان سے اس قسم کے کلمات بے اختیارانہ نکل آتے ہیں۔ لئن انجیتنا من ھذہٖ لنکونن من الشاکرین ۱۱/۱۰ یا " لئن انجانا من ھذہٖ لنکونن من الشاکرین ۶۴/۶ ایسے وقت میں مشرک بھی خدا کو تضرعاً و خفیۃً پکارتے اور شرک کو بھلا کر اصلی موحد بن جاتے ہیں ۶۴/۶

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآنی آیات کے سوا ایسی دعائیں نہیں مانگی جا سکتیں جو مخلصین لہ الدین کے تحت میں ہوں؟ بلاشبہ قرآنی الفاظ کے بغیر بھی دعائیں تضرعاً و خفیہ مانگی جا سکتی اور اصل موحدانہ ہو سکتی ہیں

جب مشرک مخلصین لہ الدین دعائیں مانگ سکتے ہیں تو کیا موحد ہی ایسی دعائیں نہیں مانگ سکتے؟ یا کیا موحدین کے لئے مخلصین لہ الدین دعا مانگنا لازم نہیں؟ اور کیا خدا تعالیٰ کو تضرعاً و خفیۃً نہ پکارنا چاہئے؟ کیونکہ یہ تو مشرک بھی کرتے تھے ہرگز نہیں۔ حاصل یہ کہ جب ہم مشرکین سے مخلصین لہ الدین دعا کرنا سیکھ سکتے ہیں تو کیا رسول کی دل ہلا دینے والی دعاؤں کو چھوڑ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!!

مشرکوں نے لئن انجیتنا یا لئن انجانا کی دعا از خود مانگی تھی۔ قرآن نے ان دونوں دعاؤں میں سے کوئی بھی دعا انہیں پہلے سے نہ سکھا رکھی تھی لیکن چونکہ یہ دعائیں درست و بجا تھیں۔ اس لئے قرآن مجید نے انہیں لیکر ہمیں سکھایا کہ نیک اقوال و افعال کی جہاں بھی پاؤ۔ قدر کرو

قرآن میں اور بھی بہت سی دعائیں آئی ہیں۔ جن کا وحی ہونا قرآن نے نہیں بتایا۔ صرف یہ کہا ہے کہ فلاں لوگ ایسا کہتے ہیں۔ دیکھو ۱۴/۹، ۹/۴، ۴/۴، ۹/۲، ۱۲/۳، ۱۵/۵، ۲۵/۷، ۱۲/۱۵، ۴/۱۹، ۱۳/۱۵، ۹/۳، ۸/۳، ۱۱/۴، ۴/۲۸ وغیرہ۔ یہ دعائیں قرآن میں پہلے انہیں کبھی نہیں سکھائی گئیں۔ قرآن اس سے ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ تم بھی اخلاص و محبت سے خود ہی اچھی اچھی دعائیں مانگا کرو۔ اللہ

تو اور کس حالت میں وہ اذکار اور دعائیں کام نہیں دیتیں۔ جنہیں بندہ اخلاص و محبت سے بجا لائے

پھر دیکھئے کہ قرآن بنی اسرائیل کو خالص اسلام کی طرف بلاتا ہے۔ اسلامی حریت و مساوات کے سبب انکے ملاؤں کی اجارہ داری کا خاتمہ ہو جاتا اور ان کے نذرانوں میں فرق آجاتا۔ اس لئے فرقہ بندیوں کو چھوڑ کر خالص مسلم بننا ان کے لئے بڑا اشکل تھا۔ خدا انہیں اس مشکل کا یہ علاج بتاتا ہے :۔ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانها لکبیرۃ الا علی الخشعین ؏ [صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو (تاکہ تمہارے لئے مسلم بننا سہل ہو جائے) اور بلاشبہ یہ بڑا مشکل کام ہے مگر ان لوگوں پر دشوار نہیں جو عاجز بننے والے ہیں] یقیناً بنی اسرائیل کو اسی صبر و صلوٰۃ کے ساتھ مدد چاہنے کا حکم دیا گیا تھا جسے وہ صبر و صلوٰۃ سمجھتے تھے

اِس مقام پر علاّمہ فخرالدین رازی رقمطراز ہیں :۔

فَاِنْ قِیْلَ کَیْفَ یُؤْمَرُوْنَ بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ مَعَ کَوْنِهِمْ مُنْکِرِیْنَ لَهُمَا۔ قُلْنَا لَا نُسَلِّمُ کَوْنَهُمْ مُنْکِرِیْنَ لَهُمَا۔ وَذٰلِكَ لِاَنَّ کُلَّ اَحَدٍ یَّعْلَمُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰی مَا یَجِبُ الصَّبْرُ عَلَیْهِ حَسَنٌ وَاَنَّ الصَّلٰوۃَ الَّتِیْ هِیَ تَوَاضُعٌ لِلْخَالِقِ وَالْاِشْتِغَالُ بِذِکْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی یُسَلِّیْ عَنْ مِحَنِ الدُّنْیَا وَاٰفَاتِهَا

(پھر اگر یہ کہا جائے کہ جب بنی اسرائیل صبر و صلوٰۃ کے پہچاننے والے نہیں تو انہیں صبر و صلوٰۃ کا حکم کیسے دیا جاتا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے کہ وہ صبر و صلوٰۃ سے انجان ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جس بات پر صبر کرنا چاہئے اس پر صبر کرنا اچھا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ نماز جو خالق کے آگے عاجزی کرنے اور اللہ کی یاد میں لگ جانے کا نام ہے، دنیا کی محنتوں اور آفتوں سے تسلی دیتی ہے)

دیکھئے! امام صاحب نے کس صفائی کے ساتھ نماز کی حقیقت کو مان کر اقرار کیا ہے کہ رسولؐ کے وقت میں بنی اسرائیل نماز کو جانتے تھے بلکہ ہر شخص اس وقت بھی جانتا ہے، اُسی نماز کے ذریعے سے مدد چاہنے کا خدا نے بنی اسرائیل کو حکم دیا اور بڑے زور سے اس کی تعریف فرمائی

پھر مشرک عبادت کو بھی جانتے تھے لیکن وہ خدا کے ساتھ غیروں کو پوجتے تھے اور کہتے کہ ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں۔ جب شعیبؑ نے مشرکوں کو عبادت الٰہی کی طرف بلایا تو انہوں نے کہا "کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم اکیلے خدا کی عبادت کریں اور جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے انہیں چھوڑ دیں" (؏) دوسری جگہ انہوں نے خدائے واحد کی عبادت کا نام صلوٰۃ رکھکر کہا "اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ حکم کرتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا ہم اپنے مالوں میں جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اُسے بھی ترک کر دیں ؏ حیرت ہے کہ مشرک تو نماز اور عبادت کو جانتے ہوں لیکن مومن ہی ان کے مفہوم سے ناواقف ہوں اگر کہا جائے کہ بت پرست لوگ تو اپنے بتوں کے منہ میں بھوگ لگاتے ہیں کیا تم بھی ان سے سیکھ کر خدا تعالیٰ کو بھوگ

قرآن اپنے بیانات کا حوالہ دینے میں بھی لفظی پابندی کی پرواہ نہیں کرتا۔ قولوا آمنا باللّٰہ الخ اور قل آمنا باللّٰہ الخ پ۳ میں بالکل ایک ہی بات کہنے کا حکم ہے لیکن لفظ دونو جگہ مختلف ہیں

پھر دیکھئے! عہد رسالت میں لوگ خدا کے اسماء میں بھی فرقہ فرقہ بنے ہوئے تھے کہ کئی بہت سے لوگ خدا کے نام رحمٰن سے بیزار تھے وہ رحمٰن کے پکارنے والے کو بُرا جانتے تھے (بیان ۱۵: ۱۶) ان کی باہمی نفرت مٹانے کیلئے خدا نے فرمایا:۔

"تو کہہ دے۔ اللہ کو پکارو یا رحمان کو۔ جسے بھی تم پکارو۔ (اس سے خدا دو نہیں بن جاتا۔ کیونکہ) سب نیک نام اسی کے ہیں۔ (ہاں شور برپا کر کے ایک دوسرے کی دل آزاری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر سبق دینے کیلئے آواز سے پڑھنا ہو تو) تو اپنی نماز کو نہ تو چلا کر پڑھ (جس سے چھیڑ چھاڑ کی صورت پیدا ہو) اور نہ بالکل چپکے ہی (کہ جس سے نیک نمونہ بھی قائم نہ ہو سکے) اور ان دونو کا درمیانی راستہ اختیار کر (مکہ کے لوگ عموماً اللہ کے نام کرجاتے تھے۔ اہل کتاب جن کا اس آیت سے پہلے ذکر آیا ہے رحمٰن کے نام سے دعائیں کرتے تھے۔ ان دونو فریقوں میں سے اکثر لوگ خدا کو صاحب اولاد قرار دیتے تھے۔ اس لئے موقعہ کی مناسبت سے ساتھ ہی فرمایا) اور (یہ بھی) کہہ کہ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ جس نے کوئی بیٹا نہیں پکڑا۔ اور نہ بادشاہی (و اختیار) میں اس کا کوئی شریک بنا۔ اور نہ کسی ذلت (و عاجزی) کے سبب اس کا کوئی مددگار ہوا۔ اور اس کی اور بھی بڑائیاں بیان کر جیسا کہ بڑائی کرنا اس کے لائق ہے، ($\frac{15}{12}$) اس میں ساری نماز آگئی

اگر قرآن کے نزدیک خدا کے پکارنے میں لفظی قیود کی ضرورت ہوتی تو ایسا کبھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ "اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر۔ نہیں نہیں بلکہ سب نیک نام اسی کیلئے ہیں"۔ پس جس نیک نام کے ساتھ چاہو اسے پکارو۔ اور ناموں میں ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب نیک نام اللہ کے لئے ہی ہیں۔ سو تم ان کے ساتھ اسے پکارو اور جو لوگ اللہ کے ناموں میں الگ ہوتے ہیں۔ انہیں چھوڑ دو۔ وہ قریب ہی اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے پ$\frac{9}{12}$

برادران! دیکھئے وہ کیسے بُرے لوگ ہیں جو خدا کو اس کے اسمائے حسنٰے کے ساتھ پکارنے میں بھی ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ مخصوص الفاظ کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی

پھر دیکھئے! اہل کتاب قرآن کو سن کر سجدوں میں گر کر کہتے تھے۔ سبحان ربنا۔ ان کان وعد ربنا لمفعولا پ$\frac{15}{12}$ یہ بالکل صحیح ہے کہ قرآن خدا کے ان وعدوں کے مطابق آیا ہے جو پہلی کتابوں میں آج تک موجود ہیں، لیکن مذکورہ بالا تسبیح پہلی کتابوں میں نہیں ہو سکتی۔ یہ تسبیح رسول کریم کے زمانہ کے اہل کتاب صرف اس وقت کہہ سکتے تھے جبکہ انہوں نے وہ وعدہ اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ لیا۔ وعدہ کے پورا ہونے کے بعد ہی ایسا کہا جا سکتا ہے

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سجدوں میں حسب ضرورت بندے اپنے الفاظ میں تسبیحیں کہہ سکتے ہیں، اگر آیات الٰہی پڑھیں تو وہ بہت اچھا ہے پ$\frac{4}{}$ اگر "حطۃ" کہیں تو وہ بھی صحیح ہے پ$\frac{1}{}$، پ$\frac{9}{1}$

نماز بھی سجدہ ہے۔ (یدعون الی السجود۔ واسجد واقترب) جب سجدہ جیسی اہم چیز میں ایسی آزادی ہے

جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے (اسلئے) غافل کردیا ہے کہ اُسنے (دوسروں کی معقول رعایت سے مُنہ موڑ کر) اپنے جھوٹے خیال کی پیروی کی ہے اور اس کا کام حَدّ (انصاف) سے متجاوز ہے پ15/16

صبح وشام رب کی یاد کرنے والے بھی یقیناً مقبول درگاہ ہیں

اگر کوئی شخص قرآنی یا حدیثی الفاظ پڑھے لیکن اُس کا دِل خدا کی یاد سے غافل ہو تو کیا یہ الفاظ اُسے کچھ بھی فائدہ دینگے طوطے کیطرح رٹ لگانے سے الفاظ بے اثر ہوجاتے ہیں۔ یا کیا قرآنی اور حدیثی الفاظ کے بغیر بھی خدا سے دُعائیں نہیں مانگی جاسکتیں؟ سُنیئے! اللہ تعٰ فرماتا ہے :- جو آسمانوں اور زمین میں ہیں (وہ سب مصیبت کے وقت اور آگے پیچھے بھی) اللہ سے مانگتے ہیں پ27/12 لوگ قرآنی اور حدیثی الفاظ کے علاوہ بھی خدا سے مانگتے ہیں۔ نماز میں بھی سائلین کا سوال سوال ہی رہتا ہے کچھ اور نہیں بنجاتا۔ ذکرِ الٰہی کی حقیقت ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے۔ یہ غیر متبدل حقیقت بوقت نماز بھی بدستور غیر متبدّل ہی رہتی ہے

حاصل یہ کہ خدا تعٰ نے ایک ہی وقت مثلاً صبح کے متعلق فرمایا ہے کہ :۔ "فجر کے پڑھنے کو قائم کر۔ بلاشبہ فجر کا پڑھنا دل نشین ہوتا ہے"۔ اور یہ کہ "سورج نکلنے سے پہلے تسبیح و تحمید کر"۔ اور کئی جگہ اُن لوگوں کی تعریف کی جو صبح کے اوقات میں استغفار کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ تو اپنے جی میں یا آہستہ بول کر ذکر الٰہی کر" 9/14، 15/12 پھر ڈنکے کی چوٹ کہدیا کہ "اللہ کہہ کر پکار' یا رحمان کہہ کر' یا کسی اور نیک نام سے' ہر طرح درست ہے کیونکہ سب نیک نام اور سب تعریفیں اُسی کے لئے ہیں۔ پھر کس نام اور کس تعریف کو اس کے لئے مخصوص بنالینا چاہئے اور باقی اسماء کے ترک کا فتویٰ دیدینا چاہیئے

ہماری مروّجہ نماز میں یہ سب نمازیں آسکتی ہیں اور نقائص کو رفع کیا جاسکتا ہے ہمیں خواہ مخواہ اِسے چھوڑ دینے کی ضرورت نہیں۔ معقول چیز کو جہاں بھی ہو' لے لینا چاہئیے۔ خود اس نماز نے دُوسروں کی معقول باتوں کو اپنے اندر لیا ہُوا ہے۔ اندریں صورت یہ نماز دُوسروں کی نماز کی بے قدری نہیں کرسکتی

جب قرآن نے رسولؐ کو پہلی ہی دفعہ "اقم الصّلوٰۃ" فرمایا ہو گا تو ضرور ہے کہ اس سے پہلے' یا قرآن نے رسولؐ کو خود ہی کوئی نماز سکھا دی ہو گی؛ یا رسُول نے اپنی سمجھ سے خود ہی کوئی نماز سمجھ لی ہو گی' یا مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ پ13/12 کی کافی شہادت سے یا فسئل الذین یقرؤن الکتاب من قبلک پ11/15 کے ماتحت دیگر کتاب والوں سے پُوچھ کر' یا تورات شریف کے اتباع سے پ2 کوئی نہ کوئی نماز سیکھی ہو گی۔ لہٰذا پہلی دفعہ اقم الصّلوٰۃ کے معنے ہوں گے :- اے رسُول تو قرآن کی سکھائی ہُوئی' یا اپنی سمجھ سے حاصل کی ہُوئی' یا کتاب والوں سے سیکھی ہُوئی' نماز قائم کر

اسی طرح جب قرآن نے پہلے پہل لوگوں کو "اقیموا الصّلوٰۃ" فرمایا ہو گا تو اُس کا مقصد بھی وُہی ہو گا۔ جو اُوپر بیان ہُوا

لگاؤ گے ؟ تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ ہمارے خدا نے ہمیں بتا دیا ہے کہ وہ ایسے بھوگوں سے پاک ہے۔ فرمایا: تو اپنے اہل کو نماز کا حکم کر اور خود اس پر قائم رہ ۔ ہم تجھ سے کھانے کو نہیں مانگتے ہم خود تجھے کھانے کو دیتے ہیں. اور نیک انجام تقویٰ (فضولیات سے بچنے) میں ہے پ۱۶

نیز فرمایا : میں نے جن وانس کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے میں ان سے کوئی روزی نہیں مانگتا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے بھوگ لگائیں۔ بلاشبہ اللہ خود ہی رزق دینے والا اور مضبوط قوت کا مالک ہے پ۲۷

اسی طرح ہون اور سوختنی نذرانوں کو فضول قرار دیا کھیتی اور جانوروں کے ضائع کرنے سے منع کیا، سیٹیاں اور تالیاں بجانے کی مذمت کی اور دین کو لہو ولعب بنانے سے روکا بلکہ تمام لہوالحدیث کو بند کر دیا

خدا نے تمام ان باتوں سے جو اس کی عظمت کے لائق نہیں روک کر اپنا ذمہ پورا کر دیا ہے۔ اللہ کو ایسی تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی جنہیں مشرک تک جانتے ہیں

بت پرست ہنومان کی مورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اور آنکھیں نیچی کر کے کھڑا ہو جاتا۔ اس کی تعریف کرتا اور اس کے آگے گڑگڑاتا ہے پھر گر کر ماتھا ٹیکتا ہے۔ جب بات یہ ہے تو کیا موحد اپنے خدا کے آگے اس سے بڑھ کر عاجزی نہیں کر سکتا اور اس کی حمد نہیں گا سکتا ؟

الحاصل جب ہم مشرکوں سے بھی اپنے مولیٰ کریم کے آگے عاجزی کرنے اور بڑائی بیان کرنے کا طریق سیکھ سکتے ہیں تو کیا مسلمانوں ہی کی نماز کے ساتھ ہمیں دشمنی ہو سکتی ہے ؟ معاذ اللہ!

ہم اس نماز کو بہت عمدہ و معقول سمجھتے اور بخوشی ادا کرتے ہیں لیکن دوسروں کی موحدانہ اور معقول نماز کی بھی بے قدری نہیں کرتے اور کسی درد مند دل کے ذکر کو حقیر نہیں جانتے

برادران! نماز کا ادا کرنا بالکل سہل امر ہے۔ اسے کسی معقول و مؤدب طریق سے بجالائیں۔ لوگوں سے سیکھنے کی بجائے اگر کوئی شخص سبح بحمد ربك پ۳۰ کے حکم کے مطابق دلجمعی کے ساتھ سبحان اللہ وبحمدہ ہی کہے یا آیات اللہ مثلاً الحمد شریف ۔ سورۂ اخلاص اور معوذتین سوچ سمجھ کر پڑھے یا بفرمائے وبالاسحار هم يستغفرون پ۲۶ اور والمستغفرين بالاسحار پ۳ صبح کے وقت خدا کے آگے اپنے قصوروں کا اقرار کرے، درد دل سے معافی مانگے اور استغفر الله ربي من كل ذنب کہے یا صبح و شام عاجزی اور خوف الہی کے ساتھ اللہ کی یاد اپنے دل میں کرے اور اگر ولبا کر کرے تو خواہ مخواہ چلائے نہیں اور غافلوں سے نہ بنے پ۹

اور حکم کیا ۔ تو ان لوگوں کو جو اپنے رب کی ذات کے طالب بن کر صبح و شام اس سے دعائیں مانگتے ہیں نہ نکال پ۷ نیز یہ کہ " تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی [illegible] میں قائم رکھ جو اپنے رب کی ذات کے طالب بن کر صبح و شام اس سے دعائیں مانگتے ہیں۔ اور دنیا کی زندگی کی سجاوٹ چاہتے ہوئے تیری آنکھیں ان سے نہ پھر جائیں اور تو اس شخص کی پیروی کر

معمولی سمجھ والا بھی اپنی تصنیف میں نہیں کیا کرتا۔ یہ سب چالیں رسُول پرستی کیلئے کی جاتی ہیں ورنہ کوئی صاحب اسکی حکمت بتائیں کہ قرآن نے اُس چیز کے جس کا سکھانا نہایت ضروری تھا ایسے دو حصے کیوں کر دیئے جن میں سے اصلی اور ضروری حصّہ تو قرآن محفوظ سے باہر رکھدیا اور محض سطحی حصّہ قرآن میں لایا گیا۔ پھر کیا ہم کسی ایسے تواتر کی بنا پر جس کی حفاظت کا خداؐ نے وعدہ نہیں کیا قرآن پاک کے تواتر کو جو خدائی حفاظت کے ساتھ چلا آتا ہے چھوڑ سکتے ہیں؟ حاشا وکلا

قرآن تو جس طرح ذکر، دُعا، استغفار، استعانت، تسبیح، تحمید اور صلوٰۃ کا بیان کرتا ہے اسی پر عامل ہونے والوں کیلئے بڑے بڑے انعامات کا وعدہ بھی دیتا ہے اور ان کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ جو نماز قرآن پیش ہی نہیں کرتا اُس کے ساتھ قرآن کے وعدو وعید کا کیا علاقہ؟ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جو چیز قرآن میں ہے (یعنی کھلی نماز) اس کے لئے وعدے نہیں اور جس سے قرآن خالی ہے (یعنی مخصوص و مقیّد نماز) اس کے لئے قرآن کے وہی وعدے ہیں۔ یا للعجب!

اوقات الصّلوٰۃ | قرآن مجید کی آیاتِ ذیل میں نماز کے اوقات کا ذکر ہے:۔

(۱) بلاشبہ نماز مومنوں پر بتقیید وقت لازم ہے پ۵/۱۲

(۲) تو نماز کو دن کے دونو طرف اور رات کے متصل اوقات میں قائم کر (رات کو جب تو نماز پڑھے تو ایک بار پڑھ لے) کیونکہ بار بار سونے کے بعد اُٹھ کر متفرق طور پر نماز ادا کرنا پریشانی خواب کا موجب ہے) بلاشبہ نیکیاں بدیوں کو دُور کر دیتی ہیں یہ ذکر (الٰہی) کرنے والوں کیلئے ایک نصیحت ہے پ۱۲/۱۲

(۳) تو اس پر جو (بُرا بھلا) یہ کہتے ہیں صبر کر۔ اور سُورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اپنے ربّ کی حمد کیساتھ اسکی تسبیحیں کر۔ اور رات کے اوقات میں سے کچھ وقت اسکی تسبیح کر (یہ خاص نماز ہوئی آگے بلا تعیّن وقت عام نماز کا حکم ہے) اور دن کے اور اطراف میں بھی تاکہ تو (اپنے ربّ سے) راضی ہو جائے پ۱۶/۱۲

(۴) اور تو اپنے ربّ کے حکم پر جما رہ۔ اس لئے کہ تو ہماری نگرانی میں ہے اور جب تو (دن کے کام سے) اُٹھے تو اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیح کر۔ اور رات کو بھی کچھ وقت اس کی تسبیح کر اور ستاروں کے غائب ہو جانے کے بعد (صبح کو بھی) پ۲۷/۱۴

(۵) سو تو اس پر جو یہ کہتے ہیں صبر کر اور سُورج کے نکلنے سے پہلے اور غروب سے پہلے اپنے ربّ کی حمد کیساتھ تسبیح کر اور رات کو بھی کچھ وقت اس کی تسبیح کر (یہ خاص نماز ہوئی آگے عام نماز کا ذکر ہے) اور سجدوں (نمازوں) کے بعد بھی پ۲۶/۱۲

(۶) اور تو صبح و شام اپنے ربّ کی یاد کر اور رات کو کچھ وقت اُسے سجدے کر (یہ خاص نماز ہوئی آگے عام تسبیح کا ذکر ہے) اور لمبی راتوں میں اس کی تسبیح کر پ۲۹/۲۰

(۷) سُورج کے ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہو جانے تک تو (کسی وقت) نماز قائم کر اور فجر کے پڑھنے کو (قائم کر) بلاشبہ فجر کا پڑھنا دِل نشین ہوتا ہے اور (پڑھنے کے ساتھ) کچھ رات جاگا کر۔ یہ تیرے لئے نافلہ ہے پ۱۵/۹

(۸) اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو فرمایا) اور تو اپنے ربّ کو بہت یاد کر (یہ عام نماز ہوئی آگے خاص نماز کا ذکر ہے) اور اپنے ربّ

اب اگر یہ وہی نماز ہے جو قرآن نے سکھا دی ہے۔ تو ہم سے کیوں پوچھا جاتا ہے کہ قرآن سے نماز دکھاؤ؟ اور اگر قرآن نے کوئی مخصوص نماز نہیں سکھائی بلکہ انہی پہلی نمازوں ہی کو نماز کہا ہے تو آپ کون ہیں جو انہیں نمازیں نہیں مانتے کیا قرآن نے صلواتھم کے لفظ میں ان کی نمازوں کو بھی نماز ہی نہیں کہا؟ (پ۱)

پھر اگر پہلے مسلمانوں نے اہل کتاب کی نماز کو نماز ہی نہیں جانا تھا تو کیوں اُن کے قبلہ کی طرف منہ کر کے مدت تک نماز پڑھتے رہے اور کیوں اللہ تعالیٰ اسی قبلہ والی نماز کو قبول کرتا اور اسے نماز کہتا رہا؟

برادران! قرآن کوئی ایسی مخصوص نماز ہرگز نہیں سکھاتا جس سے دوسروں کی نمازیں مطلقاً نماز نہ سمجھی جائیں اور خدا پرست لوگ موقعہ پڑنے پر خدا کی یاد میں اکٹھے نہ ہوسکیں۔ اگر قرآن میں کوئی ایسی مخصوص نماز ہوتی تو تمام اہل عرب کو تو نہ سہی اہل قرآن ہونے کے مدعیوں کو تو مشترکہ طور پر نظر آجاتی۔ اندریں صورت جو لوگ قرآن سے ایسی مخصوص نمازیں نکالنے کی کوشش کریں گے وہ بالضرور نئے نئے فرقوں میں تقسیم ہوتے چلے جائیں گے، وہ ایک ہی عمارت میں ایک ہی وقت میں اس طرح پر تین تین جماعتیں کرائیں گے کہ ایک امام کی آواز دوسری جماعت والے سنتے ہوں گے۔ یہ لوگ فرقہ بندی کو مٹانے کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں مگر عملاً ان کا یہ حال ہے کہ آپس میں اکٹھے نماز بھی نہیں پڑھ سکتے وہ لوگ اکٹھے نماز پڑھیں گے جو ایک دوسرے کی نمازوں کے ساتھ رواداری برتیں گے اور رواداری اسی صورت میں کرینگے جب یہ دلنشین کرلیں گے کہ اچھا اعلیٰ طور پر نہ سہی، ادنیٰ ہی سہی، اتفاق و محبت کے ساتھ اکٹھے نماز پڑھ لینے سے فرض تو ادا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن ایسی مخصوص نمازوں کے بیان میں نہیں اُلجھتا

قرآن پاک کی اس کشادہ دلی کو نظر انداز کر کے ناقدردان لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن ہماری (فرقہ پیدا کرنے والی) مخصوص نماز سے خالی ہے اس لئے اسکے کامل و اکمل اور تفصیل لکل شئی ہونے کے تمام دعادی صرف خالی ڈھول کی بلند آہنگی ہی ہیں اور بس۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ قرآن اپنے واضح بیانات ہی کو کافی و کامل بتاتا ہے، اگر وہ ایسی قیود کو پسند کرتا جو اکٹھے یاد الٰہی کرنے سے روکیں تو اُسے ایسا کرنے سے کونسی چیز مانع ہوسکتی تھی؟ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو مروجہ نماز کے بیان کا طریق نہیں آتا تھا (؟) افسوس! قرآن مجید تو نماز میں آسانیاں پیدا کرے تاکہ سب لوگ نمازی بن سکیں اور فرقہ پرست لوگ اس کے کمال کو بٹہ لگائیں

بلاشبہ قرآن مجید رسول کے ذریعے ملا ہے مگر منصب اسکا یہ ہے کہ جس طرح ہمیں تعلیم دے اُسی طرح رسول کو بھی سکھائے اب فرض کیجئے کہ خدا تعالیٰ کو مخصوص شکل و صورت کی نماز سکھانا تھا جو قرآن کی تعلیم کی طرح ضروری تھی پھر کیا درست ہے کہ اس سکھانے کی چیز ایسے قرآن سے باہر رکھی جائے جو ہمارا اور رسول کا یکساں معلم ہی ہے؟ اور اس خارج از قرآن کی تاکیدیں قرآن میں کی جائیں۔ یہ قرآن اصل نماز خود تو پیش نہ کرے لیکن اسکی خوبیاں اور فائدے بتائے۔ اصل نماز کو تو اپنے سے باہر رکھے لیکن اس کے بجالانے پر خود وعدے دے، اور نہ بجالانے والے کو وعید سنائے۔ خدا تو خدا ہی ہے، ایسی تقسیم تو کوئی

ہو (یعنی جس وقت تم آرام کے لئے کپڑے اتار کر غفلت کی نیند سوجاتے ہو۔ تو تمہاری غفلت یا یاد کے وقت بھی اس کی حمد ہو رہی ہے کچھ تم پر منحصر نہیں)

مذکورہ بالا آیات کے متعلق اُمور ذیل غور طلب ہیں :-

(ا) آیات ۲ تا ۴ میں نماز کے تین اوقات کا ذکر ہے۔ ایک نماز رات کی اور دو نمازیں دن کے دونو طرف یعنی سورج نکلنے سے پہلے اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے۔ لیکن آئت ۵ میں رات کی نماز کو نافلہ قرار دیا ہے اس لئے باقی دو وقت رہے

آگے آیات ۶ تا ۱۵ میں صرف دو نمازوں کا ذکر ہے جو دن کے دونو طرف واقع ہیں۔ لفظ "نافلہ" سے معلوم ہوا کہ نفل نماز خاص نماز کی طرح ادا ہوسکتی ہے

(ب) آیات ۸ و ۹ و ۱۰ میں پہلے نبیوں کی نماز کا ذکر ہے ان کے بھی دو ہی اوقات تھے آیات ۸ و ۹ میں حضرت زکریاؑ کی نماز کا بیان ہے ایک میں اُن کیلئے خدا تعالیٰ کا حکم ہے دوسری میں اُنہوں نے اپنی قوم کو انہی دو نمازوں کا امر کیا ہے۔ آیت ۱۰ میں حضرت داؤدؑ کی نماز کا بیان ہے۔ آیات ۱۱ و ۱۴ میں ہمارے رسول اکرم کو بھی دو ہی نمازوں کا حکم دیا گیا ہے

(ج) آئت ۱۲ میں دن کے دو طرف کا ذکر ہے، دوپہر یعنی نصف النہار کا وقت دن کا وسط ہوتا ہے اور زوال کے بعد دن کی پچھلی طرف شروع ہوتی ہے - اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے اس پچھلی طرف کی انتہا رات کے تاریک ہونے تک مقرر کی ہے۔ گویا دن کی پچھلی طرف زوال آفتاب کے بعد سے رات کے اندھیرے ہوجانے تک ہے جیسا کہ آئت ۶ سے واضح ہوجاتا ہے۔ اسی قیاس سے پہلی طرف دوپہر سے قبل ہونی چاہئے۔ پہلی طرف فجر سے یعنی صبح صادق سے شروع ہوتی ہے۔ نماز کیلئے یہ دونو وقت خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے بہت کھلے رکھے ہیں، افضل وقت سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے ہے لیکن اگر ان دونو کھلے حصّوں میں کسی اور وقت بھی نماز ادا کی جائے تو جائز ہے مثلاً پہلی طرف کی نماز اشراق یا ضحیٰ کے وقت بھی ہوسکتی ہے اور پچھلی طرف کی نماز مغرب یا رات کی تاریکی یعنے عشا تک - آئت ۱۹ سے ثابت ہوتا ہے کہ فجر کی نماز سے پہلے اور عشا کی نماز کے بعد غلام اور بچے اجازت لیکر آئیں اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ یہ وقت مُعیّن ہو۔ پس عشا "غسق اللیل" کے بعد تک نہیں۔ ورنہ اجازت لیکر آنے کیلئے کوئی مُعیّن وقت نہ رہیگا۔ الحاصل دن کے دو طرف کی نماز اگرچہ طلوع سے پہلے اور غروب سے پہلے افضل ہے لیکن پہلے حصّے کی نماز اشراق یا ضحیٰ کی صورت میں بھی جائز ہے اور دوسرے حصّے کی نماز مغرب یا عشا کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے

(د) جس جگہ جمع کے صیغے کے ساتھ عام لوگوں کو نماز کا حکم دیا گیا ہے وہاں دو وقت سے زیادہ کا کبھی اَمر

کی شام اور صبح تسبیحیں کر ۳۱/۱۲

(۹) (حضرت زکریاؑ نے اپنی قوم کو فرمایا) کہ تم صبح وشام خدا کی تسبیحیں کرو ۱۶/۴

(۱۰) تحقیق ہم نے (اہل) جبال کو اس (حضرت داؤد) کے ساتھ کام میں لگا دیا۔ وہ پچھلے پہر اور دن چڑھے تسبیحیں کہتے تھے ۳۳/۱۱

(۱۱) سو تو صبر کر۔ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہ کیلئے بخشش مانگ (یہ عام نماز ہے آگے خاص نماز کا حکم ہے) اور شام اور صبح کو اپنے رب کی حمد کیساتھ تسبیحیں کر ۲۴/۱۱

(۱۲) اے ایمان والو! خدا کو بہت یاد کرو (یہ عام نماز ہوئی۔ آگے خاص نماز کا حکم ہے) اور صبح وشام اسکی تسبیحیں کرو ۲۲/۲

(۱۳) اور (تاکہ) تم صبح وشام اس (خدا) کی تسبیحیں کرو ۲۶/۹

(۱۴) اور تو اپنے رب کو اپنے جی میں گڑگڑا کر، ڈر کے ساتھ اور پست آواز سے صبح وشام یاد کر اور غافلوں سے نہ ہو ۹/۱۴

(۱۵) جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ طوعاً وکرہاً اور اُن کے سائے بھی صبح وشام اللہ کو سجدے کرتے ہیں ۱۳/۸

(۱۶) ان میں صبح وشام تسبیحیں کرتے ہیں ۹/۱۱

(۱۷) اور تو لوگوں کو جو اپنے رب کی ذات کے طالب ہو کر صبح وشام اسکو پکارتے ہیں نہ نکال۔ ان کے حساب سے تیرے ذمہ کچھ نہیں اور تیرے حساب سے اُن کے ذمے کچھ نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ انہیں نکال کر تو ظالموں میں سے بن جائے ۷/۱۲

(۱۸) اور تو ان لوگوں کی معیت میں اپنے آپ کو قائم رکھ جو خدا کی ذات کے طالب بن کر صبح وشام اسکو پکارتے ہیں اور دنیا کی سجاوٹ چاہتے ہوئے تیری آنکھیں اُن سے نہ پھر جائیں اور اُس شخص کا کہا نہ مان، جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور (کیوں غافل کر دیا ہے؟ اس لئے کہ) اس نے اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کی اور اس کا کام حد (انصاف) سے نکلا ہوا ہے ۱۵/۱۴

(۱۹) اے ایمان والو! چاہئے کہ وہ لوگ جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے اور وہ جو تم میں سے ابھی بلوغ کو نہیں پہنچے تین وقت تم سے اذن لیکر آئیں۔ صبح کی نماز سے پہلے، جب تم دوپہر کو اپنے کپڑے اتارتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں ۱۸/۱۴

(۲۰) خدا وہ ہے جس نے رات اور دن کو اُس شخص کے لئے جو غور کرنے اور شکر کرنے کا ارادہ کرتا ہے ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا ہے ۱۹/۲

(۲۱) سو جب تو فارغ ہو تو گڑگڑا، اور رب کی طرف لگ جا ۳۰/۱۹

(۲۲) سو جب تم شام کرتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو (یعنے جب تم تکان اور آرام کے انقلاب سے گذرتے ہو) تو اللہ (ہر تغیر سے) پاک ہے اور آسمانوں اور زمین میں (ہر وقت) اس کے لئے حمد ہے اور پچھلے پہر اور جب تم دوپہر کرتے

(۲) اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو فرماتا ہے:۔

اور تو (خدائے) عزیز و رحیم پر توکل کر۔ جو تجھے دیکھتا ہے جب کہ تو (اس کے حضور میں) کھڑا ہوا اور نمازیوں میں تیرے پھرنے کو (بھی دیکھتا ہے) بلاشبہ وہ سنتا جانتا ہے پ۱۹ ان آیات بیّنات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم خود بھی نماز پڑھتے۔ اور نمازیوں میں جاکر انہیں تاکید بھی کرتے تھے۔ کہ اٹھو! خدا تعالیٰ کو پکارو۔ خدا تعالیٰ آپ کے اس عمل کو پسند کرتا، اور فرماتا ہے:۔ ضرور میرے آگے فریادیں کرو۔ میں سمیعٌ علیمٌ ہوں

خدا نے رسول کو حکم کیا ہے:" اپنے اہل کو نماز کا امر کر اور خود اس پر قائم رہ"۔ حضرت اسمٰعیلؑ بھی اپنے اہل و عیال کو نماز و زکوٰۃ کا امر کیا کرتے تھے

گھروں میں اپنے اہل و عیال کو ساتھ لیکر نماز پڑھنا۔ اور عام ذکر الٰہی کرنا کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

(الٰہی ہدایت کیلئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ وہ) گھروں ہی میں (مل جاتی ہے) جن کو (اصلاح کے ذریعے) بلند کرنیکا اور ان میں خدا کے نام کے ذکر کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ ان (گھروں) میں صبح و شام ایسے مرد (اپنے عیال کے ساتھ) خدا کی تسبیحیں کرتے ہیں۔ جن کو نہ کوئی سوداگری اور نہ کوئی خرید و فروخت اللہ کا (عام) ذکر اور خاص نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل کرتی ہے۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دلوں اور آنکھوں کی حالت بدل کر کچھ اور ہی بن جاتی ہے پ۱۸

اپنے اہل و عیال کو نماز کا امر کرتے رہنا چاہیئے۔ اگر بیوی نصرانی یا یہودی بھی ہو تو اسے بھی کہنا چاہیئے کہ تم خدا پرست لوگ ہو۔ خدا کی نماز ادا کرو

(۳) جو اہل جبال حضرت داؤدؑ کے ماتحت کام کرتے تھے وہ انؑ کے ساتھ پچھلے پہر (چھٹی کے وقت) اور سورج نکلے (یعنی کام شروع کرتے وقت) تسبیحیں کہتے تھے پ۲۳

اس کے مطابق اگر تمام محکموں۔ دفتروں۔ سکولوں۔ کارخانوں اور دکانوں میں مختلف مذاہب کے لوگ مل کر محبت کے ساتھ، کام شروع کرتے وقت اور رخصت کے وقت دعائیں مانگیں تو یہ بڑی محبت و برکت کا باعث ہو جائے

(۴) رسول کریم مسلمانوں کو خود نماز پڑھانے کے لئے بلایا کرتے اور مشاورت کے دن ساتھ ہی نماز بھی پڑھاتے تھے حضورؐ کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا کمال شوق تھا۔ سفر میں عین خطرے کے وقت اپنے مسلح ساتھیوں کو بھی نماز پڑھا دیتے تھے۔ یہ سب انتظام اتحاد و شوریٰ کے علاوہ خود نماز کے جاری اور قائم رکھنے کے لئے تھا۔ جماعت کسی کام کی جرأت دلانے اور سستی دور کرنے کا مؤثر علاج ہے

حاصل یہ کہ جو لوگ تنہائی میں نماز ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ باجماعت نماز پڑھیں خواہ وہ جماعت

نہیں ہوا۔ دیکھو آیات ۹ و ۱۲ و ۱۳

(ھ) اس بیان سے واضح ہے کہ جس آیت میں فجر و عشا کا ذکر ہے اس پر عمل کرنے سے دو نو ہی طرف کی نماز ہو گئی جس میں اشراق اور عشی کے الفاظ ہیں اس پر بھی عمل کرنے سے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے علیٰ ہٰذا القیاس تمام آیات دو طرفہ نمازوں ہی کا اظہار کرتی ہیں۔ قرآن مجید کا طرز بیان نہایت ہی احسن ہے خلط ملط کر کے کچھ کا کچھ بنا لینا جائز نہیں

(و) آیت میں اوقات کے تقرر کا ذکر ہے اس تعین کو نگاہ رکھنا بہت اچھا ہے لیکن اگر کوئی شخص ایک وقت کی نماز سے غفلت یا سستی کر جائے یا کسی سبب سے مجبور ہو یا قطبین کے قریب بسنے کے سبب طلوع و غروب کا پتہ نہ لگا سکے، تو ان سب صورتوں میں جائز ہے کہ دن کی نماز رات کو اور رات کی نماز دن کو ادا کر لے۔ آیت ۳۹ کے مطابق جب فراغت پائے پڑھ لے

نماز ایک نعمت عظمیٰ ہے اگر دیگر ضروری فرائض کے ترک کرنے کے بغیر یہ دن میں پانچ بلکہ سات بلکہ آٹھ نو یا زیادہ دفعہ ادا کی جائے تو بھی تھوڑی ہے۔ جو لوگ پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ اگر ممکن ہو تو تہجد و اشراق و ضحیٰ بھی پڑھیں لیکن جو لوگ دن میں دو دفعہ بھی نماز نہیں پڑھتے اُن پر افسوس ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس قدر سہولتیں کر دی ہیں، باوجود ان کے پھر بھی غفلت کرنا بہت بُرا ہے۔ سچ ہے ؎

زندگی، بے بندگی، شرمندگی

جماعت | نماز تو وہی ہے جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ یہ تنہائی میں بخوبی ادا کی جا سکتی ہے۔ بندہ خدا تعالیٰ کی صفات و افعال پر بڑی توجہ سے اُس کی طرف دھیان لگانے میں روز بروز ترقی کر سکتا، اس کے آگے اپنی کمزوریوں کو پیش کر کے اُن کی اصلاح کا خواہاں بن سکتا، خدا تعالیٰ سے اصل ہدایت اور صحیح سمجھ مانگ سکتا، اور تمام مخلوقات کی بہتری دل سے چاہ سکتا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان آزاد ہو کر لاپرواہ ہو جاتا، لیت و لعل میں اپنا وقت گذار دیتا اور ٹال مٹول کی عادت پیدا کر لیتا ہے۔ اکثر لوگ خود کوئی کام کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اگر کوئی دوسرا اپنی معیت اور امامت میں اُن سے کوئی کام کرائے تو کر لیتے ہیں جب وہ عادی ہو جائیں تو معینہ صورتیں اور راستے بھی اس کام کے کرنے میں ممد ہوتے ہیں اگر سچا شوق ہو تو رسم کے ساتھ اصل حقیقت کو بھی قائم رکھا جا سکتا ہے۔ خود قرآن میں نماز کو جاری کرنے اور قائم رکھنے کے لئے کئی ایک ہدایات موجود ہیں مثلاً

(۱) قرآن مجید نماز کے بڑے بڑے فوائد بتاتا اور غافلوں کی سخت مذمت کرتا ہے۔ نماز کو ضائع کرنے والوں اور اس سے روکنے والوں کے لئے سخت وعید آئے ہیں۔ ایسے لوگ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں۔ ایسے فرامین پر غور کرنے سے بالضرور نماز کی محبت پیدا ہو گی۔ اور انسان کسی نہ کسی طرح سے اُسے ادا کرنے لگ جائیگا۔ ذکر الٰہی سب سے بڑی چیز ہے

لئے بلائے۔ اس دن کو یوم الجمعۃ کہتے ہیں۔ اس روز حاکم جس وقت بلائے اور جن کو بلائے انہیں سب کام کاج چھوڑ کر حاضر ہوجانا ضروری ہے۔ ایسے امر جامع سے بلا اجازت غیر حاضر رہنا یا واپس چلے آنا جائز نہیں۔ حاکم کو اختیار ہے جسے چاہے اجازت دے، جسے چاہے اجازت نہ دے۔ ان مجالس میں بھی مقدم کام نماز کا ادا کرنا ہوتا تھا۔ نماز کے پہلے یا پیچھے تقریریں، مقدمات یا اور ضروری کام کئے جاتے تھے

اذان | ان مجالس میں بلانے کے لئے لوگوں کو اطلاعات دی جاتیں اور منادی کرائی جاتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:-

(۱) اذا نادیتم الی الصلوٰۃ (۲) اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع

(۳) ویدعون الی السجود

یہ ندا اور دعوت جلسہ کے منتظمین مختلف طریق سے عمل میں لاتے ہیں کہیں خط بھیجے جاتے ہیں۔ کہیں اشتہار دیئے جاتے ہیں اور کہیں منادی کرائی جاتی ہے۔ قرآن مجید کے مبارک الفاظ سے ان سب طریقوں کی اجازت نکلتی ہے مسلمانوں میں جو اذان کا طریق مروّج ہے اس میں کوئی ہرج نہیں

طہارت | قرآن مجید کی اصلاحات، وحی الٰہی سے ہیں۔ وحی کے لحاظ سے ہمارے لئے قرآن مجید کافی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ عقل و شوریٰ سے کام نہ لیا جائے اور جہاں حکموں سے فیصلہ کرانا ضروری ہو وہاں اُن کے فیصلوں کو یونہی ٹھکرا دیا جائے ہرگز نہیں

وہ کون ہے جو علم حساب، علم طب اور دیگر علوم کی نئی نئی تحقیقات سے اس لئے لاپروائی کرے کہ ان کی تفصیل قرآن مجید میں نہیں ملتی، وہ کون ہے جسے حکّام کے آگے مقدمات پیش کرنے کی ضرورت نہیں؟ وہ کون ہے جسے اطبّا کے مشوروں پر چلنے کی حاجت نہیں، طبیبوں کے حکم سے بعض دفعہ نہایت مکروہ اور قے آور چیزیں بھی کھانی پڑتی ہیں۔ خارش کے دفعیہ کیلئے لوگ گندی نالیوں میں بھی نہاتے ہیں۔ انسانی زندگی اور بنیادی نیکی کے قیام کیلئے تمام ادنیٰ باتوں کو قربان کر دیا جاتا ہے

پھر وہ کون ہے جسے جنگ اور جہانداری کے نئے نئے قواعد سیکھنا اور ان پر چل کر مناسب فائدہ اٹھانا ضروری نہیں؟ قرآن مجید کے ساتھ عقل و شوریٰ سے کام لینا بھی اشد ضروری ہے۔ وہ لوگ جو عقل نہیں کرتے۔ خدا تعالےٰ ان پر پلیدگی ڈال دیتا ہے۔ وہ بہرے، گونگے، جو عقل نہیں کرتے تمام جانداروں سے بدتر ہیں (انفال)

الحاصل، ہمارے لئے حفظانِ صحت کے قوانین کا سیکھنا اور ان پر عمل کرنا لازم ہے، صفائی نہایت ہی عمدہ چیز ہے، خدا تعالیٰ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا اور نجاست سے دور رہنے کا حکم دیتا ہے۔ جسم، لباس، بستر، مکان، سامان، کھانے پینے کی چیزوں اور ہوا کی صفائی صحت کیلئے نہایت ضروری ہے۔ اس سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا بہت بُرا ہے۔ خدا تعالےٰ نے ہلاکت میں پڑنے سے بتاکید روکا ہے

شیعہ کی ہو یا سنّی کی، اہل قرآن کی ہو یا اہل حدیث کی

اس بات کا ہمیشہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ اگر کسی جگہ صرف خدا تعالیٰ کے آگے جھکنے والے لوگ اکٹھے نماز ادا کرتے ہوں تو کوئی شخص الگ نماز نہ پڑھے۔ اگر ایسے ان کے سامنے اپنی نماز پڑھنا ہو تو ان کے ساتھ شامل ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جھکنے والوں کے ساتھ جھک جاؤ

خاص نماز کی ادائگی میں آسانی پیدا کرنے کیلئے مسلمانوں میں مسجدوں کا موجود ہونا بھی بڑا ممد ہے جہاں موقعہ ملا بہت نماز پڑھ لی۔ اس وقت نمازیوں کی آسایش کیلئے مسجدوں میں موسم کے مطابق آرام کے سامان بھی مہیا کئے جاتے ہیں، گرم اور سرد پانی موجود رہتا ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے بہت کم مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ وجہ اس کی ظاہر ہے : اکثر مسلمان معقول پسند نہیں۔ وہ کسی کام کو اس کے اعلے نتائج کے لحاظ سے نہیں کرتے، صرف رسمی طور پر بجا لا کر اپنے آپ کو ثواب کے مستحق سمجھ لیتے اور اسی پر قانع رہتے ہیں، یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ ان اعمال سے ہم نے رُوحانی طور پر کوئی ترقی بھی کی ہے یا نہیں

جماعت سے ادائے نماز کی سہولت کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ آپس کے میل جول سے محبّت و اتحاد پیدا ہو سکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم مسلمان جماعت سے بجائے اتحاد کے فساد کا کام لیتے ہیں اختلافِ آراء جو ایک لابُد چیز ہے۔ اس کے سبب سے ہم میں کدُورت پیدا ہوتی ہے ہم ایک دوسرے کو مل کر بجائے خوش ہونے کے ناراض ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ مسجدوں میں نہ آئیں

مسجدوں میں آزادیٔ رائے قریبًا مفقود ہوتی ہے۔ ہندو، سکھ، عیسائی، آپس میں معقول نتائج کے لحاظ سے اتحاد کر لیتے ہیں۔ ان میں باقاعدہ قومیتیں قائم ہو گئی ہیں لیکن ہمارے ہاں معقول نتائج کے لحاظ سے کوئی عام اتحاد قائم نہیں۔ ہمارا نظام بالکل بکھرا ہوا ہے۔ ہم میں جبتک کوئی مسیح، مہدی، مجدّد یا پیر طریقت بن کر سامنے نہ آئے۔ تب تک لوگ اکٹھے ہو کر کام کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ اس طرح سے مسلمانوں میں تفریق بڑھتی ہے مسیح، مجدّد اور پیر طریقت پیدا ہو کر مسلمانوں میں سے چند لوگوں کو الگ کر کے باقیوں کو کافر بنا دیتے ہیں۔ ملک میں خونریزی پھیلانے کیلئے مہدی بن کر جہلا کو بھڑکا کر ساتھ ملا لیتے ہیں۔ لیکن جس طرح یورپ و امریکہ میں معقول بناء پر قومی مجالس شوریٰ قائم ہیں، ہماری جہالت پسندی کے سبب ہم میں کوئی ایسی مجلس نہیں بن سکتی کیونکہ مُلّا اور جاہل پیر اصلاحی انجمنوں کو نہیں چاہتے۔ ہماری اس نالائقی سے دوسرے لوگ بھی بڑا فائدہ اُٹھاتے ہیں

ادائے نماز میں "جماعت" سہولت پیدا کرنے کیلئے ہے، خود داخلِ نماز نہیں۔ جو شخص اکیلا نماز پڑھنا چاہے وہ خشوع خضوع کے ساتھ تنہائی میں بھی نہایت عمدہ طور پر نماز پڑھ سکتا ہے لیکن جو لوگ تنہائی میں نماز ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں ان کے لئے جماعت بڑی سہولت کا موجب ہے

قرآن مجید میں مسلمانوں کو مشاورت کی بڑی تاکید آئی ہے۔ رسُول ؐ کو بھی لوگوں کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم تھا۔ مجالس شوریٰ کے لئے بالضرور کوئی دن مقرر کیا جائے۔ حاکم کو اختیار ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک یا دو دفعہ یا جب چاہے شوریٰ کے

جو ہماری نسبت سے گندہ اور مُضر ہیں خدا تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتیں۔ وہ سب چیزوں کا خالق اور مالک ہے۔ گندگی کا کیڑا بھی اُسے پکارتا ہے اور مُردار خوار گدھ بھی اس کی تسبیح کرتا ہے (کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ)

اگر ہم اپنا مُنہ ہزار مُشک وگلاب سے دھوئیں، تو بھی خدائے قُدّوس کے آگے پلید ہی ہوتے ہیں۔ ہم کیا ہیں؟ بلغم، خون، صفرا اور سودا وغیرہ کا مجموعہ! ہم نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم نطفہ کے زیچ کے کیڑے ہیں پھر ہم کس طرح خدا کے آگے پاک ٹھہر سکتے ہیں؟

ہم کپڑے پہنے ہوئے بھی اس کے حضور میں ننگے ہیں۔ وہی ہمارے اندر باہر یکساں دیکھتا اور حفاظت کرتا ہے بلاشبہ ہمیں خاص خدا تعالیٰ کی نماز پاک دل اور نیک خیال کے ساتھ فارغ ومطمئن ہو کر ہی ادا کرنا چاہئے لیکن اگر کوئی شخص ظاہری میل کچیل سے لتھڑا ہوا فراغت واطمینان کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور خشوع وخضوع سے نماز ادا کر لے تو وہ اس شخص سے ہزار درجہ بہتر ہے جو ظاہری پاکیزگی میں تو خوب مبالغہ کرتا ہے لیکن اس کا دل غافل ہے۔ فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللّٰہ، ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا اور الذین کانت اعینھم فی غطاء عن ذکری وغیر ذٰلک من الآیات

ظاہری پاکیزگی کا تعلق ہمارے اپنے جسموں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ضرور ہے۔ اگر ہم خود گندے ہوں تو دوسروں کو تو اپنی پلیدگی کا ضرر ہرگز نہ پہنچانا چاہئے۔ گندگی اور ناشائستگی کے ساتھ باجماعت نماز سے الگ رہنا لازم ہے۔ جماعتوں میں چونکہ مناسب وقت کیلئے مل کر بیٹھنا پڑتا ہے اس لئے وہاں صفائی کا اور بھی زیادہ اہتمام ہونا ضروری ہے

مروجہ تیمم عاجزی کے نشان کا کام تو ضرور دے سکتا ہے لیکن نجاست اور غلاظت کو دُور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں، جس تیمم کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہ کچھ نہ کچھ پاک کرنے کا ضرور ذریعہ ہے، ولکن یرید لیطھرکم

اب کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جنب کا اور عام طور پر نجاست سے آلودہ شخص کا تمام جسم صرف مُنہ ہاتھوں ہی کو خاک آلودہ کرنے سے پاک ہو سکتا ہے اور دوسروں کو ضرر پہنچانے والی غلاظت اس سے الگ ہو سکتی ہے؟ ایسے خیالی تیمم کے ساتھ اکیلا نمازی بلاشبہ تنہا نماز پڑھ سکتا ہے لیکن ایسے مُضر اور قابل نفرت حالات کے ساتھ باجماعت نماز کے پاس نہیں جا سکتا یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں باجماعت نماز ہی کے لئے وضو، غسل اور اصلی تیمم کا ذکر آیا ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا

یہ ظاہر ہے کہ جس نماز کی طرف بلایا جائیگا یا جس نماز کی طرف اُٹھ کر جانے کا حکم ہوگا یا جس نماز کے قریب جانے سے منع کیا جائیگا وہ نماز باجماعت ہی ہو گی۔ تنہائی کی نماز میں ان باتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگرچہ صفائی وستھرائی تنہائی کی نماز کے لئے بھی بہت ہی بہتر ہے لیکن وضو وغسل کا یا مناسب طور پر پاک خاک سے صفائی حاصل کرنے کا حکم خاص باجماعت نماز ہی سے تعلق رکھتا ہے، عام وخاص ذکر الٰہی تو نزول قرآن ہی کے ساتھ چلا آیا ہے الحمد شریف جو سب سے پہلے نازل ہوئی ہے ایک بے مثل دعا ہے، لیکن وضو وغسل وتیمم کی آیات اس وقت کی ہیں جب جمعہ وجماعت کا باقاعدہ انتظام ہوا

پھر ہمارے پلید اور نا صاف رہنے سے دُوسروں کو گھن آتی ہے اور یُوں اُنہیں ہم سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں ان کی صحت پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔ لوگوں کو بلا وجہ ایذا دینے سے ہمیں روکا گیا ہے

یہ بھی یاد رہے کہ جسمانی طہارت سے مُراد کوئی رسمی اور وہمی طہارت نہیں۔ لوگ اختلاف عقائد کے سبب ان لوگوں کو بھی پلید جانتے ہیں جو اصلی صفائی اور پاکیزگی کا پُورا لحاظ رکھتے ہیں۔ وہی لوگ ایک دُوسرے کے سائے سے بھی بھاگتے ہیں

جس پانی میں ہیضہ یا کسی اور بیماری کے کیڑے ہوں وُہ پانی یقیناً پلید ہے اگرچہ بظاہر وُہ نہایت ہی صاف معلوم ہوتا ہو۔ یہی حال اُن کپڑوں اور بستروں وغیرہ کا بھی ہے جو متعدی امراض کے اثرات سے آلودہ ہوں۔ ہر شخص اپنے علم و فہم اور وسعت کے مطابق ان سے بچے اور اگر خود ان سے آلودہ ہونا پڑے تو دُوسروں کو تو ان کے اثرات سے بچائے۔ ایسے مریضوں کے تیماردار مسجدوں میں نہ جائیں اور نہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اپنے گھروں میں اکیلے ہی نماز پڑھ لیں

الغرضؔ پاکیزگی بذات خود ایک اچھی چیز ہے۔ اس کی ہر وقت ضرورت ہے۔ آدمی جب بھی بول و براز سے فارغ ہو تو اگر وُہ اپنی آلودہ جگہ کو پانی سے دھو ڈالے تو یہ بہت ہی عمدہ بات ہے اور اگر کبھی چیتھڑوں یا ڈھیلوں وغیرہ کے ذریعے صفائی حاصل کرلے تو وُہ بھی جائز ہے

اسی طرح اگر کوئی شخص غلاظت اُٹھانے کا کام کرے تو جزؤاً یا کلاًّ جیسی ضرورت ہو غسل کرلے۔ غلاظت اور نجاست جہاں تک ہو سکے اپنے سے دُور کرے (والرجز فاھجر)۔ کپڑوں کو بھی پاک کرے (وثیابك فطھر)

یہ عام صفائی ہر وقت لازم ہے۔ اس سے غفلت کرنے والا اپنے آپ کو اور دُوسروں کو ضرر پہنچاتا ہے۔ مگر یہ صفائی نماز میں داخل نہیں، یہ ایک الگ ضروری چیز ہے، جو شخص اس سے غفلت کرتا ہے اس کے لئے یہ ضرور نہیں کہ اس پر عامل نہ ہونے کے سبب تنہائی کی نماز کو بھی چھوڑ دے۔ ذکر الٰہی دل کو پاک کرنے والا ہے یہ کہاں کی دانائی ہوگی کہ جو شخص ظاہری پاکیزگی سے غفلت کرتا ہو وُہ باطنی پاکیزگی کو بھی ترک کردے اور اس طرح ظاہراً و باطناً دو طرح پلید ہو جائے؟

حیض و نفاس والی عورت کو تنہائی کی نماز سے روکنا بھی قابل افسوس امر ہے۔ نیز جس شخص کے ہاتھوں اور مُنہ پر ایسے زخم ہوں جن کے سبب سے اُسے پانی اور مٹی ہر دو کا استعمال مضر ہو۔ اُسے وضو و غسل و تیمم نہ کرسکنے کے سبب تنہائی کی نماز سے منع کردینا نہایت ہی حیرت انگیز بات ہے

خدا تعالیٰ کا نام سب سے اعلےٰ و اکبر اور ابقیٰ و اقدس ہے، وُہ تمام موجودات سے خیر ہے۔ خدا کے نام کی بے ادبی کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ لیکن گندگی میں بیٹھے ہوئے اگر قبض ستائے تو خدا ہی کے آگے فریاد و زاری کی جاتی ہے اور اس عاجزی و فریاد کی حالت میں بے ادبی کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ دایہ اور ڈاکٹر کے آگے اپنی برہنگی کھولنا اس کی کسی بے ادبی پر دال نہیں ہو سکتا

ہمیں ہر حال میں خدا تعالیٰ کی ضرورت رہتی ہے۔ ایک وہی ہے جو کسی حال میں ہم سے جُدا نہیں ہوتا۔ ظاہری غلاظتیں

دیا گیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تیمم جس میں منہ اور ہاتھوں کو خاکستر سے پاک کرنے کا حکم ہے کسی صورت سے بھی اس غسل کا قائم مقام نہیں ہو سکتا جس میں منہ ہاتھ کے علاوہ باقی بدن بھی دھویا جاتا ہے

(۲) لاتقربوا الصلٰوۃ الخ یعنی اے ایمان والو! تم (باجماعت) نماز کے پاس نہ جاؤ۔ جس حال میں کہ تم مخمور (بدمست) ہو جب تک کہ نہ جانو کہ تم کیا کہ رہے ہو (اس قسم کے حالات کے اندر جماعت کے پاس جانے میں بدامنی اور خلل کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر تمہاری یہ حالت نہ ہو بلکہ تم کو اپنے ہوشیار اور بے ضرر ہونے پر پورا اعتماد ہو تو اس وقت دیکھو کہ کیا تمہاری جسمانی طہارت کی حالت ایسی خراب تو نہیں کہ اس کی وجہ سے لوگ تم سے بیزار ہوں یا انہیں تمہارے میلے پن کے سبب اپنی صحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو تمہیں اپنے بدن کو اچھی طرح سے جزاً یا کلاً جس طرح بھی ضروری ہو دھو کر باجماعت نماز میں جانا چاہئے جیسا کہ ارشاد ہے) اور نہ اس حال میں (باجماعت نماز کے پاس جاؤ) جبتک کہ تمہاری حالت جماعت میں جانے سے بیگانہ ہے۔ جبتک کہ تم اپنا بدن دھو نہ لو۔ الّا اٰنکہ تم کو عبور کرتے ہوئے (اگر بہ مجبوری پاس سے گذر جاؤ تو اجازت ہے) اور اگر (تمہاری حالت جماعت میں شامل ہونے سے اس طرح سے بھی بیگانہ نہیں یعنی تم جنب نہیں بلکہ تمہیں عام صفائی حاصل ہے یا بغیر پانی کے بھی کسی سہل طریق سے حاصل ہو سکتی ہے یعنی) تم مریض یا مسافر ہو یا کوئی تم میں سے جائے ضرور سے آئے یا تم عورتوں سے ملو۔ پھر پانی نہ پاؤ (اور یہ یاد رہے کہ پانی کا مضر ہونا بھی اس کے نہ ملنے کے برابر ہے) تو تم پاک خاکستر کا قصد کرو۔ پھر اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کو ملو (لیکن اگر تمہیں ان چار حالات کے سوا جماعت میں جانے کے لائق پاکیزگی حاصل ہو اور منہ ہاتھ دھونے کیلئے پانی نہ ملے تو ایسی صاف حالت میں خواہ مخواہ تیمم کی کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی) بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے ۴۳

"تم (فلاں فلاں حالت میں) نماز کے قریب نہ جاؤ"۔ میں بھی نماز کے پاس نہ جانے سے قرب مکانی ہی کی ممانعت ہے۔ مطلب یہ کہ جہاں نماز ہوتی ہو ۔ اس نماز کے پاس سکارٰی اور جنب ہونے کی حالتوں میں نہ جاؤ ۔ شامل ہونا تو درکنار ۔ اس جگہ الصلٰوۃ سے مراد باجماعت نماز ہی ہے جس کے نزدیک جانے سے منع کیا گیا ہے' بوجوہ ذیل :۔

(۱) زنا ایک بہت بری چیز ہے۔ اس کے مبادیات و محرکات مثلاً بدخیالی' بدنظری' بدکلامی' بیحیائی وغیرہ بھی بہت برے ہیں اس لئے زنا کے پاس نہ جانے کے بلاشبہ یہ معنے ہیں کہ تم زنا کے محرکات اور مبادیات سے بھی بچو۔ تاکہ بڑھتے بڑھتے زنا کے قریب نہ پہنچ جاؤ۔ لیکن نماز جو بیحیائیوں اور نامعقول باتوں سے روکنے والی ہے اس کے محرکات و مبادیات بھی بہت عمدہ ہیں اس کے محرکات و مبادیات سے روکنا قطعاً غلط ہے پس نماز کے پاس جانے کی ممانعت سے اس نماز کے پاس جانے کی ممانعت مراد ہے جسکو باجماعت ادا کرنے کیلئے لوگ جمع ہوں

وہ نماز جس کی طرف آدمی جاتا ہے کسی جگہ میں ہوتی ہے اس لئے اس نماز سے "موضع العبادت" مراد لی جاتی ہے راغب کہتا ہے :۔　　ولیسمی موضع العبادۃ "الصلاۃ"۔　　ولذالک سمیت الکنائس صلوات
لقوله تعالیٰ لهدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومساجد"

قرآن پاک میں وضو، غسل اور تیمم کا ذکر (۱) سورۂ مائدہ اور (۲) سورۂ نساء میں ہے

(۱) واذا قمتم الی الصلوٰۃ الخ (یعنی) اے ایمان والو! جب تم اُٹھ کر (با جماعت) نماز کی طرف چلو تو اپنے مُنہ اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو ڈالو۔ اور اپنے سروں پر اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں کا مسح کرو۔ اور اگر (اس وقت) تمہاری حالت جماعت سے الگ رہنے کی ہو تو خوب طرح پاک ہو جایا کرو (اگر کپڑوں کے دھونے کی بھی ضرورت ہو تو انہیں بھی دھولو) اور اگر وضو کے وقت تمہاری حالت جماعت کی شمولیت کے لائق ہو۔ اجنبی و بیگانہ حالت نہ ہو۔ لیکن) تم مریض ہو یا بر سرِ سفر ہو یا کوئی تم میں سے جائے ضرور سے آئے (اس میں یہ سکھایا ہے کہ قضائے حاجت کیلئے اکیلے اکیلے بیٹھا کرو) یا تم عورتوں سے ملو۔ پھر تم پانی نہ پاؤ۔ تو (ان چار حالتوں میں) پاک (وخشک) مٹی کا قصد کرو۔ پھر اس سے اپنے مونہوں اور ہاتھوں کو ملو (لیکن ان چار حالتوں کے سوائے اگر تمہیں جماعت میں آنے کے لائق پاکیزگی حاصل ہو پر تمہیں پانی نہ ملے تو ایسی صاف حالت میں تیمم کی بھی ضرورت نہیں اور یاد رکھو کہ) اللہ تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے (کوئی کسر باقی نہ رہنے دے) تاکہ تم شکر گذار ہو ؀

ان پاک کلمات سے واضح ہوتا ہے کہ وضو، غسل اور تیمم کا حکم با جماعت نماز ہی کے لئے ہے جس کی طرف نمازی چل کر جاتا ہے

وضو میں مُنہ کا اور کہنیوں تک ہاتھوں کا دھونا ضروری ہے۔ آگے سر اور پاؤں کے مسح کا ذکر ہے۔ مسح کے مفعول پر ب آتی بھی ہے اور نہیں بھی آتی۔ پس "برؤسکم" محلاً منصوب ہے اگرچہ ب کے داخل ہونے کے سبب بظاہر مجرور ہے۔ ارجلکم (منصوب) کا عطف برؤسکم پر عطف برمحل ہے، یہ دونو امسحوا کے مفعول ہیں ایک پر مزید اہتمام کیلئے ب آئی ہے اور دوسرے پر نہیں

حاصل یہ کہ اپنے سر کا خوب طرح سے مسح کرو۔ مسح کا اثر کھوپری تک پہنچاؤ۔ لیکن پاؤں کو بے ضرورت سر کرتے رہنا ٹھیک نہیں۔ اس لئے ہاتھوں کو بھگو کر پاؤں کے اوپر ٹخنوں تک مل لینا کفایت کرتا ہے

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں پاک کرنا چاہتا ہے اگر پاکیزگی حاصل ہو تو وہمیوں کی طرح بار بار دھونے کی ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ اس صفائی سے ہمیں کسی تکلیف میں ڈالنے کا نہیں

تیمم میں پاک خاکستر سے غلاظت دور کرنا اور پاک ہونا ہی مقصود ہے۔ ولکن یرید لیطھرکم ؀۔ اندریں صورت اگر وضو میں مُنہ ہاتھ کی طرح سر کا دھونا ضروری ہوتا تو تیمم میں بھی سر کی صفائی کا کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور بیان کیا جاتا۔ اسی طرح اگر وضو میں مُنہ ہاتھ کی مانند پاؤں کا دھونا لازم ہوتا تو تیمم میں بالضرور پاؤں کی صفائی کا بھی ذکر آتا۔ پاؤں کی صفائی تو پاک خاکستر کے ملنے سے بلا تکلف اور بخوبی کی جا سکتی ہے حالانکہ مُنہ پر خاکستر مل کر صفائی کرنے میں تکلف بھی ہوتا ہے

چونکہ وضو میں مُنہ اور ہاتھوں کی طرح سر اور پاؤں کا دھونا ضروری نہ تھا اس لئے تیمم میں سر اور پاؤں کا ذکر چھوڑ

اگر کہیں کہ مرضٰی کا ذکر آگے آتا ہے تو کیا مسافر کا ذکر آگے نہیں آتا؟ اگر دوبارہ ذکر آنے کے سبب ایک مستثنیٰ کو ترک کر دیا گیا ہے تو اسی دلیل سے دوسرے کو لاکر کلام کو مشتبہ بنانے اور بے فائدہ تکرار کی کیا ضرورت تھی؟

پھر دیکھئے! اگر کوئی شخص جنب تو ہو لیکن مسافر و مریض نہ ہو تو اگر وہ بحالتِ بدامنی اپنی عصمت وجان کو بچانے کی خاطر اپنے ہی گھر میں بند ہو اور اس کے پاس نہانے کے لئے پانی نہ ہو تو کیا ایسا شخص بغیر غسل کے نماز پڑھے یا نہ پڑھے؟ اگر کہیں کہ وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو پھر عرض ہے کہ خداتعالیٰ نے تو جنب کیلئے صرف غسل کی حد ٹھیرائی تھی۔ آپ نے اس خدائی حد پر تیمم کی ایک اور حد کیسے لگا دی؟ آیت میں ہرگز جنب کا ذکر نہیں جنب کا ذکر حتّٰی تَغْتَسِلُوْا اور فاطھروا ہی پر ختم ہو گیا ہے۔ آگے تیمم کے لئے نئے حالات اور نئے شرائط کا بیان ہے۔ جنب کے لئے تیمم کا کوئی حکم نہیں۔ اگر آگے آنے والی شرائط جنب کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں تو آیت کے معنی یوں ہوں گے:۔

''اگر تم جنب کی حالت میں سفر پر ہو۔ یا تم جنب کی حالت میں مریض ہو' یا جنب کی حالت میں کوئی تم میں سے جائے ضرور سے آئے یا جنب کی حالت میں تم عورتوں سے مباشرت کرو اور ان حالتوں میں پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو'' الخ

اب آپ ہی بتلائیں کہ جنب کی حالت میں جائے ضرور سے آنا یا جنب کی حالت میں عورتوں سے صحبت کرنا کچھ معنے رکھتا ہے؟ یہ چاروں شرطیں ایک ہی حرفِ شرط کے ساتھ لائی گئی ہیں۔ اندریں صورت کیا یہ درست ہے کہ ان میں سے دو کے ساتھ جنب کی قید کو شامل کیا جائے اور باقی دو کو جنب کی قید کے بغیر سمجھا جائے؟ خدا تو خدا ہی ہے ایسا طرز کلام کسی عامی آدمی سے بھی زیب نہیں دیتا۔ لوگ خداتعالیٰ کے کلام پر معقولیت سے غور نہیں کرتے۔ فوراً حدیثوں، روایتوں، اقوال و اکاذیب کی طرف دوڑ جاتے اور کچھ کا کچھ بنالیتے ہیں

غسل و تیمم کی آیات میں لوگوں کے نزدیک جنب سے مراد ایسا شخص ہے جو اپنی بیوی سے مل کر پریشان کرنے والے شہوانی خیالات سے تسکین حاصل کر چکا ہو اور حیوان سے انسان بن چکا ہو

قرآن مجید کے نزدیک اپنی بیوی سے ملنے والا شخص اگر پانی نہ پائے تو وہ اپنے منہ اور ہاتھوں کو خاکستر سے پاک کر کے باجماعت نماز میں شامل ہو سکتا ہے لیکن بحکم قرآن، جنب غسل کرنے اور خوب طرح پاک ہو لینے کے بغیر باجماعت نماز کے پاس بھی نہیں جا سکتا۔ اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ جنب سے مراد ایسا شخص نہیں جو اپنے شہوانی خیالات سے تسکین پا کر ٹھنڈا ہو چکا ہو

جس شخص کے اندر شہوانی خیالات موجزن ہوں اور ذرا سی تحریک سے جوش میں آتے ہوں اس کے لئے جماعت میں جہاں عورتیں بھی ہوتی ہیں شامل ہونا اس وقت تک زیبا نہیں جب تک وہ نہا دھو کر ٹھنڈا نہ ہو جائے اور خوب طرح سے پاک نہ ہو لے۔ جنابت منی کو بھی کہتے ہیں

قرآن مجید میں جنب کا لفظ چار جگہ آیا ہے۔ دو جگہ سب نے بالاتفاق اس لفظ کے معنی اجنبی اور دور کے لئے

(۲) جو شخص ایسا مخمور و مست ہو کہ اُسے کچھ خبر نہ ہو کہ مَیں کیا کہتا ہُوں وہ اگر تنہائی میں دوسرے اشخاص کے بلے اطلاعِ نماز پڑھنے لگ جائے تو ایسے بیہوش اور خود فراموش آدمی کو ایسا حکم دینا یا اُس کی ایسی حالت کے متعلق پہلے ہی سے اُسے ایسا حکم دے رکھنا بالکل بیفائدہ و بے نتیجہ ہے۔ اگر کوئی مخمور شخص رات کے اوقات میں تنہا نماز پڑھنے لگ جائے تو اُسے کون روکنے آئے گا اور اس کی اس نماز سے کیا ہرج ہوگا؟ خدا تعالیٰ کی نظر دلوں پر ہے نہ کہ الفاظ پر۔ ہاں باجماعت نماز کے متعلق ایسا حکم ممکن اور مفید ضرور ہے کیونکہ دوسرے لوگ مخمور اور پاگل کو جماعت سے روک سکتے ہیں تاکہ نظام و سکون میں نقص واقع نہ ہو

(۳) جو لوگ جنب ہوں اُنہیں نماز کے پاس جانے سے اس وقت تک منع کیا گیا ہے جب تک وہ غسل نہ کرلیں اور خوب طرح سے پاک نہ ہولیں لیکن اگر ان کا راستہ مسجد میں واقع ہو یا جماعت کے پاس سے گذرتا ہو تو ایسے رستہ کو عبور کرتے ہُوئے بحالت مجبوری نماز کے پاس سے گذرنے کی ممانعت نہیں۔ اگر بات یہ ہے تو اس جگہ الصلوٰۃ سے باجماعت نماز ہی مراد ہے

مسجدوں میں ایسا راستہ بنانا اچھا نہیں۔ یہ اجازت صرف مجبوری کی صورت میں ہے لیکن جب اس مجبوری کا علاج ہوجائے تو اس وقت نماز کے پاس سے گذرنا بھی درست نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ مائدہ میں جو فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی جنب کے بیان میں "اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ" کا استثنا قطعاً چھوڑ دیا گیا ہے

اگر عابری سبیل سے محض سفر پر ہونا مراد ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ سُورۂ مائدہ میں اس کا ذکر نہ آتا جس طرح دوسری باتوں کا ان دونو آیات میں یکساں ذکر آیا ہے۔ اسی طرح اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کو دوسری جگہ نہ چھوڑا جاتا' اور اگر عابری سبیل میں محض سفر کا بیان ہے تو پھر آگے ساتھ ہی اسی ایک آیت میں دوبارہ سفر کا ذکر کیوں آیا ہے؟ کیا ایسی فضول تکرار کی کہیں اور بھی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کے فاعل سے جنباً حال واقع ہُوا ہے اسی حال سے عابری سبیل کا استثنا کیا گیا ہے۔ پس یہ بھی اسی فاعل سے حال ہے۔ اندریں صورت کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ تم جنب ہونے کی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ (شامل ہونا درکنار) ہاں اگر بہ مجبوری رستہ کو عبور کرتے ہوئے نماز کے پاس سے گذر جاؤ تو اس حال میں تمہیں اس کی اجازت ہے

ان آیات میں جنب کیلئے صراحۃً حکم ہے کہ جب تک غسل نہ کرلے اور خوب طرح سے پاک و صاف نہ ہوجائے' نماز کے پاس نہ جائے۔ پھر جو مستثنیٰ صورت تھی وہ بھی اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ فرما کر بیان کردی۔ اندریں حالت یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ یہ حکم مکمل نہیں بلکہ ابھی اس میں اور حد لگانے اور مستثنیٰ نکالنے کی ضرورت ہے؟ خدا تعالیٰ نے حد لگائی تو نامکمل اور استثناء کیا تو نامکمل۔ یاللعجب! کیا یہ دو باتیں کسی دانا کے کلام میں جمع ہوسکتی ہیں؟ حاشا وکلا

اگر عابری سبیل کے معنی یہ ہیں کہ جنب' سفر کی حالت میں بغیر غسل کرنے کے نماز پڑھ سکتا ہے تو کیا وہ مریض ہونے کی حالت میں بغیر غسل کے نماز نہیں ادا کرسکتا؟ اگر جنب' مرض کی حالت میں بھی بغیر غسل کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ نے تو جنب کی ایک حالت کو مستثنیٰ کیا تھا۔ آپ نے یہ دوسری حالت کیوں ساتھ ملادی؟

پانی کے نہ ملنے کی صورت میں تیمم کا حکم دیا ہے اور بس!
خدا تعالیٰ ہمیں پاک کرنا چاہتا ہے خواہ مخواہ کی تنگی اور وہم میں ڈالنا اسے منظور نہیں، وہ بلاشبہ عفو و غفور ہے
خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ تاکہ تم میرا شکر بجا لاؤ، میں نے خود ہی صفائی کا طریق سکھا کر تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے۔
لیکن حیف ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کا بیان نامکمل ہے اس کے ساتھ اور باتیں بھی بطور وحی کے ملانا چاہئیں کیا قرآنی نعمت کی یہی شکر گذاری ہے؟

برادران! اگر ان آیات کا یہی منشا ہے تو یہ آیات اپنے بیان میں مکمل ہیں جو کچھ یہ سکھانا چاہتی ہیں برابر سکھا رہی ہیں۔ ان میں کوئی ایسی بات نہیں جسے محض تحکم سے منوایا جائے۔ ان آیات پر غور کرتے وقت آپ امور ذیل کا ضرور خیال رکھا کریں:۔

(۱) خدا تعالیٰ ان آیات میں کیا سکھانا چاہتا ہے؟ اور جو کچھ وہ سکھانا چاہتا ہے ضرور ہے کہ وہ ان آیات میں اس کے بیان پر قادر بھی ہوا ہو۔ پس قرآن کا چھوٹا سا بیان بھی اپنے آپ میں نامکمل نہ ہونا چاہئیے

(۲) کیا جنب اور لامستم النساء سے ایک ہی بات سمجھی جائے یا ان کے مفہوم الگ الگ ہیں؟

(۳) کیا تیمم والی چار حالتوں میں جنب ہونے کا تعلق ساتھ ہی چلا آتا ہے یا جنب کا بیان ان سے بالکل علیحدہ ہے؟

(۴) ایک شخص سرتاپا جنب ہے اس کے لئے جماعت میں شامل ہونا ممنوع ہے لیکن اگر وہ صرف اپنے منہ ہاتھ پر خاک مل لے تو کیا ایسا کرنے سے وہ جماعت میں شامل ہونے کے قابل ہو جائے گا؟ جماعت کے نفع و نقصان کے لحاظ سے سوچیں کہ مذکورہ بالا دونوں حالتوں میں سے کونسی حالت جماعت کے حق میں مفید ہے اور کونسی مضر اور کیوں؟

(۵) کیا پاکیزگی، مفید اور حفظ صحت کے قواعد کے مطابق ہونی چاہئیے یا کیا وہمی اور خیالی بات کو حکمیہ بات قرار دیدیا جائے؟

:۵:

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حکمی طہارت و نجاست کچھ چیز نہیں تو کیوں اللہ تعالےٰ مشرکوں کو نجس قرار دیتا ہے حالانکہ حفظ صحت کے قوانین کے مطابق ان کے بدن اکثر حالات میں مسلمانوں کے جسموں سے بھی زیادہ صاف اور تندرست ہوتے ہیں۔ باوجود اس کے اگر ان کے جسم حکماً پلید نہیں قرار دیئے گئے تو انہیں المسجد الحرام کے پاس آنے سے کیوں روکا گیا ہے؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ انما المشرکون نجس کو عام مشرکین کے حق میں سمجھنا قرآن کریم کی سخت ہتک کرنا ہے۔ خدا تعالیٰ نے سورۃ براءۃ کے شروع میں فرما دیا ہے:۔ جن مشرکوں نے تمہارے ساتھ بار بار پختہ عہد باندھ کر توڑ دیئے ہیں اب ان کی طرف سے رسول کا ذمہ بری ہے ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے لیکن جن مشرکوں نے عہد نہیں توڑا۔ تم ان کے عہد کو ان کی مدت تک پورا کرو اور جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے اور راست رہو
ان مشرکوں کے ساتھ المسجد الحرام کے پاس ہی عہد ہوا تھا

ہیں لیکن غسل وتیمم کی دو آیتوں میں لوگ جنب کے معنے ایسے شخص کے لیتے ہیں جو آدمیوں میں آنے کے لائق بن جاتا ہے حالانکہ جنب کے معنے ایسے شخص کے ہیں جسے جماعت سے الگ رہنا چاہئے

متعدّی امراض والے جب تک غسل صحت نہ کرلیں اور اُن کے تیماردار جب تک نہا کر اچھی طرح پاک نہ ہولیں اُن کے لئے بھی جماعتوں میں آنا قطعاً منع ہے۔ میلا اٹھانے کا کام کرنے والے بھی نہا کر ہی جماعت میں داخل ہوسکتے ہیں

حاصل یہ کہ جماعت کے ساتھ اُسی صورت میں شامل ہونا چاہئے جب کہ انسان خوب طرح نہا دھو کر پاک ہولے بلکہ ستھرے کپڑے بھی پہن لے (خذوا زینتکم عند کل مسجد)

جس حالت میں آدمی کو جماعت سے الگ رہنا چاہئے۔ اُسی حالت میں وُہ جنب ہے لیکن جن حالات میں جماعت سے الگ رہنے کی ضرورت نہیں ان میں بھی وضو کر کے جماعت کے ساتھ شامل ہونا چاہئے

ہاں اگر چار حالات میں سے (جو جنب کی حالت سے الگ ہوں کیونکہ جنب کا ذکر پہلے ختم ہوچکا ہے) کسی حالت میں پانی نہ ملے تو محض وضو کی جگہ آدمی اپنے مُنہ ہاتھوں کو پاک خاکستر سے صاف کر کے اگر چاہے تو جماعت میں داخل ہوسکتا ہے۔ وُہ چار حالتیں یہ ہیں:-

(۱) مسافر ہونے کی حالت جو جنب کی حالت سے خالی ہو

(۲) مریض ہونے کی حالت میں جب جنب نہ ہو

(۳) بول و براز کر کے آنے والے کی حالت جو جنب نہ ہو۔ آیت میں اُس شخص کے لئے وضو کی جگہ صرف مُنہ ہاتھوں کو پاک خاکستر سے مل کر صاف کرنے کا حکم آیا ہے لیکن بول و براز کے سبب اس کے جو مقامات غلیظ ہو گئے ہیں اُن کا کوئی علاج نہیں بتایا گیا۔ وجہ اسکی صرف یہ ہے کہ مقامات کی صفائی، پاکیزگی کے عام اصولوں میں آجاتی ہے جن کا نگہ رکھنا ہر وقت ضروری ہے اور جو شخص ان سے غفلت کرتا ہے اُسے جماعت کو اپنی غلاظت کا ضرر پہنچانے سے تو ضرور رُکنا چاہئے

اس جگہ آیت میں پانی نہ ملنے کی حالت کا بیان ہے ایسے وقت میں بول و براز سے آنے والا اپنے غلیظ مقامات کو پانی سے صاف نہیں کرسکیگا کیونکہ پانی موجود نہیں وُہ صرف چیتھڑوں، سوکھی گھاس، پتّوں، ڈھیلوں یا مٹی وغیرہ ہی سے اپنے غلیظ مقامات کو صاف اور خشک کرے گا

(۴) بیوی سے ملنے کا حال بھی اُس ظاہری صفائی کے لحاظ سے جس کا تعلق دوسرے لوگوں کے ساتھ ہے بول و براز والے ہی کی مانند ہے اِس لئے اس کے پیچھے ساتھ ہی بلا فصل اس کا بیان بھی لایا گیا ہے

یہ چاروں حالتیں جنب سے الگ ہیں اُس میں داخل نہیں۔ ان میں آلودگی کا کچھ نہ کچھ خیال ضرور آتا ہے لیکن جن حالتوں میں آلودگی کا احتمال نہ ہو۔ ان میں بھی جماعت میں جانے کے لئے پانی ملنے کی صورت میں وضو کر کے جانا ہی بہتر ہے لیکن اگر پانی نہ ملے تو صفائی کی صورت میں خواہ مخواہ اپنے مُنہ ہاتھوں پر خاکستر ملنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آیۂ مبارکہ نے صرف چار حالتوں میں

ہے تو ایک رکعت پڑھنا بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ دشمن جب دیکھے گا کہ یہ صرف ایک ہی رکعت پڑھنے والے ہیں تو پہلے ہی سے ویسی تیاری کر رکھے گا اور وقت کھونے کے بغیر حملہ کر دیگا۔ اس قسم کی قصر صلوۃ بالکل بے معنی ہے

حاصل یہ ہے کہ جب مسلمان اپنے دشمن کے حملہ اور اُس کے حلیفوں کی شرارتوں کا پتہ لگانے اور اُن کی کمین گاہوں کو معلوم کرنے کیلئے اپنے بچاؤ کے باقاعدہ انتظام کے ساتھ نکلیں لیکن راستہ میں انہیں دشمن کے چُپ چاپ آپڑنے کا خطرہ ہو تو ایسے وقت میں اگر اُن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی سمجھدار قائد موجود ہو اور وہ انہیں اپنی ذمہ داری کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرانا چاہے تو اُسے اجازت ہے

زیادہ خوف سے مُراد یہ ہے کہ ابھی تک دشمنوں کے حملہ کا محض اندیشہ ہی لگا ہو لیکن جب دشمن مقابلے پر آجائے تو اُس وقت اُس کے حملہ کا خوف نہیں بلکہ یقین ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں خاص نماز کی جگہ عام ذکر (ذکر کثیر) ہی کرلیا جائے۔ اُس وقت خاص نماز پڑھنے کی بجائے دشمن کے مقابلہ پر جم جانے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ "اے ایمان والو! جب کسی گروہ کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو تو جم جاؤ اور اللہ کو بہت بہت یاد کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ" ۴۵

ایسے وقت میں خاص نماز کا ادا کرنا سخت خطرناک ہے اور چونکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا سخت ممنوع ہے لہٰذا اس وقت عام ذکر ہی بہ احسانِ الٰہی "خاص نماز" قرار دیا جاتا ہے

خدا تعالیٰ نے اسلامی قائد کو دشمن کے حملہ کے وقت نہیں بلکہ صرف حملہ کے خوف کے وقت باجماعت نماز پڑھانے کی اجازت دی ہے، یہ جماعت فرض نہیں اور محض موقع شناس قائد کی ذمہ داری پر چھوڑ دی گئی ہے۔ جماعت کرانا یا نہ کرانا اُس کی مرضی پر منحصر ہے لیکن چونکہ یہ خطرہ کا وقت ہے اس لئے احکم الحاکمین خود ہی اس جماعت کا طریق سکھاتا ہے

خدائے حکیم نے اس غیر ضروری باجماعت نماز کا طریقہ احتیاطاً خود ہی بیان فرمادیا ہے۔ اگر تنہائی کی ضروری نماز میں بھی اس قسم کی کوئی قید لگانا مناسب ہوتا تو کیا خدا تعالیٰ اُسے بھول جاتا؟

قرآن حکیم جس بات کو بیان نہیں فرماتا تو یا وہ اُسے ضروری نہیں جانتا، یا انسانی عقل پر چھوڑتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ خود انسان معقولات سے کام لے کر یا اصلاح و مشورہ کر کے محبت و اخلاص کے ساتھ اسے بجا لائیگا۔ اگر اس کا وہ کام ناقص بھی ہو۔ تو نیک نیتی کے باعث بطورِ احسن عند اللہ مقبول ہوگا۔ انسانی عقل کو خطرناک غلطیوں سے بچانا تو ضروری ہے لیکن اس پر خواہ مخواہ کی تنگیاں عائد کرنا اور اسے کام کرنے کا موقع نہ دیکر ترقیات سے باز رکھنا ہرگز ہرگز درست نہیں۔ تنہائی کی نماز پر جو محبت و اخلاص کے ساتھ ادا کی جاسکتی ہے، بلا ضرورت قیود لگا کر اسے ایک رسم بنا لینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ ہاں جماعت کی نماز میں بلاشبہ انتظام کی خاطر مناسب قیود لگانا ضروری ہے

اس باجماعت نماز کا طریق خدا تعالیٰ نے اس وقت سکھایا جب کہ جبر مذہبی کرنے والے ظالموں کے دفعیہ کے لئے جنگ کی اجازت مل چکی تھی لیکن اقامتِ صلوۃ کا حکم اس وقت بھی تھا جب کہ جنگ کی مطلقاً اجازت نہ تھی آیۂ ذیل ملاحظہ ہو

حاصل یہ کہ سورۃ براءۃ کے شروع ہی سے عہد نہ توڑنے والے اور سیدھے رہنے والے مشرکین کو الگ کرکے صرف عہد توڑنے والے مشرکین سے لڑائی کا ذکر چلا آیا ہے اور انہی کو مسجد حرام کے پاس آنے سے روکا گیا ہے۔ پس وہ اپنی بدعہدیوں اور شرارتوں کے سبب ہی سے نجس تھے نہ جسمانی طور پر

جب مسلمانوں نے مکہ فتح کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ مائدہ کے شروع میں مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر کسی قوم نے تمکو اپنے غلبہ کے وقت مسجد حرام سے روکا تھا تو اب تمہیں ان کی دشمنی اس بات پر نہ ابھارے کہ تم بھی تعدّی کرنے لگو

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنے والے مشرک بھی صاف دلی سے حج کرنے آئیں اور بخلق اللہ کی بھلائی کا کوئی کام کریں تو مسلمانوں کو انہیں مسجد حرام سے نہ روکنا چاہئے بلکہ بھلائی کے کام میں ایکدوسرے کی مدد کرنا لازم ہے

برادران: للہ غور فرمائیں کہ جب مشرکوں کے ساتھ بحکم قرآن اس حد تک اتحاد و تعاون کیا جا سکتا ہے تو کیا اُن لوگوں نے جو یہود و نصاریٰ کے موحد خدا پرستوں کے ساتھ یادِ خدا میں شامل ہونے کو بُرا جانتے اور ان کی موحدانہ نماز کو نماز قرار نہیں دیتے خوفِ خدا کو پسِ پشت نہیں ڈال دیا

اللہ تعالیٰ نے سورۃ قصص میں فرمایا ہے کہ کیا ہم نے ان مشرکین کو امن والے حرم میں جگہ نہیں دی؟" اب کوئی صاحب بتائیں کہ خدا تعالیٰ نے جن مشرکوں کو امن والے حرم میں جگہ دی ہوئی تھی کیا اس نے انہیں جسمانی طور پر پلید قرار دے کر وہاں بسایا تھا؟

حاصل یہ کہ جن مشرکوں کو مسجد حرام کے پاس آنے سے روکا گیا تھا وہ بدعہد شرارت پسند مشرک تھے نہ عام مشرک

ہیئتِ صلوٰۃ

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ایک عام ذکر یا عام نماز ہے اور دوسرا خاص ذکر یا خاص نماز ہے۔ عام ذکر ہر وقت اور ہر حال میں کام کاج بلکہ بات چیت کرتے ہوئے بھی کیا جا سکتا ہے۔ خاص ذکر یعنی نماز میں ایک تو وقت کی قید ہے۔ دوسرے اس میں کام کاج سے فارغ اور مطمئن ہونا لازم ہے اس میں ایک دوسرے سے بات چیت کرنا بھی ممنوع ہے۔ ہاں اگر امن و اطمینان نہ ہو بلکہ کسی قسم کا خوف ہو تو سوار یا پیادہ جس طرح بھی ہو سکے، خاص نماز ادا کرلینا چاہئے۔ قیام و سجدہ نماز کی ماہیت میں داخل نہیں ورنہ ان کے بغیر نماز نہ ہو سکتی۔ پھر اگر یہ اندیشہ ہو کہ مبادا دشمن کسی گھات سے نکل کر حملہ کردے تو اس وقت اگر خاص نماز کو عام ذکر میں بدل لیں تو کوئی گناہ نہیں، اس وقت ضروری کام اور بات چیت کی بھی اجازت ہے۔ ایسے وقت میں باحسان الٰہی عام ذکر ہی خاص نماز کا کام دے جاتا ہے

اگر سخت خطرہ کے وقت چار رکعت ادا کرنا مہلک ہے تو دو رکعت ادا کرنا بھی مہلک ہے اور اگر دو رکعت ادا کرنا پُرخطر

(فسبح بحمد ربک وکن من السّاجدین ۱۵/۹۸) قیام اور سجدہ میں آیات اللہ پڑھے (یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم یسجدون) سجدہ کے بعد سبحان اللہ والحمد للہ کہ کر نماز سے فارغ ہو جائیں (وادبار السجود ۵۰/۴۰) بات چیت کرنے سے نمازی نماز سے باہر ہو جاتا ہے

قرآن مجید نے کافی سے زیادہ دعائیں سکھائی ہیں۔ الحمد شریف اسی لئے سب سے پہلے سکھائی گئی ہے۔ دوسری دعاؤں کے مانگنے کی بھی کھلی اجازت ہے (یدعون ربھم بالغداۃ والعشی)

خدا تعالےٰ سے اسکے اسمائے حسنےٰ کے ساتھ ہمیں نماز میں بھی دعائیں مانگنے کا حکم ہے ۷/۱۸۰

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ لفظاً قرآن مجید سے باہر بھی ملتے ہیں مثلاً المبدئ، المعید، المغنی، الباقی، الھادی، الجلیل، الباعث، الممیت، المقدّم، المؤخّر، المعطی، المانع، النافع، الضار، الرافع، الخافض، القابض، الباسط، المعز، المذل، المحصی، المنتقم، المقسط،

اسی طریق سے اور بھی اسمائے حسنیٰ خدا تعالےٰ کے افعال اور اوصاف کے مطابق تجویز کئے جا سکتے ہیں۔ دوسری زبانوں میں خدا (God[۱]) پرمیشور وغیرہ سب اسمائے حسنےٰ ہیں

اگر یہ سچ ہے تو ہم اس طرح کے تمام اسمائے حسنیٰ کے ساتھ جس شخص کے ساتھ بھی چاہیں عربی میں یا اپنی اپنی بولی میں اپنی نمازوں میں جو بھی دعائیں چاہیں مانگ سکتے ہیں

نماز بحکم قرآن خشوع وتضرع۔ خوف وامید۔ توکل وتبتل محبت واخلاص کے ساتھ ہونی چاہئے۔ نماز میں کچھ نہ کچھ توجہ الی اللہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا لازم ہے۔ خدا تعالےٰ کے بھروسہ پر دل کو قائم رکھنا اور اپنے گناہوں پر رونا بہت عمدہ ہے۔ منافقوں کی طرح محض سستی اور ذکر قلیل نہ ہونا چاہئے

رکوع کے معنے جھکنے اور فروتنی کرنے کے ہیں۔ ساری نماز ہی رکوع ہے (وارکعوا مع الراکعین) ظاہری جھکنے کے معنے میں رکوع سجدے ہی میں آجاتا ہے (خرّ راکعا ۳۸/۲۴) سجدہ کی حالت جھکنے کے بعد ہے یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے خوف کے موقعہ پر نماز کا جو طریق سکھایا ہے۔ اس میں رکوع کا ذکر نہیں کیا لیکن اگر نمازی سجدہ سے الگ بھی رکوع کرلے تو اس میں نیکی کی زیادت ہے۔ کوئی عیب نہیں

جب بات یہ ہے تو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں نماز کی تمام مناسب تفاصیل نہیں آگئیں؟ وہ قرآن جو رات کی نفلی نماز اور خوف کی اختیاری نماز میں اس قدر تفصیل وتشریح سے کام لیتا ہے کیا وہ ان باتوں کو جنہیں وہ ضروری فرائض سمجھتا ہے، دوسروں کے سپرد کرسکتا ہے؟ دوسروں کے سر پر وہی بات ڈالی جائے گی جسے وہ اپنی عقل واختیار سے بجالاسکیں اور وہ بات ان سے مقبول ہو سکے

---

[۱] گاڈ لفظ خدا کے تغیر وتبدل سے بنا ہے

"کیا تُو نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جن کو کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، پھر جب ان پر قتال کا حکم آیا تو اُن میں سے بعض لوگ آدمیوں سے اِس طرح ڈرتے ہیں جس طرح اللہ سے ڈرا کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہم پر قتال کیوں لکھ دیا ؟ ہمیں تھوڑی دیر اور کیوں مہلت نہ دی ؟ تو کہہ کہ دُنیا کا فائدہ قلیل ہے اور آخرت اُس شخص کیلئے بہتر ہے۔ جو (خدا سے) ڈرتا ہے پ۵

اس آیہ سے پہلے مذکورہ بالا حکم بہ تصدیق قرآن مجید موجود نہ تھا۔ اس حکم میں یہ طریق سکھایا کہ پہلے قیام کرو اور بعد میں سجدہ۔ یہ ترتیب جنگ کی اجازت دینے سے پہلے قرآن مجید میں کہیں نہیں سکھائی گئی لیکن اقیموا الصلوٰۃ کا حکم اس وقت بھی تھا جبکہ کفوا ایدیکم کے ہم معنی احکام کے ساتھ جنگ سے روکا جاتا تھا۔ اور ابھی مومنوں پر جنگ نہ لکھی گئی تھی

الحاصل جنگ سے پہلے کی اقامتِ صلوٰۃ میں قیام و سجدہ کی ترتیب کا کوئی حکم نہ تھا۔ اگر قیام و سجدہ کیا جاتا تھا تو سجدہ پہلے اور قیام پیچھے بھی ہوسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے والذین یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا پ۱۹ اور امن ھو قانت اٰناء الیل ساجدًا وقائمًا پ۲۳ میں اکیلے نمازی کیلئے سجدہ و قیام کی ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا

مختصر یہ کہ دشمن کے خوف کے وقت اگر باجماعت نماز ادا کی جائے گی تو قرآن مجید کے سکھلائے ہوئے طریق ہی پر پڑھی جائے گی، اس کی خلاف ورزی ہرگز ہرگز جائز نہ ہوگی

جب خوف کے وقت باجماعت نماز میں قیام اور سجدہ کی ترتیب کا نگاہ رکھنا ضروری ہے تو امن و اطمینان کے وقت باجماعت نماز ادا کرنے میں کم از کم اس ترتیب کے ساتھ ایک رکعت کا ادا کرنا تو ضرور ہی لازم ہوگا۔ زیادہ کی ممانعت نہیں۔ یہ زیادتی امام کی مرضی یا جماعت کے شوریٰ پر چھوڑ دی گئی ہے، اگر کوئی بات خدا تعالیٰ کی طرف سے پابندی کے ساتھ بجا لانی ضروری ہوتی تو خدا تعالیٰ کو اس کے بیان سے کوئی چیز روک نہیں سکتی تھی

الحاصل جماعت کے وقت قیام و سجدہ کی جو ترتیب خدا تعالیٰ نے سکھائی ہے۔ ہم کو اپنی جماعتوں میں اس کا نگاہ رکھنا ضروری ہے، لیکن اگر دوسروں کی معقول اور مصدقہ الہی نمازوں میں شامل ہونا پڑے تو اُس وقت وارکعوا مع الراکعین کے فرمان کے مطابق ان کی ترتیب و انتظام کا لحاظ رکھنا ہوگا

تنہائی کی نماز میں جو لوگ پابندی سے کام کر سکتے ہیں اور باجماعت نماز سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے وہ بھی اگر اسی ترتیب کے ساتھ نماز پڑھیں تو بہت عمدہ ہے

جو لوگ پابندی کیساتھ باقاعدہ نماز پڑھنا چاہتے ہیں خدا تعالیٰ نے اُن کے لئے قرآن مجید میں کافی سے زیادہ مواد بہم پہنچا دیا ہے مثلاً وذکر اسم ربہ فصلّٰی پ۳۰ کے ماتحت، پہلے اللہ۔ سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ ان اللہ کان علیا کبیرًا یا لا الٰہ الا اللہ کہہ کر کھڑے ہو جائیں اگر اللہ اکبر کہیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ بھی ذکر اسم ربہ میں آجاتا ہے۔ قیام کے اخیر میں سبحان اللہ والحمد للہ یا سبحان اللہ وبحمدہٖ کہہ کے سجدہ کریں

(کوئی نماز) کم کرلو (یعنے اسے چھوڑدو۔ اوراس کی جگہ خاص نماز کی نیت سے عام ذکر کرتے رہو) قرآن پاک میں قصر من الصّلوٰۃ کا ذکر ہے نہ کہ قصر الصّلوٰۃ کا۔ مِن کو خواہ مخواہ زائد قرار دینا غلطی ہے۔ ان تقصروا من الصّلوٰۃ کی تقدیر اس طرح پر ہے کہ ان تقصروا شیئًا من الصّلوٰۃ یا ان تقصروا صلوٰۃ من صلوٰتکم۔ اس قصر من الصّلوٰۃ یعنی خاص نماز کو عام ذکر میں بدل لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ اگر تمہیں خوف ہو کہ یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے (جبر مذہبی کرکے) تمہیں ستائیں گے۔ بلاشبہ یہ کافر تمہارے صریح دشمن ہیں اور جب تو (یا تیری جگہ کوئی اور سپہ سالار) ان میں ہو۔ پھر تو انہیں نماز کی اقامت کرائے (یعنی باجماعت نماز پڑھائے) تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ تیرے ساتھ قیام کرے (تیرے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا ہو یا تیرے پیچھے کھڑا ہو۔ بہر صورت تیرے ساتھ قیام کرے) اور لازم ہے کہ وہ (اپنی نماز میں) اپنے اوزاروں کو لگائے رکھیں پھر (قیام کے بعد) جب سجدہ کرلیں تو چاہیئے کہ (اکیلے تجھ ہی سے پرے نہیں۔ بلکہ) تمہارے (یعنے تیرے اور تیرے ذاتی محافظ کے پرے ہو جائیں (اور حفاظت کے کام پر لگ جائیں) اور چاہیئے کہ کوئی اور طائفہ آئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی پھر ضروری ہے کہ وہ تیرے ساتھ (اسی طرح نماز پڑھیں (یعنی قیام وسجدہ کریں) اور چاہیئے کہ اپنی خبرداری اور اپنے اوزاروں کو سنبھالے رہیں۔ یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے یہ تو دل سے چاہتے ہیں کہ کاش تم اپنے اوزاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ تو یہ تم پر یکبارگی آن پڑیں (جب حفاظت کے اسقدر کافی سامان موجود نہ ہوں بلکہ مطلقاً کوئی اوزار پاس نہ ہو تو ایسی حالت میں باجماعت ایک رکعت بھی ادا نہ کرنا چاہیئے۔ اکیلے نمازی کی حالت تو اور بھی کمزور ہوگی اور جس خوف کی حالت میں ایسی ایک ہی رکعت کو اقامت صلوٰۃ سمجھا گیا ہے اس میں ان کے قصر من الصّلوٰۃ کرنے کے معنے اس ایک رکعت کو بھی چھوڑ کر عام ذکر کر لینے کے سوائے کچھ اور نہیں ہو سکتے) اور اگر تمہیں مینہ سے کوئی تکلیف ہو۔ یا تم مریض ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے اوزاروں کو اتار دو۔ لیکن اپنی ہوشیاری (اور خبرداری کو) قائم رکھو (تاکہ اگر دشمن کسی گھات سے نکلکر تم پر کود پڑے تو تم فوراً اپنے اوزاروں کو سنبھال کر ان کے مقابلے پر ڈٹ جاؤ) بلاشبہ اللہ نے ان کافروں کیلئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ (کیونکہ یہ خوف خدا رکھنے والوں کو بھی ذلیل کرنا چاہتے ہیں) پھر جب تم نماز کو پورا کر چکو تو (عام ذکر الٰہی سے اس وقت بھی غافل نہ ہو بلکہ) اللہ کو قیام میں اور قعود میں اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے یاد کرو (یعنی جس حالت میں بھی ہو۔ یہ نہیں کہ کوئی خاص ترتیب اپنی طرف سے تجویز کرکے کچھ ذکر قیام میں بھی کرو اور کچھ ذکر قعود میں بھی کرو۔ اور اس کے بعد کچھ ذکر اپنے پہلو پر لیٹ کر بجالاؤ۔ اور اپنی طرف سے اسے ایک رکعت قرار دیکر ایسی رکعتیں ہر وقت پڑھتے رہو۔ معاذ اللہ!) پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو (یعنی تمہارا خوف جاتا رہے اور دل مطمئن ہو جائے) تو اقامت صلوٰۃ ہی کرو (یعنے باجماعت نماز میں جس طرح بیاں سکھایا ہے اور تنہائی کی نماز میں جیسے پہلے سے اجازت چلی آتی ہے۔ حاصل یہ کہ حتی الوسع وقت کی پابندی کرو۔ خواہ چل پھر کر نماز پڑھنا پڑے۔ خواہ اُسے عام ذکر میں بدلنا پڑے۔ خواہ طائفہ طائفہ کو الگ الگ نماز پڑھائی جائے۔ اگر وقت فوت ہوتا دیکھو تو جس طرح بھی بن پڑے ادا کرلو۔ کیونکہ نماز بلاشبہ مومنوں پر بقید وقت فرض ہے۔ (فائدہ اس میں یہ ہے کہ نماز سے سستی نہ ہو جائے اور بندہ دیکھ لے کہ اُس نے نماز ادا کی ہے) اور اس (دشمن) قوم کے ڈھونڈھ نکالنے میں سستی نہ کرو۔ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو وہ بھی اسی طرح تکلیف اٹھا رہے ہیں جس طرح

مخفی نہ رہے کہ مناسب انتظام اور مختلف فرائض کی بجاآوری کے لحاظ سے فوجوں میں بہت سے گروہ اور طائفے ہوتے ہیں۔
جنگ احد میں مسلمانوں کے دو گروہ بزدلی دکھانے لگے تھے (اذ همت طائفتان منکو ان تفشلا) ثابت قدم رہنے والے گروہ ان دونو کے علاوہ تھے۔ نتیجہ یہ کہ رسول کریمؐ کی افواج میں بھی دو سے زیادہ طائفے ہوتے تھے

دشمن کے مقابلہ کے وقت تو صرف عام ذکر ہی خاص نماز کا کام دے جاتا ہے لیکن جب دشمن کے چپ چاپ حملہ کر دینے کا محض خوف ہو تو اس وقت اگر لائق سپہ سالار کی ذمہ داری کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا ہو تو لازم ہے کہ ایک ایک طائفہ آکر سپہ سالار کے ساتھ ایک ایک رکعت نماز ادا کر کے اپنے موفضہ فرائض کی بجاآوری کیلئے چلے جائیں، یہ ایک ہی رکعت بحکم قرآن ان کی کامل نماز ہے لیکن یہ یاد رہے کہ سپہ سالار کے ذاتی محافظ اس سے ہرگز ہرگز الگ نہ ہوں۔ پھر کوئی اور طائفہ آئے جس نے نماز نہیں پڑھی وہ بھی اسی طرح سپہ سالار اور اس کے ذاتی محافظوں کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اس طرح سپہ سالار اور اس کے محافظین کو بہت سی رکعتیں ادا کرنا پڑیں گی۔ گویا نماز کم از کم ایک رکعت ہے لیکن حسب ضرورت زیادہ رکعات کی بھی اجازت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ایک، دو، تین، چار، پانچ وغیرہ رکعات پڑھنے والوں کے ساتھ بلا تکلف نماز پڑھ سکتے ہیں

یہ تمام گروہ اپنے اپنے سامان سے خبردار و ہوشیار رہیں اور نماز ادا کرتے وقت بھی اوزار لگائے رکھیں تاکہ اگر دشمن اچانک آپڑے تو اس نماز کو فوراً عام ذکر میں بدل لیں کیونکہ لڑائی کے وقت سستی دکھانا یقیناً اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جس سے بڑی سختی سے منع کیا گیا ہے۔ جنگ کرنا ہلاکت میں پڑنا نہیں بلکہ اپنے آپ کو اس ہلاکت سے بچانا ہے جس میں دشمن ہمیں پھنسانے کا آرزومند ہے۔ ہاں بلا وجہ خود ہی جنگ چھیڑنا اور سچی صلح سے منہ موڑنا خود بخود ہلاکت میں پڑنا ہے۔ مسلمانوں کی جنگ، جنگ کو بڑھانے کے لئے نہیں بلکہ اسے روکنے کیلئے ہے (عسى الله ان يكف باس الذين كفروا)

خطرہ کے اوقات میں بھی مسلمان ایسے اہتمام کے ساتھ باجماعت نمازیں ادا کر کے اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ وہ کسی وقت بھی خدا تعالیٰ کے خوف سے الگ ہونا نہیں چاہتے لیکن وہ لوگ جو نماز کے وقت بھی چپ چاپ حملہ کر دینے سے نہیں رکنا چاہتے، اپنے دل میں سمجھ لیں کہ ان کی جنگ کی کیا نوعیت ہے

دشمن کے مقابلہ کے وقت اوزاروں کا اتار رکھنا ہرگز جائز نہیں لیکن خوف کے وقت اگر بارش کے سبب کچھ تکلیف ہو یا بیماری ہو تو اوزاروں کے اتار رکھنے میں کوئی گناہ نہیں لیکن ہوشیار رہنا ہر وقت لازم ہے تاکہ اگر دشمن اچانک آجائے تو فوراً اوزار اٹھا کر مقابلے پر کھڑے ہو جائیں، وہ نماز جس میں بارش وغیرہ کے باعث اوزاروں کے اتار رکھنے میں کوئی گناہ نہیں صرف خوف کے وقت ہی کی نماز ہے، دشمن اس وقت سامنے موجود نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ احکم الحاکمین نے اس کے آگے فرما دیا ہے کہ اس دشمن کی تلاش میں سستی نہ کرو

آیت قصر من الصلوٰة - جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنی خاص نمازوں میں سے

پڑھے تو) اپنی نماز کو نہ تو چلا کر پڑھنا (تاکہ چھیڑ چھاڑ کی صورت پیدا نہ ہو جائے) اور نہ بالکل آہستہ ہی پڑھنا (تاکہ اظہار حق سے گریز نہ پایا جائے اور پاس والوں کے لئے نیک نمونہ بھی قائم نہ ہو سکے) اور تو اس کے بین بین رستہ طلب کر اور یہ کہہ کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اولاد نہیں پکڑی اور بادشاہی (اور اختیار) میں اس کا کوئی شریک نہیں ہوا۔ اور نہ اس سبب سے کہ وہ کسی کے دباؤ میں آسکتا ہے، اس کا کوئی دوست (درفیق) بنا ہے (مروجہ نماز میں ایسی عمدہ دعا آج تک کبھی نہیں مانگی گئی) اور تو اسکی اور بھی بڑائیاں کر جیسی بڑائیاں اُس کے لائق ہیں" پ۱۵/۱۲

ان نیک اہل کتاب کو ہمارے رسُول خدا نے قرآن مجید نماز میں نہیں سُنایا تھا یہ لوگ قرآن مجید کو سُن کر اور اس سے اثر پذیر ہو کر سجدوں میں گرے تھے اور اقرار کیا تھا کہ اس قرآن کے آنے سے خدا کا وعدہ ضرور پورا ہونا تھا۔ خدا پرست اہل کتاب کے ساتھ ایسا موقعہ کئی دفعہ پیش آیا تھا

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

سوائے اس کے نہیں کہ ہماری آیتوں کو ایسے لوگ (مزدور) مانتے ہیں کہ انہیں جبوقت ان آیات کے ساتھ نصیحت کی جاتی (اور خدا تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا جاتا) تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیحیں کرتے ہیں اور وہ تکبّر نہیں کرتے۔ بستروں سے اُن کے پہلو الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے ربّ کے خوف اور امید کے ساتھ دعائیں مانگتے ہیں اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے) خرچ کرتے ہیں پ۲۱/۱۵

ان مبارک آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان نیک لوگوں کو آیات کے ساتھ جو تذکیر کی جاتی اور نصیحت دی جاتی تھی وُہ نماز سے باہر اور نماز کے واسطے تیار کرنے کیلئے ہوتی تھی۔ اس یاددہانی سے لوگ متأثر ہو کر اور شائق بن کر سجدوں میں گر پڑتے اللہ کی تسبیح و تحمید بجالاتے اور اس سے دعائیں مانگتے تھے

مسلمان ان آیتوں کی تلاوت کے وقت سجدہ کرتے ہیں اور اپنے عمل سے اس بات کا زندہ ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ ان آیات کی تعمیل محض سجدے کر لینے سے بھی ہو جاتی ہے۔ مروجہ سجدۂ تلاوت میں کوئی حرج نہیں اس سے ہم دکھاتے ہیں کہ ہم ہر وقت ساجد بننے کو تیار ہیں۔ لیکن ان آیات میں سجدۂ تلاوت کا کوئی حکم نہیں۔ اگر ان آیات میں سجدۂ تلاوت کا حکم سمجھا جائے تو چونکہ یہ حکم کسی خاص آیت کے پڑھنے یا سُننے کے ساتھ ہرگز ہرگز وابستہ نہیں کیا گیا۔ اس لئے اس سے لازم آئے گا کہ تمام آیات اللہ کے پڑھنے یا سُننے کے ساتھ ہی سجدہ کیا جایا کرے۔ اور جب تک آیات اللہ کا پڑھنا یا سُننا جاری رہے۔ سجدہ سے سر نہ اُٹھایا جائے۔ ظاہری سجدہ کے لحاظ سے یہ حکم تکلیف مالایطاق ہے۔ خدا تعالیٰ کبھی ایسا حکم نہیں دیتا۔ لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا

اللہ تعالیٰ کی آیات اور احکام کے آگے ہر وقت سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ یہ روحانی سجدہ ہے لیکن جن سجدوں میں سبحان ربنا کہا جاتا۔ تسبیح و تحمید کی جاتی اور دعائیں مانگی جاتی ہیں اور جو ٹھوڑیوں کے بل گر کر کئے جاتے ہیں وہ ظاہری سجدے ہی ہو سکتے ہیں

تم تکلیف اُٹھا رہے ہو۔ اور (تمہارا تکلیف اُٹھانا راستی پر ہے اور ان کا تکلیف اُٹھانا ظالمانہ طور پر ہے۔ اس لئے) تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے (اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ رحمت کے امیدواروں کو جلد ہی ایسے مصائب سے کیوں مطمئن نہیں کر دیتا۔ تو سن رکھو کہ) اللہ سب کچھ جاننے والا (لیکن) حکمت سے کام کرنے والا ہے

ممکن ہے کہ پہلے رسل و انبیاء اور دیگر صالحین کی نماز کے طریقے کئی ایک جزئی اختلاف رکھتے ہوں لیکن عام طور پر ان کی نماز کا طریقہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی علم والا شخص اُٹھکر اپنی الہامی کتاب کی آیات کو جماعت میں تلاوت کرتا تھا۔ پھر سب لوگ اس وعظ سے متأثر ہو کر اور اپنے ایمان کو تازہ کر کے بلکہ اپنے ایمان کو بڑھا کر سجدے میں گر پڑتے، رو رو کر دعائیں مانگتے اور اپنے خشوع کو بڑھاتے تھے۔ اس طرح وہ کھلے بندوں اپنی نماز ادا کر لیتے تھے۔ وعظ کا حصہ ان کی نمازوں میں بطور عام ذکر کے ہوتا تھا اور سجدے کی دعائیں بطور خاص ذکر کے تھیں اصل چیز ان کی نمازوں میں یہ تھی کہ وہ نماز کی نیت کے ساتھ متوجہ ہو کر اور خشوع و خضوع کو بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی یاد کر لیتے تھے۔ ان کے سجدے یا تو اس طرح پر ہوتے تھے کہ وہ زمین پر اپنے سر رکھ دیتے یا وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے۔ اور انہیں اپنے ہاتھوں کا سہارا دیتے یا اپنی پشت کو خم دے کر گردنیں ڈال دیتے

اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے متعلق فرماتا ہے کہ:۔

یہ اُن لوگوں سے ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا۔ یہ (منعم علیہم) اُن نبیوں میں سے ہیں جو آدم کی اولاد سے پیدا ہوئے۔ اور ان لوگوں سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (اپنے فضل سے کشتی میں اُٹھایا) اور ابراہیم اور اسرائیل کی اولاد سے ہیں اور اُن لوگوں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور چن لیا (اُن کا یہ حال تھا) کہ جب اُن پر رحمٰن کی آیتیں (الہامی و قدرتی) پڑھی جاتیں تو وہ سجدے میں جھک جاتے اور روتے ہوئے گر پڑتے تھے۔ پھر ان کے جانشین ایسے ناخلف ہوئے کہ انہوں نے اس (کھلی اور سیدھی سادی) نماز کو ضائع کر دیا۔ اور (تفرقہ ڈالنے کیلئے فضول قیود بڑھا کر) اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی۔ سو قریب ہے کہ وہ اپنی براہی کو پالیں۔ مگر وہ جنہوں نے توبہ کی اور (اس حقیقت کو) مان لیا اور صلاحیت والے عمل کئے پس یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر کچھ ظلم نہیں ہوگا ۔

ایک دفعہ چند خدا پرست اہل کتاب جو خدا تعالیٰ کو رحمان جانتے تھے ہمارے رسول کریم کے پاس مکہ میں آئے حضورؐ نے انہیں قرآن مجید پڑھکر سنایا وہ بہت متأثر ہو کر سجدے میں گر پڑے اور رو کر خدا تعالیٰ کی تسبیحیں کرنے لگے۔ اس طرح انہوں نے اپنی نماز ادا کر لی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

تو (اپنی قوم کو) کہہ دے کہ تم اس (قرآن) پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ بلا شبہ وہ لوگ جنہیں اس (قرآن) سے پہلے علم دیا گیا ہے۔ جب ان پر یہ (قرآن) پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے بلا شبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور (خدا۔ یا۔ قرآن) انہیں خشوع میں بڑھاتا ہے۔ تو (یہ بھی) کہہ دے کہ تم اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو۔ جس کو بھی تم پکارو تو سب نیک نام اُسی کے ہیں اور (جب تو بول کر نماز

اب تم سے پہلے کی طرح عہد نہیں کیا جائے گا۔ اب تمہیں چار مہینے کی مہلت ہے۔ اپنی آزاد حکومتیں چھوڑ کر ہمارے ماتحت ہو کر رہو۔ ورنہ چار ماہ کے بعد تمہیں جنگ کر کے ماتحت کیا جائے گا اور اگر اپنی آزادی کو قائم رکھنا چاہتے ہو تو توبہ کر کے نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اس ظاہری ثبوت کے سوائے تمہیں آزاد حکومت دینے میں تم پر کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا چنانچہ فرمایا کہ

"پھر اگر یہ توبہ کریں اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا رستہ خالی کر دو (انہیں بالکل آزادی ہے) بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے۔ اور اگر (توبہ، نماز اور زکوٰۃ کی حقیقت سمجھنے کیلئے) ان مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے کلام کو سنتا رہے۔ پھر اسے اس کے امن کی جگہ میں پہنچا دے یہ (حکم) اس لئے ہے کہ وہ بے علم لوگ ہیں (ان علمی باتوں میں اپنے علم سے صحیح طور پر کام نہیں لیتے)" ۹:۶

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ظالم مشرک بھی توبہ اور اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کو اکیلے کلام اللہ ہی سے سمجھ سکتے ہیں۔ انہیں کلام اللہ کے ساتھ کسی اور چیز کے سنانے یا دکھانے کی کوئی ضرورت ظاہر نہیں کی گئی پھر اگر ایسے کلام اللہ سے نماز کی تفصیل نہیں ملتی تو اور کہاں سے مل سکتی ہے؟

قرآن حکیم میں جسقدر نماز کا بیان کیا گیا ہے وہی مکمل نماز ہے۔ قرآن مجید بار بار اپنے آپ کو کامل کافی مفصل اور تبیانٌ لکلّ شیئ فرماتا ہے۔ قرآن مبین میں نماز کے متعلق اور بھی بہت سی آیات آئی ہیں

اعتراضات

اعتراض ۱۔ قرآن مجید میں قیام رکوع اور سجدہ کا حکم امر کے صیغوں میں آیا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں تسبیح، تحمید، استغفار، دعا، استعانت، استعاذہ، ذکر اور شکر کرنے اور قرآن مجید پڑھنے کا حکم بھی امر کے صیغوں کے ساتھ ہی لایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں ایسی نماز کے پڑھنے کا حکم ہے جس میں یہ سب باتیں جو الگ الگ بیان کی گئی ہیں ایک جگہ اکٹھی کر کے لائی جائیں۔ رسول کریمؐ ان باتوں میں ترتیب دیکر نماز پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ قرآن حکیم صحابہ کی نمازوں کو نمازیں مانتا ہے

جواب۔ اس کے جواب میں امور ذیل قابل غور ہیں:۔

(۱) اگر رسول کریمؐ نے مذکورہ بالا امور میں کوئی ترتیب دی تھی تو کیا وہ ترتیب وحی الٰہی سے تھی یا حضورؐ نے اپنی عقل یا اختیار سے ایسا کیا تھا؟ اگر وہ ترتیب وحی الٰہی سے تھی تو ضرور ہے کہ وہ ترتیب پہلے یا پیچھے قرآن کامل و محفوظ میں بھی لائی گئی ہو۔ بلاشبہ قرآن مجید اس لئے آیا ہے کہ وہ ہمارے لئے تمام ضروری وحیوں کو اپنے اندر ایک جگہ جمع کر کے لے آئے تاکہ ہمیں بعدہٗ کسی اور بات کو بطور وحی کے تلاش کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے۔ اگر قرآن مجید وحی کے لحاظ سے بھی کامل بنا کر ہمیں نہیں دیا گیا تو کیا آپکے نزدیک اس کے کامل کافی و مفصّل و تبیان لکلّ شیئ ہونے کے کچھ اور بھی معنے ہو سکتے ہیں؟

پھر اگر بقول آپکے قرآن مفصّل و مکمل وحی کی ضرورتوں کو بھی اپنے آپ میں مکمّل کر کے نہیں لا سکا بلکہ تکمیل قرآن کیلئے ابھی دوسری وحیوں کی ضرورت باقی ہے تو کیا یہ ضرورت سب سے پہلے تورات، زبور انجیل اور دیگر الہامی کتابوں کے ذریعے

ہمارے ہاں بھی جمعہ کی نماز میں پہلے ذکرِالٰہی کیا جاتا ہے جس سے دلوں کو خدا کے آگے خاشع بنا کر اور اس کی طرف متوجہ اور مائل کرکے نماز پڑھائی جاتی ہے اذا ذکروا بھا پ۲۱ کے پاک الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الہامی یا قدرتی آیات کے ذریعے سے پہلے تذکیر و نصیحت حاصل کرکے، نیک لوگ سجدوں میں گر پڑتے تھے

پہلا عام ذکر عام نماز کی طرح ہوتا ہے۔ اس میں حسب ضرورت مناسب سوال و جواب بھی کئے جا سکتے ہیں لیکن جب سجدے کئے جاتے ہیں تو وہ صرف خاص نماز ہی ہوتے ہیں۔ ان میں کسی اور کے ساتھ مخاطبت جائز نہیں

نیک اہل کتاب تنہائی کی نمازوں میں خود ہی آیات اللہ کی تلاوت کرتے اور سجدے کر لیتے تھے ویتلون اٰیٰت اللہ اٰناءالیل وھم یسجدون ۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ایسی نمازوں کا ذکر ہے مثلاً

۱۔ کتاب سے جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے۔ اس کی تلاوت کر اور نماز قائم کر۔ بلاشبہ نماز بے حیائی اور نامعقول سے روکتی ہے اور خدا کی یاد سب سے بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم تصنع کرتے ہو پ۲۱۔ اس آیت میں نماز کو ذکر الٰہی فرمایا ہے اور آیات الٰہی کے ساتھ تذکیر حاصل کرکے اس کے قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ بظاہر الفاظ نماز کو آیات الٰہی کی اس تذکیر و تلاوت سے الگ کرکے دکھایا گیا ہے

۲۔ اور جب ان (کفّار) پر قرآن پڑھا جاتا ہے (اور انہیں کہا جاتا ہے کہ اکیلے خدا تعالےٰ کے ساجد بنو اور اسی کی نماز پڑھو) تو یہ سجدہ نہیں کرتے پ۳۰ گویا قرآن کا ان پر پڑھے جانا الگ چیز ہے اور جس سجدہ کو وہ بجا نہیں لاتے وہ الگ چیز ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کی اور بھی آیات ہیں ان کے سمجھنے کے لئے یہ دو مثالیں ہی کافی ہیں

نماز کے پہلے یہ تذکیر و نصیحت آیات اللہ کے ذریعے سے بھی حاصل ہو سکتی ہے اور عام اذکار سے بھی مثلاً

۱۔ بالتحقیق اس نے فلاح پائی جو پاک بنا۔ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیا' پھر نماز پڑھی پ۳۰

(فائدہ) خدا تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ قرآن مجید سے باہر بھی ہیں۔ ان کے ساتھ بھی خدا کا ذکر ہو سکتا ہے

۲۔ اور تو اپنے رَبّ کے نام کا ذکر کر۔ اور ٹوٹ کر اس کی طرف لگ جا۔ جو ٹوٹ کر لگنے کا حق ہے پ۲۹ خدا کی طرف ٹوٹ کر لگنا' نماز پڑھنا ہی ہے

۳۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ جھک جاؤ تو یہ نہیں جھکتے پ۲۹

قرآن کریم نے نماز کے بیان کو بڑا طول دیا ہے اور اس کا کوئی ایسا پہلو باقی نہیں چھوڑا جس پر بحث نہ کی ہو۔ نفلی اور استحبابی باتوں کو بھی ترک نہیں کیا پھر بھی نا قدردان لوگ یہی کہے جاتے ہیں کہ قرآن میں نماز کی تفصیل نہیں وہ چاہتے ہیں کہ محض تحکم کے ساتھ قیود لگا کر نماز کے ذریعہ سے دنیا میں فرقہ بندی کی بنیاد ڈالیں اور خدا پرستوں کو بھی آپس میں اکٹھے نہ ہونے دیں لیکن قرآن مجید چاہتا ہے کہ تمام دنیا کو معقولیت کیساتھ خدائے واحد کی عبادت پر لگادے

اللہ تعالیٰ نے سُورت توبہ میں ان مشرکین کو جو بار بار عہد توڑ کر واجب القتل بن چکے تھے فرمایا کہ:۔

چار، پانچ جتنی رکعات چاہے ادا کر سکتا ہے

ایک ہی تسبیح وتحمید بہت سے طریقوں سے ادا کی جاسکتی ہے ۔ دُعائیں اپنی ضروریات کے مطابق رنگا رنگ عبارات کے ساتھ مانگی جاسکتی ہیں ذکر بیشمار الفاظ کے ساتھ اور فکر موجودات کی ہر ایک شئے پر غور کرنے سے کیا جاسکتا ہے ۔ استغفار واستعاذہ کی بہت سی دُعائیں ہمارے دل میں ہیں ۔ قرآن سارے کا سارا ہمارے سامنے ہے ۔ جو شخص اس رنگا رنگی سے اپنی تنہائی کی نمازیں یا کبھی دوسرے ذاکرین کے ساتھ مل کر فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اس پر محض متحکّمانہ قیود عائد کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ۔

دیکھئے ہمارے اہل قرآن بھائیوں نے کئی ایک نمازیں ایجاد کرلی ہیں وہ بالعموم معقول ہیں اگر بڑے چھوٹے انسان کی بحث کو الگ رکھدیا جائے اور قرآنی ہدایات کے ماتحت ان پر نظر ڈالی جائے تو نماز والے تمام فوائد ان سے حاصل ہوسکتے ہیں ۔ وہ بڑے اخلاص ومحبت کے ساتھ ادا کی جاسکتی ہیں ۔ لیکن ہمارے اہل قرآن بھائی اس غلطی سے ضرور دکھ پاتے اور نقصان اٹھاتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی نماز کی معیّنہ صورت والفاظ ہی کو نماز کہتا ہے اور دوسروں کی نماز کو نماز نہیں جانتا اور یوں ایک نماز ہی میں ان کے کئی فرقے بن گئے ہیں ۔ بلاشبہ یہ طریق جس سے خدا تعالےٰ نے سب مذاہب والوں کو سختی سے منع کیا ہے انسانوں میں خواہ مخواہ تفریق ڈالنے والا ہے

حاصل یہ کہ اگر معترض اپنی مروّجہ نماز کو بھی بر بنائے عقل ہی پیش کرتے ہیں تو ہمیں بھی اس کے ساتھ کوئی پرخاش نہیں ۔ ہم اسی نماز کو بخوشی ادا کرتے ہیں لیکن نماز کی دیگر معقول صورتوں کو بھی بحکم قرآن نماز ہی سمجھتے ہیں

(ب) قرآن مجید میں بہت سی دُعاؤں کا امر کے صیغے کے ساتھ حکم آیا ہے ہمارے نزدیک اس کا صرف یہ منشاء ہے کہ تم ایسی دُعائیں جب چاہو مانگا کرو ۔ ہم نے تمہارے لئے دعاؤں کے نمونے مہیا کر دیئے ہیں اور ان کا فی ذخیرہ بھی بہم پہنچا دیا ہے اس ذخیرہ میں سے حسب موقعہ محبت واخلاص کے ساتھ کام لو ۔ یہ سب دُعائیں محبت واخلاص کے ساتھ جب بھی چاہو مانگو بلکہ اس نمونہ کی اور بھی دُعائیں مانگتے رہو اور ذکر الٰہی سے حتی الوسع تر زبان اور شیریں دہان بنے رہو ۔ جو دعا چاہو مانگو اور ضرور مانگو ۔ برعکس اس کے اعتراض کی رُو سے لازم آتا ہے کہ ہم ان تمام دعاؤں میں کوئی خاص ترتیب دے کر انہیں سب نمازوں میں یا کسی خاص نماز یا خاص وقت میں اکھٹی کرکے مانگا کریں ۔ اگر ایسا کریں گے تو اس حکم کی تعمیل ہوگی اور اگر متفرق طور پر مانگا کریں تو ان اوامر کی عدم تعمیل کے سبب گنہگار ہوں گے اور ہماری کوئی دعا قبول نہ ہوگی ۔ معاذ اللہ

مروّجہ نمازوں میں سوائے الحمد شریف کے کسی اور قرآنی دُعا کو جو امر کے صیغے کے ساتھ آئی ہے بطور حکم کے نہیں مانگا جاتا

ذیل میں چند ایک دُعائیں بطور نمونہ کے پیش کی جاتی ہیں معترض صاحب بتائیں کہ وہ ان تمام دُعاؤں کے مانگنے میں کس طرح عمل کرتے ہیں پھر اپنے اعتراض پر دوبارہ نظر ڈالیں اور اگر انہیں ان دعاؤں میں کوئی خاص ترتیب نظر آتی ہو تو جس طرح ہوسکے اُسے واضح کریں

ہی سے پوری نہیں ہوتی چاہیئے۔ اندریں صورت اگر قرآن کریم نے نماز کے بیان میں کوئی کمی چھوڑ رکھی ہے تو کیا ہمارے لئے لازم نہیں کہ ہم اس کمی کو دیگر الہامی کتابوں ہی سے پورا کریں

پھر کیا پہلی کتابوں کے ماننے والے سب کے سب تھوڑے تھوڑے عرصہ میں اپنے اپنے تعامل کو مٹا دیتے تھے یا اپنی اپنی اُمت کے اجماع کو سند قرار نہ دیتے تھے؟ وُہ تو ہم سے بھی زیادہ تقلید کے دلدادہ اور بزرگ پرستی اور قدامت پسندی پر آمادہ تھے۔ جب بات یہ ہے تو کیا ان لوگوں کے چھوٹے چھوٹے فریقوں میں بھی پہلی کتابوں یا رسولوں کی اصلی نمازیں موجود نہیں چلی آتی تھیں؟

اچھا پہلے تعاملوں اور اجماعوں کو بھی جانے دو۔ یہ تو بتاؤ کہ کیا قرآن مجید اہل کتاب کی ان نمازوں کی جو وہ نزول قرآن کے وقت میں ادا کیا کرتے تھے تعریف نہیں کرتا؟ یا کیا ان نمازوں کو رسول خدا اور حضورؐ کے صحابہ رضؓ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے؟ یا فسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلک اور فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کے فرمان عالیشان کے مطابق ان سے نہ سیکھ سکتے تھے؟

اندریں حالات اگر ہر ایک الہامی کتاب کے ماننے والوں میں یا ان کے کسی ایک فرقہ میں کوئی مخصوص نماز چلی آتی تھی جس کی خدا تعالیٰ نے تعریف کی تھی تو کیا وجہ ہے کہ رسول نے خدا تعالیٰ کی تعریف کی ہوئی نماز کو ٹھکرا کر اپنی علیحدہ نماز بنائی اور اپنے دخل سے ایک مخصوص ترتیب دے لی۔ جسے رسول کریم کے تجویز کرنے کے بعد بھی قرآن کریم نے اپنی محفوظ و مکمل وحی کے اندر لے آنا پسند نہیں کیا

قرآن حکیم نے رسول کریم کی بہت سی باتوں کو ان کے وقوع کے بعد اپنے اندر لاکر اپنی تصدیق کا شرف دینا ضروری سمجھا ہے لیکن اگر کوئی ایسی مخصوص نماز تھی تو اسے اس شرف سے قطعاً خالی رکھا ہے

حاصل یہ کہ جب قرآن حکیم نے نماز کی کسی خاص ترتیب کو اپنی وحی میں جگہ دینا مناسب نہیں سمجھا تو ضرور ہے کہ اس نے اسے لوگوں کی عقل یا اختیار پر رہنے دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انسانی عقل یا پسند پر جو بات چھوڑی جاسکتی ہے اس میں کسی بشر کو بلاوجہ کوئی خصوصیّت نہیں دی جاسکتی

اگر اہل کتاب کی ان نمازوں کے موجود ہونے کے باوجود جن کی خدا تعالیٰ نے تعریف کی ہے رسول کریمؐ مجاز تھے کہ آپ بھی اپنی عقل سے نماز میں کوئی اور ترتیب دے لیں تو حضورؐ صلعم کے اس نمونہ سے صاف واضح ہو جائیگا کہ خدا تعالیٰ کو کوئی مخصوص نماز منظور نہیں اگر اہل کتاب نماز ادا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ ان کی تعریف کرتا ہے۔ اگر رسول کریم یا صحابہؓ کوئی نماز پڑھتے ہیں تو اسے بھی منظور رکھا جاتا ہے

خدا تعالیٰ کے اُن اوامر میں جن کا ذکر اعتراض ۱ میں کیا گیا ہے اگر کوئی ترتیب دیکر سب کا اکٹھا ایک ہی وقت میں ادا کرنا واجب خیال کیا جائے تو اس ترتیب کی معقول طور پر بیسیوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔ نمازی نہایت شوق و محنت سے ایک یا کئی سجدے کر کے پھر کھڑا ہو کر نہایت عجز و الحاح سے دُعائیں مانگ کر اور عرض حاجات کر کے اپنے کام پر جاسکتا ہے۔ ایک دُو تین

(۲) کلوا من ثمرہٖ اذا اثمر واٰتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا ﷺ۔ تم ان کے (یعنی اپنے باغوں، کھیتوں اور ثمردار درختوں کے) پھلوں سے کھاؤ۔ جب وہ پھل لائیں اور ان کے کاٹنے کے دن ان کا حق (جو حسب ضرورت شوریٰ کے ساتھ مقرر کیا جائے) دیدو اور اسراف نہ کرو۔

اس میں معاملہ دینے سے پہلے مالک کو اپنے باغوں اور کھیتوں میں سے بلا اسراف کھانے پینے کی اجازت ہے۔ ضروری کھانے کا حکم نہیں

(۳) فالآن باشروھن ﷺ یعنے سواب (روزوں کی رات میں) اپنی بیویوں سے مباشرت کرو (یعنی اگر چاہو تو اختیار ہے کوئی ضروری حکم نہیں)

(۴) فکلوہ ھنیئًا مریًا ﷺ یعنی (اگر تمہاری بیویاں اپنے مہروں یا دیگر حقوق میں سے بطیب خاطر تمہیں کچھ چھوڑ دیں) تو اسے رچتا پچتا کھاؤ (اور اگر توفیق رکھتے ہوئے تم ان کے لئے زیور کپڑے بنا کر یا کسی اور ضرورت کی چیز کی شکل میں وہ مال واپس دیدو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں)

(۵) فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر یعنی زمین میں چار مہینے سیر کرو (تمہیں اجازت ہے۔ کوئی ضروری نہیں)

قرآن مجید میں ایسے بھی امر پائے جاتے ہیں جن پر حسب موقعہ و ضرورت کھلے طور پر عمل کرنا کافی ہے تاکہ ہماری طرف سے اُن کی مخالفت یا اُن کی طرف سے ہماری لا پرواہی نہ پائی جائے مثلاً

(۱) فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بایاتہ مومنین ﷺ یعنی اگر تم خدا کی آیات پر ایمان رکھنے والے ہو۔ تو اس چیز سے کھاؤ جس پر خدا کا نام لیا جاتے (یعنی اس کے کھانے کو جائز سمجھو۔ یہ نہیں کہ جہاں بھی خدا تعالےٰ کے نام کی چیز پاؤ۔ اس کے کھانے کیلئے ضرور ہی دوڑو۔ وہ لوگ خدا تعالیٰ کے نام کی چیزوں کو کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے اور انہیں جلا دیتے یا دبا دیتے تھے۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ انہیں کھایا کرو، ضائع نہ کیا کرو

(۲) کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ﷺ۔ یعنی (روزے کی رات کو) فجر کی سیاہ دھاری سے (فجر کی) سفید دھاری کے روشن ہو جانے تک کھاؤ اور پیو (تمہیں اس کی اجازت ہے، یہ نہیں کہ اس وقت تک کھاتے پیتے ہی رہو۔ یا اگر رات کی غذا ہضم نہ ہوئی ہو تو بھی ضرور ہی کھاؤ اور یہ بھی نہیں کہ اگر پینے کی ضرورت ہو تو کھانا پہلے ضرور ہی کھا لیا کرو کیونکہ دونو حکم اکٹھے آئے ہیں، خدا تعالےٰ نے انسان کو عقل بھی کسی کام کیلئے دی ہے)

قرآن مجید میں بہت سے حکم ایسے بھی ہیں جو بظاہر عام لوگوں کو دیئے گئے ہیں مگر ان کا تعلق عوام کے نمائندوں یعنے حاکموں یا بادشاہوں کے ساتھ ہے:۔

(۱) قل اعوذ برب الفلق الخ ۱۱۳ (۲) قل اعوذ برب النّاس الخ ۱۱۴ (۳) قل الحمد لله وسلامٌ
علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۲۷ (۴) ادعونی استجب لکم ۴۰ (۵) سبح اسم ربك الاعلی۔ الّذی خلق فسویٰ
الخ ۸۷ (۶) قل اللھم مالك الملك الخ ۳ (۷) قل ربّ ارحمھما کما ربّیانی صغیرًا ۱۷ (۸) قل ربّ اما ترینی
ما یوعدون ۔ ربّ فلا تجعلنی فی القوم الظٰلمین ۲۳ (۹) قل ربّ اعوذ بك من ھمزات الشیاطین
واعوذ بك ربّ ان یحضرون ۲۳ (۱۰) قل ربّ اغفر وارحم وانت خیر الراحمین ۲۳ (۱۱) قل اللھم
فاطر السمٰوات والارض عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادك فی ما کانوا فیه یختلفون ۳۹ (۱۲)
قل ربّ ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطانًا نصیرًا ۱۷

(ج) قرآن حکیم میں بہت سی باتیں امر کے صیغوں کے ساتھ آئی ہیں لیکن وہ سب ایسے فرائض نہیں ہیں جو فردًا فردًا ہر شخص پر لازم ہوں

قرآن کریم میں بہت سے امر غصہ اور ناراضگی کے طور پر بھی آئے ہیں ان پر عامل ہونا یقیناً گناہ ہے اور اُن سے بچنا حتمًا لازم ہے مثلاً

(۱) اعملوا ما شئتم ۴۱ یعنے جو تم چاہتے ہو عمل کرو

(۲) قل ادعوا شرکاءکم ثم کیدون فلا تنظرون ۷ یعنی تو کہہ کہ تم اپنے شریکوں کو پکارو۔ پھر میرے ساتھ داؤ کرو۔ پھر مجھے مہلت نہ دو

(۳) قل ادعوا الذین زعمتم من دون الله ۳۴ یعنی تو کہہ کہ ان لوگوں کو پکارو جنہیں تم اللہ کے سوا گمان کرتے ہو

(۴) فمن شاء فلیکفر ۱۸ یعنی پھر جو چاہے پس چاہئے کہ کفر کرے

(۵) واستفزز من استطعت منھم بصوتك واجلب علیھم بخیلك ورجلك وشارکھم
فی الاموال والاولاد وعدھم وما یعدھم الشیطٰن الّا غرورًا ۱۷ یعنی (اے شیطان) تو ان میں سے جس پر (پھسلانے کا) قابو پاسکتا ہے۔ اسے پھسلا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے دوڑا۔ اور ان کے مالوں اور اولاد میں شریک بن اور انہیں وعدے دے اور (یہ حقیقت ہے کہ) شیطان انہیں دھوکے کے سوائے کوئی وعدہ نہیں دیتا

قرآن مجید میں بعض امر صرف بطور اجازت کے آئے ہیں۔ ان پر عمل کرنا کچھ ضروری نہیں۔ مثلاً

(۱) واذا حللتم فاصطادوا ۵ یعنی جب تم (حج اور عمرہ کرکے) کھل پڑو تو شکار کرو (یعنے اس وقت تمہیں شکار کھیلنے کی اجازت ہے)

اس قسم کے امر کسی رکاوٹ یا بندش کو اُٹھانے کیلئے ہوتے ہیں

قرآن مجید میں کئی ایک باتوں کا ایک ہی جگہ اکٹھا امر بھی آتا ہے جن میں سے بعض فرض ہوتے ہیں اور بعض امر صرف استحباب کو دکھلاتے ہیں اور بعض امر محض اجازت اور رخصت کیلئے ہی آتے ہیں مثلاً

(۱) فرض نمازوں کے ساتھ تہجّد کی نماز کا حکم بھی بصیغہ امر ہی آیا ہے حالانکہ وہ نفل ہے ۔

(۲) دوسرے پارہ میں صیام کے ذکر میں آیۂ مبارکہ احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الیٰ نسآئکم الخ آئی ہے ۔ اس میں کئی امر ہیں ۔ ان میں سے باشروھن کا امر اجازت کیلئے ہے ۔ وابتغوا کا امر استحباب کیلئے ہے ۔ کلوا واشربوا کے امر بھی زیادہ سے زیادہ استحباب ہی کو چاہتے ہیں ۔ اتموا کا امر اور لاتباشروھن کی نہی بلا شبہ فرضیت کیلئے ہے

(۳) کلوا من ثمرہٖ اذا اثمر ۔ واٰتوا حقہ یوم حصادہ ۔ ولاتسرفوا میں پہلا امر رخصت کیلئے ہے اور دوسرا امر فرضیت کو ظاہر کر دیتا ہے ۔ اور تیسرا امر امتناعی بھی بلاشبہ فرضیت دکھانے والا ہی ہے

قرآن مجید میں ایک ہی بات کے متعلق کئی اوامر مختلف جگہوں میں آئے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان میں ایک ترتیب دے کر ان پر عمل کیا جائے بلکہ ہر شخص مجاز ہے کہ وہ حسب موقعہ الگ الگ انہیں بجالائے مثلاً :-

قرآن مجید میں ایک جگہ باغوں اور کھیتوں کے پھلوں کے کھانے کا حکم ہے ۔ (کلوا من ثمرہٖ اذا اثمر ۔)

دوسری جگہ مویشی کے گوشت کھانے کا حکم ہے (ومن الانعام حمولۃ وفرشا ۔ کلوا مما رزقکم اللہ ۔)

تیسری جگہ مچھلیوں کے تازہ گوشت کھانے کیلئے سمندر کو ہمارے ماتحت کیا گیا ہے (وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا ۔)

چوتھی جگہ مال غنیمت میں سے کھانے کا حکم ہے (فکلوا مما غنمتم حلالاً طیبا ۔)

پانچویں جگہ اس کے کھانے کا حکم ہے جس پر خدا تعالےٰ کا نام لیا جائے (فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ۔)

چھٹی جگہ جب بیویاں اپنے حقوق سے اپنی دلی خوشی کے ساتھ بلا جبر و اکراہ کچھ چھوڑ دیں تو اُسے خوشی اور مزے کے ساتھ کھانے کا حکم ہے (فکلوہ ھنیئاً مریئاً ۔)

ساتویں جگہ اونٹنیوں کے گوشت کے خود کھانے اور دوسروں کو بھی کھلانے کا حکم ہے (فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر ۔) وغیرہ وغیرہ

اب کیا ان احکام کے متعلق کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ان تمام اوامر میں کوئی خاص ترتیب دے کر ہی ان پر عمل کرنا چاہئے ورنہ خاص ترتیب اور معیّنہ صورت کے بغیر ان کی تعمیل غیر مقبول یا گناہ ہوگی؟ ہر گز نہیں!

ان آیات کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ تمہارے لئے یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ۔ ان میں سے یہ کھاؤ یا وہ کھاؤ ۔ بعض کھاؤ ۔ یا جو کچھ مل سکے کھاؤ ۔ ان میں کسی ترتیب کے دینے کی ۔ یا یوں سب کو اکٹھے ایک ہی وقت میں کھانے کی کوئی

(۱) زانی اور زانیہ کو جلدی سزا دینے کا حکم
(۲) چوری کرنے والے مرد و عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم (مارشل لاء کے جاری ہونے کے وقت)
(۳) عورت کو بحالتِ نشوز مار پیٹ کرنے کا حکم اور اسی طرح کے اور بھی بہت سے احکام جن کا تعلق نظامِ حکومت کے ساتھ ہے

قرآن کریم میں بہت سے احکام ایسے ہیں جو قومی اور ملکی انتظام اور ترقی کے لحاظ سے فرض ہیں لیکن ایک ایک شخص پر فرض نہیں۔ ان کی مناسب طور پر تعمیل کرانا بادشاہوں اور حاکموں کے ذمے ہے۔ مثلاً قتال جائز مواقع پر اکا بار بار حکم آتا ہے لیکن یہ ہر شخص پر ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مومنوں میں سے بے ضرر بیٹھ رہنے والے اور خدا کے رستے میں (جائز طور پر) اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد (جان توڑ کر کوشش) کرنے والے یکساں نہیں۔ اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں فضیلت دی ہے اور ہر ایک کیلئے نیکی کا وعدہ دیا ہے اور اللہ نے مجاہدین کو قاعدین پر اجر عظیم کے لحاظ سے فضیلت بخشی ہے پ۵

الحاصل یہ جہاد بادشاہوں اور حاکموں پر فرض عین ہے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ دوسروں سے تنخواہیں دے کر کام لیں یا انہیں ترغیب دلائیں (فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک وحرض المومنین پ۵)

قرآن پاک بہت سے ایسے احکام بھی دیتا ہے جو نہایت عمدہ اور مفید ہیں لیکن وہ فرض نہیں۔ صبر والے اور نیکیوں میں بہرہ وافر رکھنے والے انہیں خود ہی حتی الوسع بجا لاتے ہیں مثلاً

(۱) رات کی نماز کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ یہ نماز ریا اور دکھاوے سے بری ہے۔ یہ عموماً پوشیدگی میں ادا کی جاتی ہے۔ اسے تہجد کہتے ہیں۔ تہجد کا حکم اسے فرض نمازوں میں شامل کر کے امر کے صیغہ میں دیا گیا ہے باوجود اس کے اسے نافلہ فرمایا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محض تاکید اور امر لازمی طور پر کسی بات کی فرضیت کی دلیل نہیں

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور بدی یکساں نہیں (اگرچہ بدی بدلہ ہی میں کیوں نہ ہو)۔ تو بدی کا دفعیہ نیکی کے ساتھ کر (اگر تو ایسا کریگا) تو وہ شخص کہ تیرے اور اس کے درمیان عداوت ہے' ایسا ہو جائیگا گویا کہ وہ پر جوش دوست ہے اور یہ بات نہیں ملتی مگر صبر کرنے والوں کو۔ اور یہ بات نہیں ملتی مگر کسی بہرہ وافر رکھنے والے کو پ۲۴

حاصل یہ کہ جب یہ بات ہر شخص کو نہیں ملسکتی تو ہر شخص پر فرض نہیں

جہاں خدا تعالیٰ نے کوئی ترتیب ضروری سمجھی ہے وہاں خود ہی اُسے سکھادیا ہے۔ جہاں ضرورت نہیں۔ وہاں بظاہر الفاظ رخصت دیدی ہے اور جہاں خاموشی اختیار کی ہے اُسے آدمیوں کی سمجھ پر چھوڑا ہے۔ تاکہ لوگ جیسا مناسب دیکھیں نیک نیتی کے ساتھ عمل میں لائیں

حاصل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کمال احسان سے انسان کو جو چیزیں وحی کے ذریعہ سے حرام بتلانا تھیں۔ وہ سب بتلادیں اور جو چیزیں وحی کے ذریعہ حلال دکھلانا تھیں وہ بھی سکھا دیں۔ باقی اشیاء میں یہ قاعدہ بتاکر کہ خبیث حرام ہے اور طیب حلال۔ اسے لوگوں کے تجربہ اور سمجھ پر چھوڑ دیا۔ تاکہ وہ مومن و متقی و محسن بن کر الٰہی نعمتوں سے مناسب فائدے حاصل کریں (خلق لکم ما فی الارض جمیعًا)

جو شخص مومن و متقی و محسن بن کر اس قاعدہ پر چلتا ہے۔ اگر اس نے کبھی سمجھ کی غلطی سے کوئی ناقص چیز بھی کھالی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے

برادران! کتاب الٰہی کی ایسی تعلیم کے بعد اور کن تفاصیل کی ضرورت باقی رہتی ہے؟

سُنیئے! جس کام کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لینا پسند فرمایا ہے۔ ہمیں اس میں دخل دینے کی یا کسی اور کو خدا تعالیٰ کی طرح دخیل بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

کیا خدا تعالیٰ نے اس باجماعت نماز میں جو مسلمان آپس میں کرتے ہیں، خود ہی نہیں بتادیا کہ قیام پہلے ہو اور پھر سجدہ کرکے لوگ اپنے اپنے مفوضہ فرائض کی بجاآوری پر جالگیں ہے

اور کیا خدا تعالیٰ نے خود ہی نہیں فرما دیا کہ خوف کے وقت سوار، پیادہ ہی خدا تعالیٰ کی نماز پڑھو ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ظاہری قیام و رکوع و سجود کی تعمیل و تکمیل کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی

دیکھئے! جس نماز میں قیام و سجدہ کی ضرورت تھی اور قیام و سجدہ میں خاص ترتیب دینا تھا۔ اس کا بیان خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ کسی دوسرے پر نہیں ڈالا۔ اسی طرح جس نماز میں قیام و رکوع و سجود کی کوئی حاجت نہ تھی اس سے بھی خود ہی ہمیں آگاہی بخشنا پسند فرمایا ہے۔ باقی رہی امن کے وقت کی تنہائی کی نماز۔ اس میں نہ باجماعت نماز کی طرح کسی ترتیب ہی کی ضرورت بتلائی ہے اور نہ عدم ضرورت ہی دکھائی ہے۔ اسے نہایت اعلیٰ درجہ کی حکمت کے ساتھ نمازی کے شوق اور سمجھ پر چھوڑ دیا ہے۔ اگر یہاں بھی باجماعت نماز کے انتظام کی طرح ایسی ضرورت ہوتی تو خدا تعالیٰ کو اس کے بیان کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا اور اگر مطلقًا عدم ضرورت ہوتی تو بھی خدا تعالیٰ کے لئے کوئی مانع نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کا مناسب مقام دے دیا ہے

تماشا ہے کہ قرآن مجید تو ہر چیز کا مناسب درجہ قائم کرے لیکن (بقول عوام) نبی کی اس لئے ضرورت ہو کہ وہ اس درجہ کو قائم نہ رہنے دے اور خود جو پابندیاں چاہے عائد کردے۔ افسوس!

ضرورت نہیں۔ اگر کوئی ترتیب دینا لازم ہوتا۔ تو خدا تعالےٰ خود ہی فرما دیتا

قرآن مجید میں ایک ہی جگہ کئی ایک امر اکٹھے بھی آتے ہیں یا ایک ہی امر کے ماتحت کئی کاموں کا حکم ہوتا ہے لیکن یہ کچھ ضروری نہیں ہوتا کہ ان میں خواہ مخواہ کوئی ترتیب دی جائے۔ یا ان سب پر اکٹھا ایک ہی وقت میں عمل کیا جائے۔ صرف اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ ان کو حسب موقعہ و حسب ضرورت جس طرح بھی مناسب دیکھا جائے عمل میں لایا جائے۔ مثلاً

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

سو جب حرمت والے مہینے گذر جائیں (اور وہ عہد توڑنے والے مشرک جو مسلمانوں کی پناہ میں تھے اپنی اپنی جماعتوں میں جا ملیں اور جنگ باقاعدہ چھڑ جائے) تو ان مشرکوں کو قتل کرو۔ جہاں پاؤ اور انہیں قید کرو اور انہیں گھیر لو اور ان کے لئے ہر (مناسب) گھات کی جگہ میں بیٹھو ۹؎

اس مبارک آیت میں چار حکم بصیغہ امر آئے ہیں۔ اوّل قتل۔ دوم قید۔ سوم محاصرہ۔ چہارم ہر گھات میں بیٹھنا۔ یہ سب حکم اکٹھے بجالانے کیلئے نہیں بلکہ اگر گھات کی ضرورت پہلے ہو تو پہلے اسی سے کام لینا چاہئے۔ اور اگر محاصرہ کرنے سے صلح طے ہو جائے تو قتل و قید کی کوئی ضرورت نہیں

قتل و قید میں بھی ہمیشہ ترتیب ضروری نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم ۹؎ یعنے پس انہیں قید کرو اور انہیں قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ

اس جگہ قید پہلے ہے اور قتل پیچھے۔ ایسے احکام حسب موقعہ اور حسب ضرورت کرنے کیلئے ہوتے ہیں، خدا تعالےٰ نے انسان کو عقل بھی کسی فائدہ ہی کے لئے دی ہے۔ دین سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔ اس میں عقل کا دخل سب سے بڑھکر مقدم ہے دین جہالت ہی سے جاتا رہتا ہے

قتل کے بعد قید ہی کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ اگر مناسب ہو تو نکال دینے کا بھی حکم ہے۔ اصل مقصود تو ان کی شرارتوں سے بچنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔ انہیں قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے ۲؎

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

جب تم نماز پوری کر چکو تو اللہ کو قیام میں اور قعود میں اور اپنے پہلوؤں پر لیٹ کر یاد کرو ۴؎

اس آیۂ مبارکہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قیام قعود اور لیٹنے میں کوئی ترتیب دو یا انہیں اکٹھا ہی بجالاؤ۔ بلکہ اگر دوڑنے کا وقت ہے تو۔ چلتے پھرتے اور دوڑتے ہوئے بھی اللہ کو یاد کرو۔ اس وقت قیام و قعود اور پہلوؤں پر لیٹنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اگرچہ آیت میں بظاہر الفاظ صرف انہی تین حالتوں ہی کا بیان ہے۔ بھاگتے' گھٹنوں کے بل چلنے' چت لیٹنے' اوندھا لیٹنے یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہونے وغیرہ وغیرہ حالات کا کوئی ذکر نہیں۔ آیت شریفہ کا صرف اتنا مطلب ہے کہ اللہ کی یاد حتی الوسع ضروری ہے خواہ کسی حالت میں ہو

صفائی کے ساتھ سکھانا جاتا ہے کہ دین کے معاملہ میں سب کچھ رسُول ہی رسُول ہے اور بس۔ باقی قرآن کا اصلی کمال ان کے نزدیک صرف اس قدر ہے کہ اسے منتر کی طرح رَٹ لیا جائے بس اسی میں ساری برکتیں آگئیں۔ ورنہ اگر نماز پُوچھو تو قرآن میں نہیں۔ جاؤ رسُول سے لو۔ زکوٰۃ کا علم چاہو تو قرآن میں نہیں۔ جاؤ رسُول سے سیکھو۔ حج کی تحقیق منظور ہو تو قرآن میں نہیں جاؤ رسُول کے عمل کو دیکھو۔ حلال حرام کی تفصیل درکار ہو تو اب اسکا فیصلہ بھی قرآن میں نہیں۔ جاؤ۔ قرآن کی یہ کمی بھی رسُول ہی سے پُوری کراؤ۔ اُن کے نزدیک قرآن کامل و مہیمن ایک ناقص کتاب ہے یہ اپنے نقائص کو پُورا کرنے کیلئے رسُول کا کامل محتاج ہے۔ یہ لوگ قرآن کریم کو بشرط شمولیت احادیث و اقوال بشر کامل جانتے ہیں یکمال کے یہ معنی ان لوگوں کی اپنی بناوٹ اور ایجاد ہیں عقل و وحی و لغت کے ساتھ ان معنوں کا کوئی علاقہ نہیں

برادران! خدا خدا ہے اور بندہ بندہ۔ خدا تعالیٰ کی ممتاز مفصّل و محفوظ وحی ہی اصل وحی ہے۔ بندہ اِس وحی کا پہنچانے والا اور خود اس کا تابع ہے۔ بندہ بذاتِ خود سارے کا سارا وحی نہیں۔ اگر بندہ خود ہی وحی مجسّم ہو تو خدا تعالیٰ کی ممتاز مفصّل و محفُوظ وحی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایسے بندہ کو الٰہی احکام کے انتظار کی کیا حاجت ہو سکتی ہے؟ ایسا بندہ تو صرف ایک کٹھ پتلی ہوگا۔ چُونکہ وُہ اپنے اختیار سے کوئی کام نہیں کرسکیگا۔ اس لئے اس کے ذاتی اقوال و افعال دُوسرے لوگوں کی طرح کسی اجر کے مُستحق بھی نہیں ہوں گے۔ اس کو اپنے اقوال و افعال کیلئے آخرت کی جوابدہی اور مواخذہ کا بھی کوئی خوف نہیں ہوسکتا

اگر خدا تعالیٰ کی ممتاز مفصّل و محفوظ وحی نے بندوں کو عقل سے کام لینا سکھلانے کیلئے کئی باتیں بندوں کی عقل پر چھوڑ دی ہیں۔ تو ایسی باتوں میں عقل سے کام لینا کافی سمجھا گیا ہے۔ رسُول کریمؐ کو حکم تھا کہ دوسرے لوگوں سے مشورہ کریں۔ مشورہ دوسروں کی عقل سے فائدہ اُٹھانے کیلئے ہی ہوتا ہے۔ اس مخول کیلئے نہیں ہوتا کہ مجھے تو مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں صرف تمہارے سکھانے کیلئے ہی میں اسے رسمی طور پر بجالاتا ہُوں۔ اگر رسُول کریم دُوسروں کے مشورہ سے مُستفید نہیں ہوتے تھے تو اذا عزمت فتوکل علی اللہ کے کوئی معنے نہیں رہتے

عقلی باتیں جن میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے اُن کے متعلّق کسی دانا نے کیا خُوب فرمایا ہے ؎

گہ بود کز حکیم روشن رائی　　　بر نیاید درست تدبیرے
گاہ باشد کہ کودکِ ناداں　　　بہ غلط بر ہدف زند تیرے

ایسی باتوں میں حسب ضرورت ترقی کرتے رہنا ضروری ہے۔ ایسی باتوں میں بصورتِ گنجائش ترقی جمود اختیار کرنا مُسلم کا کام نہیں زمانۂ نبوّت کے تمدّن پر اور طب نبوی پر اور اس زمانہ کے بیلچہ اور تیر و تلوار اور نیزوں پر انحصار رکھنا بندہ پرستی کے سوائے اور کچھ نہیں۔ قرآن حکیم قابل ترقی باتوں میں مقیّد حکم دے کر آدمیوں کو جامد بننا نہیں سکھاتا

قرآن مجید نے رسول کریم کے اقوال و افعال کی تردید و تصدیق کے متعلّق تین رستے اختیار کئے ہیں:۔

اوّل۔ قرآن مجید نے رسُول کریم کی بہُت سی باتوں کو ان کے وقوع کے بعد اپنے میں لے آنا ضروری سمجھا ہے اور

قرآن مجید کی ایسی تفاصیل کے بعد میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی ایسے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی رہ سکتی ہے

ہمارے رسول کریمؐ خدا تعالٰی کے بندے اور اس کی مخلوقات میں سے ایک بشر تھے۔ خدا تعالٰی نے اپنی رحمتِ خاص اور فضل عظیم سے اپنے اس بندہ کی طرف وحی کی۔ اور اپنی اس وحی کو ہمارے لئے اس بندہ کی اپنی باتوں اور اسکے اپنے اعمال سے ممتاز کر کے دیدیا۔ احکم الحاکمین خدا کی وحی کا بندے کے اقوال و افعال سے ممتاز ہونا لازم ہے

اگر مخلوق کی بات کو خالق کی بات سمجھ لینے میں کوئی حرج نہیں تو خالق و مخلوق کی باتوں کے مخلوط رہنے میں بھی کو حرج نہیں۔ لیکن اگر وحی اس لئے کی جاتی ہے کہ خالق و مخلوق کی باتوں میں تمیز ہو جائے تو لازم ہے کہ وحی الٰہی کو الگ اور ممتاز اور محفوظ کر کے ہمیں دیا جائے

حاصل یہ کہ خدا تعالٰی نے اپنی اس وحی کو بشری اقوال و افعال سے الگ کر کے اور اسے مُفصّل، کامل اور تِبۡیَانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ بنا کر اور اسے اپنی حفاظت کے ذمہ میں لیکر ہمیں دیا ہے

خدا تعالٰی نے اپنی اس ممتاز و مفصّل و محفوظ وحی کی صفت میں اپنے رسول کریم کو فرمایا کہ تو اس کے بغیر نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا چیز ہے۔ لیکن ہم نے اسے ایک نور بنادیا ہے ہم اس کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں

اور اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ تیری طرف جو وحی کی جاتی ہے تو اس کی پیروی کر۔ اور ہمیں فرمایا کہ تم اس کی پیروی کرو۔ جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوائے کسی اور دوست کی پیروی نہ کرو

اندریں صورت لازم تو یہ تھا کہ ہم رسول کریم کی باتوں کو پرکھنے کیلئے خدا تعالٰی کی ممتاز مُفصّل اور محفوظ وحی سے سند لیتے اور اس کے ذریعے سے رسول کریم کے قول و فعل کی خوبی دکھا کر اس پر عمل کرتے لیکن افسوس ہے کہ دنیا نے اُلٹا رستہ اختیار کر لیا ہے۔ تابع کو متبوع اور متبوع کو تابع اعتقاد کر لیا ہے۔ یہ لوگ خدا تعالٰی کی ممتاز و مکمّل و مفصّل وحی کی تکمیل و تفصیل و تصدیق کو رسول کا کام بتاتے ہیں۔ کیا رسول کی بشریت کے ذمے یہ کام ڈالا جا سکتا ہے؟ رسول کے اقوال و افعال۔ خدا تعالٰی کی ممتاز مفصّل و محفوظ وحی کی تصدیق کے بالضرور محتاج ہیں لیکن خدا تعالٰی کی ممتاز مفصّل و محفوظ وحی رسولؐ کی تصدیق، تکمیل و تفصیل کی ہرگز ہرگز محتاج نہیں

یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالٰی کی ممتاز مفصّل و محفوظ وحی نماز کیلئے، زکوٰۃ کیلئے، حج کیلئے، حرام و حلال کیلئے بلکہ ہر بات کیلئے رسول کی محتاج ہے

ان کے نزدیک قرآن مجید موم کی ناک ہے۔ اور باوجود اس قدر طول دینے کے صرف گول مال باتیں ہی کرتا جاتا ہے۔ پتہ کی کوئی بات نہیں بتاتا۔ قرآن بطور خود ایک نماز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ان کے نزدیک قرآن مجید صرف ایک ہی بات

تمام دنیا سجدہ مانتی ہے۔ جب تمہاری خیالی نماز، ہم سورج اور چاند کے آگے پڑھتے ہی نہیں تو ہمیں اس کام سے جو ہم کرتے ہی نہیں روکنا کہاں کی دانائی ہے ؟

جزء بول کر کل مراد لینا حقیقت نہیں۔ مجاز ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب تک کسی لفظ کے حقیقی معنے بن سکیں مجازی معنے ہرگز نہ لینے چاہئیں۔ مجازی معنے کرنے کیلئے وحی یا عقل سے کسی قرینہ کا پیش کرنا ضروری ہے

حاصل یہ کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں خالی سجدے کا ذکر ہے اگر وہاں کوئی قرینہ صارفہ نہیں تو محض سجدہ کرنے سے اس کی تعمیل ہوجائے گی۔ حضرت یعقوبؑ اور ان کے تمام اہل و عیال حضرت یوسفؑ کا اقبال دیکھکر، یوسفؑ سمیت خدا تعالے کے آگے سجدہ میں گر پڑے تھے۔ یہاں سجدؔ سے مُراد خالی سجدہ ہی ہے۔ اس سے کسی کی خیالی شکل و صورت کی مخصوص نماز ہرگز ہرگز مقصود نہیں

اسی طرح اکیلے قیام میں سجدہ در کوع کے بغیر بھی ذکر الٰہی کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاذکروا اللہ قیاماً الخ

پ ۱۲

خدا تعالے اپنے رسولؐ کو بعض ظالموں کی قبر پہ کھڑے ہوکر دُعا مانگنے سے روکتا ہے (لا تقم علی قبرہٖ) پس محض کھڑے ہوکر دعا مانگی جاسکتی ہے۔ قبر یا میّت کے سامنے رکوع و سجدہ کرنے سے قبر پرستی اور مُردہ پرستی کی تائید ہوگی

ذکر الٰہی قیام در کوع و سجود کے بغیر صرف بیٹھ کر بھی کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پہلو پر لیٹ کر یا بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اس سے تکلیف کو کھول دیتے ہیں تو وہ اس طرح گذر جاتا ہے گویا اس نے ہمکو اس تکلیف کی طرف جو اسے پہنچی تھی۔ بلایا ہی نہ تھا۔ اس گذرنے میں وہ ہمیں یاد نہیں کرتا" پ ۱۱

جو لوگ بیٹھ کر خدا تعالے کی طرف دھیان لگاتے ہیں انہیں عاکف کہتے ہیں۔ طائفین اور قائمین اور الرکع السجود کی طرح عاکفین بھی خدا تعالے کے ذاکرین میں سے ہیں جس طرح طائفین الگ قسم کے ذاکرین ہیں وہی حال باقی تین قسموں کا بھی ہے

ظاہری رکوع۔ سجدہ کا ابتدائی حصہ ہے۔ آدمی جھکتا جھکتا سجدہ میں گر پڑتا ہے۔ اس لئے الرکع السجود کی وحدت دکھلانے کے لئے درمیان میں عطف نہیں لایا گیا۔ یہ الگ قسم کے نمازی ہیں۔ باقی سب میں واؤ عاطفہ لاکران کا بھی الگ الگ قسم ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ سب ایک ہی شکل و صورت کی نماز کے حصے نہیں۔ طواف الگ نماز ہے۔ اعتکاف الگ نماز ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بحکم الٰہی مذکورہ بالا ہر قسم کے نمازیوں کیلئے بیت اللہ کو پاک اور صاف رکھتے تھے۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کی باجماعت نمازیں جب کہ وہ آپس میں جماعت کرائیں۔ انتظام کی خاطر قیام کو سجدہ سے پہلے بجا لانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اہل کتاب کی نمازوں کی طرف التفات فرماکر ان میں کوئی دخل نہیں دیا۔ اور تنہائی کی نماز کو نمازی کے اخلاص و محبت پر چھوڑ دیا ہے

اپنے اندر لاکر ان کی تصدیق کی ہے۔ اور یوں انہیں محفوظ کر دیا ہے

دوم۔ قرآن مجید نے رسول کریمؐ کی بعض باتوں کی تردید خود کر دینا مناسب سمجھا ہے اور ان کا غلط ہونا دکھلایا ہے

سوم۔ قرآن مجید نے رسول کریمؐ اور صحابہ رضؓ کی جن باتوں کو حسب زمانہ قابل گذارہ سمجھا ہے اور آگے بھی اس قسم کی باتوں کو حسب زمانہ و ترقی، گذارہ کے قابل ہی سمجھتا تھا۔ انہیں اپنے میں لاکر مصدّق و محفوظ بنانے کی ضرورت نہیں دیکھی اور یہ شریح کی طرح ظاہر ہے کہ یہ تیسری قسم کی باتیں پہلی قسم کی باتوں کی ہرگز ہرگز مثیل نہیں ہو سکتیں

پہلی قسم کی باتوں کو خدا تعالیٰ نے اپنے قرآن کے اندر لاکر محفوظ کر دیا ہے اور انہیں اپنی تصدیق کا شرف دے کر قابلِ اتّباع بنا دیا ہے، دوسری قسم کی باتیں جن کی خدا تعالےٰ نے صراحۃً غلطی نکالی ہے، ہرگز قابلِ اتباع نہیں۔ رسول کریمؐ کی ایسی باتیں کسی صورت سے بھی وحی نہیں ہو سکتیں۔ تیسری قسم کی باتیں خدا تعالیٰ نے انسانوں کی عقل و اخلاص اور اختیار و انتظام پر چھوڑی ہیں

اب معترض خود ہی بتائیں کہ مروجہ نماز اگر روایۃً صحیح بھی ہو تو کس قسم میں داخل ہے ؟ مجھے حیرت ہے کہ ان لوگوں کو کیوں سمجھ نہیں آتی !

معترض کے نزدیک سجدہ وغیرہ تمام مذکورہ بالا اشیاء کو خاص ترتیب دے کر سب کو اکٹھے ایک ہی وقت ادا کرنا لازم ہے لیکن ہمارے نزدیک جس طرح قرآن مجید میں ان باتوں کا الگ الگ حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح انہیں الگ الگ بجا لانا بھی صراحۃً جائز ہے۔ ہاں جہاں خدا تعالیٰ کسی ترتیب کو ضروری فرمائے۔ اس جگہ اُس ترتیب کو ضروری ماننا ہی لازم ہے

دیکھئے! قرآن مجید میں اکیلے سجدہ کا بھی حکم ہے مثلاً فرمایا ہے۔ کہ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو۔ اور اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سورج یا چاند کے آگے کوئی مخصوص نماز پڑھنا ہی منع نہیں بلکہ سجدہ کرنا بھی منع ہے اور جو سجدہ سورج اور چاند کے لئے منع ہے اُسی سجدہ کو خدا تعالےٰ کے آگے بجا لانے کا حکم ہے پس اللہ تعالیٰ کے حضور میں صرف سجدے بھی بلا تکلف کئے جا سکتے ہیں۔ کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ قرآن مجید کے نزدیک خدا تعالیٰ کے آگے نرے سجدے کرنا ناجائز ہے

مذکورہ بالا آیت میں یہ بناوٹ بھی نہیں چل سکتی کہ اس جگہ جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔ یعنی سجدہ کا لفظ بول کر اس سے کوئی مخصوص شکل و صورت کی نماز سمجھی گئی ہے

اگر بات یہ ہے تو لا تسجدوا للشمس ولا للقمر کے معنی یہ ہوں گے کہ اے مشرکو! تم سورج اور چاند کے لئے وہ نماز نہ پڑھو جسے ہم نماز کہتے ہیں۔ ایسی صورت مشرک بڑی صفائی کے ساتھ پوچھ سکتے ہیں کہ ہم سورج اور چاند کے آگے وہ نماز کیسے ادا کر سکتے ہیں جسے ہم نماز جانتے اور مانتے ہی نہیں ؟ ہم تو ان کے آگے وہ سجدہ کرتے ہیں جسے

کا خیال رکھیں۔ اور اپنی عبادات کو ایسے انتظام کے ساتھ بجالائیں کہ ایک کے سبب سے دُوسرے کیلئے کوئی خلل اور ہرج واقع نہ ہو جو لوگ بیٹھ کر یا یُوں کہو کہ عاکف ہو کر ذکر الٰہی کرتے ہیں کیا انہیں مساجد اللہ سے روک دینا چاہتے ؟ کیا ذکر الٰہی کرنے والوں کو مساجد اللہ سے روکنے والا بحکم قرآن اظلم نہیں ؟

حضرت موسیٰ تیس بلکہ چالیس راتوں کے لئے بنی اسرائیل سے الگ ہو کر پہاڑ پر گئے تھے۔ وہاں تنہا بیٹھ کر ذکر الٰہی کرتے رہے۔ انہوں نے اِس لمبے زمانہ کو ذکر الٰہی کر کے کسی نہ کسی طرح گذار ہی لیا۔ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ذکر الٰہی کرنے اور خدا تعالےٰ کی طرف دھیان لگانے کے لئے سوائے اخلاص و محبّت کے کسی اور مشنری کی ضرورت نہیں

عبادتِ اعتکاف جنگلوں اور پہاڑوں میں بھی کی جا سکتی ہے۔ خدا تعالےٰ کی عبادت کے لئے تمام زمین مسجد کا کام دے سکتی ہے۔ عبادتِ اعتکاف کیلئے کم لوگ مناسب فراغت حاصل کر سکتے ہیں۔ دیگر فرائض سے مُنہ موڑ کر لمبے اعتکاف کی کوئی ضرورت نہیں

جب بات یہ ہے۔ تو ایسے اعتراض کرنے والے اصحاب سخت غلطی پر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مسجدوں میں مقدّمات کے فیصل کرنے یا طالب علموں کے تعلیم پانے سے ہرج واقع ہوگا۔ یا قابلِ امداد لوگوں یا نابینوں کے بیٹھنے اور ذکر الٰہی کرتے رہنے سے کوئی خلل پیدا ہو جائیگا۔ خدا تعالیٰ نے بڑی صفائی کے ساتھ مسجدوں میں عبادتِ اعتکاف کی اجازت دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ :۔

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۲

روزہ کے ایام میں دن کے وقت اپنی بیویوں کے ساتھ رفث و مباشرت منع ہے۔ لیکن رات کے وقت اس کی رخصت ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص گھر سے الگ ہو کر عاکف بنے۔ تو اس کے لئے اگر وُہ گھر میں کسی ضرورت کے لئے آئے۔ تو راتوں کے وقت بھی اپنی بیوی سے ملنا منع ہے۔ جیسا کہ لا تباشروھن الخ کے حکمِ اِمتناعی سے واضح ہے۔ اگر اعتکاف لمبے زمانہ کے لئے نہ ہوتا۔ بلکہ اُس سے صرف قیام و سجدہ والی نماز ہی مُراد ہوتی۔ تو اس ممانعت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جن لوگوں کو رات کے وقت مباشرت کی اجازت دی ہے کیا وہ نماز نہیں پڑھتے تھے ؟

باوجود اس تمام تشریح کے وُہ صاحب جو عاکفین سے مُراد قائمین لیتے ہیں اور یُوں اُنہیں اس نماز کے پڑھنے والے سمجھتے ہیں (جوان کے اپنے خیال میں نماز ہے) وُہ وانتم عاکفون فی المساجد میں بھی عاکفون سے مُراد قائمون ہی لیتے ہیں

مُشرک لوگ اپنے بُتوں کیلئے عاکف بنتے تھے۔ اور اسے ان کی عبادت جانتے تھے۔ کیا وُہ اپنے بُتوں کے آگے وہی نماز گذارتے تھے۔ جس کے سمجھنے میں عاکفون کے معنے کرنے والے اصحاب آج تک خود بھی متحد نہیں ہو سکے

حاصل یہ کہ قیام و قعود اگرچہ رکوع و سجود کے ساتھ بھی ادا کئے جاسکتے ہیں۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ القائمین اور العاکفین الگ الگ نمازی نہیں

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ عاکفین کے معنے قائمین کے ہیں۔ مگر انہوں نے عربی زبان سے اس کی کوئی سند پیش نہیں کی، صرف اتنا کہا ہے کہ قرآن مجید میں ایک جگہ الطائفین اور الرکع السجود کے ساتھ العاکفین فرمایا ہے اور دوسری جگہ العاکفین کے بجائے القائمین لایا گیا ہے۔ ان کے نزدیک اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ القائمین، العاکفین کی تفسیر ہے۔ اگر یہ تفسیر صحیح ہے تو اس کے مطابق قائمین سے کھڑے ہونے کے معنے نہیں نکلیں گے۔ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ القائمین وہ ہیں جو قائم ہو کر یعنے جم کر، بیٹھ کر اور عاکف ہو کر یادالٰہی کرتے ہیں

یہ دلیل بالکل غلط ہے۔ یہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ سورت انبیاء میں ارشاد ہے کہ:۔

واسمعیل وادریس وذاالکفل۔ کل من الصابرین ۂ

اور دوسری جگہ سورہ ص میں فرمایا ہے:۔

واذکر اسمعیل والیسع وذاالکفل۔ وکل من الاخیار ۂ

اور نتیجہ اس طرح پر نکالے کہ چونکہ ایک جگہ اسمعیلؑ اور ذاالکفلؑ کے ساتھ ادریسؑ کا نام آیا ہے اور دوسری جگہ بجائے ادریسؑ کے الیسعؑ لایا گیا ہے۔ اس لئے ادریسؑ اور الیسعؑ دو جُدا جُدا پیغمبر نہیں۔ بلکہ یہ ایک ہی رسُول کے دو نام ہیں۔ کیا ایسی دلیل صحیح ہو سکتی ہے؟

بیٹھ کر نماز پڑھنے والوں یعنے عاکفین کی حیثیت میں دوسرے نمازیوں کی نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہو سکتا۔ لیکن عبادتِ طواف ضرور دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالنے والی ہے۔ باوجود اس کے خدا تعالیٰ کی رحمت نے خود خانہ کعبہ کو بھی طائفین کے لئے دوسرے نمازیوں کی طرح برابر کھلا رکھا ہے۔ بلاشبہ خدا تعالیٰ خلل اندازی، بے انتظامی اور کسی قسم کے فساد اور بگاڑ کو پسند نہیں کرتا (واللّٰہ لا یحب الفساد) اس لئے لوگوں کے درمیان انتظام و انصاف کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے

جب حاجی لوگ حجامت بنوا کر نہا دھو کر اور پاک صاف کپڑے پہن کر کعبہ میں جاتے اور حج کانفرنس فنڈ کے لئے نذرانے اور چندے ادا کر چکتے ہیں تو اس وقت پہلے عبادت طواف بجا لانی چاہیئے۔ اگر کعبہ کے اندر گنجایش نہ ہو۔ تو عبادتِ طواف صحن کعبہ میں کرنا مناسب ہے اور اگر حج اور عمرہ کرنے والا، صفا و مروہ کے درمیانی میدان میں اس عبادت کو بجالائے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ جو شخص کسی بھی خیر کا کام کوشش سے بجالاتا ہے تو اللّٰہ تعالیٰ شاکر علیم ہے

دیکھئے! خدا تعالیٰ کو کس قدر انتظام ملحوظ ہے۔ حج کے جلسے کے انتظام کیلئے متولّیوں اور منتظموں کا ہونا بھی ضروری ہے پس ہمیں یہ بھی چاہیئے کہ امرھم شوریٰ بینھم کے فرمان کے مطابق عمل کر کے ہمیشہ آپس کے امن و انتظام

اگر یہ کہا جائے کہ نماز تو رکوع و سجود کے بغیر بھی ہو جاتی تھی پھر رکوع و سجود کا حکم صرف ترقی کے لئے آیا تھا۔ ان سے نماز اعلیٰ ہو جاتی ہے۔ یہ ایسے رکن نہیں ہیں جن کے بغیر نماز قائم نہیں رہ سکتی۔ تو اس صورت میں اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں رہتی

اُس آیت مبارکہ میں جو معترض نے پیش کی ہے نماز کا کوئی ذکر نہیں۔ نماز کا بیان اسکے آگے الگ آتا ہے۔ اس آیت میں بلا قید وقت ہر وقت حسب استطاعت خدا تعالیٰ کے آگے راکع و ساجد رہنے کا حکم ہے۔ محض اتنا ہی حکم نہیں کہ رات دن میں چند دفعہ صرف مخصوص ہیئت و وضع کے رکوع و سجود کر لئے اور بس

عربی زبان میں بلکہ خود قرآن میں رکوع اور سجدہ کے معنے تواضع اور تذلل کے آئے ہیں۔ راغب نے راکع کے لفظ کی ماتحت اس معنے کی سند کیلئے سب سے پہلے اسی آیت کو لکھا ہے جو معترض نے پیش کی ہے۔ پس راغب کے نزدیک معترض کا استدلال بالکل بے حقیقت ہے

ہم پر لازم ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف ترقی کرنے میں پہلے اُس کے آگے جھک جائیں۔ یا یوں کہو کہ اپنے دل کو اسکی طرف جھکا دیں۔ یہ حقیقی رکوع ہے۔ پھر اپنا اختیار اس کے سپرد کر کے اس کے حضور میں لیٹ جائیں اور اپنے آپ کو اس طرح اس کے ہاتھ میں دیدیں جیسے مُردہ بدست زندہ۔ یہ حقیقی سجدہ ہے۔ ایسا رکوع و سجدہ انسان کی باطنی اور اعتقادی اصلاح کے لئے ضروری ہے

پھر ہم پر لازم ہے کہ عملی طور پر بھی اپنے ربّ کے عابد بنیں۔ تمام کام جو خدا تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لئے کئے جاتے ہیں وہ سب عبادت ہیں

یہ بھی ظاہر ہے کہ بعض امور جو بطور عبادت کے بجا لائے جاتے ہیں وہ اگرچہ عبادت ہوتے ہیں مگر معقول و خیر نہیں ہوتے۔ اس لئے ہم کو عملی طور پر ہمیشہ خیر ہی کرنی چاہیئے۔ یہ سب کام انسان کی فلاح کے موجب ہیں

پھر اس حالت کے قیام و ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے رستے میں وہ جدوجہد اور کوشش کریں جو خدا جیسے معبود حقیقی کی راہ میں کرنا لائق ہے۔ یہی مطلب ہے معترض کی پیش کردہ آیت کا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

" اے ایمان والو! (تمہارے ایمان کا یہ تقاضا ہونا چاہیئے کہ) تم (خدا تعالیٰ کے آگے) جھک جاؤ اور اُس کے آگے لیٹ جاؤ (یہ تو روحانی رکوع و سجود ہوئے) اور (عملی طور پر) اپنے ربّ کے عابد بن جاؤ (چونکہ وہمی اور تقلیدی عبادات فضول ہیں۔ اس لئے فرمایا) اور خیر کے کام کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ (اس کے آگے اعلیٰ کمال پر پہنچنے کی خاطر فرمایا) اور اللہ میں ہو کر ایسی کوشش کرو۔ جو کوشش خدا کیلئے کرنا حق ہے

حاصل یہ کہ اس آیت میں کسی مخصوص شکل و صورت کی نماز کے رکوع و سجود کے رکن ہونے کا کوئی ذکر نہیں

اعتراض چہارم آیۂ مبارکہ اقم الصلوٰۃ طرفی النہار و زلفاً من اللیل پ۱۲ میں صبح و شام اور عشاء کی نمازوں کا امر ہے۔ یہ تین نمازیں ہوئیں پھر اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس پ۱۵ میں ظہر کی نماز کا ذکر ہے۔ یہ چوتھی نماز ہوئی

حاصل یہ کہ طائفین، عاکفین، قائمین اور الرکع السجود جُدا جُدا قسم کے نمازی ہیں۔ یہ نمازی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے چلے آتے تھے۔ جب خانہ کعبہ تیار ہوا۔ تو حضرت ابراہیمؑ کو حکم الٰہی آیا کہ ان تمام نمازیوں کے لئے میرے گھر کو پاک و صاف رکھ۔ چونکہ یہ خدا تعالیٰ کی مسجد ہے اس لئے خدا تعالیٰ کے ذاکرین اس سے نہیں روکے جا سکتے۔ اس بیان سے قرآن مجید کی دریا دلی اور عالی ظرفی کا ثبوت ملتا ہے۔ ایسے قرآن حکیم مبین کے متعلق یہ کہنا کہ جو قیود وہ خود عائد نہیں کرتا انہیں بھی بلاوجہ ضرور ہی لگا لو۔ ورنہ تمہاری نماز نہیں ہوگی حیرت انگیز بات ہے

جب کہ اکیلے قیام اور نرے سجدہ میں بلکہ بیٹھ کر بھی ذکر الٰہی کیا جا سکتا ہے تو جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کا الگ الگ امر کیا ہے اور جہاں ان میں کوئی ترتیب دے کر نہیں دکھائی۔ وہاں اُن کا اسی طرح بجا لانا بھی کافی ہے

اعتراض دوم۔ اللہ تعالیٰ نے قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ میں قیام کو نماز کا رکن فرمایا ہے۔ پس قیام کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی

جواب:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

قوموا للّٰه قانتين۔ فان خفتم فرجالا او ركبانا یعنے تم مؤدب (ساکن اور چپ چاپ) ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا چلتے ہوئے یا سواری پر بیٹھے ہوئے ہی (یعنی ہر حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو) اس جگہ امن کی حالت میں قوموا للّٰه کے ساتھ قانتين (حال) کی قید لگائی ہے اور خوف کی حالت میں بجائے قانتین کے رجالاً یا رکباناً کی قیود عائد کی ہیں۔ تقدیر عبارت حسب ذیل ہے:۔

قوموا للّٰه قانتين۔ فان خفتم فـ(قوموا للّٰه) رجالاً او ركباناً

اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص پیادہ پا چلتا ہے یا جو سواری پر بیٹھا ہے وہ قطعاً ظاہری قیام نہیں بجا لا سکتا۔ پس قوموا للّٰه سے ظاہری قیام کے رکن ہونے کی سند پکڑنا سراپا باطل ہے۔ قُوْمُوْا لِلّٰهِ کے معنے ہیں "خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو"۔ کھڑے ہونے کے معنوں کا رجالاً اور رکباناً کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں

اعتراض سوم:۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا میں رکوع اور سجود کو نماز کے رکن بتایا ہے۔ پس رکوع و سجود کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی

جواب۔ یہ آیۂ مبارکہ سورہ حج کی ہے۔ یہ جنگ کی اجازت ملنے کے بعد نازل ہوئی ہے۔ امام نسفی رح اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

"مسلمان پہلے رکوع و سجود کے بغیر نماز پڑھتے تھے۔ پھر انہیں حکم ملا کہ تمہاری نماز رکوع و سجود کے ساتھ ہونی چاہئے"

اس بیان سے یہ ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی نماز پہلے بہت مضبوط تھی۔ وہ ستونوں کے بغیر ہی قائم رہتی تھی۔ پھر جب وہ مدت کے بعد کمزور ہو گئی تو رکوع و سجود کے دو رکن بڑھا دیئے گئے

اگر طرف سے مقصود وقت کا کوئی نقطہ ہے تو یہ ظاہر ہے کہ وقت کے ایک نقطہ میں کوئی نماز ادا نہیں کی جاسکتی اور اگر طرف سے مُراد وقت کا کوئی معیّن نقطہ نہیں بلکہ وقت کا امتداد مُراد ہے تو کیا یہ امتداد صرف اسی قدر چاہیئے کہ جس میں اس وقت کی نماز محض ایک ہی دفعہ پڑھی جا سکے۔ اور جنہوں نے پہلے وقت میں نماز نہیں پڑھی وہ پھر دوبارہ یا سہ بارہ نماز پڑھنے کے لئے وقت نہ پاسکیں؟ یا کیا ایک ایک نماز کے لئے کافی طور پر وقت ہونا چاہیئے؟ پہلی صورت عُسر کی ہے اور دوسری صورت یُسر کی ہے۔ خدا تعالےٰ ہمارے لئے یُسر کا ارادہ کرتا ہے۔ بلا ضرورت عُسر کا ارادہ نہیں کرتا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک نماز کے لئے کافی طور پر لمبا وقت ہونا چاہیئے

اور چونکہ اس آئت میں خدا تعالےٰ نے تین نمازوں کا حکم دیا ہے اس لئے ضرور ہے کہ ان تین نمازوں کے لحاظ سے رات دن کے تین حصے کئے جائیں

ان میں سے پہلا حصہ پو پھٹنے سے لے کر قبل دوپہر تک ہے۔ یہ دن کی پہلی طرف ہے۔ اس میں دن کے ایک طرف کی نماز پڑھی جانی چاہیئے لیکن افضل وقت اس نماز کے لئے "قبل طلوع الشمس" ہے

دوسرا حصّہ سورج کے ڈھلنے سے رات کے تاریک ہو جانے تک ہے۔ یہ دن کی دوسری طرف ہے۔ دن کی دوسری طرف کی نماز اس حصّہ میں پڑھنی چاہیئے لیکن افضل وقت اس نماز کے لئے "قبل غروب الشمس" ہے

تیسرا حصّہ رات ہے۔ یہ رات کی نماز کے لئے کھلا وقت ہے۔ اس میں کسی وقت علی الاتصال رات کی نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ جیسا کہ زلفاً من الیل کے پاک الفاظ سے ظاہر ہے۔ افضل وقت اس نماز کیلئے پچھلی رات ہے جو سو کر اُٹھنے کا وقت ہے

حاصل یہ کہ دن کے دو طرف سے مراد قبل از نیمروز اور بعد از نیمروز ہے پہلی طرف میں پو پھٹنے کے بعد جو "قبل طلوع الشمس" کا وقت ہے شامل ہے۔ اسی طرح دوسری طرف میں "بعد غروب الشمس" کا اسی قدر وقت آسانی کی خاطر داخل کیا جاسکتا ہے پس دوسری طرف کا وقت پو پھٹنے کے مقابلہ پر الی غسق اللیل ہی ہونا چاہیئے

کسی طولانی چیز کے دونو طرف اُس چیز کے اندر بھی ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ملے ہوئے اس کے باہر بھی ہوتے ہیں۔ نہار یعنے دن کا اصلی وقت طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک ہے۔ صبح و شام برزخی اوقات ہیں۔ جو دونو طرف مل سکتے ہیں

چونکہ دن کے دونو طرفوں میں سے ایک ایک طرف کھلی اور وسیع ہے اس لئے ایک ایک طرف کا ہر حصہ بھی طرف ہے۔ پس دن کے طرفین بہت سے اطراف پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اطراف النہار ﷺ کا لفظ بول کر اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے

الحاصل پہلی آئت میں جو دن کے دو طرفوں کا ذکر ہے وہ دو طرف کھلے اور لمبے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس

پھر چونکہ چار نمازوں میں بیچ کی نماز متعین نہیں ہوسکتی۔ اس لئے الصّلوٰۃ الوسطیٰ پانچویں نماز ہے۔ پس قرآن مجید میں پانچ نمازوں کا صریح حکم ہے

جواب۔ آیات کا مطلب متعین کرنے کے بغیر یونہی کچی باتیں بنانا اور انہیں دلائل قرار دے لینا حق پرستوں کا کام نہیں۔ معترض صاحب نے اپنے دعوی کے ثبوت میں قرآن مجید سے تین متفرق حوالے پیش کئے ہیں۔ اور ان کا غلط مفہوم اپنے دل میں بٹھا کر اعتراض گھڑ دیا ہے۔ اور باوجود غلط مفہوم لینے کے فوراً اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ چلو! ہمارا دعویٰ ثابت ہوگیا

برادران! دیکھئے! خدا جیسے علیم الکل نے نماز جیسے ضروری فریضہ کے ضروری اوقات بیان کرنے ہیں۔ اور طریقہ ایسا ٹیڑھا اختیار کیا جاتا ہے۔ جس سے کوئی یقینی نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ پہیلیاں بھی اس سے زیادہ نتیجہ خیز ہوتی ہیں

پہلی آیت میں ایسی نیکیاں سکھانے کیلئے جو بدیوں کو دور کرتی ہیں۔ اور ذاکرین کو نصیحت کرنے کی خاطر صرف تین وقت کی نماز سکھائی ہے۔ لیکن معترض کہتا ہے کہ باوجودیکہ خدا تعالیٰ کو یہ مقصود ہے کہ ذاکرین کو نمازیں سکھائے اور بدیوں کو دور کرنے والی حسنات بتائے۔ پھر بھی خدا تعالےٰ اس آئت میں پورے طور پر ضروری نمازیں بھی بیان نہیں کرسکا۔ معترض کے نزدیک اس آئت میں صبح و شام اور عشاء کی نماز کا امر ہے لیکن ظہر و عصر کا اس میں کوئی ذکر نہیں

دوسری آئت میں خدا تعالیٰ نمازی کو مقام محمود تک پہنچانے کیلئے پھر تین ہی نمازوں کا امر کرتا ہے۔ مگر معترض کے نزدیک وہ تین نمازیں ظہر و فجر اور تہجد کی ہیں

یہ عجیب بات ہے کہ پہلی آیت میں فجر کے ساتھ شام اور عشا کی نمازیں نمازی کو محسن بنا دیتی ہیں۔ اور دوسری آیت میں فجر کی نماز کے ساتھ ظہر اور تہجد کی نمازیں بھی مقام محمود تک پہنچا دینے والی ہیں۔ فجر کی نماز کا حکم دونوں آیتوں میں یکساں طور پر کیا گیا ہے۔ باقی ایک آیت کی دو نمازوں کی جگہ دوسری آیت کی دو نمازوں کو کافی سمجھا گیا ہے ایسے طرز بیان سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ سب کو ملا کر اکٹھے ہی فرض سمجھ لیا کرو، اور جب اصل نمازیں تین سے نہ بڑھیں تو الصلوٰۃ الوسطیٰ کی خیالی تفسیر کرلو

اصل بات یہ ہے کہ پہلی اور دوسری آیت کی نمازوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ سب مغالطے خدائی تفسیر سے اعراض کرکے اور اپنے خیال کو حل ٹھہرا کر، دئے جاتے ہیں

پہلی آیت میں دن کے دو نو طرف نماز کے قائم کرنے کا حکم ہے۔ اس جگہ دن کے طرف کے معنے سمجھنے سب سے پہلے ضروری ہیں

دیکھنا یہ ہے کہ کیا "دن کی طرف" سے وقت کا کوئی نقطہ مراد ہے یا اس سے مقصود وقت کا کوئی امتداد ہے

ساتھ شامل کرنا پڑے گی

اگر دلوک کو معنی سورج ڈھلنے کے کیئے جائیں تو اس حکم کا یہ مطلب ہوگا کہ سورج ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک نماز قائم کر۔ دلوک کے تینوں معنے لینے والے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اس معنیٰ کے لحاظ سے اس حکم کے مطابق صرف ایک ہی نماز ثابت ہوتی ہے۔ لیکن دوسری نماز دوسرے معنوں سے اور تیسری نماز تیسرے معنوں سے نکلے گی

پھر وہ دوسرا معنیٰ یوں کرتے ہیں کہ سورج کے زرد پڑ جانے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک نماز قائم کر۔ اس معنے میں جس وقت کا ذکر آتا ہے وہ وقت پہلے معنے والے وقت کا صرف ایک جزء ہے کوئی الگ وقت نہیں۔ سو جب ان کے نزدیک پہلے وقت کے لحاظ سے صرف ایک ہی نماز ثابت ہو چکی ہے۔ تو اس کے جزء وقت میں سوائے اس پہلی نماز کے کوئی اور نماز کیسے آ گھُسی ؟

تیسرے معنیٰ کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ سورج کے غروب ہونے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک نماز قائم کر۔ اس معنیٰ کا وقت دوسرے معنی والے وقت کا جزء ہے۔ اور پہلے معنیٰ والے وقت کا جزء الجزء ہے۔ اس سے علیحدہ وقت نہیں جس میں کوئی اور نماز آ سکے بسو جب کل وقت میں ایک ہی نماز ثابت ہو چکی تو اسی کے جزء بلکہ جزء الجزء میں کوئی اور نماز کیسے گھس آئی ؟

الی غسق اللیل کی غائت کے مطابق اس سے صرف ایک ہی نماز نکل سکتی ہے تینوں معنے لے کر بھی مطلب یہ ہوگا کہ خواہ سورج کے ڈھلنے کے بعد یا سورج کے زرد پڑ جانے کے بعد یا سورج کے غروب ہو جانے کے بعد رات کے تاریک ہو جانے تک لمبا وقت پسند کر۔ یا چھوٹا۔ بہر صورت ایک نماز پڑھ۔ جزء وقت اور کل وقت کا حکم بصورت وحدتِ نماز اکٹھا ہو سکتا ہے۔ لیکن جزء وقت میں کل وقت کے غیر کوئی اور نماز نہیں آ سکتی۔ اگر تینوں وقتوں میں جزء اور کل کی نسبت نہ ہوتی۔ بلکہ یہ تینوں الگ الگ وقت ہوتے اور الی غسق اللیل ان کی مشترکہ غائت نہ ہوتی۔ تو یہ لوگ اس وقت کے تین حصے کر کے تین نمازیں نکال لیتے۔ لیکن اس جگہ غائت ایک ہی ہے اور ان اوقات میں جزء اور کل کی نسبت ہے۔ پس اس آیت سے بہر صورت ایک ہی نماز ثابت ہوگی

کتاب مغنی اللبیب میں لام جارہ کے معنے بعد کے بھی لکھے ہیں اور اس معنے کی سند میں یہی آیت یعنے اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الخ ہی پیش کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظوں کی تحقیق کرنے والے عربی دانوں کو لدلوک الشمس میں ل کے معنے بعد کے نظر آتے ہیں۔ پس آئت کے معنے یہ ہوئے کہ سورج کے ڈھلنے کے بعد ضرور ساتھ ہی نہیں بلکہ رات کے تاریک ہونے تک کسی وقت نماز ادا کرو

اس آئت کے حکم کے مطابق اگر کوئی شخص غسق اللیل تک ایک نماز مثلاً شام کی نماز ادا کر لے تو وہ

کی تشریح کی ضرورت تھی۔ خدا تعالےٰ نے دوسری آئت میں دن کے ان دو طرفوں میں سے دوسری طرف کی خود ہی تشریح کردی ہے کہ وہ طرف سورج کے ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک رہتی ہے۔ اس میں ایک نماز پڑھو۔ اس بیان سے دن کی پہلی طرف کی تشریح بھی بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے

مختصر یہ کہ پہلی آئت میں دن کے دو طرف نماز قائم کرنے کا حکم ہے۔ لیکن اس دوسری آئت میں دن کی دوسری طرف کی تشریح کردی ہے کہ یہ دوسری طرف سورج کے ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک رہتی ہے۔ پس دوسری طرف کی نماز دونوں آئتوں میں ایک ہی نماز ہے۔ دو الگ الگ نمازیں نہیں ہیں

سورج کے ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک خدا تعالےٰ نے صرف ایک نماز کا وقت بتلایا ہے۔ جو دن کی دوسری طرف کی نماز ہے۔ اس وقت کو وسیع دیکھ کر لوگوں نے عجیب عجیب نخرے کئے ہیں کوئی کہتا ہے کہ اس میں تین نمازوں کا ذکر ہے۔ کوئی کہتا ہے اس میں چار نمازوں کا حکم ہے۔ یہ بھی عجیب طرز بیان ہے کہ تین چار نمازیں تو ایک ہی وقت کا بیان کر کے اکٹھی ہی سکھائی جائیں۔ لیکن فجر اور تہجد کے وقتوں کو الگ الگ کر کے بیان کرنا ضروری سمجھا جائے۔ اگر نمازوں کو الگ الگ کر کے سکھانا تھا۔ تو سبھی کو الگ الگ کر کے سکھایا جاتا۔ (جیسا کہ ہمارے نزدیک بلاشبہ سکھایا گیا ہے) اور اگر اکٹھا کر کے یکجائی طور پر بیان کرنا تھا تو اکٹھا ہی کہدیا جاتا کہ رات دن میں نماز پڑھا کرو۔ حکیم مطلق خدا کے بیان پر اگر عیب لگ جائے تو لگ جائے۔ مگر یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے خیالات ثابت ہو جائیں۔ کیا یہ بھی کوئی دلیل ہے کہ چونکہ اس نماز کا وقت لمبا ہے اس لئے اس میں چار نمازیں آنی چاہئیں۔ رات کی نماز کا وقت اس سے بھی لمبا ہے۔ پھر کیا اس وقت میں چار سے زیادہ نمازیں ہونی چاہئیں؟

قرآن مجید میں صراحتہً اس وقت میں ایک نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ مگر بعض لوگ بناوٹیں بنا کر کہتے ہیں کہ چونکہ دلوک کے معنے سورج کے ڈھلنے اور اس کے زرد پڑ جانے اور اس کے غروب ہونے کے الگ الگ آئے ہیں۔ اس لئے تینوں معنوں کے لحاظ سے اس میں تین نمازوں کا حکم ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ ایک لفظ کے خواہ کتنے ہی معنے کیوں نہ ہوں۔ ایک ہی عبارت میں اس کا ایک معین معنیٰ ہونا لازم ہے۔ ورنہ وہ عبارت ظنی ہو جائے گی۔ اور معلوم نہیں ہوسکیگا کہ اس عبارت میں اس لفظ کے کون سے معنے لئے جائیں۔ اگر ایک شخص اس لفظ کے ایک معنے لیگا تو وہ بھی سچا ہوگا۔ اور اگر دوسرا شخص دوسرے معنے لے لیگا تو اس کا قول بھی اسی طرح صحیح ماننا پڑے گا۔ اور اگر تیسرا شخص اس لفظ کے تیسرے معنے قرار دے گا تو اُسے بھی سچا سمجھنا لازم ہوگا۔ اس طرح تین مختلف الخیال شخص سچے بن جائیں گے اور یہ باطل ہے ورنہ تینوں کے بیان کو مشتبہ قرار دینا پڑیگا۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ دلوک کے خواہ کوئی معنے لئے جائیں۔ بہرصورت الی غسق اللیل کی غائت ہر معنی کے

میں نہیں ہے
یہ نماز رات کے وقت جب دوسرے لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں ادا کی جاتی ہے اور دکھاوے اور ریا سے یقیناً پاک ہے۔ یہ وقت اپنے رب رحمان کے ساتھ رازداری کی باتیں کرنے کا ہے۔ حضرت موسےٰؑ اپنے رب کے ساتھ رازداری کی باتیں کرنے کے لئے پہاڑ پر گئے تھے (وقربناہ نجیا) لیکن اگر کوئی شخص چاہے تو وہ اپنے گھر ہی میں رات کو اپنے سچے مالک کے ساتھ رازداری کی باتیں کر سکتا ہے
اس نماز میں دل خود بخود اللہ تعالےٰ کی طرف کھچا جاتا ہے۔ یہ نماز بندے کو سچ مچ اللہ تعالےٰ سے ملا دیتی ہے۔ اس نماز میں بندے کو خدا تعالےٰ کے ساتھ ملا دینے اور اس کے قرب کا واسطہ بننے کی تمام نمازوں سے زیادہ خاصیت ہے
یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں اس نماز کی بڑی تاکید و تعریف آئی ہے اور بڑے لطف کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ دن کے تھکے ماندے مزدور۔ رات کو لمبی تانے صبح کر دیتے ہیں۔ اس لئے یہ فرض نہیں بنائی جا سکتی۔ صرف خوبیاں دکھا کر تاکید کرنا ہی مناسب ہے۔ تاکہ لوگ اپنے شوق سے اسے بجا لائیں۔ نافلہ تو اور بھی نمازیں ہیں۔ مگر اس کی تاکید بالخصوص سب سے بڑھ کر کی گئی ہے۔ یہ ایسی نافلہ نماز ہے جسے فرض نمازوں کی گنتی میں داخل کر کے تین نمازیں بتائی گئی ہیں
حاصل یہ کہ جب خدا تعالیٰ نے قرآن پاک کی چھ آیتوں میں رات کی اس نماز کا فرض نمازوں کی گنتی میں داخل کر کے ذکر کیا ہے۔ تو معترض صاحب کی خیالی الصلوۃ الوسطیٰ کے ثابت کرنے کیلئے کیوں اس نماز کو اس گنتی سے نکال دینا ضروری ہے
پہلی آئت میں رات کی نماز کا ذکر ہے۔ دوسری میں بھی رات کی نماز کا بیان ہے۔ اور نام اس کا خدا تعالےٰ نے تہجد رکھا ہے۔ اس سے دونو آیات میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ معترض صاحب کو اپنے خیالی اوقات ثابت کرنے ہیں، اس لئے انہوں نے یہاں بھی اختلاف ڈال دیا ہے اور پہلی آئت میں رات کی نماز کو تہجد کی جگہ عشا کی نماز قرار دے لیا ہے اور یوں دونوں آیات کے اوقات نماز کو جدا جدا کرنے کی کوشش کی ہے
معترض صاحب کے نزدیک عشاء کی نماز کا وقت بہت لمبا ہے۔ اور رات کے نصف تک پہنچتا ہے۔ لیکن قرآن پاک عشاء کی نماز کے وقت پر جو کچھ روشنی ڈالتا ہے وہ اس سے جداگانہ ہے۔ سنئیے:۔
خدا تعالیٰ نے سورت نور میں ارشاد کیا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے گھر میں زینت لگا کر بیٹھی ہو۔ تو جس طرح اس عورت کو اپنے باپ بیٹے۔ بھائی بھتیجے وغیرہ سے اپنی زینتوں کا چھپانا کچھ ضروری نہیں۔ اسی طرح اس کو اپنے لونڈی غلاموں اور نابالغ بچوں سے بھی اپنی ان زینتوں کو پوشیدہ کرتے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن

اس آئت کی تعمیل سے سبکدوش ہو جائے گا۔ سو جب ایک ہی نماز کے پڑھنے سے اس حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے تو اس سے کئی نمازوں کی فرضیت نکالنا سراپا باطل ہے۔ اگر اس وقت میں تین چار نمازیں فرض ہوتیں۔ تو ایک نماز کے ادا کرنے سے اس آئت کے حکم کی تعمیل نہ ہو سکتی

معترض صاحب نے ظہر کی فرضیت ثابت کرنے کے لئے دو دفعہ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس ہی کے الفاظ کو پیش کیا ہے اور بیہودہ الی غسق اللیل کے الفاظ؛ کھا گئے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس پر جملہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور الی غسق اللیل کے الفاظ یا تو کوئی الگ مستقل معنے رکھتے ہیں۔۔ یا یہ الفاظ ان کے نزدیک محض فضول اور حشو ہیں۔

سورۃ ھود) کی آئت میں فرمایا ہے۔ کہ دن کے دو اطراف میں نماز قائم کر۔ اور آئتِ سورۂ بنی اسرائیل میں دن کی دوسری طرف کی تشریح کر دی ہے۔ اس طرف کی تشریح مشکل تھی۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اس کے متعلق خود ہی فرما دیا ہے کہ یہ طرف سورج کے ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک رہتی ہے۔ پہلی طرف کی تشریح سہل ہے۔ وہ ظاہرا فجر یعنے پو پھٹنے سے شروع ہوتی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ دن کے وسط تک پہنچ سکتی ہے

پس دونوں آئتوں میں دن کی دوسری طرف کی نماز یکساں طور پر ایک ہی ہے

پھر معترض پہلی آیت میں ایک نماز فجر کی بھی بتاتا ہے۔ دوسری آیت میں بھی فجر کی نماز برابر موجود ہے۔

اسی طرح پہلی آیت میں ایک اور نماز رات کی بتائی ہے۔ دوسری آیت میں بھی رات کی نماز کا برابر ذکر ہے اور اللہ تعالےٰ نے خود ہی فرما دیا ہے کہ وہ نماز تہجد کی ہے۔ پس دونوں آئتوں میں نماز کے اوقات کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں یکساں طور پر تین وقت دونوں ہی آیات میں مذکور ہیں۔

اندریں صورت ایک آئت سے نماز کے کوئی اور وقت نکالنا اور دوسری آئت میں نماز کے کوئی اور وقت بنا لینا اور پھر دونوں کو ملا کر نماز کے اوقات کو بڑھا لینا اور انہیں ضروری فرائض ٹھیرا لینا بالکل لغو ہے

دونو آئتوں میں تینوں نمازوں کا حکم امر کے صیغوں کے ساتھ ہی آیا ہے مگر دوسری آیت میں ان میں سے ایک نماز یعنے تہجد کو جو رات کی نماز ہے نافلہ فرمایا ہے

فرض کی مثال ایسی ہے جیسے قرض کا ادا کر دینا۔ اس کی ادائیگی سے آدمی قابل ملامت نہیں رہتا۔ لیکن ترقی کے لحاظ سے نفل؛ فرض سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ دشمنوں کے ساتھ دلجوئی اور صاف دلی سے پیش آنا اور بدی کے مقابلہ میں نیکی کرنا۔ اعلےٰ درجہ کی خوبی ہے۔ مگر ہر شخص اس کے لئے مکلف نہیں بنایا جا سکتا

نافلہ نمازیں دن کے وقت اور بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ مگر جو خوبی رات کی نافلہ نماز میں ہے۔ وہ کسی اور نماز

بہن بھائیوں کی طرح محرم بنا تا ہے۔ مالک و مالکہ خود ان سے میاں بیوی کی طرح نہیں مل سکتے۔ ہاں دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کا نکاح کرا سکتے ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ مالک و مالکہ رات کو سونے کے وقت انہیں نہ بلا سکیں اس سے بڑا مقصد یہ ہے کہ بدی کے موقعوں کو بالکل روک دیا جائے۔ ایسے وقت میں نا بالغ بچے بچیوں کو بلانا بھی قابل اعتراض ہے

ہاں شام کے اختتام کے بعد تھوڑی دیر تک اور فجر کی نماز سے پہلے تھوڑی دیر تک لونڈی غلام اور نا بالغ بچے کام کاج کی بچی کھچی ضرورتوں کے لئے اپنے مالکوں کے گھروں میں آجا سکتے ہیں۔ لیکن اس وقت ان کے لئے اذن لینا لازم ہے

جس طرح فجر کی نماز سے پہلے کا وقت قدرتی طور پر معین ہے اور ہر شخص اسے پہچان سکتا ہے اسی طرح عشاء کے بعد کا وقت بھی قدرتی طور پر معین ہونا چاہئے تاکہ اسے لونڈی غلام اور نا بالغ بچے بھی سمجھ سکیں اور اس قاعدہ کی خلاف ورزی سے بچ سکیں

جب شام کی روشنی جاتی رہتی ہے اور رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس وقت کا فجر کے وقت کی طرح ہر ایک کو پتہ لگ سکتا ہے۔ اس وقت لونڈی غلاموں اور نا بالغ بچوں کا گھروں میں بغیر اجازت کے آنا منع ہے اور چونکہ یہ ممنوع وقت بحکم قرآن عشاء کی نماز کے بعد ہے۔ اس لئے عشاء کی نماز غسق اللیل تک ختم ہو چکتی ہے پس عشاء کی نماز دن کی دوسری طرف کی نماز کا آخری وقت ہے۔ اس لئے عشاء کی نماز دن کی دوسری طرف میں آجاتی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ رات کی تیسری نماز جس کا وقت پہلی آیت میں زلفاً من اللیل ہے وہ عشاء کی نماز نہیں بلکہ رات کی وہی نماز ہے جس کا بیان دوسری آیت میں ہے

اب الصلٰوۃ الوسطیٰ کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے:-

وُسطیٰ (جو اوسط کی مونث ہے) صلوٰۃ کی صفت ہے۔ لوگ اسے صلوٰۃ کی ایسی صفت بناتے ہیں جس سے صلوٰۃ کی کوئی خوبی نہیں نکلتی۔ وقت یا گنتی کے لحاظ سے کسی چیز کا درمیانی ہونا اس چیز کی کوئی خوبی نہیں۔ اگر کسی نماز کو بیچ کی نماز کہنے سے اس کی خوبی نکلتی ہے تو اس کو اول نماز کہنے میں اس سے بڑھ کر خوبی ہے

ہاں اگر نماز وسطیٰ سے وہ نماز سمجھی جائے جو خوب اعتدال پر ہو یا جو فاضل تر اور بہتر نماز ہو یا جو بندے کو اپنے مالک سے ملا دینے والی اور مخلوق اور خالق کے درمیان واسطہ ہو تو البتہ اس سے اس نماز کی فضیلت ثابت ہو گی اور یہ حالت اُس کی تاکید کی ضرورت کو دکھائے گی ہمیں چاہئے کہ نمازیں پڑھیں اور جب بھی نماز پڑھیں تو ٹھونگیں نہ ماریں۔ بلکہ ایسی نماز پڑھیں جو خوب اعتدال والی اور بندے کو اپنے مالک سے ملا دینے والی اور فاضل تر اور خوب تر نماز ہو

سورت کے اخیر میں امر کیا ہے کہ مذکورہ بالا لوگوں میں سے صرف لونڈی غلاموں اور نابالغ بچوں کو تین وقت اذن لے کر آنا چاہیئے۔ یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں۔ باقی کام کے اوقات میں گھروں کے اندر۔ ان کے بلا اجازت چلے آنے میں کوئی گناہ نہیں

پردے کے وہ تین وقت جن میں لونڈی غلاموں اور نابالغ بچوں کو اذن لے کر آنا چاہیئے، حسب ذیل ہیں،

اول فجر کی نماز سے پہلے

دوم عشاء کی نماز کے بعد

سوم۔ دوپہر کے وقت جب لوگ آرام کرنے کے لئے کپڑے اُتارتے ہیں

اب اگر عشاء کا وقت آدھی رات ہوتا تو اس آئت کے حسب الحکم لونڈی غلاموں اور نابالغ بچوں کے آدھی رات تک اذن لے کر آنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی حالانکہ یہ وقت دوپہر سے بڑھ کر پردے کا وقت ہے۔ دوپہر کے وقت کا تعلق زیادہ تر گرم ملکوں اور گرم موسموں کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے۔ لیکن رات کے نصف اول کا وقت تمام دنیا کے ساتھ عام طور پر تعلق رکھتا ہے

اس صورت میں لونڈی غلاموں اور نابالغ بچوں کے لئے اس آئت کے ماتحت صرف آدھی رات ہی کے بعد اذن لے کر آنے کی ضرورت رہتی۔ اور پھر چونکہ فجر کی نماز سے پہلے بھی اسی طرح اذن لے کر آنے کی حاجت ہوتی۔ اس لئے رات کا دوسرا نصف بھی اذن لے کر آنے جانے میں ختم ہو جاتا اور ہمارے لونڈی غلاموں اور نابالغ بچوں کے لئے اس کش مکش میں آرام کرنے اور سونے کے واسطے کوئی وقت نہ نکل سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کا حکم بالکل غیر دانشمندانہ بلکہ ظالمانہ نہیں نہیں، بلکہ قطعاً ناقابل تعمیل ہوتا

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح پردے کے تین وقت نہیں بن سکتے۔ بلکہ صرف دو وقت ہی رہ جاتے ہیں

(۱) دوپہر کا وقت

(۲) رات کے دوسرے نصف کا وقت جو عشاء کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز سے پہلے ہے۔ جن دو اوقات میں کوئی فصل ہی نہیں ان کو دو وقت ٹھیرانا فضول ہے۔ پس فجر کی نماز سے پہلے اور عشاء کی نماز کے بعد دو وقت صرف اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جب کہ ان کے درمیان لونڈی غلاموں اور نابالغ بچوں کے آرام کرنے اور سونے کے لئے کافی وقت کا فصل ہو۔ یہ عرصہ بالکل چھٹی کا وقت ہو اور اس میں مالکوں کے لئے کوئی حق نہ ہو۔ کہ انہیں بے آرام کر سکیں یا انہیں اپنے پاس بلا سکیں

قرآن مجید آئندہ کے لئے لونڈی غلام بنانے کو بند کرتا ہے اور موجودہ لونڈی غلاموں کو آزاد کرانے پر بڑا زور دیتا ہے۔ لیکن پھر بھی جو لونڈی غلام باقی رہ جائیں۔ انہیں اپنے مالک اور مالکہ کے لئے۔ والدین۔ اولاد اور

ان دو باقیماندہ حکموں میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ اپنی بیوہ عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک گذارہ اور مکان دیا جائے۔ ہاں اگر چار ماہ دس دن کے بعد وہ خود نکل جائیں اور اپنے حق میں کوئی اچھا انتظام کر لیں تو تم پر کوئی تنگی نہیں

دوسرا حکم یہ ہے کہ مطلقات کو بھی دیگر حقوق کے علاوہ اسی طرح کچھ اور بھی گذارہ کے لئے دیا جائے

چونکہ ان دونوں حکموں میں عورتوں کی بڑی رعائت کی گئی ہے اس لئے راٹھ لوگوں کو ایسے حکم پسند نہیں آسکتے۔ خود مسلمانوں نے بھی ان حکموں کو ترک کر دیا ہے بلکہ پہلے حکم کو تو بالکل منسوخ ہی ٹھیرا لیا ہے

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بیوہ اور مطلقہ عورتیں جب تک ان کے نکاح ثانی کا انتظام نہ ہو جائے قابل امداد ہوتی ہیں۔ ایسے وقت میں انہیں کچھ نہ کچھ گذارہ کے لئے چاہئیے

لیکن راٹھ لوگ خیال کرتے ہیں کہ جب یہ عورت ہمارے قابو سے نکل جائیگی اور دوسرے خاوند کے ہاں رنگ رلیاں منائیگی تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ بوقت مصیبت ہم اس عورت کی مدد کریں اور کیوں اس کے لئے آسانیاں بہم پہنچائیں اور کیوں چاہیں کہ اس کا بھی کوئی نیک سامان بن جائے اور یہ بھی آرام سے رہے؟ وہ تو کہتے ہیں کہ جب یہ ہمارے قابو سے گئی تو ہمیں کیا؟ چوہڑوں کے پاس جائے یا چماروں کے ہاں!

اگر اس عورت کو نکاح ثانی کا موقعہ نہ ملے یا نکاح ثانی کی صورت میں وہ زیادہ مصیبت میں پھنس جائے تو طلاق دینے والے اور ان کے ساتھی خوش ہوتے ہیں کہ اچھا ہوا۔ اسے دوسری جگہ بھی امن نہ ملا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ جیسے ہمارے ہاں امن نہیں ملا۔ اسے کہیں بھی پناہ نہ ملے۔ افسوس!

چونکہ یہ دونو حکم راٹھ لوگوں کے جذبات کے مخالف اور ان پر بار ہیں اس لئے انسان کو ان احکام کے واسطے آمادہ کرنے کی خاطر ذکر الٰہی والی نماز کا امر کیا گیا۔ جو سچ مچ بندہ کو اپنے خالق کے ساتھ ملانے کا واسطہ ہو اور جو بیحیائی اور نامعقول سے روکنے والی ہو اور پہلے حکموں کی تاکید کی خاطر فرمایا کہ یہ اصلاحیں بھی نمازیں ہیں۔ ان کی حفاظت کرو۔ اور جو نماز خدا سے ملا دینے کا واسطہ ہے اس کی بھی حفاظت کرو اور مؤدب (یعنی چپ چاپ اور ساکن) ہوکر اپنے رب کی طرف توجہ لگاؤ اور اگر خوف ہو تو سوار و پیادہ (یعنی ہر حال میں اور جس طرح ہو سکے اپنے ربّ کی طرف متوجّہ ہو)

ایسی صلوٰۃ وسطیٰ یعنی ذکر الٰہی والی نماز کو گنتی کی بحث میں پیش کرنا کہاں کی دانائی ہے؟

خدا تعالےٰ ان آیات کے ساتھ ہی فرماتا ہے کہ:-

میں یہ آیتیں اس لئے بیان کرتا ہوں تاکہ تم عقل کرو۔

جب بات یہ ہے تو ان لایعنی تکلفات کی کونسی ضرورت ہے کہ پہلے نمازوں کی تعداد کو کم کیا جائے۔ پھر بیچ کی نماز کی پہیلی سُنا کر کہا جائے کہ اس سے خود ہی ایک اور نماز نکال لو۔ یہ ایسی پہیلی ہے کہ بقول اہلحدیث بڑے بڑے صحابہ اور امام بھی اس پہیلی کے سمجھنے میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق نہیں ہو سکے

یہ بھی یاد رہے کہ تمام نیک کام جو رضائے الٰہی چاہنے کے لئے کئے جاتے ہیں عبادتیں اور نمازیں ہیں۔ سورت معارج (پ۲۹) میں ارشاد ہے کہ وہ لوگ جو ھلوع و جزوع و منوع ہوتے ہیں نمازی نہیں ہوتے بلکہ نمازی وہ ہیں جو اپنی نمازوں پر ہمیشگی کرتے ہیں۔ اور نمازی وہ ہیں جن کے مالوں میں سائل و محروم کے لئے حق معلوم ہے اور نمازی وہ ہیں جو روزِ جزا کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور نمازی وہ ہیں جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ بلاشبہ ان کے رب کا عذاب ایسا ہی ہے جس سے بے خوف نہ ہونا چاہئے۔ اور نمازی وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر ان کی اپنی اپنی (آزاد) بیوی میں یا اگر آزاد بیوی سے نکاح کرنے کی توفیق نہ ہو اور بدی سے بچنے کے لئے کسی لونڈی سے نکاح کیا گیا ہو تو اس منکوحہ لونڈی میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو کوئی اس کے علاوہ بات طلب کرے تو وہ لوگ حد سے نکلنے والے ہیں اور نمازی وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں اور نمازی وہ ہیں جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں اور نمازی وہ ہیں جو اپنی ان نمازوں پر حفاظت کرتے ہیں۔ یہ لوگ جنتوں میں عزت پانے والے ہیں

سورت ماعون سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے بے خبر وہ لوگ ہیں جو ریاکاری کے کام کرتے ہیں اور امداد کی چیزوں کو روکتے ہیں

اس قسم کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ تمام نیک کام نمازیں ہیں۔ لیکن ان میں سے ذکر الٰہی والی نماز خاص ہے۔ یہ ذکر الٰہی والی نماز بے حیائی اور نامعقول سے روکنے والی ہے۔ یہ نماز تمام دیگر نمازوں سے فاضل تر ہے۔ کیا ذکر الٰہی تمام چیزوں سے اکبر و اعلیٰ نہیں؟ اسی سبب سے خدا تعالےٰ نے ذکر الٰہی والی نماز کو الصلوٰۃ الوسطیٰ فرمایا ہے۔ وسطیٰ کے یہ معنے لغات میں موجود ہیں۔ خود قرآن پاک میں بھی اوسطھم افضلھم کے معنوں میں آیا ہے‘‘ پھر یہ نماز بندوں کو اپنے مالک سے ملا دینے والی بھی ہے

دوسرے پارہ میں بہت سی اصلاحوں کا ذکر ہے۔ ان میں عورتوں کی حالت کو ادنےٰ سے اعلےٰ بنایا گیا ہے۔ اور نکاح و طلاق کے متعلق نہایت عالیشان ہدائتیں دی گئی ہیں۔ ان ہدایات میں خدا تعالیٰ نے نہایت محبت کے ساتھ ہمیں کئی ایک ایسی اعلےٰ باتیں سکھائی ہیں جنہیں لوگ ان کے ملنے سے پہلے نہیں جانتے تھے

ان مبارک احکام میں سے دو حکم باقی رہ گئے تھے جبکہ خدا تعالےٰ نے وہ دو آئتیں نازل فرمائیں جن میں الصلوٰۃ الوسطیٰ کا فرمان ہے۔ ان کے بعد وہ دو باقیماندہ حکم بھی دیئے گئے

اور صرف زبانی اقرار کر کے خدا تعالے کو فریفتہ کر سکتے ہیں۔ وُہ اپنی طرف سے خُدا تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن قوانین الٰہی کے مُطابق وُہ خود دھوکے میں آئے ہُوئے ہیں

منافقوں کا معاملہ بڑا پیچیدہ ہے۔ کافر علانیہ شرارتیں کرتے ہیں اور کُھلے بندوں اعتراض کر کے جواب پاتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ اپنے مرض کو چھپاتے رہتے ہیں۔ اِس لئے ان کے اندر مرض دبا ہُوا موجود رہتا ہے اور چونکہ اس کے علاج کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ اِس لئے وُہ بڑھتا ہی رہتا ہے۔ ایسے لوگوں کے حالات کو بے نقاب کرنے کی بڑی ضرورت ہے تاکہ مومنین اُن کی خُفیہ تدابیر سے ہشیار رہیں اور ان دوست نما دشمنوں کے شر سے بچ سکیں

چونکہ انکے اندر وُہ مرض موجود ہوتا ہے جو دُوسروں پر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس لئے خیر خواہ لوگ انہیں سمجھانے کی ضرورت نہیں دیکھتے۔ اور اس طرح منافقین اپنے مرض کے عادی ہوجانے کے سبب اسے مرض سمجھتے ہی نہیں۔ لیکن ان کی بیماری اور گندگی اندر ہی اندر بڑھتی جاتی ہے۔ اِس لئے اُن کی اپنی ہی بیماری اور شرارتوں کی طرف اُن کی نگاہ کے منعطف کرانے کیلئے بھی بڑی وضاحت کی ضرورت ہے

یہی وجہ ہے کہ پہلے رکوع میں متقین کا بیان صرف تین آیتوں میں آیا ہے اور کافروں کا ذکر صرف دو آیتوں میں کیا گیا ہے۔ لیکن اِن خُفیہ کافروں کا حال تیرہ آیتوں میں بیان کیا گیا ہے

پہلی آیت میں بتایا ہے کہ منافق کسے کہتے ہیں۔ دُوسری کہتی ہے کہ یہ لوگ گو اپنی طرف سے دھوکا دیتے ہیں لیکن نفس الامر میں خود دھوکا کھائے ہوئے ہیں۔ تیسری میں ہے کہ جھوٹ بول کر اپنے مرض کو چھپانے کے سبب ان کی بیماری بڑھتی جاتی ہے اور انہیں عذاب الیم تک پہنچا دیتی ہے۔ چوتھی اور پانچویں آیت بتاتی ہے کہ مفسد ہوتے ہُوئے یہ لوگ اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ہیں۔ چھٹی آیت میں فرمایا ہے کہ خود سفیہ اور جہالت پسند ہونیکے باوجود معقول پسند اور سچّے مومنوں کو بیوقوف قرار دیتے ہیں۔ ساتویں آیت میں ان کا دو رُخہ ہونا دکھایا ہے کہ مومنوں کے پاس آکر کہتے ہیں "ہم ایمان لائے" اور کُفر کے سرغنوں کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ "بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو انہیں ٹھٹھا کرتے ہیں"۔ آٹھویں آیت میں بتلایا ہے کہ اس ٹھٹھے کا وبال انہیں پر پڑتا ہے اور یہ سرکشی میں بہکے پھرتے ہیں۔ نویں آیت میں ہے کہ یہ کھوٹی تجارت کرتے ہیں۔ ہدایت کو کھو کر گمراہی خریدتے ہیں۔ اِس لئے ان کی تجارت نے کوئی فائدہ نہ دیا اور آئندہ بھی انہیں کوئی راستہ نہ ملا۔ آخری چار آیتوں میں ان کے حال کی تشریح و تفصیل کی خاطر دو مثالیں پیش کی گئی ہیں

اِس وقت ہمارے مُلّانے بھی بالعموم منافقوں کے ہمرنگ بنے ہُوئے ہیں۔ نہیں بلکہ وُہ تو ان سے بھی بازی لے گئے ہیں۔ رسُول کریم کے زمانہ کے منافق تو جھوٹی افواہیں پھیلا کر کافروں کو بھڑکاتے، مومنین

پہلے رکوع میں اصلی مومنوں اور کافروں کا ذکر ہے۔ صاحبِ اختیار اور جوابدہ انسان، سب کے سب مومن اور کافر کی تقسیم میں آجاتے ہیں (ھوالذی خلقکم فمنکم کافرٌ ومنکم مومنٌ ۶۴:۲ اِمّا شاکرًا وامّا کفورًا ۷۶:۳) یہی وجہ ہے کہ مومنین و کفّار کا بیان ایک ہی جگہ اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ اکثر لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مومنوں کے ساتھ بظاہر ملے جلے رہتے ہیں۔ اور زبان سے مومن ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ لیکن وُہ باطن کے لحاظ سے سخت کافر یا مذبذب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ پہلی قسم سے خارج نہیں مگر خفیہ کافر اور دوست نما دشمن ہونے کے سبب ان کا معاملہ مزید غور کے لائق ہے۔ اس لئے ان کا حال الگ بیان کیا گیا ہے

خدا تعالیٰ کی نظر دلوں پر ہے۔ اگر اعتقاد و نیّت صحیح نہیں، تو ظاہری اعمال کا ظاہر میں کوئی فائدہ ہو تو ہو، مگر رُوح کو اُن سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا بلکہ کھوٹی نیّت، جھوٹے اعتقاد اور ریاکاری کی مشق سے مرض اور بڑھتا جائے گا

چونکہ باطن کا معاملہ آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے اس لئے لوگ عام طور پر باطن کی درستی اور رُوح کی صفائی کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اُن کے نزدیک باطن کی اصلاح صرف ایک خیال ہی خیال ہے جسے کوئی وزن نہیں دیا جاسکتا۔ وُہ کہتے ہیں کہ ہر چند کوئی شخص دل میں ہر وقت کینہ وری، چوری، زنا اور خون کے منصوبے گانٹھتا رہے لیکن جب تک ظاہر میں یہ اعمالِ بد اُس سے صادر نہ ہوں وہ عنداللہ بھی قابلِ ملامت نہیں

باطن خواہ کتنا ہی سیاہ اور کفر سے آلودہ ہو، اُس کی طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ ان کے نزدیک ظاہری رسومات، ریائی اعمال اور ایمان کے زبانی دعوے ہی کفایت کرتے ہیں جس طرح لوگ صورتوں پر بھول جاتے ہیں اسی طرح اُن کے خیال میں خدا تعالیٰ بھی ظاہری اقوال و افعال ہی پر فریفتہ ہو جاتا ہے

ہمارے دیکھنے کیلئے اگر کوئی مانع نہ ہو تو دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اوّل یہ کہ ہماری آنکھوں کی بینائی قائم ہو۔ دوم یہ کہ چیزوں کے دکھلانے کیلئے خارج میں بھی روشنی موجود ہو، جو اِن اشیاء پر پڑے۔ لیکن اگر ہم ظاہری روشنی تو طیار کرلیں مگر ہمارے اندر نور نہ ہو تو وُہ ظاہری روشنی ہمیں بینا بنانے کا کام نہیں دیگی۔ ہم اس ظاہری روشنی کے باوجود بالکل اندھیروں میں پھنسے رہیں گے۔ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو ظاہری آراستگی کے دلدادہ ہیں لیکن ان کے دل بالکل سیاہ ہیں

منافق، اسلام کے دشمن ہیں لیکن وُہ خیال کرتے ہیں کہ اگر اسلام سچا ہے تو ہم ظاہری اعمال بجالاکر

کرتے ہیں

قرآن مجید کے نزدیک منافق لوگ کھلے کافروں سے بہت زیادہ بدتر ہیں۔ قرآن انہیں جہنّم کے سب سے نچلے طبقے کے لائق بتاتا ہے۔ کافر اپنے کفر کو چھپانے کیلئے جھوٹ نہیں بولتا۔ منافق دل سے کافر تو ہوتا ہی ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ وہ جھوٹ بولتا اور دھوکے دیتا رہتا ہے۔ کافروں کیلئے "عذابٌ عظیم" ہے اور منافقوں کیلئے "عذابٌ الیم" ہے۔ منافقوں کی جس قدر مذمت قرآن پاک میں آئی ہے۔ دنیا کی کسی الہامی کتاب میں اس کا شمہ بھی نہیں پایا جاتا۔ جب قرآن منافقت سے ایسا سخت بیزار ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ منافقوں کے پیدا کرنے کا خود ہی سبب بنے؟ ہرگز نہیں!

اصل بات یہ ہے کہ منافقوں کے وجود کا باعث ظالم اور جبر مذہبی کرنے والے کافر ہی تھے۔ مسلمانوں کی سخت کمزوری کے وقت ابتدا ہی میں منافق موجود تھے جیسا کہ سورۂ عنکبوت کے پہلے رکوع سے ثابت ہوتا ہے اس کی وجہ اسی جگہ مذکور ہے۔ اسلام کی معقولیت کے سبب اکثر لوگ ایمان کا اقرار کر کے مدد دینے کا وعدہ دیتے تھے۔ لیکن جب انہیں کافر ستاتے تو ایسے بزدل لوگ جو امتحان کے وقت قائم نہیں رہ سکتے، اپنے اسلام لانے سے پچتاتے اور اندر ہی اندر کافروں کے ساتھ مل جاتے۔ لیکن چونکہ انہوں نے مومنوں کے سامنے اسلام کی خوبی کا اقرار اور اسلام کے راستے میں مصیبتیں جھیلنے کا وعدہ کیا ہوتا تھا، اس لئے ظاہرا اس اقرار سے ٹلنا بھی ندامت سمجھتے اور جب کبھی کوئی با اثر لوگ اسلام میں داخل ہوتے تو اس وقت مسلمانوں کو کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے:۔

اور لوگوں میں سے بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب انہیں اللہ (کے راستے) میں دکھ دیا جاتا ہے۔ تو وہ لوگوں کے ستانے کو اللہ کے عذاب کی مانند سمجھ لیتے ہیں اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے کسی قسم کی مدد آجائے۔ تو اس وقت وہ کہیں گے بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ تھے کیا اللہ کو جہان والوں کی سب باتیں معلوم نہیں؟ اور ضرور اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں کا پتہ لگاتا رہے گا۔"

الحاصل ایسے وقت میں جبکہ مسلمان خود کسی قسم کا تشدّد کرنے کے قابل ہی نہ تھے۔ منافقوں کا موجود ہونا صاف دکھاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی کسی سختی کے سبب پیدا نہیں ہوئے

پھر منافق لوگ مسلمانوں کے ساتھ اس لئے بھی مل گئے تھے کہ کافروں کو جاسوسی کا کام دیں ب مگر افسوس ہے کہ یہ لوگ جاسوسی کا کام بھی ٹھیک طرح سے نہ کرتے تھے۔ بلکہ مسلمانوں کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلاتے اور اصل کلمات کو ان کے مواضع سے پھیر کر کچھ کا کچھ بنا دیتے

جب مسلمانوں کو اقبال حاصل ہوا تو اس وقت یہ لوگ مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد ڈالنے اور

کے ساتھ آمادہ پیکار کرتے' قسم قسم کے فتنے برپا کرتے' اور فساد مچاتے تھے۔ لیکن ہمارے مُلّا نے جو فساد کو صلاح اور جہالت کو دینداری سمجھتے ہیں' مسلمانوں ہی کو آپس میں لڑواتے' ان کے رشتے ناطے چھڑواتے' خاندانوں کو مٹاتے اور اسلامی سلطنتوں کو تباہ کرواتے چلے آتے ہیں۔ اِس شوریخت جماعت نے جو مال کی حُبّ میں "شلا یدا" ہے' آج تک اِن شرارتوں کو چھوڑنا نہیں چاہا۔ ان کی بیماری روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ یہ خود غرض اور قوم فروش جماعت ایسی تجارتیں کرتی ہے جن کا نتیجہ خود اُن کے لئے بھی بُرا ہے۔ ان کی ایسی حرکات کے سبب اُنکی نیک نیتی پر ہمیشہ حرف آتا رہا ہے

خود اِن لوگوں کو حکومت و اقتدار حاصل تو ہوتا ہی نہیں۔ اِس لئے بظاہر یہ لوگ حاکموں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور اگر کوئی بادشاہ کچھ اصلاح کرنا چاہتا ہے تو دستخط بھی کر دیتے ہیں۔ مگر اندر ہی اندر سارد گرد کی دشمن اسلام سلطنتوں سے رشوتیں لینے کیلئے ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم نے جو اصلاحوں پر دستخط کئے ہیں اور اپنے بادشاہ کی بظاہر مان لی ہے یہ ہم نے مخول کیا ہے۔ ہم اِن اصلاحوں کو کبھی جاری نہیں ہونے دینگے اور جھوٹے فتوے دے کر قوموں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائیں گے اور بنا بنایا کام بگاڑ دیں گے۔ ہم تو امام حسین علیہ السلام جیسوں کو بھی شہید کرا سکتے ہیں۔ یہ تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ وقتی جھگڑوں اور نزاعوں کو دین بنا کر ہم ہمیشہ تک جاری رکھ سکتے ہیں اور ہماری بدولت مسلمانوں کی لڑائیاں ابدالآباد تک ختم نہ ہوں گی ؎ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

دُنیا کی مدعیٔ الہام کتابوں میں سے اگر کوئی کتاب لا اکراہ فی الدین۔ ما انت علیھم بجبّار۔ لست علیھم بمصیطر وغیرہ احکام صادر کرتی' جبر مذہبی کے مٹانے کی تعلیم دیتی' اور اس کے لئے خود ہی دلائل پیش کرتی ہے تو وہ سوائے قرآن مجید کے اور کوئی کتاب نہیں۔ قرآن مجید جبر مذہبی اور ظلم سے بچانے کے لئے ہی لمبے صبر اور برداشت کے بعد مظلوموں کو جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ وہ ہمیشہ صفائی والی صلح کو پسند کرتا اور اس کا حکم فرماتا ہے' الحاصل' جب قرآن پاک جبر مذہبی کا اِس قدر دشمن ہے تو وہ کیونکر پسند کر سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی کے خوف سے اپنے اعتقادات کو چھپائے ؟

قرآن مجید کفار کو کہتا ہے کہ "اپنی دلیل لاؤ اگر سچے ہو" اور اعلان کرتا ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو اُسے ہمارے لئے نکالو"

اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لائے۔ خُدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو انہیں کہہ دے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ لیکن یہ کہو کہ ہم فرمانبردار ہوئے اور ایمان تو ابھی تمہارے دِلوں میں داخل نہیں ہوا ۴۹/۲۶۔ حاصل یہ کہ قرآن مجید نہیں چاہتا کہ لوگ ایمان کے جھوٹے دعوے کریں اور منافق تو دھوکے دینے کیلئے جھوٹے دعوے کیا ہی

لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (١٣) وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ
قَالُوْٓا إِنَّا مَعَكُمْ ۙ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (١٤) اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ
فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (١٥) أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا
رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ (١٦) مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ
نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ۝
(١٧) صُمٌّ ۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ (١٨) أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ
وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ أَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ
وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ (١٩) يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ أَضَاءَ
لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
وَأَبْصَارِهِمْ ۭ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (٢٠)

(٨) اور آدمیوں میں سے ایسے لوگ (بھی) ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یومِ آخر پر (وہ) ایمان لائے ہیں (جو مفید ایمان ہے) حالانکہ وُہ (اپنے دعوے کے مطابق) ایمان والے نہیں ہیں (٩) وُہ (ایسی حرکت کرکے اپنی طرف سے) اللہ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے دھوکا دیتے ہیں اور (حقیقت کے لحاظ سے) وُہ دھوکا نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو (کیونکہ اس دھوکا دینے سے وُہ اپنی جانوں ہی کو ضرر پہنچاتے ہیں) اور وُہ اِسے محسوس نہیں کرتے (اور کیونکر محسوس کریں جبکہ) (١٠) اُنکے دلوں میں (حق سے عداوت رکھنے کا) مرض ہے۔ سو خُدا نے (ان کے منشار کے خلاف حق کو غالب کرکے اور

ان سے غلطیاں کرانے کی کوشش کرتے تھے اور کافروں سے اپنے کاموں کی داد چاہتے تھے۔ اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوتی تو بڑی تیز زبانی کے ساتھ کہتے۔ "کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے"؟ وغیرہ وغیرہ

مدینہ میں بعض ایسے لوگ تھے جو اپنے آپکو بہت ذی عزت اور قوی سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو ذلیل جانتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو مالی قوت میں بھی کمزور پاتے تھے" وہ اس بات کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو مدینے سے نکال دیں اور خود حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیں ۔ لیکن مدینے کے لوگوں نے رسُول کریم کو اپنا حاکم منتخب کر لیا۔ اس وقت ان لوگوں کو جو خود حاکم بننا چاہتے تھے۔ اپنے ارادوں میں شکست ہوئی۔ وہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ مل گئے۔ لیکن فتنہ و فساد کی خاطر جھوٹ بول کر ایسے موقعوں کی تاک میں لگے رہتے تھے کہ مسلمان کمزور ہوں اور پھر ہمارا اقتدار قائم ہو جائے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو جس قدر غلبہ دیتا تھا اسی قدر اُن کا حسد بڑھتا جاتا تھا اور ان کا قلبی مرض ترقی پاتا تھا

بعض لوگ ایسے بھی تھے۔ جو زبان سے تو اسلام کا اقرار کرتے تھے لیکن باطن میں مذبذب تھے جب کوئی بات ان کے حسب منشاء واقع ہوتی تو اس وقت تھوڑی دیر کیلئے دل سے بھی اسلام کو اچھا کہتے لیکن جب کسی آزمایش کا موقعہ آتا تو بیزار ہو جاتے۔ ایسے لوگوں کا وہ تھوڑا سا نور بھی اس پریشانی اور کشمکش کی حالت میں ضائع ہو جایا کرتا ہے

رکوع ۲

(۸) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ
(۹) يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؁
(۱۰) فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ؁
(۱۱) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ؁ (۱۲) اَلَآ
اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ؁ (۱۳) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ
النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ

بہتری کے طالب ہیں۔ محض ریاکاری کے ساتھ نماز روزہ وغیرہ ظاہری عمل کئے۔ (۱۸) تو اُس وقت اُنکی ریاکاری کے سبب ان کا اندر سیاہ ہوگیا اور اُن کا فطری نُور دب گیا۔ اِس ظاہری چمک سے بلحاظ حقیقت اُنہیں کچھ حاصل نہ ہُوا۔ وُہ پہلے سے بھی بڑھکر اندھیروں میں پھنس گئے۔ یعنی فطری نُور کے دَب جانے کا اندھیرا۔ ریاکاری کا اندھیرا۔ عداوتِ حق کا اندھیرا، وغیرہ وغیرہ اِن پر چھا گئے۔ فطری نُور کے ظہور کے وقت وُہ آگے ترقیات کر سکتے تھے۔ لیکن اب) وُہ (ایسے) بہرے، گُنگے (اور) اندھے (ہوگئے) ہیں کہ وُہ (اپنی اصلی حالت کی طرف بھی) نہیں مُڑتے۔ (یہ تو اُن منافقین کی مثال ہُوئی جو باطن میں سخت کافر ہیں اور جن کی شنوائی و بینائی جاتی رہی ہے۔ اس کے آگے مذبذب منافقین کی مثال میں فرمایا) یا (۱۹) (اُنکا حال ایسی) سخت بارش (میں گھرے ہُوئے مسافروں) کی مانند ہے (جوکہ) اُوپر کی طرف سے (آتی ہے۔ جہاں سے اُس کا ہٹانا اُن کے قابو سے باہر ہے کیونکہ) اِس میں اندھیرے گرج اور بجلی (کا زور وشور) ہے۔ (اِس پریشانی میں) وُہ موت سے بچنے کیلئے بجلی کی آتشیں شعلوں سے (ڈر کر) اپنے کانوں میں اپنی اُنگلیاں ٹھُونس لیتے ہیں (لیکن کانوں میں اُنگلیاں دینا آتشیں شعلوں کی زد سے نہیں بچا سکتا۔ ان کی یہ گھبراہٹ اُس وقت کفّار کے تشدّد اور ظالمانہ حملوں کے خوف سے ہو رہی تھی) ۔ حالانکہ اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے (اِس لئے اُن سے ڈرنے کی کوئی حاجت نہیں) (۲۱) (وُہ چمک ایسی تیز ہے کہ) (۲۰) قریب ہے کہ وُہ بجلی اُن کی آنکھوں کو اُچک لے جائے۔ جب بھی وُہ ان کے لئے (رستے کو) روشن کرتی ہے (یعنی کفّار کو اپنے منصُوبوں میں ناکامی ہوتی ہے۔ اور اُن کیلئے حق کا رستہ کسی قدر کھُل جاتا ہے) تو وُہ اُس میں چلتے ہیں (یعنی اسلام کی خوبی کا اقرار کرنے لگتے ہیں) اور جب اُن پر اندھیرا چھا جاتا ہے (یعنی مصیبت کا وقت آتا ہے) تو (ڈر کر) ٹھیر جاتے ہیں (یعنی اسلام کی تصدیق سے رُک جاتے ہیں۔ ایسی نکمّی شنوائی اور بینائی کا کوئی اعتبار نہیں۔ چنانچہ فرمایا) اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کی کانوں اور آنکھوں کو لے جاتا۔ بلاشبہ اللہ ہر شئے پر قادر ہے

تشریحات۔ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کو اِس طرح مانتے ہیں کہ وُہ اُس کے ساتھ اُس کے شریک ٹھیراتے ہیں [۱۳] حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ایسی ہے جس کے ساتھ کسی بھی شریک کا ہونا محال ہے۔ ایسے لوگ خُدا تعالیٰ پر وُہ ایمان نہیں رکھتے جو مفید اور سچا ایمان ہے نہیں نہیں، بلکہ ایسا ماننا مُضر ہے۔ ایسا مشرکانہ ایمان کُفر ہوتا ہے

مومن مانتے ہیں کہ دُنیا میں طاغُوت ضرور موجُود ہیں۔ لیکن وُہ یقین رکھتے ہیں کہ طاغُوت ملعُون ہیں۔ انہیں دُشمن سمجھکر وُہ اُن کے ضرر سے بچتے رہتے ہیں۔ پس مومن باوجود اِس بات کے ماننے کے کہ طاغُوت موجود ہیں، طواغیت کے کافر ہیں پ۳ ع۲

یوں انکے غم و غصہ کو بڑھا کے) اُن کی بیماری میں اور اضافہ کر دیا اور جھوٹ بولنے (اور یوں فساد پھیلانے کے سبب اُن کے لئے دردناک عذاب ہے (جھوٹے کا عام طور پر اعتبار جاتا رہتا ہے) (۱۰) اور (اسی لئے انکے بعض واقف کاروں کی طرف سے) جب اُنہیں کہا جاتا ہے کہ (تمہارے بظاہر مسلمان ہونے سے ناواقف لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی جرأت ہوتی ہے اور بوقت جنگ ہمارے لئے بڑی دقت پیش آتی ہے کہ تمہیں دوست سمجھیں یا دشمن؛ اس سے بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔ سو بظاہر مسلمان بن کر) تم ملک میں فساد نہ پھیلاؤ۔ تو وہ کہتے ہیں کہ سوائے اِسکے نہیں کہ ہم (اندر ہی اندر انکی نئی تعلیم میں رکاوٹیں پیدا کر کے ملک کی) اصلاح کرنیوالے ہیں۔ سُن رکھو۔ یہی اصل فسادی ہیں۔ لیکن (ایسی واضح بات کو) محسوس نہیں کرتے (۱۱) اور جب اُنہیں کہا جاتا ہے کہ (اگر تم مسلمانوں کی شمولیت نہیں چھوڑ سکتے تو اس طرح) ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ (یہ لوگ تو بیوقوف ہیں؛ انہوں نے اپنے جان و مال کو خطرہ میں ڈال دیا ہے) کیا ہم (بھی اس طرح) ایمان لائیں جس طرح یہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ سُن رکھو۔ بلاشبہ یہی اصل بیوقوف ہیں ولیکن اُنہیں معلوم نہیں ہوتا (۱۳) (یہ دو رُخے لوگ ہیں) اور (اسی لئے) جب اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے سرغنوں کیطرف الگ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ (کچھ خوف نہ کرو) بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور یہ کہنا کہ ہم ایمان لائے) صرف ظاہرداری ہے؛ دل سے ہم انہیں پاگل سمجھتے ہیں (ہم آمنا کہہ کر انہیں بیوقوف بناتے ہیں) سوائے اسکے نہیں کہ ہم تو ٹھٹھا کرنیوالے ہیں (مسلمانو! تم ان کے ٹھٹھے کے جواب میں ہرگز ٹھٹھا نہ کرنا تمہیں اس کی کیا ضرورت؟ جبکہ مالکِ حقیقی ان کی سزا میں ویسا ہی معاملہ کر رہا ہے (۱۵) خدا تعالیٰ ان کی شرارتوں پر پردہ ڈال کر اور انہیں ڈھیل دیکر گویا دکھلاتا ہے کہ تم خوب کام کر رہے ہو اور حقیقت کے لحاظ سے جانتا ہے کہ وہ شریر جہنمی بننے کیلئے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے ٹھٹھے کی سزا میں مالکِ حقیقی کی طرف سے اُن کے ساتھ ایسا معاملہ ہونا گویا خدا تعالیٰ کیطرف سے ٹھٹھا ہے) سو خود اللہ اُنہیں ٹھٹھا کرتا ہے اور انہیں انکی سرکشی میں اس طرح ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اندھے ہو رہے ہیں (۱۶) ان لوگوں نے (اپنی فطری) ہدایت کو (بھی) کھو کر گمراہی کو خرید لیا ہے۔ سو ان کی تجارت نے انہیں کوئی نفع نہیں دیا اور (لوگ تو تجارتوں میں نقصان اُٹھا کر آئندہ کیلئے سمجھ جایا کرتے ہیں۔ لیکن) یہ راہ پانے والے نہیں (۱۷) اِن کی مثال ایسی ہے جیسے اُس شخص کا حال جس نے (کسی اندھیرے جنگل میں یہ دکھلا کر کہ میں سیدھے راستہ پر چلنا چاہتا ہوں) آگ جلائی۔ سو جب اُس (آگ) نے اُن اشیاء کو جو اُس کے اِرد گِرد تھیں، روشن کر دیا۔ تو اللہ (اُن کی خُفیہ بد پرہیزی کے سبب) ان (کی آنکھوں) کا نُور لے گیا اور انہیں ایسے اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ (باوجود ظاہری آگ کے روشن ہونے کے) وُہ دیکھتے ہی نہیں۔ (اِسی طرح اِن لوگوں نے یہ دکھلا کر کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور آخرت کی

غصہ والا غصہ میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ مسکرات کا استعمال کرنے والا نشہ کا ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے اس کا چھوڑنا بہت مشکل بن جاتا ہے۔ بے حیا بیحیائی میں کھل کھیلتے ہیں۔ گالیاں نکالنے والوں کی زبان سے موقعہ بے موقعہ گالیاں نکلتی ہیں۔ جھوٹ کا عادی بے ضرورت جھوٹ بولتا رہتا ہے اور یوں اسکی عادت راسخ ہوتی جاتی ہے۔ عقل کے بد استعمال سے انسان جھوٹی باتوں کو سچی سمجھنے لگجاتا ہے الف وعادت کے سبب لوگوں کے مذاق بگڑ جاتے ہیں اور علاج نہ کرنے کے سبب معاملہ بد سے بدتر ہو جاتا ہے

اگر یہ بیماریاں لاعلاج نہ ہو جائیں تو باہمت مقابلہ اور مناسب معالجہ سے دور بھی ہو سکتی ہیں اور نیک عادات اُن کی جگہ لے سکتی ہیں۔ اسی لئے خدا تعالی اِن امراض اور بدعادات کا کھول کھول کر ذکر کرتا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلاتا ہے تاکہ لوگ بچ سکیں (دیکھو آیندہ رکوع)

ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالی کے حضور میں علاج کی سچی طلب کے ساتھ گڑگڑائیں اور اپنی بیماریاں اُس حکیم مطلق اور رحیم برحق کے حضور میں پیش کریں۔ اور اپنے شرور النفس اور سیئات اعمال سے اس کی پناہ میں آئیں اور اُس کی فرمودہ حکمت کے مطابق عمل کریں۔ اللہ تعالی ہماری بیماریوں کو یقیناً دور کر سکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ منافق اپنی بیماری کو چھپاتے تھے بلکہ دھوکے دیتے اور جھوٹ بولتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو مصلح سمجھتے تھے۔ سچے ایمانداروں کو بیوقوف بتاتے تھے اور آیندہ بدپرہیزیوں سے باز نہیں آتے تھے۔ پھر اگر خدا تعالے انہیں ڈرائے کہ میں اپنے توانین کے مطابق ایسے لوگوں کی بیماریاں بڑھا دیا کرتا ہوں تو اس میں کونسی حیرت کا مقام ہے؟ چنانچہ ارشاد ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری میں اضافہ کر دیا اور یہ اضافہ اُن کی سزا کے لئے ہے اس لئے اُن کے واسطے عذاب الیم ہے۔ وجہ اُس کی یہ ہے کہ وہ معالجہ نہیں چاہتے بلکہ جھوٹ بول کر اپنے آپکو پاک ٹھیراتے ہیں اور معالجہ کے نام سے بیزار ہیں

اللہ تبارک وتعلے رب رحمٰن اور ارحم الراحمین ہے۔ اس کو اپنی تمام مخلوقات کے ساتھ جبری اور طبعی نہیں بلکہ اختیاری اور حکیمانہ محبت ہے۔ یہی حقیقی محبت ہے ۵

جہاں میں ماؤں کی جو مامتا ہے وہ اک رحمت کا اس کی پرتوا ہے

خدا تعالیٰ نے تمام اعیان کو دائمی ترقیات کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور تمام عوارض کو ان ترقیات میں مدد دینے کیلئے بنایا ہے۔ اعیان ہمیشہ درستی، نیکی، علم، امن اور خوشی میں ترقی کرتے جائیں گے اور تغیرات ان ترقیات میں ان کے ممد و معاون بنتے رہیں گے

حق اپنی ذات میں ہمیشہ قائم اور ثابت ہے۔ باطل محض ایک دکھاوا ہے جو خیال کی غلطی سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں۔ مریض کا دماغ جو شکلیں دیکھتا اور ان سے ڈرتا رہتا ہے ان کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ جب لوگ حق کی طرف سے لاپروا اور غافل ہو جاتے ہیں تو چونکہ اس وقت حق کی گرفت دلوں پر سے جاتی رہتی ہے اس لئے بے لگام خیالات اور توہمات کی رو سے باطل ظاہرا موجود نظر آتا ہے۔ ایسے وقت میں حق تعالیٰ حق پرستوں کے ذریعہ سے حق کی تبلیغ و اشاعت کرتا ہے اور اس طرح حق اور باطل کی جنگ ہونے لگتی ہے۔ حق اصل شے ہونے کے سبب غالب اور روشن ہوتا جاتا ہے اور غلط خیالات کے پاش پاش ہونے سے باطل کا زاہق ہونا کھل جاتا ہے (بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق ولکم الویل مما تصفون ۲۱ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۱۷ کذلک یضرب اللہ الحق والباطل۔ فاما الزبد فیذھب جفاء واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض ۱۳ و لیحق الحق و یبطل الباطل و لو کرہ المجرمون ۸)

حاصل یہ کہ جب تک لوگوں میں حق کی جانب سے غفلت اور لاپروائی رہے گی، خیالات کے بے لگام ہونے سے باطل کے عارضی ظہور ہوتے رہیں گے اور حق و باطل کی جنگ قائم رہے گی۔ اس جنگ کے ذریعہ سے حق کی اصلیت کا اور باطل کے بے حقیقت ہونے کا ثبوت ملتا رہتا ہے مگر افسوس! دنیا اس حقیقت کو بہت جلد بھلا دیتی ہے۔ اس کے ممکن بنانے میں بھی خدا تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں

اگر انسان احتیاط اور ہمت کو قائم رکھے تو خدا تعالیٰ اسے بدیوں سے بچاتا رہتا ہے۔ اگر وہ غافل اور بزدل بن کر اور جذبات کا غلام ہو کر بدیاں کرتا جائے تو ہر دفعہ نفس لوامہ اسے ملامت کرنے اور ہوشیار بنانے کو موجود ہوتا ہے۔ اگر وہ اس کی آواز کی طرف سے لاپروائی کرے اور اپنے دل کو سخت کرلے تو پھر خدا تعالیٰ اس کی بدیوں کو دکھوں میں تبدیل کرتا جاتا ہے، تاکہ وہ بچے۔ اور اگر وہ اس کی بھی پروا نہ کرے۔ تو بدیوں کا آخری نتیجہ جہنم ہے (حسبہ جھنم ۲ امہ ھاویہ ۱۰۱ یطوفون بینھا و بین حمیم ان۔ فبای الاء ربکما تکذبان ۵۵ کلا نمد ھؤلاء و ھؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا ۱۷ ماوٰکم النار ھی مولٰکم ۵۷ ثم اضطرہ الی عذاب النار ۲ احسن کل شیء خلقہ ۳۲ وغیر ذلک من الآیات)

خدا تعالیٰ نے ہر شئے کو کامل حکمت کے مطابق بنایا ہے اس کے ہر کام کا نتیجہ حکمت و رحمت کے موافق ہی نکلتا ہے

جس طرح سانپ، بچھو، زہریں، بیماریاں اور نجاستیں اس کے قوانین کے مطابق پیدا ہوتی اور

خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری اصل ساخت یعنی فطرت نیکی اور راستی کے عین مطابق ہے۔ اِن سے اِسے طاقت و راحت ملتی ہے۔ یہ طاقت و راحت آئندہ بھی نیکی و راستی کا شوق دلاتی رہتی ہے۔ پس نیکی اور راستی کی ترقی (اگرچہ اس میں وقفہ پڑ جائے) ہمیشہ کیلئے بند نہ ہوگی۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ

مزدورِ خوش دل کند کار بیش

علم کا شوق جب ایک دفعہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس سے پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیا جاتا سچا علم اصلی حقائق کو حاصل کرنا چاہتا اور ان میں لذّت پاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ سے بڑھکر کوئی اور چیز حق نہیں ہے۔ سچا علم جتنا زیادہ ہوگا اسی قدر اللہ تبارک و تعالیٰ کے عجائبات و کمالات دکھائیگا اور اس کی حکمتوں اور رحمتوں کو واضح کرتا جائیگا۔ علم الٰہیات تمام علوم کا نتیجہ ہے، اسکی لذت کو کوئی لذت نہیں پہنچتی۔ حاصل یہ ہے کہ نیکی و راستی اور علم کی ترقی محرک کے ساتھ ہی موجود ہونے کے سبب کبھی بند نہیں ہونگی۔ لیکن بدیاں ہرگز ہرگز دائمی ترقی کے لائق نہیں ہیں

بدی جذبات کو عقل کے تحت سے نکال کر بے لگام چلنے دینے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان خود ہمت کر کے اپنے جذبات کو عقل کے ماتحت چلنا سکھائے اور اس طرح قابل تعریف اور لائق انعام بنے

جذبات پہلے پہل اپنے آپ میں بے لگام چلنا چاہتے ہیں لیکن جب وہ عقل کی فرمانبرداری کے عادی ہو جاتے ہیں تو پھر اس میں کوئی تکلیف نہیں رہتی

حاصل یہ ہے کہ فطرتِ انسانی اپنی اصلیت کے لحاظ سے نیک ہے۔ بدی، جو جذبات کو بے لگام چلنے دینے سے پیدا ہوتی ہے، رُوح کے لئے ایک مرض ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مرض کبھی عین ذات نہیں ہو سکتا اگر مرض کبھی عین ذات بن جائے تو وہ کسی صورت سے بھی مرض نہ رہے بلکہ عین صحت ہو جائے

بدی جب دُکھوں میں بدل جاتی اور جہنم کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو وہ وقت بدی کے علاج کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت بدی آگے ترقی نہیں کر سکتی بلکہ دور ہونے لگتی ہے ع درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

پھر انسان کے لئے سچا ایمان، توحید، رضا و تسلیم، تفویض و توکل، صبر و شکر، شجاعت و صداقت، ہمدردی و رحمت، عدل و احسان، عفو و عفت، محبتِ علم، اعلیٰ صفات ہیں۔ ان کی تکمیل دُکھوں، مصیبتوں اور آزمائشوں میں پڑنے اور شبہات و اعتراضات و سئیات کا مقابلہ کرنے سے ہوتی رہتی ہے۔ پس جب تک انسان میں اعلیٰ صفات کی تکمیل نہیں ہوتی، کمزوریوں، بیماریوں اور بدیوں کا پیش آتے رہنا لابد ہے۔

غلطیاں اور بدیاں انسان کو ہوشیار و خبردار بنانے اور علم سکھانے کا کام بھی دیتی ہیں اور انسان کو دکھاتی ہیں کہ تو کمزور اور محتاج ہے اور تجھے ہر وقت خدائے قدوس و رحیم کی مدد اور حفاظت کی احتیاج ہے

اِسی طرح اگر کوئی مریض دَرد سے تڑپ رہا ہو، یا کسی سخت بیماری کے سبب جاں بلب ہو، تو اُس صورت میں اگر ہمارے پاس ایسی دوائیں موجود ہوں جن سے اس مریض کا مرض دور ہو سکے تو ہمارے لئے لازم ہے کہ اس مریض کا مناسب طور پر علاج کریں۔ اگر لاپروائی کریں گے تو ہم سخت گنہگار ہوں گے۔ خدا تعالےٰ نے ایسے سب کام ایک حد تک انسان پر چھوڑے ہوئے ہیں۔ وُہ چاہتا ہے کہ انسان خود ہمدردانہ کوشش کرنا سیکھیں اور مصائب سے بچنے کا علم حاصل کریں

خدا تعالیٰ تمام علاجوں کو جانتا ہے۔ تمام دوائیں اور جڑی بوٹیاں اس کے سامنے ہیں لیکن وُہ اکثر خود ہی نہیں بتایا کرتا کہ جاؤ فلاں بوٹی کا استعمال کرلو

منافقوں کی مرض کو، ان کی اپنی بدپرہیزی کی سزائیں، قوانین فطرت کے مطابق، بڑھا دینے پر اعتراض کرنے سے پہلے مذکورہ بالا چند اشارات پر ضرور غور فرمالیں

اِس رکوع کی چوتھی پانچویں اور چھٹی آیت میں منافقوں کو ان کے بعض واقف کار کہتے ہیں کہ تم ملک میں فساد نہ پھیلاؤ، اور اگر تم مسلمانوں سے الگ نہیں ہو سکتے تو اس طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے آدمی ایمان لائے۔ منافقوں کو ایسا کہنے والے لوگ مسلمان نہ تھے۔ مسلمان منافقوں کو یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ تم دوسرے لوگوں کی طرح ایمان لاؤ۔ اور نہ منافق ہی مومنوں کو یہ جواب دے سکتے تھے کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح یہ بیوقوف ایمان لائے؟ کیونکہ منافق، مومنوں سے ملکر تو امنّا کہتے اور انہیں دھوکے میں رکھنے کی کوشش کرتے تھے

ساتویں آئت میں شیاطینھم کا لفظ تمام غیر مسلم لوگوں پر نہیں بولا گیا بلکہ صرف فساد کے سرغنوں کیلئے آیا ہے۔ اِس سے پہلے چوتھی اور چھٹی آیات میں ایسے بھی لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے منافقوں کو کہا تھا کہ لا تفسدوا فی الارض اور امنوا کما امن النّاس۔ پس یہ لوگ ہرگز ہرگز منافقین کے شیاطین نہیں تھے۔ یہ لوگ منافقین کو، اگرچہ دینداری کے لحاظ سے نہیں تاہم دُنیاوی نفع ونقصان کے لحاظ سے ضرور سمجھاتے تھے۔ منافقین کی حرکات کی بُرائی کا اِس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہوگا کہ ان کے واقف کار بھی ان کے کاموں کو بنظر استحسان نہ دیکھتے تھے

منافقین یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم مومنین کے ساتھ ٹھٹھا کرنے والے ہیں، اس لئے آیت ۱۵ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے منافقین کی سزا کے طور پر ٹھٹھا کا جواب دیا گیا ہے۔ ایسے الفاظ جب کسی کے جواب میں آتے ہیں تو ان میں صنعت مقابلہ کے پائے جانے کے سبب، ان کے معنے عموماً ٹھٹھا، مکر اور بدی کی سزا دینے کے ہوتے ہیں

کام کرتی ہیں اسی طرح جنون و بے عقلی غصہ وشہوت اور بدعادات وافعال اسی کے حکیمانہ قوانین کے ماتحت ظہور پاتے اور اثر ڈالتے ہیں۔ سٹری ہُسی اشیاء سے زندگی پیدا ہوتی ہے۔ نطفہ بدبودار اور گندہ ہو کر انسان بنتا ہے۔ نباتات گندگی سے پرورش پاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہر کام بارادۂ حکمت ورحمت کرتا ہے اس کو کسی کام میں کینہ اور بدنیتی مقصود نہیں ہوتی

خدا تعالیٰ نے انسان کو عقل واختیار دیا ہے مجبورِ محض نہیں بنایا۔ جس طرح مخنث کا زنا سے بچنا کوئی نیکی نہیں اسی طرح اگر انسان نیکی کرنے میں مجبور ہوتا اور بدی نہ کرسکتا تو اس کا نیکی کرنا ایسا ہی ہوتا جیسے ہیجڑے کا زنا سے بچنا۔ انسان اسی عقل واختیار کے سبب ملائکہ پر بھی شرف رکھتا ہے

عافیت کی قدروقیمت دُکھ سے اور نیکی کی خوبی بدی کے مقابلہ سے کھلتی ہے۔ پس دُکھوں اور بدیوں کو ایک حد تک مناسب حالات میں ممکن الوقوع بنانا حکمت کے عین مطابق ہے

یہ بھی یاد رہے کہ بعض کام اللہ تعالیٰ کی حکمت کے لائق ہیں لیکن وہ صاحب اختیار بندوں کیلئے جائز نہیں۔ خدا تعالیٰ جب تاثیر وتاثر کے قواعد کے مطابق کسی ضدی کی ضد میں اور حاسد کے حسد میں اضافہ کرتا ہے تو اُس حکیم برحق کا یہ منشا ہوتا ہے کہ وہ شخص خود بھی ہمت کرکے اس مرض کا مقابلہ کرے اور دوسرے لوگ بھی اس کی اصلاح اور معالجہ میں کوشاں ہوں۔ کیا یہ ہمارے لئے زیبا ہوسکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کسی کو ضد کے باعث ضدی یا بدپرہیز کو اسکی بدپرہیزی کی سزا میں مریض بنادے یا اسکے مرض میں اضافہ کردے تو ہم بھی اسی طرح اس مریض کی مرض کو بڑھایا کریں؟ ہرگز نہیں!

خدا تعالیٰ اگرچہ قوانین قدرت (Physical Nature) کے مطابق کسی شخص کو اسکی بدپرہیزی کی سزا میں بیمار بنادیتا ہے مگر اخلاقی قانون (Moral Nature) کے موافق اُسے سمجھاتا ہے کہ تیرا یہ مرض تیری اسی بدپرہیزی کی سزا میں لگایا گیا ہے۔ لہٰذا اُسے چاہئے کہ اس کا علاج کرے اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو

پھر فرض کیجئے کہ ایک چور کسی بچّہ کو قتل کرکے اس کا زیور اُتارنا چاہتا ہے۔ اگر ہم اس بات کا علم رکھتے ہوئے اور اس بچّہ کو بچانے پر قادر ہوتے ہوئے اس بچّہ کو نہ بچائیں تو ہم مجرم ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کامل علم اور پوری قدرت رکھتا ہوا خود ہی اس بچہ کو بسا اوقات نہیں بچاتا، بلکہ اپنے سامنے قتل ہونے دیتا ہے

اگر سانپ کسی سوتے آدمی کے بستر کی طرف جانے لگے تو ہمارے لئے لازم ہے کہ سانپ کو مار کر اُس شخص کو بچائیں۔ لیکن خدا تعالیٰ علم وقدرت رکھتا ہوا بھی اکثر ایسا نہیں کرتا

جو شخص رُوح کے لحاظ سے اندھا ہو کر رسمی اور ریائی اعمال کو رُوح کیلئے مفید جانتا ہے۔ کیا اُس کی کوئی اور مثال اُس مثال سے اعلےٰ ہو سکتی ہے جو قرآن حکیم نے پیش کی ہے؟

پھر مذبذب منافق کی پریشان حالت کی مثال ایسے گھبرائے ہُوئے مسافر کے ساتھ دی ہے جو موسلا دھار بارش، گھُپ اندھیروں اور بجلی کے آتشیں شعلوں کے خوف میں مُبتلا ہو۔ اور اسے صرف اتنی راہ روی حاصل ہو جو آنکھوں کو اچک لے جانے والی بجلی سے کبھی کبھی مل سکتی ہے۔ کیا ایسی راہ روی بھی کچھ قابلِ اعتبار ہے؟ اور کیا یہ منزلِ مقصُود پر پہنچنے کا کچھ کام دے سکتی ہے؟ ہرگز نہیں! اللہ تعالےٰ ہی اِس پریشانی سے نجات دے سکتا ہے۔ پس اسکا واحد علاج خُدا تعالےٰ کے آگے گڑگڑانا اور اسکی عبادت کرنا ہے

حواشی

رسُول کریمؐ کے زمانہ میں وُہ لوگ جو آپس میں سخت دُشمنی رکھتے تھے قرآن پاک کی برکت سے بھائی بھائی بن گئے تھے ان میں حریت و مساوات کے پیدا ہو جانے کے سبب بڑی قوت آ گئی تھی۔ ان کی قوت و کثرت کو دیکھ کر جبر مذہبی کرنے والے کفار دینِ اسلام کو مٹانے سے مایوس ہو گئے (الیوم یئس الذین کفروا من دینکم پ۶)

بلاشبہ زمانہ رسُولِ مقبولؐ میں مسلمان عام طور پر بحیثیتِ مجموعی مذکورہ بالا صفات سے متصف تھے۔ لیکن اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہیں کہ اُن میں فتنہ وفساد برپا کرنے والے کینہ پرور اور گنہگار لوگ موجود نہ تھے۔ ان میں قتل و زنا و قذف و سرقہ وغیرہ وارداتیں بھی ہوتی تھیں۔ اور ان کے مقدمات بھی پیش ہوتے تھے۔ ان میں سے ظالم لنفسہ (پ۲۲) بھی تھے

علاوہ بریں ان میں ایسے لوگ بھی ملے جلے تھے جن کا اس رکوع میں ذکر ہے۔ اخیر دم تک خاص مدینہ میں بھی منافق موجود تھے۔ رسولؐ کو ان کا علم نہ تھا (ومن أھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم پ۱۱)

بعض منافق مومن عورتوں کو جبکہ وُہ کام کاج کیلئے نکلتی تھیں، چھیڑا کرتے اور ایذا دیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں خاص ان منافقوں کو جو کھلم کھلا ایسے جرم کرتے تھے دھمکی دی گئی ہے کہ اگر وُہ باز نہ آئے تو ان کے ساتھ ایسا سخت سلوک کیا جائیگا کہ وُہ مدینہ میں نہیں رہ سکیں گے مگر قلیل۔ یہ دھمکی اُن منافقین کے متعلق نہ تھی جو عورتوں کو ایذا نہیں دیتے تھے اور اُن منافقوں سے کوئی علاقہ رکھتی تھی جو عورتوں کو ایذا دینے سے ٹل گئے تھے۔ یہ تہدید صرف ایسے لوگوں کیلئے تھی جو عورتوں کو ستاتے تھے پھر پکڑے بھی جاتے تھے

اندریں حالات ایسے لوگوں کو صحابی کہہ کر دین کی بُنیاد ان کی شہادتوں پر رکھنا قطعاً غلط ہے۔ پھر شہادت در شہادت ... کو وُہ شہادت قرار دینا جس کی قرآن مجید میں تلقین ہے قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔ کوئی عادل حاکم ایسی شہادت کی بنا پر کسی مدعی کو ایک پیسہ بھی نہیں دلا سکتا۔ ایسی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں اور ایسی شہادت کو پرکھنے کا کوئی حکم نہیں

مصباح المنیر میں لکھا ہے :۔ مکر اللہ وامکر۔ جازی علی المکر۔ وسمّی الجزاء مکراً۔ کما سمّی جزاء السیئۃ بسیئۃ مجازاً علی مقابلۃ اللفظ باللفظ یعنی "مکر اللہ وامکر" کے معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (ماکرین) کو ان کے) مکر کی سزا دی اور مکر کی سزا کو مکر اسی طرح کہتے ہیں جس طرح بدی کی سزا کو مجازاً مقابلۃ اللفظ باللفظ کے طور پر بدی کہتے ہیں (بدی را بدی سہل باشد جزا) جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا [۱] اور فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم [۲]

ان آیات میں دوسری سیئہ کے معنے پہلی سیئہ کی سزا کے ہیں نہ خود سیئہ کے اور دوسرے اعتداء کے معنے پہلے اعتداء کی سزا دینے کے ہیں نہ عین تعدی کے۔ ایسے الفاظ جب مقابلہ میں بولے جاتے ہیں تو عموماً ان سے سزا ہی مراد ہوتی ہے۔ مثلاً لوگوں نے ایک بادشاہ سے کہا کہ فلاں اشخاص حضور کے خادموں کو ٹھٹھا کرتے ہیں یا ان کے ساتھ چالیں کھیلتے ہیں یا ان پر ظلم ڈھاتے ہیں تو اس بادشاہ نے فرمایا "کیا ہوا؟ جب ہمارا ٹھٹھا یا مکر یا ظلم ان کے ساتھ ہوگا تو انہیں پتہ لگ جائے گا"

اس جگہ بادشاہ مقابلہ کے طور پر بالکل ویسے ہی لفظ بولتا ہے مگر مراد یہ ہوتی ہے کہ ہم انہیں ان کے مکر، استہزا اور ظلم کی پوری سزا دیں گے اور انہیں خوب طرح سے پکڑیں گے۔ یہ نہیں کہ انکے ساتھ محض جاہلوں کی طرح ٹھٹھا یا مکر یا ظلم کریں گے

جو کتاب یہ تعلیم دیتی ہے کہ خدا تعالیٰ قدوس، سبوح، سلام، حکیم مطلق اور علیم برحق ہے کیا وہی کتاب کسی لفظ کو ایسے معنے میں جو اسکی اپنی ہی تعلیم کے خلاف ہو اور جو کسی طرح بھی خدا تعالیٰ کی شان کے شایاں نہ ہو استعمال کر سکتی ہے ؟

آیت نہم میں دکھایا ہے کہ ہدایت حاصل کرنے کی تجارت سب سے اعلےٰ ہے اور تجارت کی مثال سے یہ بھی سکھا دیا کہ ظاہری تجارتیں بھی نفع اور ہدایت ہی کے اصول کے مطابق کی جانی لازم ہیں

اخیر میں دو مثالیں ہیں۔ ان میں سے ایک مثال آگ کے ساتھ دی گئی ہے اور دوسری پانی کے ساتھ۔ اسی طرح حق و باطل کے جنگ کی دو قسم کی مثالوں میں سے ایک مثال پانی کی ہے اور دوسری آگ کی۔ پھر [۳] میں دو قسم کے کفار کی دو مثالیں ہیں۔ ایک پیاس کی سخت گرمی میں پھنسے ہوئے کی۔ دوسری گھرے سمندر میں گھرے ہوئے کی۔ یہ بھی آگ اور پانی ہی کی مثالیں ہوئیں

مثالیں امر معقول کو بصورت محسوس دکھانے کیلئے ہوتی ہیں۔ محسوسات میں آگ اور پانی تمام قوائے فعلیہ کے اصل ہیں۔ یہ اپنے فعل اور صورت ہر دو کے لحاظ سے خوب محسوس ہوتے ہیں۔ پس ان مثالوں کا آگ اور پانی کی صورت میں پیش کرنا مثال کے اصل فائدہ کے عین مطابق ہے

خدا تعالیٰ کے منشا ر کا علم، یا ثابت شدہ ممتاز اور محفوظ وحی سے ہمیں ملتا ہے یا عقل سے۔ عقل سے بھی یہی مقصود ہوتا ہے کہ اس حکیم مطلق کا منشا معلوم ہو۔ پس خدا تعالیٰ کے سوا کسی شخص کی اصولاً ایسی اطاعت ہرگز نہ کی جائے جس میں اس سے نہ تو وحی کی دلیل پوچھی جا سکے اور نہ عقلی دلیل ہی مانگی جا سکے

خدا تعالیٰ کے تمام اقوال واحکام بے غلط اور حقیقت کے لحاظ سے بالکل صحیح ہوتے ہیں۔ وہ اپنی صحت ہی کے سبب مانے جاتے ہیں۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کے کسی کام کی ہمیں دلیل معلوم نہ ہو تو خدا تعالیٰ کے بے غلط اور صحیح کار ہونے کے سبب اس کام کو صحیح سمجھ لینے کے لئے صرف اتنی ہی دلیل کافی ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا کام یا کلام ہے

لیکن کسی اور کے کام یا کلام کو اُس سے وحی وعقل کی دلیل حاصل کرنے کے بغیر ہی، وحی وعقل کے مطابق قرار دے لینا اور حقیقت کے لحاظ سے اُسے صحیح فرض کر لینا اور یوں اُسے اعتقادی طور پر واجب الاتباع ٹھیرا لینا قطعاً غلط ہے۔ ایسا حکم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ لا یشرک فی حکمہٖ احدا اور افغیر اللہ ابتغی حکما وغیر ذٰلک من الآیات

خدا تعالیٰ نے خالق ومخلوق کی اطاعت کا صحیح فرق خود ہی بتایا ہے لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون
مطلب یہ کہ خدا تعالےٰ سے کبھی ایسا سوال نہیں کیا جا سکتا کہ جب تک تو اپنے کام کی دلیل نہ بتائے ہم تیرے کام کو صحیح اعتقاد نہیں کر سکتے۔ ہاں ایسا سوال باقی تمام آدمیوں سے کیا جا سکتا ہے۔ کوئی انسان اس سے مستثنےٰ نہیں

یوسفؑ نے خود ہی اپنا مقدمہ بادشاہ کے آگے پیش کیا۔ اور موسےٰ ؑ نے اپنے نبی بھائی کو جوابدہی کے لئے سب سے پہلے بُلایا۔ انہیں سر سے پکڑ لیا اور اُن کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ اُنہیں کہنا پڑا کہ اے میرے ماں جائے! مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنساؤ۔ اور جبتک اُنھوں نے معقول جواب نہیں دیا اُنہیں نہیں چھوڑا

سوم۔ ایمان توحید سے انسانوں میں پوری پوری حرّیت ومساوات قائم ہو جاتی ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا غلام نہیں۔ کسی انسان کو فوق البشر (Super man) قرار دینا قطعاً لغو ہے

ہمارے رسولؐ جب مشورہ کرتے تھے تو آپ کی مجلس شوریٰ میں جیسا کہ حضور کو رائے دینے کا حق تھا اسی طرح سے ہر ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی بھی اپنی الگ رائے دے سکتا تھا۔ شوریٰ کی حقیقت آپ کیلئے اور مومنوں کے لئے الگ الگ نہیں ہو سکتی۔ اگر دوسرے کی معقول، سچی اور صحیح بات کو لینا ہی نہیں۔ تو

پانی بلونے سے کبھی مکھن نہیں نکل سکتا

انسان اپنے کانوں سے دائیں بائیں آگے پیچھے اوراوپر نیچے سے اِدھر اُدھر مڑنے کے بغیر ہی کم ہو یا زیادہ سن سکتا ہے۔ لیکن اپنی آنکھوں کے ساتھ ہر جانب سے دیکھ نہیں سکتا۔ کسی چیز کو دیکھنے کیلئے آنکھوں کا اُس چیز کی طرف پھیرنا لازم ہے

اگر ایک جگہ سو آدمی بیٹھے یا کھڑے ہوں تو ایک آدمی کا سُننا یا سو آدمی کا سُننا ایک ہی حقیقت رکھتا ہے لیکن دیکھنے کے لئے لازم ہے کہ مختلف اشخاص کے نظری خطوط مختلف ہوں۔ بغیر اس کے دیکھنا ممکن ہی نہیں

یہی وجہ ہے کہ جب سمع و بصر کے لفظ جو سُننے اور دیکھنے کے معنے رکھتے ہیں۔ کان اور آنکھ کی جگہ مستعمل ہوں تو سمع و بصر کے مذکورہ فرق کو دکھانے کیلئے جمع کے موقعہ پر قرآن مجید سمع کے لفظ کو جمع میں بھی استعمال کرتا ہے لیکن بصر کی جمع ابصار لاتا ہے۔ جیساکہ سورۂ بقرہ کے پہلے دو رکوعوں میں دو دفعہ اس کی مثالیں آچکی ہیں



۳ اِس رکوع میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے۔ توحید قرآن مجید کی تعلیم کا اصل الاصول ہے۔ توحید پر سچا ایمان رکھنے میں ساری دینداری آجاتی ہے۔ اِس کے ثبوت میں چند اشارات درج ذیل ہیں:-

اوّل - خُدا تعالیٰ تمام کائنات کے اوپر فوق الفطرت تصرّف رکھتا ہے۔ اس کے ارادہ کو نہ کوئی ٹال سکتا ہے۔ اور نہ کوئی اس میں رکاوٹ ڈال سکتا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ ہم اپنی تکالیف و مصائب میں اس سے گڑگڑا کر دُعائیں مانگیں اور تمام شرور و آفات سے اُس کی پناہ میں آئیں۔ اُسی کو مُستقل اور کافی سمجھیں۔ اسکی رضا کے آگے کسی کی نارضا مندی اور دُشمنی کی پروا نہ کریں۔ اُسی کی رحمت کے امیدوار رہیں۔ اور اُسی کی مخالفت سے خائف ہوں۔ سچے توکّل کے لائق اُسی کی ذات پاک ہے

ہم قدرتی اسباب سے کام لیتے ہیں لیکن اسباب کے کافی طور پر بہم پہنچ جانے اور اُن کے صحیح استعمال کی ہدایت و توفیق پانے اور آخری نتائج اور اصلی مقاصد کو حسب مُراد حاصل کر لینے کیلئے ہمیں متصرّف حقیقی ہی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ تمام اسباب خدا تعالیٰ کے حکم کے پیچھے چلتے ہیں لیکن مخلوق چند ایک حاصل شدہ اسباب سے کسی مانع کے نہ ہونے کی صورت ہی میں کام لے سکتی ہے

چونکہ خُدا تعالیٰ کی عظمت غیر محدود ہے۔ اِس لئے ہمیں اُسکے حضور میں غایت تذلل کے ساتھ لیٹ کر اپنی اس حالت کو سامنے لانا چاہیئے جبکہ ہم مٹی اور نطفہ تھے

دوم - خدا تعالیٰ حکیم مطلق ہے اور سہو و نقص سے پاک ہے۔ تمام محامد اُسی کیلئے ہیں۔ اِس لئے لازم ہے کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کی طرح کسی کی اطاعت نہ کی جائے۔ اعتقادی اطاعت صرف خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہے

تفریق کا موجب بنانا اور ارکان دین قرار دینا اصل دین میں تفرقہ ڈالنا ہے

پس اس فرقہ بندی اور تفرقہ اندازی کی اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ اکیلے خدا کو اپنا ایک ہی اعتقادی حاکم نہیں مانتے بلکہ اس کے ساتھ اپنے الگ الگ حاکم اور مطاع مثل خدا اعتقاداً واجب الاتباع ٹھیرا لیتے ہیں اور اُن کے اپنے اپنے طرز بُود و ماند' وقتی تمدّن' حسب زمانہ معلومات اور وقتی طرزِ عمل کو احکم الحاکمین کی غیر متبدّل سُنّتوں کی طرح دائمی سنّتیں بنا لیتے ہیں اور اُن کے مطابق عمل نہ کرنے سے' اکیلے خدا کی اصل اطاعت کو بھی محض بے ثمر اور فضول بتاتے ہیں اور یوں خدا تعالے کی اطاعت کو ان کی اطاعت پر منحصر ٹھیراتے ہیں

برادران! جس شخص کی نفی سے خدا تعالی کی بھی نفی ہو جائے کیا وہ داخلِ خدا بلکہ خود خدا نہیں سمجھا گیا؟

شرک کو کھڑا کرنے کے لئے عجیب عجیب حیلے اور بہانے بنائے جاتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ہم اصل مطاع خدا تعالے ہی کو مانتے ہیں۔ لیکن چونکہ خدا تعالے ہمارے لئے نبی کو اصل مطاع بناتا ہے اس لئے بماتحتیٔ حکمِ خدا نبی کو اصل مطاع بنانا خدا ہی کو اصل مطاع جاننا ہے۔ اس گندی دلیل سے تمام شرک صحیح بنائے جا سکتے ہیں۔ کیا بماتحتیٔ حکمِ خاوند کسی اور کو خاوند بنانا' خود خاوند ہی کو خاوند جاننا ہے؟ خدا تعالی جو بڑا غیور اور قابل خاوند و خداوند ہے' کبھی ایسی بے حیائی کا حکم نہیں دے سکتا! ان الحکم الا للہ کے ہرگز یہ معنے نہیں

فرض کیجئے۔ میں زید کو اپنے کسی مقدمہ میں منصف تسلیم کرتا ہوں۔ اب اگر زید اپنا پہلو بچانے کیلئے اپنی مرضی سے بکر کو میرا منصف قرار دے تو کیا میں بکر کے فیصلے کا پابند ہو سکتا ہوں؟ میرا زید کو منصف وشاہد بنانا اور زید کا بکر کو خود ہی میرا منصف یا شاہد ٹھیرا لینا ایک بات نہیں ہے

اللہ تعالی فرماتا ہے کہ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع۔ امن لا یھدی الا ان یھدیٰ فما لکم کیف تحکمون ۞

یعنے پھر کیا وہ ذات پاک جو حق کی طرف خود رہنمائی کرتی ہے۔ اس بات کا زیادہ حق رکھتی ہے کہ اس کی تابعداری کی جائے یا کیا وہ (شخص اس بات کا احق ہے) جو خود بخود (اُس وقت تک) راستہ نہیں پا سکتا جب تک اسے راستہ نہ دکھایا جائے

اس آیۂ مبارکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اعتقادی طور پر کسی کے فہم کی اطاعت کو خدا تعالی کی بیواسطہ اطاعت کی مانند ٹھیرانا بالکل غلط ہے۔ خدا تعالی ایسی غلطی میں ڈالنے والا حکم کبھی نہیں دے سکتا

مشورہ بالکل بے حقیقت اور فضول بن جاتا ہے۔ الحاصل ہمارے رسولؐ اپنی عقل کو معصوم نہیں سمجھتے تھے اور دُوسروں کی عقل سے بالیقین استفادہ کرتے تھے

کسی نبی نے کبھی یہ نہیں کہا کونوا عبادًا لّی بلکہ ہر نبی یہی کہتا رہا "ولکن کونوا ربّانیین" اگر لوگ پہلے مؤمن بلکہ مُسلم ہوں تو نبی اُنہیں اپنے غلام بنا کر کفر سکھانے نہیں آتے ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون ؟ وُہ اپنی بے دلیل تقلید کرا کر اربابًا من دون اللہ نہیں بنتے۔ انہوں نے کبھی پوپ کی حیثیت میں اپنے آپ کو پیش نہیں کیا۔ وُہ دوسرے بشروں کی طرح بشر ہی بنے رہے

چہارم۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولاتکونوا من المشرکین۔ من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعًا۔ کل حزب بما لدیھم فرحون ﴿۳۲﴾ مطلب یہ کہ مشرکوں یعنے ان لوگوں میں سے نہ بنو۔ جو اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے الگ الگ فرقے بن گئے ہیں۔ ہر گروہُ جو کچھ اس کے پاس ہے اُس پر پھُول رہا ہے۔ اس آیہ مبارکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان میں عادلانہ اتحاد پیدا کرنے کے بجائے ایسی حرکات کرنا جس سے لوگ فرقہ فرقہ بن جائیں شرک ہے

تمام مذاہب مُشترکہ بنیادی اصُول کے لحاظ سے ہمیشہ ایک ہی چلے آتے ہیں۔ اصل حق کبھی نہیں بدل سکتا۔ مذاہب کا یہ حصّہ محکم اور اُمّ الکتاب ہے۔ اس مُشترکہ اور ضروری حصّہ میں اختلاف ڈالنے والے اور اُس کے مخالف اعتقاد گھڑنے والے، بنے ہُوئے اتحاد کو توڑنے والے اور اس طرح فرقے فرقے بننے والے ہیں۔ یہ لوگ اپنی ھویٰ کو الٰہ بنا کر مُشرک بنتے ہیں

مذاہب کا یہی مُشترکہ اور بُنیادی حِصّہ اصل دین اور صراطِ مُستقیم ہے۔ شروع دُنیا سے لوگ اسی پر کاربند ہو کر منعم علیھم بنتے چلے آئے ہیں۔ یہی حِصّہ منعم علیھم بنانے کے لئے کافی ہے۔ اسی کے طالب بننے کی دُعا الحمد شریف میں سکھائی گئی ہے۔ اِسی کی طرف اہل کتاب کو بُلایا گیا ہے قرآن مجید اسی کلمۂ توحید کے ساتھ تمام دُنیا کو ایک بناتا اور سب مذاہب کے تفرقے مٹاتا ہے۔ یہی تعلیم ہے جو قرآن حکیم کو خاتم الکتب بناتی ہے۔ قرآن مجید اپنا کوئی الگ فرقہ لے کر نہیں آیا۔ یہ ہزار مذاہب کو ایک بنانے والا ہے، ایک ہزار ایک کر دینے والا نہیں

باقی رہے وُہ فروعی امُور اور رنگا رنگ طرزِ عمل اور الگ الگ نظام جو مختلف آب و ہوا، جُدا جُدا طرزِ بُود و ماند، متفرق ماحول، قومی رسم و رواج اور وقتی ضروریات کے ماتحت بشرطِ اخلاص مختلف چلے آئے ہیں بلکہ ایک ہی زمانہ میں مختلف مُلکوں اور الگ الگ نظاموں میں مختلف رہے ہیں، وُہ اب بھی بشرطِ اخلاص اور حسبِ ضرورت بدلائے جا سکتے ہیں۔ انہیں ایک دُوسرے کی تکفیر و تفسیق و تذلیل و تضعیف

اللہ تعالی فرماتا ہے :- وقال موسیٰ ان تکفروا انتم ومن فی الارض جمیعاً - فان اللہ لغنی حمید ۱۴/۱۲
یعنے موسیٰ نے کہا کہ اگر تم لوگ اور جو زمین میں ہیں (موسیٰ ، ہارون ، یوشع و خضر علیہم السلام سمیت) سب کے سب کافر ہو جائیں - تو بلاشبہ اللہ (اپنی ذات ہی میں) بالضرور بے پروا ، تعریفوں والا ہے
خدا تعالی نے اپنے رسول کو فرمایا کہ :- ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین ۲۴/۴ یعنی (اے رسول) تیری طرف اور ان نبیوں میں سے ہر ایک کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے ، یہ بات وحی کی جاچکی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا - تو تیرا کیا کرایا ضائع ہو جائیگا اور تو گھاٹے والوں سے بن جائیگا
حاصل یہ کہ نبیوں کے کافر و مشرک بن جانے سے بھی خدا تعالی کا کچھ نہیں بگڑیگا بلکہ وہ خود ہی گھاٹے والے بن جائینگے - ایسے لوگوں کو خدا تعالی کی طرح کسی بات میں بھی کوئی استقلال دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ؟
توحید کا علم بڑا وسیع ہے - اللہ تعالی فرماتا ہے - قل ارئیتکم ان اتاکم عذاب اللہ او اتتکم الساعۃ اغیر اللہ تدعون ان کنتم صادقین - بل ایاہ تدعون - فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء - وتنسون ما تشرکون ۷/۴ یعنے (اے رسول) تو کہہ بھلا دیکھو تو ! اگر تم پر اللہ کا عذاب یا (خدا کے آگے تمہارے پیش ہونے کی) ساعت آجائے تو کیا تم (ایسے وقت میں) اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم (اپنے مشرکانہ دعووں میں) سچے ہو ؟ نہیں نہیں ، بلکہ خاص اُسی کو پکارو گے - پھر اگر وہ (اس وقت) چاہتا ہے تو اس (مصیبت) کو کھول دیتا ہے جسکی طرف تم اسے بلاتے ہو - اور تم (ایسے وقت میں) اپنے تمام شرکوں کو بھول جاتے ہو
ان مبارک آیات سے شرک و توحید کے پرکھنے کیلئے ایک معیار ملجاتا ہے - انسان ، امن و خوشی کے وقت یوں ہی خیال کر لیتا ہے کہ فلاں اشخاص ضرورت کے وقت میرے کام آئیں گے - وہ سمجھتا ہے کہ میرے بہت سے مددگار اور بڑے مضبوط آسرے ہیں - فلاں بزرگ میری شفاعت کرینگے یا مجھے آگ سے چھڑالیں گے - لیکن جب سخت مصیبت آتی ہے یا خدا کے حضور پیشی کا وقت آتا ہے تو اسوقت آنکھیں کھلتی ہیں - انسان اس وقت بلا اختیار اکیلے خدا ہی کو پکارتا ہے اور چونکہ اُس وقت کسی دوسرے کے دخل کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی - اِس لئے ان سب کو بھول جاتا ہے - انسان میں اُس وقت سچی عابدانہ اور موحدانہ حالت پیدا ہو جاتی ہے
اب ہر شخص کو اس بات پر غور کرنا لازم ہو گا کہ کیا اس وقت کسی مخلوق کے ایسے دخل کی کوئی گنجائش ہوتی ہے جس کو لوگوں نے دل میں بٹھایا ہوتا ہے ؟ اور کیا اُس وقت کسی شفیع یا وسیلہ کا کوئی خیال باقی

اکیلے خداتعالیٰ کو اپنا اعتقادی حاکم بنانے سے وہ لوگ جو عہد رسول میں دشمن دشمن تھے بھائی بھائی بن گئے۔ لیکن مذہبی فرقہ بندی ایسی بری بلا ہے جو بھائیوں کو بھی دشمن بنا دیتی ہے

حاصل یہ ہے کہ توحیدِ الٰہی کے سچے ایمان ہی سے دنیا کی فرقہ بندی دور ہو سکتی ہے

پنجم۔ توحید پر ایمان رکھنے والا خداتعالےٰ کے تمام کاموں کو احسن اور باحکمت دیکھ کر ان سے حکمت و دانائی حاصل کرتا رہیگا۔ وہ بالضرور حکمت کا قدردان اور معقول پسند ہوگا۔ جن چیزوں کو لوگ حقیر جانتے ہیں وہ ان سے بھی حکمت سیکھے گا۔

محقق ہماں بیند اندر ابل که در خوبرویان چین و چگل

موحد کا سینہ فراخ ہوگا۔ وہ سب کو خداتعالےٰ کی مخلوق سمجھکر بنظرِ محبت دیکھے گا۔ اُن کی ایذاؤں کو معاف کردیگا۔ وہ بیجا شکایت کرنے والا نہیں ہوگا۔

دریں نوعے از شرک پوشیدہ ہست که زیدم بیازرد و عمرم بخست

موحد کا سینہ بے کینہ اور صاف ہوگا۔ وہ اپنے دل میں جمالِ یار کا معائنہ کرے گا۔

اے دل اگر تو صاف شوی ہمچو آئنہ در خود جمالِ یار بہ بینی معائنہ

او در دلِ من است و دلِ من بدستِ اوست چوں آئنہ بدستِ من و من در آئنہ

حاصل یہ کہ موحد، خداتعالیٰ کو ہمیشہ سامنے رکھنے کے سبب، کوشش کریگا کہ کبھی مایوس، بے صبر، جزع فزع کرنے والا، کنجوس، شیخی باز، متکبر، حاسد، ریاکار، کاذب، بے حیا، باغی، ظالم، مفسد، عہد شکن اور بیجا شکوہ کرنیوالا نہ بنے۔ بلکہ وہ خداتعالیٰ کے فضل وکرم کا امیدوار، صابر، راضی برضائے الٰہی، سخی، حلیم، متواضع، محب، خیرخواہِ خلائق، ہمدرد، بے کینہ، صلح پسند، صادق، وعدہ پورا کرنے والا، فراخ دل، درگذر کرنیوالا، ذاکر اور رضا وتسلیم کا خوگر بننا چاہے گا۔ وہ معمارِ ملک ہوگا، نہ تباہی پھیلانے والا۔

خداترس را بر رعیت گمار که معمارِ ملک است پرہیزگار

موحد ظاہر و باطن میں نیک اور راستباز ہوتا ہے۔ وہ تنہائی میں بھی کوئی بدمعاشی نہیں کرتا اور بلانوشتہ وگواہ بھی کسی کا حق نہیں مارتا۔ اس کی طرف سے حاکم ومحکوم، امیر وغریب، ادنیٰ واعلیٰ، مومن وکافر، الغرض کسی کے لئے بھی کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا

خداتعالیٰ کامل مطلق ہے۔ وہ اپنی ذات ہی میں غنی وحمید ہے۔ اسے ہماری عبادت، ایمان اور نیکی کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر تمام نبی وولی کافر ہوجائیں تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا اور اگر سب لوگ نبی ورسول ہی بن جائیں تو اس کے کمال میں کوئی اضافہ نہیں ہوجاتا

بغیر ان کا صحیح بتایا ہُوا راستہ غلط بن جائے

اگر کسی کو صحیح راستہ (خواہ کسی ذریعہ ہی سے کیوں نہ ہو) مل جائے اور وُہ اُس پر چلنے لگے تو یہ کہنا حیرت انگیز ہے کہ ایسے شخص کا صحیح رستہ پر چلنا بالکل غلط ہے۔ جو شخص صحیح رستہ پر چلتا جائیگا وُہ منزلِ مقصود پر بھی پہنچے گا۔ صحیح رستہ پر چلنے والا حقیقت کے لحاظ سے تمام نبیوں مُصلحوں، راہنماؤں اور داناؤں کی ہدایتوں کا ماننے والا ہے۔ وُہ نبیوں کے آنے کے اصلی مقصود سے فائدہ اُٹھا رہا ہے

حاصل یہ کہ اصل دینداری توحید الٰہی ہی میں آجاتی ہے۔ لیکن دُنیا اِس سے غافل ہے۔ کوئی شخص اس کی جگہ دوسرا اصُول قائم کرکے دُنیا کو صحیح راستہ پر نہیں چلا سکتا۔ قرآن حکیم اِس حقیقت کو بڑی صفائی کے ساتھ کھولتا اور اس پر بڑا زور دیتا ہے۔ محبّت اور معقولیت کے اصُول اِس کے ماتحت ہیں بلکہ اسی میں آجاتے ہیں۔ کوئی اور اصُول اس کی جگہ کام دینے والا پیش نہیں کیا جاسکتا۔ جو شخص شرک کرتا ہے وہ گویا آسمان سے گر پڑتا ہے۔ پھر یا تو شکاری پرندے اسے دبوچ لیتے ہیں اور اس کی جان، مال اور عزت کو نوچ نوچ کر کھاتے رہتے اور اسے اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیتے ہیں۔ یا ہوا اسے تمام حدود سے دُور جا پھینکتی ہے اور وُہ دہریۂ خود سر اور ہوٰی پرست بن جاتا ہے

اِس رکوع میں اسی توحید کا ذکر ہے۔ یہی توحید دُنیا و آخرت کی تمام حسنات کے حاصل کرنے، دنیا میں امن پھیلانے اور دُنیا کی فرقہ بندی کو مٹانے کا مُوجب ہے فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

نظم و ربط | سورہ بقرہ کے پہلے دو رکوعات میں مومنوں، کافروں اور مُنافقوں کا ذکر ہے۔ اس رکوع میں تینوں قسم کے لوگوں کو اکٹھا کرکے یاایھا الناس کے ساتھ خطاب کیا ہے اور انہیں بتایا ہے کہ تمہارا بچاؤ خدا تعالےٰ کے عابد بننے میں ہے

صرف کافروں اور منافقوں ہی کو اپنے کفر و نفاق کے بداثرات سے بچانے کیلئے عبادتِ الٰہی کی احتیاج نہیں بلکہ مومنوں کو بھی عبادت الٰہی کی ہر وقت ضرورت ہے

اِس رکوع میں تو آیتیں ہیں۔ پہلی آیت میں تمام آدمیوں کو بچاؤ اور نجات حاصل کرنے کے لئے اپنے رَبّ کی عبادت کا حکم دیا ہے اور خدا تعالےٰ کے لائقِ عبادت ہونے پر دلائل دیئے ہیں۔ دوسری آیت میں رَبّ کی ربوبیت کی مزید تشریح کی ہے اور عبادت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے منع کیا ہے۔ تیسری آیت میں بتایا ہے کہ یہ قرآن، جو توحید کی تعلیم پر مُشتمل ہے، بےمثل ہے۔ اس تعلیم سے دین و دُنیا کی خوبیاں حاصل ہونگی۔ اگر اس تعلیم کے سوا کوئی اور تعلیم اس کے برابر مفید ہوسکتی ہے تو اُسے پیش کرو اور جن لوگوں کو خدا کی طرح حاضر و ناظر سمجھتے ہو اُنہیں مدد کیلئے پُکارو۔ وُہ تمہارے کچھ کام نہ آئینگے

رہتا ہے۔ یہ سب باتیں مستی کے وقت کی ہیں۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے
رسولؐ کے زمانہ میں عرب کے مشرک اللہ تعالیٰ کو خالق اور مدبر امور اور آنکھوں کانوں اور دلوں کا مالک سمجھتے تھے۔ وہ خدا تعالیٰ کو زندہ کرنے والا، مارنے والا، روزی دینے والا، مینہ برسانے والا سب کچھ مانتے تھے۔ مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہمارے بزرگوں کے واسطہ سے ہمیں روزی و عزت ملتی اور مدد پہنچتی ہے۔ وہ عنداللہ ہمارے شفیع ہیں۔ وہ ہمیں درجہ میں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتے ہیں۔ کیا قرآن مجید نے ان کے ایسے شرکوں کی تردید نہیں کی؟

کتے یا گدھے کی مناسب ساخت کو غلط بتانا خدا تعالیٰ کی حکمت پر عیب لگانا ہے۔ سورج یا چاند کو خدا کی مخلوق نہ جاننا خدا کی خالقیت کا انکار ہے۔ اسی طرح کسی نبی کو خدا تعالیٰ کا مبعوث کیا ہوا سمجھ کر اس کا انکار کرنا خدا کا انکار ہے۔ نبیوں اور دیگر مصلحین کی کوششوں اور رہنمائیوں کی قدر نہ کرنا بڑی ناشکرگذاری ہے لیکن اس کے ساتھ امر ذیل کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے

خدا تعالیٰ کا ایمان ہمارے نجات حاصل کرنے کیلئے بالاستقلال ضروری ہے۔ یہ ایمان ہماری جان ہے اور ہماری نجات کیلئے صحیح راستہ ہے۔ اگر لوگوں میں یہ ایمان سچے طور پر موجود ہوتا تو کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ جب لوگوں نے اس ایمان میں اختلاف کیا تو صحیح راستہ سمجھانے کیلئے نبی آئے۔ نبی خود وہ راستہ نہیں ہیں بلکہ اس صحیح راستے کا پورا پتہ بتا کر خود گذر جانے اور چل بسنے والے ہیں۔ اس وقت انہیں ہمارے حالات کا کوئی علم نہیں اور یہ بھی پتہ نہیں کہ ہم صحیح رستہ پر چلتے ہیں یا غلط پر

نجات کا راستہ صرف اکیلے خدا کا سچا ایمان ہے۔ نجات، نجات کے اسی رستہ پر چلنے سے ملیگی۔ نبیوں، مصلحوں، رہنماؤں اور داناؤں کا اس راستہ کو سکھانے اور اس کا صحیح پتہ بتانے کیلئے بالضرور شکریہ لازم ہے لیکن یہ سمجھنا کہ وہ نجات کے اس راستہ کا خود بھی ایک حصہ ہیں اور لا الٰہ الا اللّٰہ کے ساتھ کسی اور نام کو بطور رستہ ہونے کے شریک کر لینا صراحۃً غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے پیچھے صرف لا الٰہ الا اللّٰہ ہی کو کلمۂ باقیہ بنایا ۲۵؍۹

یہ ایک عجیب بات ہے کہ دعویٰ تو یہ کیا جائے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے تابع ہیں اور کلمے نئے نئے گھڑ لئے جائیں۔ علماء کے اصل حقیقت کو نہ کھولنے کے سبب مسلمانوں میں عام طور پر شرک پھیلا ہوا ہے

جب مان لیا کہ منعم علیہم خدا تعالیٰ کی طرف سے صحیح راستہ بتانے والے ہیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں صحیح راستہ پر چلتے وقت راستہ بتانیوالوں کا بھی ساتھ ساتھ خیال رکھا جائے اور اس خیال کے

۲۳ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ
مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○
۲۴ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ
وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ○ ۲۵ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا
مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ
وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ○ ۲۶ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا
مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ
الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا
أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا
وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ○ ۲۷ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ
بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ
فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○ ۲۸ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ
وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ

چوتھی آیت میں ہے کہ تم کبھی ایسا نہیں کر سکو گے۔ پس توحید کی مخالفت اور اپنے شرک کے بدنتائج سے ڈرو جو تمہارے عملوں کے سبب سے تمہارے لئے تیار ہیں۔ پانچویں آیت میں بمقابلہ مشرکوں کے نیک عمل والے مومنوں کی جزا کا ذکر کیا گیا ہے

چھٹی آیت میں مشرکوں کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے اور ان کے شرک کا کبیت العنکبوت ہونا دکھایا ہے اور ان کے شریکوں کی کمزوری ظاہر کی ہے۔ نیز بتایا ہے کہ ایماندار اس مثال کے حق ہونے کا علم رکھتے اور اس پر خوش ہیں اور حدودِ انصاف سے تجاوز کرنے والے مشرک اس صداقت کے سبب گمراہی میں اور بھی بڑھتے جاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ حدِ انصاف سے نکلنے والے یعنی فاسق لوگ اپنی ضدوں اور شرارتوں کی وجہ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے

ساتویں آیت میں بتایا ہے کہ یہ فاسق کون ہیں؟ یہ توحید کے فطری عہد کو توڑنے والے قطع رحمی کرنے والے اور زمین میں فساد مچانے والے ہیں اور اس لئے یہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ دُنیا و عاقبت کے اس خسران سے ان کے شریک انہیں بچا نہیں سکینگے۔ جبھی تو آٹھویں آیت میں ان کے کفر کرنے پر اظہار حیرت کیا ہے کہ یہ اس خدا سے کیسے مُنہ موڑتے ہیں جس کے قبضۂ قدرت میں ان کی زندگی و موت اور آیندہ کے ارتقا ہیں؟

نویں آیت میں یہ دکھایا ہے کہ کیوں کر اُس علیم کل خدا نے ان کے پیدا ہونے سے بہت پہلے ان کے لئے زمین میں تمام چیزیں پیدا کیں اور آسمان کو ان کی ضروریات کے واسطے درست کیا۔ جب کہ ان کے خیالی معبودوں میں سے کوئی موجود نہ تھا۔ ایسے خیر خواہ اور محسن خدا سے مُنہ موڑنا اور اس کے ساتھ شریک ٹھیرانا کس قدر حیرت انگیز ہے

رکوع ۳

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(پھر دیکھو کہ کیا اس طرح سے تمہیں توحید کے خلاف کوئی ثبوت مِل سکتا ہے؟ اور قرآن حکیم کی تعلیم کا مقابلہ ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں)

۲۴ سو اگر تم نے (یہ مقابلہ) نہ کیا، اور (ہم کہتے ہیں کہ) تم (ایسا) ہرگز نہیں کرو گے۔ تو تم (اپنے کفر و عناد سے باز آجاؤ۔ اس کفر و عناد سے غضب الٰہی کی وہ بھڑکنے والی آگ تیار ہوتی ہے جو ہر مضبوط سمجھے ہوئے آسرے کو جلا دیتی ہے۔ سو تم) اس آگ سے بچو، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر (پہاڑ) ہیں۔ (بلاشبہ خدا تعالیٰ اور اس کا ارادہ و حکم مادی نہیں لیکن مادہ اس کی مخلوق اور زیر اثر ہے۔ جب کبھی غضب الٰہی کی آگ قوموں کے شرک و ظلم پر جوش زن ہوئی تو اس سے زمین اور پہاڑ اُڑ جاتے رہے۔ غضب الٰہی کی آگ آدمیوں کو تو کیا پتھروں اور پہاڑوں کو بھی بھسم کر ڈالتی ہے۔ اس کے ہاتھ سے کوئی مضبوط سے مضبوط آسرا بھی نہیں بچا سکتا۔ اُس وقت سونا، چاندی، ہیرا، پنّہ، لعل اور دیگر قیمتی پتھر اور پتھر کے قلعے اور محل اور بجری کے دمدمے بھی کام نہیں دے سکتے)۔ یہ (آگ ہمیشہ) کافروں (کے کفر کے سبب اور ان کی اصلاح) کیلئے تیار کی گئی ہے

۲۵ اور اُن لوگوں کو جنہوں نے (اللہ کو سچّے دِل سے) مانا اور (اس کی رضا چاہنے کیلئے) صلاحیت والے عمل کئے، اس بات کی خوش خبری دے کہ ان کے لئے ایسے باغ (تیار کئے گئے) ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ جب کبھی ان (جیسے لوگوں) کو اُن (باغوں) سے (ایمان و عمل صالح کے) کسی پھل سے روزی دی گئی تو انہوں نے کہا "یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا" اور (انہوں نے اپنے ایمان و عملِ صالح کے پھل کو اس لئے پہچانا کہ) وہ (نتیجہ) انہیں (اصل عمل سے) ملتا جلتا دیا گیا، اور ان کے لئے اُن (باغوں) میں پاک کئے گئے جوڑے ہیں اور وہ ان میں رہ پڑنے والے ہیں۔ (یہ نتیجہ خدا تعالیٰ کے سچے ایمان کا ہے۔ لیکن لوگوں نے جو جھوٹے آسرے گھڑ لئے ہیں، ان کی مثال مکڑی کے جالے کی ہے۔ وہ ایک مکھی نہیں بنا سکتے۔ وہ گھڑے ہوئے آسرے جو اُن کے خیال کے ساتھ قائم ہیں۔ حَصَبُ جہنّم یعنے دوزخ کے پتھر ہیں۔ حقیر چیز کی مثال حقیر ہی ہونی چاہئے۔ لیکن مشرک کہتے ہیں کہ خدا تہذیب سے گری ہوئی مثالیں کیوں دیتا ہے؟)

۲۶ بلاشبہ اللہ جل جلالہ اس میں کوئی عار نہیں دیکھتا کہ وہ کوئی حقیر مثال چھوٹے مچھر کی (بھی) بیان کرے پر جو اس سے اُوپر ہے۔ (یعنی مکڑی، مکھی کی مثال۔ اس میں کیا حرج ہوسکتا ہے؟ مچھّر اور بڑے سے بڑا انسان خدا کے آگے مخلوق ہونے میں یکساں ہیں) سو وہ لوگ جو ایماندار ہیں، وہ (خوب) جانتے ہیں کہ یہ (مثال) اُن کے رَبّ کی طرف سے (بالکل) حق ہے۔ ولیکن وہ لوگ جو کافر ہیں، وہ

تُرْجَعُوْنَ ○ ۲۹ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓی

اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○

ترجمہ ۲۱ اے آدمیو! (جن میں مومن، کافر اور منافق سب شامل ہو) اپنے رب کی (جو ہر حالت میں تمہاری مناسب تربیت کر کے تمہیں ترقیات دینے والا ہے) عبادت کرو (یعنی اس سے اصلاح و ترقی کے فیض حاصل کرنے کیلئے غایت تذلل کے ساتھ اس کے آگے لیٹ جاؤ اور اسے اپنا واحد اعتقادی حاکم جان کر اسکی سچی اطاعت کرو اور اپنی کمزوریوں اور تقصیروں سے اسی مالک کی پناہ میں آؤ) جس نے تم کو اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے، پیدا کیا تاکہ تم بچ جاؤ

۲۲ (اسی رب نے تمہیں اور تمہاری آباء و اجداد کو اور دوسرے لوگوں کو جنہیں تم خدا کے سوائے اعتقادی حاکم مانتے اور ان کی مرضی کو اٹل جانتے ہو۔ صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ وہ الیسا رب ہے) جس نے زمین کو تمہارے لئے باعث فراش (یعنی معدنیات کے گوناگوں طبقات اور نباتات کے بوقلموں فرش اور زمینی حرارت کے گھٹنے کے سبب تنورۂ زمین کو تمہارے لئے بچھانے کا باعث) اور (ایتھریل) سماء کو (سورج، چاند اور دیگر سیاروں اور ستاروں کے اثرات کو پہنچانے کے لئے نہایت عالیشان موصل بنا کر تمہارے لئے) باعث بنا، (و قیام و آبادی بھی) بنایا اور اسی (ایتھریل) سماء سے پانی اتارا۔ (اس پانی کے ساتھ بہت سے بیج بھی جو ہوا میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، اتارے) پھر اس (پانی کے ذریعے) سے تمہاری روزی کے لئے (مختلف اقسام کے) میوے نکالے۔ سو تم جان بوجھ کر اللہ کے ساتھ ہمسر نہ ٹھیراؤ (یہی نہیں کہ استقلال الوہیت ہی میں کسی کو اس کا ہمسر نہ بناؤ بلکہ توکل اور اعتقادی اطاعت میں بھی کسی کو اس کے ساتھ نہ لاؤ۔ بلاشبہ یہی توحید تمام نیکیوں کے حصول کا باعث ہے۔ یہ انسانی حریت و مساوات کا سبق دیتی ہے۔ یہ مذہبی فرقہ بندی کو جڑ سے اکھیڑنے والی ہے۔ قرآن مجید اسی کو اصل ٹھیراتا ہے قرآن مجید کی تمام سورتیں بالواسطہ یا بلا واسطہ توحید ہی پر مشتمل ہیں۔ انسان کی اصلاح و ترقی کیلئے اس توحید کی جگہ کوئی اور اصول پیش نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ)

۲۳ اور اگر (بفرض محال) تم اس چیز سے جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، ریب میں ہو (یعنی اس پر تمہارا جی نہیں جمتا بلکہ بے چین ہے) تو اس کی مثل (کا یا پلٹنے والی اور دل کو قائم کرنے والی تعلیم) سے ایک سورت (ہی) لے آؤ اور خدا کے سوائے اپنے شہداء (حمائتیوں) کو پکارو، اگر تم سچے ہو

پہلا اور بنیادی سامان یہ بتایا ہے کہ اس ربّ نے تمہیں پیدا کیا۔ اس وقت انسانی پیدائش مرد و عورت کے ملاپ سے ہوتی ہے۔ پھر کیا موجودات میں نر کے مقابلے پر مادہ اور مادہ کے مقابلہ میں نر تمہاری تجویز سے بنے ہیں؟ اور کیا مرد و عورت کی نسل بڑھانے کے مناسب و معقول سامان تم نے مہیا کئے ہیں؟ ماں باپ کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ پیٹ کے اندر کیا بنایا جا رہا ہے اور کیونکر اسے غذا ملتی ہے اور کس طرح سے اس کی حفاظت ہو رہی ہے۔ وہ بچہ ادھورا ہے یا پورا۔ خوبصورت ہے یا بدصورت۔ جن ماں باپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ نطفہ میں پیدائش کے لائق جرمز (Germs) ہیں یا نہیں۔ اور کون سا جرم پیدا کیا جائے گا اور کون سے جرمز ضائع ہو جائیں گے۔ اور جنہیں مکھی یا مچھر بنانے کا علم نہیں، انہیں انسان بنانے کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟ جو انسان مناسب علم حاصل کرنے کے بغیر ایک جوتی نہیں بنا سکتا وہ آدمی بنانے کا علم حاصل کئے بغیر انسان کو کیسے بنا سکے گا! باوجود اس کے اگر کوئی نادانی سے کہہ دے کہ ہمیں ہمارے پہلے باپ دادوں اور بزرگوں نے بنایا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ تمام لوگ جو تم سے پہلے تھے وہ بھی پیدا شدہ ہی تھے۔ کیا ان پیدا شدہ لوگوں نے اپنے آپ کو خود ہی پیدا کر لیا تھا؟ ہرگز نہیں!

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہمارے بزرگوں کے سلسلہ کی کوئی ابتداء نہیں، یہ سلسلہ انادی ہے۔ ہمیشہ پہلے پچھلوں کو پیدا کرتے آئے ہیں تو یہ بھی بالکل باطل ہے۔ ایسا تسلسل جس میں ایک شے دوسری پر منحصر ہو اور جبکہ ایک کو خارجی وجود ملنے کے بعد ہی دوسری شئے کو خارجی وجود ملسکتا ہو قطعاً محال ہے۔ اس تمام سلسلہ میں سب چیزیں دوسری اشیاء سے خارجی وجود پا کر آگے خارجی وجود دینے والی ہونگی اس خارجی وجود کا کوئی اصل دینے والا نہیں نکلیگا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عارضی اور منحصر چیزیں بغیر مستقل منحصر علیہ کے موجود چلی آتی ہیں منحصر علیہ ہی کا انکار کرنے کیلئے منحصروں کا تسلسل پیش کیا جاتا ہے جو کہ بالکل باطل ہے۔ جب ایک منحصر بغیر منحصر علیہ کے نہیں ہو سکتا، تو وہ سلسلہ جس میں سب کے سب ہی منحصر ہیں منحصر علیہ کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے؟ ان لوگوں کے نزدیک چند گاڑیوں والی ٹرین کے چلانے کے لئے بلاشبہ انجن کی ضرورت ہے لیکن جوں جوں اس ٹرین میں گاڑیاں بڑھائی جائیں تو بجائے اس کے کہ زیادہ زبردست انجن کی ضرورت پڑتی جائے، اُلٹا انجن کی ضرورت گھٹتی جاتی ہے۔ اور جب بیشمار گاڑیاں ہو جائیں تو اُن کے نزدیک انجن کی ضرورت قطعاً نہیں رہتی حالانکہ اس وقت بیشمار طاقت والے انجن کی لازمی طور پر ضرورت ہے

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس زمین کے اوپر کا فرش ہم نے بچھایا ہے۔ پھر اس کی آبادی کی بناء

کہتے ہیں کہ اللہ (تعالے) نے اس مثال (کے بیان کرنے سے) سے کیا ارادہ کیا ہے؟ خدا اس (حق بات کے بیان) سے بہت سے (حدِ انصاف سے نکلنے والے) لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے (حق شناس) لوگوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے اور یہ بات یاد رہے کہ) وہ اس سے فاسقوں (یعنے حدِ انصاف سے نکلنے والوں) کے سوائے اور کسی کو گمراہ نہیں کرتا (وہ فاسق کون ہیں؟ وہ ایسے لوگ ہیں) جو اللہ تعالیٰ) کے فطری عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُسے قطع کر دیتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔(المختصر یہ لوگ خلافِ فطرت کام کرنے والے مذہبی تفرقے ڈالنے والے اور حرّیت و مساوات کے مٹانے والے ہیں) یہی وہ لوگ ہیں جو (اصل) گھاٹے والے ہیں

(اے آدمیو!) تم کس طرح اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ حالانکہ (تم پر ایک وقت ایسا آیا تھا کہ) تم بے جان تھے پھر تمہیں (اپنے اپنے وقت پر) زندہ کیا۔ پھر تمہیں (اپنے اپنے مناسب وقت پر) مارتا ہے۔ پھر تمہیں (اپنے اپنے مناسب وقت پر دوسری) زندگی دیتا ہے۔ پھر تم اس کی طرف رجوع کرتے جاتے ہو

(یہ خدا) وہی تو ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے۔ سب کا سب تمہارے (فائدہ کے) لئے پیدا کیا۔ پھر (ابخرۂ سماء (متعلقہ زمین) کی طرف متوجہ ہؤا۔ سو اِن (سات قسم کے بے ترتیب ابخروں) کو (زمین کے انتظام کے مطابق) درست کرکے سات سموات بنا دیا، اور وہ ہر شے (کی ضرورتوں) کو جاننے والا ہے (یعنے اس کو تمہیں پیدا کرنے سے پہلے ہی معلوم تھا کہ تمہاری بہتری کیلئے یہ یہ کچھ بنانا ہے۔ تمہارے لئے سب کچھ درست کرکے پھر نوعِ انسان کو اس زمین پر بسانے کا انتظام کیا، کیا ایسے خدا کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک کرنا انتہائی بے حیائی نہیں؟)

تشریحات اِس رکوع میں نو آیات ہیں

خدائے تعالے کی ہستی کے دلائل بیشمار ہیں۔ اِس رکوع کی پہلی آیت میں ایک سیدھی سادی اور واضح دلیل پیش کی گئی ہے۔ ربّ کا لفظ بول کر دکھایا ہے کہ صرف بچوں ہی کیلئے نہیں بلکہ اُن سمجھ دار آدمیوں کے لئے بھی جو لائق خطاب ہیں ایک ربّ کی ضرورت ہے۔ پھر بتایا ہے کہ وہ سامان جن کے تیار کرنے کے لئے ربّ کی ضرورت ہے۔ تمہارے واسطے پورے پورے مہیا کئے گئے ہیں پس ضرورت حقہ کے ساتھ، ان سب سامانوں کا تمہارے لئے مہیا بھی کیا جانا، کیا وجودِ ربّ پر واضح دلیل نہیں ہے؟

مکڑی کا گھر ہے ۔ کاش اُن کو علم ہوتا! بلاشبہ جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وُہ انہیں جانتا ہے۔ خواہ وُہ کوئی بھی ہوں۔ اور (اللہ تعالےٰ کو کسی کی شرکت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ) وُہ غالبؔ حکمت والا ہے۔ (نہ اُسے کسی کی مدد کی ضرورت ہے اور نہ کسی سے مشورہ لینے کی) پ۲۰

یہ بھی ارشاد کیا کہ :۔ "اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے سو تم اسے کان دھر کر سنو۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وُہ ہرگز ایک مکھی بھی نہیں بنائیں گے اگرچہ وُہ سب اس کے (بنانے کے) لئے اکٹھے ہو جائیں۔ اور اگر مکھی اُن سے کچھ چھین کر لے جائے تو وُہ اُسے اُس سے چھڑا بھی نہیں لیں گے۔ طالب اور مطلوب دونوں ضعیف ہیں۔ اِن لوگوں نے اللہ کا ویسا قدر نہیں کیا جیسے اُس کا قدر چاہیئے۔ بلاشبہ اللہ قوی و غالب ہے" پ۱۷

نیز فرمایا :۔ پھر کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا، اللہ نے انہیں اُکھیڑ پھینکا اور ان کافروں کیلئے اِسی (ہلاکت) کی مثل ہلاکتیں ہیں۔ یہ بسبب اس کے ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مولیٰ (سرپرست اور والی) ہے اور جو کافر ہیں، اُن کا کوئی مولےٰ نہیں، پ۲۶

اس قسم کی بیشمار آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ شرک و توہمات قوموں کی تباہی کے موجب ہیں۔ اور توحید و حق پسندی قوموں کی ترقی کا باعث ہیں۔ ابتدا میں مسلمانوں نے اِسی اصول سے ترقی حاصل کی تھی اور اسی کے باعث ان کی ابتدائی دشمنی مُبدّل بہ اخوت ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے ایماندارو اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے (یا اللہ کو اپنا بچاؤ بناؤ گے) تو وُہ تمہارے لئے امتیاز (وتمیز) پیدا کر دیگا اور تم سے تمہاری بُرائیاں اُتار دیگا۔ اور تمہاری بخشش کے سامان مہیا کر دیگا۔ اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے" پ۹

اس وقت مسلمانوں کو بدر کی فتح حاصل ہو چکی تھی۔ کفّار نے انہیں بُری طرح سے مکّہ سے نکال دیا تھا۔ رسُول کریمؐ کیلئے بھی انہوں نے قید و قتل و اخراج کی تدبیریں کیں۔ خدا تعالے اپنے رسُول کو ان کے ہاتھ سے بچا کر مدینہ میں لے آیا۔ پھر کفّار نے ظالمانہ حملہ کر دیا اور مسلمانوں کو سطح زمین سے مٹا دینا چاہا۔ مسلمان اُس وقت نہایت قلیل اور کمزور تھے۔ وُہ حملہ آور کفّار کے مقابلہ کیلئے اس طرح نکلے جیسے کوئی موت کے مُنہ میں جا رہا ہو۔ اُس وقت خدا تعالےٰ نے اپنے وعدوں کے مطابق مسلمانوں کو فتح دی۔ یہ فتح صرف خدا تعالےٰ ہی نے مسلمانوں کو عطا کی تھی۔ ظالم کافروں نے اپنے شرک و ظلم کے سبب شکست کھائی اور عذابِ الیم میں پھنس گئے

یہ کافر جب مکّہ میں قرآن پاک کی بے مثلیت کا دعویٰ سُنتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن صرف

سماء کو بنایا ہے۔ چنانچہ اب بھی ہم آسمان سے پانی اُتار کر زمین میں میوے اُگاتے ہیں جن پر تمہاری زندگی منحصر ہے۔ حاصل یہ کہ جب پوستِ زمین سرد ہو کر بنا' اس وقت اس پر نباتی زندگی کا' اور پھر حیوانی زندگی کا ظہور ہؤا' پس نوعِ انسان کا سلسلہ بے ابتدا نہیں ہو سکتا۔ جب بات یہ ہے تو جس رَبّ نے پہلے لوگوں کو زمین پر پیدا کیا۔ اُسی نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے۔ پس اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ تاکہ تم بچ جاؤ۔ اُس خدا کو پہلے سے علم تھا کہ اس نے ایسی ضروریات والے انسان اس زمین پر بنانے ہیں۔ اِس لئے ابتدائی سامان اسکے لائق تیار کر دیئے۔ قرآن مجید کے مذکورہ بالا فرمان کی تصدیق ثابت شدہ علمِ ہیئت اور علمِ طبقات الارض سے بھی صراحۃً ہوتی ہے طوالت کے خوف سے اتنے سے اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے

تیسری آیت میں قرآن مجید کی بے مثلیت کا بیان ہے۔ یہ مقابلہ قرآن حکیم کی ہدایت والی تعلیم بالخصوص علمِ توحید میں چاہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " تو اُنہیں کہہ دے کہ تم زمین میں سیر کرو۔ پھر دیکھو کہ پہلے لوگوں کا کیا انجام ہؤا۔ ان میں اکثر مُشرک تھے" پ۲۱

پھر ارشاد ہؤا کہ " مجرم قوم کو ہم اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں اور ہم نے اُنہیں اُن باتوں میں قدرت دی تھی۔ جن باتوں میں تمہیں قدرت نہیں دی۔ اور ہم نے ان کے لئے (سوچنے' سمجھنے اور دیکھنے بھالنے کی خاطر) کان آنکھ اور دل بنائے تھے۔ پھر ان کے کانوں' آنکھوں اور دلوں نے کچھ کام نہ دیا جبکہ وُہ جان بوجھ کر آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے تھے۔ اور انہیں اس عذاب نے گھیر ہی لیا جسے وُہ ٹھٹھے میں اڑاتے تھے۔ اور ہم نے تمہارے اِرد گرد کی بستیوں کو ہلاک کیا۔ اور ہم نے آیات کو طرح طرح سے بیان کر دیا تھا' تاکہ وُہ رجوع کریں (لیکن وُہ نہ ٹلے اور ہلاکت کے گڑھے میں گر گئے) پھر کیوں ان لوگوں نے جنہیں انہوں نے (بوقتِ ضرورت) خدا سے قریب کر دینے کا وسیلہ سمجھکر معبود بنا یا تھا' ان کی مدد نہ کی؟ بلکہ ان سے گم ہو گئے اور یہ تو ان کا جھوٹ اور افترا ہی تھا پ۲۶

نیز فرمایا:۔ پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے سبب پکڑا۔ سو بعض ان میں سے وُہ ہیں جن پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہَوا بھیجی اور بعض ان میں سے وُہ ہیں جنہیں (زلزلے کی) کڑک نے آلیا اور بعض ان میں سے وُہ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔ اور بعض ان میں سے وُہ ہیں جنہیں ہم نے غرق کر دیا۔ اور اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وُہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (اور خدا تعالےٰ کے سوا اوروں کو ولی اور ناصر سمجھتے تھے لیکن) اُن لوگوں کی مثال جنہیں ان لوگوں نے اللہ کے سوا ولی پکڑا' اُس مکڑی کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام گھروں سے بودا

ہوتا ہے کہ وُہ اس کی مثل کہہ نہیں سکے۔ انہوں نے جنگ کئے۔ وُہ ہر طرح کے اعتراض پیش کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے وُہ پہلو اختیار نہ کیا جو اُن کے زعم میں آسان تھا وُہ اس کی مثل کہہ کر دنیا میں کوئی نمونہ نہ چھوڑ سکے۔ نہیں نہیں۔ بلکہ وُہ سب کے سب مسلمان ہو گئے اور آج تک اقرار کرتے آتے ہیں کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت میں بھی بے مثل ہے۔ عربوں کے اس اقرار کے بعد کسی اور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وُہ اس کے خلاف دعوےٰ کرے

تمام اہل لغت حتیٰ کہ عیسائی لغت نویس بھی قرآن مجید سے سندیں لاتے اور اختلاف کے وقت قرآن مجید ہی کو حکم بناتے ہیں۔ ائمہ فصاحت و بلاغت ہر بات میں قرآن مجید ہی کا اتباع کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ وُہ خوبی ہے جو کسی اور مدعیٔ الہام کتاب کے حصہ میں نہیں آئی۔ کوئی اور کتاب فصاحت و بلاغت میں اس طرح حکم نہیں بنائی جاتی

مِن مثلہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اس بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے کسی اور بندہ سے قرآن مجید کی ایک ہی سُورت بنوا لاؤ۔ دوم یہ کہ اس قرآن کی کل مثل نہیں بلکہ اس کی بعض مثل۔ یا یوں کہو کہ اس کی تصور میں آنے والی مثلوں میں سے کسی مثل ہی سے ایک سُورت لے آؤ۔ جیسا کہ ترجمہ میں اشارہ کیا گیا ہے

کفّار کہتے تھے کہ یہ قرآن اس نے خود ہی بنا لیا ہے۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ سچ ہے تو تم بھی تو ویسے ہی آدمی ہو، تم ایک ہی سُورت بنا کر یا بنوا کر لے آؤ۔ اگر حضورِ انور کسی بات میں بھی فوق البشر ہوتے تو ایسا دعویٰ ہرگز ہرگز نہ کیا جا سکتا تھا کہ تم بھی تو اسی کی مانند بشر ہو، سو تم اس کی مانند ایک سُورت ہی بنا لاؤ

نتیجہ یہ کہ رسُول کریم میں کوئی بات بھی حدِ بشریت سے بڑھکر نہ تھی۔ بلاشبہ قرآن مجید بشریت کی حد سے بڑھکر ہے۔ یہ قرآن مجید خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے نہ کہ رسُولؐ کی طرف سے۔ پس رسُول کریم کو ایسا اختیار دینا جس سے اُن کی اپنی حدیثیں بھی خدا تعالےٰ کے قرآن کی مثل بن جائیں، قطعاً باطل ہے جب بات یہ ہے تو حدیثیں صرف بر بنا ءِ قرآن و عقل ہی لی جا سکتی ہیں اھ بس

کفّار کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ یہ قرآن رسول کی اپنی طاقت سے بڑھکر ہے۔ چنانچہ وُہ کہا کرتے تھے کہ اُسے یہ قرآن کوئی اور بشر سکھاتا ہے ۱۶:۱۰۳ نہیں بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں نے، بلکہ کسی قوم کی قوم نے اُسے مدد دی ہے ۲۵:۴ (واعانہ علیہ قوم اخرون الخ) لیکن افسوس ہے کہ مسلمان اُمّی رسُول کے علم و عقل کو اتنا بڑھاتے اور حضورؐ کو ایسے اختیارات دیتے ہیں جن سے قرآن حکیم خود رسُول کا اپنا بنایا ہُوا

پہلے لوگوں کی کہانیاں ہے اس لئے اگر ہم چاہیں تو اس کی مثل کہانیاں کہہ سکتے ہیں۔ وہ قرآن حکیم کے ان نمونوں کو جو اس نے قوموں کے تنزل و ترقی کے متعلق بیان کئے ہیں، صرف قصہ کہانیاں سمجھتے تھے اور یہ خیال نہیں کرتے تھے کہ یہ حق ہیں اور خدا تعالیٰ ضرور ان کے مطابق نتیجہ پیدا کریگا اس لئے وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر عذاب الیم لا ۹ یہ نتیجہ انہیں فتح بدر پر یاد دلایا جاتا ہے کہ کیا یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہے یا اصل حق اور نتیجہ خیز ہے؟

نیز فرمایا۔ تو کہہ دے کہ اللہ کی طرف سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونو (قرآن و توریت) سے زیادہ ہدایت والی ہو، تو میں اس کی پیروی کروں گا، اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر یہ تیری بات نہ مانیں (یعنی ایسی ہدایت والی کتاب نہ لاسکیں) تو تو جان لے کہ یہ لوگ (الٰہی ہدایت کو چھوڑ کر) اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور جو ہدایت الٰہی کے بغیر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرے اس سے بڑھکر گمراہ کون ہے؟ بلاشبہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

ان آیات سے واضح ہو رہا ہے کہ کفار قرآن حکیم کو پہلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیکر اسکی مثل لانے کو ممکن سمجھتے تھے مگر قرآن مجید نے فرمایا کہ یہ تعلیم پھل لانے والی اور نتیجہ خیز ہونے کے سبب بےمثل ہے۔ تم سے اس قرآن کی بےمثلیت کا مقابلہ اس کی ہدایت و معقولیت کے لحاظ سے چاہا گیا ہے

یا کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اسے (خود ہی اپنے دل سے) افتراء کرلیا ہے؟ تو کہہ کہ (اگر بات یہ ہے) تو تم (بھی مقابلہ کی خاطر) اس کی مثل دس سورتیں افتراء کی ہوئی لے آؤ۔ اور جسے تمہاری طاقت ہے اللہ کے سوائے بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر یہ لوگ تمہاری بات نہ مانیں تو جان لو کہ یہ علم الٰہی کے مطابق نازل کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں پھر کیا تم مسلم بنتے ہو؟ ۱۲

آیت بالا سے مترشح ہے کہ قرآن مجید کے مقابلہ کا مطالبہ علم الٰہی اور خاص کر توحید میں کیا گیا ہے۔ ایسے ہی اور بھی کئی آیات مثلاً ولکن تصدیق الذی بین یدیہ الخ ۱۱ اور قل انزلہ الذی یعلم السر فی السموٰت والارض الخ ۱۸ سے یہی ثابت ہوتا ہے

بلاشبہ فصاحت و بلاغت ایک زیور ہے گو مقصود اصلی نہیں۔ مقصود اصلی صرف ہدایت ہی ہے۔ فصاحت و بلاغت بالتبع ہے۔ باوجود اس کے اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی سب سے اعلیٰ و بےمثل ہے

کفار نے صرف دعویٰ ہی کیا تھا کہ ہم اگر چاہتے تو اس کی مثل کہہ لیتے۔ اس سے صاف معلوم

میں بڑی دوری ہوتی ا اور خدا تمہیں اپنا خوف دلاتا ہے اور اللہ بندوں پر بڑی نرمی والا ہے پ۳
(۴) (فسادیوں کو آگ پر جو دُکھ دیا جاتا ہے تو چونکہ وہ انہی کا اپنا فتنہ ہے ۔ اس لئے انہیں کہا جاتا ہو
کہ) اپنے فتنہ کو چکھو پ۲۶
(۵) پس وہ قریب ہی گمراہی کو پا لیتے ہیں پ۱۶
(۶) (جس چشمہ سے اللہ کے بندے پیتے ہیں) وُہ اُسے (خود ہی) نکال بہاتے ہیں جو بہا لینے کا حق ہے۔
(شیشے کی طرح شفاف چاندی کے برتن ان کے پینے کے لئے ہیں) اُنھوں نے (خود ہی انکا) اندازہ لگایا ہے
خوب اندازہ لگانا پ۲۹ وغیر ذٰلک من الآیات

عالمِ آخرت میں جہنمیوں کے لئے لوہے کے گرز تیار ہوتے ہیں۔ وہاں ان گرزوں کے بنانے کے لئے دُنیا کے لوہاروں کی ضرورت نہیں۔ اَور جنتیوں کے لئے بلند تخت، چمکیلے کوزے، صف بستہ تکیئے اور بچھے ہوئے غالیچے بنتے ہیں۔ اُن کے لئے دُنیا کے کسی بڑھئی، کمہار، درزی یا قالین باف کی حاجت نہیں۔ قدرت خود ہی ان کے اعمال کے مطابق یہ چیزیں تیار کر دیتی ہے۔ سُورت غاشیہ میں ان نعمتوں کا ذکر کرکے (لف ونشر مترتب کے طور پر) چار قدرتی نمونے پیش کئے ہیں

تختِ ۱ رواں کے لئے فرمایا ہے:۔ کیا یہ اونٹ کی طرف نظر نہیں کرتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہو؟ ستاروں ۲ کی طرح ٹکائے ہوئے آبخوروں کی بابت فرمایا:۔ کیا یہ سماء کو نہیں دیکھتے۔ کیسے بلند کیا گیا (اور کس طرح اس کی بلندی میں ستارے پھیلائے گئے ہیں)؟ تکیوں ۳ کی قطار کے نمونے میں پہاڑوں کے سلسلے پیش کئے اور فرمایا:۔ کیا یہ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح جمائے گئے ہیں؟ بچھے ۴ ہوئے غالیچوں کے نمونہ میں ارشاد کیا:۔ کیا یہ زمین کی طرف نظر نہیں کرتے کہ کس طرح اس کا سطحی پوست بچھایا گیا؟ پ۳۰ ع۱۳

چھٹی اور ساتویں آیت کی ضروری تشریح ترجمہ کے ساتھ آچکی ہے

آٹھویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آدمی اپنے اپنے مناسب وقت پر دُنیا میں آتے ہیں اور جس طرح وُہ اپنے اپنے وقت پر فوت ہو کر دُنیا سے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے اپنے مناسب وقت پر موت کے بعد زندگی پاتے ہیں۔ سب لوگ دُنیا میں اکٹھے ہی پیدا نہیں ہوتے اور سب لوگ اکٹھے ہی مر کر دوسرے عالم میں نہیں جاتے۔ پس سب لوگوں کو عالمِ آخرت کی زندگی بھی اسی طرح الگ الگ ہی ملتی ہے۔

سب لوگ مر کر ہی خدا تعالیٰ کے حضور میں پہنچتے ہیں۔ جب کبھی آدمی طوفانوں، دباؤں، زلزلوں یا بڑے

ثابت ہو

جس شخص کا فہم تمام انسانوں سے بڑھ کر اور بمنزلہ وحی ہوگا اگر وہ خود ہی قرآن مجید کو بنا لے تو کیا ایسے فہم سے قرآن مجید کا بنا لینا کچھ بعید ہے؟ ایسے صاحبِ فہم کو قرآن مجید کے دیئے جانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے ایسا فہم خود ہی وحی کی جگہ کام دینے کیلئے کافی ہے

چوتھی آیت میں نار کے متعلق فرمایا ہے اعدت للکافرین ۔ اسی طرح جنّت کے بارے میں آیا ہے اعدت المتقین پ۴ اور اعدت للذین امنوا باللہ و رسلہ پ۲۷/۱۹۔ نتیجہ یہ کہ جہنم کفر سے اور جنّت تقویٰ و ایمان سے تیّار کی جاتی رہی ہے

اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات کیلئے بطور بنیادی سامان کے زمین میں سب کچھ پیدا کر دیا ہے اور آسمانوں کو اس کے مطابق ترتیب دی ہے ۔ انسان اپنے ہاتھ' پاؤں' آنکھ کان وغیرہ سے کام لیکر اپنی جسمانی حرکات کے ذریعے سے اپنے لئے بہت سی چیزیں تیار کرتا' شہر بساتا' پُل بناتا' ریل گاڑیاں اور جہاز چلاتا' باغ لگاتا' اناج بوتا اور اپنے آرام کیلئے بہت سے کام کرتا ہے جس طرح ظاہری جسمانی حرکات سے مادی چیزیں تیار ہوتی ہیں ۔ اسی طرح باطنی حرکات سے باطنی چیزیں بنتی ہیں ۔ پس کفر سے جہنم کا اور ایمان و تقویٰ سے جنّت کا تیار کیا جانا کچھ بعید نہیں ۔ جہنّم و جنّت کے بنیادی سامان اللہ تعالیٰ نے پیدا کر رکھے ہیں ۔ انسان باطنی حرکات سے انہیں اپنے موافق یا مخالف ترتیب دیتا اور اپنے لئے کانٹوں کے بچھونے یا پھولوں کے سیج تیار کرتا ہے ۔ انسان جو کام کرتا ہے اس کا اثر اس کے اندر بھی ہوتا ہے اور اس طرح اُس کے باطن میں ایک کتاب لکھی جاتی ہے (کتب فی قلوبھم الایمان پ۲۸ ونخرج لہ یوم القیامۃ کتاباً یلقاہ منشورا ۔ اقرأ کتابک پ۱۵) پھر انسان کے افعال و نیات و اعتقادات و خیالات کا اثر اس کے خارج میں قائم رہتا ہے اور اس سے علّیین و سجّین کے دفتر تیار ہوتے ہیں ۔ اِن دونو اثرات کے ملاپ سے جہنّم و جنّت کا ظہور ہوتا ہے ۔ پانچویں آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جزا ایمان و اعمال ہی کے مطابق ہوتی ہے ۔ اِسکی مزید تشریح کیلئے آیات ذیل پر غور فرمائیں :-

(۱) جس نے کُفر کیا ۔ پس اس کا کفر اسی پر ہے ۔ اور جنہوں نے صالحات والے عمل کئے تو وہ اپنی جانوں ہی کے لئے بچھونے بچھاتے ہیں پ۲۱

(۲) انہوں نے جو عمل کئے ۔ انہیں اپنے سامنے حاضر پایا پ۱۵/۱۸

(۳) جس دن ہر نفس اپنے ہر خیر کے عمل کو حاضر پاتا ہے اور جو اُس نے بدی کا عمل کیا ہے اُسے بھی (اپنے سامنے دیکھتا ہے ۔ اپنے بدعمل کو دیکھ کر) وہ یہ چاہتا ہے کہ کاش! مجھ میں اور اس (بدی)

پڑا رہتا ہے۔ پھر اس غلاف سے نکل کر پروار بن جاتا ہے۔ ہر حالت میں وُہ ایک ہی کرم ہوتا ہے۔ جس طرح وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں جاکر ضائع نہیں ہوتا بلکہ بلاشُبہ موجود رہتا ہے' اسی طرح جب وُہ مرتا یعنی ظاہری کثیف جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو اس وقت بھی وُہ غیر مرئی حالت میں برابر موجود ہوتا ہے

انسان بھی نطفہ اور علقہ سے لے کر مرنے تک بہت سی حالتیں بدلتا اور مرنے کے وقت ایک لطیف غیر مرئی جسم اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ کفار کا یہ غیر مرئی جسم' برزخی حالت میں ٹوٹا پھوٹا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسکا پور پور درست کر کے انہیں پورے عذاب میں داخل کر دیتا ہے

جہنم و جنّت کے بیان کی مزید تفصیل کے لئے آیات ذیل پر غور کرنا بھی ضروری ہے

(۱) اور اگر تو دیکھتا جب ظالم موت کی بیہوشیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلا کر کہتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو (ہمارے ہاتھوں سے) نکالو۔ آج تم کو ذلّت کے عذاب کی سزا دی جاتی ہے بہ سبب اس کے کہ تم اللہ پر ناحق باتیں بکتے تھے اور بسبب اس کے کہ تم اس کی آیتوں سے تکبّر کرتے تھے (تو تو ہولناک نظارہ دیکھتا) اور (اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ) تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آئے ہو۔ جس طرح ہم نے تمہیں پہلی دفعہ (اکیلے اکیلے) پیدا کیا تھا۔ اور جو نعمتیں ہم نے تمہیں دی تھیں انہیں تم اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے وُہ شفیع نہیں دیکھتے جنہیں تم گمان کرتے تھے کہ وُہ تمہارے (بچاؤ میں (ہمارے) ساجھی ہیں۔ تمہارے رابطے سب ٹوٹ گئے اور تمہارے سب کے سب دعوے گئے گذرے ہو گئے ۶۴

(۲) پھر جب (نسمہ) گلے میں پہنچتا ہے اور تم اُس وقت (پاس بیٹھے) دیکھا کرتے ہو اور ہم اس (مرنے والے) کے پاس تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں ولیکن تم (ہمیں) نہیں دیکھتے۔ پھر اگر تم کسی کے بس میں نہیں ہو تو کیوں اس (نسمہ) کو موڑ نہیں لیتے اگر تم سچے ہو؟ پھر اگر وُہ (شخص) مُقربین میں سے ہوتا ہے تو (اسے) راحت و خوشبو اور نعمتوں والا بہشت (ملتا) ہیں اور اگر اصحاب یمین سے ہوتا ہے تو تیرے لئے اصحاب یمین کی جانب سے (بھی) سلامتی (و خوشی) ہو اور اگر وُہ جھٹلانے والے گمراہوں سے تھے تو کھولتے ہُوئے پانی کی مہمانی اور جہنم کا داخلہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ بات حق الیقین ہے۔ سو تو اپنے عظمت والے ربّ کے نام کی پاکیزگی بیان کر ۹۴

(فائدہ) ان آیات میں نسمہ کے لئے مؤنث کی ضمیریں اور اصل انسان کے لئے مذکر کی ضمیریں لانے سے نسمہ کا صریح ثبوت ملتا ہے۔ اگلی آیت میں بھی ایسا ہی ثبوت موجود ہے

(۳) جب پہنچتی ہے (جان یعنے نسمہ) گلے کی ہنسلی کو اور کہا جاتا ہے کہ (ہے) کوئی جھاڑ پھونک

بڑے جنگوں میں ہلاک ہوتے اور ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہی مرجاتے ہیں۔ اس وقت وُہ الگ الگ ہی مرکر خدا تعالیٰ کے حضور میں جاتے اور فرداً فرداً ہی پیش ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب نوع انسان کے خاتمہ پر لوگ ارض وسماء کے پھٹنے۔ پہاڑوں کے اُڑنے اور دیگر بڑے بڑے صدموں سے' ایک ہی وقت میں ہلاک ہوں گے تو وُہ بھی مرکر ہی عالم آخرت میں پہنچیں گے اور خدا تعالےٰ کے حضور میں اکیلے اکیلے ہی حاضر ہوں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ ان کے ساتھ پہلے لوگوں کو بھی اس دنیا میں لاکر دوبارہ ہلاک کیا جائے۔ نہیں نہیں! بلکہ اُس زمانہ ہی کی حاملہ عورتوں کے حمل گریں گے۔ اور اُس وقت ہی کی دُودھ پلانے والیاں اپنے بچّوں سے غافل ہوں گی۔ یہ نہیں ہوگا کہ پہلے زمانوں کی عورتوں کو دوبارہ حاملہ اور دُودھ پلانے والیاں بناکر دنیا میں لایا جائے اور پھر سب کے اکٹھے ہی حمل گرائے جائیں اور سب کو ایک ہی وقت میں اپنے بچوں سے غافل کیا جائے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو نوع انسان کے خاتمے پر مرنے والی حاملہ عورتوں کے ساتھ پہلے گذری ہوئی حاملہ عورتوں کے وضع حمل کا کوئی علاقہ دواسطہ نہیں

حاصل یہ کہ آدمی خواہ ایک ایک کرکے مریں یا جماعتوں کی جماعتیں ہلاک ہوں یا نوع انسان کے خاتمے پر سارے زمین والے اکٹھے ہی مرجائیں' بہرحال انسان مرکر ہی خدا کے حضور میں جاتا ہے

شہید اور جو اُن سے درجہ میں اعلیٰ ہیں جیسے صدیق ونبی۔ وُہ مرنے کے ساتھ ہی ایسی زندگی پالیتے ہیں جس میں اُن کے ہوش وحواس قائم ہوتے ہیں دوسرے عالم کے ساتھ بلا توقّف ان کا پورا تعلق ہوجاتا ہے۔ لیکن کفّار اور گنہگار مرنے کے بعد اس طرح تکلیفیں اٹھاتے ہیں جس طرح کوئی بیہوش مریض دُکھ پاتا اور کراہتا ہے۔ جیسے غریق جھاگ پر ہاتھ مارتا ہے وُہ اپنے جسموں کی طرف بچ جانے کے خیال سے جھکتے ہیں۔ لیکن اس سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ جتنا عرصہ وُہ لوگ ڈانواں ڈول اور پریشان حالت میں رہتے ہیں اسے برزخی حالت کہتے ہیں پھر مناسب وقت کے بعد عالم آخرت کے ساتھ انہیں بھی پُورے طور سے جکڑ دیا جاتا ہے۔ کفّار مرنے کے ساتھ ہی جہنم میں چلے جاتے ہیں اور ان کا برزخی داخلہ ایسا ہوتا ہے جیسے سیخ کباب آگ پر پیش کی جائے۔ لیکن برزخ کے بعد کا داخلہ مکمّل ہوتا ہے

مکڑی وپتنگے اور ریشم کے کیڑے اور دیگر کرم ہماری آنکھوں کے سامنے کئی حالتیں بدلتے ہیں پہلے وُہ انڈے ہوتے ہیں پھر جب انڈے کے اندر کا کیڑا تکمیل پاتا ہے اور اُس کے لئے انڈے کے پوست کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی تو وُہ پوست اس سے اتار لیا جاتا ہے۔ یہ چھلکا اسے پھر کسی وقت واپس دیئے جانے کیلئے نہیں اُتارا جاتا بلکہ اس لئے کہ اب اسے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ پھر وُہ کیڑا کئی پوست اتارتا ہے بعد ازاں اس کے گرد ایک غلاف سا پیدا ہوجاتا ہے۔ اُس وقت وُہ بے حس وحرکت ہوکر کسی محفوظ جگہ میں

بہت جلد حساب لینے والا ہے ﷺ وغیر ذٰلک من الآیات

اس رکوع کی نویں آیت میں تسویہ سماء کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق ذیل میں چند اشارات پیش کئے جاتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے فضائے نامتناہی کو بنا کر اس میں بےشمار سورج، چاند، ستارے اور سیّارے موقع بموقع پھیلا دیئے۔ اور ان کے ٹوٹنے اور نئے نئے ستارے اور سیارے بننے کے قواعد بنائے۔ ہمارے آگے پیچھے، اوپر نیچے، دائیں بائیں، بیشمار نظام شمسی موجود ہیں۔ یہ سب آپس میں اس طرح پروئے ہوئے ہیں کہ تمام کارخانۂ کائنات بمنزلہ شئے واحد ہے اس لئے کہ یہ سب ایک ہی تجویز سے پیدا ہوئے ہیں اور سب ایک ہی مُدبّر کے زیرِ حکم ہیں

اس غرض سے کہ ایک ستارے وسیّارے سے دوسرے تک روشنی، گرمی، حرکت، جذب اور دیگر تاثیریں پہنچائی جائیں، حکیم برحق نے اپنی حکمت کاملہ سے اس فضائے نامتناہی میں ایک عجیب موصل پھیلایا ہوا ہے۔ اس حیرت انگیز موصل کا نام عربی میں اثیر رکھا گیا ہے، انگریزی والے اسے ایتھر (ETHER) کہتے ہیں

یہ ایتھر عام مادہ سے بہت مختلف ہے۔ اسی کے باعث مادہ میں جذب ومدافعت پیدا ہوتی ہے۔ مرکب مادہ پتھر ہو یا لوہا۔ سونا ہو یا ہیرا۔ خواہ وہ کتنا ہی جڑا ہوا اور پیوستہ کیوں نہ ہو، پھر بھی اس میں نہایت چھوٹے چھوٹے وقفے اور فاصلے ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ایتھر اس طرح پر علی الاتصال چلا جاتا ہے کہ اس میں کوئی وقفہ وشگاف نہیں (ما لھا من فروج)

دیکھئے سورج اور زمین دونو اپنے مشترکہ مرکز ثقل پر، جو زمین کے مرکز سے نہایت دور اور سورج کے مرکز سے بہت قریب واقع ہے، گردش کرتے ہیں۔ سورج اور زمین ایسی گردش کے لئے اسی ایتھر کی بدولت جڑے ہوئے ہیں۔ اگر اس ایتھر کی جگہ لوہے کی موٹی سے موٹی اور مضبوط سے مضبوط سلاخ ہوتی تو وہ ایک ہی ہچکولے اور ایک ہی آن میں ٹوٹ پھوٹ جاتی۔ لیکن یہ ایتھر، ترتیب کی حالت میں ہو یا بے ترتیبی کی حالت میں، بہر صورت بڑے زبردست اثر پہنچانے کے لحاظ سے بہت مضبوط اور شدید ہے۔ سخت تباہی کے اثرات پہنچانے کے وقت اس کی امن والی اور تعمیری ترتیب میں فرق آجاتا ہے

اس کی قوتِ ایصال ہر طرف کام کرتی ہے۔ اس میں ہر قسم کی تحریکات کے بیشمار تموّج پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان لہروں کے اس میں ہر طرف جال تنے ہوئے موجود ہیں (وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الحُبُكِ) اس کے سبب

کرنے والا؟ اور وہ (مرنے والا) گمان کرتا ہے کہ اب جدائی ہے اور پنڈلی کے ساتھ پنڈلی لپٹتی ہے۔
اُس دِن (تجھے) اپنے رب کی طرف چلنا ہے پ۲۹
(۴) پس قوم (نوحؑ) اپنی بعض شرارتوں کی وجہ سے غرق کی گئی۔ پھر وہ آگ میں داخل کئے گئے۔ سو انہوں نے اللہ کے سوائے کوئی مددگار نہ پایا پ۲۹
(۵) (حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کو) کہا گیا کہ تم دونو دوسرے داخل ہونیوالوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ پ۲۸
(۶) (دنیا کے عذاب کے بعد) پھر پیشی کے دن خدا انہیں ذلیل کرتا اور کہتا ہے کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے سبب سے تم آپس میں لڑا کرتے تھے؟ ان لوگوں نے جن کو علم ملا کہا کہ آج کافروں پر جنہیں اپنی جانوں پر ظلم کرنے کی حالت میں فرشتے فوت کرتے ہیں، رسوائی اور برائی ہے پس وہ یہ کہتے ہوئے صلح ڈالتے ہیں کہ ہم کوئی بدی نہیں کرتے تھے۔ کیوں نہیں؟ جو تم کرتے تھے، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ سو تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس حال میں کہ تم اس میں رہ پڑنیوالے ہو۔ سو بالضرور متکبّروں کا ٹھکانہ بہت برا ہے پ۱۴
(۷) اِسی طرح اللہ متّقیوں کو جنہیں فرشتے اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ نیک ہوتے ہیں جزا دیتا ہے۔ انہیں کہتے ہیں تم پر سلام ہو۔ جنت میں داخل ہو۔ بسبب اس کے جو تم عمل کرتے تھے پ۱۴
(۸) اس سے کہا گیا۔ جنت میں داخل ہو جا۔ اس نے کہا اے کاش! میری قوم جانتی جو میرے ربّ نے مجھ پر بخشش کی ہے اور مجھے عزّت والوں سے کر دیا ہے۔ پھر ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری اور نہ ہی ہم ایسا کرنے والے ہیں۔ صرف ایک دھما کا ہُوا۔ پس جب تو وہ بجھ گئے پ۲۳
(۹) پس اللہ نے اسے فرعونیوں کے مکروں کے شر سے بچا لیا اور فرعون کے لوگوں کو سخت عذاب (یعنے آگ) نے گھیر لیا۔ اس آگ پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے تھے اور جب وہ پیشی کی گھڑی قائم ہوتی تھی تو کہا جاتا تھا کہ فرعون کے لوگوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔ اور (یاد کر) جبکہ وہ آگ کے اندر آپس میں جھگڑتے تھے الخ پ۲۴
(۱۰) اور خدا تو اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر پہرے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے تو اُسے ہمارے بھیجے ہُوئے فوت کرتے ہیں اور وہ (اسمیں) کوئی کمی نہیں کرتے۔ پھر وہ اللہ کی طرف، جو اُن کا سچا مولیٰ ہے، موڑے جاتے ہیں۔ سُن رکھو! اسی کا حکم ہے اور وہ

زمینی مادہ دونوں ملے جلے ہوئے تھا (کانتا رتقا) پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں پھاڑ کر زمین کے کثیف مادہ کو وسط کی طرف سکیڑنا شروع کیا۔ پھر اس سے آبادی کے لائق زمین بنائی (ففتقنا ھما) لیکن اس کا ایتھر اس کے اردگرد ایک قسم کے دخان کی صورت میں موجود تھا (وھی دخان)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس دخان کو جس میں سات ایتھر بے ترتیب حالت میں تھے، زمین کے لائق مناسب ترتیب دیکر سات سمٰوات بنا دیئے۔ اور زمین کے فوائد کے مطابق ہر آسمان میں اس کے لائق امر کی وحی فرمائی۔ یہ ترتیب دینا اور وحی کرنا دو زمانوں میں ہوا (فی یومین)

حاصل یہ کہ سمٰوات وہی ایتھر ہیں جن کا اُوپر کسی قدر اشارۃً ذکر کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے امران کے درمیان نازل ہوتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتا اور سب کچھ جانتا ہے (یتنزل الامر بینھن۔ لتعلموا ان اللہ علی کل شیٔ قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیٔ علما ۶۵)

حواشی

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یا ایھا النّاس کا خطاب مکی سورتوں میں آتا ہے۔ مدنی سورتوں میں نہیں آتا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ سورت ابتدائی مدنی سورت ہے۔ اس میں یا ایھا النّاس کے الفاظ بصراحت تمام آئے ہیں۔ پھر سورت نساء اور سورت حج کے شروع میں بھی یہی الفاظ برابر موجود ہیں۔ یہ سورتیں بھی مدنی ہیں۔ یہ ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ ان میں جنگ کا ذکر وضاحت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ مفسرین کی ایسی غلطیوں سے صاف کھل جاتا ہے کہ تمام مفسرین خواہ صحابہ ہوں یا تابعین، جو تفسیر وہ اپنی سمجھ سے کرتے تھے اس میں وہ ہمارے جیسے آدمی ہی تھے۔ وہ ایسی فاش غلطیوں سے بھی بری نہ تھے۔ ہمیں اُن سے معقول فوائد حاصل کرنے ضروری ہیں لیکن کسی بشر کی غلطی کی پیروی ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ غلطی جہاں بھی ہو غلطی ہے۔ غلطیوں سے پاک صرف ایک ذات ہے جو ہمارا خدا ہے اور بس

اہل لغت کے نزدیک ناس کے لفظ میں جن و انس سب داخل ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ رأیت ناسا من الجن یعنے میں نے "جنوں" میں سے "ناس" دیکھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ "جن" جنہیں عرب دیکھتے ہیں، غیر مرئی جن نہیں ہوسکتے

قرآن حکیم میں "رجال من الجن" آیا ہے۔ اور یہ سورج کی طرح واضح ہے کہ رجل غیر مرئی مرد کو نہیں کہتے بلکہ رجل وہ مرد ہے جو دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " اگر ہم رسُول کے کسی ساتھی کو فرشتہ بناتے تو اسے رجل ہی بناتے اور یوں اُن پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو وہ اب کرتے ہیں ۹ ۶"

اللہ تعالیٰ ناس کی پیدائش مٹی سے بتاتا ہے ۲۰ ۳۰۔ اگر یہ صحیح ہے کہ "جن" ناس میں داخل ہیں تو یہ جن جو ناس میں داخل ہیں بالضرور مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ انسان صرف مٹی ہی سے نہیں بلکہ پانی سے بھی بنا ہے (خلق من الماء بشرا ۲۵ ۵۴)

سے ہر تاثیر و تاثر بلکہ خیالات کے اثرات بھی خواہ کوئی سا رنگ اختیار کر لیں ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ کبھی ضائع نہیں ہوتے۔ یہ ہر ستارے اور سیارے کے گرد محفوظ چھت کی طرح چھایا ہوا ہے۔ اگرچہ ہر بلند شئے کو سماء کہتے ہیں۔ مگر خاص سماء یہی ایتھر ہے جو ہر طرف تمام کائنات کے اوپر چلا جاتا ہے

اوپر نیچے صرف نسبتی لفظ ہیں۔ اگر ہر ستارے اور سیارے کے مرکز کو اس کا تحت سمجھیں تو اس ستارے یا سیارے کے ہر طرف جو کچھ بھی موجود ہے وہ اس کے مرکز کی نسبت سے اوپر ہی اوپر ہے۔ یہی بات ہماری زمین کے سیارے پر بھی صادق آتی ہے

زمین کے اندر بہت بڑی آگ ہے (یرسل علیکما شواظ من نار ونحاس۔ فلا تنتصران) وہاں تمام دھاتیں پگھلی ہوئی حالت میں ہیں۔ بہت سی چیزیں دھوئیں کی صورت میں پھیلی ہوئی ہیں سطح ارض اس آگ کا تنور ہے۔ عرب "سطح ارض" کو تنور کہتے ہیں۔ زمین کے اوپر کا یہ پوست زمین کی حرارت کے اوپر سے کم ہو جانے کے سبب بنا ہے۔ آتش خیز پہاڑ زمین کی اس اندرونی حرارت کا پتہ بتاتے ہیں۔ طور بھی ایک آتشیں پہاڑ ہی ہے جو کسی رکاوٹ کے آجانے کے سبب بجھ کر سرد ہو گیا ہے

جب زمین کی حرارت کے کم ہو جانے سے اس کے اوپر کا پوست (یعنے تنورۂ زمین) بنا تو اس پوست میں آہستہ آہستہ بہت سے طبقات پیدا ہوئے۔ جن میں زمین کی بہت سی پرانی تاریخ لکھی ہوئی موجود ہے (والطور وکتاب مسطور۔ فی رق منشور) اس پوست زمین کے اوپر بیشمار نباتات وحیوانات وانسان کی معموری ہے یہ آباد دنیا "البیت المعمور" ہے۔ اس کے اوپر ہر طرف ایتھر بلند چھت کی طرح چھایا ہوا ہے۔ (والسقف المرفوع) پھر اس میں بڑی بلندی پر نیبولا (**Nebula**) کے بحر مسجور یعنی آتشیں سمندر ہیں (والبحر المسجور)

سورت طور کے شروع میں ان دلائل کو ترتیب وار بیان کر کے الٰہی مواخذہ کے وقوع سے ڈرایا گیا ہے ایسے بحر مسجور یعنے نیبولے اب بھی آسمان میں پھیلے ہوئے موجود ہیں۔ یہ ہو بہو کاغذوں کے مٹھے کی طرح چکر لگاتے ہیں۔ ان کا نقشہ بالکل کطی السجل للکتب ہی ہے۔ یہ نئی سے نئی آبادیوں کے سامان ہیں۔ (کما بدأنا اول خلق نعیدہ)

ابتداءً ہمارا سورج بھی ایک بحر مسجور یعنی نیبولا ہی تھا۔ اس سے مدافعت کے سبب ہماری زمین اور ہمارے نظام شمسی کے دیگر سیارے پھٹ کر الگ ہو گئے۔ یہ زمین اس وقت اپنے بڑے نیبولا کا ایک ٹکڑہ ہی تھی۔ پھر پگھلے ہوئے مادہ کی صورت میں آئی۔ پھر انجماد پا کر آتشیں کرہ بنی۔ چوتھے درجہ پر زمین کا پوست سرد ہوا اور آبادی کے قابل بنایا گیا (فی اربعۃ ایام) جب زمین سورج سے الگ ہوئی اس وقت اس کا سماء اور

سورت حج کے رکوع اوّل میں فرمایا ہے ان کنتم فی ریب من البعث الخ اور اس کے آگے ارشاد کیا ہے وان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا۔ اس کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا

قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق خدا تعالیٰ پر سچا ایمان رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے لوگ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت سب جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ دوسرے معاملات کی طرح اس میں بھی مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جو کوئی صلاحیت والے عمل کرے مرد ہو یا عورت۔ اور وہ ایماندار ہو۔ تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جاتا پ۵

یہی مضمون اور بھی بہت سی آیات میں ہے دیکھو پ۱ ع۲۴، پ۱۴ ع۱۹، پ۴ ع۱۱، پ۲ ع۲۲، پ۹ ع۲۶، پ۱۵ ع۲۸ وغیرہ

اس رکوع کی پانچویں آیت میں مرد و عورت سب داخل ہیں۔ ازواج بمجنس جوڑوں کو کہتے ہیں۔ ''ازواج'' کا لفظ یہ بتارہا ہے کہ جنت میں اسی دنیا کے مرد و عورت ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں پاک کرکے وہاں داخل کرتا ہے۔ اسی امر کے اظہار کے لئے مطھرۃ کا لفظ لایا گیا ہے نہ طاھرۃ کا' (فجعلناھن ابکارًا پ۲۷)

خدا تعالیٰ نے ہر شے کے جوڑے بنائے ہیں ومن کل شیءٍ خلقنا زوجین

علم کیمیا میں یہ بات بالکل ثابت شدہ ہے کہ ایک عنصر کسی دوسرے عنصر کے ساتھ ایسا خاص تعلق اور ملاپ رکھتا ہے جو اس کو کسی دیگر عنصر کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا۔ نباتات میں یہ امتیاز اور بھی واضح ہے۔ حیوانات میں نر و مادہ کا امتیاز اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ وہ ہر شخص کو بلا تکلف نظر آتا ہے۔ انسان میں یہ امتیاز اور بھی ممتاز ہو جاتا ہے

انسان میں نر و مادہ کا تعلق سچے عہد و پیمان کے ساتھ شروع ہوتا اور موت تک باقی رہتا ہے۔ انسانی جوڑے جو وفاداری خود فدائی اور اخلاص و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ صد ہزار مبارکباد کے مستحق ہیں

لیکن یہ دنیا فانی اور گذشتنی و گذاشتنی ہے۔ مجبوری کی صورتوں میں یہ تعلق ٹوٹ جاتا بلکہ بالکل بھلایا جاتا ہے بعض دفعہ میاں بیوی کی طبائع میں سخت اختلاف پیدا ہو جانے سے یہ تعلق توڑنا بھی پڑتا ہے۔ اکثر حالتوں میں میاں بیوی دلی اخلاص و محبت کے بغیر محض بگڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ ایسی زندگی بسر کرتے ہیں جو بخوشی قابل برداشت نہیں ہوتی۔ وہ دل میں علیحدگی کے متمنی اور ایک دوسرے کی موت کے خواہاں ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی ایک دوسرے کو زہر دیکر یا اور طرح سے قتل کر ڈالتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فانی اور ناقص زندگانی میں میاں بیوی کا تعلق بہت کچھ قابل اصلاح و ترقی ہی رہتا ہے۔ اس تعلق کا اعلیٰ ارتقا غالباً یہ ہو کہ یہ علاقہ دائمی ہو جائے۔ اس میں جدائی کا کوئی خوف نہ رہے جو محبت چند روزہ ہوتی ہے وہ مسافرانہ محبت ہوتی ہے۔ اس میں صرف وقت کاٹنا اور گذارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ دلوں کا یہ دوامی بندھن صرف خوشنودیٔ الٰہی ہی کے ماتحت حاصل ہو سکتا ہے ورنہ نہیں

پھر یہ بھی ضرور ہے کہ میاں بیوی کا علاقہ تمام برائیوں آلائشوں اور دکھوں سے مطہر ہو۔ جیسا کہ آیۂ شریفہ میں بصراحت تمام

انسان کی پیدائش میں ناریت کا جز بھی داخل ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے کہ خلق الانسان من عجل

"جنّ" کے معنے ہیں پوشیدہ کرنا' اندھیرا ڈالنا' مٹی میں ملانا۔ پس جانّ کے معنے ہوئے اندھیرا ڈالنے والا' مٹی میں ملانے والا۔ پس وہ متکبرین جو امن کے ساتھ نہیں رہ سکتے بلکہ چاہتے ہیں کہ دوسروں پر دباؤ ڈال کر انہیں اپنے غلام اور زیر سایہ کرلیں' جن ہیں۔ قرآن مجید میں جنّ کا لفظ وصفی معنے دیتا ہے جیساکہ ابلیس کے متعلق فرمایا ہے کہ کان من الجن ففسق عن امر ربه پ۱۵ یعنی چونکہ وہ کافرین ومتمردین ومستکبرین سے تھا اس لئے اپنے رب کے حکم سے نکل گیا۔ ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین پ۱

ہر رسول کے زمانہ میں دو قسم کے لوگ ہوتے رہے ہیں ایک مستکبرین دوسرے مستضعفین (قال الذین استکبروا من قومه للذین استضعفوا لمن امن منهم پ۸) حاصل یہ کہ استبداد پسند اور جاہ طلب لیڈر اور نذریں لینے والے پیر گوروا اور کاہن آدمیوں کے جنّ ہیں۔ ان میں سے کئی ایک غیب دانی اور کرامتوں کے مدعی ہیں' اور لوگوں کو بیٹے دینے والے بن کر نوع انسان کو تباہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ نہیں چاہتے کہ انسان ان کی غلامی کی زنجیروں سے چھوٹ جائیں اسلئے کہ ان میں ناریت کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے

مختصر یہ کہ یا ایھا الناس کے خطاب میں "ناس" میں "جن وانس" سب داخل ہیں' اور چونکہ رسول اپنی جنس ہی کی طرف رسول ہو سکتا ہے' اس لئے ناس کی طرف رسول بھی "ناس" ہی سے ہونا لازم ہے۔ اگر زمین میں (عاقبت سے) بیخوف ہوکر فرشتے بستے ہوتے' تو ان کی طرف فرشتہ رسول نازل ہوتا

نتیجہ یہ کہ وہ جنّ جنہوں نے قرآن مجید سنا تھا اور اس پر ایمان لائے تھے اور وہ جنّ جو حضرت سلیمان کے وقت میں بنّار اور غوآص تھے اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے' وہ سبھی ناس میں سے تھے

ریب کے معنے ایسی بات کے ہیں۔ جو انسان کے دل میں بے چینی پیدا کرے۔ تفسیر مدارک میں تحت آیۂ وانا لفی شك مما تدعونا الیه مریب پ۱۲ لکھا ہے۔ "مریب" موقع فی الریبة۔ من ارابه۔ اذا اوقعه فی الریبة وهی قلق النفس وانتفاء الطمانینه۔ پس ریب کے معنے ہوئے قلق النفس اور انتفاء الطمانینۃ یعنی جی کی بیقراری اور اطمینان کا نہ ہونا

قرآن مجید۔ تندرست دل کیلئے بلاشبہ لاریب فیه ہے۔ اگر خالی الذہن ہوکر محض فطرت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس میں کسی ریب کی گنجائش نہیں۔ ہاں اگر دل مریض ہو اور فطرت' الف وعادت اور جذبات سے رنگین ہوگئی ہو تو ایسے شخص کا ریب میں پڑنا ممکن ہے۔ لیکن قرآن مجید ایسی حالت کیلئے خود ہی ایسے صحیح علاج پیش کرتا ہے جن سے وہ ریب زائل ہو جائے اور قرآن حکیم کا لاریب فیه ہونا کھل جائے

اسی طرح قرآن حکیم میں حیات بعد الممات کے وقت کے متعلق آیا ہے: لاریب فیه پ۲۵ ۱۹-۲۰

اس فطری حالت کی تبدیلی چاہیں گے اور اپنے مرد وعورت ہونے کو بُرا منائیں گے؟

دوسرے عالم میں تمام لوگ مرکر ہی پہنچتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد میاں بیوی اپنے معاملہ میں آزاد ہو جاتے ہیں۔ پس دوسرے عالم میں اللہ کی منظوری آپس کی دلی رضامندی اور قلبی مطابقت کے بغیر ایک دوسرے کو نہیں ملیں گے۔ ہاں جن کے لئے یہ باتیں ٹھیک طور پر میسر ہوں گی وہ ضرور آپس میں جوڑ دیئے جائیں گے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم محبت الٰہی میں مجرد رہنا ہی پسند کرتے ہیں۔ ہمیں جسمانی ونفسانی خوشیاں مطلوب نہیں" وہ خاطر جمع رکھیں اگر سچ مچ ان کی یہی خواہش وطلب ہے تو خدا تعالیٰ انہیں وہی دیگا جس کے وہ سچے طور پر طالب ہیں (لھم فیھا ما یشاؤن ۳۴/۲۵)،

اگر کسی کو سچ مچ ضرورت نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے یہ چیزیں جبراً نہ دیگا۔ لیکن جن لوگوں کے دل ابھی تک تمہارے جیسے ترقی یافتہ نہیں۔ انہیں ان کے ادنٰے درجہ ہی کے مطابق خوشیاں ملنے پر کیوں اعتراض کرتے ہو؟ جنت کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے (ورضوان من اللہ اکبر ۷۲/۹) ہم اللہ کی رضامندی کے طالب بنیں' ہمارے لئے جو کچھ وہ بہتر دیکھیگا وہی ہمیں دیگا۔ اس لئے کہ:۔

"خواجہ خود روش بندہ پروری داند"

ایک امیر آدمی اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے محل پر بالا خانہ میں فارغ دل اور خوش وقت ہو کر بیٹھا ہے۔ پانی کی نہریں نیچے سے اُوپر کو نلکوں کے ذریعے سے پہنچ رہی ہیں اور عجیب بہار دکھاتی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگ جنت کی نہروں کے نیچے سے اوپر کی طرف پہنچنے پر اعتراض کرتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ نیکو کاروں اور مقربوں نے یہ نہریں اپنے نیک اعتقاد اور اعمال صالحہ کے ذریعے سے جاری کی ہیں (یفجرونھا تفجیراً ۲۹/۱۶) جوں جوں وہ خود اعلٰے ترقیات پر پہنچتے جاتے ہیں' ان کی نہریں بھی نیچے سے اوپر کو ترقی کرتی جاتی ہیں

یہ باتیں خدا تعالےٰ نے انسان کے فہم کے مطابق نیکی کی ترغیب کے لئے بیان فرمائی ہیں' ورنہ ان کی اصل حقیقت اس وقت فہم انسان سے بالا ہے

زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث' ذلک متاع الحیوۃ الدنیا واللہ عندہٗ حسن المآب ○ قل أؤنبئکم بخیر من ذٰلکم للذین اتقوا عند ربھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھار خلدین فیھا وازواج مطھرۃ ورضوان من اللہ واللہ بصیر بالعباد ۳ب

بتایا گیا ہے۔ آیۂ مبارکہ نے اس ایک ہی لفظ میں تمام اعتراضات کا پُورا پُورا جواب دیدیا ہے

میاں بیوی کے دائمی اور ایسے پاک تعلق کا ارتقاء اس زندگی میں حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر آیندہ زندگی میں بھی یہ ارتقار میسّر نہ ہو تو اس سے ظاہر ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے ناقص ارتقار کیلئے لتنے لمبے سلسلے بنائے ہیں اور کامل ارتقاء سے باوجود امیدوار بنانے کے لاپرواہی دکھائی ہے۔ معاذ اللہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیندہ زندگی میں مرد وعورت کا نر و مادہ ہونا جاتا رہیگا اور وُہ سب یکساں ہو کر کچھ اور ہی چیز بن جائیں گے۔ گویا نر و مادہ کا موجودہ ارتقاء جسے خدا تعالیٰ نے ایک لمبے سلسلے کے بعد اس حد تک پہنچایا ہے' ان کے نزدیک وُہ آگے کامل بننے کے لئے نہیں بلکہ مٹا دینے اور ضائع کر دینے کیلئے ہے۔ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ اس ارتقاء کو اس حالت پر بھی نہ رہنے دیگا جس پر اسے پہنچایا ہے

محبت کئی طرح پر ہوتی ہے۔ ایک عورت اپنے باپ بیٹے اور بھائی سے پیار کرتی ہے۔ بلکہ کل نوع انسان کی خیرخواہ اور ہمدرد ہوسکتی ہے۔ اسی طرح ایک مرد اپنی ماں بیٹی اور بہن سے محبت رکھتا ہے۔ بلکہ کل دنیا کی عورتوں کا خیرخواہ اور ہمدرد ہوتا اور ان کی بہتری چاہتا ہے۔ لیکن میاں بیوی کی محبت اور ہی رنگ کی ہے۔ وُہ ایک تن ہوتے ہیں۔ ان کا پردہ ایک تن کا پردہ ہوتا ہے (ھن لباس لکم وانتم لباس لھن پ۲) وُہ ایک دُوسرے کے ایسے رازدار ہوتے ہیں کہ انہیں آپس میں ایک دوسرے پر کسی بھید کے ظاہر کرنے میں کوئی تکلّف یا تامّل نہیں ہوتا۔ ایسی بے تکلفانہ محبت کسی اور کے ساتھ زیبا نہیں۔ یہ محبت وحدت کو چاہتی ہے۔ بہت سے میاں بیوی مدّت العمر اولاد سے خالی رہے لیکن اس سے ان کی میاں بیوی والی محبت میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب بات یہ ہے تو کیا یہ تمام محبتیں آئندہ زندگی میں جاتی رہیں گی؟ کیا دوسرے عالم میں ماں اپنے بیٹے کو دیکھکر ماں والی محبت بھول جائے گی؟ اگر یہ محبتیں انسانوں کی ذات کے ساتھ قائم نہیں رہیں گی' تو نیکی و بدی اُن کی ذات کے ساتھ کیسے قائم رہے گی؟ اگر ان تعلقات کا علم جاتا رہیگا تو اور کون سا علم باقی رہ سکتا ہے؟ اگر ماں بیٹا' باپ' بہن اور بھائی وہاں موجود ہوں گے تو کیا عورت و مرد کا جنّت میں پایا جانا غلط ہوسکتا ہے؟

اس کائنات کی خوبی اور رونق رنگارنگی کے ساتھ ہی قائم ہے۔ اگر رنگارنگی کے خیال کو الگ کر دیا جائے تو اس کائنات میں کوئی لُطف باقی نہیں رہتا۔ اگر کائنات ہمیشہ خارجی امداد کی طالب اور قابلِ ترقی رہیگی تو ضرور ہے کہ اُسے نئی نئی چیزیں باہر سے ملیں۔ خدا تعالیٰ انہیں ان کی ہر حالت کے لائق کھانا پانی دیگا لیکن خود ان کا کھانا پانی نہیں بنے گا۔ اس سے بھی رنگارنگی کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پھر عورت مرد کے امتیاز کا جلتے رہنا کیوں ضروری ہے؟

اگر عورت و مرد اپنی اپنی صحیح و سالم حالت میں موجود ہوں' اُن کی ضروریات اُن کی ہر حالت کے لائق اعلےٰ درجہ پر پُوری ہوتی رہیں اور انہیں اپنی اپنی مناسب حالت میں رہتے ہُوئے کوئی تکلیف اور تنگی محسوس نہ ہو تو اندریں حالت کیا کوئی عورت یہ چاہے گی کہ مَیں مرد ہوتی یا کوئی مرد یہ خواہش کریگا کہ مَیں عورت ہوتا؟ اگر نہیں تو کیا جنات النعیم ہی میں پہنچکر مرد و عورت اپنی

تیسرے رکوع میں دکھایا گیا ہے کہ اتحاد و توحید قرآن مجید کا اصل الاصول اور بنیادی مسئلہ ہے۔ بلکہ قرآن مجید اتحاد و توحید ہی کا سکھلانے والا ہے۔ فاسق یعنے حدِ انصاف سے نکلنے والے لوگ توحید کے فطری عہد کو توڑتے، لوگوں کا رُخ خدا تعالےٰ سے، جو حقیقی قبلہ ہے، موڑتے اور دوسروں کے غلام بناتے، حرّیت و مساوات کو مٹاتے۔ صلح سے روکتے، جبرِ مذہبی اور تعصب پھیلاتے۔ بجائے اتحاد کے الگ الگ فرقے بنانا سکھاتے، زمین میں فساد مچاتے اور اس طرح خود بھی بجائے فائدہ کے نقصان اٹھاتے ہیں۔ خود یہ لوگ توحید پر معترض ہیں اور خدا پرستوں کو کہا کرتے ہیں کہ تم نبیوں اور فرشتوں کو نہیں مانتے۔ اور بدی اور دُکھ کے دیوتاؤں سے نہیں ڈرتے۔ اِس لئے تم خود ہی نقصان و خسران میں سرگردان ہو۔ عرب کے مُشرک فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی شفاعت پر نازاں تھے۔ مجوس اہرمن یعنے ابلیس کو دُکھ اور بدی کا دیوتا قرار دیکر اس کی پوجا کرتے تھے۔ اہل کتاب انسانوں کو منجی اور شفیع مانتے اور کہتے کہ دوسری مخلوقات کی طرح نہیں۔ بلکہ داخل الوہیت ہو کر، وہ خدائے بدیع السّمٰوات والارض، قدّوس و غنیّ کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ اِس رکوع میں اُنہی کو جواب دینے کے لئے فرشتوں، شیطانوں اور انسانوں کی کمزوری اور بے بسی دکھائی ہے۔ اور انسان کے گرنے کے بعد اس کی اِصلاح و نجات کیلئے خدا تعالیٰ نے اپنی ہی ہدایت کی ضرورت بتائی ہے

فرشتوں کی کمزوری کئی طرح سے ظاہر کی ہے :۔

(۱) فرشتے خلافتِ زمین کے قابل نہیں۔ اس نعمت کے لائق انسان ہے

(۲) فرشتے خاص خاص باتوں کا علم پانے کے قابل ہیں۔ اِنسان میں تمام ملائکہ کے علوم حاصل کرنے کی استعداد ہے

(۳) فرشتے انسان کے خادم اور ساجد بنائے گئے ہیں

شیطان کی بُرائی بطریقِ ذیل دکھلائی ہے :۔

(۱) شیطان تمہارا دشمن ہے اور جذبۂ کبر و کفر سے آلودہ ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم اسے اپنا ساجد بناؤ اور اسے دبائے رکھو۔ لیکن افسوس! تم اس کے آگے خود جھک جاتے ہو

(۲) اُس نے تمہیں تمہاری جنتی حالت سے نکال دیا اور تمہارے اندر جذبات و سوآت کو بھڑکا دیا

پھر انسان کا ضعف و نقص اِس طرح واضح کیا :۔

(۱) انسان کو خدا تعالےٰ نے شرافت و خلافت بخشی اور اُسے جنتی حالت میں رکھا۔ لیکن اس نے ان نعمتوں کا حق ادا نہ کیا اور اس اعلےٰ حالت سے گر گیا

واضرب لهم مثل الحيوة الدنيا كماء انزلنه من السماء فاختلط به نبات الارض فاصبح هشيما
تذروه الرياح وكان الله على كل شئ مقتدرا ○ المال والبنون زينة الحيوة الدنيا والبقيت
الصالحات خير عند ربك ثوابا وخير املا پ۱۵

فلا تعلم نفس ما اخفي لهم من قرة اعين جزاء بما كانوا يعملون پ۲۱

اعلموا انما الحيوة الدنيا لعب ولهو وزينة وتفاخر بينكم وتكاثر في الاموال والاولاد
كمثل غيث اعجب الكفار نباته ثم يهيج فتراه مصفرا ثم يكون حطاما وفي الآخرة عذاب
شديد ومغفرة من الله ورضوان وما الحيوة الدنيا الا متاع الغرور ○ سابقوا الى مغفرة من ربكم
وجنة عرضها كعرض السماء والارض اعدت للذين آمنوا بالله ورسله ذلك فضل الله يوتيه
من يشاء والله ذو الفضل العظيم پ۲۷

لكن الذين اتقوا ربهم لهم جنت تجري من تحتها الانهار خالدين فيها نزلا من عند الله
وما عند الله خير للابرار پ۴

وغیر ذلک من الآیات

سورج کی سفید کرن سات رنگ کی کرنوں سے مرکب ہے۔ ہر کرن کا حامل و موصل ایک ایک ایتھر ہے۔ یہ سات کرنیں جب ساتوں ایتھروں پر سوار ہو کر اکٹھی چلی آتی ہیں تو ان کے ملاپ سے سفید رنگ دکھائی دیتا ہے

اگر انہی سات رنگوں کے شیشوں کو ایک چکر پر نصب کریں اور پھر اس چکر کو زور سے گھمائیں۔ تو ان سب شیشوں کے رنگ مل کر سفید رنگ ہی کی صورت میں جلوہ گر ہوں گے

یہ کرنیں منشور ثلثی اور پانی کے قطرات پر پڑ کر الگ الگ ہو جاتی ہیں۔ قوس قزح کے رنگ بھی اسی طرح سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان کی ترتیب ہمیشہ یکساں ہی رہتی ہے۔ کبھی فرق نہیں پڑتا

کسی اندھیرے کمرے میں ایک چھوٹے سے سوراخ کے ذریعے سے دھوپ داخل ہوتی ہو۔ اس دھوپ کے سامنے منشور ثلثی رکھا جائے تو دیوار پر سات رنگ کی کرنیں الگ الگ دکھائی دیں گی۔ یہ رنگ خود ہی بغیر موصل کے ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں پہنچ سکتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ساتوں الگ الگ رنگوں کے حامل و موصل بالضرور سات ایتھر ہیں۔ ان ایتھروں کا دیگر اعمال و حرکات میں بھی اسی طرح دخل ہے۔ والعلم عند الله!



ظاہر و ثابت ہوں، بلا خوف ترک کر دیں۔ خدا تعالیٰ کو اصل مطاع جانیں اور دوسروں کی اسی حد تک مانیں جب تک وہ خدا تعالیٰ کی طرف بلاتے ہوں۔ لیکن اگر وہ خود خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے آپ کو ملاتے ہوں تو انہیں دھکیل دو۔ اگر وہ توحید الٰہی اور منشائے حق کے مبلغ بن کر آئیں تو اپنی آنکھیں ان کے لئے فرش راہ کر دو۔ لیکن اگر وہ کہیں کہ دو اصل مطاع ہیں۔ ایک خدا اور ایک ہم۔ ہم دونوں کو اصول بناؤ۔ تو وہ زناکاری سے بدتر فحشا کی تعلیم دینے والے ہیں۔ ان کے سایہ سے بھی بھاگو اعتقادی اطاعت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے زیبا ہے۔ وہ اپنے حکم میں کسی کو اپنی منظوری و حکم سے بھی اپنے ساتھ شریک نہیں بناتا۔ ٹھیک اس طرح جسطرح ایک لائق اور نیک خاوند اپنی بیوی کے لئے دوسرے خاوند کی منظوری نہیں دیا کرتا

کسی ایک بشر کو ایسا مطاع بنانا کہ اب اس کے ساتھ نوحؑ، ابراہیمؑ اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ بھی مطاع نہیں بن سکتے۔ بلکہ اگر وہ بھی ہوتے تو انہیں بھی بغیر اس کے مطیع و متبع ہونے کے اور کوئی گنجایش نہ ہوتی اور نہ کسی اور ہی بشر کی اطاعت اس کی مثل کی جاسکتی ہے۔ اس کی اطاعت دوسری بندوں کی صف میں رکھکر نہیں ہے۔ بلکہ خود خدا تعالیٰ کے ساتھ بٹھا کر اس کی الگ اطاعت کرنی چاہیئے۔ یہ ظلم عظیم ہے

پھر جب انسان اپنی جنتی حالت سے گر گیا تو کوئی اوتار اور دیوتے ملائکہ و شیاطین اور کوئی اشخاص از قسم انسان بھی اس کے کچھ کام نہ آئے۔ جب حضرت آدم علیہ السّلام نے دیکھا کہ میرا پہلا قلبی اطمینان و آرام جاتا رہا ہے اور مجھ پر اندھیرا چھا گیا ہے تو آپ بہت نادم ہوئے اور اپنی غلطی پہ سخت پچھتائے اور بڑے رنج و غم میں مبتلا ہوئے۔ اس پچھتانے اور اظہار ندامت پر اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں چند ایسی باتیں ڈال دیں جن سے انہیں اپنی کمزوری اور خدا تعالیٰ کی مدد کی ضرورت خوب محسوس ہوئی اور ان کے دل میں وہ تڑپ اور درد پیدا ہوا۔ جس کے ذریعہ سے انہوں نے بڑے اضطرار کے ساتھ دعا کی۔ ان کی توبہ قبول ہوئی اور یوں خدا تعالیٰ کے ساتھ ان کی صلح تو ہو گئی لیکن حاصل کردہ شیطانی اثرات و شبہات بغیر علاج کے کیونکر دور ہو سکتے تھے؟ اس لئے حکم ہوا کہ تم اسی حالت میں گرے رہو۔ اس کا علاج میری ہی وحی سے لائی ہوئی ہدایت سے ہوتا رہیگا۔ انسان جب فطری ہدایت سے کام نہیں لے سکتا اور نئے نئے شبہات و اعتراضات کے تلے دب جاتا ہے تو اس کے لئے الٰہی حکیمانہ ہدایت ہی کی جو مصدقہ وحی ہو ضرورت ہوتی ہے۔ اس وحی کے دینے کے لحاظ سے خدا تعالیٰ ہی کافی ہے "حسبنا اللہ ونعم الوکیل"

یہ ہے اس رکوع کا مضمون۔ اس میں مخلوقات کی عاجزانہ اور مضطربانہ حالت کو دکھا کر غیر پرستوں کو

(۲) انسان میں عداوت کی جڑ لگ گئی (بعضکم لبعض عدو)

حاصل یہ کہ جب فرشتے تمہارے خادم وساجد بنائے گئے ہیں تو تم کیوں اُلٹے اپنے غلاموں کے غلام بنتے ہو؟ ملائکہ متصرف بالاختیار نہیں ہیں۔ جس طرح شہد کی مکھیاں اور ریشم، لاکھ اور مونگے کے کیڑے، کستوری والے ہرن، عنبر والی مچھلیاں، موتی تیار کرنے والے سیپ اور بیشمار اقسام کے جرمز انسان کے فوائد کے لئے کام کرتے ہیں، اسی طرح ملائکہ بھی حکم الٰہی کے ماتحت انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، وُہ خدا تعالیٰ کے بیٹے یا بیٹیاں نہیں اور نہ کسی پُوجا کے لائق ہیں

اسی طرح شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اُسے دشمن سمجھو اور سانپ، بچھو اور طاعونی جرمز کی طرح اس سے دُور رہو خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر ابلیس کی غلامی اختیار کرنا، ظالموں کا کام ہے یہ بہت بُرا تبادلہ ہے۔ جنودِ ابلیس تو اس قابل ہیں کہ خدا تعالیٰ کی پناہ میں آکر ان سے جنگ کیا جائے نہ کہ انہیں دیوتا سمجھ کر اپنا سرپرست بنایا جائے۔ جس قدر کوئی شخص ابلیس کے آگے جُھکیگا۔ وُہ اُسی قدر شیر اور دلیر ہوگا۔ اور جو بہادر بن کر اسکا مقابلہ کریگا، اُس کے ساتھ وُہ زنانہ خوشامدوں سے پیش آئیگا۔ اور اسے ہر طرح سے للچائیگا۔ شیطان کے گمراہ کرنے کے یہی دو طریق ہیں۔ کبھی ڈاکوؤں کی طرح ڈراتا ہے اور کبھی خوشامدوں پر اُتر آتا اور سبز باغ دکھاتا ہے۔ پہلے متکبرانہ اور کافرانہ وصف کے لحاظ سے اُسے ابلیس کہتے ہیں۔ ابلیس انسان کے آگے دبنے اور ساجد ہونے سے انکار کرتا ہے۔ شیطان کا وصف عام ہے مگر ابلیس کے لفظ کے مقابلہ میں یہ پھسلانے اور للچانے اور جھوٹا ناصح (خیر خواہ) بننے کی خصوصیّت رکھتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آکر شیطان کے دونو حملوں کا مقابلہ کریں۔ اور اس کی چالوں سے ہر وقت ہوشیار رہیں۔ اگر ہماری آنکھیں کُھلی ہوں تو ہمیں اس کی چالیں دُوسرے لوگوں میں اور خود ہمارے نفس میں بھی فوراً نظر آجائیں گی۔ رب اعوذ بك من همزات الشياطين واعوذ بك رب ان يحضرون

پھر انسان کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ خدا تعالےٰ نے انسان کو خلیفہ بنایا اور جنّتی فطری حالت میں رکھا پھر بھی یہ شیطانی للچاہٹوں میں آہی گیا اور عاصی وغاوی بن گیا۔ ہمارا بڑا بابا اور ہماری بڑی اماں یعنی آدم وحوّا علیہما السلام کو اگرچہ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ تاہم وُہ بھی بھُول گئے اور ثابت قدم نہ رہے۔ جس طرح آدمؑ وحواؑ بھُولنے والے تھے۔ بلا استثنا یہی حال اُن کی اولاد کا بھی ہے۔ کوئی نبی وولی اس سے مُستثنےٰ نہیں کیا جاسکتا۔ غلطی اور بھُول میں کسی کی اعتقادی اطاعت جائز نہیں اس کی پُوجا پاٹ تو الگ رہی، قدامت پرستی اور سب سے پہلے ابوین کی تقلید بھی سراپا باطل ہے ہمیں چاہئے کہ ایک دوسرے سے فوائد حاصل کریں اور غلطیوں اور نقصانوں کو جب بھی وُہ

ہوتے ہی اسی جنت میں رکھے گئے تھے۔ اس جنت میں کبھی روزی تنگ نہیں ہوتی

حضرت آدم وحوا علیہما السلام اور اُن کی اولاد آسمان سے نہیں گرائے گئے تھے کیونکہ وہ زمین ہی میں خلیفہ بنائے گئے تھے۔ اگر ھبوط کا مطلب یہ ہے کہ ایک باغ سے نکل کر دوسرے باغ میں جا نکلو' تو یہ کوئی سزا نہیں۔ پس "ھبوط" سے مُراد بالضرور اعلیٰ حالت سے گر کر ادنیٰ حالت میں آجانا ہے جس جنت میں انسانٌ "بعضکم لبعض عدو" ہو جانے کے سبب نہیں رہ سکتا۔ وہ اطمینان قلبی ہی کا جنت ہے۔ اور جب یہ ثابت ہُوا کہ وہ جنت اصلی فطری حالت اور قلبی اطمینان ہی کا تھا' تو کیا شجرہ ممنوعہ سے گیہوں انجیر یا انگور کی قسم کا کوئی درخت مراد لینا بھی صحیح ہوسکتا ہے؟ وہ شجرہ جس کے چکھنے سے حضرت آدم و حوا علیہما السلام ظالم بن گئے اور اُن میں دشمنی کا بیج لگ گیا اور ان کا "لباس التقویٰ" اُتر گیا کیا وہ کوئی ظاہری درخت ہوسکتا ہے؟

جس درخت کے چکھنے سے ان کے سوأت یعنی کمزوریاں اور عیب کھُل گئے اور جوش میں آگئے' وہ کسی ظاہری باغ کا درخت نہیں تھا۔ وہ اختلاف دفرقہ بندی کا شجرہ تھا۔ جو لوگ قرآن حکیم کے طرز بیان پر غور نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ظاہری درخت نہ تھا تو اُس کے لئے چکھنے اور کھانے کا لفظ کیوں آیا ہے؟

کیا وہ نہیں جانتے کہ جب فطرتِ سلیمہ والی حالت کو جنت کہا' تو کیا اس مناسبت سے مشاجرت والی چیز کو شجرہ نہیں کہنا چاہیے تھا؟ اور شجرہ کی مناسبت سے چکھنے اور کھانے کے الفاظ لانا بالکل مناسب تھا

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ کوئی شجرہ ممنوعۂ فطری جنت کی حدود میں داخل نہیں ہوسکتا۔ پس مذکورہ بالا شجرہ ممنوعہ اس جنت کی حدود سے باہر تھا گو وہ شجرہ اس جنت کے ساتھ وابستہ تھا اور شیطانی تحریک سے اس جنت پر اثر ڈال سکتا تھا

انسان اپنی اصلی فطرت کی حالت میں کسی بگاڑ سے اثر پذیر نہیں ہوسکتا۔ جبتک کہ وہ اپنے علم کی کمزوری کے سبب کسی دھوکہ دینے والے کے دھوکہ میں نہ آجائے۔ یہ دھوکا دینے والا شیطان تھا۔ شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا' اپنی خیر خواہی کا پُورا یقین دلایا اور کہا کہ خدا تعالیٰ بلاشبہ تمہارا بھلا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں ترقیات دیتا جائے۔ اسکا منشا یہ ہے کہ تم اسی حالت میں ٹھیرے رہو بلکہ آگے ترقی کرتے جاؤ۔ لیکن تم کمزور رہو۔ ایسا نہ ہو کہ آگے بڑھنے کی خواہش میں اس حالت کو بھی کھو دو۔ خدا کے نزدیک تمہاری یہ حالت بھی بُری نہیں۔ سو اگر تم اپنی اسی حالت کا قیام اور ہمیشگی چاہتے ہو تو یہ شجرۃ الخلد ہے۔ اسے کھا لو۔ اسکے کھانے سے تمہاری یہ موجودہ بادشاہی ہمیشہ

اعتراضات کا جواب دینے کیلئے خالق واحد ہی کی مدد کی ضرورت دکھائی ہے۔ یہ بات اس رکوع کے ایک ایک لفظ سے بخوبی نمایاں وعیاں ہے

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو ابتداءً الوہگی کے دخل کے بغیر خود ہی پیدا کیا تو ضرور ہے کہ اُسے ظاہر و باطن کے لحاظ سے بالکل تندرست اور صحیح بنایا ہو اور اس کی فطرت بالکل اپنی اصلی حالت پر ہو۔ اُس وقت اُس کی اصلی فطرت پر کسی شبہ اور بدی کا رنگ اور زنگ نہ چڑھا ہُوا تھا۔ اس کی ضروریات فطری ہدایت ہی سے پوری ہو جاتی تھیں۔ اس کے دل کو پورا اطمینان حاصل تھا۔ اس وقت وہ یقیناً جنّتی حالت میں تھا

انسان کے اس جنّتی حالت سے گر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تم گرے رہو۔ اس تنزّل کی حالت کے بعد تمہیں ترقی و عروج پر پہنچانے کے لئے وحیٔ الٰہی والی ہدائت آئے گی۔ اس فرمان سے صاف عیاں ہے کہ اس سے پہلے حضرت آدم و حوا علیہما السلام اور اُن کی اولاد کے پاس وہ وحی والی ہدایت جو نبیوں کے ذریعے سے آتی ہے موجود نہ تھی۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اس سے پہلے ہدایت سے خالی نہ تھے۔ پس اُس وقت ان کے پاس وہی ہدایت تھی جو اصل فطرت سے حاصل ہوتی ہے جس کی شعاعیں اس وقت بھی شرک کے دلدادوں تک کو طوفان و زلزلے کے وقت صاف نظر آجایا کرتی ہیں۔ اگر انسان اپنی اس فطرتِ سلیمہ کو جس پر خدا تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے اور جسے اس کا دین بنایا ہے آلائشوں سے پاک کرے اور اس کی ہدائت پر چلے تو انسان کیلئے اسی دنیا میں جنّت ہے۔ چنانچہ ابتداءً حضرت آدم و حوا علیہما السلام پر یہ حالت پورے طور پر وارد تھی۔ پس وہ پیدائش ہی کی ساتھ جنّتی حالت میں رکھے گئے تھے۔ اسی لئے فرمایا (یاٰادم اسکن انتَ وَزَوجُكَ الجنّة) یعنے اے آدمؑ تو اور تیری بیوی اس جنت میں رہو۔ یہ نہیں کہا کہ اب نئے سرے سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حاصل یہ کہ پہلے پہل انسان فطری دین پر ہونے کی وجہ سے ایک ہی اُمّت تھے۔ نبیوں کی ضرورت بعد میں پڑی بات

پس پہلے انسانوں کے تمام اطمینان و آرام کا مدار صرف فطرت ہی کی درستی پر تھا۔ یہ فطرت انہیں صحیح راستے پر چلاتی اور ان کے آرام کے سامانوں کی طرف ان کی پوری رہنمائی کرتی تھی۔ اس کے بغیر کوئی ظاہری باغ ان کے لئے کسی اطمینان و تسلّی کا موجب نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت آدمؑ زمین ہی میں خلیفہ بنائے گئے اور زمین قدرتی باغوں سے عموماً بھرپور رہتی ہے۔ اندریں صورت حضرت آدمؑ زمین ہی میں رہتے ہوئے اس کے ایسے سب کے سب باغوں سے کس طرح سے نکالے جا سکتے تھے؟

حاصل یہ کہ جس جنّت سے وہ گرائے گئے وہ قلبی طمانیت و فطری رہنمائی ہی کا جنت تھا۔ وہ پیدا

اِس رکوع کے پہلے حصّے میں خدا تعالیٰ، فرشتوں اور آدم کا مکالمہ ہے۔ اس مکالمے کی کیفیت ایسی نہیں ہوسکتی جس طرح چند آدمی اکٹھے بیٹھ کر بحث و مباحثہ کیا کرتے ہیں۔ یہ مکالمہ حالی ہے یعنی ان کی حالت کے اظہار کیلئے پیش کیا گیا ہے۔ بوجوہ ذیل:۔

اوّل:۔ اس مکالمے میں تین فریق شامل ہیں۔ خدا۔ فرشتے اور انسان۔ یہ تینوں فریق ایک ہی قسم کے نہیں۔ پس ان کا مکالمہ بھی ایسا نہیں جیسا کہ ایک ہی طرح کے اشخاص کا ہوتا ہے

دوم۔ ملائکہ کو حکم تھا کہ جس وقت آدم تیار ہو جائے اور جیتا جاگتا بن جائے تو اس کے پیدا ہوتے ہی، اس کے ساجد بن جاؤ۔ لیکن یہ مکالمہ ملائکہ کے سجدہ کرنے سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ سجدہ کرنے کے بعد وہ ایسے اعتراض نہیں کرسکتے تھے۔ پس یہ مکالمہ یقیناً اس وقت کا ہے جب کہ آدمؑ ابھی تیار نہ ہوا تھا۔ جب اس مکالمے کا ایک فریق (یعنی آدمؑ) ابھی بولنے کے لائق ہوا ہی نہیں تو اس مکالمے کا حالی ہونا یقیناً ثابت ہے

یہ مکالمہ اس بات کے دکھانے کیلئے پیش کیا گیا ہے کہ باوجودیکہ انسان خونریزی اور فساد کرتے ہیں اور فرشتے خدا تعالیٰ کے فرماں بردار اور اس کی تسبیح و تقدیس کرنے والے ہیں، پھر بھی انسان ان سے اشرف ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جب فرشتے جہان کا سلسلہ چلا رہے تھے تو ان کے دل میں یہ خیال ہوسکتا تھا کہ درآنحالیکہ ہم جہان کا سلسلہ چلا رہے ہیں کسی اعلیٰ انسانی ارتقاء کے لانے کی کیا ضرورت ہے؟

حالی مکالموں میں ہر فریق کی طرف سے وہ اعتراض پیش کیا جاتا ہے جو اس کی طرف سے ممکن ہوسکتا ہے ان مکالموں میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جس کی طرف سے جو اعتراض کیا گیا ہے وہ ضرور اس کا عالم بھی ہو۔ پس یہ اعتراض کہ فرشتوں نے کیونکر جانا کہ انسان خونریزی و فساد کریگا، سراسر فضول ہے۔ اگرچہ اس کا یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ خلیفہ کے لفظ (جس میں اختیار کے ساتھ انتظام کرنا پایا جاتا ہے) ہی سے یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ مگر ایسے جوابات کی اس جگہ کوئی حاجت نہیں

پھر اس مکالمہ میں خدا تعالیٰ کا قول کہ "مَیں نے فرشتوں سے کہا کہ مَیں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" فرشتوں سے کوئی مشورہ نہیں چاہتا تھا کہ تم بتاؤ، مَیں اسے بناؤں یا نہ بناؤں۔ بلکہ اس سے یہ مقصود تھا کہ اس پر فرشتے جو اعتراض کرسکتے تھے اُسے ان کی طرف سے پیش کیا جائے۔ اگر مشورہ طلب کرنا ہوتا تو ان کے جواب میں یہ کیوں کہا جاتا کہ "تم نہیں جانتے جو مَیں جانتا ہوں"۔ اس مکالمہ میں اُن کی طرف سے اس اعتراض کا پیش کرانا ضروری تھا تاکہ اس کا جواب دیا جائے

انسان کو کیوں خلیفہ بنایا ہے؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک اجمالی اور دوسرا تفصیلی

قائم رہے گی۔ یہی حال اُن تمام لوگوں کا ہے جو فرقہ بندی کے حامی ہیں۔ وہ اپنے اپنے فرقے کو شجرۃ الخلد ہی سمجھ کر اُس سے نکلنا نہیں چاہتے اور ترقی کی شاہراہ پر قدم نہیں رکھتے

حاصل یہ کہ شیطان، فطرتِ سلیمہ کو بھی اس کی علمی کمزوری کے سبب دھوکا دے سکتا ہے۔ اِس کے دھوکوں سے بچنا اور ہوشیار رہنا لازم ہے

"اے بنی آدم! تمہیں شیطان اس طرح سے مفتون نہ کردے جس طرح اُس نے تمہارے ماں باپ کو اس جنت سے نکالا۔ وہ اُن کا لباس اُن سے اتارتا تھا، تاکہ ان کے سوات کو (بے قابو کر کے) ان کے سامنے لے آئے" ۲۷

یہ لباس تقویٰ یعنی بچاؤ کا تھا۔ اس سے ان کی حفاظت ہوتی تھی۔ مگر شیطان نے انہیں دھوکے سے گراہی دیا ۲۲ یہ بھڑکے ہوئے سوات بھی فطری جنّت کے گرے پڑے پتّوں ہی سے ڈھانپے جاسکتے ہیں ۲۲

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فطری کمزوری کی حالت میں بھی کچھ نہ کچھ فطرت ہی سے مدد لینے کی ضرورت رہے

انسان کی یہ حالت اگرچہ اس کے پہلے ماں باپ کے بیان میں دکھائی گئی ہے۔ مگر اس میں دُوسرے انسان بھی ساتھ ہی شامل ہیں۔ بوجوہ ذیل :-

اوّل :- اللہ تعالیٰ نے اس بیان میں واحد، تثنیہ اور جمع ہر طرح کے ضمائر اور صیغے استعمال کئے ہیں۔ پس اس میں ایک اور دو اور جمیع انسان بھی داخل ہیں

دوم۔ فرمایا ہے "ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر ہم نے تمہاری صُورتیں بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے ساجد بنو ۱۱" یہ آیت بتاتی ہے کہ آدم کے بنانے میں تمام آدمیوں کا بنانا اور آدم کے سجدہ میں سب آدمیوں کا سجدہ داخل ہے

سوم کُل نوعِ انسان اس زمین میں خلیفہ ہے۔ اکیلا آدم ؑ ہی خلیفہ نہ تھا۔ آدم ؑ نے کبھی خونریزی نہیں کی۔ خدا تعالیٰ نے فرشتوں کے اُس اعتراض کو مُسلّم رکھ کے جواب دیا ہے

چہارم۔ یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطن کما اخرج ابویکم من الجنۃ۔ ینزع عنھما لباسھما لیریھما من سوآتھما ۲۷ کی مشابہت سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے

پنجم :- ولکم فی الارض مستقر ومتاع الیٰ حین سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے وغیرہ وغیرہ

کہتا کہ میل ملاپ میں فساد پیدا ہوتے ہیں اور حقوق قائم کرنے میں لڑائی کرنا پڑتی ہے اور اس لئے وہ منتظمین اور حکاّم کو بُرا کہتا، تو کیا اس کا یہ اعتراض درست ہوتا؟ یہی حال فرشتوں کے اعتراض کا بھی ہے

اکثر ملاّ نے جو خود کچھ نہیں کر سکتے، بادشاہوں اور حاکموں کو کوستے رہتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ خود انتظام کرنا نہیں جانتے اور نہ ہی اس کا علم رکھتے ہیں

رکوع ۴

۳۰ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا
أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ
وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ ۳۱ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ
كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن
كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۝ ۳۲ قَالُوا سُبْحَٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ
الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ ۳۳ قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم
بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّيٓ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ
وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ۝ ۳۴ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ
اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ
الْكَٰفِرِينَ ۝ ۳۵ وَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا
رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ
الظَّٰلِمِينَ ۝ ۳۶ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ
وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ

اجمالی جواب یہ دیا کہ جب ثابت ہو جائے کہ مَیں (بے غلط خدا) کسی کام کو کرنے والا ہوں تو میرے عالم الکل اور بے غلط ہونے کے سبب ایسا اعتراض کرنا کہ "کیا تُو ایسا کام کرتا ہے"؟ صحیح نہیں۔ جب کہ مَیں سب کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ہاں خدا تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرنا صحیح ہے کہ تیرا ارادہ بالکل درست اور بجا ہے مگر ہمیں اس کی حکمت سے مطلع فرما اور ہمارا علم بڑھا۔ ایسے اعتراض سے یہ بھی دکھانا مقصود ہے کہ فرشتے کمزور ہیں۔ ان کا علم محدود ہے۔ میرے بچانے سے وُہ غلطی سے بچ سکتے ہیں۔ ورنہ خود غلطی میں پڑنے کے قابل ہیں

تفصیلی جواب یہ دیا کہ "اے فرشتو! تم ان آدمیوں کے اسماء یعنی صفات بتا دو۔ چونکہ فرشتوں میں آدمی کے کُل صفات نہیں ہیں اس لئے انہوں نے کہا کہ ہم کو تو اتنا ہی علم ہے جو ہماری حالت کے لائق تُو نے ہمیں دیا ہے۔ پھر آدمؑ کو جس میں تمام انسان داخل ہیں، کہا کہ تو ان ملائکہ کے اسماء (یعنے صفات) بتا۔ چونکہ وُہ ان کے صفات پر حاوی تھا۔ اس لئے آدمؑ نے ان کے صفات بتا دیئے۔ پس خلیفہ وُہ ہونا چاہئیے جو تمام مخلوقات کا عطر مجموعہ ہو، جسے استخراج نتائج کا علم ہو اور وُہ اختیاری دخل دینے کے قابل ہو اسی لئے انسان میں نیکی و بدی دونو کے علم ودیعت کئے گئے ہیں۔ انسان اگر خونریزی و فساد نہ کرسکتا تو مجبور ہوتا۔ اس کا نیکی کرنا کوئی نیکی نہ ہوتا۔ اس جگہ سے علم کی کمال فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنی اس استعداد سے کام نہیں لیتے وُہ انسان ہو کر اسفل سافلین بن رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اس لئے اختیار دے کر خلیفہ بنایا کہ وُہ اپنے مالک کا جلال و جمال ظاہر کرے مگر اکثر لوگ اس خلافت کا حق ادا نہیں کرتے۔ وُہ بُری خلافت کر رہے ہیں جس کے لئے وُہ اپنے خلیفہ بنانے والے احکم الحاکمین کے آگے جواب دہ ہیں

اگر انسان دُنیا میں پیدا نہ کیا جاتا تو کیا فرشتے گھوڑوں، اونٹوں، ہاتھیوں سے کام لیتے؟ کیا وُہ دریاؤں اور سمندروں میں جہاز اور سٹیمر چلاتے؟ کیا وُہ دُنیا میں ایسی حکومتیں اور عدالتیں قائم کرتے جو انسان کر رہے ہیں؟ کیا وُہ اتنے علوم کی اشاعت کرتے جو انسان نے مدون کئے ہیں؟ کیا وُہ اس قسم کی تجارتیں اور حکمتیں پھیلاتے؟ کیا وُہ ہوائی جہاز، ریل گاڑیاں اور دیگر عجیب عجیب کلیں بناتے؟ کیا وُہ لاسلکی اور ٹیلیفون ایجاد کرتے؟ کیا وُہ رنگا رنگ نسخے تیار کرتے؟ کیا وُہ اندھوں کے پڑھانے کے سامان مہیا کرتے؟

انسان کے بغیر یہ دُنیا سونی ہوتی۔ پس فرشتوں کے اوپر انسانوں کی بلاشبہ ضرورت تھی
اگر دُنیا میں ہر انسان رہبانیت اختیار کرلیتا یا ایک دوسرے کے ساتھ بلکہ کوئی کام نہ کرتا اور

ارتقاء کے لائق علوم ودیعت کئے جس میں وہ رکھا گیا ہے۔ یہ علم وحکمت کے بالکل مطابق ہے۔ بلاشبہ
تو جو ہے تو تو ہی حقیقی علم وحکمت والا ہے

۳۳ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدمؑ! تو ان (ملائکہ) کو ان کے اسماء (صفات) بتا دے۔ سو جب آدمؑ
نے انہیں ان کے اسماء (صفات) بتائے۔ تو (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا۔ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں
آسمانوں اور زمین) کے غیبوں کو جانتا ہوں اور (اس عجز کو بھی) جسے تم (اب) ظاہر کرتے ہو اور جو تم
(اس سے پہلے اپنی بڑائی کو) چھپاتے تھے (سب) جانتا ہوں۔ ۳۴ اور (فرشتے انسان کی خدمتگذاری کیلئے پیدا کئے گئے ہیں
اس لئے اے انسانو! تم اس بات پر بھی غور کرو کہ) جب ہم نے فرشتوں کو کہا۔ کہ تم آدم کیلئے (اس کے
پیدا ہوتے ہی خادم و) ساجد بن جانا۔ سو وہ (فرشتے آدمؑ کے خادم) ساجد بن گئے۔ سوائے ابلیس کے
اس نے انکار کیا اور (خود) بڑا بننا چاہا (کہ آدم مجھے سجدہ کرے) اور وہ کافروں میں سے تھا

۳۵ اور ہم نے کہا اے آدمؑ تو اور تیری بیوی اس (فطری) جنّت میں رہو۔ اور اس سے بافراغت
(جنّتی پھل) کھاؤ۔ اور اس (اختلاف کے) شجرہ کے پاس نہ جاؤ (اگر ایسا کرو گے) تو تم دونو ظالموں سے بن
جاؤ گے۔ ۳۶ سو شیطان نے ان دونو (آدمؑ وحواؑ) کو (دھوکہ دے کر) اس (فطری حالت) سے پھسلایا اور انہیں
اس (قلبی اطمینان) سے جس میں وہ تھے نکال دیا۔ اور ہم نے کہا کہ تم (آدمؑ وحواؑ مع اپنی اولاد کے اس
اعلیٰ حالت سے گر جاؤ۔ (اختلاف کا پھل کھانے کے سبب تم اس اعلیٰ حالت میں نہیں رہ سکتے۔ اس لئے
کہ) بعض تمہارا تمہارے بعض کے لئے دشمن ہے۔ اور تمہارے لئے اس زمین میں ایک وقت تک ٹھیرنا اور
فائدہ اٹھانا ہے ۳۷ (اس تنزل سے آدمؑ بہت نادم اور رنجیدہ ہوا)۔ سو آدمؑ نے اپنے رب سے (فطری
طور پر) چند (ایسی) باتیں حاصل کیں (جنکے ذریعہ سے اس نے بڑے درد اور اضطرار کے ساتھ دعا کی)
سو خدا نے اس کی توبہ قبول کی۔ بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ ۳۸ (اس توبہ کے سبب
نافرمانوں سے تو نکل گئے لیکن حاصل کردہ تنزل سے نہ نکلے۔ جب فطری ہدایت دب جاتی ہے تو وحی الٰہی
کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ) ہم نے کہا کہ تم سب (آدمؑ وحواؑ مع اولاد کے) اس اعلیٰ حالت
سے (اس تنزل میں) گرے رہو (میں تمہیں اپنی طرف سے ضرور ہدایت بھیجوں گا) سو اگر تمہیں میری طرف
سے ہدایت پہنچے۔ سو جو بھی میری ہدایت کے پیچھے چلے۔ تو ان پر نہ کوئی (آئندہ کا) خوف ہوگا۔ اور نہ وہ
کسی (گذشتہ نقصان کیلئے) غم کھائیں گے ۳۹ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ لوگ
آگ والے ہیں۔ وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں

تشریحات۔ اس رکوع میں حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا حال محض ایک شخصی واقعہ کے طور پر نہیں آیا

وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ
هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ
مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ۝

(ترجمہ) اور (جب خدا تعالیٰ نے انسان کے برتنے کے لئے زمین میں سب کچھ بنایا اور آسمان کا انسان کے لائق تسویہ فرمایا تو ضرور تھا کہ وہ اپنی حکمت بالغہ کے مطابق انسان کو پیدا کرتا۔ فرشتے ان چیزوں سے انسان کی طرح مستفید ہونے کے قابل نہ تھے۔ اس لئے فرشتوں کی ناقابلیت ثابت کرنے کے لئے فرمایا کہ اس مکالمہ پر غور کرو کہ) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں کو کہا کہ میں اس زمین میں ایک خلیفہ بنانیوالا ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ کیا تو اس میں ایک ایسے شخص کو بناتا ہے۔ جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے ؟ اور ہم تیری حمد کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور (اپنے کاموں سے) تیری قدوسیت کا اظہار کرتے ہیں۔ فرمایا۔ بلاشبہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (یہ اجمالی جواب تھا) ۳۱ اور (تفصیلی جواب کیلئے) آدم کو سب کے سب نام سکھا دیئے (یعنے ان کے جاننے کی استعداد اس میں رکھدی۔ انسان نیکی و بدی اور نفع و نقصان کے جاننے کی استعداد رکھتا ہے۔ وہ اس استعداد کے لائق علم حاصل کرتا رہتا ہے۔ ایک ہی وقت میں سب علم نہیں پالیتا۔ انسان چیزوں کے افعال و خواص کا مشاہدہ کرکے ان کی صفات کے مطابق ان کے نام رکھتا ہے۔ فرشتوں میں اسطرح نام رکھنے کی طاقت نہیں۔ انسان خونریزی و فساد کی طاقت رکھکر اس سے بچنے کا علم و اختیار رکھتا ہے۔ اسلئے انسان کی نیکی اصل نیکی ہے۔ انسان کو فرشتوں اور شیطانوں کے اسماء و صفات بھی معلوم ہیں۔ لیکن فرشتوں اور شیطانوں میں تمام انسانی صفات کے جاننے کی استعداد نہیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ انسان کی خلافت کے ثبوت میں فرماتا ہے کہ) پھر (تیرے رب نے) انہیں (یعنے آدمیوں کو) فرشتوں کے آگے پیش کیا تو فرمایا کہ تم مجھے ان (آدمیوں) کے نام (یعنی صفات) بتاؤ۔ اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو ۳۲ انہوں نے کہا (ایسے اعتراض سے ہماری توبہ۔ اے خدا) تو پاک ہے۔ ہمیں کوئی علم نہیں۔ مگر وہی جو تو نے ہمیں دیا (یعنے تو نے ہمیں اس ارتقاء کے مطابق علم دیا جس میں ہم ہیں۔ اور انسان میں اس

کے بعد خدا تعالیٰ کا کام یہ ہوتا ہے کہ اپنی پیدا کردہ اشیاء میں مناسب طور پر فوق الفطرت تصرف کرے (الا لہ الخلق والامر)

یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ ہر علّت کا کام اپنی پیدا کی ہوئی مناسب علّتوں ہی سے لیتا ہے۔ خود بیچ میں آ کر مخلوق علّتوں کی جگہ کبھی کام نہیں کرتا اور نیچر کی کل کے کسی پرزہ کی جگہ خود نہیں لے لیتا

اس فوق الفطرت تصرف کے لئے ضروری ہے کہ ایسی علّتیں بھی موجود ہوں جو خدا تعالیٰ کے ارادۂ تصرف کا علم پا سکیں تاکہ آگے اس کام کو بلاکم وکاست بجا لا سکیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو بات انسان یا ملائکہ کو سکھائی جا سکتی ہے وہ پتھر کو اس ارتقاء پر پہنچانے کے بغیر نہیں سکھائی جا سکتی

باقاعدہ فطری الہام کو لینے کے لئے اشیاء کی فطرت ہی کفایت کرتی ہے (اعطی کل شیءٍ خلقہ ثم ھدیٰ) لیکن عقلی الہام پانے کے لئے ارتقاء یافتہ عقول کا ہونا ضروری ہے

یہ عقول ملائکہ ہیں۔ ان میں سے جو عقول کبر و سرکشی اور مقابلہ و خود سری کے جذبات سے رنگین ہیں وہ ابلیس و شیاطین ہیں۔ ملائکہ و شیاطین عقول ہی کے جزوی مظاہر ہیں۔ ایک ان میں سے اپنی اصلی حالت پر قائم ہیں۔ اور جذبات کے ملاپ سے الٹا دیکھتے ہیں اور اپنے دوستوں کے دلوں میں شبہات و اعتراضات پیدا کر کے انہیں صراط مستقیم سے بہکا دیتے ہیں

روشنی ایک حرکت ہے جو اپنے لائق محل (مثلاً سورج) میں پیدا ہو کر آنکھوں کو (اگر وہ دیکھنا چاہیں تو) ان کی صحت وقوت کے مطابق دکھاتی ہے۔ یہی حال گرمی اور اس کے علاوہ دیگر حرکات کا ہے۔ بالکل اسی طرح ہر قوت عقلی اپنے مناسب محلوں میں ظہور پا کر آگے کام دیتی ہے

جس طرح ظاہری صحت کے قیام اور ظاہری امراض کے پیدا ہونے کے لئے اندرونی قابلیتیں اور ان کے مناسب اسباب اور جرمز درکار ہیں۔ وہی حال دماغی و قلبی و روحانی صحت و مرض کا بھی ہے۔ جس طرح مُردار پر گدھ اور کیڑے آ گرتے ہیں اور پھر وہ کیڑے وہاں انڈے بچے دے دیتے ہیں۔ یہی حال دلوں پر ملائکہ و شیاطین کے نزول کا سمجھنا چاہئے۔ جب رسل و انبیاء کو تصرف الٰہی سے وحی کی جاتی ہے تو شیطانی دخل کے تمام راستوں پر پہرے بٹھائے جاتے ہیں۔ اور اس وحی کی صحت کا یقینی علم پیدا کیا جاتا ہے۔ لیکن طبعی (نیک و بد) الہام تو ہر وقت ہوتے رہتے ہیں

حاصل کلام انسان اپنی بد پرہیزی کے سبب اپنے اندر سے بھی بدی کے محرکات سے اثر لیتا ہے اور اپنے خارج سے دوسرے ان آدمیوں سے بھی اثر پاتا ہے جو ان کارکنانِ مرضِ بدی سے اثر پذیر ہو کر اور ان کے زیر اثر چل کر کام کرتے ہیں۔ انسان میں خارج سے مغویوں اور ناصحوں سے اثر لینے اور تعلیم پانے کی استعداد موجود ہے۔ وہ اپنے اختیار و توجہ اور

بلکہ ان کے اس بیان میں تمام نوعِ انسان کا حال دکھایا گیا ہے

انسان منشائے الٰہی کی متابعت و مطابقت ہی سے کمال و ترقی و نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰے کا منشاء فطرتِ سلیمہ سے اور اسکے دب جانے یا آلودہ ہو جانے کی صورت میں، وحی الٰہی ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ عقل سے بھی یہی مقصود ہونا چاہئے کہ اصل حقیقت جو منشاء الٰہی ہے معلوم ہو۔ نہ وہ چیز جسے اپنا نفس یا اپنا کوئی اور محبوب چاہے۔ اگر انسان منشائے الٰہی سے اعراض کرلے اور فطرتِ سلیمہ یا وحی اور عقل سے اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت نہ دیکھے بلکہ اپنے چاؤ اور الف و عادت کے پیچھے چلنا پسند کرے، یا کسی انسان کی جس کے ساتھ اس کا دلی تعلّق پیدا ہو گیا ہو بلا تحقیق، تقلید کو کافی جانے۔ اور اسے اپنے لئے واجب الاتباع قرار دے لے، تو یہ محض اتباعِ ہوٰی ہے۔ ہوٰی کی پیروی انسان کو گمراہ کر دیتی ہے

ارشاد ہے:۔ "اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ سو تو لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرا ور اپنی ہوٰی کی پیروی نہ کر۔ اس لئے کہ وہ تجھے اللہ کے رستہ سے گمراہ کر دیگی" ص مدّعا یہ کہ پیغمبروں کو بھی ہماری طرح ہی حق کے مطابق حکم کرنے اور ہوٰی کے اِتّباع سے بچنے کی تاکید ہوتی ہے۔ خدا تعالٰے نے کبھی کسی پیغمبر کو یہ جُرأت نہیں دلائی کہ تم جو کچھ بھی کرو گے وہ خواہ مخواہ صحیح ہوگا قرآن حکیم نے انبیاء و رُسل کی غلطیاں اور کمزوریاں بڑی وضاحت کے ساتھ دکھلائی ہیں

حق کی پیروی کا شوق، صلح و امن اور جائز آزادی کا ضامن ہے۔ لیکن ھوٰی کی پیروی سے خود رائی و خود سری پیدا ہوتی ہے جو ہر قسم کے فساد اور سفکِ دماء کا باعث ہے۔ اِسی لئے ھوٰی کے اِتباع سے جبرِ مذہبی اور فرقہ بندی کا پیدا ہونا لازم ہے

انسان کی فطرت بحالتِ سلامت عین دین ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ لاتبدیل لخلق اللہ ذٰلک الدّین القیّم۔ ولکن اکثر النّاس لا یعلمون (روم) فطری طمانیت کی حالت جنّتی حالت ہے۔ اس جنّت کے ساتھ انسان کے اندر ھوٰی کا پیڑ بھی جو تمام اختلافات کا موجب ہے موجود ہے۔ شیطان اپنے وسوسوں اور شبہات سے اسی درخت کا پھل انسان کو کھلا کر اسے فطری طمانیت سے پھسلا دیتا ہے۔ اس فطرت کو بچانے کے سبب اللہ تعالٰی انسان کو اپنی وحی سے اور عقلی ترقی سے ہدایت دیتا رہتا ہے

حواشی

ملائکہ:۔ اللہ تعالٰی نے تمام اشیاء کو درجہ بدرجہ پیدا کیا اور اس کائنات میں علّتوں کے بیشمار سلسلے بنائے۔ پیدا کرنے

ایک نبی کے موجود ہوتے ہوئے اپنے حکم سے طالوت کو بادشاہ بنایا۔ اس سے نہ اس نبی کی اہانت ہوئی تھی اور نہ طالوت ہی بے غلط بن گیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بہت سے نبی اور بادشاہ اور نقیب بنائے تھے۔ وہ بھی خدا سے حکومت پانے کے باوجود بے غلط نہ تھے۔ فرشتوں نے خلیفہ ہی کا لفظ سن کر یہ کہا تھا کہ اے خدا! کیا تو زمین میں ایسے شخص کو بناتا ہے جو اس میں فساد برپا کرے اور خون بہائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جواب میں خلیفہ کے مفسد و سفّاک ہونے سے انکار نہیں کیا بلکہ خود آدمؑ و حوّاؑ کے متعلق فرمایا کہ وہ بھی پھسل گئے اور انہوں نے وہ کام کیا جس سے وہ ظالم بن گئے

ارشاد ہے هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (کیا تو خدا تعالیٰ کا کوئی ہمنام یعنے ہم وصف جانتا ہے؟) اصلی اسم وہی ہے جو مسمّی کی حقیقت کو ظاہر کرے یعنی اسم بامسمّیٰ ہو۔ خدا تعالیٰ کے اسماء اس کے صفات ہی ہیں۔ کسی چیز کا اسم درحقیقت اس کا وصف ہے۔ اور جو اس کے برخلاف ہے وہ "برعکس نہند نام زنگی کافور" کا مصداق ہے

عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے اور ہند کے لوگ انہیں دیوی دیوتا سمجھ کر پوجتے تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تمہارے ساجد و خادم ہیں۔ پس تم اپنے غلاموں کے غلام نہ بنو اور ان کے آگے سجدہ نہ کرو

فرشتے انسان کی طرح صاحب اختیار نہیں ہیں جس طرح حیوانات کا قیاس ہر بات میں انسان پر نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان فرشتوں کا حکم انسان پر نہیں لگتا۔ حیوانات میں بالعموم محرّمات ابدی کی کوئی تمیز نہیں۔ ان کے لئے ایسا ازدواج جائز بنایا گیا ہے۔ لیکن انسان کے لئے یہ قطعاً ممنوع ہے۔ چراغ بُری کتابوں کے پڑھنے میں بھی مدد دیتا ہے لیکن اگر کوئی انسان دوسرے آدمی کو ان کاموں میں جو خلاف منشاء الٰہی ہیں مدد دے تو وہ مجرم ہے۔ اگر قدرتی قوٰی انسان کے اس طرح تابع نہ ہوتے تو انسان صاحب اختیار نہ ہو سکتا۔ پس فرشتوں کے انسان کو سجدہ کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو سجدہ کر سکتا ہے قطعاً باطل ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کو ان کے ماں باپ اور بھائیوں نے سجدہ کیا لیکن یہ بالکل غلط ہے ہمارے اس نظام شمسی کا مرکز ہمارا یہ سورج ہے۔ اس سورج کے گرد ہماری زمین کے علاوہ جو گیارہ سیّارے باقاعدہ گردش کرتے ہیں حسب ذیل ہیں:۔ عطارد، زہرہ، مرّیخ، سیّارات صغار ہیں سے چار بڑے سیّارے، مشتری، زحل، یورینس، نیپچون۔ چونکہ یوسفؑ زمین میں رہتے تھے۔ یہیں انہوں نے خواب دیکھا اس لئے خواب میں زمین کی جگہ اس کا چاند دکھایا گیا۔ ان آسمانی مؤثرات اور انوار کے خواب میں سجدہ کرنے کی تعبیر یعقوبؑ نے یہ کی :۔ "خدا تعالیٰ یوسفؑ کو ظاہری اقبال و اثر اور علمی نور و ہدایت عطا فرمائیگا۔ اس کے اقبال سے میرے دیگر اہل و عیال بھی بہرہ یاب اور مستفیض ہوں گے"۔ اس خواب کی یہ تعبیر ہرگز نہ تھی کہ ماں باپ اور گیارہ بھائی یوسفؑ کو سجدہ کریں گے۔ اگر یہ تعبیر ہوتی تو یعقوبؑ ضرور اس کا ذکر کرتے۔

جب یعقوبؑ اپنے تمام اہل و عیال سمیت اللہ تعالیٰ کی عنایت سے مصر میں امن کے ساتھ داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ

نیک و بد مطالعہ و معائنہ اور قسم قسم کے لوگوں کی باتیں سنکر اور ناچ رنگ دیکھکر نیکی و بدی کے محرکات سے کام لیتا ہے۔ پھر اس کے اندر عین غفلت کے وقت بلا اختیار بھی خوشی و غمی اور نیک و بد خیالات و معلومات پیدا ہوتے رہتے ہیں جس سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ نیکی و بدی اور علم و جہالت کے محرکات ضرور موجود ہیں۔ انسان جب ہلکی نیند میں ہوتا ہے تو اس وقت اگر کوئی دوسرا آدمی آہستہ آہستہ اس کے کان میں کوہ و دشت اور دریا و باغ کی باتیں کرے یا اُسے ڈرائے تو اُسے اسی قسم کے خواب آنے لگ پڑتے ہیں اور اگر وہ زیادہ ڈر جائے تو جاگ پڑتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب لانے کیلئے کسی خارجی تحریک کی ضرورت ہے۔ جس کام کیلئے کوئی مخلوق علت درکار ہے وہ اس قسم کی مخلوق علت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ ان تمام علتوں کا خالق ہے۔ وہ خود کسی مخلوق علت کی جگہ بیچ میں آکر کام نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے اچھا اور قابل ترقی ہے (احسن کل شیٔ خلقہ) شیطان بھی مخلوق الٰہی ہونے کے سبب اعلیٰ ارتقاء پانے کے قابل ہے۔ کوئی شیطان ہمیشہ شیطان نہیں رہیگا۔ ملائکہ و شیاطین کو انسان کی طرح اختیار حاصل نہیں۔ انہیں انسان کو سجدہ کرنیکا حکم کرنا یہ سبق دینے کیلئے تھا کہ وہ خود ملائکہ و شیاطین کو اپنا مطیع و ساجد بنائے۔ انسان کو نیک نیتی سے نیکی کے محرکات کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور طواغیت کا کفر کرکے اُن سے خدا تعالیٰ کی پناہ میں آنا لازم ہے

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یہ بات زمین میں خلیفہ بنانے سے پہلے ہی فرمائی جا سکتی ہے۔ جب بات یہ ہے تو آدم کا بہرصورت خواہ وہ خطا کرے یا نہ کرے زمین ہی میں پیدا ہونا لازم آتا ہے۔ زمین کی خلافت حسب فرمان قرآن ذیشان زمین ہی کی اصلاح و انتظام کیلئے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا سو تو لوگوں کے درمیان حق کے مطابق (یعنے حق کے پیچھے چل کر) فیصلہ کر۔ اور اپنی خواہش نفسانی کے پیچھے نہ چل۔ کیونکہ وہ تجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیگی۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالےٰ کے راستے سے گمراہ ہوتے ہیں۔ اُن کے لئے حساب کے دن کو بھلا دینے کے سبب سخت عذاب ہے ۲۳/۱۱ اس آیت سے پہلے حضرت داؤدؑ کے ایک امتحان میں پڑنے کا ذکر ہے۔ آپ نے جلد بازی سے صرف ایک فریق کا بیان سُن کر مقدمہ کا فیصلہ دیدیا تھا۔ پھر اس غلطی کی معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑے اور رجوع بحق کیا تو خدا تعالیٰ نے ان کی یہ خطا معاف کردی اور آئندہ ہوشیار رہنے کے لئے مذکورہ بالا آیت کے مطابق وعظ فرمایا اور بصورت خلاف ورزی عذاب شدید سے ڈرایا۔ غرضکہ خلیفہ اگرچہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو وہ اپنے خلیفہ بنانے والے خدا کے آگے جوابدہ ہوتا ہے۔ پس یہ کہنا کہ جسے خدا تعالیٰ خلیفہ یا حاکم یا بادشاہ بنائے وہ خلیفہ یا حاکم غلطی نہیں کر سکتا قطعاً غلط ہے۔ خلیفہ محض اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کے طرز عمل کو دیکھا جائے پ۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر جانے کے وقت اپنے پیچھے حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ بنا گئے تھے۔ ہارونؑ کی خلافت کے وقت بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی کی۔ موسیٰؑ نے واپس آکر انتہائی سختی کے ساتھ ہارونؑ سے جواب طلبی کی۔ اگر موسیٰؑ کا یہ اعتقاد ہوتا کہ نبی کبھی غلطی نہیں کر سکتا تو وہ ہرگز ایسی سختی کے ساتھ ہارونؑ سے جواب طلبی نہ کرتے۔ علاوہ بریں خُدا تعالےٰ نے اپنے

انسان کی طرف منسوب نہیں کئے جاسکتے

وحی الٰہی کے پانے میں رُسل وانبیاء یقیناً ایسے واسطے ہوتے ہیں جو قطعاً سفیر محض کا کام دیتے ہیں۔ انکا اس وحی الٰہی میں اپنا کوئی اختیاری دخل ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔ ایسے وسائط صرف پہنچانے کا کام دیتے ہیں۔ مگر حقیقت کے لحاظ سے وہ صرف بمنزلہ صفر ہوتے ہیں۔ فاعل مختار جو بھی فعل کرے وہ فعل اسی کا ہوتا ہے۔ اپنے بنائے ہوئے کسی ایک واسطہ سے کام لے لینے کے سبب وہ واسطہ فاعل مختار کے ساتھ شریک کار یا اصل فاعل نہیں بن جاتا

وحی الٰہی آج تک ہمارے پاس ظاہری وسائط ہی سے پہنچتی آئی ہے۔ مگر جب ہم نے اسے فطری و وجدانی اور عقلی وروحانی نگاہ سے خود دیکھ لیا۔ اور اسے خدا تعالیٰ کی وحی سمجھ لیا۔ تو وہ وحی الٰہی ہمارے پاس بھی آگئی۔ اس میں واسطوں کے ایک یا لاکھ ہونے سے کوئی فرق نہیں آسکتا۔ اگر واسطۂ اوّل اصل مطاع کہلا سکتا ہے تو جبریل اور دیگر ملائکہ کو اصل مطاع کہنا چاہئے اور اگر آخری واسطہ اصل مطاع ہوتا ہے تو آج کل کا ہر ایک مُلّا اصل مطاع ہونے کا دعوی کر سکتا ہے۔ قرآن مجید اگرچہ ہمارے پاس وسائط ہی کے ذریعے آیا ہے۔ مگر ہمیں اس کا اصل عطا کرنے والا وہ خدا ہے جس نے وعدہ کیا ہے کہ ”ہمیں نے یہ ذکر اتارا اور ہم ہی اس کے حافظ ہیں“

اسوہ اس وحی الٰہی کے علاوہ جو رسل وانبیاء کے پاس ان کے اپنے اختیاری دخل کے بغیر پہنچتی ہے، نبیوں کے اپنے اختیاری اقوال وافعال بھی ہوتے ہیں۔ وہ دوسرے نیک لوگوں کی طرح وحی الٰہی کے مطیع ہوتے ہیں۔ وہ منتظم، بادشاہ، سپہ سالار، مقنن، ومجتہد وغیرہ بھی ہوسکتے ہیں۔ لیکن ایسے کام ان کی بشری وسعت وطاقت ہی کے مطابق ہوتے ہیں۔ ان سب باتوں میں وہ ایسے ہی نمونے ہوتے ہیں جیسے نمونے بننے کی دوسروں کو بھی کوشش کرنا چاہئے۔ وہ یہ بات سکھانے کیلئے نمونہ نہیں ہوتے کہ تم وحی الٰہی سے الگ ہمارے بشری عقل واختیار کی باتوں کو خدا تعالیٰ ہی کی وحی قرار دیکر منوایا کرو۔ وحی الٰہی کے ساتھ اسی تفسیر واجتہاد کے لحاظ سے تمام بشر مفسّر ومجتہد بن سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کسی بشر کو اگرچہ وہ نبی ورسول ہی کیوں نہ ہو، اس کی وسعت وفہم سے بڑھکر مکلّف نہیں بنایا کرتا (لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعھا) اگر رسول کریم قرآن مجید کی ایسی ہی تفسیر کیا کرتے تھے جسے نوع انسان آج تک قرآن مجید سے سمجھنے کے قابل نہیں ہوئی تو ایسے مفسر بننے میں حضور ہمارے لئے کیونکر نمونہ ہوسکتے ہیں؟ پھر ایسی فوق البشر تفسیر آپکے ذمّے بھی کیسے ڈالی جاسکتی ہے؟ آپ اسی تفسیر اور اسی اجتہاد کے مکلّف ہوسکتے ہیں۔ جو تفسیر واجتہاد بشری وسعت کے مطابق حسب ارتقائے زمانہ ممکن ہو۔ ایسی معقول تفاسیر سے استفادہ کرنے کیلئے ہم بسر وچشم حاضر ہیں۔ لیکن ایسی تفسیروں کو، جو قرآن حکیم کی شان کے خلاف ہوں، محض اس ہیچ اور بہانہ سے لینے کے لئے تیار نہیں کہ ”یہ تفسیر رسولؐ کی ہے“

قرآن مجید میں رسل وانبیاء اور دیگر نیک لوگوں کے نمونے اور ان کی سنتیں بیان کی گئی ہیں۔ کیا ان سنتوں اور نمونوں کے لئے خارج از قرآن ان نبیوں کی کسی وحی خفی کی تلاش کی ضرورت باقی رکھی گئی ہے؟ حضرت ابراہیمؑ کی

نے انہیں مع ان کی اہلیۂ مکرمہ کے (جو یوسف عا کی والدہ ماجدہ تھیں) تخت پر عزت کے ساتھ بٹھایا۔ (اس سے یہ سیکھا کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح تخت نشینی کا حق رکھتی ہیں) الحاصل جب جامع المتفرقین نے مدت کے بچھڑے ہوؤں کو ملایا اور یہ عروج دکھایا تو وہ سب خدا تعالیٰ کیلئے سجدے میں گر پڑے۔ یوسف عا اس سجدہ سے الگ نہیں رہے۔ خرّوا جمع کا صیغہ ہے یوسف عا اس جمع میں بطریق اَولیٰ داخل تھے۔ ماں باپ کا یوسف عا کو سجدہ کرنا۔ اور پھر تخت پر بیٹھ کر سجدہ کرنا، بالکل بے معنی بات ہے۔ ہاں احکم الحاکمین ربّ العرش العظیم کو ہر حال میں سجدہ کیا جا سکتا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام نے اُس وقت اپنے باپ کی خدمت میں عرض کی کہ ابا جان! یہ اقبال میرے اُس خواب کی تعبیر ہے جو آپ نے کی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اُسے سچا کر دیا

ملائکہ صرف وسائط ہیں۔ ظاہر بین لوگ وسائط سے کام ہوتے دیکھکر اصل کام کرنے والے کو نظر انداز کر دیتے یا اُسے محض ایک ثانوی چیز ٹھیرا لیتے ہیں حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے وسائط خود نظر انداز کئے جانے کے لائق ہوتے ہیں تمام شرک اسی واسطہ پرستی ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں وسائط پر کسی قدر روشنی ڈالنا ضروری ہے

آپ نے پتلیوں کا تماشا دیکھا ہو گا۔ اس تماشا میں سرتا پا پتلیوں کا اور پتلیوں کے حرکات و افعال ہی کا ظہور ہوتا ہے۔ اصل تماشا کرنے والا صاحب اختیار نظر سے بالکل اوجھل ہو کر کام کرتا ہے۔ پتلیوں کے تمام کام اسی کی طفیل سرزد ہوتے ہیں۔ میجک لینٹرن یا سینما وغیرہ کا بھی یہی حال ہے۔ ان تماشوں کے متعلق اگر کوئی شخص اپنی فطری، وجدانی، عقلی روئت، اور قلبی بصیرت اور روحانی جذب و الف کو نظر انداز کر کے اور اُس اصلی تعلق کو بالکل بے حقیقت جان کر صرف ظاہری بصارت اور ظاہر بینوں کی روایت ہی کو اصل ٹھیرا کر یہ چھوٹا خیال پیدا کر لے کہ تماشے کا سارا تعلق پتلیوں کے ساتھ ہے۔ یہ پتلیاں ہی اوّل ہیں اور صاحب اختیار تماشہ گر (جو اس ساری نمایش کی روح رواں ہے) دوسرے درجہ پر ہے۔ ہم بے اختیار پتلیوں ہی سے کہیں گے۔ کہ یہ کرو۔ وہ نہ کرو۔ ہم ان پتلیوں کے کام دیکھکر انہی پتلیوں کی عظمت مانیں گے اور ان سے جو نصیحت سنیں گے اُس میں انہی کو اصل ناصح جانیں گے تو ایسا خیال پیش کرنے والا شخص یا تو خلل دماغ کا عارضہ رکھتا ہے یا دیدہ و دانستہ گمراہ کرنے والا اور شرارت پھیلانے والا ہے۔ اس تمام کائنات میں جو کام قسری و جبری طور پر ہوتے ہیں۔ اُن سب پر مثال بلا یقیناً صادق آتی ہے

ایتھر، سورج، چاند، ستارے، ہوا، آگ، پانی، مٹی، بادل، نباتات، گائے، بیل، گھوڑے، گدھے، کتے، بندر، فرشتے، کیڑے مکوڑے، مچھر، مکھی، بھنگے، پتنگے، سانپ، بچھو وغیرہ سب پتلیاں ہی ہیں۔ ان کے کام جو قدرتی یا تصرفاتی طور پر وقوع پذیر ہوتے ہیں، وہ صاحب اختیار اور مدبر بالا رادہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں

انسان کے اختیاری کاموں کو چھوڑ کر اس کے باقی تمام قسری و جبری کام، خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، وہ قدرتی ہوں گے یا خدا تعالیٰ کے تصرف خاص کے ماتحت ظہور پذیر ہوں گے۔ ایسے سب کام حقیقت کے لحاظ سے

جیسے کمزور اور غلط کار اور لاچار آدمیوں نے خدائے واحد کو سچی طرح مان کر اور مخلوق الٰہی کے ہمدرد بن کر باوجود غلطیوں اور ٹھوکروں اور ابتلاؤں کے پیش آنے کے کس طرح ترقیات حاصل کی ہیں۔ تم بھی سست نہ ہو اور غم نہ کرو۔ اگر خدا تعالیٰ پر سچا ایمان رکھتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح اعلیٰ ہو جاؤ گے۔ یہ نمونے اپنی الگ ایسی تعلیم ایجاد کرنے کے لئے نہیں ہوتے جو خدائی تعلیم کی طرح دائمی اصول بنائی جائے بلکہ یہ نمونے اس بات کو دکھاتے ہیں کہ خدائی تعلیم ہی اصل ہے اسی پر ایمان اور استقامت کے ساتھ چلنے سے اعلیٰ نتیجے نکلتے اور عمدہ پھل ملتے ہیں

حاصل یہ کہ ہمارے لئے کسی پہلے ہی سے معصوم اور بے غلط نمونے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمارے لئے ایسے نمونوں کی ضرورت ہے جو ہماری طرح غلط کار کمزور و لاچار ہوں اور پھر ہمارے جیسی حالت ہی میں ہوتے ہوئے الٰہی تعلیم کے اعلیٰ نتائج کا معائنہ کرائیں؛ ان کے کامیاب ہونے سے ہم میں بھی جرأت و تسلّی پیدا ہو اور ہم تجربہ سے جان لیں کہ الٰہی تعلیم بالکل کافی اور بالیقین پھل لاتی ہے ایسے نمونے دنیا میں بیشمار ہوتے آئے ہیں۔ پس ہم بھی انہی منعم علیہم کے راستے پر چلیں۔ ایسے نمونے پیش کرنے سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ ایک ہی انسان کی ذات کو بے غلط شخصی نمونہ بنالو اور اس کے ساتھ دوسرے نیک نمونوں کو بالکل پس پشت ڈال دو۔ ایک شخصی نمونہ کی گھڑنت محض خانہ ساز بات ہے

قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے اصحاب کو بھی نمونہ فرمایا اور تمام منعم علیہم کے راستے پر چلنا سکھایا ہے انہی کے راستے کو صراط مستقیم قرار دیا ہے۔ لیکن یہ کہیں نہیں سکھایا کہ کسی خاص انسان ہی کو ایسا نمونہ بنا لو جس کی وجہ سے تمام دیگر نیک نمونے نظر انداز کرنے پڑیں قرآن مجید نے ہمارے آگے بہت سے نبیوں رسولوں اور منعم علیہم کے نمونے پیش کئے ہیں۔ ہماری رہنمائی کے لئے پہلے لوگوں کی سنتیں بیان کی ہیں۔ یہی نہیں۔ بلکہ بدیوں کے بدنتائج سے آگاہ کرنے کیلئے بدکاروں کے نمونے بھی پیش کئے ہیں۔ پس جو حقیقت بدیوں سے بچنے کیلئے بدنمونوں کی ہے۔ وہی حقیقت نیکیوں کا شوق دلانے کیلئے نیک نمونوں کی ہے۔ نیک و بد رستہ کا علم دینے والا خدا تعالیٰ ہے۔ نمونہ داخل تعلیم نہیں ہے بلکہ اس تعلیم پر چلنے کے نتائج دکھانے والا اور نیک کام کی جرأت و شوق دلانے والا اور بری کام سے نفرت و اجتناب پیدا کرنے والا ہوتا ہے

الغرض اسوہ حسنہ والا وہ شخص ہوسکتا ہے۔ جو اپنی بساط کے مطابق محکم وحی کی پوری پیروی کرے۔ اور متشابہات پر اسی طرح غور کرے جو ان کے لائق ہے۔ محض عقل و شوریٰ کی باتوں کو اسی طرح بجالائے جس طرح ان کا حق ہے اور اختیاری باتوں کو اسی طرح آزاد رکھے جو ان کے لئے مناسب ہے۔ بشر ہو کر ایسا نیک نمونہ بنے جس پر دوسرے نیک بشر بھی کاربند ہوسکتے ہوں

لا یکلّف اللہ نفسًا الّا وسعھا سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود بشری کمزوریوں اور محدود عقل کے اپنی طاقت کے مطابق راستی ہی پر چلتے تھے۔ آپ کا یہی اسوہ حسنہ تھا اور یہی بات

ملت کی پیروی کرنے کا ہمیں تاکیدی حکم ہے۔ اس حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم خارج از قرآن صحف ابراہیمؑ کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ قرآن مجید جس بات کو بطور وحی کے ماننے کا حکم دیتا ہے ضرور ہے کہ اس کا پتہ بھی اپنی ہی وحی میں لگا دے۔

جس بات کو قرآن مجید نے اپنی وحی میں لاکر نہیں دکھایا۔ اس کے لئے حسب اقتضائے زمانہ' بشری عقل واختیار ہی سے کام لینے کو کافی سمجھا گیا ہے۔ یہ قرآن مجید ہمارے پاس اس لئے نہیں آیا کہ تمام دیگر انبیاء کی وحی تو الگ رہی خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب الاتباع وحی کے لحاظ سے بھی کامل مجموعہ نہ بنے۔ بلکہ خود رسول کریم کی وحی کو بھی بہت کچھ اپنے سے باہر چھوڑ دے

وحی الٰہی کا نزول تصرف الٰہی کے سبب سے معجزانہ طور پر ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس معجزانہ وحی کو معجزانہ لباس پہنا کر اس کا بے مثل ہونا بھی دکھا دیا ہے۔ جس وحی کو قرآن حکیم اپنے اندر نہیں لایا۔ اس کا بے مثل دکھانا بھی اس نے منظور نہیں فرمایا اور جسے بے مثل نہیں ٹھیرایا اس کا بے بدل ہونا بھی ضروری نہیں قرار دیا

الحاصل جس چیز کو قرآن حکیم نے عقل پر چھوڑا ہے آپ رسول کریم بھی اپنی عقل واجتہاد ہی سے حاصل کیا کرتے تھے غلط کار اور بھول چوک کرنے والے کمزور انسانوں کو اپنے ان اختیاری کاموں میں جن کیلئے وہ اللہ تعالی کے حضور جوابدہ بھی ہیں بے غلط نمونہ ٹھیرانا' اور اس نمونہ کی پیروی کو خدا تعالی کی وحی کی طرح دائمی اصول قرار دینا اور انہیں اپنے اپنے شفیع یطاعؑ مان کر بھروسہ کے قابل سمجھنا' دنیا کے تمام شرکوں اور فرقہ بندیوں کی بنیاد اور صرف مشرکوں ہی کی ایجاد ہے۔ یہ سب اپنے اپنے من مانے انسانوں کی' خدا تعالی کے ساتھ پرستش کرانے کے بہانے ہیں۔ بالذات اور بالغیر کی قید لگانے سے یہ مقصود ہے کہ انہیں خدا تعالی کی طرح بے غلط اور منتہائے سوال بنایا جائے۔ تاکہ اس کے بغیر اکیلے خدا کا ماننا ناممکن ہو جائے۔ ان کا نام بظاہر خدا تو نہ رکھا جائے مگر دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرکے انہیں ابن اللہ' بمنزلہ اولاد خدا' وزیر خدا' خدا تعالی کا خاص مصاحب منجی' شفیع' یا وکیل یا ہر بات میں معصوم ٹھیرا کر خدا تعالی کی طرح مطاع بنایا جائے۔ ان الگ الگ ضروری ٹھیرائی ہوئی غیر پرستیوں نے لوگوں کو ایک خدا اور اس کے معقول سچے منشاء کے ماتحت اکٹھے ہونے سے روک رکھا ہے

یہ بات سورج کی طرح ظاہر ہے کہ ہمارے لئے خدا تعالی ایسا نمونہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ ہم کبھی خدا نہیں بن سکتے۔ ہمارے لئے کوئی فرشتہ ایسا نمونہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فرشتے محض کٹھ پتلی ہیں۔ ہمارے لئے کوئی آدمی بھی جو محض کٹھ پتلی قرار دیا جائے نمونے کا کام نہیں دے سکتا۔ ہم غلط کار اور کمزور ہیں۔ ہم پر دکھ سکھ آتے رہتے ہیں۔ ہم کبھی بیمار ہوتے ہیں اور کبھی تندرست ہمیں کبھی جنگ کرنی پڑتی ہے اور کبھی صلح۔ ہمیں دوست دشمن سب کے ساتھ گذارہ کرنا ہوتا ہے۔ ہمیں سفر وحضر میں رہنا' اونچ نیچ دیکھنا اور نیکی بدی کی ابتلاؤں میں پھنسنا پڑتا ہے۔ ان تمام مشکلات اور کمزوریوں میں ہم پر لازم ہے کہ احکم الحاکمین کے فرمانبردار بن کر اور اس پر بھروسہ کرکے اپنی طرف سے حتی الوسع نیکی وہمدردی اور انصاف کے ساتھ کام کرکے مشکلات سے نکلیں اور ترقیات حاصل کریں۔ منعم علیہم کے نمونے ہمارے آگے اسی بات کے دکھلانے کے لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ دیکھو تمہارے

پہلے انسان فطری الہام ہی سے ہدایت پاتے تھے۔ لیکن جب شیطانی وساوس سے متأثر ہونے کے سبب ان کی فطری صفائی مکدر ہو گئی۔ اور ان کے سوآت کھل پڑے اور شبہات کا دور دورہ ہؤا تو تعلیمی ہدایت کی ضرورت ہوئی۔ خداتعالیٰ کو ہمیشہ انسان کی اصل ہدایت اور اصلاح منظور رہی ہے۔ خواہ وہ فطرت سے ہو۔ یا کتابوں اور ملہموں کے ذریعہ سے

چوتھے رکوع کے اخیر میں خداتعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر میری طرف سے تمہارے پاس تعلیمی ہدایت آئے تو جو شخص خالص میری ہدایت کی پیروی کریگا میں اُسے خوف و غم سے نجات دیدونگا۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے بنی اسرائیل کو جو اپنے علم و فضیلت و سیادت کے مدّعی تھے اور نبیوں کی اولاد ہونے اور الٰہی کتابوں کا ورثہ پانے کا فخر کرتے تھے فرمایا ہے کہ فی الواقع میں نے تم پر بڑے انعام کئے ہیں سو تم میرے انعامات کو یاد کر کے میرے اس وعدے کو پُورا کرو جو میں نے خالص اپنی ہدایت پر چلنے کیلئے پہلے انسانوں سے کیا تھا سو اگر تم میرے وعدے پر چلو گے (یعنی خالص میری ہی ہدایت پر عمل کرو گے) تو میں تمہیں خوف و غم سے نجات دُونگا۔ اور اس طرح اس معاہدہ کا وُہ حصّہ جو تمہارے مفید مطلب ہے اور جس کا پُورا کرنا میرے ذمّے ہے پُورا کروں گا۔ تمہارے زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا۔ خالی دعوے کسی کام کے نہیں۔ اگر فائدہ ہوگا تو میری اصلی ہدایت ہی پر چلنے سے ہوگا

خداتعالیٰ نے ان مبارک آیات میں بنی اسرائیل کو اس طرح مخاطب نہیں کیا جس طرح کسی جھوٹے مذہب والے کو اپنے جھوٹے مذہب کو چھوڑ کر سچے مذہب میں داخل ہونے کیلئے بلایا جاتا ہے بلکہ انہیں صرف اس طرح پر خطاب کیا ہے جس طرح کسی سچے مذہب کے مدّعی کو جو غلطیوں میں پڑ کر اصل ہدایت سے دُور ہو گیا ہو اور مخالفتوں اور تفرقوں میں مبتلا ہو کر اصل منشاء کو بھلا بیٹھا ہؤا اصلاح کی طرف لانے کیلئے بلایا جاتا ہے

اِس وقت مسلمان بھی بنی اسرائیل کی طرح اصل الٰہی ہدایت سے اعراض کر رہے ہیں اور فرقہ بندی کی بلاؤں میں گرفتار ہیں۔ گویا قرآن کریم اُنہیں بھی الٰہی آیات کے ساتھ خطاب کر رہا ہے کہ اے آل نبی اور اے اُمّتِ رسُول! میرے انعاموں کو یاد کرو جو میں نے تُم پر کئے ہیں۔ خاص میری ہی ہدایات پر کاربند ہو جاؤ جس پر چلنے سے تمہیں یہ انعام ملے تھے اور خالص میری ہی ہیبت دلوں میں بٹھاؤ۔ اور کسی انسانی رعب اور دباؤ میں مت پھنسو۔ اعتقاداً صرف ایک خُدا کے غلام بنو اور کسی بڑے سے بڑے انسان کے اعتقادی غلام نہ بنو

تمام اقوام کے انبیاء و رسل اور ان کی الٰہی کتابوں کا بلاشبہ یہی منشاء و مدّعا ہونا لازم ہے کہ وُہ لوگوں کو ایک خدا کی عبادت کی طرف بلائیں اور صلح و امن و انصاف پر چلائیں اور انہیں اصلی ہدایت اور اصلاح

ہمارے لئے بھی لائق ہے۔ وہ اسوہ حسنہ محض فضول ہے جس کے مطابق ہم چل ہی نہیں سکتے

ہم غلطیاں کر کے غلطی کا اقرار کریں گے یہی اسوہ حسنہ ہے!

ہم محکم وحی کی تعلیم دے کر اسے محکم وحی ہی کہیں گے۔ یہی اسوہ حسنہ ہے!

ہم آیات متشابہات پر نیکی اور ایمانداری سے غور کریں گے۔ یہی اسوہ حسنہ ہے!

ہم عقل وشعور کی باتوں پر اپنی بساط کے مطابق عمل کریں گے۔ یہی اسوہ حسنہ ہے!

ہم اختیاری باتوں میں دوسروں کو آزاد رکھیں گے اور خود بھی آزاد رہیں گے اور یہی اسوہ حسنہ ہے سب نیک لوگ راست روی کی حالت میں اسی طریق پر عمل کیا کرتے ہیں۔ ہمارے راست رو نبی اکرم کا اسوہ حسنہ یہی تھا صلی اللہ علیہ وسلم

وحی الٰہی کے لحاظ سے رسل وانبیاء محض وسائط ہوتے ہیں۔ اگر کوئی رسول و نبی یہ کہے کہ وحی الٰہی کے آنے کا مجھ پر انحصار ہے تو یہ یقیناً غلط ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس سے وحی کو چھین کر دوسرے کے ذریعے سے وحی بھیج سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے کام رک نہیں سکتے۔ ہاں وسائط بدلائے جاسکتے ہیں۔ یہی حال فرشتوں کا بھی ہے

بزرگوں کی خطا کو خطا کہنا خطا ہے۔ لیکن بزرگوں کو خدا بنانا اور ان کی غلطیوں کو صحیح ہی نہیں بلکہ وحی الٰہی قرار دے لینا عین صواب ہے۔ یا للعجب! اچھا یہ تو بتایئے کہ اگر احکم الحاکمین (جو سب بڑوں سے بڑا ہے) کسی بزرگ کی خطا کو ہم پر ظاہر کرے اور اس کی بشریت، عاجزی اور کمزوری کا علم دے تو کیا ہم اس وقت خدا کے دیئے ہوئے علم کو چھپائیں؟ نہیں نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بندہ کو بندہ دکھانا اس کی عزت ہے اور بندہ کو خدا بنانا اس کی ذلت ہے۔ جھوٹی تعریف کٹھے کے برابر ہے

دریائے نیل کی طغیانی یا سمندر کے مدوجزر کیلئے ہمیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ ہم نیل یا سمندر کے آگے بھینٹ چڑھائیں یا ان سے مدد طلب کریں۔ نہیں بلکہ ہم کہیں گے کہ "اگر یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے تو وہ جبراً تم سے ایسا کرائیگا اور اگر تم اپنے اختیار سے ایسا کرتے ہو تو اگر رک سکتے ہو تو رک جاؤ" جملہ وسائط کا سفیر محض ہونے کی صورت میں یہی حال ہے ہم جبریل اور دیگر ملائکہ کی منتیں نہیں کریں گے کہ ہمیں وحی لادو

دیکھئے! قرآن کریم کی فصیح و بلیغ تعلیم ہمیں رسول ؐ کے واسطے سے ملی ہے۔ لیکن یہ ہم کسی صورت سے بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ فصیح و بلیغ تعلیم رسول ؐ کی اپنی بنائی ہوئی ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید کا بالذات بنانے والا خدا تعالیٰ ہے اور بالغیر بنانے والا رسول ؐ ہے؟ جو شخص قرآن حکیم کا مطلقاً بنانے والا ہی نہیں، وہ قرآن کا بالغیر بنانے والا کیسے کہلا سکتا ہے؟ جب کوئی چیز ایسے واسطے سے ملتی ہے، جو سفیر محض ہوتا ہے، تو اس کے متعلق یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ ہمارے لئے وہی واسطہ اول واصل ہے۔ خدا تعالیٰ تو صرف دوسرے درجہ پہ ہے

رکوع ۵

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ
اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا
لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ
وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ○ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ○ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○
اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا
عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ
اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○

ترجمہ:۔ [40] آے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو۔ جو مَیں نے تم پر کیں (یعنی تم میں رُسل وانبیاء اور بادشاہ بنائے۔ تمہیں کتابیں اور حکمت کی باتیں عطا کیں۔ دوسری قوموں پر تمہیں فضیلت دی۔ اب تم پہلے انسانوں کی طرح اپنا عروج کھو بیٹھے ہو۔ مَیں نے پہلے انسانوں کو تنزل سے نکالنے کیلئے خالص اپنی ہدایت پر چلنے کا عہد لیا تھا اور اِس ہدایت پر عمل پیرا ہونے کی صُورت میں، مَیں نے اُن سے خوف وغم سے نجات دینے کا وعدہ کیا تھا۔ پس تم بھی خدائی نعمتوں کے قدردان بنو) اور (ان کے حصُول کے لئے) تم (میری خالص ہدایت پر چلنے کے) وعدہ کو پُورا کرو۔ مَیں تمہارا عہد (یعنی تمہیں خوف وغم سے نجات دینے کا عہد پورا کروں گا۔ اور (میرے ساتھ کسی بڑے سے بڑے انسان کی ہیبت کو دل میں جگہ نہ دو۔ بلکہ) خالص میرا ہی رعب مانو۔ [41] (جو انسان خدا تعالٰی کی ہیبت کو مانے گا۔ وہ اسی کے اصل منشاء اور ہدایت کو لینا چاہے گا۔ اِس لئے آگے فرمایا) اور اِن باتوں کو جو مَیں نے اِس (تعلیم)، کی تصدیق میں، جو تمہارے پاس ہے اتاری ہیں، مانو اور تم (خود ہی اپنی تعلیم کے، جو مصدّقہ قرآن بھی ہے) پہلے کافر نہ بنو (کیونکہ جو لوگ اپنی ہی تعلیم کی بے قدری کریں۔

قرآن مجید اہل کتاب کو ان کی کتابوں سے ہٹانے نہیں آیا بلکہ اصل ہدایت پر چلنا سکھانے اور ان کے اختلافات کو مٹانے اور سب کو ایک خدا کے بندے بنانے آیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن نے دشمنوں ہی کو بھائی بھائی بنایا تھا۔ لیکن بعد کو قرآن کریم کے ساتھ بعض ایسی بلائیں شامل کر لی گئیں جن کی نحوست سے مسلمانوں کے سینوں میں ایسے کینے بھر گئے کہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے

حاصل یہ کہ نزولِ قرآن کے وقت بنی اسرائیل اصل ہدایت سے بہت دور جا پڑے تھے۔ اسرائیل اور دیگر بزرگوں کی اصل ہدایت میں پیروی کرنے کی بجائے انہوں نے خدا تعالیٰ کی طرح ان کی ہیبت دلوں میں بٹھائی ہوئی تھی اور قرآن حکیم کی سکھائی ہوئی تصدیق سے بیزار تھے

یہ لوگ قرآن مجید کی ان باتوں سے بھی جی چراتے تھے جن میں قرآن کریم خود انہی کی باتوں کی تصدیق کرتا تھا اور یوں وہ پہلے خود اپنی تعلیم ہی کے کافر بنتے تھے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ آیاتِ الٰہی پر قائم رہتے خواہ دنیا کا تمام مال و منال ان سے چھینا جاتا لیکن وہ الٹا معاملہ کرتے تھے۔ آیات کی جنس گراں بہا کو چھوڑ کر اس کے عوض میں دنیا کا متاعِ قلیل خرید لیتے تھے۔ وہ مال ہی کو اپنی حفاظت کا ذریعہ سمجھتے تھے اور خدا میں اپنا بچاؤ نہیں دیکھتے تھے۔ وہ حق کو باطل کے ساتھ ملا کر مشتبہ کر دیتے تھے بلکہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے تھے۔ وہ خدا تعالیٰ کے تقویٰ کے بجائے اپنی نماز سے بھی غافل تھے اور حرامخوری چھوڑنے کی جگہ اپنی زکوٰۃ بھی ادا نہ کرتے تھے وہ آپس میں اکٹھے نماز پڑھنے سے بھی عام طور پر بیزار تھے۔ ان کے باہمی سلوک و اتحاد کا یہ حال تھا کہ باوجود اس کے کہ لوگوں کو "تورات" پڑھ کر وسیع نیکیوں کا حکم دیتے تھے۔ لیکن اپنے نفسوں کی اصلاح کو بھولے ہوئے تھے۔ خود دوسروں کو حقیر جانتے اور ان کے ساتھ تعصب سے پیش آتے تھے۔ وہ معقولیت سے کام نہ لیتے تھے۔ وہ اپنی ان امراض کا علاج کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے نفس کی اصلاح کیلئے صبر و نماز سے مدد نہیں لیتے تھے۔ بلاشبہ صبر و ہمت اور نماز و دعا کے ساتھ اپنے تزکیۂ نفس کے لئے مدد چاہنا لوگوں پر گراں گذرتا ہے" اِلّا ان کے لئے جو خدا کے آگے دب جانے والے ہیں جنہیں امید ہے کہ ہم کو خدا تعالیٰ کا وصال اور قرب حاصل کرنا ہے اور اپنے اعمال کی جوابدہی کیلئے اسی کے حضور واپس جانا ہے

چند افراد کے نیک اور دانا ہونے سے کوئی قوم نیک اور دانا نہیں بن جاتی۔ صالح قوم وہ ہے جس میں اکثر لوگ صلاحیت والے بن گئے ہوں۔ بنی اسرائیل میں بھی تھوڑے سے لوگ نیکوکار، صالح اور ہمدرد ضرور تھے۔ وہ اپنے طور پر نمازیں پڑھتے اور خیرات کرتے تھے لیکن وہ عام طور پر بگڑے ہوئے اور تنزل کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ اس رکوع میں ان کی اصلاح کے لئے ہدایات پیش کرتا ہے۔ جو اپنا بھلا چاہتا ہے۔ وہ ان پر کان دھرتا اور اپنی اصلاح کے لئے قدم اٹھاتا ہے

اس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت و اصلاح کے لئے بالکل سیدھے سادے ع
اور فطری حکم دیئے اور ان کے ساتھ کوئی ایسی مصنوعی یا وضعی یا رسمی بات شامل نہ کی جسے محض تقلیدی طور پر ماننا پڑے۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں اصل ہدایت اور اصلاح نفس کی کوئی قدر و قیمت نہیں وہ خدا تعالیٰ کو خاص قوموں اور انہی کے خاص بزرگوں اور ان بزرگوں کے خاص زمانوں اور مکانوں اور رسموں کے ہاتھ میں بکا ہُوا سمجھتے ہیں

حاصل یہ کہ بنی اسرائیل عام طور پر اصل ہدایت کی طرف سے لاپرواہ تھے۔ اس لئے انہوں نے مذکورہ بالا ہدایات کی طرف توجہ نہ کی۔ اس کے دو بڑے سبب تھے۔ اوّل یہ کہ وہ اپنے وقتی اِنعاموں اور زمانی فضیلتوں پر غرّہ تھے، اگرچہ نزول قرآن کے وقت اِن خوبیوں کو کھو کر غضب و ذلّت میں گرفتار ہو چکے تھے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ پھر ان انعامات کو حاصل کرنے کے طریقوں پر چلتے، مگر قومی تعصّب انہیں ایسا کرنے سے روکتا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہودی کہلانے اور قومی رسم و رواج کی قدر کرنے کے سبب وہ خدا تعالیٰ کی خاص قوم بنے رہیں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ سمجھتے تھے کہ "ہمارے آسرے بہت بڑے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے حضور وہی ہمارے کام آئیں گے ان کے کفارے ہمیں چھڑا لیں گے اور احکم الحاکمین کے سامنے ہمارے رُسل و انبیاء ہماری شفاعت کر کے خدائی گرفت سے بچا لیں گے۔ ایسے پشتیبانوں کے اعتقاد کے ساتھ ہمیں الٰہی مواخذہ کا کیا خوف و غم ہو سکتا ہے

"چہ غم دیوار اُمّت را کہ دارد چوں تو پشتیباں ۔ چہ باک از موج بحر آں را کہ باشد نوحؑ کشتیباں"

اس رکوع میں خدا تعالیٰ نے اِن ہر دو خیالات کے متعلق اُنہیں سمجھایا، احکم الحاکمین کی پیشی سے ڈرایا، زادِ آخرت کی تیاری کا حکم فرمایا اور خوب واضح کر کے بتایا ہے کہ احکم الحاکمین کے حضور میں کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہیں آسکتا

اس کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنے چند انعام پیش کر کے دکھایا ہے کہ اِن انعاموں میں خدا تعالیٰ کے سوائے کوئی بھی ان کے کام نہ آیا۔ ان انعاموں کے بغیر ان کی ہستی ہی قائم نہیں رہ سکتی تھی

رکوع ۶

يَٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَنِّي فَضَّلۡتُكُمۡ
عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝ وَٱتَّقُواْ يَوۡمٗا لَّا تَجۡزِي نَفۡسٌ عَن نَّفۡسٖ شَيۡـٔٗا وَلَا يُقۡبَلُ

وہی اپنی تعلیم کے پہلے کافر ہیں۔ چونکہ علمائے سوء دنیوی مال وجاہ حاصل کرنے کیلئے آیاتِ الٰہی کی مخالفت کرتے ہیں۔ اِس لئے ارشاد کیا) اور میری آیات کے عوض (دنیا کے) حقیر دام نہ لو (قیمت دے کر مفید وضروری چیزیں خریدا کرتے ہیں۔ وہ لوگ ضروری چیزیں دے کر پیسے لیتے تھے۔ ان الفاظ میں انکے معاملہ کا اُلٹا ہونا دکھلا کر انہیں نادم کیا گیا ہے۔ قیمت لے کر یا لوگوں کے رُعب اور لحاظ سے متاثر ہوکر فتوے دینے والے لوگ غیروں کو اپنا بچاؤ سمجھتے ہیں۔ اِس لئے آگے حکم کیا) اور خاص مجھے ہی (محافظ سمجھو۔ پھر مجھے ہی) اپنا بچاؤ جانو۔ اور (۴۲) (آیات اللہ اور حق سے اعراض کی خاطر) حق کے ساتھ باطل کو نہ ملاؤ۔ اور نہ حق کو چھپاؤ، درحالیکہ تم جانتے ہو اور (۴۳) چونکہ دینداری کا حاصل خدا کی بندگی اور مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کرنا ہے اس لئے تم اپنی نماز قائم کرو اور اپنی زکوٰۃ دو۔ (بڑی شرم کا مقام ہے کہ آجکل مسلمانوں میں بنی اسرائیل کیطرح شیعہ سنی احمدی بلکہ اکثر اہل قرآن بھی از راہِ تنگدلی وتعصب ایکدوسرے کے ساتھ یادِ خدا میں شامل ہونے سے رُکتے ہیں اور اکٹھے ہوکر خدائے واحد کیطرف رجوع نہیں کرتے اور اپنے گناہوں کی معافی نہیں چاہتے چنانچہ فرمایا) اور (تعصب وتنگدلی کو چھوڑ کر خدا کے آگے) جھک جانیوالوں کیساتھ جھک جاؤ۔ (۴۴) کیا تم دوسرے لوگوں کو (غیر متعصبانہ وسیع) نیکی (وسلوک) کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں (کی اصلاح) کو بھلا دیتے ہو حالانکہ تم (اپنی) کتاب (الٰہی) پڑھتے ہو؟ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ اور (۴۵) (اگر تم اس تعصب اور حبِّ دنیا سے اپنے نفسوں کو پاک کرنا چاہتے ہو تو اس میں بھی) صبر وصلوٰۃ (ودعا ہی) کے ذریعہ سے مدد طلب کرو۔ اور یہ (استعانت) بلاشبہ بڑا بڑا بھاری کام ہے۔ ہاں اُن لوگوں پر (یہ مشکل نہیں) جو خدا تعالیٰ کے آگے دب جانے والے (اور عاجزی کرنے والے) ہیں۔ (۴۶) جو خیال کرتے ہیں کہ ہم (ان تکالیف سے نکلکر) اپنے پروردگار کو ملنے والے (اور اس کا قرب حاصل کرنے والے) ہیں اور یہ بھی (خیال کرتے ہیں) کہ ہم (اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے) اسی کی طرف مُڑنے والے ہیں۔ (ایسے پاکیزہ خیال کے ساتھ اصلاح نفس بالکل قرینِ قیاس ہے۔ نہیں، بلکہ یہ وہ نیک خیال اور پاکیزہ جذبہ ہے جس میں انسان کی انسانیت کا راز پنہاں ہے۔ جب تک ہمیں اپنے مُربّی کے حضور میں پیش ہونیکا پورا یقین نہ ہوگا، جبتک ہمارا ظاہر وباطن عملاً یکساں اور درست نہ ہوسکیگا۔ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں جوابدہ ہونے کا منکر جلوت میں تو بیشک بڑا نیک اور متقی ہوگا لیکن یہ یاد رہے کہ فی الحقیقت وہ انہی ریاکاروں اور نمائش پسندوں میں سے ہوگا جن کی شان میں کہا گیا ہے ع

چوں بخلوت مے روند آں کار دیگر مے کنند

پاکیزہ خیال بالیقین عمل صالح کی خشتِ اوّل ہے)

نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

ترجمہ اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو یاد کرو جو مَیں نے تم پر کیں اور اس بات کو (بھی یاد کرو) کہ مَیں نے تمہیں دیگر اقوام پر فضیلت دی تھی۔ (تم سے سوال ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا اور ان کا کیا شکریہ ادا کیا؟ ان پر محض فخر کرنا تمہارے کسی کام نہ آئے گا) اور اس دن سے ڈرو جب کوئی نفس (چھوٹا یا بڑا، نیک یا بد، نبی یا غیر نبی) کسی نفس کے کچھ کام نہیں آتا اور (اگر کہا جائے کہ بلا شبہ کوئی شخص اپنے اختیار سے کسی کے کام نہیں آتا۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کسی شخص کو اذنِ شفاعت دے تو وہ بلا شبہ کام دے سکتا ہے۔ یہ بھی نہیں کیونکہ) اس سے کوئی شفاعت قبول نہیں کی جاتی۔ اور (یہ بھی نہیں کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے مالی یا جانی کفارہ ادا کر دے یا اپنی جگہ اپنی اولاد یا کسی دوست کو فدیۃً دیدے، کیونکہ) اس سے کوئی فدیہ (کفارہ) نہیں لیا جاتا۔ اور (اگر کہا جائے کہ اچھا یہ سب باتیں نہ سہی۔ لیکن اگر بہت سے لوگ مل کر روئیں پیٹیں یا خدا تعالیٰ کے فیصلہ کے خلاف مظاہرے کریں اور جلوس نکالیں اور اس کے مقابلہ پر آ جائیں تو کیا اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں؟ یہ بھی غلط ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ پر) ان کی مدد نہیں کی جاتی اور (خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کئی انعام کئے تھے۔ پہلا انعام وہ تھا) جب کہ ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی۔ وہ تمہیں سخت عذاب پہنچاتے تھے۔ وہ تمہارے بیٹوں کو (بُری طرح سے) ذبح کرتے۔ اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے (تاکہ وہ بالغ ہو کر تمہارے دشمنوں کے کام آئیں اور تمہاری نسل منقطع ہو جائے) اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ اور (دوسرا انعام یہ تھا) جب (کہ تم فرعون کے لوگوں سے بھاگ کر سینا کے میدان کی طرف جا رہے تھے تو تمہیں ایسے وقت میں سمندر پر پہنچایا جب کہ وہ ابھی پایاب تھا۔ اس وقت) ہم نے تمہارے (چلنے کے) ساتھ سمندر کو چیرا تھا (اور تمہیں صحیح راستہ پر چلا کر پار کر دیا تھا)۔ سو ہم نے تمہیں بچا دیا (اور جب فرعون وہاں پہنچا تو سمندر کو چڑھا دیا اور فرعون اپنی شرارتوں کے سبب غلطی میں پڑ گیا۔ اُس نے اپنی قوم کو غلط راستہ پر ڈال دیا) اور (یوں) فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا۔ اور تم (دوسرے کنارہ پر انہیں غرق ہوتے) دیکھ رہے تھے۔ اور (ہمارا تیسرا انعام تم پر اس وقت ہُوا تھا) جب ہم نے (تمہاری ہدایت کے لئے) مُوسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا

مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ ٤٩ وَاِذْ
نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ
اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ○
٥٠ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○
٥١ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ
ظٰلِمُوْنَ ○ ٥٢ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○
٥٣ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ ٥٤ وَاِذْ قَالَ
مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى
بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ
اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ ٥٥ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى
نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ٥٦ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ
مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ ٥٧ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا
عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ ٥٨ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا
حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ

چھٹے رکوع میں بنی اسرائیل کو بڑے بڑے انعامات الٰہی یاد دلائے گئے ہیں۔ بنی اسرائیل ان انعامات الٰہیہ کا مناسب شکر بجا نہیں لاتے۔ موسیٰؑ و ہارونؑ کے زیر اثر رہ کر بھی بالعموم شرارتوں سے باز نہیں آئے۔ بیابانوں میں رہتے ہوئے بھی اپنی جانوں پر ظلم ہی کرتے رہے اور شہری زندگی میں قدم رکھکر بھی تمام قیود و حدود کو بالائے طاق رکھدیا اور فسق و فجور کا پورا حق ادا کیا۔ جب ان کا اس بستی میں رہنا بھی محال ہو گیا تو پھر موسیٰؑ انہیں بیابان میں لے آئے تاکہ دوسرے لوگ ان کے شر سے بچیں۔ اور اگر پہلے نہیں تو اب ہی تھوڑے پر قناعت کرنا، کفایت شعار بننا، مصائب جھیلنا اور صبر کرنا سیکھیں۔ انہیں کھانے پینے کو تو مل ہی جاتا تھا وہ اپنی زندگی توجہ الی اللہ اور باہمی تعلیم و تعلّم میں گذار سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے بدوی زندگی کے فوائد و فضائل حاصل نہیں کئے بلکہ وہ اس کے معائب و نقائص کی طرف جھکے۔ وہ زمین میں فساد مچانے کی طرف مائل ہوئے۔ وہ جبّارین کے خلاف (جو دوسری بے ضرر اقوام کو ستاتے، ان پر ظلم ڈھاتے اور ان کی حقوق دباتے تھے) جنگ کرنے سے خائف تھے۔ لیکن ان مظلوم اقوام کی (جو ان کی دوستی کی خواہاں تھیں) مدد کرنے کی بجائے اُلٹا انہیں لوٹ لیتے اور یوں زمین میں فساد مچاتے پھرتے تھے اس طرح انہوں نے تمام اقوام کو اپنا دشمن بنا لیا اور اپنے حق میں ایسے کانٹے بوئے جن کی وجہ سے وہ اس بیابان میں چالیس سال تک مارے مارے پھرتے رہے۔ جب کسی قوم سے اصلی خوبیاں جاتی رہتی ہیں۔ تو انہیں رسمی مذاہب قومی فخر اور زبانی دعوے کوئی کام نہیں دے سکتے۔ لیکن جن لوگوں میں اصلی نیکیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ انہیں مناسب طریق پر عمل میں لاتے اور ظاہری و باطنی فوائد حاصل کرتے جاتے ہیں

جب موسیٰؑ بنی اسرائیل کو دوبارہ بیابان میں لے آئے تو انہیں پھر منّ و سلویٰ ہی کھانے کو ملا لیکن ایک موقعہ پر پانی کی سخت قلّت ہو گئی۔ اُوپر سے بھی پانی نہ برسا۔ بنی اسرائیل بڑی تکلیف میں تھے۔ موسیٰؑ نے خود ہی اپنی قوم کے لئے خدا تعالیٰ سے پانی مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی حالتِ زار پر رحم فرما کر موسیٰؑ کو ایک پہاڑ پر ایسے مواقع اپنے الہام سے بتا دیئے جہاں سے پانی بالکل قریب تھا۔ اور اگر عصا سے کام نہ لیا جاتا تو پانی قدرتی طور پر کافی دیر میں اپنا راستہ بناتا جس میں بہت سے بنی اسرائیل مر گئے ہوتے اور ممکن تھا کہ صرف ایک ہی چشمہ نکلتا جس پر پیاس کی شدت میں ان کے بارہ قبیلے آپس میں لڑ مرتے چشموں سے پانی پہلے تھوڑا تھوڑا نکلتا ہے۔ پھر زور کر کے بڑا راستہ بنا لیتا ہے ایسی صورت میں ایک چشمہ بارہ پیاسے قبائل کے لئے بہت دیر کے بعد کام دے سکتا۔ پھر اگر پانی کیلئے اُوپر کو راستہ نہ بنایا جاتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ وہ پانی کسی اور طرف زور کر کے پتھر کے نیچے ہی نیچے کسی دُور اور دشوار گذار مقام پر جا نکلتا

موسیٰؑ کا عصا ایسا تھا۔ جو بکریاں چرانے والوں کے پاس ہُوا کرتا ہے۔ اس میں لوہا بھی لگا ہوتا ہے

تھا۔ پھر تم نے اس کے (پہاڑ پر جانے کے) بعد بچھڑے کو (معبود) پکڑا تھا۔ اور تم ظالم تھے۔ پھر ۵۲ ہم نے اس (تمہارے ظلم) کے بعد تم سے درگذر کیا۔ تاکہ تم (اس معافی کا) شکر بجالاؤ۔ اور ۵۳ (ہمارا چوتھا انعام جب ہوا تھا) جب ہم نے موسے کو (اپنی وحی کے ساتھ) کتاب اور (وحی سے علاوہ انتظام کی خاطر) تمیز (وعقل و فہم) دی تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اور ۵۴ (پانچواں انعام وہ تھا) جب موسی نے اپنی قوم سے کہا "اے میری قوم! بلاشبہ تم نے بچھڑے کو (معبود) پکڑ کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ سو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو۔ پھر اپنی جانوں کو قتل کرو۔ یہ تمہارے لئے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے" تو (تمہارے پیدا کرنے والے نے موسیٰؑ کے اس جبری حکم سے تمہیں بچا لیا اور بلا قتل) تم پر مہربانی کے ساتھ رجوع کیا۔ بلاشبہ وہ بڑا رجوع کرنے والا مہربان ہے لہ۔ اور ۵۵ جب (موسیٰؑ تم میں دین الٰہی کی تبلیغ کرتے تھے تو) تم نے کہا۔ اے موسیٰ ہم تیری بات نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ سو (موسیٰؑ تمہیں خداتعالیٰ کے فرمودہ وقت پر پہاڑ پر لے گئے۔ اور جب اس آتش خیز پہاڑ میں زلزلہ آیا تو) دیکھتے دیکھتے تمہیں بیہوشی نے آپکڑا پھر ۵۶ ہم نے تمہاری اس موت (کی حالت) کے بعد تمہیں اٹھا کر کھڑا کیا تاکہ تم شکر کرو۔ اور ۵۷ (بیابان سینا کی جلتی ریگ سے محفوظ رکھنے کیلئے) تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور (تمہارے کھانے کیلئے مناسب درختوں پر) ترنجبین اور سلویٰ (یعنی تیتر و بٹیر کی طرح کے خاص موسم پر آنے والے پرندے لا) اتارے (یہ چھٹا انعام تھا۔ اور ہم نے کہا) ان طیبات میں سے جو ہم نے تمہیں دی ہیں (ایک حصہ) کھاؤ۔ (اور باقی کی وقت ضرورت کیلئے حفاظت کرو۔ لیکن انہوں نے ان طیبات کو ضائع کیا) اور (اس طرح انہوں نے) ہمارا کچھ نہ بگاڑا۔ ولیکن اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اور ۵۸ جب (تم تنگ ہوئے تو ہم نے ایک بستی والوں کے دلوں میں تمہاری مہمانی کا شوق ڈالا۔ اس بستی والوں نے اپنے باغوں اور پھلوں سے فائدہ اٹھانے کی تمہیں اجازت دی اور ہر طرح کی سہولت تمہارے لئے بہم پہنچائی۔ اگر تم نیکی کرتے تو اس تمدنی حالت میں بہت ترقی کر سکتے تھے۔ مگر تم نے وہاں آرام پا کر بہت بدکاریاں کیں۔ اور بیماری اور قحط میں پھنس گئے۔ آخر منّ و سلویٰ کے موسم میں پھر اس بستی سے بھی نکلنا پڑا۔ پس اس ساتویں انعام کی خاطر) ہم نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو سو یہاں سے جہاں چاہو۔ بافراغت کھاؤ اور سجدہ کرتے ہوئے دروازے سے داخل ہو۔ اور کہو (ہمارا مقصود) بخشش (اور تلافی مافات ہے) اور (اگر نیکی کرو گے تو) ہم قریب ہی نیکی کرنے والوں کو اور ترقی دیں گے۔ پھر ۵۹ ان ظالموں نے اس بات کے خلاف جو انہیں کہی گئی تھی اور بات بدل لی۔ سو ہم نے ان ظالموں پر ان کی بدکاری کے سبب آسمان سے عذاب نازل کیا (اس کے بعد ان کو اس بستی سے نکل کر پھر بیابان ہی میں آنا پڑا)

لہ گویا موسی علیہ السلام کے غیر وحی فیصلے غلط بھی ہو سکتے تھے

ترکاری یا درنگ اور گیہوں، مسور اور پیاز کی بھی ضرورت ہے۔ اگر ان کے چھننے سے بند کرتے ہو۔ تو ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو کہ پانی کی طرح یہ چیزیں بھی زمین سے نکال دے۔ موسیٰؑ نے فرمایا کہ کیا تم حلال کے عوض حرام کو یا اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ کو لینا چاہتے ہو؟ اگر جائز طور پر ان اشیاء کو لینا چاہتے ہو تو دوستانہ طور پر کسی شہر میں جا اُترو۔ پانی تو پتھروں کے نیچے موجود تھا اور بادلوں سے بھی آسکتا تھا۔ یہ چیزیں مذکورہ شہر میں موجود تھیں۔ ہر شئے کو مناسب موقع سے حاصل کرنا لازم ہے ایسی دعا کرنا معتدین سے بنتا ہے پ

لیکن وہ عصیان (حق کی نافرمانی) اور عدوان (جبر و تعدی) سے باز نہ آئے۔ ان میں یہ مرض بڑی شدت کے ساتھ تھا۔ موسیٰؑ کے بعد بھی جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے نبی۔ اللہ تعالیٰ کی آیات لاتے رہے۔ تو وہ اپنی بدعادات کے مطابق آیات اللہ کا عصیان کرتے اور انبیاء کے ساتھ عدوان سے پیش آتے رہے۔ بلکہ انہیں قتل بھی کرتے رہے۔ آیات اللہ کے عصیان کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان پر ذلت و مسکنت چھا گئی۔ اور انبیاء کے قتل کا یہ پھل ملا کہ وہ خدائے رحیم سے بجائے رحمت و نعمت پانے کے غضب کے ساتھ مڑ آئے

اس رکوع کا ماحصل یہ ہے کہ جس قوم میں اصلی خوبیاں اور نیکیاں نہ ہوں بلکہ وہ عصیان و عدوان کی بدعادات میں مبتلا ہو۔ اس کا بہت سی کتابیں رکھنا اور بڑے بڑے نبیوں کی اُمت یا اولاد ہونا، اور اس پر فخر و مباہات کرنا اس کے کچھ کام نہیں آسکتا -

خدا تعالیٰ کے رسل و انبیاء (بشرطیکہ وہ "خاف مقامی و خاف وعید کی شرط پر قائم رہیں) وحیٔ الٰہی کی پوری پوری تبلیغ کر کے اور اپنا غلبہ دیکھ کر فوت ہوتے ہیں خواہ وہ قتل کئے جائیں یا کسی اور طرح سے مر جائیں۔ یہ کہنا کہ کوئی رسولؑ و نبیؑ کسی حالت میں بھی قتل نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید کے صراحتہً خلاف ہے۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ نے کسی نبی سے یہ وعدہ کر لیا ہو کہ "واللہ یعصمك من الناس" تو وہ اس وعدہ کے بعد کسی کے زہر دینے کے اثر سے نہیں مارا جاسکتا

رکوع ۷

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ○ وَإِذْ

اسی عصا سے پہاڑ کو مناسب موقع پر ضرب لگانے کا حکم ہوا تھا

بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے ہر ایک کیلئے پہلے ہی سے ایک ایک گھاٹ معین کر دیا گیا تھا۔ پانی نکلنے پر ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے مشرب کو جان کر اس پر جمع ہو گیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ان بارہ قبائل کے لئے وہ بارہ چشمے کافی فاصلہ پر نکالے گئے تھے۔ اور وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے تھے۔ وہ چشمے کسی ایسے پتھر سے جسے وہ اپنے ساتھ اٹھائے لئے پھرتے ہوں، نہیں نکلے تھے

جب چشمے قدرتی طور پر نکلتے ہیں تو پہلے چھوٹے چھوٹے سم کھلتے ہیں اور تھوڑا تھوڑا پانی نکلنا شروع ہوتا ہے۔ پھر اگر اس پانی کا ذخیرہ بہت اونچا اور بہت زیادہ ہو تو وہ پانی زور کر کے جلدی ہی اپنا راستہ فراخ کر کے بڑے جوش و خروش سے نکلنے لگتا ہے۔ مذکورہ بالا چشمے (جیسا کہ قرآن پاک سے مترشح ہے) اسی طرح نکلے تھے۔ پہلے پانی کا "انبجاس" ہوا۔ پھر "انفجار" ہونے لگا۔ مختصر یہ کہ یہ چشمے قدرتی رنگ ہی رکھتے تھے

پتھروں سے چشموں کا اور پھر ان سے نہروں اور دریاؤں کا جاری ہونا بالکل قدرتی بات ہے۔ "بعض پتھروں میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے کہ اس سے نہریں یا دریا بہہ نکلتے ہیں۔ اور بلا شبہ ان میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ پھٹ جاتا ہے اور اس سے پانی نکلتا ہے" (پ۱) گویا حجارہ میں سے کوئی نہ کوئی ایسا بھی حجر ہوتا ہے جس سے عصا کی مدد کے بغیر ہی دریا جاری ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر اعلام و الہام الٰہی کے بعد مناسب مواقع پر لوہے والے عصا کی ضروب سے بھی کام لیا جائے تو کیا اس کے مفید ہونے میں کوئی کلام ہو سکتا ہے؟ لوگ کدال وغیرہ کے ذریعہ سے زمین کے نیچے سے پانی نکالتے اور کنوئیں کھودتے ہیں۔ مٹی یا پتھر خود کبھی پانی نہیں بن جاتے اور نہ پانی کو نئے سرے سے بنا ہی لیتے ہیں۔ ہاں مٹی یا پتھر کے نیچے جہاں پانی ہو وہاں سے پانی نکل سکتا یا نکالا جا سکتا ہے

یہ بھی یاد رہے کہ اشد ضرورت اور سخت مصیبت کے وقت مصیبت زدوں کو اس قسم کے جو الہام ہو جاتے ہیں۔ ان کا نبیوں یا رسولوں کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ مجیب الدعوات نئے نئے طریقوں سے اپنے مضطر بندوں کے کام آتا رہتا ہے۔ کسی کو خواب میں اطلاع ملتی ہے تو وہ اپنے گھر ہی کی زمین کھود کر گڑا ہوا مال نکال لیتا ہے۔ کسی کے لئے اور ہی طریق سے فتوحات ہونے لگتے ہیں۔ حقیقی کارساز کی سبب سازی میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا

الحاصل جب بنی اسرائیل کو بیابان سے کھانا، پانی کافی طور پر بہم پہنچنے لگا۔ تو انہیں حکم ہوا کہ خدا تعالے کے دیئے ہوئے رزق سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔ یعنی بے ضرر اقوام کے مال و طعام کو مت چھینو۔ تو انہوں نے موسٰےؑ سے کہا کہ ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے۔ ہمیں ساگ پات اور

ساتویں رکوع میں دکھلایا گیا ہے کہ کسی بڑے سے بڑے مذہب کا نام لیوا ہونا اصل نیکیوں کے بغیر کچھ چیز نہیں۔ جب کام صحیح نہ ہو تو محض نام کچھ کام نہیں دے سکتا۔ اِس رکوع میں یہ بتلایا ہے۔ کہ نام کچھ ہی کیوں نہ ہو، کام کا صحیح ہونا لازم ہے۔ سب مذاہب میں اصل نیکیاں ہی مقصود اصلی ہیں۔ اِس رکوع میں اصلی نیکیاں یہ قرار دی گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر سچّا ایمان رکھا جائے اور کام ایسے کئے جائیں جن میں صلاحیت ہو

بنی اسرائیل بالعموم اِس معقول بات سے رُوگردان تھے۔ وُہ سمجھتے تھے کہ ہم خدا تعالیٰ کی خاص قوم ہیں۔ آخرت کا گھر صرف ہمارے لئے ہے۔ دُوسروں کیلئے بالکل نہیں۔ یہودی کہتے تھے کہ جنّت میں صرف یہودی ہی داخل ہوں گے اور عیسائی خیال کرتے تھے کہ جنّت عیسائیوں ہی کے لئے مختص ہے۔ دُوسرے عالم میں نجات دلانے اور شفاعت کرنے کے لئے صرف مُوسیٰؑ اور عیسیٰؑ ہی کا دخل ہے۔ پس نجات کا تعلّق صرف ہمارے اپنے سلسلوں کے ساتھ خاص ہے

بنی اسرائیل صرف دوسرے لوگوں کے کمالات و حسّیات اور خوبیوں کے مُنکر نہ تھے بلکہ جس تعلیم کو وُہ اپنی سمجھتے تھے اس سے بھی مُنہ موڑتے تھے حالانکہ اس تعلیم کو مضبُوطی کے ساتھ پکڑنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا عہد ان سے ایسے ہولناک وقت میں لیا گیا تھا جسے اُنہیں مدّتوں یاد رکھنا چاہئے تھا۔ لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ انہوں نے اُسی وقت "سمعنا و عصینا" کہہ دیا تھا

کوہ طور ایک آتش خیز پہاڑ تھا۔ لیکن وُہ اِس وقت سرد ہو کر بُجھا پڑا ہے۔ مُوسیٰؑ کے زمانہ میں وُہ خوب زور شور پر تھا اور عملی طور پر وقتاً فوقتاً اپنا جوش خروش دکھاتا تھا۔ بنی اسرائیل نے پہاڑ کے نیچے ڈیرے ڈالے تھے۔ پہاڑ ان کے سر کے اُوپر بلند تھا۔ پہاڑ میں اُس وقت زلزلہ لے آ رہے تھے اور وُہ اِس طرح جُھک کر اُن کے سروں پر آتا تھا گویا وُہ سائبان تھا اور انہیں ہر دم اُس کے اُن پر آ گرنے کا خدشہ لاحق تھا

سخت زلزلہ کے وقت بعض اوقات پہاڑ اپنی بنیادوں سے ہل کر زمین کے اوپر اُبھر آتا اور پہلے کی نسبت زیادہ اونچا ہو جاتا ہے۔ زلزلے کے جھکولوں سے پہاڑ کے پتھر اُڑ کر سروں کے اُوپر سے گذر جاتے ہیں ایسے خوفناک وقت کا عہد قابلِ یادداشت ہے۔ ایسے واقعات سے خدا تعالیٰ کے جلال اور مواخذہ کا نقشہ مدتوں سامنے رہ سکتا ہے مگر انہوں نے جلدی ہی اس عہد کو پس پُشت ڈال دیا

پھر بنی اسرائیل نے خدائی عہد ہی سے مُنہ نہیں موڑا بلکہ انہوں نے سرکشی و نافرمانی کے ساتھ خود اپنے ذمّے لئے ہُوئے بوجھوں کو بھی اُٹھاتے نہیں رکھا بلکہ "سبت" جیسی ہلکی باتوں کو بھی نہ نباہ سکے۔ سیدھی

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَٰحِدٍ فَٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا
مِمَّا تُنۢبِتُ ٱلْأَرْضُ مِنۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ
قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ ٱلَّذِى هُوَ أَدْنَىٰ بِٱلَّذِى هُوَ خَيْرٌ ۚ ٱهْبِطُوا۟ مِصْرًا
فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ ٱلذِّلَّةُ وَٱلْمَسْكَنَةُ وَبَآءُو
بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا۟ يَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَيَقْتُلُونَ
ٱلنَّبِيِّۦنَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا۟ وَّكَانُوا۟ يَعْتَدُونَ ۝

ترجمہ۔ اور (جب بنی اسرائیل اپنے فسق وفجور کے سبب تمدنی زندگی کے ناقابل ہوکر مذکورہ بالا بستی سے نکل کر دوبارہ بیابان میں آئے تو انہیں کھانے کیلئے منّ وسلوٰی ملنے لگا۔ لیکن ایک موقعہ پر پانی کی بڑی قلّت ہوئی۔ اس وقت کو یاد کر) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کیلئے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ الحجر (یعنی اس پہاڑ کو ہمارے بتائے ہوئے مناسب مواقع پر) اپنے عصا سے ضرب لگا۔ تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے (بنی اسرائیل کی) ہر ایک قوم (یا قبیلے) نے اپنا اپنا گھاٹ (جو پانی نکلنے سے پہلے اُن کے لئے مقرر کیا گیا تھا) جان لیا (سو انہیں حکم ہوا کہ) اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد مچاتے (بے ضرر قوموں کو ستاتے اور لوٹتے) نہ پھرو۔ اور (یہ بھی یاد کرو) جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کرینگے۔ سو اگر تو ہمیں فساد سے روکتا ہے تو) تو ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دُعا کر کہ وہ ہمارے لئے (زمین سے پانی کیطرح) وُہ چیزیں نکالے جو زمین اپنے ساگ پات اور اپنی خیار اور اپنے گندم اور اپنے مسُور اور اپنے پیاز سے اُگاتی ہے۔ (موسیٰ نے) کہا۔ کیا تم اُس چیز کے عوض میں جو خیر ہے ادنیٰ چیز کو بدل لینا چاہتے ہو؟ (اگر ان چیزوں کو جائز طور پر حاصل کرنا چاہتے ہو تو) کسی شہر میں جا اُترو۔ (اگر ایسا کرو گی) تو تمہارے لئے وہ چیزیں ہونگی جو تم نے مانگی ہیں (اور چونکہ انہوں نے اپنے عصیان وعدوان کو نہ چھوڑا، آخر کار) اُن پر ذلّت اور مفلسی ڈالی گئی اور اللہ کیطرف سے (بجائے رحمت کے) غضب کیساتھ لوٹ آئے (ان پر یہ (ذلّت ومسکنت) اِس لئے ڈالی گئی تھی کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ اور (اُن پر غضب الٰہی اِس لئے واقع ہوا کہ وہ اپنے) نبیوں کو بغیر کسی حق کے (محض ظلم سے) قتل کرتے تھے (پھر آیات اللہ کا) یہ (انکار) اس لئے تھا کہ انہوں نے عصیان کیا اور (قتل انبیاء ان سے اس لئے سرزد ہوتا تھا کہ) وہ تعدّی کرتے تھے

ہر طرح کوشش کرکے ناکام ہو کر یہ کہہ دے کہ "جا گدھا بن" نیز دیکھو $\frac{6}{13}$ نساء اور $\frac{6}{13}$ مائدہ

اس واقعہ کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسے موجودہ اور آیندہ انسانوں کے لئے عبرت اور متقیوں کیلئے نصیحت بنایا اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی بات دوسروں کیلئے عبرت اور نصیحت اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب وہ دوسروں پر بھی وارد ہو سکے۔ جس بات کا پھر کبھی وقوع ہی نہیں ہو تا وہ تمام لوگوں کے لئے عبرت و نصیحت کیسے بن سکتی ہے؟

بقرۃ کی ۃ تائے وحدت ہے۔ نہ تائے تانیث۔ بقرۃ نر گاؤ کو بھی کہتے ہیں اور مادہ کو بھی۔ بقرۃ کی ۃ کو گرانے سے بقر اسم جنس بن جاتا ہے۔ بقر لفظاً مذکر ہے اور بقرۃ لفظاً مؤنث آتا ہے۔ مگر معنے کے لحاظ سے یہ دو لفظ نر گاؤ اور مادہ گاؤ ہر دو کیلئے مستعمل ہوتے ہیں

بنی اسرائیل نے جس بقرۃ کو چھوڑا تھا وہ سانڈھ تھا۔ اسی لئے اس کے متعلق فرمایا کہ وہ ہل نہیں چلاتا اور نہ کھیت کو پانی دیتا ہے۔ نہ اس پر کچھ لادا جاتا ہے۔ یہ سانڈھ خوبصورت، گہرے زرد رنگ والا، بیداغ اور نوجوان تھا۔ یہ ہر طرح سے بے عیب اور سڈول تھا۔ نہ اس کا سینگ ٹوٹا تھا اور نہ ہی اس پر کسی زخم کا نشان تھا۔ وہ بالکل صحیح وسالم اور تندرست تھا۔ موسیٰ کو خدا تعالیٰ نے اس سانڈھ سے خبردار کر دیا اور فرمایا کہ اپنی قوم سے کہو کہ ایک بقرہ ذبح کرے۔ اس بیابان میں من وسلویٰ کے بغیر اور کوئی کھانا نہیں ملتا تھا۔ اس ایک بقرہ کے سوائے جو انہوں نے کہیں دوسرے پوشیدہ طور پر منگایا تھا کوئی اور بقرہ کیسے موجود ہو سکتا تھا؟ قوم موسیٰ جانتی تھی کہ ہمارے پاس ایک بقرہ ہے۔ مگر چونکہ وہ اسے بچانا اور چھپانا چاہتی تھی۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ ایسے بیابان میں ایسا حکم دینا ٹھٹھا کرنا ہے۔ موسیٰ نے تو ان سے ٹھٹھا نہیں کیا تھا۔ ہاں وہ بالضرور موسیٰ کو ٹھٹھے میں اڑا رہے تھے۔ اسی لئے انہوں نے بار بار کہا کہ اپنے رب سے پوچھکر بتلا کہ اس کی کیا عمر ہے؟ اس کا کیا رنگ ہے؟ اس کے دیگر حالات کیا ہیں؟ حضرت موسیٰ کو چونکہ پہلے ہی سے اطلاع مل چکی تھی اس لئے وہ بلا توقف جواب دیتے رہے اور یوں دکھلا دیا کہ بار بار پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آخر جب انہوں نے حکم حاکم سے خلاصی نہ دیکھی تو بادل ناخواستہ اسے ذبح کیا اور اگر ان کا بس چلتا تو نہ کرتے

رکوع ۸

۶۲ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ۶۳ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ

سادی موحدانہ ملتِ ابراہیمی سے انحراف کر کے بہت سی ذمہ داریاں انہوں نے اپنے اوپر لے لی تھیں "سبت" بھی اسی وجہ سے ان پر ڈالا گیا تھا۔ ایسی باتیں وحی کے ذریعہ سے بھی آ کر اصل دین نہیں بن جاتیں۔ لیکن جو لوگ ایسی رسوم کو باصرار اپنے سر پر لے لیں انہیں چاہئے کہ اُن کی مناسب رعایت کر کے دکھلائیں۔ جب انہوں نے خود اپنے ہی عہود کا پاس نہ کیا اور لوگوں کے سمجھانے سے بھی نہ سمجھے اور اس بدعہدی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آنے پر بھی نہ ٹلے تو انہیں کہا گیا کہ اب تم اصلاح سے بہت دور جا پڑے ہو، جاؤ! پھٹکارے بندر ہو

ہاں بنی اسرائیل ایک بات میں بڑے بہادر تھے۔ وہ بت پرستوں کی مشرکانہ رسموں کی پیروی کرنے کے لئے بڑے شوق سے آمادہ رہتے تھے۔ جب خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کیا، تو وہ ایک بت پرست قوم پر وارد ہوئے۔ اور اُنکے بتوں کو دیکھ کر للچا گئے۔ خدا تعالیٰ کے قریب ترین انعام کو بھی بھلا کر کہنے لگے کہ "اے موسیٰؑ ہمارے لئے اِن لوگوں کے معبود جیسا ایک معبود بنا دے"۔ اور جب موسیٰؑ پہاڑ پر گئے تو باوجود ہارونؑ کے منع کرنے کے اپنے زیوروں سے بچھڑا بنا کر اسے پوجتے رہے۔ وہ گاؤ پرستی پر فدا تھے۔ یہ عادت انہوں نے فرعون کی غلامی میں ملک مصر سے حاصل کی تھی۔ جب اُن کے پاس دوبارہ بچھڑا بنانے کا سامان نہ رہا اور اُن کی طبیعت پھر گاؤ پرستی پر مائل ہوئی تو انہوں نے موسیٰؑ سے چھپا کر ایک زندہ سانڈھ چھوڑ دیا۔ پہلا تو گائے کے بچے کا ایک ڈھانچ تھا مگر دوسرا نوجوان سانڈھ تھا۔ پہلا جلا کر اڑایا گیا اور دوسرا ذبح کیا گیا تھا۔ پہلا کھلم کھلا پکڑا گیا تھا، لیکن دوسرے کے چھپانے کی تمام کوششیں کی گئیں بنی اسرائیل نے گاؤ پرستی کی یہ ایک اور کوشش کی تھی۔ جو لوگ جذبات کے غلام ہوتے ہیں ان کی توبہ بہت جلد ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ غلامی سب سے بدتر غلامی ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق رکھنا اور آخرت کی زندگی کو دنیا کی فانی زندگی پر ترجیح دینا اور صلاحیت والے اعمال بجا لانا ہی اس غلامی سے رہائی دلا سکتا ہے۔ کوئی اور چیز جذبات و توہمات اور نفسانی اہواء و ترغیبات سے نہیں بچا سکتی۔ یہی اصلی حکمت اور سچی عقل کی بنیاد ہے

بنی اسرائیل کے متعلق ایسے بیانات سے اُن کی کسی پشت کے عیب گننا مقصود نہیں بلکہ یہ سبق دینا منظور ہے کہ بہت سے نبی اور بہت سی کتابیں، بہت سے شفعاء اور بہت سے فرضی معجزات کسی قوم کو کچھ کام نہیں دے سکتے۔ کام کی چیز صرف دینداری کی حقیقی روح اور سچی نیکیاں ہیں۔ حق قدیم ہے اور اسلام زمین و آسمان کے تمام مکانوں اور زمانوں کا دین ہے۔ نبی اسی قدیم اسلام کے اتباع سے مسلم بنتے، اور لوگوں کو یہی قدیم اسلام سکھاتے ہیں۔ وہ خود اسلام میں داخل اور خدا تعالیٰ کے ساتھ شامل نہیں ہوتے

حواشی۔ کونوا قردۃ خاسئین۔ یہ اس قسم کی بات ہے جیسے ایک استاد اپنے لاپرواہ اور کند ذہن شاگرد کی تعلیم میں

اسرائیل نہ تم اس اصول کی قدر کرتے ہو اور نہ خدا کی اپنی دی ہوئی تعلیم پر چلتے ہو۔ بھلا ذرا وُہ وقت تو یاد کرو)
جب ہم نے تمہارا پختہ عہد لیا۔ اور (کوہ) طور کو (زلزلوں کے ساتھ تمہارے سروں پر جھکا یا بلکہ جڑوں سے
ہلا کر اور زمین سے ابھار کر) تم پر اونچا کیا (اور اُس خوفناک وقت میں کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے
مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔ اور جو کچھ (تعلیم) اُس کے اندر ہے (اُسے خود بھی یاد رکھو اور) اس کا (دوسروں کے
سامنے بھی) ذکر کرو تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ ۶۴ پھر تم نے اس کے بعد ہی (اس عہد سے) رُوگردانی کی۔ پس اگر تم
پر اللہ کا فضل نہ ہوتا (یعنی وُہ تمہیں تمہارے تائب ہونے اور سُدھر جانے کیلئے ڈھیل نہ دیتا) اور اسکی رحمت
(نہ ہوتی جو تمہاری سابقہ مصیبتوں اور غلامیوں پر نگاہ کر کے کی گئی تو) ضرور تم (اپنی ان شرارتوں کے
سبب) گھاٹے والوں میں ہو جاتے اور (نہ تم نے خود اپنے ذمّے لئے ہُوئے سبت ہی کو ننگہ رکھا۔ چنانچہ)
۶۵ تم ضرور ان لوگوں کو جان چکے ہو جنہوں نے ہفتہ کے دن تم میں سے زیادتی کی۔ تو ہم نے (بالآخر) اُنسے
کہا کہ (جاؤ) بنو بندر دھتکارے۔ ۶۶ پھر ہم نے اس (بستی کی ہلاکت) کو اُن (بستیوں) کے لئے جو اس کے
سامنے اور اس کے پیچھے (موجود) تھیں، ایک عبرت بنا دیا اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت (بنا دیا) ۶۷ اور
(بفحوائے یضاھؤن قول الذین کفروا من قبل" بُت پرستوں کی مشرکانہ رسوم کی پیروی کرنے میں تم
ہمیشہ دلیر رہے چنانچہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بلاشبہ اللہ تمہیں ایک سانڈھ کے ذبح کرنے کا
حکم دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کیا تو ہمسے ٹھٹھا کرتا ہے؟ (موسیٰ) بولے میں اس بات سے خدا کی پناہ میں آتا ہوں
کہ جاہل بنوں۔ ۶۸ انہوں نے کہا کہ تو اپنے ربّ سے دُعا کر کہ وُہ ہمارے لئے بیان کرے۔ کہ وُہ (سانڈھ) کیا
ہے (موسیٰ نے) کہا کہ بلاشبہ وُہ بتلاتا ہے کہ وُہ ایسا سانڈھ ہے جو نہ بُوڑھا ہے اور نہ بچہ (بلکہ اِن (دونو
حالتوں) کے درمیان (خُوب) جوان ہے۔ سو تم (حیلے بہانے نہ بناؤ اور) وُہ کام کرو جس کا تمہیں حکم ملتا ہے
۶۹ انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے اپنے ربّ سے دُعا کر کہ وُہ ہمیں بتائے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟
(موسیٰ نے) کہا بلاشبہ وُہ بتلاتا ہے کہ وُہ ایسا سانڈھ ہے کہ جس کا رنگ گہرا زرد ہے۔ وُہ (سانڈھ)
دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہے۔ ۷۰ اُنہوں نے کہا کہ تو ہمارے لئے اپنے ربّ سے دُعا کر کہ وُہ ہمیں
بتلائے کہ وُہ کیسا ہے؟ بلاشبہ ایسے سانڈھ (دنیا میں اکثر ہونے کے سبب) ہم پر مشتبہ ہیں اور (اب)
ہم بالضرور اگر خدا نے چاہا تو راہِ راست پر آجائیں گے ۷۱ (موسیٰ نے) کہا بلاشبہ وُہ بتلاتا ہے کہ بالضرور وُہ ایسا
سانڈھ ہے جو کام میں نہیں لگایا گیا تا کہ زمین کو جوتے اور نہ وُہ کھیتی کو پانی دیتا ہے۔ وُہ صحیح وسالم ہے اس
میں کوئی داغ نہیں (اس وقت) وُہ بولے کہ اب تو ہمارے پاس ٹھیک بات لایا ہے۔ الغرض اُنہوں نے
(بادلِ ناخواستہ) اُسے ذبح کیا۔ لیکن وُہ کرنے والے نہیں تھے

---

۱ وُہ لوگ اس سانڈھ کو یقیناً جانتے تھے اگر وہ غیر معین ہوتا تو بار بار اسکا پتہ نہ پوچھتے۔ یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ایک غیر معین سانڈھ کے متعلق
خدا تعالیٰ فرمائے کہ وُہ ایسا اور ایسا ہے؟ نیز ان کا یہ اقرار بھی اسی حقیقت کی تصدیق کرتا ہے

تَتَّقُوْنَ ○ ۶۴ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ۶۵ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا
مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٔيْنَ ○ ۶۶ فَجَعَلْنٰهَا
نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ ۶۷ وَاِذْ قَالَ
مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ
قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ ۶۸ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ
عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ○ ۶۹ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا
تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ○ ۷۰ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ
تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ○ ۷۱ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ
فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ○

ترجمہ۔ بلاشبہ ۶۲ وہ لوگ جو ایمان لائے (جیسے ہمارے رسول کریم کے پیرو) اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور وہ لوگ جو عیسائی ہیں اور وہ لوگ جو صابئی[1] ہیں (ان میں سے) جس کسی نے اللہ اور یوم آخر کو مانا اور صلاحیت والے کام کئے تو ان کا اجر ان کے ربّ کے پاس ہے۔ اور نہ اُن پر کوئی خوف ہے اور نہ غم۔ اور ۶۳ (اے بنی

[1] یعنی معقول پسند ربانی حضرات (Theo sophist) مثلاً برہم سماج جو الہامی مذاہب سے الگ ہوں

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ کتاب الٰہی کو اپنے اہواء کے پیچھے چلانا چاہتے اور اپنے آپ کو اور اپنے بزرگوں کو کلام الٰہی پر قابض و حاکم ٹھیراتے ہیں۔[1]

ان میں سے بعض لوگوں کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ اگر بالفرض کوئی رسولِ خدا یا احکم الحاکمین کے ارشاد کے خلاف بھی کچھ کہے تو اس کے قول کو اصل اور قاضی قرار دیکر کلامِ الٰہی کو اس کے پیچھے چلانا چاہیئے۔ خواہ وہ زمانہ کے محدود علم کے مطابق یا کسی سہو یا غلطی سے کہا گیا ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑی صفائی کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ "جب کلام اللہ سے ایک معنی سمجھ میں آجائیں (من بعد ما عقلوہ) تو اس کے بعد اسے بدلنا بہت بری بات ہے"

مناسب تو یہ تھا کہ یہ لوگ خود کلام اللہ سے اصل حقیقت کو سمجھتے (من بعد ما عقلوہ) اور پھر آیات اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کی پروانہ کرتے

کلام اللہ سے خود بخود سمجھ آنا اور بات ہے اور محض کسی کے کہنے سے بلا دلیل کلام اللہ کا ایسا مفہوم جو خود اس کی سمجھ میں آسکے قرار دے لینا اور بات ہے

یہ یہود کی عام طور پر حالت تھی۔ وہ فرقہ بندی کے دلدادہ تھے۔ ہاں ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ لوگ فرقہ بندی سے نفرت کرتے ہیں۔ یہودیں میں سے ایسے لوگ جب مسلمانوں کے پاس آتے تو مسلمان انہیں سمجھاتے کہ تمام منعم علیہم کا یہی صراط مستقیم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتے اور اس کی یاد کرتے تھے اور لوگوں سے خوش کلامی اور محبت سے پیش آتے تھے تو وہ یہود کہتے تھے کہ "ہمارا بھی اس پر ایمان ہے۔ ہماری کتابوں میں بھی ایسا ہی حکم ہے"۔ لیکن جب وہ لوگ اپنے متعصب ساتھیوں کے پاس جاتے تھے تو وہ انہیں کہتے تھے کہ "تم ان باتوں کو جو خدا تعالیٰ نے تم پر کھول دی ہیں، مسلمانوں کو کیوں بتلاتے ہو؟ اہل اسلام ان باتوں کی سند پر تمہیں خدا تعالیٰ کے حضور میں جھٹلائیں گے۔ کیا تمہیں عقل نہیں؟" لیکن خدا تعالیٰ کو ضرورت نہیں ہے کہ کوئی اسے بتلائے "تب وہ جانے"۔ بیشک یہ لوگ نہ بتلائیں خود خدا تعالیٰ خفیہ و ظاہر سب کچھ جانتا ہے

یہود کے عالموں کی شرارتوں کا تو یہ حال تھا۔ باقی رہے اُمّی لوگ۔ سو وہ کتاب الٰہی کو تو جانتے ہی نہ تھے صرف اپنی خواہشاتِ نفسانی پر چلتے اور ظنیات کی پیروی کرتے تھے۔ ان اُمیوں کی جہالتوں اور شرارتوں کی ذمہ داری بھی ایسے ہی مُلّاؤں پر عاید ہوتی ہے

جو مُلّا نے فتووں کو خود ہی اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ "یہ خدا تعالیٰ کے پاس سے ہے، یہ خدا تعالیٰ کی وحی ہے"۔ حالانکہ یہ خدا تعالیٰ کی وحی نہیں، یہ صرف اپنی اپنی دھڑا بندی، فرقہ سازی اور دنیا کا قلیل فائدہ اٹھانے کیلئے ایسا کرتے ہیں، ان کیلئے ان کے جھوٹے فتاوی کے سبب سے ویل ہے اور ان

[1] اس پر طرہ یہ کہ یہ حقیقت ان سے پوشیدہ نہیں کہ ہم میں ایسے ایسے احبار و رہبان دفعتاً ہو بھی چکے ہیں (وھم یعلمون)

ساتویں رکوع میں بنی اسرائیل کے عصیان و عدوان کو اصل بیان قرار دیا ہے۔ آٹھویں رکوع میں ان کے عصیان کا پورا نقشہ کھینچا ہے۔ اور اس رکوع میں ان کے عدوان کو واضح کرنے کیلئے ایک ظالمانہ قتل کا ذکر کیا ہے

جب موسیٰؑ بحکم الٰہی کوہِ طور پر معتکف ہونے کیلئے گئے تھے۔ تو ان کے بعد سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا اور انکے زیوروں سے ایک گائے کا بچھڑا بنا کر ان سے اس کی پوجا کرائی۔ ہارونؑ نے اسی وقت انہیں روکا تھا۔ لیکن وہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے اور قریب تھا کہ انہیں قتل کر ڈالتے (وکادوا یقتلونني الخ) لیکن خدا تعالیٰ نے انہیں اس وقت بچا لیا۔ وہ ہارونؑ کے ساتھ دلی دشمنی رکھتے تھے (فلا تشمت بی الاعداء) جب بنی اسرائیل نے موسیٰ سے پوشیدہ طور پر بیابان میں دوبارہ ایک جوان سانڈ کی پوجا شروع کی اور حضرت موسیٰؑ کو اس کا پتہ لگ گیا اور انہوں نے بحکم الٰہی اُسے ذبح کرا دیا تو اُس وقت بنی اسرائیل یہ سمجھے کہ ہماری یہ چغلی بھی غالباً ہارونؑ ہی نے کھائی ہے تو انہوں نے موقع پاکر اور ہارونؑ کو الگ لے جاکر زدو کوب کر کے یا کسی اور ذریعہ سے قتل کر دیا۔ موسیٰؑ کو ہر وقت پتہ لگ گیا تو انہوں نے ان کے جسم مبارک کو اٹھوا منگوایا اور بنی اسرائیل سے اُس قتل کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے اپنے آپ سے اس کی مدافعت کی اور باہمی سازش کر کے موسیٰؑ پر اس قتل کا الزام لگایا اور کہا کہ اس نے پہلے بھی اپنے بھائی کا سر اور ڈاڑھی پکڑ کر بے عزتی کی تھی۔ اِسے اُن کی شرکت بُری معلوم ہوتی تھی

غرضکہ جب تجویز الٰہی کو عمل میں لانے سے موسیٰؑ کو قاتلوں کا پتہ لگا (دیکھو حواشی) تو انہیں ایسی سزا دی کہ امن قائم ہو گیا۔ لیکن بنی اسرائیل کے دل پھر جلدی ہی اپنی سختی کی طرف لوٹ آئے۔ وہ نیکوں اور رسولوں کو قتل کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "پھر تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے بلکہ اشد قسوۃ بن گئے۔ پتھروں میں سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور بعض سے کچھ نہ کچھ پانی بھی نکل آتا ہے لیکن تمہارے دل نہ پسیجے اور پتھروں سے ایسے بھی ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کسی شخص کو ڈرانے یا سزا دینے کے لئے اِن پتھروں کو حکم کرتا ہے تو پہلے وہ پتھر خوفِ الٰہی کے اثر کو خود اپنے میں لیکر دہل جاتے اور گر پڑتے ہیں اور ان پر خوف کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن تمہارے دل نہ پہلے اور نہ پیچھے ہی خوفِ الٰہی کے اثر کو لے سکے۔ بلکہ ان پر خوف کی حالت طاری بھی نہیں ہوتی"

اور اَے مسلمانو! جب یہ لوگ نیکوں اور رسولوں کے ذریعے سے آئے ہوئے خدائی احکام پر ایسے سخت دل ہیں تو کیا یہ تمہاری وعظ و نصیحت سے مان جائیں گے؟ ان میں فقہا کا ایسا فریق بھی ہو چکا ہے جو کلامِ الٰہی یعنی توریتِ مقدس کو اچھی طرح سمجھ کر بھی اسے بدل ڈالتے اور نئے نئے مسئلے گھڑ لیتے تھے۔ ایسے سخت دل لوگوں کا

وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ○ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ
إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ○ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ
بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا
قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ○ وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا
أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ
عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً
وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ○

ترجمہ۔ اور جب[۷۲] (مشرکانہ سانڈھ کو اس قدر چھپانے کے علاوہ) تم نے ایک (عالیشان) نفس کو قتل کر دیا۔ پھر تم نے اُس کے متعلق قتل کے الزام کو کسی دوسرے پر ڈالا۔ اور اللہ اس بات کو جسے تم چھپاتے تھے ظاہر کرنے والا تھا۔ سو[۷۳] (اس نفس کو ہوش میں لانے کیلئے) ہم نے فرمایا کہ اس (نفس کے اصل جزء) کو اس نفس کے (دوسرے) بعض (یعنی ہاتھ پاؤں) سے مارو۔ اس تجویز سے (وہ نفس تھوڑی دیر کیلئے ہوش میں آگیا اور اُس نے تمام واقعہ کا پتہ لگا دیا) اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل کرو۔ پھر[۷۴] اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ سو وہ پتھروں کی مانند یا ان سے

کیلئے اس چیز سے بھی جو وہ کماتے ہیں، ویل ہے

دنیا کی تباہی و خرابی کے بھی یہی لوگ ذمہ دار ہیں۔ یہ لوگ فتویٰ دیتے ہیں کہ جو شخص ہمارے مذہب سے تعلق رکھتا ہو وہ خواہ گوسالہ پرستی ہی کرے تو بھی اس کیلئے تھوڑا سا عذاب ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگ اگرچہ وہ توحید الٰہی پر قائم اور خداتعالیٰ کے عابد ہوں اور سب کے ساتھ محبت و سلوک سے پیش آتے، سب کے حقوق ادا کرتے اور صدقات و خیرات بجالاتے ہوں تو بھی وہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں جائیں گے۔ کیا تمہارے ساتھ خداتعالیٰ کا کوئی ایسا عہد ہے، یا کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ کوئی بھی ہو جو شخص فی الحقیقت بدی کرے اور اس کی خطاکاری نے اسے گھیر رکھا ہو ایسا کہ اسے توبہ کی توفیق بھی نہ ملے تو وہ ناری ہے وہ اسمیں رہ پڑنے کے لائق ہے۔ اور جو کوئی خداتعالیٰ پر سچا ایمان رکھتا اور صلاحیت والے عمل کرتا ہے وہ جنتی ہے۔ وہ اس میں رہ پڑنے والا ہے

رکوع ۹

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ○
فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ
أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهٰرُ ۚ
وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ
خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○ أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ
وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ
بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا قَالُوا اٰمَنَّا

ہے کہ گائے کے جسم کا ٹکڑا لگانے سے مردہ زندہ ہو گیا۔ اگر یہ سبب زندگی دینے میں کوئی اثر نہیں رکھتا تھا تو ایسے فضول سبب کے ذکر سے کیا حاصل؟ اگر سبب کا ذکر کر کے اس کا نتیجہ بھی خود ہی پیش کیا جائے تو چاہیئے کہ مذکورہ سبب اس نتیجہ کے پیدا کرنے میں ضرور ہی مؤثر ہو۔ اس جگہ صرف سبب کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا نتیجہ اس کے مناسب ہی ہوگا۔ ہاں اگر اس کا نتیجہ زندہ و تندرست کر دینا تھا تو اس کا ذکر کہاں ہے؟

بنی اسرائیل اس سانڈھ کے ذبح کرنے سے بھاگتے تھے۔ کیا انہوں نے ایسا تجربہ کیا ہوا تھا کہ گائے کے ایک حصہ کے لگانے سے یہ مردہ زندہ ہو جائیگا؟ پھر موسیٰ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ انہی کے ہاتھ سے اسے ذبح کراتے؟ بہتر ہوتا کہ وہ خود ہی ذبح کر کے اس کے کسی حصہ کو اس مردہ سے لگا دیتے

نفس کا لفظ مؤنث ہے۔ اسی لئے اُس کے آگے ھا ضمیر مؤنث لائی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ فادارءتم فیھا۔ اس جگہ ھا کی ضمیر کے نفس کی طرف راجع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ پھر ببعضھا میں ھا کی ضمیر کا مرجع نفس ہی ہے۔ اضربوہ۔ کا لفظ درمیان میں آیا ہے۔ اس میں ہ کی ضمیر مذکر بھی بالاتفاق نفس کی طرف (اسے مقتول و میت وغیرہ قرار دے کر) پھرتی ہے، پس یہ تینوں ضمیریں مختلف لحاظ سے نفس ہی کی طرف پھرتی ہیں۔ ہاں حقیقت کے لحاظ سے ہ کی ضمیر مذکر نفس کی طرف نہیں پھرتی بلکہ نفس کے بڑے بعض کی طرف، جو خود نفس میں شامل اور اس کا ایک جزء ہے راجع ہے۔ بعض کی طرف مذکر ضمیر ہی پھیری جائے گی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایک چیز کے ایک بعض کو دوسرے بعض ہی سے مارا جائیگا۔ ایک چیز کے کل کو اس کے بعض سے مارنا بالکل محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نفس کے بڑے بعض کیلئے ہ کی ضمیر استعمال کی گئی ہے اور یہ بالکل صحیح ہے

انسان کا اصل بعض جس پر اس کا قیام ہے، اُس کے سر اور دھڑ کا مرکب حصہ ہے۔ ہاتھ اور پاؤں اس اصل جزء کے لئے بطور شاخوں کے ہیں۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اس نفس کے دھڑ والے حصہ کو اس کے ہاتھوں اور پاؤں سے مارو

جب کسی شخص کا تنفس بند ہو جاتا ہے اور دل کی حرکت رک جاتی ہے تو دوبارہ تنفس قائم کرنے کیلئے یہ عمل بھی کیا جاتا ہے کہ اس بیہوش آدمی کو کسی اونچی جگہ پر لٹا دیتے ہیں اور دو آدمی اُس کے ہاتھوں کو اور دو اور آدمی اُس کے پاؤں کو پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک شخص اُس کے ایک ہاتھ کو اُس کے سینہ پر لگاتا ہے۔ اور جب وہ اسے اُٹھا لیتا ہے تو دوسرے ہاتھ والا بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ پاؤں والے آدمی بھی اس کی ایڑیوں کو باری باری اس کے چوتڑوں پر مارتے ہیں۔ اس تدبیر سے کبھی کبھی تنفس قائم ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ تجویز خود اللہ تعالے نے اس شخص کیلئے مفید دیکھکر بتلائی تھی اس لئے اس کے حق میں اس کا نتیجہ خیز ہونا لازم تھا

حاصل یہ کہ وہ شخص اس سکتہ کی حالت سے الہی تجویز کے مطابق ہوش میں آ گیا۔ اور اس نے قاتلوں کا کافی و کامل طور پر ایسا پتہ لگا دیا جس سے کسی شخص کیلئے انکار کی کوئی گنجائش نہ رہی اور خدا تعالی کا وعدہ پورا ہو گیا کہ "جسے تم چھپاتے تھے، میں اسے ظاہر کرنے والا ہوں"۔ پھر اس شخص کی طاقت زائل ہونے لگی اور وہ سچ مچ مقتول ہو گیا اور خدا کا فرمان

بھی بڑھکر سخت ہیں۔ اور بلا شبہ ان پتھروں میں سے البتہ ایسا بھی ہوتا ہے جس سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں اور بلاشبہ ان (پتھروں) میں سے البتہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وُہ پھٹ جاتا ہے۔ سو اس سے پانی نکلتا ہے۔ اور بلاشبہ ان (پتھروں) میں البتہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وُہ خوفِ الٰہی سے دہل کر گر پڑتا ہے۔ اور (اگرچہ تم ایسے سخت دِل ہو۔ لیکن) جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُس سے غافل نہیں (جب انکی سختی کا یہ حال ہے تو) پھر کیا تم طمع کرتے ہو کہ وُہ تمہاری باتوں کو مانیں گے؟ حالانکہ ان میں (احبار و رہبان کا) ایسا فریق ہو چکا ہے جو اللہ کے کلام کو اس کے سمجھنے کے بعد بدل ڈالتے تھے۔ اور انہیں اِس (حقیقت) کا علم ہے۔ اور جب وُہ (لوگ جو ان میں سے فرقہ بندی سے بیزار ہیں) ایمانداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مؤمن ہیں۔ اور جب ان کے بعض بعض سے ملتے ہیں تو وُہ (ایسے لوگوں سے) کہتے ہیں کہ کیا تم ان (اہل اسلام) کو وُہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ وُہ اِس کے سبب سے تمہیں تمہارے رب کے حضور میں جھوٹا ثابت کریں، پھر کیا تم عقل نہیں کرتے؟ اور کیا یہ (حق کو چھپانے والے لوگ) نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ کو معلوم ہے۔ اور ان میں سے بعض اَن پڑھ لوگ ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے۔ اِلّا اپنی خواہشوں کو، اور وُہ صرف ظنّوں میں پڑے ہیں (ان لوگوں کی گمراہی کے ذمہ دار بھی یہی احبار و رہبان ہی ہیں) لہٰذا ان لوگوں کے لئے (اصل) ویل ہے جو (قانون کی) کتاب کو خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس کے عوض (دنیا کا) تھوڑا سا مول لیں۔ سو ان کیلئے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے ویل ہے اور ان کیلئے ان کی کمائی سے ویل ہے۔ اور (ان کے فتوے دیکھئے) کہتے ہیں کہ ہم (یہودیوں) کو بہت تھوڑے دن آگ چھوئے گی۔ تو کہہ کیا تم نے اللہ کے ہاں سے کوئی عہد لیا ہے کہ اللہ اس کا خلاف نہیں کریگا یا اللہ پر وُہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں؟ ہاں جو کوئی بھی (سخت) بدی کرے اور اُسے اُس کی خطا کاری نے گھیرا ہوا ہو تو وُہ لوگ جہنمی ہیں۔ وُہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور صلاحیت والے کام کئے تو وُہ جنتی ہیں۔ وُہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں

حواشی: ۱۔ واذ قتلتم نفسًا "کا مطلب ہے" جب تم نے ایک عالیشان نفس کو قتل کردیا"۔ قتلتم فعل ماضی ہے یعنی وُہ شخص سچ مچ قتل ہوگیا تھا اور اس قتل سے جانبر نہیں ہوا تھا۔ اگر ایک شخص کے متعلق ہمکو معلوم ہو کہ وُہ مقتول ہو چکا ہی لیکن بعدہٗ ہم اسے اس زمین میں تندرستی کے ساتھ چلتا پھرتا دیکھ لیں تو ایسے شخص کو کوئی بھی مقتول نہ کہیگا۔ پھر اگر بالفرض وُہ موت کے بعد زندہ ہو جاتا تو اتنے بڑے نتیجے کے مقابلہ میں صرف واللہ مخرج ما کنتم تکتمون کہہ دینا کافی نہ تھا۔ اس تجویز سے اصل مدعا یہ تھا کہ خدا تم قاتلوں کا پتہ لگا دے۔ یہ مقصود نہیں تھا کہ اُسے قتل کے بعد زندہ بھی کردے۔ یہ کیسی نادانی کی بات

جو ایک بات میں معبود ہوتا ہے وہ تمام باتوں میں بھی معبود ہوتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ معبودیت ایسی چیز نہیں جو بانٹی جا سکے۔ لیکن لوگوں نے معبودیت کے حصے کر دیئے ہیں اور بیشمار معبود گھڑ لئے ہیں۔ معبودیت کی تقسیم کرنے والا جو بھی ہو مشرک ہے۔ ذات باری تعالیٰ مصدر علم کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پرلے سرے کا ظلم ہے۔ کیا ذات باری تعالیٰ مصدر علم کے دو ایسے حصے ہو سکتے ہیں کہ ایک بالذّات ہو اور دوسرا بالغیر؟ یا یوں کہو کہ ایک معبود بالذات ہو اور دوسرا معبود بالغیر؟

پھر چونکہ خدا تعالیٰ کے سوائے کوئی اور عبادت کا حقدار نہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ خدا تعالیٰ میں کچھ ایسے خاصے ہوں جو کسی اور میں نہ پائے جائیں اور جن کے سبب سے خالص وہی ایک عبادت کا حقدار ہو

مثلاً خدا تعالیٰ اعیان مادہ و ارواح و مکان و زمان وغیرہ کو محض امکان سے موجود فی الخارج۔ یا یوں کہو کہ پیدا کر دیتا ہے۔ پیدائش کے اس معنی کے لحاظ سے کوئی اور شخص ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی ایک جزو یا حصہ کا پیدا کرنے والا ہو یا اُسے اس طرح پیدا کرنے کی طاقت دی جا سکے۔ جو شخص اس طرح پر ایک ذرہ بنا سکیگا وہ تمام ذرات کو بھی پیدا کر سکیگا۔ اندریں صورت یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ بعض مادہ اور بعض ارواح و بعض مکان و زمان کو تو خدا تعالیٰ پیدا کر دے اور بعض کو کوئی اور شخص بنائے اور پھر خدا تعالیٰ میں اور اُس شخص میں تمیز کی جائے کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات سے پیدا کرتا ہے اور وہ شخص خدا تعالیٰ کے طاقت دینے سے بالغیر وہی کام کرتا ہے اور یہ یاد رہے کہ ان دونوں صورتوں میں خلق کے معنے مختلف نہ لئے جائیں بلکہ خلق وہی "مثله معه" ہو۔ اگر ایسا کیا جائے تو خدا تعالیٰ کا خلق کرنا اور بندہ کا خلق کرنا ایسا ہو جائے گا جسکے متعلق یہ کہا جائے گا کہ "فتشابه الخلق عليهم" ۱۳

یا مثلاً خدا تعالیٰ نے تمام قوانین قدرت کو پیدا کیا ہے۔ کسی انسان نے کسی قانون قدرت کو نہیں بنایا۔ پھر کیا قوانین قدرت کے متعلق یہ کہنا ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے بعض قوانین قدرت کو خود پیدا کیا ہے اور بعض کو دوسرے شخص نے بالغیر ہو کر بنایا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ورنہ قوانین قدرت کے متعلق بھی یہی کہا جائیگا کہ فتشابه الخلق عليهم ۱۳

یا مثلاً اللہ تعالیٰ عالم الکل اور بے غلط ہے۔ لیکن کوئی صاحب اختیار انسان جو محض کٹھ پتلی ہو، اپنی اختیاری عقل سے کام لینے میں بے غلط نہیں ہو سکتا۔ تمام انسانوں سے دلیل پوچھی جائے گی۔ بغیر دلیل کے کسی انسان کی بات کو صحیح اعتقاد کر لینا ضروری نہیں۔ لیکن اگر ایک بات کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ یہ قول یا فعل خدا تعالیٰ کا ہے تو خدا تعالیٰ بے غلط ہونے کے سبب خود ہی دلیل ہو گا۔ اُس سے کسی

قتلتم بھی اس کے حق میں صحیح ثابت ہوا

جب کوئی شخص سونے کے بعد جاگتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ جو سونے والے کی دبی ہوئی طاقتوں کو صبح کو وقت کام میں لگا دیتا ہے۔ وہی نسمہ کی دبی ہوئی قوتوں کو حرکت میں لے آتا ہے۔ وہ مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے

وہ مقتول ایسی حالت میں تھا کہ تمام لوگ سمجھتے تھے کہ اب اس کے قتل کے متعلق کچھ پتہ نہیں چل سکتا۔ مگر جب خدا نے اسے ہوش میں لاکر تمام فیصلہ اسی کے ہاتھ سے کرا دیا تو کیا اس سے معقول طور پر یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا" کہ وہ خدا تم مردوں (یعنے دبی ہوئی طاقت والوں) کو زندہ کر دیتا اور کام میں لگا دیتا ہے؟ یہ عقلی نتیجہ ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ مشہورہ معجزوں والے نتائج خلاف عقل ہیں مگر یہ عقلی نتائج اور قدرتی نشانیاں ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں عقلمند بنانے کے لئے اپنی قدرتی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے

یہ ایک نیا رکوع اور نیا قصہ ہے اور دوسرے الگ الگ قصوں کی طرح وَاِذْ سے شروع ہوا ہے۔ لہٰذا اسے بقرہ کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں



ف اللہ تعالیٰ نے اس رکوع سے پہلے بنی اسرائیل کی بہت سی شرارتیں بیان فرمائی ہیں۔ اور اس طرح ظاہر کیا ہے کہ ایسے کاموں سے تم نے اسلام کو بلکہ یہودیت و نصرانیت کو بھی جواب دیدیا

اس رکوع میں اصل اسلام کے متعلق ان سے جو عہد لئے گئے تھے اور وہی حقیقی دین تھے۔ اُن کا بیان کیا گیا ہے۔ یہ عہد دو قسم کے تھے۔ پہلے میثاق میں اصلی خوبیوں کا ذکر ہے۔ دوسرے میں بدامنی اور بے انتظامی سے بچنے کا عہد ہے

پہلے میثاق میں سب سے بڑا حکم یہ ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے۔ یہ جملہ بظاہر خبریہ ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے انشائیہ کے معنی دیتا ہے۔ اوامر و نواہی کو خبریہ کے طور پر بیان کرنا امر و نہی سے بھی زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ پس "لا تعبدون الا اللہ" کے معنی ہوئے "کہ تم کبھی اور کسی صورت میں بھی خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا"

توحید[1] عبادت کا حقدار سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ تمام رسول بھی عبد و عابد ہی ہیں۔ وہ دوسرے عباد اللہ میں شامل اور ان کی صف میں گنے جا کر ان کی طرح عبد ہی ہوتے ہیں اور کسی طرح بھی معبود میں شامل نہیں ہوتے۔ یہ کہنا کسی طرح سے بھی درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو معبود بالذات ہے لیکن فلاں رسول معبود بالغیر ہے۔ کوئی بھی رسول ہو وہ ایسا ہی عبد ہے جیسے دوسرے عباد

[1] تفصیل و توضیح کیلئے دیکھو برہان القرآن۔ توحید نمبر بلاغ اور بیان للناس منزل اول طبع اول صہ ۵۴۱ تا صہ ۶۵۶

سے کام لیتا ہو۔ اسے شوری سے کام لینے کا بھی صریح حکم ہو۔ وہ وحی کے علاوہ اپنے ہر قول و فعل میں بغیر انشاء اللہ کہنے کے آئندہ دعوی بھی نہ کرسکتا ہو کہ کل میں ضرور یہ کروں گا۔ وہ بیماریوں اور امور طبعی کے زیر اثر ہو۔ وہ دُکھ سُکھ، سہو و نسیان اور غم و الم سے بَری نہ ہو۔ پھر وحی الٰہی کے علاوہ اس کا ہر قول و فعل عین وحی بھی ہو! عَجِبْتُ وَمَنْ یَّسْمَعْ بِذٰلِکَ یَعْجَبُ!

موسیٰ ؑ اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ بڑے بھائی ہارون نبی کا ہر قول و فعل عین وحی ہے۔ جناب موسیٰ ؑ نے ہارون ؑ کو سر سے کھینچا اور بڑی سختی سے پوچھا۔ یاھارون ما منعك اذ رایتھم ضلوا۔ الا تتبعن افعصیت امری ﴿﴾ یہ جواب طلبی اس سے بھی زیادہ سخت تھی جو باقی بنی اسرائیل اور خود سامری سے کی گئی تھی۔ ہارون ؑ سے یہ جواب طلبی بحکم الٰہی نہیں ہوئی۔ جب انہوں نے صحیح جواب دیا تو وہ بری کئے گئے

قرآن مجید میں رسل و انبیاء کو کئی باتوں پر زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ اگر وہ مسائل دینی نہ تھے تو اس زجر و توبیخ کے کیا معنے؟ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ قسم کا کفارہ بھی دلایا گیا۔ پھر کیا وہ دینی مسئلہ نہ تھا؟

دہریہ کسی کام کو اس کے قدرتی فوائد کے لحاظ سے تو کرتا ہے لیکن اسے خدا تعالیٰ کی رضا مندی مقصود نہیں ہوتی۔ خدا پرست اُسی کام کو قدرتی فائدہ کے علاوہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کیلئے بجا لاتا ہے خدا پرست اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ میرے دل کو اپنے تعلق سے پاک کرے اور عاقبت کے ثواب کے لائق بنائے۔ اس موجودات میں خدا تعالیٰ کی رضا مستقل اور ضروری التاثیر ہے۔ تمام مرضیاں، خدا تعالیٰ کی مرضی کے پیچھے اور نیچے چلتی ہیں۔ رضائے الٰہی اصل ہے۔ اس کے خلاف تمام مرضیاں کچل ڈالنے کے لائق ہیں۔ ایسی رضا خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اس مرضی میں خدا تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ ایسی مرضی والے کے دو حصے قرار دینا اور ایک کو بالذات اور دوسرے کو بالغیر ٹھیرانا شیطان کا کام ہے۔ نیک کام کرنے میں خدا تعالیٰ کی رضا مندی کو اصل قرار دینا دین ہے۔ ایسے کام کرنے میں محض قدرتی فائدہ ہی مقصود نہیں بلکہ اس میں عبادت کا رنگ بھی ہے

ہر معقول و مفید کام میں دو قسم کے فوائد ہوتے ہیں۔ تمام خدا پرست اس پر متحد ہیں کہ خدا تعالیٰ کی یاد دل کو زندہ و پاک رکھتی ہے۔ یہ روحانی فائدہ ہے۔ ماں باپ کی خدمت سے گھر میں امن و انتظام قائم رہتا ہے۔ ماں باپ کی خدمت کرنے اور ان کا شکریہ بجا لانے میں ایک قدرتی فائدہ ہے۔ کسی مدد کے لائق انسان کی مدد کرنے سے اسے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ ایسے تمام مفید کام، خدا تعالیٰ کی رضا مندی چاہنے اور اس کے نام پر بخشنے سے دین بن جاتے ہیں۔ لیکن ایسا ہر کام جس میں نہ کوئی روحانی فائدہ ہو

خارجی دلیل کے پوچھنے کی ضرورت نہیں

سو اگر عالم الکل ہونے کے سبب خدا تعالیٰ کے سوائے کوئی بے غلط نہیں یعنے بے غلط صرف ایک ہے تو کیا اس ایک بے غلط کے دو حصے ہوسکتے ہیں۔ ایک بے غلط بالذات اور دوسرا بے غلط بالغیر؟ کیا ایک بسیط شئے دو مختلف حصوں میں بانٹی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اگر کوئی انسان جو ابتلائی حالت میں بھیجا گیا ہے اور اختیاری عقل سے کام لیتا ہے وہ محض کٹھ پتلی نہیں ہے تو کیا وہ بے غلط ہوسکتا ہے؟ اور جب کوئی ایسا انسان بے غلط نہیں ہے تو کیا ایسے "نا بے غلط" بشر کے ایسے دو حصے ہوسکتے ہیں جو دونو بے غلط ہوں؟ ہرگز نہیں۔ انسان ہو "نا بے غلط" اور اس کا حصہ ہو "بے غلط"۔ ایسی تقسیم منطق کی مٹی پلید کرتا ہے

پھر مذکورہ بالا بے **غلط** کی جگہ **مُنتہائے سوال** کی اصطلاح قائم کیجاتی ہے۔ کیا وہ شخص جو ابتلائی حالت میں رکھا گیا ہے اور اختیاری عقل و اجتہاد سے کام لیتا ہے، جسے شوریٰ کے ماتحت کام کرنے کا حکم ہے۔ وہ تمام و کمال کٹھ پتلی بھی نہیں ہے، منتہائے سوال ہوسکتا ہے؟ کبھی نہیں! ایسے نا منتہائے سوال بشروں کی تقسیم میں کوئی **منتہائے سوال** بھی سما سکتا ہے؟ جبکہ بے غلط اور منتہائے سوال ہونا خاصۂ خداوندی ہے اور خاصہ اگر دوسرے کو دیدیا جائے تو وہ بالغیر تو ہوگا لیکن خاصہ نہیں رہیگا۔ پس جو چیز خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے اس کی تقسیم بالذات و بالغیر میں کرنا خدا تعالیٰ کے خاصہ کو مٹا دینا ہے۔ جب خاصہ کسی دوسرے کو دیا ہی نہیں جاسکتا تو وہ بالغیر کیسے ہوسکتا ہے

حاکم دو قسم کا ہوسکتا ہے۔ ایک حاکم بالذات۔ دوسرا حاکم بالغیر۔ لیکن اصل حاکم یا احکم الحاکمین خاصۂ خداوندی ہے۔ اس کی تقسیم ناجائز ہے۔ اسی طرح واجب بھی دو قسم کا ہوسکتا ہے۔ ایک واجب بالذات دوسرا واجب بالغیر۔ لیکن اصل واجب اور حقیقی واجب ہونا خدا تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔ اس لئے اس کی تقسیم محال ہے۔ اسی طرح مُطاع بھی دو قسم کا ہوسکتا ہے۔ ایک مطاع بالذات۔ دوسرا مطاع بالغیر۔ لیکن **اصل مطاع** ہونا ذات باری کا خاصہ ہے۔ پس اصل مطاع کی تقسیم بالذات و بالغیر میں کرنا دیوانوں کا کام ہے اصل مطاع وہ ہے جس کے علیم کل اور بے غلط ہونے کے سبب اس کے ہر قول و فعل کو کسی خارجی سند کے طلب کرنے کے بغیر صحیح اعتقاد کرنا ضروری ہو۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ کوئی اور اس میں اس کے ساتھ شریک نہیں

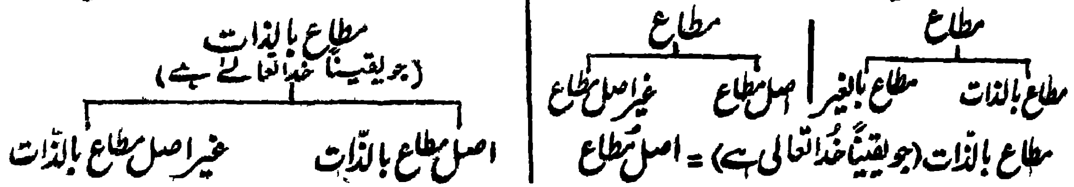
کیا کسی شخص کے پاس کوئی ایسا قرآن مجید ہے جس میں رسل و انبیاء کی غلطیوں اور کمزوریوں کا ذکر نہ ہو؟ ذنب، جرم اور شرک کے لفظوں کو تو جانے دو

یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ ہر رسول و نبی جو محض فرشتہ و کٹھ پتلی نہ ہو۔ بلکہ اختیاری عقل و اجتہاد

ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اصل مطاع ہونے کے سبب سے اپنی وحی خود ہی بھیجتا ہے۔ رسولُ اللہ تعم سے آئے ہوئے پیغام کو خود خدا تعا سے لیکر لوگوں کو صرف پہنچاتا ہی ہے۔ اللہ تعم اصل وحی کو بذاتِ خود بھیجنے کے سبب یا یوں کہو کہ اصل مطاع ہونے کے باعث دو خدا یا دو مرسل وحی نہیں بنجاتا۔ اسی طرح ایک رسولؐ مبلّغ ہونے کے سبب ایک کے دو نہیں ہوجاتا مبلّغ صرف سفیر محض ہوتا ہے۔ وُہ شخص جو کسی کا حکم پہنچاتا ہے وُہ اُسی حکم کے پہنچانے میں کسی طرح سے بھی اصل مطاع نہیں بن سکتا۔ اصل کو اور اُس واسطہ کو جو سفیر محض ہوتا ہے ایسے دو حصوں میں تقسیم کرنا کہ ایک اصل مطاع بالذّات ہو اور دوسرا اصل مطاع بالغیر قطعاً خلافِ منطق ہے۔ حقیقی اور مجازی کو ایک حقیقی مقسم کے ماتحت لانا یقیناً غلط ہی۔ اِنّا کُنّا مُرسلین ﴿۲۵﴾ میں مُرسل دو قسم کا نہیں ہوسکتا کہ ایک مُرسل وحی بالذات ہو اور دوسرا مُرسل وحی بالغیر۔ جب مُرسل وحی ہونا خاصۂ خدا ہے تو خدائی خاصہ کے دو حصے کیسے کئے جا سکتے ہیں؟

(۱) مطاع کی تقسیم بلحاظ بالذات و بالغیر کے اور بوجہ اصل و غیر اصل کے دو طرح پر ہوسکتی ہے

(۲) اصل و غیر اصل کے لحاظ سے مطاع بالذّات کی دو قسمیں بنانا قطعاً غلط ہی دیکھو مثال ذیل:۔



اب کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ خُدا تعالیٰ غیر اصل مطاع بالذّات بھی ہوتا ہے؟ پناہ بخدا! اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مطاع بالذات اور اصل مطاع دو نو ایک ہی چیز ہیں۔ پس اصل مطاع کی تقسیم بالذات و بالغیر میں کرنا سرتاپا باطل ہے۔ اصل مطاع خاصۂ الٰہی ہے۔ تمام مُشرک یہی سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاصے نبیوں اور بزرگوں کو دیدیئے ہیں۔ وُہ بالغیر ان خاصوں کے مالک ہیں۔ حالانکہ اگر خدا تعالیٰ اپنا خاصہ کسی کو دیدے تو اس طرح سے خدا تعالیٰ اپنے خاصہ کو کھو دیگا

اِس خطرناک مغالطہ سے بچنے کیلئے ہمیں چاہئے کہ ہم سب سے پہلے خالق و مخلوق میں امتیاز کرنا سیکھیں تاکہ خالق کے امتیازات کو کسی مخلوق پر اور مخلوق کے امتیازات کو خالق پر نہ لگائیں۔ اس کے بغیر اُس تعلق کی جو ہماری اور خدا کے درمیان ہے حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی۔ وُہ تعلق کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ خدا تعم ہمیشہ معبود اور خالق ہی رہتا ہے اور ہم ہر وقت عابد و مخلوق ہی ہوتے ہیں۔ ہمارا بڑا کمال یہی ہے کہ ہم کبھی بھی عبدیت سے نہیں نکل سکتے اور ہماری خوشی بھی خدا تعالیٰ کے سچے عابد بننے یا یوں کہو کہ اسی کی مرضی کو اصل جاننے میں ہے۔ بندہ کبھی خدا نہیں بن سکتا۔ ممکن اگر واجب بننا چاہے تو وُہ کبھی وجوب کی بُو بھی نہیں سُونگھے گا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وُہ اپنے خارجی وجود کو بھی کھو کر محض امکان میں چلا جائے اور اپنی قابل ترقی ہستی کو بھی ضائع کرکے

اور نہ کوئی قدرتی نفع' وہ خدا تعالیٰ کی رضا چاہنے کیلئے نہیں کیا جاسکتا۔ وہ دین بھی نہیں بن سکتا۔ کسی نماز میں ایک لمبی رکعت پڑھنا یا پانچ چھوٹی رکعات کا ادا کرنا یا ایک لمبا سجدہ یا چھوٹے سجدے مقرر کرنا ممکن ہے مگر انہیں وحی کیساتھ کوئی علاقہ نہیں ہوسکتا ہر قوم جماعت کی خاطر ایسا انتظام کرسکتی ہے۔ یہ سب اپنے اپنے انتظام اور شوری ہیں انہیں وحی کیساتھ کوئی علاقہ نہیں۔ اگر رسولؐ فجر کی ایک رکعت مقرر کرتے تو وہ پیچھے دین بنتا' پہلے دین نہ ہوتا۔ اگر آپؐ دو یا تین یا چار رکعت مقرر فرماتے تو اس صورت میں بھی وہ رکعات پیچھے دین بنتیں۔ پہلے دین کی بات نہ ہوتیں۔ پیچھے دین بنانا خود دین بنانا ہوتا ہے اس سے اسکے ابتداءً دین ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملسکتا۔ اگر نبیؐ فجر کی دو رکعتیں مقرر کرکے اُسے دین بناتے ہیں تو وہ خود دین کے بنانیوالے ہیں ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین مالم یاذن به الله؟ ۲۵؎ اگر وہ امور رسولؐ کے بنانے سے پہلے ہی دینداری تھے تو اسکا ثبوت دیں۔ اہل کتاب قرآن مجید کے نزول کے وقت نمازیں پڑھتے تھے خدا نے انکی بڑی تعریف کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں رکعتوں کی تعداد نہ تھی پس ان نمازوں کی خدائی تعریف تائید سے معلوم ہوتا ہے کہ رکعتوں کی تعداد داخل نماز نہیں ہے

دیگر تمام دینی امور کیلئے بھی ضروری نہیں کہ وحی ہی سے معلوم ہوں۔ بہت سے دینی کام عقل سے ثابت ہوتے ہیں مجتہدین نے بیشمار امور میں اختلاف کیا ہے اور وہ دینی امور تو ہوسکتے ہیں مگر وحی کیساتھ انکا کوئی علاقہ نہیں

اکثر لوگ قبرستان سے نکلکر جب باہر آتے ہیں تو اکٹھے ہوکر خاص خاص دعائیں کرتے ہیں۔ ان دعاؤں کا دین سے تعلق ضرور ہے مگر وحی الٰہی میں ان کی اصل نہیں۔ مرنے والے کے گھر میں آکر لوگ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ یہ دین تو ضرور ہے مگر وحی الٰہی اس کے بیان سے خالی ہے۔ یہ لوگوں کی اپنی اپنی مقرر کردہ باتیں ہیں۔ اگر انہیں فرض واجب نہ سمجھکر ادا کیا جائے (بشرطیکہ اس میں کوئی شرک اور برائی نہ ہو) تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

الحاصل یہ کہنا کہ "نبی و رسول جس دینی بات کو بیان کرتا ہے وہ ضرور وحی الٰہی ہی سے ہوتی ہے" سراپا باطل ہے۔ اس طرح سے یہ لوگ نبیوں کو دین کے گھڑنے والے بناتے ہیں تاکہ کسی طرح انہیں بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ دین کے بنانے میں شامل کرلیا جائے (وله الدین واصبا ۱۴؎) دین صرف خدا تعالیٰ ہی ہمارے آگے پیش کرتا ہے۔ دین کے بنانے میں کسی رسول کو کوئی دخل نہیں ہے۔ دینی شارع جس معنے کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اسی معنے کے لحاظ سے دینی شارع کی تقسیم بالذات و بالغیر میں کرنا یقیناً باطل ہے یا مثلاً اللہ تعالیٰ کے علیم کُل اور بے غلط ہونے کے سبب۔ اللہ تعالیٰ کی وحی جو کسی رسول کی طرف آتی ہے (بشرطیکہ اس کا خدائی وحی ہونا ثابت ہوجائے) تو وہ وحی یقیناً اپنی اصلیت میں بھی بالکل صحیح

لیکن واجب کے وجوب کا نقشہ ممکن میں کبھی نہیں آسکتا۔ ممکن کو دیکھکر الگ واجب کی ضرورت ضرور ثابت ہوتی ہے لیکن خود ممکن کبھی واجب نہیں بن سکتا

خدا تعالیٰ نے ہمیں قابل ترقی بنایا ہے۔ جب ہمارے اندر کسی ترقی کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو خدا اپنی حکمت کے مطابق ہماری وہ کمی پوری کر دیتا ہے لیکن وہ کمی امکانی خزانوں ہی سے پوری کی جاتی ہے۔ ناقابل تقسیم واجب کا کوئی حصہ ہم میں نہیں آجاتا۔ اتنا علم توحید بھی ہمیں محض فطری طور پر حاصل ہوسکتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا معبود کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہے۔ کوئی کسی فرضی دیوتے کو۔ کوئی کسی خیالی اوتار کو، کوئی کسی نبی۔ امام۔ ولی و شہید کو، کوئی سورج چاند اور ستاروں کو اور کوئی عناصر وغیرہ کو معبود خیال کرتا ہے۔ لیکن سچا معبود وہی ہے جو سچ مچ معبودیت کے لائق اور اس عالم کے اوپر اکیلا متصرف ہے۔ زلزلوں، وباؤں، طوفانوں، جہاز توڑنے والی لہروں، بھنوروں، سخت بلاؤں، دھڑکا دینے والی مصیبتوں، گھبرا دینے والی پریشانیوں، عاجز کرنے والی الجھنوں اور خود انسانوں کی آپس کی قتل و غارت اور عزیزوں کی موتوں کے وقت سچے معبود کا صاف پتہ لگ جاتا ہے اور اس وقت تمام شفیع اور جھوٹے معبود گم ہو جاتے ہیں۔ اس وقت کسی ایسے نبی کا خیال نہیں آتا جسے غار میں چھپ کر اور ہجرت کر کر اپنی جان بچانی پڑی ہو۔ جو اپنے پیارے بچوں کے بھی کام نہ آسکتا ہو اور جسے راضی بقضا چلنا پڑا ہو اور نہ کسی ایسے رسول ہی کا دھیان آتا ہے جو خود کنوئیں میں قید کیا گیا ہو یا جو مچھلی کا لقمہ بنا ہو، یا جو چاہ حزن و غم میں مدتوں رہا ہو اور نہ کسی ایسے اماموں کا کوئی خیال آتا ہے جو تمام رستوں کے بند ہو جانے پر نہایت بے بسی اور بے کسی کے عالم میں محض ظلم کے ساتھ پیاسے شہید کیے گئے ہوں، اس وقت کوئی ایسا پیر بھی ان کی یاد کے کسی کونے سے نکلکر سامنے نہیں آتا جس کے متعلق یہ افترا کیا گیا ہو کہ اس نے بارہ سال کے بعد ایک مردہ برات کی ڈوبی ہوئی کشتی کو زندہ کر کے نکال لیا۔ اس وقت تمام وہ لوگ جنہیں امن و امان اور نخروں اور تکلفات و تعصبات کے وقت خدا تعالیٰ کا شریک بنایا جاتا تھا قطعاً گم ہو جاتے ہیں۔ وہ حالت عین توحید کی حالت ہوتی ہے۔ اس وقت شرک کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا (وتنسون ما تشرکون)

عبادت الٰہی سب سے مقدم چیز ہے۔ بلاشبہ تمام کتابوں کا منشاء ہے کہ توحید الٰہی کو ثابت کریں۔ مگر جس صفائی اور معقولیت کیساتھ اسکا بیان قرآن مجید میں آیا ہے یقین ہے کہ دانا لوگ اسکا انکار نہیں کرسکیں گے۔ عبادت الٰہی کی تاکید کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ مخلوق کیساتھ بھی تم باحسان ہی پیش آؤ گے اور ماں باپ اور رشتہ داروں کیساتھ بھی تم احسان ہی کرو گے اور جو لوگ ماں باپ سے خالی یعنی یتیم ہیں ان کے ساتھ بھی ماں باپ

بمنزلہ سفر کے ہو جائے۔ اس چیز کے حصول کی کوشش کرنا جو ہماری حیثیت سے قطعاً خارج ہے اپنے آپ کو برباد کر لینے یا جہنمی بنانے کے برابر ہے ایسی خواہش کرنا کسی خوشی کا موجب نہیں ہو سکتا' ومن یقل منھم انی الٰہ من دونہ فذٰلک نجزیہ جھنم۔ کذٰلک نجزی الظالمین پ۱

چونکہ خداتعالیٰ کا وجود ذاتی و مستقل ہے اس لئے وہ کبھی محض "ممکن" نہیں ہو سکتا اور چونکہ وہ کسی کے زیر اثر ہونے کے بغیر قدیم ہے اس لئے وہ کسی قید کے نیچے نہیں آ سکتا۔ تمام نقص قید ہیں۔ اس لئے اس کا بلا کیف کامل مطلق ہونا لازم ہے۔ اس ذات پاک میں ایسے کمالات ہیں کہ ان کی بو بھی کبھی کوئی مخلوق نہیں سونگھ سکتی اور کسی مخلوق کو ان کا کبھی علم نہیں ہو سکتا۔ "ممکن" جن کمالات کا علم حاصل کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا ان میں وہ "واجب" کا شریک کیسے بن سکتا ہے؛ خداتعالیٰ ان صفات میں کامل ہے۔ باقی رہا اس کا خارجی عالم کو بنانا اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا یہ محض اختیاری امر ہے۔ چاہے پیدا کرے' چاہے نہ کرے اور جب پیدا کرے تو اسے اپنی ہی حکمت کے مطابق چلائے

خداتعالیٰ کی ذات میں بعض ایسی بھی صفات ہیں جن کے ذریعہ سے خارجی عالم کے ساتھ اس کا تعلق پیدا ہو سکتا ہے۔ مثلاً اس میں "قدرت" یعنی "کر سکنا" ہے۔ اور "کر سکنا" یہ چاہتا ہے کہ خداتعالیٰ کے پاس "ہو سکنے" یعنی "امکان" کے خزانے ہمیشہ سے ہوں۔ وہ انہی امکانی خزانوں سے اپنے اختیار کے ساتھ ہر ایک مخلوق کو امکانی وجود اور امکانی صفات عطا کرتا رہتا ہے۔ پس ممکن کی ذات و صفات ہمیشہ ممکن ہی ہوتی ہیں۔ کوئی خارجی وجود کبھی واجب نہیں بن سکتا

خداتعالیٰ کی ذات کو ازلیت و ابدیت (قطع نظر زمان کے) ہمیشہ حاصل ہے (ھو الاول والآخر۔ والظاھر والباطن وھو بکل شیءٍ علیم پ۲۷) لیکن ممکنات زمان و مکان میں مقید ہیں۔ ممکنات کی صفت ازلیت و ابدیت کبھی نہیں ہو سکتی۔ ہر خارجی مخلوق زمانی و مکانی طور پر ابتداء بھی رکھتی ہے اور انتہا بھی۔ مکان و زمان بھی ازلی و ابدی نہیں ہو سکتے۔ ہر خارجی مخلوق اپنی حالت کے مطابق خواہ کتنی بھی ترقی کیوں نہ کرتی جائے وہ ہمیشہ خداتعالیٰ کے امکانی خزانوں ہی سے ترقی پائے گی اور کبھی بھی وہ ابتداء اور انتہا سے خالی نہ ہو گی

ہمیں توحید الٰہی کا علم صرف اسی اختیاری تعلق سے جو خدا کو ہمارے ساتھ ہے حاصل ہوتا ہے ہمارا علم توحید بھی کامل نہیں ہے جو کچھ ہمیں معلوم ہو سکتا ہے اسی پر چلنا ہی کافی ہے اور باقی کے لحاظ سے اتنا ہی ماننا ضروری ہے کہ خداتعالیٰ وَرَآءَ الْوَرَآءِ ہے

ممکن میں ممکن صفات آ سکتی ہیں۔ لوہا آگ میں پڑ کر سرخ اور گرم ہو جاتا ہے لیکن واجب' ممکن اور ممکن' واجب نہیں بن سکتا۔ ممکن میں ممکن صفات کا جلوہ نظر آتا ہے۔ سورج کی روشنی چاند پر دکھائی دیتی ہے

جنگ کے تیار رکھنے کی بڑی تاکید ہے

قرآن حکیم نے تمام وُہ مصارف بیان کر دیئے ہیں جن پر عمل کرنے سے اِس دُنیا کا امن وامان قائم رہتا اور مُلک و قوم کو ترقی حاصل ہوتی ہے۔ اور آخرت میں بھی جزائے حسنہ ملتی ہے۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار

قرآن کریم نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ "کھاؤ اور پیو لیکن حد سے نہ نکلو" پس ہر شخص کیلئے بلا اسراف اعتدال کے ساتھ کھانے پینے کا حکم ہے۔ اپنے اور اپنے اہل وعیال اور متوسلین کے گذارہ کے بعد جو کچھ بچ رہے وُہ جب ضرورت پڑے خدا تعالیٰ کے رستہ میں خرچ کرنے کے لائق ہے۔ جو لوگ صدقات کے جمع کرنے پر عامل و مامور ہیں وُہ ایسے لوگوں کے زائد مالوں کا حساب لگائیں گے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "عفو" (یعنے زائد مال) کو (حسب ضرورت) خرچ کیا جائے

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے چاندی کا باون تولے اور بھیڑ بکری اور اونٹوں کا اتنا اور اتنا نصاب ہے۔ یہ تعیین درست نہیں کیونکہ قیمتیں وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہیں۔ کیا ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت اس وقت وہی ہے جو باون تولے چاندی کی ہے؟ اس غلط اصول کی آڑ میں کئی شخص چاندی کی بجائے سونا خرید کر زکوٰۃ سے بچنے کا حیلہ نکال سکتے ہیں۔

قرآن پاک میں یہ بھی ارشاد ہے کہ ہر شخص سے اس کی گنجایش کے مطابق کام لیا جائے۔ مُوسع پر اس کا اندازہ ہے اور مُقتر پر اس کا اندازہ ہے۔ اور نیکوں کی صفت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ جب وُہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ تنگی اور بخل کرتے ہیں (فرقان)

اور یہ بھی حکم ہے کہ لاتجعل یدك مغلولۃ الیٰ عنقك ولا تبسطھا کل البسط (بنی اسرائیل)

بادشاہ رعایا سے ملک کی ترقی واصلاح کے لئے لیتے ہیں۔ منشی حساب لگاکر ہر شخص کے ذمہ فی روپیہ چند پائیاں ڈال دیتے ہیں۔ جن اصلاحی کاموں کو بادشاہ اپنے ہاتھ میں نہ لیں ان کا انتظام انجمنوں اور کمیٹیوں کو کرنا چاہئے۔ ہر شخص کو اپنے حالات کے مناسب اپنے ماں باپ، قریبیوں اور بعض دفعہ اپنے مہمانوں کا تھوڑا بہت انتظام کرنا پڑتا ہے۔ مہمان کو گذارہ کے مطابق کھانا دینا ضروری ہے۔ عمدہ کھانا کھلانا اچھا ہے۔ لیکن اسراف سے احتراز لازم ہے

بادشاہوں اور حاکموں کو چاہئے کہ وُہ ہر طرح کی قوت حاصل کریں۔ حفظِ صحت سب سے پہلے ضروری ہے۔ پھر سیاسی وتمدنی اور رُوحانی ترقی کے لئے علم کی اشاعت کی ضرورت ہے۔ رسل و رسائل اور اناج اور مال کے حصول کے لئے ڈاک۔ ریل۔ تار اور جہاز کا انتظام، محکمہ آبپاشی کا اہتمام اور

کی طرح پیش آؤ گے اور وہ لوگ جو مسکین ہیں ان کے ساتھ رشتہ داروں کی طرح سلوک کرو گے ۔
ان کے سوائے جو اور لوگ ہیں (مسلم ہوں یا کافر) ان کے ساتھ بھی نرم کلامی ہی سے پیش آنا۔ اگر وہ کسی جگہ کا راستہ پوچھیں یا کسی سوال کا حل چاہیں یا کسی امر میں مناسب رائے کی درخواست کریں تو جہاں تک ممکن ہو ان کے ساتھ ہمسائیوں والا سلوک کرنا اور خاص کر عبادت الٰہی کے بجا لانے میں نماز قائم رکھنا اور خلق اللہ پر شفقت کرنے کیلئے زکوٰۃ دیتے رہنا

اس سے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "ثم تولیتم الا قلیلا منکم" یعنے پھر اے بنی اسرائیل تم نے نماز کی اقامت اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے منہ موڑا۔ مگر تم میں سے تھوڑے لوگ ایسے بھی ہیں جو اس پر آج تک قائم چلے آتے ہیں

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت اہل کتاب میں سے تھوڑے لوگ ایسے بھی تھے جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے آتے تھے۔ نماز کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ یہاں زکوٰۃ کے متعلق عرض کیا جاتا ہے:۔

زکوٰۃ (پ میں) اللہ تعالیٰ نے صدقات کے حقدار ذیل کے لوگ قرار دیئے ہیں:۔

(۱) فقراء (جو گذارہ کے سامانوں سے خالی ہوں)
(۲) مساکین (جن کی آمدنی خرچ سے کم ہو)
(۳) وہ منشی جو اموال کا حساب لگانے اور چندہ جمع کرنے پر مقرر ہوں
(۴) وہ قومیں جنہیں کچھ دے کر ان کی دوستی اس لئے حاصل کی جائے کہ وہ ملک میں بدامنی نہ پھیلائیں اور دوسرے لوگوں کو بھی حملہ کرنے سے روکیں جیسے سرحدی و کوہستانی لوگ
(۵) لونڈی غلاموں کی آزادی کے اخراجات
(۶) وہ لوگ جن پر مصیبتیں پڑ جائیں مثلاً مکان جل جائے یا لوٹا جائے یا مویشی مرجائیں یا نوکری جاتی رہے یا ضعیفی کے سبب کام کاج کی طاقت زائل ہو جائے
(۷) مصارف فی سبیل اللہ مثلاً جبر مذہبی مٹانے اور علم پھیلانے کے اخراجات
(۸) مسافروں کے لئے سرائیں بنانے۔ کنوئیں لگوانے۔ سڑکیں تیار کرنے۔ درخت لگانے۔ پل بنانے یا حفاظت کیلئے پہرے کے انتظام کرنے کے مصارف

قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر یتیموں کی اصلاح، عورتوں کی تقویم و تعلیم اور ہر طرح کی قوت و صحت حاصل کرنے میں خرچ کرنے کا بھی حکم ہے نیز گھوڑوں کی آمادگی اور سامان

اس آیت میں دماء کو سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے بھائیوں کو قتل کرتا ہے وہ اس نا اتفاقی کی وجہ سے اپنے آپکو ایسا کمزور بناتا ہے کہ دوسرے لوگ جب چاہیں اُسے قتل کر ڈالیں اور من دیارکو سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے بھائیوں کو ان کے گھروں سے نکالتا ہے وہ ایسا بے کس ہوجاتا ہے کہ جب لوگ چاہیں اُسے جلا وطن کردیں۔ یہی وجہ تھی کہ بنی اسرائیل ایک ملک سے دوسرے ملک میں جلا وطن کئے جاتے تھے۔ قومی حیثیت سے وہ اکثر ذلیل رہتے ہیں

خدا تعالیٰ کے اِس ایک ہی نوشتہ کی یہودنے بڑی بُری طرح سے تقسیم کی۔ وہ آپس میں لڑائی کر کے کمزور لوگوں کے حامیوں کو مار ڈالتے اور باقیوں کو اُن کے گھروں سے نکال دیتے تھے۔ وہ لوگ بھاگ کر دوسری قوموں کی غلامی میں پھنس جاتے تھے اور جب غلامی یا قید کی حالت میں ان کے پاس آتے تھے تو کہتے کہ یہودی کا غلام بننا ٹھیک نہیں۔ اس لئے مذہبی تعصب کی خاطر انہیں آزاد کرادیتے حالانکہ ان کا ان کے گھروں سے نکال دینا پہلے ہی اُن پر حرام تھا۔ یہ ایسی بات ہوئی جیسے زید بکر کو کسی دھوکے سے کوئیں میں گرادے۔ پھر جب دیکھے کہ لوگ اسے نکالنے کے لئے آئے ہیں تو خود بھی آکر دُہائی دے کہ اسے نکالو۔ یہ تو بڑے ثواب کا کام ہے۔ ایسا شخص دونوں ہی احکام کا منکر ہوتا ہے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح عمل کرنے والا اس نوشتہ کے ایک حصّہ کو ماننا اور دُوسرے حصّہ کا مومن ہو؟ نہیں نہیں! بلکہ وہ اس کتاب الٰہی کے ساتھ ٹھٹھا کرنے والا اور پہلے درجہ کا منکر ہوتا ہے۔ اگر کوئی ظاہر میں خوبی ہے تو وہ بھی ریاکاری اور دکھلاوے ہی کی ہے۔ ایسے ریاکاروں کے لئے اس دنیا میں رسوائی اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں سے غافل نہیں۔ ان لوگوں نے آخرت کے عوض دُنیا کی زندگی کو خرید لیا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے جو عذاب مقرر ہے اُس میں کمی نہیں ہوسکتی اور نہ اُن کی مدد کیلئے کوئی آسکتا ہے۔ ہاں معافی مانگنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ خود ہی مددگار بن سکتا ہے

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا ہر دو عہد جو بنی اسرائیل سے لئے گئے تھے، قرآن کریم کے وقت میں بھی بنی اسرائیل پر اسی طرح لازم تھے جس طرح قرآن حکیم کے نزول سے پہلے بھی واجب تھے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت انہیں قائل کیا گیا ہے کہ تم تورات کے حکموں سے کیوں بیزار ہو۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم تورات کے اصلی حکموں کا مُصدق ہے کسی وقت ان کا مکذّب نہیں ہوسکتا۔ اور یہ کہ تورات کے ایمان سے یہ غرض نہیں کہ اُسے مان لیا جائے کہ وہ کبھی نازل ہوئی تھی۔ نہیں نہیں۔ بلکہ قرآن کریم کے وقت اُس کے اصلی اور حقانی حکموں پر عمل کرنا بھی ویسا ہی ضروری

کانوں سے سونا چاندی وغیرہ حاصل کرنا لابُد ہے۔ غنائم وہاں نے وغیرہ سے بھی ملک کے بہت سے کام انصرام پاتے ہیں۔ میووں اور کھیتی باڑی کا حق اسی دن لیں جس دن وہ کاٹی جائے۔ تنخواہ دار سے تنخواہ کے وقت لیا جائے۔ جب کسی اصلاح کی ضرورت پڑے۔ اسی وقت چندہ اکٹھا کرنا ضروری ہے۔ خواہ مخواہ سال کا انتظار کرنا فضول ہے۔ عام لوگوں کی حالت کو گذارہ کے قابل بنانا بھی لازم ہے۔ اس کے لئے صدقات کے علاوہ قرض بلا سُود جمع کرنا چاہئے

اپنے ملک و قوم کو ترقی دینے بلکہ اگر ہو سکے تو دوسرے لوگوں کو بھی ابھارنے اور قابلِ اصلاح بنانے میں مدد دینا بہت اچھا ہے۔ لیکن کم از کم ضروری اخراجات کیلئے جو خُدا تعالےٰ نے بتلا دیئے ہیں، بذریعہ عاملین گذارہ سے زیادہ مال پر (بلحاظ تناسبِ مالیت) محصول جمع کرنا چاہئے۔ اگر زیادہ ضرورت ہو اور جان و ایمان کی حفاظت کا سوال درپیش ہو۔ تو کل زائد مال بھی دیا جا سکتا ہے۔ مال والا اپنے زائد مال کو ترقی دے اور اس کی حفاظت کرے اور سمجھے کہ یہ سب اللہ تعالےٰ ہی کے لئے ہے۔ جیسی ضرورت ہو اسی طرح پر خرچ کرنے کے لئے تیار رہے (ولا ینفقونها فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ﷺ)

جن ممالک کے لوگ زیادہ معقول طور پر خرچ کرتے ہیں وہ تمام دوسرے لوگوں پر حاوی ہوتے جاتے ہیں۔ محض تقلیدی و رسمی طور پر خرچ کرنے والے ہمیشہ ان کے مقابل میں دبتے جاتے ہیں۔ اگر ایسی قوموں کے دوش بدوش زندگی بسر کرنا ہے تو ان اخراجات میں کمی کرنا سخت مہلک ہے موتی و جواہرات، گھوڑے اور گدھے وغیرہ سب مال ہیں۔ انہیں زکوٰۃ سے خواہ مخواہ خارج کر دینا یقیناً غلط ہے

نماز و زکوٰۃ کے حکم کے بعد اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل تم میں سے تھوڑے لوگوں کے سوائے باقی سب نے مُنہ موڑا اور یہ مُنہ موڑنا تمہاری عادت ہی میں داخل ہے (وانتم معرضون)

اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کی یہ عادت ہو جائے کہ وہ عبادت الٰہی کو فضول سمجھے اور لوگوں کے ساتھ نیک برتاؤ سے پیش آنے کو بُرا جانے تو وہ بدامنی کے کاموں میں دلیر ہو جائے گا۔ چنانچہ بنی اسرائیل عام طور پر بدامنی پھیلانے میں بھی مشہور تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ "یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم اپنے خونوں کو نہیں بہاؤ گے۔ اور اپنے شخصوں کو اپنے گھروں سے نہیں نکالو گے پھر تم نے مان لیا اور اس کا اقرار بھی کیا اور تم اس وقت بھی اس کے شاہد ہو کہ ہم نے بلا شبہ یہ مانا تھا"

کے ساتھ احسان کروگے۔ اور (یہ کہ) لوگوں کے ساتھ نرم کلامی کرنا اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا (اس میں نجات ہے نہ کہ یہودی بننے میں) پھر تم نے (ان حکموں سے منہ موڑا) مگر تھوڑے لوگ تم میں سے (قائم رہے اور یہ اعراض تمہاری عادت ہی میں داخل ہے) اور (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم نے اسن مسالمت کے عہد کو بھی چھوڑ دیا۔ چنانچہ یاد کرو) جب ہم نے تمہارا عہد لیا کہ تم اپنے خون نہیں بہاؤ گے اور نہ اپنے شخصوں کو اپنے گھروں سے نکالو گے۔ پھر تم نے اقرار کیا اور تم (خود ہی اس کے) شاہد ہو۔ ۸۵ پھر تم وہ لوگ ہو کہ اپنے شخصوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے میں سے ایک فریق کو ان کے مقابلہ پر گناہ (بدکاری) اور تعدّی (ظلم و جبر مذہبی) کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے اُن کے گھروں سے نکال دیتے ہو۔ اور اگر وہ تمہارے پاس اسیر ہو کر آئیں تو تم انہیں چھڑا دیتے ہو حالانکہ تم پر ان کا نکال دینا (جسے اب بھی برابر جاری رکھتے ہو ویسا ہی) حرام ہے۔ پھر کیا تم (اس طرح) کتاب (یعنی نوشتہ) کے بعض کا ایمان رکھتے ہو اور بعض کا کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو شخص ایسا کام کرتا ہے اس کی جزا اس دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوائے اور کچھ نہیں۔ اور (ایسے شخص) پیشی کے دن سخت عذاب کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ اور (یاد رہے کہ) اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔ ۸۶ یہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلہ میں (یعنے آخرت سے لاپرواہ ہو کر) خرید لیا (اور اسے اصل خوشی سمجھا) سو ان کے (مقررہ) عذاب میں تخفیف نہ ہوگی اور نہ کوئی انکی مدد کو (چڑھکر) آئیگا

اس رکوع میں بیس آیات ہیں

پہلی آیت میں ہے کہ ہم نے موسےٰ کو کتاب دی اور موسیٰؑ کے بعد ہم نے پے در پے رسول بھیجے۔ پھر عیسےٰ ابن مریم کو واضح طور پر کھلی کھلی تعلیم دی۔ عیسائی لوگ عیسے و مریم دونو کو اِلٰہ بناتے تھے۔ حالانکہ مریمؑ جننے والی تھی اور عیسےٰؑ جنا ہوا تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ نہ ماں ہو سکتا ہے اور نہ بیٹا، مسیحؑ کا باپ یوسفؑ نجار تھا جو ایک رسول تھا۔ اس نے روح القدس سے تعلیم پاکر اپنے بچے کو مہد کی عمر سے سکھانا شروع کیا اور بڑے ہو کر حضرت مسیحؑ نے خود بھی جبریل سے تعلیم پائی (واذ ایدتك بروح القدس تکلم الناس فی المھد وکھلا ۓ) جس کو روح القدس سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے کیا وہ خدا ہو سکتا ہے؟

مخفی نہ رہے کہ یہودی مسیح کو بہت بُرا آدمی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ان کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ بھلا اگر وہ بُرا آدمی تھا تو اس کی پیش کردہ تعلیم تو بالکل سیدھی سادھی اور واضح ہے ۔

سے ہے

پھر چونکہ قرآن مجید تمام الٰہی کتابوں کا مُصدِّق ہے اِس لئے اُن سب کا ایمان اکیلے قرآن ہی میں آجاتا ہے۔ قرآن مہیمن تمام کتابوں پر حاوی ہے۔ کوئی الٰہی کتاب بھی قرآن کریم پر حاکم و قاضی نہیں بنائی جاتی پھر غیر وحی اور ظنّی باتیں کیونکر اس پر حاکم ہو سکتی ہیں؟

رکوع ۱۰

۸۳ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ

ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

۸۴ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا

مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاۗءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ

۸۵ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ

فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ

اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ

الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ

۸۶ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

ترجمہ۔ ۸۳ اور (یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل کا (وہ) عہد لیا (جس کا انسانیت کے ساتھ تعلق ہے) کہ تم اللہ کے سوائے کسی اور کی عبادت نہیں کرو گے اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں

آیۂ سوم میں قرآن پاک کی تشریف آوری کی ایک وجہ بیان فرمائی ہے۔یہودی چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مذاہب میں فیصلہ دے اور ایسی کتاب نازل کرے جس میں ظالم کافروں پر ہمیں فتح نصیب ہو اور اصل دین کی حقیقت کھل جائے لیکن جب قرآن مجید ایسے واضح دلائل جن کے ذریعے سے سچائی کو بالیقین فتح حاصل ہوتی ہے لایا اور انہوں نے قرآن حکیم کی اس خوبی کو دیکھ بھی لیا تو اپنے تعصب کے سبب کافر ہو گئے۔ لابد ایسے معاندین کفار کیلئے خدا تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے۔ان لوگوں کو اصل سچائی کی فتح مقصود نہیں بلکہ صرف اپنے مراسم کی بقا منظور ہے

اس آیۂ مبارکہ میں قرآن کریم کی ایک خصوصیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ قرآن حکیم اس تعلیم کا مصدق ہے جو پہلے نبیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی تھی، تمام انبیاء ایکدوسرے کے مصدق تھے (ہے وغیرہ)

تمام رسل وانبیاء کی تعلیم کا ایک ہی منشا رتھا۔ہاں یہ ضرور ہے کہ پہلی کتابوں میں خاص خاص قوموں کو اُن کی شرارتوں اور ضدوں کے سبب سے کئی ایک حکم بطور سزا کے بھی دیئے گئے تھے ایسے احکام کا شریعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ وُہ حکم وقتی وعارضی وقابل تنسیخ ہوتے ہیں۔ ایسے سزائی حکم خاص خاص اقوام ہی کو ملسکتے ہیں وُہ اُس کتاب میں نہیں آسکتے جس کا تمام دُنیا کے ساتھ تعلق ہو

پھر پہلی کتاب والوں کو بعض ایسے حکم بھی ملے تھے جو اصل حریت ومساوات سکھاتے تھے۔ لیکن اِن لوگوں نے اپنی سرکشی وعناد کے سبب ان احکام کو بھلادیا (ہے وغیرہ) اور یہ ضروری تھا کہ جب وُہ اس قابل ہوں کہ ان کی خطا معاف کی جائے اور ان پر نظر رحمت کی جائے تو انہیں بھلائی ہُوئی باتیں یاد دلائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ سزائی حکموں سے بہتر اور بھُولے ہُوئے حکموں کی مثل حکم ضرور ہی پہنچا دیا کرتا ہے کیونکہ اُس کے سوا ہمارا کوئی ہادی ونصیر نہیں ہے

خدا تعالیٰ اصلی حکموں کو کبھی منسوخ نہیں کرتا۔ صرف وہی احکام بدل دیئے جاتے تھے جنمیں خود لوگوں کی اپنی شرارت کا دخل ہوتا تھا، سچی شریعت حقیقت کے لحاظ سے ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے

قرآن حکیم نے تو یہ درس دیا کہ تمام رسل وانبیاء ایک ہی اُمت تھے۔ان میں اختلاف وتفرقہ ڈالنا غلط ہے لیکن ہر شخص اپنی ضد اور شرارت کی بنا پر یہی چاہتا تھا کہ میرا ہی مذہب سچا ہو اور دوسرے مذاہب والے ہمارے مقابلہ پر کافر اور جہنمی قرار پائیں۔ یہُودی کہتے تھے کہ نصاریٰ کسی بات پر نہیں اور نصاریٰ دعویٰ کرتے تھے کہ یہُودی کسی کام کے نہیں۔ چنانچہ آیت چہارم میں ارشاد ہے کہ:۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کریم پر اپنے فضل سے یہ متحد کرنے والا قرآن کریم اُتارا تو بنی اسرائیل

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ور نوشت است پند بر دیوار

پھر اس کی اصل تعلیم اس قابل بھی ہے کہ وہ پاکیزگی کے فرشتے روح القدس سے حاصل ہو۔ یہ تعلیم خود اسے بھی نیک ثابت کر رہی ہے۔ آگے فرمایا کہ پھر جب تمہارے پاس کوئی رسول اس (خالص توحید) کو لیکر آیا جو تمہارے چاؤ کے خلاف بھی تو تم ان رسولوں کے ساتھ بہ تکبر پیش آئے (اور کہنے لگے کہ اس سے ہمارے بزرگوں کے لئے کوئی خصوصیت نہیں رہیگی۔ خدا کو تو سب لوگ مانتے ہیں۔ کیا بڑے خدا کو جانتا ہے؟) سو تم نے (ان رسولوں کے) ایک فریق کو تو صرف جھٹلایا اور دوسرے فریق کو (جھٹلانے کے علاوہ) قتل بھی کرتے آئے ہو (اگر تمہارا بس چلے تو تمام رسولوں کو قتل کر دو۔ ہاں جو تمہاری زد سے بچ جائیں، تو پھر تم مجبور ہو کر صرف ان کے جھٹلانے ہی کو کافی جان لیتے ہو)

مقلد ایک بات کو کسی بھو لنے والے بشر کے کہنے سے بلا دلیل صحیح اعتقاد کر لیتا ہے اور اسے ہمیشہ کے لئے اصول بنا لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بات کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا اور ان فوائد کو بھی حاصل نہیں کر سکتا جو ایک معقول پسند اس بات سے حاصل کر سکتا ہے

توحید الٰہی کو کسی انسان کے کہنے پر ماننے کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالےٰ اس لئے معبود احد ہے کہ فلاں بڑا بزرگ یہ بات کہتا ہے۔ اگر ہمارا ایسا پسندیدہ بزرگ اس کے خلاف کہتا تو ہم تعدد الٰہ کے قائل ہوتے۔ اس بزرگ کو خدا تعالیٰ نے بالغیر بے غلط یا یوں کہو کہ بالغیر منتہائے سوال یا بالغیر اصل مطاع بنایا ہے۔ اس لئے اس بزرگ کی پیش کردہ شریعت یا اس کی بیان کردہ رکعتیں نہ کبھی منسوخ ہو سکتی ہیں اور نہ کبھی ٹل سکتی ہیں۔ اس کی اپنی باتوں کو بھی خدا تعالیٰ کی طرح دائمی اصول سمجھتے رہنا بالکل صحیح ہے۔ ہر قوم اپنے بزرگوں کی اسی طرح تقلید کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ کسی طرح سے اُن بزرگوں کی باتیں خدا تعالیٰ کی اصلاحی وحی کے ساتھ مثلہٗ معہٗ بن جائیں تاکہ اصل حق دُنیا میں نہ پھیلے اور کسی خاص قوم کا بزرگ ہی خدا تعالےٰ کے ساتھ تمام بزرگوں سے الگ کر کے ایسی خصوصیت کے ساتھ مانا جائے جس میں کوئی اور انسان اسکا شریک نہ بن سکے

دوسری آیت میں بتلایا ہے کہ یہود کے جی میں بھی یہی چاؤ تھا۔ وہ اپنے قومی رسم و رواج کو اصل دین سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ اے مبلغو! تمہاری تعلیم کے اثر سے ہمارے دل محفوظ ہیں۔ ہم تمہاری اصلاح پر کان نہیں دھر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ گندہ عقیدہ اور کورانہ تقلید جس کے سبب یہ لوگ ایمان لانے اور اصل حق کو تسلیم کرنے سے رُکے ہوئے ہیں، لعنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں

رکھ کر جو جی چاہے کرتے اور بڑے دھڑلے کیساتھ دوسرے مذاہب کے صالحین کو بھی کافر اور جہنمی بناتے ہیں جیسا کہ آٹھویں آیت میں فرمایا ہے کہ :- جب بات یہ ہے تو تُو انہیں کہہ کہ اگر دوسرے لوگوں سے الگ کرکے خالص طور پر آخرت کا گھر تمہارے ہی لئے ہے تو تمہیں مناسب ہے کہ اِس دُنیا کی مصیبتوں میں نہ پھنسے رہو۔ بلکہ اگر سچے ہو تو موت کی خواہش کرو اور اپنے خیالی جنّت میں جا داخل ہو

نویں آیت میں ہے کہ :- یہ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے دل گندے ہیں اور ہم نے آخرت کے لئے کوئی تیاری نہیں کی۔ اس لئے یہ اپنی کرتوتوں کے سبب موت کی ہرگز تمنا نہیں کریں گے اور اس سے انہیں کوئی فایدہ حاصل نہ ہوگا۔ اِس لئے کہ اللہ تعالے ایسے سخت ظالموں کو خوب جانتا ہے

دسویں آیت میں بتایا گیا ہے کہ :- تو اور تیری طرح دوسرے لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ یہ یہود اور دُوسرے مُشرک کہلانے والے لوگ اِس دنیا کی زندگی پر تمام لوگوں سے زیادہ حریص ہیں۔ ان لوگوں میں سے ایک ایک شخص چاہتا ہے کہ اسے صرف سو یا دوسو برس تک ہی نہیں بلکہ ہزار سال تک عمر دی جائے۔ گویا انسان کو اس عمر کا ملنا محال ہے۔ نہ نوحؑ ہی ہزار سال تک زندہ رہے نہ عیسےٰؑ نے ہی اتنی عُمر پائی۔ پھر اگر بفرضِ محال اس قسم کے لوگوں کو ہزار سال کی عُمر دے دی جائے تو اس سے ایسے مُشرکوں کے گناہ بڑھیں گے اور انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اتنی عُمر پانا انہیں عذاب سے نہ چھڑا سکیگا۔ کیونکہ خدا تعالے ان کی کرتوتوں سے غافل نہیں۔ وُہ ان کی شرارتوں کی مناسب سزا دیگا

رکوع ۱۱

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ

نے کہا کہ اگر ایسی تعلیم آنے والی ہوتی تو محض ہمارے ہی نبی پر آتی۔ اس ضد کے سبب انہوں نے خدا تعالیٰ کے قرآن کے ساتھ کفر کیا اور قرآن کا انکار کر کے اپنی جانوں کو بہت بُری طرح سے چھڑانا چاہا، لیکن ایک تو وہ پہلے ہی غضب کی حالت میں تھے۔ پھر اس متحد کرنے والی تعلیم سے انکار کر کے اور زیادہ مصیبتوں میں پھنس گئے اور ظاہر ہے کہ ایسے ضدی کافروں کی اصلاح کے لئے ذلیل کرنیوالا عذاب ہی مناسب ہی ہو سکتا ہے

پانچویں آیت کا فرمان ہے کہ:۔ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس خدائی تعلیم کو مانو اور سب مل کر ایک خدا کے عابد بنو اور خدا کے ماتحت متحد ہو جاؤ اور تقلید اور غیر پرستی کو چھوڑ دو تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم اپنی ہی کتاب کی تعلیم کو مانیں گے اور جو خدائی اصلاحات تم پیش کرتے ہو ان کی طرف کچھ دھیان نہ کریں گے حالانکہ یہ تعلیم ان کتابوں کی اصل تعلیم کی پوری پوری مُصدّق ہے۔ اچھا ان سے یہ تو پوچھو کہ اگر سچ مچ تمہارے دل میں خدا تعالیٰ کا ایمان ہے تو تم اُس کے احکام پہنچانے والے انبیاء کو کیوں قتل کرتے آئے ہو؟ نہیں نہیں بلکہ خود موسیٰؑ کی تعلیم پر بھی تمہارا ایمان نہیں تھا، چنانچہ چھٹی آیت میں ہے کہ:۔ موسٰےؑ تمہارے پاس بلا شبہ روشن دلیلیں لائے۔ پھر تم نے ان کے طور پر جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنایا اور تم سخت ظالم تھے

ساتویں آیت میں ہے کہ:۔ تورات کی اصل تعلیم کے متعلق تم سے ایسے ہیبت ناک وقت میں عہد لیا گیا تھا جو تمہیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے تھا۔ تم طور کے نیچے بیٹھے تھے۔ طور کو تمہارے اوپر ایسی سخت جنبش دی کہ تم گمان کرتے تھے کہ وہ ایک آن کی آن میں تمہارے سر پر گرا، بلکہ اُسے جڑوں سے ہلا کر اونچا بھی کیا اور تمہیں کہا کہ جو تعلیم تمہیں دی جاتی ہے اُسے مضبوط کر کے پکڑنا اور بغور سُنتے رہنا۔ تم نے کہا ہم نے سُن لیا اور بظاہر یہ بھی کہا کہ ہم نے مان لیا۔ لیکن چونکہ تمہارے دلوں میں کھوٹ تھا اس لئے تمہارا بظاہر ماننا اصلیت کے لحاظ سے نہ ماننا ہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس جگہ "اطعنا" کی جگہ "عصینا" لایا گیا ہے۔ تمہارے دلوں میں بچھڑے کی محبت رچی ہوئی تھی اور اگر یہی تمہارا ایمان تھا تو وہ ایمان تمہیں بہت بُری بات کا حکم کرتا ہے ایسے ایمان کو کفر پر کیا مزیّت ہے؟

جس طرح بعض نام کے مسلمان مُسلمان کہلانا ہی کافی سمجھتے ہیں اور اصُول دین کے بالکل مخالف چلتے ہیں اور قبر پرستی، تعزیہ پرستی، رسُول پرستی، مردم پرستی، اور جبر مذہبی سے باز نہیں آتے اور اُٹھتے بیٹھتے بزرگوں کو پکارتے ہیں، یہی حال عام طور پر یہود کا بھی تھا۔ وہ محض اتنی بات کو دین جانتے تھے کہ اپنا نام یہود رکھ لیا اور برائے نام تورات اور موسٰےؑ کے پیرو کہلانے پر فخر کیا۔ ایسے لوگ اپنے بزرگوں کی شفاعت پر بھروسہ

کو بھی) کتاب دی اور اس کے پیچھے رسُولوں کو پے درپے بھیجا۔ اور عیسے (معروف بہ) ابن مریم کو واضح
دلائل کے ساتھ بھیجا اور اُسے رُوح القدس کے ساتھ قوت دی۔ پھر کیا جب تمہارے پاس کوئی
رسُول اس (معقول تعلیم) کو لیکر آیا جسے تمہارے دل نہ چاہتے تھے تو تم نے (اس کے ماننے سے)
تکبر کیا؟ پھر تم نے (رسُولوں کے) ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کرتے آتے ہو۔ ۸۸ اور (یہود
نے) کہا ہمارے دل محفوظ ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب انہیں رحمت سے دُور
کر دیا ہے سو وُہ کم ہی مانتے ہیں۔ ۸۹ اور جب ان کے پاس اللہ کے ہاں سے ایسی کتاب آئی جو اس
چیز کی (جو اُن کے پاس ہے) تصدیق کرنے والی ہے درحالیکہ وُہ پہلے سے کافروں کے مقابلے پر
فتح (یعنے فیصلہ بھی) چاہتے تھے پھر جب ان کے پاس وُہ (معقول تعلیم) آئی جسے انہوں نے پہچان
(بھی) لیا تو انہوں نے اس کی ناقدری کی پس ان میں سے جو سچ مچ کافر تھے ان پر خدا کی لعنت ہے
۹۰ انہوں نے اس بات کی ضد سے کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے (ایسی تعلیم)
نازل فرمائے، خدا کے اُتارے ہُوئے سے انکار کر کے اپنی جانوں کو بُری طرح سے چھڑانا چاہا۔ اس
سے وُہ (لوگ) غضب پر غضب کے ساتھ واپس آئے اور ایسے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا
عذاب ہے۔ ۹۱ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خدا کے اتارے پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ "ہم اسے جو
ہم پر اتارا گیا۔ مانتے ہیں" اور وُہ اس کے سوا (معقول تعلیم) کا کفر کرتے ہیں حالانکہ وُہ حق ہے۔ اسکی
تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے، تو ان سے پُوچھ پھر تم نے کیوں اللہ کے نبیوں کو قتل کیا اگر تم
ایماندار ہی چلے آتے ہو؟ ۹۲ اور بلاشبہ موسیٰؑ تمہارے پاس کھُلی باتیں لایا۔ پھر تم نے اس کے بعد
بچھڑے کو معبود بنایا اور تم ظالم ہو۔ ۹۳ اور جب ہم نے تمہارا عہد لیا اور تمہارے اُوپر طور کو
اُٹھایا (تو ہم نے کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے قوت کے ساتھ پکڑو اور اُسے سُنتے رہا کرو۔
انہوں نے کہا ہم نے سُنا اور نہیں مانا۔ اور ان کے دلوں میں ان کے کُفر کے سبب بچھڑے کی
محبت رچ گئی تھی۔ تُو (انہیں) کہہ کہ اگر تم مومن ہو تو تمہارا ایمان تمہیں بہت بُری بات کا حکم
دیتا ہے۔ ۹۴ تو کہہ کہ اگر لوگوں سے خالص کر کے خدا کے ہاں تمہارے لئے آخرت کا گھر ہے تو موت
کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ ۹۵ اور یہ لوگ اپنی کرتوتوں کے سبب موت کی کبھی بھی تمنا نہیں کریں گے اور
اللہ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ۹۶ اور تو انہیں اس دنیا کے جینے پر سب آدمیوں سے زیادہ
حریص پائے گا۔ اور دیگر مشرکوں میں سے (بھی) ہر شخص چاہتا ہے کہ کاش مجھے ہزار سال کی عمر
دی جائے۔ اور وُہ (عمر دیا جانا) اُسے عذاب سے نہیں بچائیگا اور اللہ انکے کاموں کو دیکھنے والا ہی

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○ ۹۰ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ ۹۱ وَ
اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ
تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ۹۲ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ
مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○
۹۳ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۚ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ
بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ۹۴ قُلْ
اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ۹۵ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ
اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ ۹۶ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى
حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ
وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○

ترجمہ۔ (ہم نے تمام رسولوں کو تعلیم توحید کے ساتھ بھیجا۔ اسلام یہی ہے) اور بلاشبہ ہم نے موسیٰؑ

پہلے نہیں تھا اور میں ہی اسلام کا بانی ہوں۔ قرآن مجید اسلام کا مبلّغ اعظم ہے، موجد نہیں۔ جو لوگ اسلام سے ہٹا کر "احمدیت" "بابیت" اور "بہائیت" پھیلاتے، مسلم کو شیعہ، سُنّی، اہل حدیث وغیرہ بناتے اور ایک خاص شخص کے اجتہاد پر چلاتے ہیں، وہ اسلام یعنی دنیا کو متحد کرنے والے دین کو نہیں پھیلاتے بلکہ تفرقہ اور ابتری پھیلا رہے ہیں

قرآن مجید نے فرداً فرداً اور یکجائی طور پر بھی تمام انبیاء کی وہی تعلیم پیش کی ہے جو اصل اسلام ہے۔ اسی اسلام کا مقابلہ کرنے سے قومیں ہمیشہ تباہ ہوئیں۔ حق آیا اور باطل بھاگ گیا۔ باطل کے حق میں ہمیشہ مٹنا ہی لکھا ہے

قرآن مجید نے رنگا رنگ پیرائے میں اُسی اسلام کے نقشے کھینچ کر دکھائے ہیں جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ صحیفۂ فطرت نے بھی اسی کو پیش کیا ہے۔ حکمت سے بھی اسی کو واضح کیا ہے۔ بلاشُبہ لقمان حکیم کی تعلیم اصل اسلام ہی تھی

اللہ تعالیٰ نے تمام دُنیا میں نبی و رسُول بھیجے اور اصل اسلام کو ہمیشہ اپنی وحی ہی سے پیش کیا۔ ساری دُنیا کو وحی الٰہی والا حق پہنچا دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے رسلاً مبشرین ومنذرین۔ لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل وکان اللہ عزیزاً حکیماً ۱۶۵

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان رسُولوں کے آنے کے بعد کسی قوم کیلئے یہ حجت باقی نہیں رہ سکتی کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں اصل دین نہیں سکھلایا

نبیوں کی اِس تشریف آوری سے تمام دنیا کو حق تو پہنچ گیا۔ لیکن اشرار کی ریشہ دوانیوں سے دنیا کو نبیوں کے آنے سے خاص کر تین بڑے نقصان بھی پہنچے

(۱) ہر قوم نے اپنے نبی کو خدا تعالےٰ کے ساتھ بالغیر بے غلط بنا کر، نبیوں کے کلام کو بھی خدا تعالیٰ ہی کی کلام کی مانند بنا دیا۔ اور اسے متلو معہ سمجھ کر خدا تعالیٰ کے کلام میں شامل کر دیا۔ پہلی کتابوں میں بلاشُبہ ھدایٰ و نور ہے مگر ان میں کلام الٰہی کے ساتھ نبیوں اور بندوں کا کلام بھی مخلوط ہے۔ سب نبی توحید سکھلانے کیلئے آئے تھے مگر وُہ خود خدا تعالےٰ کیساتھ پوجے گئے۔ چنانچہ انہیں خُدا کے بیٹے بنایا گیا اور شفیع المذنبیں اور بالغیر بے غلط اور مُنتہائے سوال ٹھیرایا گیا اور سمجھا گیا کہ اُن کی شفاعت ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب کر دے گی اور خُدا تعالیٰ کو ایسا قرار دیا گیا جس کی عدالت میں آدمیوں کے وسیلے اور سفارش کا بھی دخل ہے، یُوں لوگ بجائے موحد ہونے کے رسول پرست یعنی مشرک بن گئے

پھر نبی لوگ حق کے مُبلّغ اور راستہ دکھلانے والے تھے۔ وُہ خود ہی اصل راستے کا جزو بنا دیئے گئے چاہئے تو یہ تھا کہ سب نبیوں کی قدر کی جاتی اور ان کی وحدتِ تعلیم کے سبب سے سمجھا جاتا کہ ایک رسُول کا نافرمان سب کا نافرمان ہے لوگوں نے تمام رسُولوں کو ایک جماعت نہیں سمجھا بلکہ ہر ایک کی تعلیم کو الگ الگ قرار دیکر تفرقہ ڈال دیا اور کہا کہ جو ہمارے رسُول کی باتوں کو نہ ملنے وُہ کافر ہے اور دوسرے رسُول کی پیروی کرنا عین الحاد ہے۔

قرآن مجید کو خدا تعالیٰ نے رسُول کی اپنی باتوں سے بالکل الگ اور ایسا محفوظ رکھا ہے کہ لوگ باوجود کوشش کے آج

حواشی

اسلام | سچا دین انسان کی اصلی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو دین الحق کے موافق پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی دین القیم ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ہر زمانہ کے انسانوں کا دین القیم ہمیشہ ایک ہی ہونا چاہیئے۔ لوگ ہمیشہ یہی کہتے گئے ہیں کہ "حق ہی ہمارا دین ہے۔ یہ حق ایک دائمی چیز ہے۔ یہ حق حقیقت کے لحاظ سے ہمیشہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔" اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ دین الحق وہ چیز ہے جو اپنی اصلیت کے لحاظ سے ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔

کیا دنیا میں کوئی دانا ایسا ہو سکتا ہے جو یہ کہے کہ صراط مستقیم دو ہو سکتے ہیں؟ صراط مستقیم بلا شبہ ہمیشہ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ چونکہ صراط مستقیم انسان کو انعام کے لائق بناتا ہے، اور نجات ایک ضروری انعام ہے اس لئے سب کے سب منعم علیہم ہمیشہ صراط مستقیم ہی سے نجات پاتے رہے ہیں

انسان کو ہر وقت گرنے، دکھوں اور غموں میں مبتلا ہونے اور بدیوں میں پھنسنے کا خوف لگا رہتا ہے۔ نجات وہ حالت ہے جس میں انسان دوبارہ سیئات میں آلودہ ہونے سے بچ جاتا ہے اور آئندہ اعلیٰ ترقیات حاصل کرنے کا اطمینان پا لیتا ہے۔ انسان جب تک اس دنیا میں موجود ہے وہ ہمیشہ ہی ابتلائی حالت میں رہتا ہے۔ شیطان اس ابتلائی حالت میں شریروں کو ابھارتا ہے اور وہ اس کی انگیخت میں آکر اس کی دعوت قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ توکل علی اللہ سے نہیں ڈگمگاتے۔ شیطان انہیں عمداً شرارت کرنے اور بد بننے پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شیطان انہیں بھلا دیتا اور غلطی اور تکلیف میں پھنسا دیتا ہے۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ یہ سکھاتا ہے کہ انسان اپنے آپ میں کیسا کمزور ہے خدا تعالیٰ کے تصرفات کے بغیر انسان اپنے آپ میں کچھ چیز نہیں۔ قرآن مجید کا اصلی مدعا اسی بات کو ثابت کرنا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی ایسا نہیں بنایا گیا جس پر کسی بھی لحاظ سے بھروسہ کیا جا سکے

ابتلائی حالت میں انسان کو ہمیشہ یہ خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں میں اپنی حالت سے گر نہ جاؤں اسے نجات کا اطمینان اِس ابتلائی حالت سے نکلنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ یہ نجات شروع دنیا سے تمام منعم علیہم حاصل کرتے آئے ہیں۔ تمام انسانوں کے لئے حصول نجات کا طریق صرف ایک ہی رہا ہے اور وہی صراط مستقیم ہے

اسلام کے سوا کوئی دین خدا کے ہاں مقبول نہیں گویا اسلام ایک ہی بے بدل شے رہا ہے۔ یہ اسلام آسمانوں اور زمینوں میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ یہ اسلام حضرت نوح علیہ السلام کا بھی دین تھا۔ حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ "میں بھی مسلم رہوں۔ اور میری اولاد بھی مسلم رہے۔ لیکن ہمارے بعد اسلام اپنی اصلی حالت پر نہیں رہیگا۔ اے خدا! آخر اسی اسلام کو پھر دنیا میں صاف کر کے لانا" دیگر انبیاء بھی مسلم تھے

اسلام ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ قرآن کریم اسلام ہی کی طرف بلاتا ہے۔ اُس نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ اسلام مجھ سے

اس رکوع میں سات آیات ہیں

پہلی آیت میں یہ ہے کہ یہود ہاروت و ماروت کو، جو بابل کے دو جادوگر تھے، فرشتے سمجھتے تھے اور کتاب اللہ کو چھوڑ کر ان کے منتروں کو رٹتے تھے۔ جادو یقیناً باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے باطل کو فرشتے نہیں لا سکتے۔ ایسے توہمات پھیلانے والے ضرور شیاطین تھے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بابل میں یہود کے بناوٹی اور فرضی دو فرشتے ہیں

ہاروت و ماروت پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جادو نازل نہیں ہوا بلکہ وہ اِدھر اُدھر کے دوسرے شیاطین سے سیکھ کر جادوگر بنے تھے

دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسولوں اور جبریل و میکال کا دشمن ہو تو بلا شبہ اللہ ایسے لوگوں کا دشمن ہے، جبریل وہ ہے جو خدا کے ہاتھ میں مجبور و عاجز بندہ ہو۔ اور میکال وہ ہے جو خدا کا پورا تابعدار ہو اور خدا کا حکم پا کر بالکل اسی کے مطابق کام کرے۔ یہ نام عبرانی ہیں اور بنی اسرائیل سے لئے گئے ہیں۔ ایسے وسائط سے جو کام ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا کام ہوتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریل جیسے فرشتے انسان کی باطنی اصلاح کے وسائط ہیں اور اس باطنی اصلاح کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ میکال انسان کی ظاہری پرورش کا واسطہ ہے۔ ان وسائط سے مانگنا ایسا ہے جیسا سورج، چاند، ہوا، پانی، آگ اور مٹی سے مانگنا

تیسری آیت میں ہے کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح آیات کا پہنچنا ہے سو وہ تجھے پہنچ رہی ہیں اور جو شخص ایسی آیات کا کافر اور ناقدر دان ہے وہی اصل باغی و نافرمان ہے اور یاد رہے کہ رسل و انبیاء راستہ دکھانے والے ہوتے ہیں خود رستہ کا جزء نہیں ہوتے۔ ان کی عزت صرف بطور معلم و منتظم کے ہے

چوتھی آیت میں فرمایا ہے کہ یہود نے بالعموم اصلی عہدوں کا کبھی خیال نہیں کیا اور انہیں پس پشت ڈال دیا۔ نہیں نہیں بلکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سچے ایمان سے بالعموم خالی ہیں۔ یہ لوگ اصلیت کے منکر ہیں، ہاں ظاہری رسموں اور ناموں پر ضرور فریفتہ ہیں

پانچویں آیت میں ارشاد ہے کہ جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول آتا ہے جو ایسی تعلیم کی جو ان کے پاس ہے تصدیق کرتا ہے تو اہل کتاب کا ایک فریق کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت ڈال دیتا ہے گویا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی قدر و منزلت کا علم ہی نہیں ہوتا۔ یہ لوگ کتاب الٰہی کو چھوڑ

یمک حدیثوں کو اس میں داخل نہیں کر سکے۔ پھر بھی عقل کے اندھے پکار کر کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم کتاب اللہ میں داخل ہیں ذٰلکم قولکم بافواھکم

(۲) الگ الگ قوموں میں الگ الگ رسم ورواج تھے۔ ہر قوم چاہتی تھی کہ وہی رسمیں ہمیشہ قائم رہیں۔ حالانکہ کوئی بھی رسم ہمیشہ کیلئے اصول نہیں بن سکتی۔ مشیت ایزدی یہ تھی کہ اگر ان کی کلی اصلاح نہیں ہو سکتی تو جس قدر ممکن ہو اتنی ہی سہی ہاں ان کی خود طلب کردہ رسمیں بطور سزا کے ان پر ڈالی گئی تھیں۔ اس سے یہ دکھلانا مقصود تھا کہ وہ ان بوجھوں کو نہیں اٹھا سکیں گے یا کافر نہیں گے یا یہ چاہیں گے کہ اصل تعلیم ہی انہیں دی جائے۔ بلاشبہ دوسری کتابوں میں ایسی رسوم بھی موجود ہیں جو خاص ایک ہی قوم کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور دائمی اصول نہیں بن سکتیں (مثلاً ہون و سوختنی قربانی وسبت وغیرہ) سزائی احکام اس کتاب میں نہیں آسکتے جس کا کل انسانوں کے ساتھ تعلق ہے

(۳) دنیا تقلید۔ واوہام میں پھنسی ہوئی ہے۔ حکمت سے دین کی تلاش کرنے کے بجائے ہر قوم فضول و نامعقول راستے اختیار کئے ہوئے ہے۔ ایک کہتا ہے کہ ہمارا نبی سچا ہے کیونکہ اس کے کرتے پر خدا تعالیٰ کے قلم کے چھڑکنے سے سرخ نشان پڑے ہوئے دیکھے گئے۔ دوسرا کہتا ہے کہ ہماری تثلیث و کفارہ سچا ہے کیونکہ ہمارا نبی مُردوں سے زندہ ہو گیا اور آسمان پر چلا گیا۔ تیسرا کہتا ہے کہ میرا بزرگ راستباز ہے اس لئے کہ اس کی دعا سے فلاں شخص کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا اور اس سے مباہلہ کر کے فلاں شخص مر گیا یا اس نے میری فلاں جگہ غائبانہ حمایت کی۔ لوگ چاہتے ہیں کہ رسولوں کو خارق عادات کے ذریعے سے سچا ثابت کریں۔ بلکہ وہ انہیں اختیاری طور پر انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دینے والا بھی مانتے ہیں۔ بہت سے لوگ سند میں باپ دادا کا عمل پیش کرتے ہیں۔ کوئی اجماع کا راگ گا رہا ہے۔ اصل علم۔ حکمت کی طرف لوگوں کی توجہ ہی نہیں جس طرح ایک جھوٹ کو ثابت کرنے کیلئے کئی جھوٹ گھڑنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح ایک خرق عادت کو سچا بنانے کیلئے کئی معجزے تراشنے پڑتے ہیں

دنیا اس حالت میں مبتلا چلی آتی تھی۔ بہت سے لوگ مذہبوں سے بدگمان ہو رہے تھے اور چاہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ آئے اور ہمارے مذہبوں کی تصدیق کرے اور ہمارے تفرقوں کو مٹائے۔ ایسے وقت میں قرآن حکیم نازل ہوا۔ اس نے آکر بتایا کہ تمام دنیا کے پاس رسول حق لائے ہیں۔ صرف اسی کو حق مانو اور حکمت سے کام لو اور شرک وکفر واوہام و تقلید چھوڑ دو۔ قرآن حکیم چونکہ سب میں صلح کرانے اور مذہبوں کے اختلاف مٹانے آیا ہے اس لئے وہ خاتم الکتب ہے۔ وہ کوئی نئی تعلیم دینے نہیں آیا بلکہ حکمت پر چلانے اور ایک بنانے آیا ہے

دسویں رکوع میں جو تعلیم پیش کی گئی تھی وہ عین اسلام ہے۔ اس رکوع میں فرمایا ہے کہ یہی تمام رسولوں کی تعلیم تھی۔ اور قرآن مجید حکمت کے ساتھ معترضین کو جواب دینے اور نیک بنانے کی داغ بیل ڈالنے آیا ہے۔ لوگ قرآن حکیم پر اس کے اس منشاء کے مطابق جس کے سکھانے کیلئے وہ آیا ہے غور نہیں کرتے



مَلٰٓئِکَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ ۹۹ وَ
لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ○ ۱۰۰ اَوَ
كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○
۱۰۱ وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ
مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○
۱۰۲ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ
فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا ھُمْ
بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ
وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا
شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ ۱۰۳ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ ۹۷ (یہود کہتے تھے کہ اہل اسلام فرشتوں اور رسولوں کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے جواب میں فرماتا ہے کہ) تو ان سے پوچھ کہ جبریل کا کون دشمن ہے؟ (اہل اسلام تو اس کے دشمن نہیں ہو سکتے) اس لئے کہ بلاشبہ اس نے اس قرآن کو تیرے دل پر اللہ کے اذن سے نازل کیا ہے (اہل اسلام قرآن کے لانے والے کے دشمن نہیں ہو سکتے) اس حال میں کہ وہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہے اور ایمانداروں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے[1]۔ ۹۸ (مسلمان ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ)

---

[1] گویا وحی الٰہی ایک قلبی واردات ہے۔ اسے ظاہری بینائی سے کوئی علاقہ نہیں

کر ایسی باتوں کی پیروی کرتے ہیں جن کے سبب سے اپنے نبیوں کو بھی کافر اور خلل دماغ کے عارضے میں مُبتلا قرار دے لیتے ہیں جیسا کہ چھٹی آیت میں وارد ہے۔ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر ایسی باتوں کی پیروی کی جنہیں شیاطین یعنی جادُوگر سلیمان ع کی بادشاہی پر افترا کرتے ہوئے لوگوں پر پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ سلیمان کی بادشاہی جنتر منتر اور انگوٹھی کے نقش ونگار پر منحصر تھی۔ یہ ایک کفریہ خیال ہے اور ظاہر ہے کہ سلیمان ع کافر نہیں تھے لیکن شیاطین یعنی جادُوگر کافر تھے جنہوں نے حضرت سلیمان ع پر ایسے افترا کئے تھے۔ شیاطین لوگوں کو جادُو سکھاتے تھے۔ یہُود یہ بھی کہتے تھے کہ یہ جادُو ہمارے دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر شہر بابل میں خدا کی طرف سے نازل ہُوا تھا حالانکہ یہ اُن کے دو فرضی فرشتوں ہاروت و ماروت پر نازل نہیں ہُوا۔ ہاروت و ماروت جادُوگر تھے۔ خود تو وُہ اس بلا میں مُبتلا تھے لیکن اگر کوئی اُن کے پاس سیکھنے کو آتا تو وُہ دُوسرے بدمعاشوں اور قمار بازوں کی طرح کہہ دیتے تھے کہ ہم تو مُبتلائے مصیبت اور مجسّم فتنہ ہیں تو کیوں اسے سیکھ کر کافر بنتا ہے؟ وُہ جادُوگر اپنے فعل کو خود ہی بُرا کہتے تھے۔ جادُو ایک بہت بُری چیز ہے۔ سو یہ لوگ ان دونوں جادُوگروں کی طرف سے ایسے فتنہ و کفر کو سیکھتے ہیں جس کے ذریعے سے مرد اور اس کی بیوی میں جُدائی ڈالیں اور انہیں بدکاری پر آمادہ کر دیں اور آباد گھروں کو ویران بنا دیں۔ یہ لوگ اس دھوکے اور وہم کے ذریعے سے کسی کو ضرر دینے والے نہیں۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ کی اجازت سے کوئی ضرر پہنچ جائے تو پہنچ جائے لیکن ان کے جادو کا کوئی اثر نہیں۔ حاصل یہ کہ یہ لوگ ایسی چیز کو سیکھتے ہیں جو انہیں ضرر دیتی اور کافر اور وہم پرست بناتی ہے مگر انہیں کوئی نفع نہیں دیتی۔ اور یہ انہیں خوب معلوم ہے کہ جو شخص جادُو خریدے اُس کے لئے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں۔ باوجود اس علم کے وُہ شرارت سے باز نہیں آتے۔ کاش انہیں یہ علم بھی ہوتا کہ جان بُوجھ کر شرارت سے نہ ٹلنا کیسی بُری چیز ہے! اور اگر وُہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے اور اس سے ڈرتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اجر انہیں دین و دنیا میں ملتا وُہ بہت اچھا ہوتا۔ کاش انہیں اس کا بھی پُورا علم ہوتا تاکہ وُہ اس بلا سے بچ جاتے۔ یہ ساتویں آیت کا مضمون ہے

رکوع ۱۲

۹۷ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ○ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَ

ـــــ اس سے طلاق کی سخت مذمت ثابت ہوتی ہے۔

ایک دوسرے کو کافر اور جہنمی بناتا تھا۔ اُس وقت قرآن حکیم انہیں سچے خدا کے ماتحت متحد کرنے اور یوں انہیں مقبول الٰہی بنانے کیلئے آیا۔ اس لئے ضروری تھا کہ قرآن حکیم انہیں دکھا دے کہ سزائی احکام اور رسولوں کے محض بشری معلومات سے قطع نظر اس وحی میں جو مشترکہ طور پر تمام رسولوں اور منعم علیہم کے پاس پہنچتی رہی مطلقاً کوئی فرق نہ تھا کیا خدا تعالیٰ کی اصل وحی خواہ وہ نوح ؑ کو ملے یا ابراہیم ؑ پر نازل ہو یا موسیٰ ؑ یا عیسےٰ ؑ کو دی جائے کبھی غلط ہوسکتی ہے؟ کیا قرآن مجید کی کسی آیت سے بھی ایسا نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وہ احکام جو دائمی اصول کے طور پر دیئے گئے تھے اسلام کے خلاف تھے؟ یا کیا قرآن حکیم کے کسی بیان سے یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ ایک رسول کی اطاعت کرو اور دوسرے کی پیروی نہ کرو؟ نہیں نہیں! بلکہ یہ فرمایا ہے کہ سب کی پیروی کرو اور ان میں اختلاف نہ ڈالو سب کی تعلیم ایک تھی شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا الخ ۴۲ وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین۔ حنفاء ویقیموا الصلوٰة ویؤتوا الزکوٰة وذلك دین القیمة ۹۸ وغیر ذلک من الآیات

پھر قرآن پاک میں کہیں نہیں فرمایا کہ کچھ رسولوں کی نمازیں اور زکواتیں نجات کے لائق نہ تھیں اور باقیوں کی نمازوں اور زکوتوں پر عمل کرنا لازم ہے۔ نہیں نہیں بلکہ اہل کتاب کی ان نمازوں کی جنہیں وہ قرآن کریم کے نزول کے وقت بجالاتے تھے تعریف کی! بلکہ ارشاد کیا کہ اے اہل کتاب ایک بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے! اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا ہمارا بعض بعض کو رب نہ ٹھیرائے۔ نہ محمدؐ رسول اللہ کو رب بناؤ اور نہ موسےٰ ؑ رسول اللہ و عیسےٰ ؑ رسول اللہ ہی کو قابل تقلید ٹھیراؤ۔ اسی کو اصل جانو جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے۔ آگے حکم کیا۔ اگر وہ یکساں بات سے منہ موڑیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم اسی اسلام پر ہیں جو شروع دنیا سے چلا آیا ہے ۳ پ

اور یہ یاد رہے کہ طرز عمل کا اختلاف کسی طرح سے بھی داخل عبادت نہیں اور اس کی بنا پر الگ فرقہ قرار نہ دینا چاہیئے

گیارھویں رکوع میں یہی بیان تھا جو اہل کتاب تفرقہ کو اصل دین جانتے تھے وہ قرآن حکیم کی اس اصلاح کے مخالف تھے۔ اکثر یہود موسےٰ ؑ کو خدا سا جانتے تھے اور نصاریٰ بالعموم عیسےٰ ؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ نصاریٰ کے نزدیک مسیح ؑ کی حکومت تمام ملائکہ پر تھی اور یہود کے نزدیک فرشتے موسےٰ ؑ کے حیرت انگیز طور پر پیرو کار رہتے۔ ان کا خیال تھا کہ انبیاء اپنے اختیار سے ملائکہ کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ صلاح و مشورہ کرلیتے تھے اور اسی لئے ان کی ہدایت وحی الٰہی ہوتی تھی۔ جب یہود و نصاریٰ وغیرہ نے قرآن پاک کا مذکورہ بالا بیان سُنا تو انہوں نے کہا کہ اہل اسلام درحقیقت ملائکہ اور رسُولوں کے دشمن ہیں اور ہاروت و ماروت جنہیں ہم فرشتے سمجھتے تھے ان کے متعلق یہ صاف طور پر کہتے ہیں کہ وہ دونو جادوگر (دھوکہ باز) تھے

ہم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیات بینات کے حاصل کرنے کی احتیاج ہے اور اس کیلئے ایسے وسائط کی ضرورت

جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہو تو بلاشبہ اللہ کافروں
کا دشمن ہے (اس جگہ "ان کا دشمن" نہیں کہا بلکہ کافروں کا دشمن فرمایا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ ان
میں سے جو ارادۃً دل سے کافر ہیں، خداتعالیٰ ان کا دشمن ہے نہ غلطی خوردہ لوگوں کا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو
پیدا کیا۔ وہی سب کا رازق و محافظ ہے۔ وہ مشرکوں پر بھی رحیم ہے۔ اس رحیم و فیاض سے منہ موڑنا
دشمنی میں پڑنا ہے۔ جب انسان غیروں پر بھروسہ کرتا ہے تو خداتعالیٰ اسے ان کے ہاتھ میں چھوڑ دیتا
ہے۔ ہر طرف سے اس کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ ہوتا ہے اور وہ ذلیل کیا جاتا ہے۔ خداتعالیٰ کی طرف
سے اسی خذلان کا نام دشمنی ہے۔ اگر خداتعالیٰ انسانوں کی طرح کسی کا دشمن ہو تو اس کا ٹھکانہ کہاں؟)
[99] (بندوں کو خداتعالیٰ کی طرف سے آیات بیّنات کے ملنے کی ضرورت ہے) اور بلاشبہ ہم نے تیری طرف
واضح آیات نازل کی ہیں اور ان کے ساتھ کفر نہیں کرتے مگر عہد شکن لوگ۔ [100] اور جب کبھی انہوں نے
کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک فریق نے اسے پھینک دیا۔ نہیں نہیں بلکہ وہ ایمان ہی نہیں رکھتے۔
[101] اور جب ان کے پاس اللہ کے حضور سے کوئی ایسا رسول آیا جو اس تعلیم کا جو ان کے پاس ہے تصدیق
کرنے والا تھا۔ تو ان لوگوں میں سے جنہیں کتابیں ملیں، ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے
ڈال دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہ تھے [102] اور انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جسے شیاطین سلیمان کی بادشاہی
پر افترا کرتے ہوئے پڑھتے تھے (اور کہتے تھے کہ سلیمان کی حکومت ایک انگوٹھی کے نقش و نگار پر منحصر تھی)
حالانکہ سلیمان کافر نہیں تھا ولیکن شیاطین (یعنی جادوگر) کافر تھے۔ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے حالانکہ وہ
بابل میں ان کے دو (فرضی) فرشتوں ہاروت و ماروت پر نازل نہیں کیا گیا تھا۔ (جادو ایسی بری چیز ہے
کہ) وہ دونو کسی کو نہیں سکھاتے تھے جب تک (یہ بات) نہ کہہ لیتے کہ ہم (مجسّم) فتنہ ہیں سو تو تو کافر نہ بن۔
سو وہ ان دونو کی طرف سے ایسی چیز کو سیکھتے ہیں جس کے ذریعے سے مرد اور اس کی بیوی کے
درمیان تفرقہ ڈال دیں اور وہ اس کے ساتھ کسی کو ضرر دینے والے نہیں مگر اللہ کے اذن کے مطابق۔
اور یہ لوگ ایسی چیز کو سیکھتے ہیں جو ان کا بگاڑ تو ضرور کرتی ہے (یعنے انہیں کافر اور وہم پرست بناتی ہے)
اور انہیں (کچھ) نفع نہیں دیتی، اور یہ بلاشبہ جان چکے ہیں کہ جو اس (بلا) کو خریدیگا اس کے لئے
آخرت میں کچھ حصہ نہیں، کاش یہ جانتے (کہ جان بوجھ کر شرارتوں سے نہ رکنا کیسا برا ہے) [103] اور اگر یہ بات
ہوتی کہ وہ (اللہ کو) مانتے اور ڈرتے تو اللہ کی طرف سے جو اجر انہیں ملتا وہ بہت اچھا ہوتا۔ کاش وہ
(اصل) علم رکھتے!

حواشی | جب مختلف کتابوں والے آپس میں جنگ کرتے تھے اور ہر اہل مذہب اپنی اپنی کتاب کے مختلف حوالوں سے

لِّلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ١٠٥ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ
بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ ١٠٦ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ
نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
١٠٧ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ
وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ ١٠٨ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ
يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ١٠٩ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ١١٠ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا
لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝
١١١ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ١١٢ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ
وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ۝

ہے جن کا اس وحی کے پہنچانے میں اپنا کوئی دخل نہ ہو۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ہم فرشتوں اور رسولوں کو ان کی اصل حقیقت کے مطابق مانتے ہیں اور اس انعام کیلئے خدا تعالیٰ کے شکر گذار ہیں اور اگر ملائکہ و رسول اپنے اختیار سے باتیں کرتے ہیں اور انہیں خدا تعالیٰ کے حکموں کی مثل جانتے ہیں تو اس طرح کے فرضی ملائکہ و رسولوں کا ماننے والا، ان کی اصلیت کا منکر بلکہ خدا تعالیٰ کی توحید کا کافر اور خود خدا کا بھی دشمن ہے۔ اس تعلق کے لحاظ سے خدا رسول کو فرماتا ہے کہ:۔

تو ان سے پوچھ۔ جبریل کا دشمن کون ہے؟ تم یا ہم؟ ہم تو جبریل کے دشمن نہیں ہو سکتے کیونکہ جبریل نے اس قرآن کو تیرے دل پر خدا تعالیٰ کے اذن کے مطابق اس حال میں نازل کیا کہ یہ ان تمام الٰہی نوشتوں کا مصدق ہے جو اس سے پہلے تھے اور یہ ایمانداروں کیلئے ہدایت اور خوش خبری ہے۔ خدا کے ماننے والے اس سے ہدایت اور تسلی پاتے ہیں

جادو صرف ایک دھوکا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ بہادر بن کر اس کے اثر کو اپنے سے دور کریں اور بزدل بن کر ایسے اثروں میں نہ پھنس جائیں

یہود نے طنزاً کہا تھا:۔ انا قتلنا المسیح ابن مریم رسول اللہ۔ حالانکہ وہ انہیں رسول اللہ نہیں مانتے تھے۔ فرعون نے بھی بطور استہزاء کہا تھا۔ "ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون ۲۶" قریش نے بھی رسول کریم کو الذی نزل علیہ الذکر ۱۵ طنزاً ہی کہا تھا۔ اسیطرح الملکین بھی طنزاً ہی کہا گیا ہے۔ ہاروت و ماروت ہرگز فرشتے نہ تھے

اس رکوع میں دو اصلاحات فرمائی گئی ہیں:۔

(ا) کتاب الٰہی کا ماننا اصل ہے۔ سب رہبروں کی قدر بطور نعمت الٰہی کے ہے

(ب) جنتر منتر ٹونہ، رمل جفر اور دیگر توہمات اور دھوکوں سے باز رہنا اور اصل علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ نقش سلیمانی جیسی کتابوں سے جو شیاطین نے سلیمان ؑ کا نام رکھ کر لکھی ہیں، احتراز لازم ہے

یہود اور مشرکین، قرآن حکیم کی ایسی اصلاحات سے جلتے تھے اور نہ چاہتے تھے کہ وہ نافذ ہوں، قبلہ کی اصلاح پر ظالموں نے کئی خون کر دیئے۔ دیگر اصلاحوں پر بھی مسلمانوں کو ستاتے اور فضول اعتراضات کر کے عوام الناس کو بھڑکاتے، اپنے ہم مشربوں کو جمع کر کے طیش دلانے والے لکچر دلواتے اور جب وہ کہتے کہ ایسی اصلاحیں کرنے والوں کو قتل کر دینے میں ساٹھ شہیدوں بلکہ سو شہداء کا ثواب ہے تو اس جلسہ میں بڑا حصہ لینے والے کہتے "جزاک اللہ۔ مرحبا!" وہ ریشہ دوانیاں کر کے حق پرستوں کے رشتے ناطے تڑواتے اور قطع رحمی کرتے

رکوع ۱۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَ

۱ الملکین میں ال عوض مضاف الیہ ہے یعنی ملکیھم

یعنے دوبارہ سُنا دیجئے تاکہ ہم بھی سمجھ سکیں۔ اگر ضرورت ہو تو سامعین کو ایسا کہنے کا حق ہے بلکہ وہ مناسب اعتراض بھی کرسکتے ہیں۔
لیکن یہود کے دل میں کھوٹ تھا۔ وہ دراصل گالی دیتے تھے اور مسمی صُورت بناکر اور زبان مروڑ کر راعنا[1] بطور منادی نکرہ کے کہتے تھے یعنی "او کوئی بیوقوف (یہ تو کیا بول رہا ہے؟)" بعض مسلمان بھی اس چال میں آکر اور اس لفظ کو اچھا سمجھ کر یہی کہنے لگ پڑے تھے اور انہیں اس لفظ کے بُرے پہلو کا علم نہ تھا

یہود لوگ ایسی شرارت کرکے خوش ہوتے اور کہتے کہ قرآن مجید تو ہمارے جادو کو فضول بتاتا ہے حالانکہ ہم نے مسلمانوں ہی پر جادو کردیا ہے اور سب کو دھوکا دیدیا ہے۔ ہم گالی دیتے ہیں اور وہ اسے ہماری خوش اخلاقی پر محمول کرتے ہیں

قرآن مجید نے مومنوں کو یہود کے اس دھوکے سے آگاہ کیا۔ بلاشبہ قرآن مجید مومنوں کو بھی غلطی سے نکالتا ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ مومن جو کچھ بھی کہیں وہ قرآن بے مثل کی مانند وحی ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود رسُول کریم بھی اشرار یہود کے اس دھوکے میں آگئے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ جو رسُول کافروں کے دھوکے میں آسکتا ہے وہ بشریت کے لحاظ سے یقیناً دوسرے بشروں ہی کی طرح ہے

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فرمایا کہ راعنا مت کہا کرو اور اس کی جگہ انظرنا کہو اور ایسا کہنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں خود غور سے سُنا کرو اور ان کافروں کے لئے جو جادو کے اس قدر دلدادہ ہیں اور کتاب الٰہی کو پس پشت ڈالتے ہیں دردناک عذاب ہے

(۲) دوسری آیت میں یہ بتایا کہ اہل اسلام کو لوگ کیوں ستاتے اور ایذا دیتے ہیں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید تمام و کمال خیرات و حسنات سے پُر ہے اس نے صالحات پر عمل کرنا سکھایا اور جہالت و توہمات سے بچنے کی تلقین کی ہے اس میں کوئی بھی نقص نہیں اس کے ثبوت اس کے اندر ہی موجود ہیں گو تمام مذاہب یکساں دعوی رکھتے ہیں تاہم قرآن کی صفائی حکمت اور رواداری کو دیکھکر لوگ حیران ہوجاتے ہیں لیکن جس طرح ایک شریک دوسرے شریک کی ترقی نہیں دیکھ سکتا اسی طرح دشمنان اسلام بھی اس مذہب کی خوبی سے جلتے اور اسے بگاڑتے۔ یہی حال یہود اور دیگر مشرکین کا بھی ہے وہ اسلام کی توحید بے تعصبی اور رواداری سے اس لئے گھبراتے کہ یہ مذہب تمام دنیا کو جذب کرلینے کے قابل ہے دین تو صرف خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو بھی رسُول۔ نبی و رشی آتا ہے وہ خدائی دین ہی کی تعلیم دیتا ہے ہمیں تمام رشیوں اور نبیوں کی عزت کرنی چاہئے۔

(۳) اس وقت دُنیا بمنزلہ ایک محلّہ کے ہے۔ تمام دُنیا میں میل ملاپ اور تجارت جاری ہے رشتے ناطے ہو رہے ہیں ایک قوم دوسری قوم سے تعلیم پارہی ہے دُنیا میں ایسے وقت بھی آچکے ہیں جب کہ ایک قوم دوسری قوم سے واقف نہ تھی لوگ سمجھتے تھے کہ دوسرے ملکوں میں دیو اور راکشس بس رہے ہیں ایسے وقتوں میں رسُول بھی الگ الگ ہی آتے تھے ان لوگوں کو اصل حق ضرور سکھایا جاتا تھا لیکن وہ اپنی رسموں اور رواجوں میں خوب پھنسے ہوئے تھے ان کی جہالت و اصرار کے سبب سے ان پر سزائی طور پر ان کے بعض رسم و رواج بھی ڈالے جاتے تھے مقصود اس سے یہ تھا کہ اگر ان کی کُلّی اصلاح نہیں ہوتی تو جس قدر ممکن ہو

[1] راعنا = رعونت پسند۔ احمق۔ خود رائے

ترجمہ۔ [104] اَے (قرآن کے) ماننے والو! راعنا نہ کہو اور اُنْظُرْنَا[1] کہو اور (اس کے کہنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں) تم (غور سے) سُنا کرو اور وُہ لوگ جو سچ مچ کافر ہیں ان کے لئے (ویسا ہی) ستانے والا عذاب ہے (جیسا کہ وُہ دوسروں کو ستاتے ہیں)۔ [105] اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں نہ وُہ اور نہ مشرک ہی اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تم (مسلمانوں) پر تمہارے تربیت کرنے والے (خدا) کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ اس شخص کو جو چاہتا ہے (یا جسے وُہ اللہ اپنی حکمت کے مطابق پسند کرتا ہے) خاص کرلیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ [106] جو کسی (سزائی حکم والی) آیت کو ہم مٹا دیں۔ یا ہم اس آیت کو (جس کی طرف سے جہالت پسندوں نے غفلت کی ہے' اپنے قدرتی قواعد سے) بھلا دیں' تو ضرور ہے کہ ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل لے آئیں[2]۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر شئے پر قدرت رکھتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور (جنس) زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے کیلئے ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوائے کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہے۔ [108] نہیں بلکہ تم چاہتے ہو کہ تم اپنے رسُول سے (رسم پرستوں کی طرح) ایسے سوال کرو جیسے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے اور (یاد رہے کہ) جو شخص کُفر کو ایمانِ (خدا) کی جگہ بدل لے تو وہ سیدھی راہ سے گمراہ ہوگیا (اور اس کے ظاہری عمل بھی عاقبت کے لحاظ سے ناکارہ ہوگئے) [109] اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ' اُن پر حق کے واضح ہو جانے کے بعد (بھی) اپنے دلی حسد کی وجہ سے' اس بات کے خواہاں ہیں کہ تمہیں تمہارے (سچّے) ایمان کے بعد لوٹا کر کافر بنادیں۔ سو تم (ان کی ایذاؤں کو) معاف کرو اور (بدلہ لینے سے) مُنہ موڑو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے امر (حق) کو قائم کردے۔ بلاشُبہ اللہ ہر شے پر قادر ہے [110] اور (اس کا علاج یہ ہے کہ) تم نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور (یاد رہے کہ) جو کچھ تم اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجو گے اُسے اللہ کے پاس پاؤ گے۔ بلاشُبہ اللہ تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے (کہ وُہ مخلصانہ عمل ہیں یا محض ریا کارانہ) اور (ان اہل کتاب کے عمل محض ریا کارانہ ہیں اس لئے) یہ کہتے ہیں کہ جنّت میں سوائے یہود یا نصاریٰ کے کوئی اور داخل نہ ہوگا۔ یہ ان کے (محض) چاؤ ہیں تو کہو اگر تم سچّے ہو تو اپنی دلیل لاؤ (کیا چاؤ بھی کوئی اصلیّت رکھتے ہیں؟ یا کیا حقیقت ہی پھل لاتی ہے؟) [112] ہاں! (یہ سچ ہے کہ) جو شخص اپنی توجّہ اللہ کو سونپ دے اور وُہ محسن بھی ہو تو اس کا اجر اس کے رَبّ کے پاس ہے (یعنے وُہ اجر بڑا عالیشان ہے) اور ایسے لوگوں پر نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا اور نہ وُہ گذشتہ کے لئے کوئی غم کریں گے

حواشی

(۱) جب رسولؐ کریم قرآن حکیم کا وعظ کرتے تھے تو یہود بظاہر اظہارِ ادب کیلئے راعنا کہا کرتے تھے (تو ہماری رعایت کر)

---

[1] ہمارا انتظار کر (تاکہ ہم سمجھ لیں [2] یہ لف و نشر مرتّب ہے

اللہ کے سوائے ہمارا کوئی ولی و مددگار نہیں

جب بات یہ ہے تو کیا ارحم الراحمین کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ہماری اصلاح کرے اور ہمیں ترقی کے اعلےٰ معراج پر پہنچائے۔ ہاں اگر قرآن تنزل کا باعث ثابت ہو تو ضرور ہے کہ اس سے بہتر کتاب کی تلاش کی جائے۔ اگر قرآن ایمان کی جگہ کفر سکھاتا ہے تو اس سے ضرور بچنا چاہئے اور اگر وہ کفر کی جگہ ایمان کی تلقین کرتا ہے تو ایمان الٰہی کو ہمیشہ قبول کرنا اور اس پر لبیک کہنا چاہئے

(۵) اصلاح کا تجربہ کر کے اس پر اندھوں کی طرح اعتراض کرنا اور تجاہل عارفانہ سے کام لینا نہایت شرمناک ہے۔ اس سورت کا نام بقرہ ہے۔ جب حضرت موسےٰ ؑ نے بنی اسرائیل کو بقرہ ذبح کرنے اور یوں اس شرکیہ نشانی کے دور کرنے کا حکم دیا تو چاہئے تو یہ تھا کہ اس کی فوراً اصلاح کی جاتی مگر رسم پرست لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح سے پرانی رسوں کو مٹنے نہ دیا جائے اسی لئے وہ ایسے فضول اعتراضات کرتے تھے۔ ایسے سوالات قوم کی وہم پرستی کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ قوم اصلاح کے لئے آمادہ نہیں۔ بعض مسلمانوں کا بھی ارادہ تھا کہ رسول اللہ سے ایسے سوال کر کے اصلاح سے بچ جائیں اور پرانے سزائی احکام ہی پر چلیں

(۶) ان اصلاحوں کے وقت اہل کتاب سخت مخالفت کرتے اور دوسروں کو بھی فساد پر آمادہ کرتے تھے۔ وہ نہ صرف خود ہی وہم پرستی کے دلدادہ تھے بلکہ دلی حسد کی بنا پر اہل اسلام کو بھی اپنی طرح کفر و شرک و تقلید میں پھنسے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن اے مسلمانو! تم ان کی شرارتوں کو معاف کرو اور ان سے بدلہ لینے کا کوئی خیال نہ رکھو۔ یہاں تک کہ دین مستحکم ہو جائے اور انہیں شرارت کرنے کی جرأت نہ رہے

(۷) اے اہل اسلام! اس وقت لوگ تمہیں ستاتے اور ایذا دیتے ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ تم نماز قائم کرو۔ نماز بے حیائی اور نامعقول باتوں سے روکتی اور خدا کا توکل پیدا کرتی ہے متوکل کیلئے اللہ یقیناً کافی ہے اور زکوۃ دو۔ لوگ تمہیں ستاتے ہیں تم اللہ تو پر بھروسہ کر کے لوگوں کی مدد کرو اور اہل اسلام کی حالت کو بھی سنوارو۔ تقدّموا کا لفظ سکھاتا ہے کہ پہلے تیاری کرنے اور بونے کا وقت ہوتا ہے لیکن پھل عمل کے بعد ملا کرتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ عمل محبت و اخلاص کے ساتھ ہونا چاہئے اس لئے کہ اللہ تمہارے اعمال کو بالیقین دیکھنے والا ہے"

(۸) مگر افسوس ہے کہ اہل مذہب نہ صرف رسوم و اوہام پر زور دیتے ہیں اور اصل حقیقت سے غافل ہیں۔ یہودی کہتا ہے کہ بس یہودی جنت میں جائیں گے اور نصرانی کہتا ہے کہ جنت میں صرف نصرانی ہی داخل ہوں گے۔ ایسے لوگ اپنی امانی کے پیچھے چل کر اوروں کی تکفیر و تفسیق و تذلیل کرتے ہیں اُن کے نزدیک بنیادی و معقول اصول کا کوئی لحاظ نہیں

(۹) نجات کا واحد طریق یہ ہے کہ ہم اپنی توجہ اللہ کو سونپ دیں یعنے اپنا اعتقادی تعلق صرف اسی کے ساتھ پیدا کریں۔ اور اکیلے اسی کو اپنا اصل مطاع جانیں۔ جو شخص خدا اور بندہ کو دو اصل مطاع جانے اور دونوں کو دو اصول گردانے وہ ہمیشہ خدا

کی جائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے سزائی حکم اس کتاب میں جو کل دنیا کو ایک بنانے آئی ہو نہیں آسکتے

لوگوں کو اس وقت میں بھی حریت و مساوات کے حکم ملتے تھے مگر وہ اپنی جہالت و عصیان اور کینہ کیشی کے سبب سے اُن کی طرف سے بے توجہی اختیار کرتے اور اُنہیں بھلا دیتے، ایسا کہ وہ احکام اُن کی کسی ایک کتاب میں بھی موجود نہ رہتے تھے جب قرآن حکیم بہ تن خیر و خوبی بنکر آیا تو ضرور تھا کہ وہ پہلی قوموں کو ملے ہوئے سزائی احکام مٹا دے اور اُن کی جگہ وہ حکم لائے جو دائمی خیر ہوں، نیز جو خوبی کی باتیں لوگوں نے بھلا دی تھیں اُن کی جگہ پہلے کی مثل خوبی کی باتیں لائے، قرآن مجید اصل حق کو بدلنے نہیں آیا، وہ صرف وقتی اور سزائی باتوں کی اصلاح کرتا ہے جیسے سبت اور دیگر سزائی محرمات۔ خدا تعالےٰ لوگوں کے ساتھ صلح کرنے اور اُن پر مہربانی فرمانے کی قدرت رکھتا ہے، اس کی ناراضگی دائمی نہیں ہوتی، وہ غفور رحیم ہے، چاہتا ہے کہ لوگ سُلجھ جائیں، ترقی کریں اور اعلےٰ مراتب پر فائز ہوں

آیت مثلہا سے بڑی صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ خیر کی تعلیم کے لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے آیتیں ہی آتی ہیں اور مثل کیلئے بھی آیتیں ہی بھیجی جاتی ہیں، اس میں نبیوں کے اپنے اپنے اجتہاد اور اقوال و افعال و احادیث کا کوئی دخل نہیں کسی رسول و نبی کی خود اپنی باتیں اللہ تعالےٰ کی وحی کردہ آیات یا ان کی مثل نہیں بن سکتیں

حق کبھی نہیں بدلا جاتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے؟ اگر حق بدل جائے تو اس کی جگہ گمراہی آجائے گی۔ اسلام صراط مستقیم ہے اور وہ کبھی نہیں بدلتا ورنہ وہ ٹیڑھا راستہ بن جائے۔ اس لئے جو شخص اسلام کے سوائے کوئی اور دین طلب کرے وہ اس سے کبھی قبول نہیں ہوگا، فطرت سلیمہ کبھی نہیں بدلتی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لا تبدیل لخلق اللہ ذٰلک الدین القیم

سچے اصول کبھی نہیں بدلتے، اگر وہ بدل جائیں تو دین محض ایک بے اصول شئے بن جائے، جو کچھ بدلتا آیا ہے وہ رسل و انبیاء کے اپنے اپنے محدود فہم کے مطابق اجتہادات اور معلومات تھے جو انسانی کمزوریوں کے سبب ہمیشہ قابل معافی اور قابل درگذر قرار دیئے گئے اور اگر ضرورت ہو تو ان میں اب بھی تبدیلی کی جاسکتی ہے

(۴) لوگ اسلام کے خلاف ہمیشہ یہ جاہلانہ پروپگنڈا کرتے آئے ہیں کہ اسلام احکام الٰہی کو منسوخ کرتا آیا ہے، وہ اسلام جو حضرت نوح کے زمانہ میں بھی تھا اور جس کے متعلق قرآن یہ کہتا ہے کہ جو شخص اسلام کے سوائے اور دین طلب کریگا تو وہ اس سے کبھی قبول نہیں ہوگا اور آخرت میں وہی شخص گھاٹے والا ہے، کیا وہی اسلام الٰہی حکموں کو منسوخ کر سکتا ہے؟ جب اسلام شروع دنیا سے چلا آیا ہے تو کیا وہ بعد کے مذاہب کا ناسخ بن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! جب اسلام شروع سے صحیح چلا آتا ہے تو بعد میں دیگر مذاہب میں اسلام کے خلاف جو باتیں پائی جاتی ہیں وہ یا لوگوں کی غلط روایات کا نتیجہ ہیں غلطی کو مٹانا چاہیئے۔ غلطی پر اصرار کرنیوالا کبھی اچھا آدمی نہیں ہو سکتا۔ یا وہ قدیم و اصل اسلام کے ساتھ مخالفت رکھنے کے سبب بالضرور سزائی احکام ہی ہونگے سزاؤں سے نجات حاصل کرنے کیلئے دل سے دعا مانگنا چاہیئے (ربنا ولا تحمل علینا اصرًا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفرلنا

١١٦ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ ١١٧ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا
يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ١١٨ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ
اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ
قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ١١٩ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّ
لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝ ١٢٠ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى
حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ
اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ ١٢١ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ
اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ۝ ع

ترجمہ۔ ١١٣ اور یہودیوں نے کہا کہ نصاریٰ کسی شے پر نہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ یہودی کسی بات پر نہیں حالانکہ وہ کتاب (توریت) کی[1] تلاوت کرتے ہیں، اور اسی طرح سے اُن لوگوں نے جن کے پاس کوئی علم نہیں، انہی کے قول کی مثل کہا (دُنیا میں مختلف مذاہب اپنے اپنے ہی خاص بزرگوں اور اُن کی رسوم کو داخلِ نجات سمجھتے ہیں) پس اللہ (تعالیٰ) قیامت کے دن لوگوں کے درمیان ان کے (ایسے فضول) اختلافات میں فیصلہ دیتا ہے۔ (اور اگرچہ وہ اس وقت ایسا ماننا پسند نہیں کرتے لیکن قیامت کے دن انہیں دکھاتا ہے کہ تم نے کن تعصبات میں پڑ کر انسانی اتحاد اور آپس کی حریّت و مساوات کا ستیاناس کیا)۔ ١١٤ اور (اصل چیز اللہ تعالیٰ کی یاد ہے، سو) اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے، جو اللہ کی مسجدوں کو اس (بات) سے روکے، کہ ان میں اللہ

[1] یا۔ کتب الٰہی کی۔ کیونکہ کتاب کا لفظ مصدر ہونے کے سبب واحد، تثنیہ اور جمع سب پر بولا جاتا ہے۔ پ ۱۰ ۔ پ ۲۲ وغیرہ۔

کے ساتھ اس بندہ کیطرف اپنی توجہ لگاتا اور اس کی عبادت کرتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی اچھے کام کریں تو ایسی صورت میں ہیں کوئی خوف وغم نہیں۔ خدا نے ذرّہ نواز ضرور ہمیں احسن اجر دیگا

اس سے پہلے رکوع میں آیا ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جنّت میں صرف وہی جائے گا جو یہودی ہوگا اور نصارٰی کہتے تھے کہ جنت میں صرف نصرانی ہی داخل ہوگا۔ یہ ان کے چاؤ ہیں۔ ان کے نزدیک ایک خاص نام رکھ لینا اور مخصوص رسمیں بجالانا ہی اصل حقیقت ہے۔ وہ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ ذات کیلئے حقیقی نیکیوں کا کچھ خیال نہیں کرتے اگر یہ لوگ سچے ہیں تو اس رسم پرستی اور ظاہرداری وریاکاری کے مفید ہونے کا کوئی ثبوت پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سچ تو یہ ہے کہ جو شخص اپنی توجہ اللہ کی طرف لگا دے اور وہ سچا محسن ہو تو اسکا اجر اُس کے رب کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کے لئے کوئی خوف و غم باقی نہیں رہیگا۔ اصل حق (اسلام) کو اختیار کرنے سے تمام دنیا حق پرست بن سکتی ہے اور ان کے تمام تفرقے دُور ہوسکتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایسے اصل اور مشترکہ دین سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ اپنا اتحاد کھو دیتے ہیں اور فرقہ بندی میں پھنسکر فساد مچاتے، توہمات میں مبتلا رہتے اور موت کے بعد بھی جہنم کے قابل بنتے ہیں۔ یہ لوگ ظاہری اور روحانی غلامی سے آزاد نہیں ہوسکتے

رکوع ۱۴

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا ۚ أُولٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○

حواشی

اس رکوع کا ماحصل یہ ہے:-

(۱) جو لوگ حقیقت کی کچھ پروا نہیں کرتے اور اپنے اپنے مذہب کی مخصوص رسموں ہی کو اصل جانتے اور انہی پر مرتے ہیں، وہ دوسرے لوگوں کی توحید، مساوات، اتحاد، محبت اور رواداری تک کی بھی کچھ قدر نہیں کرتے، بلکہ اپنے تعصبات پر لڑنے اور مرنے ہی کو دینی غیرت اور جہاد فی سبیل اللہ قرار دیتے ہیں، مغز قائم ہے یا نہ ہے وہ ہڈیوں ہی پر لڑتے ہیں، نصاریٰ یہود کو کوستے ہیں اور یہود نصاریٰ کو برا بھلا کہتے ہیں اور ایک دوسرے کی خوبی پر نظر نہیں ڈالتے حالانکہ وہ سب الٰہی کتابیں پڑھتے ہیں اور دونو تورات کو سچی کتاب سمجھتے ہیں، قریش وغیرہم جو امی ہیں وہ بھی ایسا ہی کہتے ہیں، اس قسم کے شرپرانہ اختلافات کا یہاں کون فیصلہ کر سکتا ہے؟ اللہ تعالےٰ ہی پیشی کے دن انہیں بتلاتا ہے کہ تم کیسی فضول باتوں میں اختلاف کر رہے تھے

(۲) ایسے لوگ ہمیشہ برسر جنگ رہتے ہیں، نماز کی اصل حقیقت ذکر الٰہی ہے یہ لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں دوسروں کو ذکر الٰہی سے روکتے ہیں اور ان کے آمین و رفع یدین کے باہمی جھگڑے ہائی کورٹ تک پہنچتے ہیں اور انہیں رشتے ناطے تڑوانے میں ید طولیٰ حاصل ہے، ایک وقت تھا کہ یہ لوگ مسجدوں میں ڈرتے ہوئے جاتے تھے، اب جب مسجدوں پر ان کا قبضہ ہو گیا ہے تو یہ اوروں کو روکتے اور یوں ان مساجد کی خرابی میں کوشش کرتے ہیں، ایسی حرکات کا نتیجہ دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب عظیم ہے

(۳) پھر یہ لوگ قبلوں کے اختلاف کے سبب سے بھی اپنی مساجد میں دوسروں کو ذکر الٰہی سے روکتے ہیں حالانکہ مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، جدھر منہ کرو اللہ تعالےٰ حاضر و ناظر ہے، اللہ تعالےٰ کے ساتھ باتیں کرنے میں کسی جہت کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہر طرف یکساں کلام ہو سکتا ہے اور اسے تمام اشیاء کا یکساں علم ہے

(۴) یہ لوگ قبلوں کے متعلق فضول جھگڑے کرتے ہیں لیکن غنی و بے بدل و بے مثل خدا کے لئے بیٹے قرار دیتے ہیں۔ قبلوں کے متعلق جھگڑا کرنا لیکن خدا تعالےٰ کے لئے ابناء و احباء ٹھیرانا بھی حیرت انگیز بات ہے۔ خدا تعالےٰ کی وحی میں کوئی بندہ یہ دعوےٰ نہیں کر سکتا کہ میرا کلام بھی خدا کے کلام کے برابر وحی ہے اور میرے کلام اور کام کی مدد کے بغیر خدا کا کلام ناقص اور مجہول ہے۔ اللہ تعالےٰ اس قسم کی تمام نسبتوں سے پاک ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے، ہر شخص اسی کا تابع ہے۔ ایسا تابع اصل مطاع کیسے بن سکتا ہے۔

(۵) وہ خدا آسمانوں اور ان کی متعلقہ زمین کو کسی غیر شخص سے نمونہ پانے کے بغیر نئے سرے سے

کے نام (پاک) کا ذکر کیا جائے، اور دیوں) وہ ان (مسجدوں) کی بے آبادی میں کوشش کرے؟ یہ وہی
لوگ ہیں (جن پر ایک ایسا وقت بھی آیا تھا جب) کہ وہ (اپنی) ان (مساجد) میں داخل نہ ہو سکتے تھے،
مگر ڈرتے ہوئے، اسی طرح سے وہ لوگ بھی پرلے سرے کے ظالم ہیں، جو ایسی چالوں سے دوسرے لوگوں کے
ہاتھ سے مساجد کو چھین کر خود ان پر قابو پا لیتے ہیں، انتظام کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیئے، لیکن یہ کسی صورت سے
بھی جائز نہیں کہ مساجد اللہ میں امن پسندوں کو بھی ذکرِ الٰہی سے روکا جائے، کبھی یہود کے دشمن حاکموں نے
یہود کی مساجد پر غلبہ حاصل کیا تھا، اس وقت وہ اپنی مساجد میں بھی ڈرتے ہوئے داخل ہوتے تھے۔ اب جب
ان کا اختیار ہے تو یہ دوسروں کو روکتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان پر پھر کسی دشمن کا غلبہ ہو جائے، اور خدا
ان ظالموں کی مساجد کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے تباہ کرائے؟)۔ ایسے لوگوں کے لئے اس دنیا میں رسوائی
ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ ۱۱۵ اور مشرق و مغرب اللہ ہی کا ہے، پس جدھر تم منہ کرو، سو
وہیں اللہ (تعالیٰ) کا حضور ہے، بلاشبہ اللہ فراخی والا، علم والا ہے۔ ۱۱۶ اور انہوں نے کہا اللہ نے
اولاد پکڑی ہے، وہ اس سے پاک ہے، نہیں نہیں، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اُسی
کا ہے، سب (کے سب طوعاً یا کرہاً) اُسی کے فرمانبردار ہیں۔ ۱۱۷ وہ آسمانوں اور زمین کا نئے سرے سے
پیدا کرنے والا ہے، اور جب کسی امر (کو وجود میں لانے) کا ارادہ کرتا ہے، تو سوائے اس کے نہیں، کہ
اس (کام) کے لئے (اس کے اسباب کو) حکم کرتا ہے، تو وہ کام ہو جاتا ہے (کیونکہ تمام اسباب اس کے
حکم کے پیچھے چلتے ہیں) ۱۱۸ اور ان لوگوں نے جنہیں علم نہیں، کہا کہ اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا یا ہمارے پاس
کوئی نشان کیوں نہیں آتا، اسی طرح ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے، ان کے قول کی مثل ہی کہا، ان (مقلدوں)
کے دل ایک ہی رنگ کے ہوتے ہیں۔ بالتحقیق ہم ایسی آیات کو یقین والے لوگوں کے لئے کھول کر
بیان کرتے ہیں، ۱۱۹ بلاشبہ ہم نے تجھے حق دے کر خوش خبری دینے اور ڈرانے کے لئے بھیجا ہے، اور جو
خود جہنم کے لائق بنتے ہیں، تجھے ان کے متعلق کوئی پرسش نہ ہوگی۔ ۱۲۰ اور یہود و نصاریٰ تجھ سے ہرگز راضی
نہیں ہوں گے جب تک تو ان کے طریق کی پیروی نہ کرے تو کہہ "بلاشبہ جو اللہ کی ہدایت ہے
وہی اصل ہدایت ہے" اور البتہ اگر تو نے (سچے) علم کے آنے کے بعد ان کی نفسانی خواہشوں کی
پیروی کی تو (یاد رکھ کہ) تیرے لئے اللہ کے ہاں نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار۔ ۱۲۱ وہ لوگ جنہیں ہم نے
کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جو اس کے پڑھنے کا حق ہے، وہی لوگ اِس (قرآنی تعلیم)
کو (بھی) مانتے ہیں اور جو اس (تعلیم) کا کافر ہو سو وہ لوگ جو ہیں پس وہی گھاٹے والے ہیں۔

تجویز کیا ہوا علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے علم ہونے کا اقرار دوست اور دشمن سب کو کرنا پڑے۔ کسی آدمی کے قول کو جس کی سمجھ تا قیامت کبھی بھی نہ آئے، علم قرار دینا نادانوں کا کام ہے

(۹) جن لوگوں کو ہم نے کتاب یا کتابیں دی ہیں، بشرطیکہ وہ انہیں ایسی طرح سے پڑھتے ہوں جو ان کے پڑھنے کا حق ہے (یعنی جس طریق سے وہ ان کتب کی اصل غرض اور روح کو بتدریج سمجھتے جائیں گے) وہ لوگ قرآن حکیم کی مذکورہ بالا تعلیم پر ضرور ایمان رکھتے ہیں اور جو اس تعلیم کے منکر یا ناقدردان ہیں وہی اصل گھاٹے والے ہیں

---

۵ حکمتِ الٰہیہ نے تمام محدثات اور تغیرات کے مناسب اظہار کے لئے مناسب علتیں بنائی ہیں، لیکن اللہ تعالےٰ اس کارخانۂ قدرت پر اکیلا فوق الفطرت متصرف اور رب العرش ہے

اس دنیا میں قومیں سخت مظلومیت کے بعد پلٹا کھاتیں اور لمبے صبر کے بعد انہی لوگوں کی تباہی کا باعث ہو جاتی ہیں جنہوں نے انہیں اپنی غلامی میں جکڑ رکھا تھا

پھر وہ مظلوم لوگ دوسری قوموں کی جگہ خلیفہ بنتے ہیں تاکہ اپنی مظلومیت کو مدنظر رکھ کر دنیا میں امن پھیلائیں اور عدالت کریں اور اس طرح اوروں کو بھی ابھاریں، لیکن اکثر لوگ اپنی عاجزی کی حالت کو بھول جاتے ہیں اور اقبال پاکر فرعون بن جاتے ہیں پھر انا ربکم الاعلےٰ کہنے لگ پڑتے ہیں اور عاجز قوموں کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنی اس خلافت کا فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ اپنی نااہلیت کا عملی ثبوت بہم پہنچانے اور آخر کار تباہ ہو کر خلافت دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں

اللہ تعالےٰ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی میں خلافت کے لئے تیار کر رہا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور تمہیں زمین میں خلافت بخشے پھر دیکھے کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو $\frac{9}{5}$

اس خلافت کو دعاؤں اور صبر سے مدد و قوت ملا کرتی ہے جیسا کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالےٰ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ بلاشبہ زمین اللہ کی ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسکا وارث بنا دیتا ہے اور متقیوں کا انجام بخیر ہے $\frac{9}{5}$

یہ خلافت نہ کسی کی شفاعت سے ملتی ہے اور نہ سفارشات پر چلنے سے قائم رہ سکتی ہے [شفاعت پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھو حواشی]۔

رکوع ۱۵

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ

خود بخود پیدا کرنے والا ہے اور پھر وہ ان آسمانوں اور زمین پر ایسا متصرف ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اپنے تصرف کے لئے کوئی محنت و مشقت نہیں کرنی پڑتی، اس کے ارادے کے ساتھ ہی اور اس ارادے کے عین مطابق تمام مناسب اسباب، جنہیں وہ حکم ہوتا ہے، اکٹھے ہو جاتے ہیں اور وہ کام اس حکم کے مطابق واقع ہو جاتا ہے۔ جس خدا کی ایسی زبردست قدرت اور ایسی حکمت ہے کیا اس کا کوئی بیٹا یا کوئی دوسرا اصل مطاع بنایا ہوا بھی ہو سکتا ہے؟

(۶) ایسے سچے دین (اسلام) کے لئے جو تمام رسل و انبیاء اور دیگر منعم علیہم میں مشترکہ طور پر چلا آیا ہے کسی الگ دلیل کی کوئی ضرورت نہیں۔ ع

"آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"

یقین والوں کو فطرتِ انسانی سے اسکا پتہ مل جاتا ہے، مگر نادان لوگ کہتے ہیں کہ ہم سے اللہ تعالے خود کلام کر کے ہمیں بتائے تب ہم مانیں گے یا کوئی نشان ہی ہمارے پاس لے آئے۔ افسوس! کیا علوم متعارفہ کے لئے بھی کسی سند کی ضرورت ہے؟ ان کا ثبوت تو ان کے اندر ہی موجود ہوتا ہے "پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی باتیں بنائی تھیں، ان وہم پرستوں کے دل وہم پرستی میں ایک جیسے ہیں۔ ہم تو اُن لوگوں کے لئے، جو فطری یقین رکھتے ہیں، ایسی واضح آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں"

(۷) اے رسولؐ! ہم نے تجھے اصل حق دے کر خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لئے بھیجا ہے اور اگر لوگ خود جہنمی بنتے اور ضلالت کو ہدایت پر اور عذاب کو مغفرت پر ترجیح دیتے ہیں تو تم سے یہ نہیں پوچھا جائیگا کہ کیوں اتنے جہنمی بنے؟ ہر شخص کو اپنا اپنا حساب دینا پڑتا ہے اور پیشی کے دن ہر شخص نفسی نفسی کرتا آتا ہے

(۸) اے رسولؐ جب تک یہود و نصاریٰ ایسے ایسے توہمات میں پھنسے ہوتے ہیں وہ تجھ سے اسوقت تک راضی نہ ہونگے جبتک کہ تو ان کے مخصوص طریق کی پیروی نہ کرے، توم قوم کے مخصوص طریق کچھ چیز نہیں ہیں۔ تو انہیں کہہ کہ اللہ تعالے ہی کی ہدایت اصل ہدایت ہے۔ ہدایت پر کسی خاص انسان کا قبضہ نہیں ہے کہ جو کچھ وہ انسان کہے وہی اصل ہدایت بن جائے۔ قرآن حکیم نے ہدایت کی کیسی تعریف کر دی ہے! کیا ایسی واضح تعلیم کے بعد بھی اہلِ اسلام کے لئے زیبا ہے کہ وہ بہانے بنا کر دوسروں کو بھی اصل مطاع بنائیں؟ اللہ تعالے اپنے رسولؐ کو فرماتا ہے کہ اگر تو نے ان لوگوں کی نفسانی خواہشات کی ایسے سچے علم کے آنے کے بعد پیروی کی تو یاد رکھ کہ تیرے لئے بھی اللہ تعالے سے بچانے کے لئے کوئی کارساز اور کوئی مددگار کھڑا نہیں ہو سکتا

بھائیو! اللہ تعالے کے ہاں جب نبیوں کا کسی خطا کرنے کی صورت میں یہ حال ہے تو کسی دوسرے کو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور سچی توبہ کرنے کے سوائے اور کیا چارہ ہو سکتا ہے؟ اور یہ بھی یاد رہے کہ علم سے مراد کسی آدمی کا

۱۲۳ اور ایسے دن سے ڈرو جس میں کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی کفائت نہیں کرتا اور نہ اس سے فدیہ
ہی قبول کیا جاتا ہے اور نہ کسی نفس کو شفاعت نفع دیتی ہے اور نہ انکی مدد ہی کی جاتی ہے[1]
۱۲۴ اور (یہ بھی یاد کرو) جب ابراہیم کے رب نے کئی ایک باتوں میں اس کی آزمائش کی تو اس نے انہیں
بخوبی سرانجام دیا۔ اللہ نے فرمایا کہ میں تجھے ان لوگوں کے لئے امام (وخلیفہ) مقرر کرنے والا ہوں (ابراہیم
نے) کہا (اچھا) اور میری اولاد سے (بھی)؟ اللہ نے فرمایا کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا (یعنی وہ بطور
حق کے اس خلافت کو نہیں پاسکیں گے)۔ ۱۲۵ اور (اسے بھی یاد کرو) جب (خلقت کے اتحاد و تعلیم کے لئے)
ہم نے اس گھر کو لوگوں کے اکٹھے ہونے (یعنی مشاورت) کی جگہ اور موجب امن بنایا اور (چونکہ لوگوں نے
اہل گھر کو مقفل کر رکھا ہے اس لئے ہم تمہیں حکم کرتے ہیں کہ) ابراہیم کے جائے قیام ہی کو جائے نماز بناؤ
(اور ابراہیم نے تو کبھی اس گھر کو کسی نمازی سے نہیں روکا اس لئے کہ) ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو تاکیدی
حکم کیا تھا کہ تم دو تو اس گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف بیٹھنے والوں اور ایسے جھکنے والوں کے
لئے جو سجدے میں گر پڑتے ہیں پاک کرو[2]۔ ۱۲۶ اور (یہ بھی یاد کرو کہ) جب اس نے (یعنی ابراہیم نے ملک
کے امن اور ترقی کے لئے) کہا کہ اے میرے پروردگار (اس شہر کو) امن والا شہر بنا دے اور اس کے
باشندوں کو ہر قسم کے پھلوں سے (خواہ وہ زمین کے پھل ہوں یا کاریگروں کی محنت کے پھل)
روزی دے (صرف) اُسے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لایا۔ (خدا نے) کہا اور جس نے کفر کیا، تو میں اُسے
بھی (دنیا کا) قلیل فائدہ دونگا۔ پھر اسے مضطر کرکے (اس کے ضروری علاج کی خاطر) آگ کے عذاب
کی طرف لے جاؤنگا اور وہ بری جائے بازگشت ہے۔ ۱۲۷ اور (یہ کہ) جب ابراہیم اور اسمٰعیل (خود ہی)
اس گھر کی بنیادوں کو اٹھاتے تھے (اور کہتے تھے) اے ہمارے پروردگار! تو (اس ناقص خدمت کو)
ہم سے قبول فرما، بلاشبہ تو ہی اصل سُننے والا جاننے والا ہے۔ ۱۲۸ اے ہمارے پروردگار! اور (اس
حقیر خدمت کی قبولیت کے علاوہ بھی) ہم دونو کو (اور کاموں میں بھی) اپنے ہی مسلم بنا اور ہماری اولاد
میں سے (بھی) ایک جماعت کو مسلم بنائے رکھ اور ہمیں ہماری اصلاح کے طریقے دکھا اور (ضرور ہے کہ
ہم بہ تقاضائے بشریت غلطی اور سستی کریں گے اس لئے) تو ہم پر مہربانی سے رجوع فرما (اور ہماری
توبہ قبول کر) بلاشبہ (تیری یہ صفت تجھ سے الگ نہیں ہوتی کہ) تو ہی اصل رجوع کرنے والا اصل مہربان
ہے۔ ۱۲۹ اے ہمارے پروردگار (تو ایسا کرتا رہ) اور (جب تو مناسب دیکھے) تو ان میں ایک رسول انہی لوگوں

[1] ایسے مقامات پر ضمائر مطلق نفس کی طرف پھرتی ہیں نہ کسی ایک خاص نفس کی طرف۔
[2] صحت کیلئے جگہ وغیرہ کی ظاہری صفائی بھی بڑی ضروری چیز ہے پس نمازیوں کیلئے وہی جگہ درکار ہے جو پاک کی جاتی ہے۔

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ ۱۲۳ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا
يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ ۱۲۴ وَاِذِ
ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ
اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ○ ۱۲۵ وَاِذْ
جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ
مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ
وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ ۱۲۶ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا
بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ ۱۲۷ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ ۱۲۸ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا
مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ ۱۲۹ رَبَّنَا وَابْعَثْ
فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

ترجمہ۔ ۱۲۲ اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر کی ہیں یاد کرو اور (یہ بھی) کہ
بلاشبہ میں نے (جو شریکوں سے پاک خدا ہوں) تمہیں دوسری اقوام پر فضیلت دی تھی

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- ام اتخذوا من دون اللہ شفعاء؟ (پ۲۴)
کافر لوگ آخرت میں شفیعوں کی تلاش کرتے ہیں اور کہتے ہیں فھل لنا من شفعاء فیشفعوا لنا الخ پ۸
لیکن انہی کافروں کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا یہ تمہارے شفیع میرے اذن اور پسندیدگی کے بغیر سفارش کر سکیں گے؟ اگر میں نے ان کی سفارش کو دل سے پسند کیا اور انہیں ایسا اذن اور وعدہ دیا ہے تو بلاشبہ شفاعت ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا تمہارے پاس ایسے اذن اور عہد کا کوئی ثبوت ہے؟ اگر ہے تو اسے پیش کرو۔ جب میں کسی کو اپنے عدل کے ساتھ سزا دینے کا ارادہ کروں تو کیا کسی کو ڈھیل بنانے سے میرا ارادہ ٹل سکتا ہے؟ اور جب میں کسی معتقد پر رحمت کرنا چاہتا ہوں تو کیا کوئی اسے نجات سے محروم کر سکتا ہے؟ اس قسم کی آیات میں نفع اور مالکیت کا بھی اشارہ کیا گیا ہے جو خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کے اختیار میں نہیں
پ۲۵ میں فرمایا ہے کہ فرشتے جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں، شفاعت کا کوئی اختیار نہ رکھیں گے اور کسی قسم کی سفارش نہیں کر سکیں گے
آگے فرمایا کہ جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں وہ لوگ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں وہ خدا ہی شفاعت کا مالک ہے جس نے سچی گواہی دی ہے کہ جنہیں یہ پکارتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی مالک شفاعت نہیں اور یہ کافر اس بات کو اچھی طرح سمجھتے (بھی) ہیں
بلاشبہ شفاعت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے پ۲۴ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

نفس شیطاں زد کریمارا ہ من — رحمت باشد شفاعت خواہ من

جن کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی شفیع ہے۔ جن کا نبیوں اور غیرہ پر بھروسہ ہے وہ انہی کو شفیع سمجھیں، لیکن وہ خود ہی انصاف کریں کہ ای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون پ۷
مرنے کے بعد انسان کی وہ ارتقائی حالت جس میں خدائی پرستش ہوتی ہے، بہشتی کا دن کہلاتی ہے اس قرب ایزدی کے لئے انسان ایک حالت سے دوسری حالت میں آتا ہے۔ پیشی کے وقت بعض لوگ جنت میں داخل ہوتے ہیں اور بعض نار میں۔ ان اصحاب الجنۃ اور اصحاب النار کے لئے کسی سفارش کی ضرورت نہیں۔ اصحاب الاعراف اس وقت جنت و نار سے باہر ہوتے ہیں اور جنتی و ناری دونوں کو ان کے نشانات سے پہچانتے ہیں۔ یہ لوگ دین حق کی تلاش میں مر گئے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دونوں فریقوں کی حالت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ ہمیں ان اصحاب کے ساتھ نہ کر دینا اور وہ ان ظالموں کو ملامت بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی معذوری پر نگاہ کر کے انہیں اپنے فضل سے حکم دیتا ہے کہ تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ایسے لوگ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے آسرے پر

میں سے کھڑا کر جو (انکا اختلاف دور کرنے کے لئے [۱۴۹/۲]) تیری (معقول اور اصولی) آیات پڑھکر سنائے اور (تیری متحد کرنے والی) کتاب (یعنی قرآن) کا خود انہیں عالم بنائے اور (جو باتیں حکمت (تحقیق پر مبنی ہوں، ان باتوں میں بھی) حکمت (بطور نمونے کے) سکھائے اور (اس طرح وحی کے ماتحت حکمت سے کام لے کر) انہیں پاک بنائے۔ بلاشبہ تو ہی ہمیشہ حق کو غلبہ دینے والا، حکمت سکھانیوالا ہے

حواشی

شفاعت اس سے پہلے بنی اسرائیل کی شرارتوں کا ذکر ہے انہوں نے اعمال حسنہ سے لاپرواہی کی اور اپنے انبیاء کی شفاعت اور کفارہ پر بھروسہ کیا اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ اے اسرائیل! (خدا کے پہلوان) کی اولاد! میرے انعامات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے ہیں اور یہ کہ میں نے تمہیں خلافت دے کر جہان والوں پر فضیلت بخشی۔ ہمت نہ ہارو، نیک کام کرو۔ انبیاء کی سفارش اور کفارہ محض لغو ہے، تم میرے احسانوں کو یاد رکھ کر اس دن سے ڈرو، جس میں کوئی نفس کسی نفس کے کسی کام نہیں آتا اور نہ اس نفس سے اس کے اعمال کا کوئی فدیہ یا کفارہ ہی لیا جاتا ہے اور نہ اسے کوئی شفاعت نفع دیتی ہے اور نہ انکی مدد ہی کی جاتی ہے

دوسرے عالم میں جب خدا تعالٰے اصل عدالت کرتا اور سچ سچ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتا ہے تو کیا ایسے وقت میں بھی کسی کی سفارش کا خیال رکھنا چاہیئے؟ کیا خدا جیسے علیم الکل اور عادل حاکم کے دربار میں بھی کسی متشفیع کی کوئی ضرورت ہو سکتی ہے؟ کیا یوم الدین میں کسی اور کو بھی مالک بنایا جا سکتا ہے؟ کیا کسی کو خبر ہے کہ یوم الدین کسے کہتے ہیں؟ یوم الدین وہ ہوتا ہے "جس دن کوئی نفس کسی نفس کے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا اور معاملہ سارے کا سارا اس دن اللہ تعالٰے ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے" [۱۹/۸۲]

یوم الدین وہ ہے جس دن ہر شخص اپنے ہی نفس سے جھگڑتا آتا ہے اور اسے اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے اور کوئی ظلم نہیں کیا جاتا [۱۱۱/۱۶]

یوم الدین کے متعلق اللہ تعالٰے مومنوں کو فرماتا ہے :-

"اے ایماندارو! اس دن کے آنے سے پہلے ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرو، جس دن میں نہ (اعمال کی) کوئی خرید و فروخت ہوتی ہے نہ کسی (انسان) کی دلی دوستی ہی کام آ سکتی ہے اور نہ کوئی (انسان) کسی کی سفارش کر سکتا ہے ہاں کافر ہی، جو ایسے خیالات رکھتے ہیں، (اپنی جانوں پر) ظلم کرنیوالے ہیں" [۲۵۴/۲]

قرآن مجید نے مومنوں کو مخاطب کر کے کبھی کسی انسانی شفیع کی کوئی امید نہیں دلائی اور کہیں نہیں فرمایا کہ مومن آخرت میں کسی وقت بھی کسی شفیع کے متلاشی بنیں گے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کافر لوگ پہلے ہی سے شفعاء کے قائل چلے آتے اور ان پر بھروسہ رکھتے تھے اور کہتے تھے هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ [۱۸/۱۰]

نفیں، تو ضرور تھا کہ خود اللہ تعالے ہی کل دُنیا کے لئے ایک کتاب بھیجے جس میں تمام کتابوں کا صرف مشترکہ معقول دین یعنے اسلام ایک ہی جگہ کل دُنیا کے آگے پیش کیا جائے اور باقی باتوں میں حکمت سے کام لینا سکھایا جائے۔ حکمت بھی بلاشبہ ایک خیر کثیر ہے، ایسی کتاب کے بعد اسلام سے ہٹا کر کسی احمدیت یا بابیت یا بہائیت کی کون سی ضرورت باقی رہ سکتی ہے؟ ایک دین کے نفاذ کے بعد ایسے تفرقات و اختلافات کو اہمیت دینے والا اسلام کی حقیقت سے غافل ہے۔

حضرت ابراہیم اس حقیقت کو سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے دُعا کی کہ:-

"اے رب ہم دو تیرے آگے گردن رکھدیں اور تیرے مسلم یعنی فرمانبردار بنیں اور جو معقول بات تو ہمیں سمجھائے ہم اس پر چلیں اور ہماری اولاد سے بھی ایک جماعت تیری مسلم ہے وہ بھی اصلیت و معقولیت کے مطابق تیرا حکم بجالائے۔ تو ہمیں ہماری اصلاح کے طریقے دکھایا کر اور ضرور ہے کہ ہم غلطیاں بھی کریں سو تُو ہم پر مہربانی سے رجوع کیا کر اور ہماری توجہ قبول فرما، بلاشبہ تو ہی اصل رجوع کرنیوالا اصل مہربان ہے"

اور پھر عرض کی:-

"اے ہمارے پروردگار! مناسب وقت پر ان لوگوں میں، انہی میں سے، ایک رسول کھڑا کر جو تیری اصل آیات کی ان پر تلاوت کرے اور انہیں اس کتاب کا عالم بنائے اور باقی باتوں پر حکمت (یعنی خیر کثیر) سے کام لینا سکھائے اور اس طرح انہیں پاک بنائے اور ترقیات پر پہنچائے۔ بلاشبہ تو ہی اصل غالب، اصل حکمت والا ہے" [تو خود ہی دُنیا کے لئے ایک بنانے کا طریقہ پیش کر سکتا ہے]

جب یہ قرآن وہی دین لایا ہے جو ابراہیمؑ کا دین ہے، تو ایسے دین سے کون منہ موڑ سکتا ہے، مگر وہی جس نے انسانی فطرت کو جانا نہیں اور اپنی ذاتی اصلاح سے غافل ہے یا فی نفسہٖ احمق ہے یا اپنی ذات کے لحاظ سے احمق ہے[1]۔ تفصیل کے لئے دیکھو حواشی

رکوع ۱۶

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ

---

[1] سَفِهَ اگر فعل لازم ہے تو نفسہٗ منصوب ہوگا بنزع خافض یا بطور تمیز کے یوں مضمون میں بڑی تاکید پیدا ہو جاتی ہے۔

كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○
تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ
عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

ترجمہ - اور[130] ایسے (معقول پسند) ابراہیم کے طریقے سے کون منہ موڑ سکتا ہے مگر وہی جو فی ذاتہ احمق ہے (اور اسے سچی دانائی سے کوئی واسطہ نہیں ہے) اور (ابراہیم کی حق پرستی کے سبب) بالتحقیق ہم نے اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کر لیا تھا اور بلاشبہ آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہے۔ جب[131] اس کے رب نے اسے کہا کہ اسلام پر قائم ہو جا تو ابراہیم نے کہا کہ میں رب العالمین کا مسلم بنا۔ اور[132] ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو اسی (ملتِ ابراہیمی) کی وصیت کی اور کہا اے میرے بیٹو! بلاشبہ تمہارے لئے اللہ نے اس دین کو پسند کر لیا ہے سو تم نہ مرنا مگر اسلام پر! بلکہ خود تم اس بات کے گواہ ہو کہ جب یعقوب کے سامنے موت آگئی! جب اس نے اپنے بیٹوں کو کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق کے معبود کی، جو اکیلا معبود ہے عبادت کریں گے اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔ یہ[133] ایک جماعت تھی جو گذر گئی۔ ان کے لئے تھا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے ہے، جو تم کرو اور ان کے کئے کی تمہیں پوچھ نہ ہو گی اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہود یا نصرانی بنو تاکہ تم ہدایت پاؤ تو کہہ کہ نہیں بلکہ تم ابراہیم مائل بہ حق کی ملت بنو[1] اور (سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ) ابراہیم خدا تعالےٰ کے ساتھ کسی کو ملانے والا نہیں تھا۔ (اے اہلِ اسلام) تم[134] کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق اور یعقوب پر اترا اور جو موسےٰ اور عیسےٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ملا۔ ہم ان نبیوں میں سے کسی کے درمیان بھی کوئی اختلاف نہیں ڈالتے اور ہم اسی خدا کے مسلم ہیں۔ سو[135] اگر وہ اس کی مثل کو جسے تم نے مانا ہے، مان لیں، تو انہوں نے ہدایت پالی اور اگر وہ منہ موڑ لیں تو سوائے اس کے نہیں کہ وہ مخالفت پر آمادہ ہیں، سو اللہ تعالےٰ تجھے ان کے مقابلہ پر کفایت کریگا اور وہی اصل سننے والا جاننے والا ہے۔ (تم[136]) اللہ کا رنگ (اختیار کرو)۔ (یعنی جس فطرت پر اللہ تعالےٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے اس پر چلو اور جن باتوں کا فطرتِ انسانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ عقلی مناسبت ہی انکی متقاضی ہے انہیں اصول نہ بناؤ اور نہ انہیں داخلِ دین ہی سمجھو) اور رنگ دینے میں اللہ سے کون اچھا ہے؟ اور ہم اسی

---

[1] اس جگہ ملتِ ابراہیم کو یہودیت و نصرانیت کی جگہ دی ہے جس سے لازم آتا ہے کہ ملتِ ابراہیم میں اعمال و اقوال بھی داخل ہیں۔

لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ١٣٢ وَوَصّٰى بِهَآ
اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ
فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ ١٣٣ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ
يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ
اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّ
نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ ١٣٤ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا
كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔـلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ١٣٥ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ
نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○
١٣٦ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ
النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ڮ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ ١٣٧ فَاِنْ
اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ
فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ ١٣٨ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ
مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ ١٣٩ قُلْ اَتُحَاۗجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ
رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ○
١٤٠ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ
كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

پھر ارشاد کیا کہ ابراہیمؑ نے جس کی تمام نیک لوگ تعریف کرتے ہیں۔ اور یعقوبؑ نے جسے تم خاص طور پر اپنا بزرگ سمجھتے ہو، اپنی اولاد کو اسی ملتِ ابراہیمی پر چلنے کی تاکید کی اور کہا کہ اے میرے بیٹو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اصل دین کو چُن لیا ہے وہ صرف اسلام ہی ہے۔ پس تم نہ مرنا مگر صرف اسلام پر۔ یہ ایسا فطری و معقول دین ہے کہ جو کوئی اس کے سوائے کسی اور دین کو طلب کریگا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

بلکہ تم اسباط کی شہادت دیتے ہو کہ جب یعقوبؑ کی موت کا وقت قریب آیا۔ تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت[۱] کرو گے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی جو اکیلا ہی معبود ہے عبادت کریں گے اور ہم اسی کے مسلم ہیں (اس جگہ حضرت اسمٰعیلؑ کو تغلیباً باپ کہا گیا ہے۔ اگر ان کا الگ ذکر آتا تو انہیں باپ ہرگز نہ کہا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے آذر کو الگ کر کے حضرت ابراہیمؑ کا باپ کہا ہے۔ اس لئے ضرور وہ ان کا باپ ہی تھا)۔

باقی رہے انبیاء علیہم السلام کے خود اپنے ذاتی و قومی خیالات و افعال۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ یہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی ان کے لئے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے لئے ہے جو تم کرو اور تم سے ان کے اپنے کاموں کے متعلق کوئی پرسش نہیں ہوگی

جب اسلام اس قدر آزاد ہے۔ تو ایسے اسلام سے روگردانی کی ضرورت کیا؟ باوجود اس کے یہود کہتے ہیں کہ یہودی بنو اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ عیسائی بنو اور سنّی کہتے ہیں سُنی بنو اور شیعہ کہتے ہیں شیعہ بنو اور احمدی کہتے ہیں احمدی بنو اور بہائی کہتے ہیں بہائی بنو۔ ان کے نزدیک یہودی یا نصرانی، شیعہ یا سنی، احمدی یا بہائی ہی بننے پر اصل ہدایت کا انحصار ہے برعکس اس کے خدا کا فیصلہ یہ ہے کہ نہیں بلکہ ابراہیم مائل بحق کے طریق کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

مسلمانو! تم تمام انبیاء کی مشترکہ تعلیم کو مانو وہی اصل اسلام ہے اور پکار کر کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب کو مانتے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوئی اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور اولادِ یعقوبؑ کی طرف اُتارا گیا اور جو موسےٰ اور عیسےٰ علیہم السلام کو دیا گیا اور جو نبیوں کو انکے رب کی طرف سے ملا سب کی مشترکہ تعلیم کو مانو اور کہو کہ ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان کوئی تفرقہ نہیں ڈالتے اور ہم مسلم ہیں تو صرف خدا کے

پھر اگر وہ تمہاری طرح ایمان بھی لائیں تو وہ ہدایت یاب ہو گئے (اگر کوئی چار رکعت نماز پڑھتا ہے تو وہ

---

[۱] عبادت میں خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے تمام نیک کاموں کا بجالانا ضروری ہے

کے عابد ہیں۔ ۱۳۷ تو کہہ کیا تم ہمارے ساتھ اللہ میں جھگڑا کرتے ہو، حالانکہ وہ ہمارا رب اور تمہارا رب ہے، اور ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے عمل ہیں، اور ہم (کسی اور کی ملاوٹ کے بغیر) نرا دھارا ہی خدا کے لئے ہیں۔ (کیا یہی سچا دین نہیں، جو اوپر بیان ہوا؟) ۱۳۸ یا کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب، یہود تھے یا نصاریٰ؟ کہو، کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اس گواہی کو جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے، چھپاتے؟ اور اللہ تمہارے کاموں سے (جو تم حق کو چھپانے کے لئے کرتے ہو) غافل نہیں۔ ۱۳۹ یہ ایک جماعت تھی، جو گذر گئی۔ ان کے لئے ہے، جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے ہے جو تم نے کمایا اور تم سے خود ان کے اپنے کاموں کی کوئی پرسش نہیں ہوگی۔

حواشی

یہود و نصاریٰ میں ان کی نادانی کی سزا کے طور پر ایسی ایسی باتیں بھی آگئی ہیں، جن سے ملتِ ابراہیمی پاک تھی۔ اگر قرآن حکیم میں بھی ملتِ ابراہیمی کے مخالف باتیں موجود ہیں تو اس سے ثابت ہوگا کہ معاذ اللہ قرآن مجید اور رسولِ کریمؐ بھی من سفہ نفسہٗ میں داخل ہیں۔ ملّتِ ابراہیمی بالکل مائل بحق اور فطری تھی، وہ شرک سے یقیناً پاک تھی، وہی انسان کی نجات کا موجب تھی، قرآن مجید میں ملتِ ابراہیمی کی کہیں تنسیخ نہیں پائی جاتی اور یہ یاد رہے کہ ملت میں صرف اصول و اعتقادیات ہی شامل نہیں بلکہ معقول و فطری طریقِ عمل بھی داخل ہے

سورتِ ممتحنہ میں اللہ تعالےٰ نے ابراہیمؑ اور ان کے اصحابؓ کے اسوۂ حسنہ کی طرف بُلایا ہے

آگے فرمایا کہ ابراہیمؑ کو ہم نے دُنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور نجات اور مرتبہ پانے کے لحاظ سے آخرت میں بھی وہ صلاحیت والے لوگوں میں سے ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسے کب چُن لیا؟ اس وقت جب اللہ تعالےٰ نے اسے کہا کہ تُو وہی اسلام لا، جو پہلے ہی سے موجود چلا آتا ہے، تو ابراہیمؑ نے کہا کہ میں رب العالمین کے لئے جس کا کُل جہانوں کے ساتھ یکساں تعلق ہے، مُسلم بنا۔ پس جس طرح سے خدا تعالےٰ رب العالمین ہے اسی طرح ہمارے دین کا تعلق بھی ایک ہی اسلام کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ اگر حق تمام لوگوں کی حُریت و مساوات کی بنا پر ہر قوم سے بطورِ اشتراک لیا جائے تو اُس سے دُنیا میں ایک اسلام ہی پیدا ہوگا۔ اس قدیم اسلام کو دُنیا میں پھیلانے والے لوگ مبارک ہیں۔ ایسے لوگ کم از کم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم عملی طور پر لوگوں کو معقول دین یعنی اسلام کی طرف لانے کی کوشش کرتے ہیں دُوسرے لوگ بھی دُنیا میں ایسا ہی اتحاد پیدا کریں، لیکن اگر وہ کہیں کہ پچھلا اسلام تو ہمارے آنے سے کالعدم ہوگیا ہے۔ اب آئندہ کو ہماری حکومت ہے، ہمارا ہی اسلام اچھا ہے اور دُوسروں کا اسلام ٹھیک نہیں، کیونکہ اسمیں ہماری نیلیت اور خصوصیت کو بٹہ لگتا ہے، تو ایسے شخص سے خدا تعالےٰ کی پناہ!

پارہ دوم

چودہویں رکوع میں ان تمام قبلوں کی اصلاح کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ جنہیں لوگ اپنی نمازوں کا جزو لاینفک سمجھتے تھے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ "مشرق اور مغرب اللہ تعالےٰ ہی کے ہیں۔ سو، جدھر تم منہ کرو، اُدھر خدا تعالےٰ کا حضور ہے۔ بلاشبہ اللہ واسعٌ علیمٌ ہے"
اس کے بعد اسلام کی طرف متوجہ کرایا گیا ہے جو تمام مکانوں اور زمانوں کا یکساں دین ہے اور مخصوص ملکی و قومی رسموں کو اصل دین میں داخل نہیں کرتا۔ اسی لئے ذیل کے رکوعوں میں اس قبلے کی قلعی کھولی گئی ہے جو رسول کریم نے دوسرے نبیوں کی اُمتوں کو دیکھکر رسمی طور پر اختیار کر لیا تھا (تفصیل کے لئے دیکھو حواشی)

رکوع ۱۷ و ۱۸

۱۴۲ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ
لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ ۱۴۳ وَ
كَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ
الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ
مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا
عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ ۱۴۴ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ
قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ
فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ

بھی خوب ہے۔ ایسی باتوں میں کسی کی تکفیر وتذلیل مت کرو اور ہر نمازی کے ساتھ نماز پڑھ لو۔) اور اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو سوائے اس کے نہیں کہ وہ مخالفت پر آمادہ ہیں۔ سو اللہ تعالےٰ تیرے لئے ان کی طرف سے کفایت کریگا اور تیرے جیسے روادار نبی کو ان کے شر سے بچائے گا اور اللہ ہی تمہاری عاجزانہ دعاؤں کا اصل سننے والا، اور تمہارے اخلاص کا اصل جاننے والا ہے۔

ظاہری بپتسمے فضول ہیں اور مشرق و مغرب کے قبلوں میں کوئی نیکی نہیں۔ مسلمانو! تم کہو، ہم نے الٰہی رنگ اختیار کیا ہے اور اللہ تعالےٰ کے فطری رنگ سے بہتر رنگ کس کا ہے؟ اور ہمارا رنگ یہ ہے کہ ہم ہر بات میں اللہ تعالےٰ ہی کے عابد ہیں۔ (یہ لوگ آدمیوں ہی کو اصل جانتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں) سو انہیں کہہ کہ کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا (رب) اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل ہیں اور ہم نرا دھار خدا ہی کے ہیں۔

یا کیا (اے مذہب والو!) تم کہہ سکتے ہو کہ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور اولاد یعقوبؑ (جن کا اوپر کی آیت میں ذکر آیا ہے) یہودی تھے یا نصرانی۔ اگر ضد سے ایسا کہیں تو تو کہہ کہ کیا تم زیادہ عالم ہو یا اللہ تعالےٰ؟ اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہے جو اس شہادت کو جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے چھپائے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔

اوپر جن نبیوں کا ذکر آیا ہے وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی (مسیحؑ بھی گذر گئے) ان کے لئے ان کے کام ہیں اور تمہارے لئے تمہارے کام ہیں اور تمہیں ان کے خاص اپنے اپنے کاموں کی پرسش نہ ہوگی۔

یہ ہے وہ اسلام جو قرآن حکیم دنیا کے آگے پیش کرتا ہے



ترجمہ - (۱۴۲ اور جب ہم بنیادی اصلاح کی غرض سے اس قبلے کو ہٹا دینگے تو) لوگوں میں سے بیوقوف فوراً کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلے سے جس پر وہ چلے آتے تھے کس چیز نے پھیر دیا تو (اس کے جواب میں) کہنا (کہ) مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۵؎۔ ۱۴۳ اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایسی امت بنایا ہے جس کا تمام لوگوں کے ساتھ واسطہ ہے تاکہ لوگوں پر تم (قرآن کے) شاہد بنو اور رسول تم پر شاہد بنے (پس تمہارا مامور بہ تعلق کسی قومی یا ملکی قبلے سے قطعاً نہیں) ہم نے اس قبلے کو جس پر تو (دوسرے نبیوں کی امتوں کے تتبع میں) چلا آیا ہے (اصولی طور پر) نہیں بنایا تھا مگر (آزمائشی طور پر یعنی) اس لئے کہ ہم اس شخص کو جو اس رسول کی پیروی کرتا تھا اس شخص سے جو اپنی ایڑیوں پر مڑ جاتا تھا (ممیز اور) الگ کر دیں۔ اور یہ بات (اس وقت) البتہ بھاری تھی مگر ان لوگوں پر جنہیں خدا نے ہدایت دی تھی اور (تم نے جو بطور جواز کے اسے اختیار کیا تو) خدا ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے (اور تمہاری نمازوں کو اکارت کرے) بلاشبہ اللہ لوگوں کے ساتھ ضرور نرمی والا رحمت والا ہے۔ ۱۴۴ ہم کبھی کبھی تیرے منہ کا آسمان میں پھرنا دیکھتے رہے ہیں (تو سوچتا تھا کہ آسمان کی کونسی طرف خدا تعالےٰ کے ساتھ باتیں کرنے میں تعلق رکھتی ہے اور کونسی نہیں اور تو سمجھتا تھا کہ جدھر منہ پھیرو خدائے واسعٌ علیم سے اسی طرح باتیں ہو سکتی ہیں اور تو ایسے معقول اور ہرجائی قبلے سے راضی تھا) پس ضرور ہم تجھے اس قبلہ کی طرف حکماً پھیر دینگے جس پر تو راضی ہے سو تو مسجد حرام کی جہت نماز کی طرف اپنا منہ پھیر (یعنی مسجد ابراہیمی کا رخ ہر طرف ہے اور وہ مسجد ھدی للعالمین ہے اس لئے تم بھی اسی طرف منہ کرو جدھر اس مسجد کا رخ ہے اور جب اس مسجد کا رخ ہر طرف ہے تو تم مسجد کے باہر بھی اپنا رخ اسی مسجد کے رخ کی پیروی میں اللہ تعالےٰ ہی کی طرف کرو) اور بلاشبہ وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے البتہ جانتے ہیں کہ یہی (ہرجائی قبلہ) ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے کاموں (مثلاً فرقہ بندیوں) سے غافل نہیں ہے۔ ۱۴۵ اور البتہ اگر تو ان لوگوں کو جنہیں کتاب دی گئی ہے (ہرجائی قبلے کی) ہر ایک دلیل دے تو یہ تیرے (ہرجائی) قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور تو (بھی) ان کے (مخصوص) قبلوں کی پیروی کرنے والا نہیں اور (خود ان میں بھی اختلاف ہے اس لئے کہ) ان کا بعض ان کے بعض کے قبلے کی پیروی کرنے والا نہیں اور اگر تو اس علم کے تیرے پاس آنے کے بعد ان کی خواہشات نفسانی کی پیروی کرے تو بلاشبہ جب تو

۵؎ گویا مخصوص قبلے سے ہٹانا اور ہرجائی قبلے کی طرف لانا مستقیم راستہ ہے تمام منعم علیہم کا یہی مشترکہ طریق ہے۔

کی یہ اصلاح ویسی ہی عالمگیر ہے) جیسا کہ ہم نے تمہیں میں سے ایک ایسا رسول (عالمگیر تعلیم دیکر) بھیجا ہے جو تم پر (اپنی نہیں، بلکہ) ہماری آیتیں پڑھتا اور (اس قرآن کے ساتھ) تمہیں پاک کرتا اور (صرف اسی قرآن کو سناکر تمہیں (تمام انبیاء کی) کتابیں اور (تمام حکماء کی) حکمتیں سکھاتا ہے اور (علاوہ بریں اسی قرآن میں) تمہیں اور بھی ایسی باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔ ۱۵۱ پس (اس شاندار اصلاح کی بنا پر) تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا اور (ایسی اعلیٰ تعلیم پر) میرا شکر کرو اور میری بیقدری نہ کرو۔

قبلہ

دین عالمگیر ہونا چاہیئے۔ عالمگیر صداقتیں کبھی نہیں بدلیں گی۔ بدلنے والی چیزیں عالمگیر دین کی ماہیت میں داخل نہیں ہوسکتیں۔ اگر ایک قوم کے لئے اپنے شعار اور رسومات چھوڑنا ممنوع سمجھا جائے تو بہ تقاضائے انصاف اسی قسم کے شعار اور رسوم میں وہی حق دوسروں کو بھی ملنا چاہیئے تمام انسانوں کے شعار و رسوم کبھی ایک نہیں ہوسکتے لیکن دین وہ چیز ہے جو سب کا ایک ہی ہونا چاہیئے لہذا وہ مختلف باتیں جن کا بہ تقاضائے انصاف سب کو یکساں حق ملنا چاہیئے عالمگیر دین میں اصلیت کے لحاظ سے شامل نہیں انہیں دین میں داخل کرکے دینی فرقہ بندی کا موجب ہرگز نہ بنایا جائے۔

اگر ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک میں جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اُس ملک کے قوانین کی خلاف ورزی نہ کرے اگر ایک انجمن کا ممبر دوسری انجمن کے جلسہ میں شامل ہو تو اسے اُس وقت ان کے قوانین کی رعایت کرنا لازم ہے اگر ایک برادری کا آدمی کسی تقریب پر دوسری برادری کے ساتھ برتاؤ کرے تو وہ ان کے بے ضرر رسومات کا لحاظ رکھ سکتا ہے

ایسے ہی صنعت و حرفت، تجارت و زراعت، خوراک و پوشاک وغیرہ کے طریقے مختلف ہیں اس قسم کے اختلافات کو دینی تفرقہ کا موجب نہ بنالینا چاہیئے

مختلف اقوام اور شعوب و قبائل شناخت کے لئے تو ہوسکتے ہیں لیکن ایسے اختلافات کا ان کے اَتْقٰی اور اَکْرَمْ ہونے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں

جب بات یہ ہے تو کیا مومنوں اور نمازیوں کا کوئی شعار نہ ہونا چاہیئے نہیں، نہیں، ضرور ہونا چاہیئے مگر وہی جو قرآن حکیم بیان فرمائے باقی سب سیاسی باتیں اور مقابلے کی گھاتیں ہیں

کیا سورۃ مومنون کے شروع ہی میں مومنوں کا نقشہ نہیں کھینچدیا اور سورۃ معارج میں نمازیوں کو سامنے لاکر نہیں دکھادیا۔ جن نمازیوں کے لئے ویل ہے ان کا پتہ بھی سورت ماعون میں بتادیا ہے کافروں اور

تو ظالموں میں سے ہے (اس سے صاف معلوم ہُوا کہ رسولؐ کے قبلہ کی بنا "علم" پر ہے اور لوگوں
کے قبلہ کی بنا "اھوا" پر۔ بلاشبہ علم کو چھوڑ کر اھوا پر چلنا ظالموں ہی کا کام ہے)۔ [146] وہ لوگ جنہیں ہم
نے کتاب دی ہے ان کو اس ہرجائی قبلے کی ایسی معرفت ہے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو (دوسرے
لوگوں سے) پہچان لیتے ہیں[1]۔ بلاشبہ ان میں سے ایک فریق (جو مخصوص قبلوں پر مصر ہے) ضرور اصل
حق کو چھپاتے ہیں اور وہ اسے جانتے ہیں (اس سے معلوم ہُوا کہ ہرجائی قبلہ ایسا حق ہے جسے دوسرے
مذاہب کے لوگ بھی جانتے ہیں)۔ [147] یہ تیرے رب کی طرف سے اصل حق ہے پس تو (اے رسولؐ! لوگوں
کے اعتراضوں کے سبب) شک کرنے والوں سے نہ بننا (ایک مخصوص قبلہ سے دوسرے مخصوص قبلہ کی
طرف لانا ایسا ہی ہے جیسا کوئی شخص بارش سے بچکر پرنالے کے نیچے جا کھڑا ہو یا کڑاہی سے نکل کر بھٹی میں
جا پڑے)۔ [148] اور ہر شخص کے لئے کوئی نہ کوئی جہتِ صلوٰۃ ہے، جدھر وہ منہ کرنے والا ہے (اس میں کسی کو
کسی پر کوئی مزیت نہیں) سو تم نیکیوں میں سبقت کرو (اور خدا تعالےٰ کو ہمیشہ سامنے رکھو۔ اصل قبلہ وہی ہے
چنانچہ جہاں کہیں تم ہو خدا تم سب کو اکٹھا کرکے اپنے پاس لے آتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالےٰ ہر شے پر قادر ہے
[149] اور (مخصوص قبلوں کی نگہ داری تکلیف مالایطاق ہے کیونکہ بسا اوقات تمہیں دُور و دراز آنا جانا ہوتا ہے
اس لئے) تو جہاں سے نکلے تو اپنے منہ کو مسجد حرام کی جہت صلوٰۃ کی طرف پھیر اور بلاشبہ تیرے رب
کی طرف سے یہی اصل حق ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔ [150] اور (یہ بھی واقعہ ہے کہ
ایک جگہ سے دوسری جگہ جا کر پھر روانہ ہونا پڑتا ہے اس لئے) جہاں سے تو نکلے سو تو اپنی توجہ کو مسجد
حرام کی جہت صلوٰۃ کی طرف پھیر اور (اے لوگو! تم زمین کے مختلف حصّوں میں بستے ہو لہذا تمہارے
لئے ممکن نہیں کہ تم مخصوص قبلوں کو نگہ رکھ سکو۔ سو) جہاں کہیں تم ہو تم اپنی توجہ کو مسجد حرام (کی طرف
نہیں بلکہ اس) کی جہت صلوٰۃ ہی کی طرف پھیر دو تاکہ لوگوں کے لئے تمہارے خلاف کوئی (معقول) حجت
باقی نہ رہے (کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ قرآن مجید دین کے تو عالمگیر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور قبلے ملکی و قومی
ٹھیراتا ہے۔ توحید کا اس قدر مدعی ہے لیکن شخصی رسوم پر اس قدر زور دیتا ہے۔ تمام مذاہب کو ایک
بنانا چاہتا ہے اور تفریق کے ایسے سامان خود ہی پیدا کرتا ہے) ہاں جو لوگ ان میں سے ظالم
ہیں (وہ جاہلانہ اعتراضوں سے نہیں رُک سکتے) سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور (اس ہرجائی
قبلے سے یہ بھی مقصود ہے) کہ میں اپنی نعمت تم پر مکمل کردوں اور تاکہ تم اصل ہدایت پر آجاؤ۔ [151] (ہماری قبلوں

[1] یعنی اصل قبلہ ایک ایسی چیز ہے جسکا تعلق محبت کے ساتھ ہے۔

خاص کعبہ کے نقطہ کی طرف صحیح طور پر رخ کرنا سفر اور حضر میں ممکن نہیں علاوہ بریں زمین کے کروی ہونے کے سبب ذیل کی صورتوں میں جہت کعبہ کا تقرر ہی محال ہے :۔

۱ - اگر خانہ کعبہ اور قطبین سے گزرتا ہوا ایک بڑا دائرہ زمین کے گرد کھینچا جائے تو وہ خانہ کعبہ کا دائرہ نصف النہار ہوگا یہ دائرہ کرّہ زمین کے دوسری طرف ایلاسکا اور بحر الکاہل کے کئی ایک جزائر سے ہوتا ہوا انٹارکٹیکا سے گذرے گا اس خط نصف النہار پر جو آدمی مقیم ہونگے خانہ کعبہ ان سے دونو طرف شرقی و غربی طول بلد میں ایک سو اسی (۱۸۰) درجے کے یکساں فاصلے پر ہوگا۔ اب بتائیے کہ جو لوگ اس دائرہ نصف النہار پر آباد ہیں۔ یا وہاں پر جہاز رانی کرتے ہیں کیا وہ شرق اور غرب کے رخ دونو طرف نماز پڑھیں ؟

۲ - جو قطعۂ زمین کرہ ارض کے دوسری طرف خانہ کعبہ کے عین مقابل ہوگا خانہ کعبہ اس سے ہر طرف یکساں فاصلہ پر ہوگا۔ بحر الکاہل میں اس نقطہ کے قریب کئی ایک جزائر دکھائی دیتے ہیں پھر نئے نئے جزائر بھی سمندر کی تہہ سے ابھرتے اور آباد ہوتے رہتے ہیں وہاں جہاز رانی بھی عام طور پر ہوتی ہے۔ اندریں حالات وہاں کے لوگ جس طرف بھی رُخ کرینگے اُن کا منہ کعبہ ہی کی طرف رہیگا۔

۳ - اگر کوئی شخص ایران یا بلوچستان، ہندوستان یا سیام میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے تو کیا فاصلوں کی کمی و بیشی اسکی نماز کو کم و بیش بنا دیگی ؟ سَو دو سَو یا بارہ ہزار میل کے فاصلہ سے کعبہ کی طرف منہ کرنا ایک ہی بات ہے سو اگر فاصلہ کی کمی بیشی کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس کرّہ زمین پر ہر جگہ آگے پیچھے منہ کرنے سے کعبہ کی طرف ہی ہمارا منہ رہے گا۔ اگرچہ ایک طرف کعبہ کچھ دُور ہوگا۔ اور دوسری طرف نزدیک۔

۴ - اگر کوئی شخص اپنے پہلو پر (علیٰ جنبہٖ) لیٹ جائے تو ہر جگہ اور ہر طرف منہ کرنے سے اسکا منہ کعبہ ہی کی طرف جائے گا۔

اب ہم دیکھیں کہ قرآن حکیم قبلہ کے متعلق کیا فرماتا ہے :۔

۱ مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے سو جدھر تم منہ کرو وہیں اللہ کا سامنا ہے بلاشبہ اللہ فراخی والا، علم والا ہے۔ ۲/۱۱۵

فائدہ - یہ آیت کسی جنگل، پہاڑ یا سمندر کے متعلق نہیں بلکہ مسجدوں کے متعلق ہے جن میں ذکر الٰہی کرنے سے یہود و نصاریٰ مدینہ میں ایک دوسرے کو فضول اختلاف کے سبب روکتے تھے۔

۲ - ابھی (جب ہم مخصوص قبلہ کو ہٹا دیں گے تو) بیوقوف لوگ کہیں گے کہ انہیں ان کے اُس قبلہ سے

منافقوں کا حال بھی کھول کھول کر بیان کر دیا ہے قرآن مجید مومنوں اور نمازیوں کے لئے کوئی وردی یا دم چھلا یا بلا یا بپتسمہ تجویز نہیں کرتا وہ چاہتا ہے کہ ہم الٰہی رنگ میں رنگے جائیں (ہم تے) الٰہی رنگ (اختیار کیا) اور رنگ دینے میں اللہ سے بہتر کون ہے؟ اور (وہ رنگ کیا ہے وہ یہ ہے کہ) ہم اسکے عابد ہیں ۲/۱۳۸)

اس آیت سے واضح ہے کہ مصنوعی شعار کا اسلام کے ساتھ کوئی غیر منفک تعلق نہیں

ہمارے رسولؐ کے عہد میں مختلف قوموں کے مختلف قبلے تھے وہ اپنے سے غیر قبلہ والوں کو اللہ کے ذمے میں نہیں سمجھتے تھے اس اختلاف کے سبب فرقہ بندی کا بڑا زور تھا متحد کرنے والے قرآن نے مخصوص قبلوں کی تخصیص کو مٹا دیا اور اصل قبلہ خدا کو قرار دیا ہے انی وجہت وجھی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ۶/۷۹

مسجد وہ جگہ ہے جہاں نماز پڑھی جائے اگر کوئی شخص مسجد کو تالا لگادے اور اس کے باہر نماز پڑھے تو وہ مقفل مسجد کو نماز کی جگہ یعنی مسجد نہیں رہنے دیگا خانہ کعبہ بھی مسجد ہی ہے اگر اسے بند کر کے خواہ مخواہ باہر ہی نماز پڑھی جائے تو یہ خانہ کعبہ کو مسجد ہونے کی حیثیت سے نکالنا ہوگا۔ مسجد حرام اسی لئے بنائی گئی تھی کہ کہ اس کے اندر نماز پڑھی جائے وہ خدا تعالےٰ کے رہنے کے لئے نہیں بلکہ آدمیوں ہی کے لئے بنائی گئی تھی ۳/۹۶ حضرت ابراہیمؑ بحکم الٰہی اسے نمازیوں ہی کے لئے پاک وصاف رکھتے تھے نہ خدا تعالےٰ کے رہنے کیلئے ۲/۱۲۵ ۲۲/۲۶ اور ضرور ہے کہ آپ بھی نمازیوں کے ساتھ اس کے اندر ہی نماز پڑھتے تھے یہی وجہ ہے کہ اسے مقام ابراہیم یعنی "ابراہیم کے قیام کرنے کی جگہ" کہا جاتا ہے ۳/۹۷ برعکس اس کے مشرکین مکہ مسجد حرام کے باہر یعنی اس کے نزدیک اپنی نماز پڑھتے تھے جیسا کہ "عند البیت" ۸/۳۵ کے الفاظ سے سورج کی طرح روشن ہے۔ یہی باعث ہے خدا کے فرمان "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلے ۲/۱۲۵" کا یعنی ابراہیمؑ کے نماز پڑھنے کی جگہ کو اپنی جائے نماز بناؤ لہذا دیگر مسجدوں کی طرح مسجد حرام کے اندر ہی نماز پڑھنا چاہیئے

یہ بھی مخفی نہیں کہ مسجد حرام کے اندر نماز ہر طرف منہ کر کے پڑھی جائے گی وہاں جماعت کے انتظام کے لئے بھی کوئی مخصوص قبلہ نہیں مل سکتا خود امام کی مرضی سے یا آپس کے مشورے سے ایک طرف منہ کر کے جماعت کرائی جائے گی

حاصل یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ صرف خدا تعالےٰ تھا جیسا کہ انکے قول "انی وجہت وجھی" سے ظاہر ہے جب مسجد کعبہ کی جہت نماز ہر طرف ہے تو کیوں نہ بحکم خدا کعبہ کی جہت صلوٰۃ یعنی اس کے شطر اور رُخ کی طرف ہی ہم اپنا رُخ کریں۔

انہیں نہیں روک دیا تاکہ یہ دکھلائے کہ باوجود علم کے ان کی نمازوں میں اس سے کوئی حرج نہیں ہو رہا۔ اس اعلان سے اجازت پاکر رسول کریم کبھی کبھی اپنے طور پر آسمان میں ہر طرف نماز کے لئے منہ پھیرنے لگے اور اس ہرجائی قبلہ کی بشارت سے بہت خوش ہوئے

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے رسولِ کریمؐ کو ارشاد کیا کہ "جب ہم مسلمانوں کو اس مخصوص قبلہ سے پھیر دیں گے تو بیوقوف لوگ یہ اعتراض کرینگے کہ ان مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جسے انہوں نے خود ہی اپنا قبلہ سمجھ کر اختیار کیا تھا کس چیز نے پھیر دیا۔ تو تو اس کے جواب میں کہنا کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف چلا دیتا ہے" تو ضرور ہے کہ رسولِ امینؐ نے اس آیہ مبارکہ کا وہی مطلب سمجھا ہو جو اسکے الفاظ سے بلاتکلف مترشح ہے

آیت میں ایسا اعتراض کرنے والوں کو بیوقوف کہا ہے گویا ان کا اعتراض محض جہالت اور سراپا سفاہت تھا ان کے نزدیک اس مخصوص قبلہ کی خصوصیت کو اٹھا دینا نادانی تھا خدا تعالےٰ انہیں سفیہ کہہ کر ہمیں سکھاتا ہے کہ " خدا تعالےٰ کے نزدیک کسی مخصوص قبلہ کی خصوصیت کا اعتقاد رکھنا سراسر سفاہت ہے"

اس سفیہانہ اعتراض کا یہ جواب دیا کہ " تو کہہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں اللہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے"

یہ جواب مخصوص قبلے کی خصوصیّت مٹانے کے لئے دیا گیا ہے نہ کوئی نیا مخصوص قبلہ قائم کرکے۔ پس یہ جواب مخصوص قبلے سے ہٹانے کے ساتھ ہی تعلق رکھتا ہے یہ جواب جس طرح اس مخصوص قبلہ کو مٹانے والا ہے، اسی طرح ہر مخصوص قبلہ کو مٹانے کے لئے یہی دلیل کافی ہوگی۔ اگر یہ دلیل آئندہ کام نہ دے گی۔ تو یہود کے قبلہ کی خصوصیّت کو مٹانے میں کیسے مفید ہوسکتی ہے؟ وہ کیاخاک دلیل ہے جو دوسروں کے مقابلہ میں پیش کی جاسکے لیکن اسی رنگ میں اپنے مقابلہ پر نہ سنی جائے۔

" للّٰہ المشرق والمغرب" (پ ۲) کے پاک الفاظ کا صراحتہً یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ کرنے میں کسی مصنوعی قبلہ کو کوئی خصوصیّت نہیں ہوسکتی اس سے پہلے اس کی تفسیر خود اللہ تعالےٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ فرمادی ہے (پ ۱) یعنی یہ کہ مسجدوں میں ذکرِ الٰہی کرنے سے مت روکو یہ بڑا بھاری ظلم ہے پھر یہ دکھلانے کے لئے کہ ذکرِ الٰہی کے لئے کسی مخصوص قبلہ کی کوئی ضرورت نہیں فرمایا:۔

" للّٰہ المشرق والمغرب "

اور اس زبردست دلیل سے یہ نتیجہ نکالا کہ:۔ " اینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ۔ ان اللّٰہ واسعٌ علیم"

جس پر یہ چلے آتے تھے کس نے پھیر دیا؟ تو کہہ دے مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف چلا دیتا ہے ۲

فائدہ - کوئی مخصوص قبلہ سیدھا راستہ نہیں -

۳ - ہر ایک کے لئے ایک جہت ہے، جدھر وہ منہ کرنے والا ہے سو تم جہات کی پرواہ نہ کرکے نیکیوں میں سبقت کرو۔ تم جہاں بھی ہوگے خدا تم سب کو (اپنے پاس) لے آئیگا بلاشبہ اللہ ہر شے پر قادر ہے ۲

۴ - یہ نیکی نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کے قبلوں کی طرف منہ کرو ۲

۵ - بنی اسرائیل فرعون کے ظلم کے سبب کھلم کھلا نماز ادا نہ کر سکتے تھے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ "تم اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اور وہیں نماز قائم کرو" ۱۱ مطلب یہ کہ میں تمہارے گھروں ہی میں تمہارے پاس موجود ہوں سو تم اپنے گھروں ہی میں جدھر چاہو منہ کرکے نماز پڑھ ہو کسی خارجی مکان کو قبلہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کا گھر ہی اسکا قبلہ ہو

۶ - یہود میں ایک قبلہ عام طور پر مروج تھا وہ اسے الہامی قبلہ بتاتے تھے مسلمانوں نے اسے نبیوں کا قبلہ سمجھ کر اختیار کیا ہوا تھا چونکہ مسلمان خدا پر ایمان رکھ کر اس قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے اس لئے ان کی نمازوں میں اس قبلہ کے سبب کوئی حرج واقعہ نہ ہوتا تھا اور اسی لئے خدا نے اس سے نہیں روکا بلکہ عرصہ دراز تک انہیں اس طرف نماز پڑھنے دے کر یہ سکھا دیا کہ کسی قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے سے نماز میں کچھ نقصان واقع نہیں ہوتا

لیکن افسوس ہے کہ لوگ اپنے اپنے قبلوں کو واحد قبلہ سمجھ کے دوسروں کی نماز کو نماز نہیں جانتے۔ اور لوگ ایسی نماز میں شامل ہونے کو کفر سمجھتے ہیں آج تک مخالف لوگ یہ کہتے چلے آتے ہیں کہ رسولؐ کا یہود کے قبلہ کو اختیار کرنا خوشامدانہ پالیسی تھی سو اگر قبلوں کی اصلاح متحد کرنے والا قرآن کریم خود ہی وحی الٰہی سے نہ کرتا تو اس کی اصلاح اور کس پر ڈالی جاتی؟ اس سبب سے خدا تعالےٰ نے یہود کو تو ان کے قبلہ سے نہیں روکا لیکن یہ اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کو اس مخصوص سمجھے ہوئے قبلے سے پھیر دینگے اور عملاً دکھا دینگے کہ ہم خوشامدی نہیں بلکہ اس مخصوص قبلہ سے پھیرے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ مشرق و مغرب کے اطراف یکساں طور پر اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں ایک جہت کو دوسری پر خدا تعالےٰ کے پکارنے میں کوئی ترجیح نہیں ہو سکتی یہی سیدھا راستہ ہے اور خدا تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف چلا دیتا ہے -

خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کو مخصوص قبلہ سے ہٹانے کا پہلے اعلان کیا لیکن اعلان کے ساتھ فی الفور ہی

معلوم ہوتا ہے کہ اس رسول کے ساتھ اصلی مومنین کی نسبت منافقین زیادہ شامل ہو گئے تھے جو اس رسول کے انتظام و حکومت میں خلل ڈالنے پر تلے ہوئے تھے۔ دشمنوں کے حملوں کے وقت ان سے بالخصوص سخت ضرر کا اندیشہ تھا۔ لہذا یہ لازم تھا کہ کسی مناسب تجویز سے اس قسم کے لوگ الگ کر دیئے جاتے۔ یہ تجویز اس آزمائش کی مانند تھی جس کے مطابق حضرت طالوتؑ نے بحکمِ الٰہی اپنی فوج کے کمزور دل والوں کو ایک ندی کے ذریعے سے آزمایا تھا[1] ۔ اور یوں بزدل لوگوں کو الگ کر دیا تھا تاکہ عین موقعۂ جنگ میں بہت سے نامردوں کے بھاگ نکلنے سے فتح کی شکست نہ بن جائے۔

بہرکیف حالات خواہ کچھ ہی ہوں خدا تعالےٰ کے اس فرمان میں کوئی کلام نہیں کہ وہ قبلہ حسبِ ضرورت کچھ مدت کے لئے محض آزمائشی طور پر مقرر کیا گیا تھا جب اس سے اس آزمائش کا فائدہ جاتا رہا تو وہ صرف ایک رسم ہی رہ گیا۔

خدا کے قول کے مطابق ان منافقین پہ یہ قبلہ والی آزمائش بہت شاق گذری پس ضرور ہے کہ بہت سے منافقین اس رسولؐ سے الگ ہو گئے ہوں اور آئندہ کے لئے عام طور پر اس رسول کے ساتھ منافقانہ طور پہ شامل ہونے سے رک گئے ہوں

ہاں اُن لوگوں کے لئے جو اصلی ہدایت والے تھے کچھ مشکل نہ تھا اس لئے کہ ایسے لوگ خدا پر سچا ایمان رکھتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کو خدائے واسعؔ علیم کی عبادت کرنا ہے۔ اِدھر منہ کر کے پکار لیا تو کیا، اور اُدھر رخ کر کے اس سے راز و نیاز کی باتیں کر لیں تو کیا۔

اب ایک اور بات قابلِ ذکر باقی تھی اور وہ یہ کہ جب یہود کا وہ قبلہ محض ایک وقتی آزمائش کے طور پر مقرر ہوا تھا، نہ دائمی اصول و حقیقت کے لحاظ سے، تو مسلمانوں کی اس قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا حشر ہوا؟ سنئیے خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"میں تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں، آدمیوں کے ساتھ میں بڑا رؤف و رحیم ہوں"۔

مطلب یہ کہ جب اس قبلہ کے سبب ان ہدایت والوں کو جو اس رسول کے ساتھ تھے کوئی نقص نہ پہنچا۔ بلکہ اُن کے ایمان کا پختہ ہونا ثابت ہوا۔ تو تم نے جو خدا پر ایمان رکھ کر اس طرف (یعنی بیت المقدس کی طرف) منہ کر کے نمازیں پڑھ لیں۔ تو ایسی باتوں سے (جن کا ذاتی طور پر نیک و بد ہونے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں) خدا تمہارے سچے ایمان کو کیسے ضائع کر دیگا۔ خدا کی نرمی و مہربانی کی کوئی حد نہیں۔

الحاصل، رسولؐ نے اس بیان سے بالضرور یہی بات سمجھی تھی کہ خدا تعالےٰ ہمارے ذریعے سے مخصوص

یعنی جب مشرق و مغرب کے تمام جہات یکساں طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں تو اس سے بالضرور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جدھر تم منہ کرو وہاں اللہ کا سامنا ہے بلاشبہ اللہ ایسا واسع ہے کہ ہر جگہ موجود ہے اور ایسا علیم ہے، کہ آگے پیچھے، اوپر نیچے، دائیں بائیں اور اندر باہر، ہر جگہ سے تمہاری دعاؤں اور دلی التجاؤں کو یکساں طور پر جانتا ہے پھر ایسے خدا کو کسی خاص جہت کے ساتھ مخصوص کرکے پکارنا کیا معنے رکھتا ہے؟

الحاصل ہمارے رسولِ کریمؐ آیہ سیقول السفہآء الخ کو سُنکر یہ بخوبی سمجھ گئے تھے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ذریعے سے مصنوعی قبلوں کی خصوصیت کو مٹانا چاہتا ہے آگے کو ہمارا قبلہ خود خدا ہو گا جو واسعٌ علیم ہے اب ہم آسمان میں ہر طرف منہ کرکے نماز پڑھ سکیں گے مخصوص قبلوں کے بجائے ہمارا قبلہ ہر جائی ہو گا بلاشبہ ہمارا قبلہ وہی ہونا چاہیئے جو مسجدِ حرام کا قبلہ ہے۔ مسجدِ حرام کا قبلہ ہر طرف ہے یہ مسجد پہلے پہل آدمیوں کے استعمال کے لئے ہی بنائی گئی تھی یہ مسجد "ھدی للعالمین" ہے۔ کیا ہمیں اس کی رہنمائی کے مطابق نماز نہ پڑھنا چاہیئے؟ چونکہ یہ بات نہایت معقول تھی اس لئے ضرور ہے کہ ہمارے رسولِ کریمؐ اسی خدائی اور ہر جائی قبلے سے راضی ہو گئے ہوں۔

المختصر اگر رسولِ کریمؐ قرآن مجید کے معنے اس کے لفظوں کے مطابق سمجھا کرتے تھے اور اپنے آپ کو قرآن مبین کے پیچھے چلاتے تھے تو ضرور ہے کہ آنجنابؐ للہ المشرق و المغرب کی بیّن دلیل کو سُنکر ہر جائی قبلہ ہی سے راضی ہو گئے تھے۔ لیکن اگر رسولِ کریمؐ قرآن حکیم کو معاذ اللہ اپنی مرضی کے پیچھے چلایا کرتے تھے اور جو مطلب چاہتے تھے نکال لیا کرتے تھے تو ایسے ظالمانہ اعتقاد سے خدا کی پناہ!

آگے فرمایا کہ جس طرح میں تمہارے قبلہ کو عام کرنا چاہتا ہوں اسی طرح میں نے تمہیں امتِ وسط بنایا ہے یعنی کہ تمہارا تعلق کسی خاص قوم کے ساتھ نہیں بلکہ تم کو تمام دنیا کے آگے تبلیغ کرنا ہے تم امتاً وسطاً یعنی درمیانی جماعت یا یوں کہو کہ ایلچی ہو۔ تمہارا دین کسی خاص ملک یا قوم کی طرف جُھکا ہُوا نہ ہو، بلکہ درمیانی اور معتدل ہو۔ اندریں صورت لازم ہے کہ کسی قومی قبلہ، قومی شعار اور قومی رسوم کے ساتھ تمہارے دین کا کوئی خاص تعلق نہ ہو ضرور ہے کہ عالمگیر دین ایسی خصوصیات سے پاک ہو

اب یہ شبہ باقی تھا کہ یہود میں جو بڑے بڑے انبیاء کی قوم اور ان کی اولاد ہیں ان کا یہ مخصوص قبلہ بطور عملِ متواتر کس طرح چلا آیا؟ اس شبہ کے رفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "یہ قبلہ جس پر تو چلا آیا ہے ہم نے بطور امتحان مقرر کیا تھا تاکہ دیکھیں کون اُس رسول کا متبع رہتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں پر مُڑ جاتا ہے"

مطلب یہ کہ یہ قبلہ ایک وقتی امتحان کے طور پر تھا لیکن لوگوں نے اس رسولؐ کے بعد اُسے دائمی اصول بنا لیا ہے۔

اس موقع پر عام ترجمہ کرنے والے شطر کے لفظ کے (جو اسم ہے حرف جار نہیں) معنے چھوڑ جاتے ہیں اور ایسا ترجمہ لکھتے ہیں جو " ول وجہک المسجد الحرام" کا ہونا چاہئیے۔ یعنی تُو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر"۔ تولیہ" کے معنے پھیرنے کے ہوتے ہیں اس کے دو مفعول آتے ہیں۔ ایک وہ مفعول جسے پھیرا جائے دوسرا وہ مفعول جس کی طرف پھیرا جائے۔ یہ دونو مفعول بنفسہ ہوتے ہیں ان کے ساتھ صلہ کے طور پر کسی حرف کے لانے کی ضرورت نہیں جیسا کہ اس سے پہلے " فلنولینّک قبلۃ " کی ترکیب سے صاف ظاہر ہے

الحاصل " وَلِّ وجہک شطر المسجد الحرام" کے ٹھیک معنے یہ ہیں کہ " تُو اپنے منہ کو (مسجد حرام کی طرف نہیں بلکہ) مسجد حرام کے شطر کی طرف پھیر"

شطر کا معنی ہے جہت۔ ان آیات میں وجھۃ اور قبلۃ کے معنی جہت صلوٰۃ ، وجہ صلوٰۃ اور قبلہ صلوٰۃ ہی کے ہیں۔ چونکہ مسجد حرام میں نماز ہرطرف پڑھی جاتی ہے اس لئے مسجد حرام کی جہت صلوٰۃ ہرطرف ہے اور مسجد حرام کی جہت صلوٰۃ کی طرف منہ کرنے کے معنے ہرطرف منہ کرنے کے ہیں۔ یہ مسجد " ھدی للعالمین" ہے اور ہرجائی قبلے کا سبق دیتی ہے یہ مسجد سفر و حضر میں ہر جگہ خود ہی نہیں قبلہ بن سکتی جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے اس لئے ہرجگہ اس کی جہتِ صلوٰۃ کی طرف ہی منہ کرنا چاہیئے جیسا کہ آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

" اور جہاں کہیں تم ہو تو اپنے منہ کو اسی مسجد کی جہتِ صلوٰۃ کی طرف ہی پھیرو"۔ اس جگہ اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ جس قبلہ کا اس آیت میں حکم ہوتا ہے وہ کوئی نیا علم نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ اس قبلہ کا علم رسولِ کریمؐ کو پہلے ہی سے تھا اور اسی وجہ سے حضور انورؐ اس پر راضی تھے۔ اندریں صورت یہ ضرور ہے کہ نبی کریمؐ کو یہ علم خدا تعالےٰ کے پہلے فرمانوں سے ملا ہوا اور یہ سورج کی طرح ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کے پہلے فرمان مخصوص قبلوں کی خصوصیّت کو مٹاتے اور ہرجائی قبلہ کا سبق دیتے ہیں۔ پس " ولِّ وجھک شطر المسجد الحرام" کے ایسے معنے غلط ہیں جن سے ایک مخصوص قبلہ کی خصوصیّت کو مٹا کر دوسرے مخصوص قبلہ کی خصوصیّت قائم کی جائے۔

بنی اسرائیل، ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ ان کو ابراہیمؑ کی اولاد ہونے پر بڑا فخر ہے۔ وہ انہیں راستبازوں کا باپ سمجھتے ہیں۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کا کوئی مخصوص قبلہ ہوتا تو ان میں نماز کے جاری ہونے کے سبب اس قبلہ کا بھی تعامل ہوتا۔ اندریں صورت، ان کے لئے ابراہیمی قبلہ کے تعامل کو ترک کرنا ویسا ہی محال ہوتا جس طرح ان کے لئے آج تک ابراہیمی ختنہ کا چھوڑنا محال ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کا

قبلوں کی خصوصیّت مٹا رہا ہے۔ اندریں صورت یہ کہنا کہ خدا کے فرمان عالیشان کے خلاف رسولِ امینؐ مسجد حرام کے مخصوص قبلے کی خصوصیّت قائم کرنا چاہتے تھے اور خدا تعالےٰ کے منشا کے مخالف اسی پر راضی تھے" قطعاً غلط ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی کہ رسولؐ صرف اسی معقول و ہرجائی قبلہ پر راضی تھے جو اللہ تعالےٰ کے مذکورہ بالا قرآنی بیانات سے بلا تکلف مترشح ہے۔ آنجنابؐ واسعؐ علیم خدا کے لائق اسی وسیع قبلہ کو پسند کرکے اپنے طور اس پر کبھی کبھی عامل ہونے لگے تھے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ:۔

"ہم تیرے منہ کا آسمان میں (ہر طرف) پھرنا دیکھتے ہیں"

حضورِ انور کا ہر طرف منہ پھیرنا۔ نماز ہی کے لئے تھا۔ ظاہری منہ کے پھرنے یا پھیرنے کا تعلق نماز ہی کے ساتھ ہوسکتا ہے جیسا کہ قرآن میں مساجد میں ذکرِ الٰہی سے روکنے کی ممانعت کرنے کے بعد للّٰہِ المشرق والمغرب۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ کے فرمان سے ثابت ہے۔ ان آیات میں جہاں بھی پھرنے یا پھیرنے یا کسی وجھۃ یا قبلہ کا ذکر آیا ہے اس سے نماز کے لئے پھرنا یا پھیرنا ہی مراد ہے۔

برعکس اس کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ جو آسمان میں ہر طرف منہ کو پھیرتے تھے یہ اسلئے تھا کہ دیکھیں کہ جبریلؑ کب اور کس طرف سے موعودہ قبلہ کا حکم لے کر آتا ہے لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ جبریلؑ صرف آں سرورؐ کے دل پر نازل ہوتا تھا وہ چیل کی طرح ظاہر طور پر آسمان میں نہ منڈلایا کرتا تھا جس کے دیکھنے کے لئے ظاہری منہ کے ظاہری آسمان میں پھرنے کی ضرورت ہو لیکن اگر اس بات کو مان بھی لیا جائے تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور پرنورؐ اس موعودہ ہرجائی قبلے کا حکم قرآن مجید کے ظاہر الفاظ میں پانے کے لئے سخت بے چین تھے اور چاہتے تھے کہ ایسے معقول قبلے کا جلدی حکم مل جائے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ آسمان میں ہر طرف منہ کرکے دعا مانگا کرتے تھے۔ کیونکہ دُعا کا قبلہ ہر طرف ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو خوب جان رکھو کہ نماز بھی دُعا ہی ہے اور اُسی خدا کے آگے کی جاتی ہے جو ہر وقت یکساں طور پر ہر جگہ موجود ہے خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونے میں بلاوجہ فرق کرنے کے کیا معنے؟

المختصر اللہ تعالےٰ نے ہرجائی قبلہ کے حکم پر اپنے سچّے رسول کا راضی ہونا دکھا کر حضورؐ کو فرمایا۔ کہ

"ہم ضرور تجھے اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس سے تُو راضی ہے"

پھر اس ہرجائی قبلہ کو صراحتہً حکم دے کر قائم کردیا اور فرمایا کہ "سو تو اپنے منہ کو مسجد حرام کے شطر کی طرف پھیر"

اس حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ اُسے جانتا ہے۔ یہ تیرے رب کی طرف سے اصلی حق ہے پس (جاہلوں کی سختیوں کے سبب)، تُو شک کرنے والوں سے نہ بن جانا۔ اور (یوں تو) ہر ایک (نماز پڑھنے والے) کے لئے ایک (نہ ایک) جہت ہوتی ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے۔ سو تم (جہات کا خیال چھوڑ کر) اصل نیکیوں میں آگے بڑھو، (نماز سب سے بڑی نیکی ہے اسے ضرور قائم کرو) جہاں کہیں تم ہو گے خدا تعالےٰ تم سب کو (اپنے پاس) لے آئیگا۔ بلاشبہ اللہ ہر شے پر قادر ہے (آسمانی اور زمینی سب لوگ خدا ہی کے پاس آتے ہیں سب کا مشترک قبلہ بھی خدا ہی ہونا چاہیئے۔ چونکہ یہ قرآنی اصلاح نہایت ہی عالیشان ہے، کوئی معمولی تبدیلی نہیں، اس لئے اسے بار بار "حق" اور "علم" کہا ہے اور اس کے خلاف کو بے وقوفی، اہوا اور ظلم قرار دیا ہے اور چونکہ ہر جائی قبلہ سفر وحضر میں ہر جگہ یکساں طور پر آسان ہے اس لئے بار بار اس کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے) اور جہاں سے تُو نکلے تو اپنے منہ کو (مسجد حرام کی طرف نہیں، بلکہ) مسجد حرام کے شطر (یعنی جہت صلوٰۃ) کی طرف پھیر۔ اور بلاشبہ تیرے رب کی طرف سے یہی حق ہے۔ اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں، (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخصوص قبلہ کے نہ ہونے سے اکثر مسلمان بھی گھبراتے تھے۔ اور اگر یہ قبلہ خانہ کعبہ ہوتا تو اگرچہ اہل کتاب اس سے نفرت کرتے تاہم مکہ کے مہاجر مسلمان یقیناً خوش ہوتے۔ اس گھبراہٹ کی وجہ سے اور ایک نئے فائدے کے اظہار کے لئے سہ بارہ تاکید کی جاتی ہے) اور جہاں سے تُو (سفر کے لئے) نکلے۔ تو اپنے منہ کو (مسجد حرام کی طرف نہیں، بلکہ) مسجد حرام کے شطر کی طرف پھیر۔ اور جہاں کہیں تم ہو (خواہ خانہ کعبہ میں یا اس سے ایک سو اسی درجہ کے فاصلے پر یا کہیں اور) تو (ہر صورت میں) اپنے منہ کو (اس کی طرف نہیں، بلکہ) اس کے شطر کی طرف پھیرو۔ تاکہ لوگوں کے لئے تمہارے خلاف کوئی (معقول) حجت باقی نہ رہے (تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ دین کے عالمگیر ہونے کا دعوےٰ اور قبلے ملکی و قومی۔ توحید کا اس قدر ادّعا اور شخصی رسوم پر اس قدر زور۔ حق کی پیروی کا یہ دکھلاوا اور رسمیات کا یہ شوق۔ تمام مذاہب کو متحد کرنے کے خواب اور تفریق کے اس قدر موجبات۔) ہاں جو لوگ ان میں سے ظالم ہیں (وہ جاہلانہ اعتراضات سے رُک نہیں سکتے) سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ اور (اس ہر جائی خدائی قبلے سے یہ بھی مقصود ہے) کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کردوں۔ اور تاکہ تم (اصل) ہدایت پر آجاؤ (جس طرح خدا تعالےٰ نے عالمگیر تعلیم کے ساتھ اپنے رسولؐ کو بھیجا ہے اسی طرح مناسب ہے کہ قبلوں کی اصلاح بھی عالمگیر ہی ہوتی۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے کہ یہ اصلاح ویسی ہی عالمگیر ہے) جیسا کہ ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے (وہ اس قرآن میں ہماری آیتوں کے ساتھ انسانی باتوں کو شامل)

کوئی مخصوص قبلہ نہ تھا اور اس لئے یہود میں کبھی اسکا تعامل نہیں ہوا۔ یہود کی مقدس کتابوں میں بیت المقدس کے قبلہ کا بلاشبہ ذکر ہے (زبور پنجم اور کتاب حضرت دانیال ۲۰۶)

اندریں حالات یہ کیسے ممکن ہے کہ اہلِ کتاب بیت مقدس کے (جس پر ان کے انبیاء قائم چلے آتے تھے اور جس کی طرف رسولِ کریمؐ بھی لمبے عرصے تک مسلمانوں کو نماز پڑھاتے رہے) مقابلے پر خانہ کعبہ کے مخصوص طور پر قبلہ بننے کو حق قرار دے سکیں؟ کبھی نہیں۔ انہیں جس قبلہ کو حقیقی قبلہ ماننا پڑتا تھا وہ خدا ہے جس کی طرف متوجہ ہونے کے لئے تمام جہات یکساں ہیں۔ حق پرست لوگ اس حقیقی قبلے کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کو غیر لوگوں میں سے پہچان لے اور تنگ ظرف شریر لوگ جو شرارتوں پر آمادہ ہو جاتے ہیں انہیں بھی علم ہوتا ہے کہ یہی بات حق ہے۔ لیکن وہ شرارتوں سے نہیں رُکتے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حقیقی قبلے کی رہنمائی کر کے ارشاد کیا:۔

" اور بلاشبہ (مخصوص جہات کے دلدادہ بھی) جنہیں کتاب دی گئی ہے، جانتے ہیں کہ یہ قبلہ اُن کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ اُن کے (شریرانہ) افعال سے غافل نہیں۔ اور اگر تو (ایسے) اہلِ کتاب کو ہر ایک (ممکن) دلیل (بھی) دے دے تو یہ تیرے (ہرجائی) قبلے کی پیروی نہیں کریں گے۔ اور تو ان کے (مخصوص) قبلے کا تابع نہیں۔ اور اگر (تمام لوگوں کا ایک ہی مخصوص قبلہ چلا آتا تو مسلمان اس کی پیروی کر کے سب کے ساتھ متحد ہو سکتے تھے۔ لیکن خود ان کے قبلے مختلف ہیں۔ ایسے اختلاف کی صورت میں اتحاد کے لئے کوئی رستہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اتحاد صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ مخصوص قبلوں کی خصوصیت کا وہم دل سے نکال دیا جائے خواہ کوئی کسی قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے لیکن دوسروں کے ویسے ہی قبلہ کے ساتھ رواداری برتے لیکن یہ لوگ ایسا نہیں کرتے۔ (اس لئے کہ) ان کے بعض، بعض کے قبلہ کے تابع نہیں۔ (یہود کے ساتھ ایک سامری فرقہ بھی شامل تھا وہ حضرت موسےؑ کی کتابوں پر ایمان رکھتا تھا لیکن حضرت سلیمانؑ و داؤدؑ کی ہیکل کو نہیں مانتا تھا۔ انہوں نے شام میں ایک پہاڑ پر الگ ہیکل بنا رکھی تھی۔ وہی ان کا قبلہ تھا ایسے ہی ممکن ہے کہ دیگر فرقوں اور قوموں کے اور بھی مختلف قبلے ہوں۔ اس قسم کے قبلے اپنے اپنے چاؤ سے وائمی بنائے جاتے ہیں۔ حقیقی علم جس قبلے کو پیش کرتا ہے وہ خدا ہے اس لئے فرمایا، اور اگر اس (حقیقی) علم کے تیرے پاس آجانے کے بعد تو نے ان کی خواہشِ نفسانی (کے قبلوں) کی پیروی کی تو تو اس وقت بلاشبہ ظالموں میں سے ہو گا۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پہچانتے ہیں، جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں۔ (پس سب اہلِ کتاب بُرے نہیں، ان میں راست گو بھی ہیں) اور بلاشبہ اُن میں سے ایک فریق

کے وقت میں مکہ کے لوگ امی اور الٰہی کتابوں سے خالی ہوتے۔ برعکس اس کے یہ چاہیئے تھا کہ ان کے پاس دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ علم اور تمام الٰہی کتابیں موجود ہوتیں۔ پھر یہ بھی ضرور تھا کہ مکہ کے لوگ سب سے پہلے شمالی بلکہ جنوبی امریکہ سے بھی واقف ہوتے۔

پھر اگر تمام رُسل و انبیاء اور ان کی قوموں میں صرف ایک ہی صورت و شکل اور ایک ہی اذکار کی نماز جاری رہی ہوتی تو تمام الٰہی کتابیں بیک زبان اس کی شاہد ہوتیں۔ اور وہ صورت اور منتر سب کو بلا تکلف معلوم ہوجاتے۔ یہ نہ ہوتا کہ کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑا لے کر لوگ اپنے اپنے، الگ الگ، من مانے ڈھانچ خود ہی تیار کرتے آتے۔

افسوس ہے کہ اس قسم کے مصنوعی ڈھانچوں کو بعض لوگ تمام رسل و انبیاء کی متحدہ نماز بتاتے ہیں۔ اور جو اُن کی طرح نمازیں نہیں پڑھتے انہیں کافر ٹھیراتے اور فوراً پڑھ دیتے ہیں " ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون" "ھم الظالمون" "ھم الفاسقون"

اگر ان آیات کا اس موقعہ کے ساتھ کوئی بھی علاقہ ہوسکتا ہے تو سب سے پہلے ان آیات سے یہ ثابت ہوگا کہ جو لوگ تورات و انجیل کی نماز کو نماز نہیں جانتے اور ان کے مطابق فیصلہ نہیں دیتے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔ ان آیات کا مقدم تعلق اُس تورات و انجیل کے ساتھ ہے جو آپؐ کے زمانہ میں موجود تھیں۔

پھر اکثر لوگ تعامل پر بھی حد سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ وہ کسی چیز کے تعامل کے ثابت کرنے کے بعد یک لخت اس نتیجہ پر پہونچ جاتے ہیں کہ یہ بات بالکل صحیح بلکہ وحی الٰہی بھی ہے۔ مثلاً خانہ کعبہ کی موجودہ عمارت کو سب مسلمانوں میں مشترکہ دیکھکر تعامل کے دلدادہ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ چونکہ یہ عمارت رسولؐ کے وقت میں ایسی ہی تھی اس لئے اس عمارت کی یہی صورت صحیح اور مطابق وحی الٰہی ہے۔ لیکن اس بات سے کوئی اہلحدیث انکار نہیں کرسکتا کہ خانہ کعبہ ابراہیمی بنا پر نہیں رہا۔ قریش نے اسے سکیڑ دیا اور کم کردیا ہے پھر خانہ کعبہ میں ابتدا ً ایک سے زیادہ دروازے تھے، قریش نے ایک ہی دروازہ سورج کے نکلنے کی طرف رکھا ہوا ہے۔ خود یہ لوگ مانتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ نے فرمایا کہ "اے عائشہؓ! اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی تو میں کعبہ کو ابراہیمی بنا پر بناتا اور اسمیں آنے جانے کے لئے دو دروازے رکھتا" الحاصل رسولِ کریمؐ اس اصلاح کو باوجود علم کے عمل میں نہ لاسکے۔

پھر کیا کوئی شخص کعبہ کی موجودہ صورت کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنے کا حق رکھتا ہے کہ چونکہ کعبہ کی موجودہ

نہیں کرتا، بلکہ اسی قرآن کو سُنا کر) تمہیں (تمام نبیوں کی) کتابیں اور (تمام حکیموں کی) حکمتیں سکھاتا ہے
اور (علاوہ براں اسی قرآن میں اور بھی ایسی باتیں سکھاتا ہے جو (پہلے) تم نہیں جانتے تھے۔ سو تم مجھے یاد
رکھو۔ میں تمہیں یاد رکھونگا اور میرا شکر کرو اور میری بے قدری نہ کرو۔ (لوگ تمہیں ان اصلاحات کے سبب
ستاتے ہیں۔ سو) اے ایمان والو۔ صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو بلاشبہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔
اور جو خدا تعالےٰ کے راستے میں قتل کئے جاتے ہیں ان کے متعلق یہ مت کہو کہ وہ مُردے ہیں۔ نہیں، بلکہ وہ
زندہ ہیں، ولیکن تم نہیں سمجھتے ۲/۱۹

الحاصل، قرآن مجید کے نزدیک اصل قبلہ خدا ہے، جو ہرجائی ہے۔ ہرجائی قبلہ تمام مصنوعی قبلوں کی
خصوصیت مٹاتا ہے۔ لیکن چونکہ ہرجائی قبلہ کے اعتقاد کے ساتھ نماز ہر طرف منہ کرکے پڑھی جاسکتی ہے اس
لئے اگر کوئی شخص جماعت کے انتظام کی خاطر یا اس خیال سے کہ قومی شعار کو خواہ مخواہ بلاضرورت نہ چھوڑا جائے،
کسی مخصوص قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہے، لیکن اس کی خصوصیّت کو اصول کے طور پر نہ مانے، اسے داخلِ نماز
نہ جانے، موقع پڑنے پر تمام خدا پرستوں کے ساتھ یادِ الٰہی میں شامل ہوجائے اور دوسروں کی موحدانہ نماز
کو نماز جانے تو اسمیں کوئی حرج نہیں۔

ہم بلا تکلف خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھتے ہیں، اور اپنی جماعتوں میں خواہ مخواہ اختلاف
ڈالنا بُرا سمجھتے ہیں۔ نماز پڑھنے میں ہمارا اصل مقصود خدا ہوتا ہے، ہم جدھر بھی منہ کریں، اپنے مالک
ہی کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔ ہم کسی قبلہ کو اصل نیکی نہیں سمجھتے۔ اصل نیکی وہی ہے جسے اللہ تعالےٰ نیکی
قرار دے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

"تمہارا مشرق اور مغرب کے قبلوں کی طرف منہ کرنا (تمہاری) نیکی نہیں، لیکن نیکی اس کی ہے جو اللہ،
آخرت، ملائکہ، کتابوں اور نبیوں کو مانے اور اللہ کی محبت پر اپنا مال قریبیوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں
اور سائلوں کو اور گردنوں کے آزاد کرانے میں دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور وہ لوگ جو ہمیشہ عہد
کرکے اسے پُورا کرنے والے ہیں اور وہ جو تنگی اور بیماری میں اور جنگ کے وقت صبر کرنے والے ہیں، وہ ایسے
لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اور وہی لوگ متقی ہیں۔" ۲/۲۲

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آدمؑ سے لے کر اخیر تک تمام رُسل و انبیاء کا قبلہ خانہ کعبہ ہی رہا ہے،
ہندوستان، چین، جاپان، روس، یورپ، افریقہ اور آسٹریلیا بلکہ امریکہ کے رسولوں کا بھی یہی قبلہ
تھا۔ تمام رُسل و انبیاء اسی کے حج کے لئے آیا کرتے تھے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ رسولِ کریمؐ

رہی ہے۔ خدا تعالےٰ کی حفاظت کا وعدہ بھی اس کے ساتھ چلا آتا ہے۔ قرآن مجید کے پڑھنے والوں نے کبھی اس وعدہ میں کوئی شک وشبہ نہیں دیکھا۔ صحابہ کے وقت کا لکھا ہوا قرآن مجید بھی آج تک موجود ہے اس کے کلام الٰہی ہونے کے دلائل خود اس کے اندر مل سکتے ہیں۔ یہ قرآن مجید رسولؐ کے وقت کی عینی تاریخ ہے۔ پس رسولؐ کے عہد کی جو خبر قرآن مجید میں ہوگی اسکے خلاف کوئی تعامل پیش نہیں کیا جا سکتا

پھر اگر یہ قرآن خدائے حکیم کی کتاب ہے، ہر ملک و قوم کی ضروریات کے مطابق ہے اور ہر ماحول میں مفید اور صحیح ثابت ہو سکتی ہے، تو اس کا تعلق کسی خاص زمانہ یا خاص ماحول یا خاص فہم یا خاص تعامل کے ساتھ نہ ہونا چاہئیے۔ یہ قرآن ہر وقت ایسا ثابت ہونا چاہیے، گویا آج کی ضرورتوں کے مطابق آج ہی نازل ہوا ہے۔ اسے صرف ایک زمانہ کے حالات اور محدود معلومات کے ماتحت نازل کیا ہوا سمجھنا بالکل غلط ہے۔ اگر یہ رسولؐ کا بنایا ہوا ہوتا تو اس کے معلومات و عجائبات رسولؐ کے فہم کی حد تک ختم ہو جاتے لیکن یہ ہر وقت تازہ اور نیا ہے اور کبھی پرانا نہیں ہو سکتا

معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ قریباً ساڑھے چودہ سال تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اسکے بعد ہر جائی قبلے کے مطابق جدھر موقعہ دیکھتے جماعت کرا دیتے

لیکن جب مسلمانوں کو اندر ہی اندر ضرر پہنچانے کے لئے اہلِ کتاب میں سے بہت سے منافق ان میں شامل ہو گئے تو ممکن ہے کہ رسولؐ نے وقتی امتحان کے طور پر کعبہ کو قبلہ ٹھیرایا ہو، تاکہ اہلِ کتاب کے وہ منافق الگ ہو جائیں، لیکن بعد کو اس نے مخصوص دائمی قبلہ کی صورت اختیار کر لی

ہم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ تم نماز اور قبلہ میں ایسی آزادی کے خیال پیدا کر کے اسلامی قومیت کو مٹانا چاہتے ہو۔ لیکن یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ ہم اسلامی قومیت کو صدمہ نہیں پہنچاتے بلکہ اسلامی برادری کو وسیع کرنا چاہتے ہیں۔ سچی اسلامی قومیت وہ ہے جو تمام حریت پسند اور معقول لوگوں کو اپنے میں جذب کر سکے

دیکھئے! دو آدمیوں نے اپنی اپنی نماز ادا کی۔ ایک نے دردِ دل سے ہاتھ جوڑ کر اور کمال خضوع و خشوع کے ساتھ خدائے واحد کی یاد کی، اس کے آگے ناک رگڑ کر سجدے کئے اور دعائیں مانگیں، اور دوسرے نے اتنی ہی دیر میں قبلہ رخ ہو کر چار قیام، چار رکوع، چار قومے اور آٹھ سجدے پورے کر ڈالے اب دوسرا شخص پہلے سے کہتا ہے کہ تیری نماز نہیں ہوئی۔ آپ بتائیے! کیا یہ شخص پہلے آدمی کو معقولیت کے ساتھ اپنے میں جذب کر سکتا ہے؟ کیا ایسا اسلام تحکم سے معقول لوگوں کو جذب کرنیکی ناکام کوشش کرے، خدائی دین

صورت دبنیاد مسلمانوں میں مشترکہ طور پر چلی آئی ہے اس لئے یہ پسندیدۂ رسولؐ یا وحی ہے؟ ہرگز نہیں
اہلحدیث کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن الزبیر اس اصلاح کو عمل میں لاتے تھے لیکن قدامت پسند لوگوں کو اصلاحیں بمشکل ہی پہنچتی ہیں۔ اس لئے یہ اصلاح بھی مسلمانوں کو نہ پہنچ سکی اور پھر کعبہ غیر صحیح صورت ہی پر بنا دیا گیا

نتیجہ یہ کہ دنیا میں رُسل وانبیاء کے وقت کے کئی ایک عملی تواتر ایسے بھی پائے جاتے ہیں جنکی عملی اصلاح وہ اپنی زندگی میں نہ کر سکے

تمام دنیا میں ہفتہ کے سات دن عملِ متواتر کے ساتھ چلے آتے ہیں اس میں کبھی کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ لیکن اس تعامل کی تہ میں کوئی سچی حقیقت نہیں، یہ تعامل صرف اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے نظام شمسی میں صرف سات سیارے ہیں اور چاند، سورج بھی انکی گنتی میں داخل ہیں

یہود میں سبت یعنی سنیچر کے دن کی حرمت وعظمت کا تعامل حد سے بڑھا ہوا ہے۔ موسیٰؑ کو پہاڑ پر جو دس حکم ملے، ان میں سے ایک حکم خاص سبت کی حرمت کے بارے میں تھا۔ قرآن مجید بھی اسکی تصدیق کرتا ہے (قلنا لهم لا تعدوا فی السبت) لیکن باوجود ان تمام باتوں کے بقولِ قرآن یہ صرف ایک سزائی حکم تھا اسمیں خوبی کی کوئی بات نہ تھی

عیسائیوں میں عشائے ربّانی کا تعامل موجود ہے۔ خود انجیل میں مسیحؑ کا حکم اس کے متعلق ملتا ہے اس تعامل کو کفارے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن کفارہ خود ہی باطل ہے اس لئے تعامل کی وجہ کوئی اور ہونی چاہیئے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعامل بلکہ معجزات بھی کسی جھوٹی بات کو ثابت نہیں کر سکتے

ہمارے کعبے میں ایک کالے پتھر کے چومنے کا تعامل چلا آتا ہے لیکن قرآن مجید فرماتا ہے "فاجتنبوا الرجس من الاوثان۔ واجتنبوا قول الزور" (حج)

معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت میں یہ پتھر توڑ کر کوڑے پر پھینکا گیا تھا لیکن لوگوں نے اسے جوڑ جاڑ کر دوبارہ نصب کر لیا۔

ہمارے پاس سب سے بڑھکر عملِ کتاب متواتر خود قرآن مجید ہے۔ یہ کبھی محتاجِ روایت نہیں ہوا اور نہ محدثین اسے بھی حدیثوں کی طرح شہادت کے قوانین کے ماتحت لکھنے کی ضرورت سمجھتے اور اس کا سلسلۂ روایت بھی اس کے ساتھ ملا دیتے۔ اس کے حافظ ہر وقت موجود رہے ہیں اور اسکی کتابت ہر وقت ہوتی

کیا نقصان پیدا کرسکتا ہے ؟ اندریں صورت لازم آتا ہے کہ اگر ایک شہر کے لوگ مسجد حرام کی طرف متوجہ ہونے میں مغرب کی طرف منہ کرتے ہیں تو وہ مشرق کی طرف منہ کرنے سے بھی اسی طرح خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوسکتے ہیں - فرق صرف اس قدر ہوگا کہ اگر ایک طرف بارہ ہزار میل کا فاصلہ ہے تو دوسری طرف قریباً تیرہ ہزار میل کا فاصلہ ہوگا - کیونکہ کرہ ارض کا محیط قریباً پچیس ہزار میل ہے

(۵) پھر وہ قطعہ زمین، جو خانہ کعبہ کے عین مقابل، زمین کے دوسری طرف واقع ہے، وہاں کے لوگ کس طرف منہ کریں ؟ انکے لئے خانہ کعبہ ہر طرف یکساں حالت میں واقع ہے

(۶) مسجد حرام نماز پڑھنے کی جگہ ہے - اندرونہ مسجد نمازیوں کی خاطر ہی پاک وصاف رکھا جاتا ہے - یہ بالکل غیر قدرتی اور مصنوعی بات ہے کہ مسجد حرام کے اندرون کو تو بند رکھا جائے اور اس کے گرد نماز پڑھی جائے - یوں تو ہر مسجد حرام ہے کیونکہ ہر مسجد میں اللہ تعالےٰ کے ذاکرین کو روکنا سخت ظلم ہے لیکن اس مسجد کو خصوصیّت کے ساتھ المسجد الحرام کہا جاتا ہے - پس اس ابتدائی مسجد میں ہی اس قاعدہ کی خلاف ورزی کرنا کیسے زیبا ہے -

مختصر یہ کہ مسجد حرام کے اندرون کو چھوڑ کر، بلا ضرورت اس کے ارد گرد کی جگہ کو نماز کے لئے خاص کر لینا اور اس کے اندر فرض نماز کو یا باجماعت نماز کو حرام جاننا قطعاً غلط ہے

مسجد حرام کے اندر نماز ہر طرف منہ کرکے پڑھی جائے گی - قبلہ کے تقرر کا بڑا فائدہ جماعت کا انتظام ہی بتلایا جاسکتا ہے - لیکن مسجد حرام کے اندر باجماعت نماز کے لئے بھی شرقی، غربی، شمالی، جنوبی یا شمال مشرقی، شمال مغربی، جنوب مشرقی، جنوب مغربی وغیرہ وغیرہ کوئی قبلہ مقرر نہیں کیا جاسکتا - وہاں انتظامِ جماعت صرف امام کی مرضی یا نمازیوں کے شوریٰ ہی پر چھوڑا جاسکتا ہے

حاصل یہ کہ ہماری ابتدائی مسجد کی جہت صلوٰۃ ہر جائی ہے - پس مسجد حرام کا قبلہ صرف خدا تعالےٰ ہے اور مسجد حرام کی جہت صلوٰۃ کی طرف منہ کرنا خدا تعالےٰ کی طرف منہ کرنا ہے یہ خدا تعالےٰ ہی کی صفت ہے کہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ ان اللہ واسعٌ علیم - اس بیان سے ولوا وجوھکم شطرہ کے معنے بالکل حل ہوجاتے ہیں کسی مخالف احتمال کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی

(۷) یہ ہر جائی یا خدائی قبلہ ہی سچی توحید کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے - اہلِ کتاب اسی سبب سے اسے اس طرح پہچانتے تھے جس طرح لوگ اپنے بیٹوں کو دوسرے شخصوں سے تمیز کرلیتے تھے - اللہ تعالےٰ نے سورت انعام ۲۰ میں صاف فرمادیا ہے کہ اہلِ کتاب توحیدِ الٰہی کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں - اور یہ

ہو سکتا ہے ؟ کیا عالمگیر اسلام کی یہی صفت ہونی چاہیئے ؟ قطعاً نہیں ۔ تحکم پسند دین اتحاد کی بجائے الگ الگ فرقے پیدا کریگا ۔ ہاں اگر اسلام یہ سکھائے کہ یہ دونو شخص نمازی اور مسلم ہیں ، تو اس سے اسلامی برادری ضرور وسیع ہو جائے گی ، مٹے گی نہیں ۔ اسلام کسی خاص ملک و قوم کا دین نہیں اور نہ کسی مخصوص رسم و رواج کا طرفدار ہے

اعتراض ۔ ابتدائً رسول امینؐ بلکہ کل رُسل و انبیاء خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے ۔ ہمارے رسولؐ نے مدینہ میں آ کر سولہ سترہ ماہ تک بحکم الٰہی بیت المقدس کی طرف منہ کیا ۔ پھر خدا تعالےٰ نے حکم دیا کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کرو ۔

جواب ۔ یہ بالکل غلط ہے ۔ خدا تعالےٰ نے خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کا کبھی حکم نہیں دیا ۔ آپ لوگ ترجمہ کرنے میں شطر کے معنے چھوڑ جاتے ہیں اور " فول وجھک شطر المسجد الحرام " کے وہ معنے کرتے ہیں جو ولّ وجھک المسجد الحرام کے ہونے چاہئیں ۔ خدا تعالےٰ نے ان آیات میں مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیا بلکہ مسجد حرام کے شطر کی طرف منہ کرنے کا امر کیا ہے ۔ یہاں تک تو بات بالکل صاف ہے ۔ آگے آپ لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد حرام کی طرف اور مسجد حرام کے شطر کی طرف منہ کرنے کا ایک ہی مطلب ہے ۔ کمترین کو اس پر کئی ایک اعتراضات ہیں :۔

(۱) کیا اس طرح شطر کا لفظ فضول اور حشو نہیں بنجائیگا ؟

(۲) کیا دور کے لوگوں کے لئے عین مسجد حرام کی طرف منہ کرنا ممکن ہے ؟

دُور کے لوگوں کے لئے خانہ کعبہ کی حقیقی سمت سے ایک درجہ کا فرق پڑجانا بالکل معمولی بات ہے ہزار میل کے فاصلے پر ایک درجے کے فرق پڑجانے کے سبب خانہ کعبہ سے قریباً ساڑھے سترہ میل کا فرق پڑجانا لازم آتا ہے ۔ اندریں صورت دُور کے لوگوں کے لئے عین مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دینا تکلیف مالایطاق ہے ۔ ایسا حکم دینے سے خدا تعالےٰ یقیناً پاک ہے

(۳) مسجد حرام سے جو لوگ شرقاً یا غرباً ایک سو اسّی درجے کے نصف النہار پر آباد ہیں وہ خانہ کعبہ کی طرف کس طرح منہ کر سکتے ہیں ؟ ان کے لئے خانہ کعبہ شرقاً اور غرباً یکساں فاصلے پر اور یکساں جہات میں واقع ہے

(۴) پھر اگر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے میں سَو میل کا ، دو سَو میل کا ، ہزار میل کا ، دو ہزار میل کا ، بارہ ہزار میل کا یا ساڑھے بارہ ہزار میل کا فاصلہ کوئی فرق نہیں ڈالتا تو ساڑھے بارہ ہزار میل سے زائد فاصلہ

بدل دینا، پھر خود ہی پہلی صحیح بات کی طرف لوٹانے کی ضرورت دیکھنا، خدا تعالےٰ کے لئے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ بھی یاد رہے کہ یہ تمام تغیّر سینکڑے سالوں میں نہیں کیا گیا بلکہ ایک ہی رسولؐ کی بست و سہ سالہ رسالت کی زندگی کے محض ایک حصہ میں کیا جانا صحیح سمجھا جاتا ہے

اگر یہ بہانہ بنایا جائے کہ خانۂ کعبہ ابراہیمی قبلہ تھا۔ سو جب دنیا کے آگے ابراہیمی دین پیش کیا گیا۔ تو کیا وجہ ہے کہ ابراہیمی قبلہ جو ملتِ ابراہیمی کا غیر منفک جزء ہے، پیش نہ کیا جاتا؟ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر سچ مچ کوئی ابراہیمی قبلہ تھا اور وہی خدا تعالےٰ کے نزدیک صحیح تھا، تو بالضرور اسی قبلہ کو ہمیشہ پیش کرنا تھا۔ لیکن یہ قطعاً باطل ہے۔ کہ پہلے ابراہیمی دین کے ساتھ ابراہیمی قبلہ جو اس کا جُز ہونے کے سبب اسی میں داخل ہے پیش کیا جائے، پھر ابراہیمی قبلہ کو فضول ٹھیرا کر اہلِ کتاب کے قبلہ کی طرف لایا جائے۔ پھر اس اعتراض کی خاطر کہ ابراہیمی دین کے ساتھ پہلے ہی سے ابراہیمی قبلہ لازم تھا، اہلِ کتاب کے قبلہ سے ہمیشہ کے لئے منہ موڑا جائے۔ ایسا کرنا خدا تعالےٰ کی حکمت کے سراسر خلاف ہے۔ اگر کوئی ابراہیمی قبلہ، ابراہیمی دین میں داخل تھا، تو سولہ سترہ مہینے کے لئے بھی اسکے ترک کو جائز بلکہ ضروری دکھانا سارے کے سارے ابراہیمی دین کے ترک کئے جانے کی دلیل بن سکتا ہے۔ اس سے ابراہیمی دین کی لوگوں کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں رہ سکتی۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا کوئی مخصوص مکانی قبلہ نہ تھا۔ ملتِ ابراہیمؑ سیدھا سادہ موحدانہ طریق تھا۔ جب نوعِ انسان کے اتحاد کے لئے ملتِ ابراہیمی پیش کی گئی تو لوگوں کے مخصوص قبلوں کی خصوصیت مٹا دینا ضروری سمجھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ملتِ ابراہیمؑ کے پیش کرنے کے ساتھ ہی مصنوعی قبلوں کی تردید پورے طور پر کر دی گئی

اگر کہا جائے کہ کوئی قبلہ بھی اپنے آپ میں حق اور علم بلکہ کچھ بھی بِرّ (یعنی نیکی) نہیں ہوتا لیکن اس سے خدا تعالےٰ کو لوگوں کے ایمان کی آزمائش مقصود ہوتی ہے اس لئے اگر وہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو اسی پر چلنا صحیح ہوتا ہے۔ اگر بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا امر کرتا ہے تو اسی پر عمل کرنا نیکی بن جاتا ہے اور اس وقت خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنا کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ پھر اگر کسی تیسرے یا چوتھے قبلے کا حکم کرے تو وہی نیکی ہو جائیگا اور اسکا خلاف گناہِ عظیم۔

اگر بات یوں ہے تو اس سے تو ایمان کا ایک وقتی امتحان مقصود ہوا، کسی قبلہ کا دائمی ہونا ثابت نہ ہوا ایمان کے ایسے امتحان کی ہمیشہ ضرورت ہو سکتی ہے۔ خدا تعالےٰ نے جس قبلہ کا محض امتحان کی خاطر مقرر کیا جانا دکھایا ہے

ظاہر ہے کہ مصنوعی قبلے بیٹوں کی طرح پہچاننے والی چیز نہیں ہو سکتے

باوجود اس تصریح کے یہ سمجھنا کہ خدا تعالٰے بلا ضرورت، اصولی طور پر، ایسے قومی و ملکی و شخصی قبلے مقرر فرماتا رہتا ہے جنہیں توحیدِ الٰہی سے کچھ سروکار نہیں اور جو فطری ہونے کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں رکھتے، کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے مصنوعی اشیا کو اصلی قرار دے کر مذہبی تفرقہ کا، اور ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کا، بازار گرم کر رکھا ہے اور آیات کے نامعقول ترجمے کر کے خدا تعالٰے کو بھی لپیٹ لیا ہے۔ خدا تعالٰے ایسی بات سے جو اُسکی ذات کے لائق نہیں، یقیناً پاک ہے۔ آدمیوں کے کسی تعامل کے سبب خدا تعالٰے پر عیب نہیں لگایا جا سکتا

(۸) اگر فول وجهك شطر المسجد الحرام سے خود مسجد حرام کا قبلہ ہونا ہی نکالا جائے۔ تو خدا تعالٰے اس قبلہ کے متعلق فرماتا ہے کہ یہی حق ہے، یہی اصل علم ہے۔ اگر اے رسولؐ تو نے علم کے آنے کے بعد لوگوں کی اہوا کی پیروی کی تو تُو اسوقت ظالموں سے بنجائیگا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ بعثت کے پہلے تیرہ سال تک خانہ کعبہ ہی کو قبلہ جانتے تھے۔ اگر بات یوں ہے تو کیا یہ قبلہ پہلے حق اور علم نہیں تھا اور اسے چھوڑنا ظالم بننا نہ تھا؟ اگر تھا تو کیوں خدا تعالٰے نے جان بُوجھکر اس حق اور علم کو رسولِ کریمؐ سے بذریعہ وحی چھڑا کر بیت المقدس کی طرف منہ کرایا اور اسباب کا کچھ لحاظ نہ کیا کہ اس حق اور علم کے چھڑانے سے میں خود ہی رسولؐ اور صحابہؓ کو ظالم بننا سکھاؤنگا! پناہ بخدا!

اگر آپؐ پہلے پہل خانہ کعبہ کو قبلہ مانتے تھے تو کیا یہ رکن صلوٰۃ حضورؐ نے خود ہی تجویز کر لینا جائز سمجھا تھا یا وحی الٰہی سے سیکھا تھا؟ اگر خدا تعالٰے نے ہی جو حق اور علم تھا اپنے سچے وحی کے ذریعے سے وہ قبلہ سکھایا تھا تو پھر کیا یہ خدا تعالٰے کے لئے صحیح ہے کہ اپنی پہلی صحیح سکھائی ہوئی وحی کو بلا وجہ اپنی ہی دوسری وحی کے ذریعہ سے ٹال دے اور ثابت شدہ حق و علم کے خلاف تعلیم دے۔ پھر جب دوسری وحی کے اثر کو مٹانا پڑے تو پھر تیسری وحی کر کے پہلی وحی پر لے آئے اور اس وقت ایسی ایسی باتیں بنائے جنکے مطابق دوسری وحی سرے ہی سے غلط ثابت ہو۔ معاذ اللہ

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ پہلے کچھ عرصہ کے لئے خانہ کعبہ حق اور علم تھا، پھر بیت مقدس صحیح ہو گیا۔ پھر بیت المقدس غلط ہو کر، دوبارہ خانہ کعبہ حق اور علم بن گیا۔ افسوس

کسی غلط بات کو جو لوگوں کی لاپروائی یا نادانی کے سبب چلی آتی ہو، مٹا کر اسکی اصلاح کر دینا تو عین رحمت ہے۔ لیکن صحیح سکھائی ہوئی بات کو جبکہ لوگ ایمانداری کے ساتھ اس پر چل بھی رہے ہوں فوراً بلاوجہ

بدل دینا، پھر خود ہی پہلی صحیح بات کی طرف لوٹانے کی ضرورت دیکھنا، خدا تعالےٰ کے لئے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ بھی یاد رہے کہ یہ تمام تغیّر سینکڑے سالوں میں نہیں کیا گیا بلکہ ایک ہی رسولؐ کی بست و سہ سالہ رسالت کی زندگی کے محض ایک حصہ میں کیا جانا صحیح سمجھا جاتا ہے

اگر یہ بہانہ بنایا جائے کہ خانۂ کعبہ ابراہیمی قبلہ تھا سو جب دنیا کے آگے ابراہیمی دین پیش کیا گیا۔ تو کیا وجہ ہے کہ ابراہیمی قبلہ جو ملتِ ابراہیمی کا غیر منفک جزہے، پیش نہ کیا جاتا؟ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر سچ مچ کوئی ابراہیمی قبلہ تھا اور وہی خدا تعالےٰ کے نزدیک صحیح تھا، تو بالضرور اسی قبلہ کو ہمیشہ پیش کرنا تھا۔ لیکن یہ قطعاً باطل ہے۔ کہ پہلے ابراہیمی دین کے ساتھ ابراہیمی قبلہ جو اس کا جزو ہونے کے سبب اسی میں داخل ہے پیش کیا جائے، پھر ابراہیمی قبلہ کو فضول ٹھیرا کر اہلِ کتاب کے قبلہ کی طرف لایا جائے۔ پھر اس اعتراض کی خاطر کہ ابراہیمی دین کے ساتھ پہلے ہی سے ابراہیمی قبلہ لازم تھا، اہلِ کتاب کے قبلہ سے ہمیشہ کے لئے منہ موڑا جائے۔ ایسا کرنا خدا تعالےٰ کی حکمت کے سراسر خلاف ہے۔ اگر کوئی ابراہیمی قبلہ، ابراہیمی دین میں داخل تھا تو سولہ سترہ مہینے کے لئے بھی اسکے ترک کو جائز بلکہ ضروری دکھانا سارے کے سارے ابراہیمی دین کے ترک کئے جانے کی دلیل بن سکتا ہے۔ اس سے ابراہیمی دین کی لوگوں کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں رہ سکتی۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا کوئی مخصوص مکانی قبلہ نہ تھا۔ ملتِ ابراہیمؑ سیدھا سادہ موحدانہ طریق تھا۔ جب نوعِ انسان کے اتحاد کے لئے ملتِ ابراہیمی پیش کی گئی تو لوگوں کے مخصوص قبلوں کی خصوصیت مٹا دینا ضروری سمجھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ملتِ ابراہیمؑ کے پیش کرنے کے ساتھ ہی مصنوعی قبلوں کی تردید پورے طور پر کر دی گئی

اگر کہا جائے کہ کوئی قبلہ بھی اپنے آپ میں حق اور علم بلکہ کچھ بھی بِرّ (یعنی نیکی) نہیں ہوتا لیکن اس سے خدا تعالےٰ کو لوگوں کے ایمان کی آزمائش مقصود ہوتی ہے اس لئے اگر وہ خانۂ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو اسی پر چلنا صحیح ہوتا ہے۔ اگر بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا امر کرتا ہے تو اسی پر عمل کرنا نیکی بن جاتا ہے اور اس وقت خانۂ کعبہ کی طرف منہ کرنا کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ پھر اگر کسی تیسرے یا چوتھے قبلے کا حکم کرے تو وہی نیکی ہو جائیگا اور اسکا خلاف گناہِ عظیم۔

اگر بات یوں ہے تو اس سے تو ایمان کا ایک وقتی امتحان مقصود ہوا، کسی قبلہ کا دائمی ہونا ثابت نہ ہوا ایمان کے ایسے امتحان کی ہمیشہ ضرورت ہو سکتی ہے۔ خدا تعالےٰ نے جس قبلہ کا محض امتحان کی خاطر مقرر کیا جانا دکھایا ہے

ظاہر ہے کہ مصنوعی قبلے بیٹوں کی طرح پہچاننے والی چیز نہیں ہو سکتے
باوجود اس تصریح کے یہ سمجھنا کہ خدا تعالےٰ بلا ضرورت، اصولی طور پر، ایسے قومی و ملکی و شخصی قبلے مقرر فرماتا رہتا ہے جنہیں توحیدِ الٰہی سے کچھ سروکار نہیں اور جو فطری ہونے کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں رکھتے، کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے مصنوعی اشیا کو اصلی قرار دے کر مذہبی تفرقہ کا، اور ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کا، بازار گرم کر رکھا ہے اور آیات کے نامعقول ترجمے کر کے خدا تعالےٰ کو بھی لپیٹ لیا ہے۔ خدا تعالےٰ ایسی بات سے جو اُسکی ذات کے لائق نہیں، یقیناً پاک ہے۔ آدمیوں کے کسی تعامل کے سبب خدا تعالےٰ پر عیب نہیں لگایا جا سکتا

(۸) اگر فول وجهك شطر المسجد الحرام سے خود مسجد حرام کا قبلہ ہونا ہی نکالا جائے۔ تو خدا تعالےٰ اس قبلہ کے متعلق فرماتا ہے کہ یہی حق ہے، یہی اصل علم ہے۔ اگر اے رسولؐ تو نے علم کے آنے کے بعد لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی تو تُو اسوقت ظالموں سے بنجائیگا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ نبوت کے پہلے تیرہ سال تک خانہ کعبہ ہی کو قبلہ جانتے تھے۔ اگر بات یوں ہے تو کیا یہ قبلہ پہلے حق اور علم نہیں تھا اور اسے چھوڑنا ظالم بننا نہ تھا؟ اگر تھا تو کیوں خدا تعالےٰ نے جان بوجھکر اس حق اور علم کو رسولِ کریمؐ سے بذریعہ وحی چھڑا کر بیت المقدس کی طرف منہ کرایا اور اسباب کا کچھ لحاظ نہ کیا کہ اس حق اور علم کے چھڑانے سے میں خود ہی رسولؐ اور صحابہؓ کو ظالم بننا سکھاؤنگا! پناہ بخدا!

اگر آپؐ پہلے پہل خانہ کعبہ کو قبلہ مانتے تھے تو کیا یہ رکن صلوٰۃ حضورؐ نے خود ہی تجویز کر لینا جائز سمجھا تھا یا وحی الٰہی سے سیکھا تھا؟ اگر خدا تعالےٰ نے ہی جو حق اور علم تھا اپنے سچے وحی کے ذریعے سے وہ قبلہ سکھایا تھا تو پھر کیا یہ خدا تعالےٰ کے لئے صحیح ہے کہ اپنی پہلی صحیح سکھائی ہوئی وحی کو بلا وجہ اپنی ہی دوسری وحی کے ذریعہ سے ٹال دے اور ثابت شدہ حق و علم کے خلاف تعلیم دے۔ پھر جب دوسری وحی کے اثر کو مٹانا پڑے تو پھر تیسری وحی کر کے پہلی وحی پر لے آئے اور اس وقت ایسی ایسی باتیں بنائے جنکے مطابق دوسری وحی سرے ہی سے غلط ثابت ہو۔ معاذ اللہ

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ پہلے کچھ عرصہ کے لئے خانہ کعبہ حق اور علم تھا، پھر بیت مقدس صحیح ہو گیا۔ پھر بیت المقدس غلط ہو کر، دوبارہ خانہ کعبہ حق اور علم بن گیا۔ افسوس

کسی غلط بات کو جو لوگوں کی لاپروائی یا نادانی کے سبب چلی آتی ہو، مٹا کر اسکی اصلاح کر دینا تو عین رحمت ہے۔ لیکن صحیح سکھائی ہوئی بات کو جبکہ لوگ ایمانداری کے ساتھ اس پر چل بھی رہے ہوں فوراً بلاوجہ

ضرورت نہ رہی

(۹) سورۃ بقرہ کا مبحث اسلام ہے۔ اسلام کسی خاص ملک یا خاص قوم کا دین نہیں، بلکہ زمینی اور آسمانی تمام نیکوکاروں اور منعم علیہم کا یہی دین ہے۔ ایسا دین تمام مصنوعی باتوں سے خالی ہونا چاہیئے۔ یہ دین اصولی ہے اور تمام مصنوعی باتوں سے الگ ہے

سورۃ بقرہ کے تیرھویں رکوع کے اخیر میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ انہیں بطور اصلی خیر کے بجا لانے کا ارشاد کیا ہے اور مذہبیت کی خصوصیتوں کو مٹا دیا ہے۔ فرمایا ہے:-

"یہودی کہتے ہیں کہ یہودی کے سوا جنت میں کوئی اور داخل نہ ہوگا اور نصرانی کہتے ہیں کہ نصرانی کے سوا جنت میں کوئی اور داخل نہ ہوگا۔ یہ ان کے چاؤ ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ سچے ہیں تو دلیل لائیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو کوئی بھی اپنی توجہ خدا تعالےٰ کے لئے سونپ دے اور وہ محسن ہو تو اس کے لئے اس کے پروردگار کے پاس اسکا اجر ہے۔ نہ ایسے لوگوں پر کوئی خوف ہے اور نہ غم۔ ان لوگوں پر جو مذہبیت کے سبب سے فرقے بناتے ہیں، افسوس ہے۔ یہود کہتے ہیں نصاریٰ کسی بات پر نہیں۔ نصاریٰ کہتے ہیں یہود کسی بات پر نہیں حالانکہ وہ سب الٰہی کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہ جاہلوں کی سی باتیں ہیں۔ چنانچہ مکہ کے جاہل مشرک بھی ایسی ہی باتیں کہتے ہیں۔ اسکی حقیقت کا پورا پتہ خدا تعالےٰ کے آگے پیش ہونے کے وقت لگ جائیگا۔ پس اللہ کی مسجدوں سے کسی نمازی کو نہ روکو۔ کیونکہ اس سے بڑھکر ظالم کون ہے جو خدا تعالےٰ کی مسجدوں میں اس کے نام پاک کا ذکر کرنے سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے؟ ایک وقت تھا جب دوسروں کا غلبہ تھا اور اس وقت یہ لوگ مسجدوں میں ڈرتے ہوئے جایا کرتے تھے۔ اب اپنے غلبے کے وقت یہ دوسروں کو روکتے ہیں۔ ایسی حرکت کرنے والوں کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب الیم ہے۔ یہ رسموں اور قبلوں کے اختلاف کے سبب ایک دوسرے کو اللہ کی مسجدوں میں اسکے نام پاک کا ذکر کرنے سے روکتے ہیں۔ حالانکہ مشرق اور مغرب کے جہات یکساں طور پر اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں۔ کسی خاص قبلے کے ساتھ خدا تعالےٰ کا کوئی تعلق نہیں۔ جب بات یہ ہے تو جدھر تم منہ کرتے ہو وہیں خدا تعالےٰ کا حضور ہے۔ بلاشبہ اللہ واسع علیم ہے۔

افسوس، یہ لوگ قبلوں کے اختلاف کے سبب تو لڑائیاں کرتے ہیں لیکن خدا تعالےٰ کے لئے بیٹے بنانے کو معمولی باتیں جانتے ہیں۔ سن رکھو! خدا تعالےٰ اس سے پاک ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسکی مملوک ہے۔ کوئی اس کے حکم سے باہر نہیں۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو بلا نمونہ ومشورہ

اسکا وقتی ہونا بھی ساتھ ہی ظاہر کر دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ کوئی رکنِ صلوٰۃ نہیں۔ اس کے تغیر و تبدل سے نماز میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔

پھر اگر تمام قبلوں سے ایمان ہی کا امتحان مقصود تھا تو صرف اس قدر کہہ دینا کافی تھا کہ ہم تم سے کسی قبلہ کا مطالبہ کسی علمی دلیل کی بنا پر نہیں کرتے بلکہ صرف اپنا حکم منانا چاہتے ہیں، لیکن برعکس اسکے قرآن پاک نے قبلہ کی بحث علمی بنا پر کی ہے اور اسے کافی طول دیا ہے

جس قبلہ کو اہل کتاب بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں اور جس عالمگیر قبلہ کے سبب ظالموں یعنی مشرکوں کے سوائے موحدین کی طرف سے کوئی حجت باقی نہیں رہ سکتی، وہ قبلہ اپنی ذات میں بالضرور حق، علم اور خوبی والا ہونا چاہیئے

جس دین کے اصول عالمگیر، اور حق و علم کے مطابق ہوں وہی دین دائمی ہو سکتا ہے۔ لیکن جس دین میں ایسی باتیں ہوں جو اصولاً نیک ہونے کے سبب نہ مانی جاتی ہوں بلکہ صرف اس امتحان کے لئے پیش کیجاتی ہوں کہ کون حکم مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔ ایسا دین ہمیشہ کے لئے نہیں ہو سکتا۔ ایسی آزمائشیں دائمی ہونیکے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتیں

جب خانہ کعبہ ایک دفعہ چھوڑا جا سکتا ہے تو کیا دوبارہ اسی امتحان کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا؟ یا کیا اب مسلمان اس امتحان کے لئے تیار نہیں سمجھے جا سکتے؟ یا کیا اس وقت ان کے لئے ایسے امتحان میں ڈالا جانا معقول نہیں ہو سکتا؟ یا کیا انکے قبلہ کی بمقابلہ اہل کتاب کے کوئی خاص رعایت ہے؟

پھر اگر خانہ کعبہ کا قبلہ ایک دفعہ چھوڑا جا کر اور اپنی ذات میں بہتر ہو کر بھی دائمی ہو سکتا ہے تو کیا اہل کتاب اسی دلیل سے اپنے قبلہ کے دائمی ہونے کا دعوئے نہیں کر سکتے۔ اندریں صورت ان کا اعتراض "ما ولّٰھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا" بالکل لاجواب رہتا ہے۔ ہاں قرآن مجید نے جو اسکا جواب دیا ہے وہ صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جبکہ قبلوں کی خصوصیت کو مٹا دیا جائے

اگر پہلے خانہ کعبہ دائمی طور پر مقرر ہوا تھا تو اسے چھوڑ کر بیت المقدس کو کیوں قبلہ بنایا گیا؟ اگر پہلے خانہ کعبہ آزمائشی طور پر قبلہ مقرر ہوا تھا اس لئے اُسے چھوڑ دیا گیا، تو پھر اسی کے تقرر کی کیا ضرورت تھی؟ اگر دوبارہ خانہ کعبہ کے قبلہ کے ذریعہ سے امتحان ہی مقصود تھا تو یہ امتحان صرف اُن لوگوں کے لئے ہو سکتا ہے جن کے لئے وہ امتحان مفید ہو اور ان سے اس امتحان کا کوئی خاص تعلق ہو۔ امتحان بے فائدہ اور بے موقع نہیں ہو سکتا۔ جب بھی کوئی امتحان کیا گیا تو اس کا اس وقت موقع تھا۔ جب موقع جاتا رہا تو اس امتحان کی بھی کوئی

اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ اہلِ کتاب حقیقی قبلے کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں اور یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ ان میں سے صرف ایک فریق اس حق کو چھپاتا ہے، حالانکہ وہ فریق اسے جانتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام اہلِ کتاب اس حق کو چھپانے والے نہیں (لیسوا سواءً) اس صورت میں اگر اہلِ کتاب نماز کے لئے خانہ کعبہ کے قبلہ ہونے کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں، تو کوئی صاحب ایسے اہلِ کتاب سے جو حق چھپانے والے نہیں خانہ کعبہ کے قبلہ ہونے کا اقرار کرادیں۔ یا ان کی کتابوں سے یہ بات دکھا دیں یا اس اقرار کا کوئی تاریخی واقعہ ہی پیش کردیں۔ برعکس اس کے بہت سے اہلِ کتاب اس بات کا اقرار کرنے کو اب بھی موجود ہیں کہ خدا تعالٰے کی یاد کرنے کے لئے کسی خاص جہت کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا تعالٰے جو ہر جگہ موجود ہے وہی اصل قبلہ ہے

(۱۲) جب بنی اسرائیل مصر میں تھے تو قرآن مجید کے مطابق وہ اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھتے تھے اور اپنے گھروں ہی میں خدا تعالٰے کو ہر جگہ اپنے سامنے پاتے تھے اور اس لئے اپنے گھروں ہی کو قبلہ بناتے تھے

جب بنی اسرائیل جنگل میں گئے وہاں (تورات کتاب خروج کے مطابق) انہوں نے ایک خیمہ بنایا اس میں قدس الاقدس کا حصہ الگ تھا۔ جب بنی اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی تو داؤدؑ اور سلیمانؑ کے وقت اس خیمہ کی نقل پر بیت المقدس کی مسجد بنائی گئی۔ اس مسجد میں بھی قدس الاقدس کا حصہ الگ تھا۔ اس میں بالکل اندھیرا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ خدا تعالٰے یہاں رہتا ہے۔ اس میں صرف سردار کاہن سال میں ایک دفعہ جاتا تھا۔ اس مسجد میں قدس الاقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی جاتی تھی۔ یہ قدس الاقدس اس مسجد کے مغرب کی طرف تھا جس طرف ملک مصر ہے۔ پس بیت المقدس کا قبلہ خانہ کعبہ ہرگز نہ تھا خانہ کعبہ بیت المقدس کے جنوب کی طرف ہے

جب کوہِ طور پر اللہ تعالٰے حضرتِ موسٰیؑ سے ہمکلام ہوا تو وہ جگہ بھی کوہِ طور کے مغرب کی طرف ملکِ مصر کی جانب ہی تھی ۔ اغلب ہے کہ اسی کی نقل میں قدس الاقدس کو مغرب کی طرف رکھا جاتا ہو

حضرت سلیمانؑ وادی النمل سے ہوکر سبا میں پہونچے تھے۔ خانہ کعبہ میں ان کے جانے کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ خانہ کعبہ ان کے راستہ میں واقع تھا

اگر تمام دُنیا کے رسول و نبی خانہ کعبہ کو قبلہ سمجھتے اور وہاں کا حج ضروری جانتے تھے تو ضرور ہے کہ تمام رُسل و انبیاء اپنی زندگی میں کم از کم ایک دفعہ تو ضرور خانہ کعبہ میں آتے رہے ہوں۔ اس طرح مکہ

خود ہی بنایا ہے۔ کوئی اس کے ساتھ نہیں تھا اور اب بھی اسی کا تصرف ہے۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے اسے کوئی مشقت اٹھانی نہیں پڑتی صرف اس کے لئے کہتا ہے "ہو" پس وہ ہو جاتا ہے۔ الخ ۱۴۴

برادران! اگر قرآن مجید میں اس مطلب کی آئتیں یقیناً موجود ہیں تو کیا ان سے ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالےٰ قبلوں کی خصوصیت کو مٹا رہا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے دلائل دینے والا احکم الحاکمین خانہ کعبہ کی مثل کسی مخصوص قبلے کو دائمی اصول قرار دیدے؟

پھر اس کے آگے حضرت ابراہیمؑ کو پیش کیا ہے۔ وہ سیدھے سادے مسلم تھے انہوں نے کاریگر معماروں کی مدد کے بغیر، محض اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کی مدد سے خود ہی ایک معمولی سی چار دیواری خدا تعالےٰ کی یاد کے لئے بنالی اور اسے ہر قسم کے نمازیوں کے لئے پاک وصاف رکھا۔ وہ اس کے اندر جدھر چاہتے منہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ ایسی ملت ابراہیمؑ سے منہ موڑنا سفاہت ہے۔ وہ رب العالمین کے مسلم تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو مرتے وقت اسی اسلام کی وصیت کی۔ ان لوگوں نے الٰہی رنگ اختیار کیا ہوا تھا۔ وہ یہودیت اور نصرانیت جیسی مخصوص مذہبیتوں سے بیزار تھے۔ جب بات یہ ہے تو لازم ہے کہ یہود و نصاریٰ نے جو مخصوص قبلے بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی خصوصیت کو مٹا دیا جائے

قرآن مجید کے اس طرز بیان سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ قبلوں کی خصوصیت مٹا رہا ہے۔ کوئی مخصوص قبلہ مقرر نہیں کر رہا۔ آگے قبلے کے بیان میں جسقدر دلائل ہیں وہ سب قبلوں کی خصوصیت مٹانے کے ساتھ ہی تعلق رکھتے ہیں۔ مخصوص قبلہ بنانے کے ساتھ ان کا کوئی علاقہ نہیں، جیسے کہ پہلے مشرح طور پر بیان ہو چکا ہے

(۱۰) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مشرق اور مغرب کے قبلے کوئی نیکی نہیں ہیں۔ اصل نیکی نماز و زکوٰۃ وغیرہ ہیں۔ ایسی آیتوں کے باوجود جو لوگ مصنوعی قبلوں کو نماز کا رکن ٹھیراتے ہیں، اُن پر افسوس ہے۔ کیا اصل نیکی وہ چیز ہو سکتی ہے جو مطلقاً نیکی ہی نہیں؟

(۱۱) اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ "اگر قرآن مجید کے متعلق کسی بات میں کوئی شک ہو تو ان لوگوں سے پوچھکر تحقیق کر لیا کرو جو پہلے سے کتاب پڑھتے آتے ہیں"

اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی بات اہل کتاب کو صحیح طور پر معلوم ہو تو اس صورت میں ان سے اس صحیح بات کا پوچھ لینا ہی کافی ہوگا

یہ علما جہتِ کعبہ سے مراد وہ جہت لیتے ہیں جس میں کعبہ واقع ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ دوسرے پارہ کی ابتدائی آیات میں جہاں جہاں قبلہ و وجہہ و شطر کا ذکر ہے وہاں وہاں ان تمام الفاظ سے مراد مطلق جہت نہیں ہے، بلکہ جہتِ صلوٰۃ مراد ہے

خانہ کعبہ کے اندر نماز ہر طرف پڑھی جاتی ہے۔ پس خانہ کعبہ کی جہتِ صلوٰۃ سے مراد وہ جہت ہے جس کی طرف خانہ کعبہ کے اندر نماز ادا کی جاتی ہے، نہ وہ جہت کہ جس میں خانہ کعبہ نمازی کے لحاظ سے واقع ہے

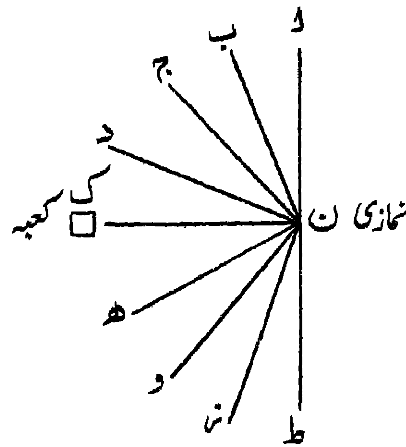
اس سے پہلے قبلوں کی اصلاح کی گئی ہے۔ یہ اصلاح متعصب مذہب داروں پر سخت گراں تھی۔ جب کبھی قرآن مجید کے ذریعے سے کوئی اصلاح فرمائی جاتی تھی، تو لوگ بھڑک اُٹھتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس اصلاح کو کسی طرح سے جاری نہ ہونے دیں۔ وہ مسلمانوں کو ستاتے فضول اعتراضات کرتے، لوگوں میں جھوٹا پروپیگنڈا پھیلاتے اور موقعہ پاتے تو مسلمانوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ قبلوں کی اس اصلاح سے یہود کو تو برانگیختہ ہونا ہی تھا، ساتھ ہی قریش بھی سیخ پا ہوئے کیونکہ فیصلہ ان کے حسب منشاء نہ تھا۔ عرب میں قریش کا اثر بہت زیادہ تھا۔ دوسری قومیں ان کی حمایت میں جنگ کرتی تھیں۔ اگر قریش بھی اس اصلاح سے راضی ہوتے تو یہ مصائب بہت کچھ کم ہو جاتیں

اس رکوع میں اللہ تعالےٰ ایمانداروں کو فرماتا ہے کہ صبر اور نماز کے ساتھ ان مصیبتوں میں خدا سے مدد مانگو۔ بلا شبہ اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ اے مسلمانو! تم جو ان لوگوں کے جبر مذہبی کا شکار ہو رہے ہو اور خدا کے رستے میں مارے جاتے ہو تو یاد رکھو کہ اس سے تمہاری قوم زندہ ہوتی ہے اور آئندہ زندگی میں اللہ تعالےٰ انہیں ایسی حیاتِ طیّبہ عطا فرماتا ہے جس سے وہ جنتی زندگی پاتے ہیں لیکن اس حیات بعد الممات کی اصل حقیقت ابھی تمہیں معلوم نہیں ہو سکتی پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ اس دنیا کی زندگی میں تمہیں کسی قدر خوف اور بھوک اور مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ابتلاء میں ڈالیگا اس ابتلاء سے بڑا عالی شان نتیجہ پیدا ہوتا ہے یہ امر صبر والوں کے لئے خوشخبری کا موجب ہے۔ صبر والے وہ لوگ ہیں جو مصیبت کے وقت یہ کہتے ہیں کہ ہم بالیقین اللہ ہی کا مال ہیں اور بلا شبہ بذریعہ ان مصائب کے ہم اللہ تعالےٰ ہی کی طرف ترقی کرتے اور رجوع کرتے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر انکے پروردگار کی طرف سے شاباشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ اصل راستہ پر ہیں

قبلوں کی اصلاح کے ساتھ صَفا اور مَروَہ کا فیصلہ بھی کر دیا۔ یہ دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں جو

کے لوگ سب کے سب امّی اور الٰہی کتابوں سے بالکل خالی نہیں رہ سکتے تھے لیکن وہ تو تورات اور انجیل کی وراثت و تعلیم سے بھی غافل تھے

(۱۳) کئی ایک علماء کو بھی یہ احساس ہے کہ عین کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دینا ٹھیک نہیں! کیونکہ عام حالتوں میں ایسے حکم کی تعمیل انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ اسی لئے خدا تعالےٰ نے مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم نہیں کیا بلکہ مسجد حرام کے شطر کی طرف منہ کرنے کی تلقین کی لیکن ان کے نزدیک مسجد حرام کے شطر سے مراد وہ جہت ہے جس میں خانہ کعبہ، نمازی کی نسبت سے واقع ہے۔ نقشۂ ذیل سے کعبہ کی اس جہت کے معنے معلوم ہوسکتے ہیں



اس نقشہ میں کعبہ اور نمازی کے درمیان ک ن ایک خطِ مستقیم کھینچا گیا ہے یہ خط، خطِ مستقیم ا ط پر عمود ہے۔ نمازی اس خط کے نقطۂ ن پر کھڑا ہے باقی خطوط نمازی سے کعبہ کی جہت میں کھینچے گئے ہیں جہت کے اس معنے کے لحاظ سے اگر نمازی بجائے کعبہ کے ب، ج، د، ھ، و، ز کے نقاط کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ لے تو جائز ہے کیونکہ یہ سب نقاط اس جہت میں واقع ہیں، جس میں خانہ کعبہ نمازی کے لحاظ سے واقع ہے

اس بیان سے ہرجائی قبلہ کے نیمہ یعنی تقریباً نصف کا ثبوت مل جاتا ہے لیکن اگر زمین کے گول ہونے کے سبب نمازی دوسری جانب کو بھی کعبہ کی جہت ہی سمجھ لے اور اس طرف بھی کعبہ کی جہت کا وہی حساب لگالے تو اس ہرجائی قبلے کا پورا ثبوت مل جائیگا

وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ [١٦١] اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ [١٦٢] خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
يُنْظَرُوْنَ ○ [١٦٣] وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○

[١٥٣] **ترجمہ**۔ (چونکہ اصلاحِ قبلہ پر لوگوں نے مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیت رسانی شروع کی
لہذا خدا تعالےٰ فرماتا ہے) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو (مناسب محنتوں پر اور لوگوں کے ستانے پر)
صبر و صلوٰۃ سے مدد چاہو۔ بلاشبہ اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے[1] [١٥٤] اور ان لوگوں کے متعلق، جو اللہ کے
راستے میں (یعنی حق پر) مارے گئے ہیں، یہ مت کہو کہ وہ مُردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں ولیکن تم نہیں جانتے
[١٥٥] اور ہم ضرور تمہیں کسی قدر خوف اور بھوک کے ساتھ اور مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان کے
ساتھ ابتلاء میں ڈالیں گے اور تو صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے
تو وہ کہتے ہیں۔ بلاشبہ ہم اللہ کے (مال) ہیں اور بلاشبہ ہم اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ ان
لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے شاباشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ اصل راستے پر ہیں۔
[١٥٨] بلاشبہ صفا و مروہ اللہ (کی قدرت) کے نشان ہیں۔ سو جو شخص اس گھر کا سالانہ قصد کرے یا
(بطور مسافر اس گھر کی) زیارت کے لئے آئے تو (انہیں خدا کا نشان سمجھکر) اگر ان میں بھی چلے پھرے
تو اس پر کوئی گناہ نہیں (ہاں یہ اصل نیکی نہیں) اور جو شخص کسی نیکی کے کام کو شوق سے کرے تو بلاشبہ
اللہ قدردان علم والا ہے۔ [١٥٩] بلاشبہ ایسے لوگوں پر جو ان واضح اور معقول باتوں کو جنہیں ہم نے اس کتاب میں اتارا ہے
ہمارے کھول کھول کر بیان کر دینے کے بعد بھی چھپاتے ہیں (ان کے بسبب ان کے دنیا کو جاہل بنانے
کے) اللہ تعالےٰ (قدرتی طور پر) انپر لعنت کرتا ہے اور (دیگر) لعنت کرنے والے (جو ان کی جہالتوں اور
بدکرداریوں کا تختہ مشق بنے ہیں، وہ بھی زبانِ حال سے) لعنت کرتے ہیں۔ [١٦٠] مگر وہ لوگ جنہوں نے
اس جہالت سے توبہ کی اور سُدھر گئے اور اصل حقیقت کو کھول کھول کر بیان کر دیا تو یہ لوگ جو ہیں تو میں

[1] صابروں کو اللہ تعالےٰ ضرور ترقی دیتا اور اعلےٰ نتائج عطا فرماتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ صبر میں داخل ہے۔

مسجد کعبہ سے باہر اس کے بیرونی احاطہ میں موجود ہیں۔ جس طرح خدا تعالےٰ کی ہر ایک مخلوق اسکا ایک نشان ہے ویسے ہی یہ بھی شعائر اللہ میں شامل ہیں۔ ان کا کسی بُت یا شخص سے کوئی علاقہ نہیں۔ یہ قدرتی نشانات ہیں۔ جو شخص بیتِ حرام کا حج یا عمرہ کرے تو انہیں قدرتی نشان سمجھکر ان میں بھی چلے پھرے اور سیر کرے اور ان کے فطری عجائبات میں تفکر کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بایں ہمہ یہ کوئی نیکی بھی نہیں۔ ہاں جو شخص کسی نیک کام کو شوق سے کرے تو اللہ تعالےٰ اس نیکی کا قدردان اور علم رکھنے والا ہے۔ یہ باتیں بالکل واضح ہیں۔ وحی میں آجانے کے بعد اِن بیّنات اور ہدایات کو چھپا کر توہمات پھیلانے اور جہالت میں پھنسانے والوں پر خدا، کارکنانِ قدرت وغیرہ کی طرف سے لعنت ہے۔ ہاں وہ لوگ جو ایسی حرکات سے سچی توبہ کریں تو اُن کا قصور معاف ہو جاتا ہے۔ کفر پر مرنا بھی لعنت کا موجب ہوتا ہے۔ شرک و وہم و کفر کا واحد علاج یہ ہے کہ تم اکیلے خدا کو اپنا سچا معبود سمجھو اور بس

رکوع ۱۹　۱۵۳ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ
مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ ۱۵۴ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ
وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ ۱۵۵ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ
مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ ۱۵۶ الَّذِينَ إِذَا
أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ ۱۵۷ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ
صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ ۱۵۸ إِنَّ الصَّفَا
وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ
أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝ ۱۵۹ إِنَّ الَّذِينَ
يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي
الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ ۱۶۰ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا

واحد جاننے میں انسانی حریت و مساوات بھی ساتھ ہی آجاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "تو (اے رسولؐ) کہہ دے کہ میری طرف سوائے اس کے کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے اور کچھ وحی نہیں کیا جاتا، پھر کیا تم سر تسلیم خم کرنے والے ہو؟" ۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جو دوسری باتیں آتی ہیں وہ بھی توحید ہی کے سکھانے والی ہیں یہ نہیں کہ ان کے سبب سے دوسروں کو خدا کی صف میں بٹھایا جائے اور انہیں خدا تعالیٰ کے خواص میں شریک بنایا جائے

سابقہ رکوعوں میں قبلے کی اصلاح اور صفا و مروہ کا ذکر ہے اور نتیجہ اس سے یہ نکالا ہے کہ " الٰھکم اله واحد لا الٰه الا ھو الرحمٰن الرحیم " لہٰذا اس رکوع میں توحید کا ثبوت دیا گیا ہے۔ یہ تمام کائنات ایک کل کی صورت میں کام کرتی ہے۔ اس کے پرزے پوری مناسبت کے ساتھ کام دیتے ہیں آسمانوں اور زمینوں کا ایسا تعلق ہے کہ ایک کی ضرورت دوسرے سے پوری ہوتی ہے۔ اگر کسی زمین میں آنکھ والی مخلوق ہے تو آسمانوں میں سورج جیسے نورانی چشمے موجود ہیں اور وہ دونوں مل کر ایک کل کی طرح کام کرتے ہیں۔ اگر آسمان کسی اور معبود کے ماتحت اور زمین کسی اور سے تعلق رکھتی ہو۔ رات کا انتظام ایک خدا کے ہاتھ میں اور دن کا دوسرے کے ہاتھ میں ہو۔ سمندر کو کسی نے بنایا ہو اور لکڑی وغیرہ جس سے کشتیاں بنتی ہیں وہ کسی اور کی مخلوق ہوں اور لوگوں کے لئے مفید چیزیں کسی اور کی پیدائش ہوں۔ آسمانی تاثرات سے پانی کا زمین سے اوپر جانا اور پھر زمین ہی کی زندگی کے لئے واپس آنا صاف بتلاتا ہے کہ یہ تمام اشیاء ایک کل کی طرح کام کر رہی ہیں اور ایک ہی ارادے کے ماتحت چل رہی ہیں۔ یہ نہیں کہ ہوائیں کسی کی مسخر ہوں اور بادل کسی اور کی تسخیر میں۔ عقل والوں کے لئے اس میں صریح نشانات ہیں۔ اس تمام انتظام سے جس طرح خدا تعالےٰ کی ہستی اور اس کی وحدت کا ثبوت ملتا ہے، اسی طرح سے اس کی رحمانیت و رحیمیت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمانیت سے بنائی ہیں۔ پھر انسان کو کسی قدر اختیار دیا ہے کہ وہ ان چیزوں پر اپنا عمل و دخل کر کے انہیں اپنے منشا کے موافق چلائے اور ترقی کرے۔ یہ حق تعالےٰ کی رحیمیت ہے۔ مگر افسوس! لوگ غیروں کو رحمٰن و رحیم جانتے ہیں۔ وہ ان سے اس طرح پیار کرتے ہیں جس طرح اللہ سے پیار کرنا چاہیئے۔ لیکن مومنوں کو اللہ سے ایسی محبت ہے کہ ان کے سینوں میں کسی اور کی محبت کی قطعاً گنجائش نہیں۔ سچ ہے ؎

اُن کی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی   آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا

ان پر رجوع کرتا ہوں اور میں ہی رجوع کرنے والا مہربان ہوں۔ ١٦١ بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرگئے تو ان پر اللہ تعالےٰ اور کارکنانِ قدرت اور سب لوگوں کی (جن کے بگاڑ میں وہ اپنی طرف سے کوشاں ہیں) لعنت ہے۔ اس حال میں کہ وہ اس (لعنت) میں رہ پڑنے والے ہیں۔ ان سے ان کا عذاب (جو ان کے لئے مقرر ہے) کم نہیں کیا جاتا اور نہ ہی انہیں ڈھیل دیجاتی ہے۔ ١٦٣ اور (یہ توحیدِ الٰہی سے اعراض کا نتیجہ ہے اس لئے واضح رہے کہ) تمہارا معبود اکیلا معبود ہے، اس کے سوائے کوئی اور معبود نہیں وہ (تو) رحمٰن و رحیم ہے۔

حواشی

اللہ تعالےٰ نے ہر ملک کے لوگوں کے انتظام۔ امن اور انصاف کے لئے سالانہ کانفرنسوں اور خاص جلسوں کو معقول ٹھیرایا اور مفید قرار دیا ہے۔ ایسے ہی حج بھی اہلِ عرب کی ایک سالانہ ملکی کانفرنس ہے اگر ایک ملک کے دوسرے حصص کے لوگ منتظمہ کمیٹی کو مدعو کرکے اپنے علاقہ کی ضروری باتوں پر بحث کریں اور وہ تجاویز عام اجلاس میں پیش ہونے کے لئے مرکزی دفتر میں چھوڑ جائیں تو ایسی کمیٹی عمرہ کہلاتی ہے لعنت کے معنی ہیں خدا کی رحمت سے دُور کرنا۔ کوئی شخص بچوں کو بگاڑتا ہے، وہ بچے اگرچہ اس پر لفظی لعنت نہ کریں تاہم ان کی لعنت اس بگاڑنے والے پر خود بخود ہی پڑتی ہے اور قدرت کے کاموں میں فساد پیدا کرنے کے سبب خدا تعالےٰ کی طرف سے قدرت بھی اُن پر لعنت کرتی ہے اسی لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ ان پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے قدرتاً لعنت وارد ہو رہی ہے اور دوسرے لعنت کرنے والوں کی بھی ان پر لعنت ہوتی ہے۔ پس یہ لوگ اپنی کرتوتوں کے سبب ملعون بن رہے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالےٰ اور دوسرے لوگ ان پر زبان سے "لعنت لعنت" پکارتے رہتے ہیں

قدرتی علوم کا جاننا اور واقعات کو ان کی اصلیت کے مطابق معلوم کرنا نہایت عمدہ کام ہے۔ دہریہ لوگ بھی بعض دفعہ اس امر میں ممد بنتے ہیں لیکن دین کی اصل بنیاد یہ ہے کہ تمام نیکیوں کو زندہ حق کی رضامندی سمجھ کر بجالایا جائے خدا سے الگ ہوکر کائنات اپنی پیچیدگیوں کے باعث ضرور الجھنوں میں ڈالے گی۔ کائنات ہمارے دلی اخلاص کو نہیں جانتی۔ اس کی نظر ہماری نیّات پر نہیں پڑتی۔ وہ کسی کو معذور قرار نہیں دیتی۔ پس دینداری کی بنا زندہ حق کے ماننے، اسے واحد جاننے اور اس کی رحمانیت و رحیمیت پر یقین رکھنے میں ہے۔ قرآن مجید کا اصل منشاء توحیدِ الٰہی سکھانا ہی ہے۔ خدا کو

ترجمہ - ۱۶۴ (خدا تعالےٰ کے وجود اور وحدانیت اور رحمانیت و رحیمیت پر یہ دلیل ہے کہ) بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدلتے لانے اور ان کشتیوں میں جو آدمیوں کے لئے مفید چیزیں لے کر سمندر میں چلتی ہیں اور اس میں جو اللہ نے آسمان سے پانی اتارا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اسکی موت کے بعد زندہ کر دیا اور اس میں ہر ایک چلنے پھرنے والے کو پھیلایا، اور ہواؤں کے پھیرتے لانے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں بلاشبہ عقلمند گروہ کے لئے آیات ہیں۔ اور ۱۶۵ (باوجود ایسے دلائل کے) لوگوں میں سے ایسے (بھی) ہیں جو اللہ کے سوا اس کے مثل بناتے ہیں۔ اُن سے اس طرح پیار کرتے ہیں جس طرح اللہ سے پیار کرنا چاہیئے حالانکہ وہ لوگ جو مومن ہیں وہ اللہ کے ساتھ محبت کرنے میں بہت مضبوط ہیں اور جب ظالم (اس دنیا ہی میں) عذاب دیکھتے تھے تو کاش وہ اس بات کو بھی دیکھ (اور جان) لیتے کہ قوت سب اللہ ہی کی ہے اور یہ کہ اللہ عذاب کرنے میں سخت ہے۔ جب ۱۶۶ متبوع لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو گئے اور انہوں نے عذاب دیکھا اور ان کے تعلقات منقطع ہو گئے اور تابعداروں نے کہا کہ اگر یہ بات ہوتی کہ ہم کو (دنیا کی طرف) ایک بار مڑنا ہوتا تو ہم ان (متبوعین) سے اسی طرح بیزار ہوتے جس طرح یہ ہم سے بیزار ہوگئے اسی طرح اللہ تعالےٰ انہیں ان کے عمل ان پر حسرتیں بنا کر دکھاتا ہے اور وہ بغیر پورا عذاب پانے کے آگ سے نکلنے والے نہیں۔

بیسویں رکوع میں فرمایا ہے کہ کئی لوگ اللہ کے سوائے اوروں کو اُس کے ساتھ شریک بناتے یعنی اُن سے اللہ کی طرح پیار کرتے ہیں حالانکہ جو ایماندار ہیں وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ سب سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں۔ اس پر یہود و نصاریٰ وغیرہم جو اپنے بزرگوں کو خدا تعالےٰ کے بیٹے بناتے تھے کہتے تھے کہ ہم اللہ تعالےٰ کے ساتھ مومنوں سے بڑھکر پیار کرتے ہیں۔ ہم خدا تعالےٰ اور اپنے بزرگوں کے لئے دنیا کے طیبات و انعامات کو ترک کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ طیبات کو حرام ٹھیرانا محض نادانی ہے اور اس میں کوئی خوبی نہیں۔ شیطانی طریقوں پر مت چلو۔ وہ تمہیں جہنم کے رستے پر چلاتا ہے۔ شیطان تمہیں بُرائی اور بے حیائی کے کام اور اللہ تعالےٰ پر جھوٹ بولنے کی تلقین کا حکم دیتا ہے یہی سب بُرائیوں کی جڑ ہے کہ شیطان شیطانی حکموں کو اسی طرح سے ماننا سجھاتا ہے کہ جس سے وہ بمنزلہ وحی سمجھے جائیں اور اس طرح سے شریر لوگ جہنم اور خزی فی الحیوٰۃ الدنیا کی طرف ہانکے جائیں

جب ظالم لوگ دنیا میں عذاب کو دیکھتے تھے تو کاش اس بات کو سمجھ لیتے کہ قوت تو ساری کی ساری اللہ ہی کی ہے اور وہی اللہ بڑی شدت کے ساتھ عذاب کر سکتا ہے۔ نہ اس کی طرح کوئی باندھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کی طرح کوئی عذاب کر سکتا ہے لیکن اس عذاب کی حقیقت ان پر اس وقت ظاہر ہوتی جب وہ خدا کے آگے پیش ہوتے۔ جب متبوعین اپنے تابعداروں سے بیزار ہوگئے اور انہوں نے عذاب کو دیکھ لیا۔ اور اُن کے علاقے قطع ہوگئے اور پیروی کرنے والے بول اُٹھے کہ اگر ہم کو دُنیا کی طرف لوٹنے کا کوئی موقعہ مل جاتا تو ہم ان سے ایسے ہی بیزار ہوتے جیسے آج یہ ہم سے بیزار ہوگئے ہیں۔ اسی طرح اللہ ان کی کرتوتوں کو ان پر حسرتیں بنا کر دکھلاتا رہتا ہے اور وہ اس حسرت و ندامت کی آگ سے خود نکلنے والے نہیں[1]

رکوع ۲۰

١٦٤ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ
تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ
السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○
١٦٥ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ
اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ
الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ○ ١٦٦ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا
مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○ ١٦٧ وَقَالَ
الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ
یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ○ ع

[1] ان آیات سے عیاں ہے کہ جو لوگ محبت کے زیر اثر ہو کر اپنے بزرگوں کی اندھا دھند تقلید کرتے ہیں، انکا یہی حشر ہوگا۔

اور مشاہدہ کی باتیں ہیں اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ خبیث کے خرچنے کا قصد نہ کرو حالانکہ تم اُسے نہیں لوگے۔ ہاں اگر آنکھیں بند کرکے لے لو تو لے لو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فطرتِ انسانی بھی طیب وخبیث کو جان سکتی ہے۔ پھر بعض طیبات عقل وغور سے بھی معلوم ہوتے ہیں جکیموں کے تجربوں سے بہت سی چیزوں کا علم ہوسکتا ہے کہ یہ صحت بخش ہیں یا مضر۔ جن چیزوں کو اللہ تعالےٰ کا حلال کرنا قرآن پاک سے ثابت ہے وہ یقیناً طیب ہیں اور جن چیزوں کو حرام بتلایا ہے وہ حرام ہیں اور جن چیزوں کا ذکر نہیں کیا گیا وہ ہماری عقل وقیاس وتجربہ پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ حتی الوسع انسان انمیں اخلاص کے ساتھ کام لیں۔ ایسی غلطیاں معاف ہیں

لوگ ظنی باتوں کو وحی بناتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ شیطانی تعلیم ہے۔ اس سے بچو۔ اُسی کو ما انزل اللہ سمجھو جس کا ما انزل اللہ ہونا ثابت ہے۔ روشن وحی اور عقل ہی دلیل ہیں لیکن کافروں کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ما انزل اللہ کی پیروی کرو تو یہ اپنے بزرگوں کی بغیر دلیل کے تقلید کرتے ہیں۔ پھر کیا اگر ان کے بزرگ نہ عقل رکھتے ہوں اور نہ وحی کی ہدایت پر ہی ہوں۔ تو کیا ایسے شخصوں کی تقلید کیجا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں

خدا کے کافر ایسے بے عقل ہیں کہ جب یہ لوگوں کے آگے کچھ بیان کرتے ہیں تو ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ گویا ان کے سامنے آدمی نہیں بلکہ بندر اور حیوان بیٹھے ہوتے ہیں۔ یہ گلا پھاڑ پھاڑ کر اُن بہائم کو پکارتے ہیں جو سمجھتے تو کچھ نہیں۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہمیں تقلید کی طرف بلایا جا رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب ہم تمہیں کسی شخص کے ذریعہ سے بلائیں یا خود تمہیں پکاریں تو ہمارے پیچھے چلے آؤ۔ یہ دونوں قسم کے کافر بہرے، گونگے، اندھے ہیں۔ یہی لوگ بے عقل ہیں۔ یہ اپنی آنکھوں، کانوں اور دلوں سے خود کام لینا نہیں جانتے۔ ہاں وہ لوگ جو ایماندار ہیں، وہ عقلمند ہیں۔ خود سوچکر بہت سے نیک کام کرتے ہیں۔ سولے خدا کے ماننے والو! اللہ کے دیئے میں سے طیبات کھاؤ اور کسی آدمی کی بے دلیل پیروی مت کرو۔ یہ شرک ہے۔ سو اگر تم خالص خدا کی عبادت کرنے والے ہو تو اللہ کی نعمتوں کی قدر کرو۔ ان نعمتوں کو ضائع مت کرو بلکہ اللہ تعالےٰ کا شکریہ بجالاؤ۔ آگے اللہ تعالےٰ نے وہی حرام بیان فرمائے ہیں جنکو نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام حرام جانتے تھے۔ تمام الہامی کتابوں میں مشترکہ طور پر یہی حرام ہیں۔ آگے وحی الہٰی کو چھپانے کی مذمت بیان کی ہے اور جو لوگ وحی الہٰی کے خلاف رشوت لے کر جھوٹے فیصلے دیتے ہیں اُن کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں کتنے بلے نہیں کھلتے ، بلکہ

بلاشبہ شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔ جو شخص واقعی انسان ہے اُسے چاہیئے کہ دیکھے کہ شیطان درحقیقت ایسی باتیں سکھاتا ہے یا نہیں؟ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے، ورنہ ہر شریر زبان سے جو دعویٰ چاہے کر سکتا ہے۔

اس رکوع میں اللہ تعالےٰ مومنوں یا کافروں کے کسی خاص گروہ کو خطاب نہیں کرتا۔ کھانے کا تعلق چونکہ سب لوگوں کے ساتھ ہے اس لئے تمام آدمیوں کو خطاب کیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ اے کھانے پینے والے لوگو! جو کچھ ہم نے زمین میں تمہارے لئے پیدا کیا ہے اُن میں سے وہ چیزیں کھاؤ جو حلال ہیں۔ آگے حلال کی تعریف کی ہے کہ حلال وہ ہے جو طیب ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تمہارے لئے طیبات حلال ہیں ۵/۶ - لوگوں نے اس جواب کو سُنکر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ سمجھ گئے کہ قرآنی محرمات کے سوائے باقی تمام چیزوں میں یہی قاعدہ ہے، کہ انسان اپنی عقل و تجربہ سے اور دنیا کے عام مشاہدہ سے معلوم کرے کہ کونسی چیز طیب ہے اور کونسی چیز خبیث۔ پھر اگر وہ مومن و متقی و صالح العمل ہو اور اپنی کوشش کے بعد غلطی کر جائے تو اس کے لئے اس طرح پر کچھ کھا لینے سے کوئی گناہ نہیں ہے ۲/۳ گناہ تو شیطانی اعمال یعنی بدی اور بیحیائی اور خدا تعالیٰ پر ایسی بات کہنے میں ہے جبکا ہمیں علم نہیں

خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں بہت سی چیزوں کا حلال ہونا ہمیں بطور نمونہ کے بتلا دیا ہے۔ قرآن کریم میں جو چیزیں حلال بتلائی گئی ہیں اگر ہم انہیں پر گذارہ کریں اور اپنی صحت و تندرستی میں انہیں کھاتے رہیں اور ان کے سوائے کسی اور چیز کا نام نہ لیں تو ہمارے لئے وہی کافی ہیں

اللہ تعالےٰ رب رحمٰن ہے۔ وہ غنی حمید ہے۔ اُس نے جو کچھ بنایا ہے وہ ہمارے فائدے کے لئے بنایا ہے۔ اُسے کسی مخلوق چیز کی اپنے لئے کوئی ضرورت نہیں۔ اُس کی ذات میں کوئی بخل بھی نہیں پایا جاتا۔ اسکا منشا ہے کہ ہم تمام چیزوں سے مناسب فائدے حاصل کریں، کسی چیز کو لادنے اور سواری کے کام میں لائیں، کسی چیز کو بطور خوراک کے کھائیں۔ کسی چیز سے دوا کا کام لیں، کسی مناسب چیز کا ضماد کریں، کسی چیز سے زینت کا کام لیں۔ اللہ تعالےٰ نے تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں، ہمارے ہی استعمال کے لئے بنایا ہے ۲/۱۳

طیب و خبیث کو تمام لوگ جانتے ہیں۔ نجاسات کا تمام لوگوں کو علم ہے۔ جب کھانا بگڑ جاتا ہے تو سب لوگ اُسے پھینک دیتے ہیں۔ یہودی و عیسائی و ہندو سب ان باتوں کو جانتے ہیں۔ یہ تجربے

خود اُس وحی میں کوئی تصرف نہیں کر سکتے - اسی لئے اس بات کا ماننا لازم ہے کہ تمام ملائکہ اور تمام نبی یکساں وحی لاتے ہیں لا نفرق بین احد منہم ۔ یہ تو اعتقاد کا معاملہ ہوا آگے عملی نیکیوں کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا کہ نیکی کرنے والا وہ ہے جو مال کی محبت کے باوجود قریبیوں اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کی مدد اور غلاموں کے آزاد کرنے میں مال کو خرچ کرتا ہے اور نماز کو قائم کرتا اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ اور نیک وہ ہیں جو آپسمیں جب عہد کرتے ہیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں اور ان میں سے ان صابروں کو میں خاص کرتا ہوں جو سختی اور بیماری اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں یہی لوگ ہیں، جنہوں نے سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں -

آگے مومنوں کو فرمایا کہ قتل جیسے موقعہ پر بھی انصاف کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور بے صبری نہ دکھلانا قتل خطا کا تو آگے حکم آئے گا یہ حکم قتل عمد کے بارے میں ہے ۔ پس آزاد قاتل کی جگہ اسی آزاد قاتل کو قتل کیا جائے نہ کسی اور کو۔ اور غلام قاتل کی جگہ اسی غلام قاتل ہی کو قتل کیا جائے نہ کسی دوسرے کو اور قاتلہ کی جگہ اسی قاتلہ کو قتل کیا جائے نہ کسی دوسری عورت کو۔ پھر اس حکم کے نفاذ سے پہلے اگر کسی کو اس کے بھائی نے کچھ معاف کر دیا ہو تو دستور کے ساتھ اس کی پیروی کی جائے اور احسان کے ساتھ ادائیگی کی جائے۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک تخفیف و آسانی اور رحمت ہے۔ پھر جو اس حکم کے بعد تعدی یعنی قتل عمد کریگا تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ پس آگے کو قتل عمد میں برابر کا بدلہ ہی ہونا چاہیئے۔ اس قصاص میں آئندہ لوگوں کی زندگی ہے تاکہ تم بچ جاؤ اور چونکہ اس جگہ قتل کا ذکر آیا تھا اسلئے مناسب تھا کہ ساتھ ہی وصیت کا بھی ذکر کیا جائے

انسان اپنے دو بیٹوں کے ساتھ بھی بہرصورت یکساں سلوک نہیں کر سکتا۔ اولاد کا سلوک بھی ماں باپ کے ساتھ بھلا بُرا دونوں طرح کا ہو سکتا ہے۔ بعض بیٹے اپنے ماں باپ کو غنی کر دیتے اور تمام عیال کی پرورش کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے بیٹے ماں باپ کے اندوختہ کو بھی چھین جھپٹ کر لے جاتے ہیں۔ ایک بیٹے کو باپ نے تعلیم دی۔ اس کی شادی کر دی اُسے ملازم کرا دیا یا کوئی دکان کھول دی۔ دوسرا آج پیدا ہوا ہے اور ہر طرح کی مدد کا محتاج ہے۔ اس کی پرورش کا بوجھ بھی ورثہ پر ہی پڑیگا۔ ایک بیٹا مالدار اور دوسرا اندھا اور بیمار بھی ہو سکتا ہے۔ وارثوں کی اس کمی و بیشی کو یکساں بنانے کے لئے سب سے پہلے وصیت کی ضرورت ہے۔ یہ وصیت ہمیشہ بالمعروف ہونی چاہیئے۔ متقیوں پر یہ وصیت فرض ہے۔ اس وصیت میں دو نقص وارد ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُس وصیت کے الفاظ کو بدل

گناہ نہیں۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اسکو چھپاتے ہیں۔ جو اللہ نے کتاب سے اتارا ہے اور (اس کو چھوڑ کر) اس کے عوض (دنیا کی) تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ان کے ساتھ (محبت سے) بات نہیں کرتا۔ اور (دنیا کی طرح توبہ سے) ان کو پاک نہیں کرتا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے عوض اور عذاب کو بخشش کے بدلے خرید لیا سو یہ آگ پر کیسے صابر ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ یہ کتاب اتاری ہے اور بلاشبہ جو لوگ اس کتاب میں اختلاف کرتے ہیں وہ دور کی مخالفت میں پھنسے ہوئے ہیں۔

اکیسویں رکوع میں فرمایا ہے کہ کفار نے ہدایت کے عوض ضلالت کو اور بخشش کے بدلے عذاب کو خرید لیا ہے۔ اس پر یہود کہتے تھے کہ ہم اصل ہدایت پر قائم ہیں۔ تم نے ہی ہدایت کو چھوڑ کر ضلالت کو اختیار کیا ہے۔ ہم بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے ہیں اور اس پر آج تک قائم ہیں۔ تم ہمارے قبلہ کو صحیح سمجھ کر چودہ پندرہ سال تک اس پر قائم رہے۔ اگر یہ قبلہ چودہ پندرہ سال تک ہدایت تھا تو تم نے ہدایت کو چھوڑا اور گمراہی کو خرید لیا۔ اللہ تعالیٰ اس رکوع میں فرماتا ہے کہ مشرق اور مغرب کے قبلے کوئی نیکی نہیں ہیں۔ اور جب یہ نیکی ہی نہیں ہیں تو مسلمانوں کے اسے نیکی گمان کر لینے سے یہ نیک نہیں بن سکتے۔ آگے اصل نیکیاں بیان کی ہیں اور بتلایا ہے کہ ان پر چلنے والے صادق اور متقی ہیں۔ تم لوگ نماز کو کچھ نہیں سمجھتے جب تک اُن کے ساتھ وہ کام نہ کیا جائے جو نیکی ہی نہیں۔ اب تم ہی بتلاؤ کہ کس نے ہدایت کو چھوڑ دیا اور ضلالت کو اصل سمجھا؟

خدا تعالیٰ نے جن کاموں کو نیکی کے کام بتلایا ہے ان میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا سچا ایمان ہے۔ یہی تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ اور قیامت کا ماننا اس لئے فرمایا ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے کامل جلال و جمال کا ظہور ہوتا ہے۔ پس قیامت کا ماننا خدا تعالیٰ کے انصاف و رحم ہی کو ماننا ہے۔ اور کتابِ الٰہی خدا تعالیٰ کے سچے منشا کو دکھلاتی ہے اس لئے کتابِ الٰہی کو ماننا خدا تعالیٰ کے حکموں کا ماننا ہے۔ باقی رہے ملائکہ اور نبیین، اُن کو وحی الٰہی کے لانے میں بے اختیار وسائط کی طرح ماننا چاہیئے۔ ملائکہ انبیاء کے پاس وحی لاتے ہیں اور نبی اُسی طرح ہم کو وحی الٰہی پہنچاتے ہیں۔ ان کا وحی الٰہی کے لانے میں اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ الٰہی تصرف ان کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن یہ

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ ۱۷۹ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ
يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ ۱۸۰ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى
الْمُتَّقِيْنَ ۞ ۱۸۱ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞ ۱۸۲ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ
فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

ترجمہ ۱۷۷ - مشرق اور مغرب کے قبلوں کی طرف تمہارا منہ کرنا کوئی نیکی نہیں ہے و لیکن نیکی (نیکی) اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخر اور ملائکہ اور کتابوں اور نبیوں کو مانے اور مال کی محبت کے باوجود اس (مال) کو قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کی مدد میں اور غلاموں کے آزاد کرنے میں خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور اپنے عہد کو وفا کرنے والے جب وہ آپس میں عہد کریں اور (میں ان میں سے اُن) صابرین (کو خاص کرتا ہوں) جو سختی اور بیماری میں اور بوقتِ جنگ صبر کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں۔ ۱۷۸ اے ایمان والو! (تم ہر قسم کی بے انصافی اور بے صبری سے بچتے رہو) تم پر مقتولوں میں برابر کا بدلہ لکھا گیا ہے۔ حر (قاتل) اسی حر (مقتول) کی جگہ اور عبد (قاتل) اسی عبد (مقتول) کی جگہ اور عورت (قاتلہ) اسی عورت (مقتولہ) کی جگہ ہی ماری جائے۔ سو وہ (قاتل) جسے (اس قاعدے سے پہلے) اس کے بھائی نے کچھ معاف کر دیا ہو تو اس پر لازم ہے کہ دستور کے ساتھ اس پر چلے اور احسان کے ساتھ اس کو ادا کر دے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے ایک تخفیف (یعنی آسانی) اور رحمت ہے۔ سو جو کوئی اس (قاعدے کے جاری ہونے) کے بعد تعدی (یعنی قتلِ عمد) کریگا۔ تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ۱۷۹ اور اے عقلمندو! تمہارے لئے اس برابر کے بدلے میں زندگی ہے تاکہ تم بچ جاؤ۔

دیا جائے اور غلط بنا کر پیش کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ وصیت خود بے انصافی یا گناہ کی ہو
پہلے نقص کا یہ علاج کیا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ جھوٹی وصیت بنانے والے کو اپنی پکڑ سے ڈراتا ہے اور دوسرے نقص کا یہ علاج بتلایا گیا ہے کہ اگر وارثوں میں صلح کرادی جائے اور مشورہ کرکے وصیت کے خلاف عمل کیا جائے تو اسمیں کوئی حرج نہیں
باوجود ان نقصوں کے وصیت کو ہمیشہ مقدم ہی رکھا جائے۔ خدا تعالےٰ نے ہر ایک شخص کے لئے یہی حکم دیا ہے کہ پہلے وصیت پر عمل ہو۔ ہر وصیت کرنے والا الگ الگ خود وصیت کرے۔ اسی پر عمل کرنا لازم ہے۔ اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو مال بچ رہے۔ اُسے قرآن مجید کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ قرآن مجید نے اس وصیت کو کبھی منسوخ نہیں کیا۔ یہ اہلحدیث کی خوبی ہے کہ قرآن عالیشان کے صریح اور معقول بیان کے برخلاف غلط فتوے دیتے ہیں اور احکم الحاکمین کے فیصلہ کو غلط ٹھہراتے ہیں۔ افسوس صد افسوس!

رکوع ۲۲

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ

وگر تن پرور است اندر فراخی　　چو تنگی بیند از سختی بمیرد

میدان جنگ میں جفاکش لوگ بالعموم فتح پاتے ہیں اور آرام طلب لوگ ضرور شکست کھاتے ہیں (کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن الله- والله مع الصابرین ۲/۲۴۹) روزہ رکھنے والا اپنے قول کا پابند ہوتا ہے۔ عہد کی پابندی انسان کو ہر دلعزیز بنا دیتی ہے

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ لوگ خواہ مخواہ تکلیفیں اٹھائیں اور مصیبت میں رہا کریں۔ خدا تعالےٰ ہماری مصیبتوں سے خوش نہیں ہوتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ہم مصائب سے بچنے کی راہیں دریافت کریں۔ ہاں جو مصیبتیں قدرتی طور پر واقع ہوں ان میں صبر کرنا لازم ہے اور ان کے لئے تیار رہنا ضروری ہے۔ لیکن اس صبر کرنے اور تیار رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ مصیبتوں کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کریں۔ جنگ میں لوگ قتل بھی ہو جاتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ لڑنے والے خواہ مخواہ خود موت کے پنجے میں جا پھنسیں اور سمجھیں کہ خدا تعالےٰ ہمارے دکھوں میں پڑنے سے خوش ہوتا ہے

حاصل یہ ہے کہ تنگی کو تنگی سے بچنے کے لئے اختیار کرنا چاہیئے۔ تنگی کو تنگی میں پڑنے کے لئے نہ ڈھونڈھنا چاہیئے۔ ایک شخص آنکھوں پر کسی فائدہ کے لئے برف لگا سکتا ہے نہ دکھیا بننے کے لئے۔ پس کسی تکلیف کے اٹھانے میں بھی اصل مقصود آسانی ہی ہے۔ یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر کے یہی معنے ہیں اور اسی لئے روزوں میں بہت سی سہولتیں پیدا کی گئی ہیں۔

روزہ رکھنے کا فائدہ نفس پر قابو حاصل کرنا اور ہمدرد بننا اور اصل ضرر سے بچنا ہے۔ روزے اس لئے نہیں رکھے جاتے کہ انسان بیمار ہو جائے یا اس میں غصہ اور چڑچڑا پن پیدا ہو جائے اور لوگوں کو گالیاں دینے لگے۔ روزے رکھنے میں ہمیشہ لعلکم تتقون کا لحاظ رکھنا چاہیئے

پہلے رکوع میں قصاص اور وصیت کا بھی ذکر ہے۔ ان کے لئے بھی نفس پر قابو رکھنے کی ضرورت ہے۔ قصاص میں غصہ کے سبب زیادتی کا خوف ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ وصیت کرنے والا بھی بجائے ایسی وصیت کے جو بالمعروف ہو، اپنے قومی رسم و رواج ہی کے مطابق وصیت کر جائے۔ انسان کو سیدھا چلانے کے لئے تقوےٰ ہی کی ضرورت ہے اور روزوں سے تقویٰ کو مدد ملتی ہے

روزہ رکھنا بلاشبہ خیر ہے لیکن اگر کوئی شخص روزے کے بجائے مساکین کے کھلانے کا خیال رکھے تو یہ بھی تقوے کے لئے ممد ہے۔ قرآن کریم میں کئی جگہ روزوں کا فدیہ مساکین کا کھلانا مقرر کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص ایک روزے کے عوض کئی مساکین کو کھانا کھلائے، تو یہ اچھا ہے۔ لیکن اگر ایک

تم پر ماں باپ اور اقربوں کے لئے دستور کے ساتھ وصیت فرض کی گئی ہے۔ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت حاضر ہو اگر وہ کوئی مال چھوڑ جائے۔ یہ خدا سے ڈرنے والوں پر حق ہے۔ ۱۸۱ سو جو کوئی اس (وصیت) کو اس کے سننے کے بعد بدل دیوے تو سوا اس کے نہیں کہ اسکا گناہ ان لوگوں پر ہے جو اسے بدل ڈالتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ ۱۸۲ پس جو شخص کسی وصیت کرنے والے سے بے انصافی یا گناہ کا خوف کرے پھر وہ ان (وارثوں) کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔

---

۲۲ بائیسویں رکوع میں اصل نیکیوں کا بیان ہے۔ اُن نیکیوں میں سے اُن صابروں کو خاص کیا گیا ہے جو سختی و قحط و بیماری میں اور نیز بوقتِ جنگ صبر کرتے اور ثابت قدمی دکھلاتے ہیں۔ ایسے نیکوں کو صادق القول اور صادق العمل اور متقی فرمایا ہے۔ اس صدق قول اور صدق عمل اور تقوے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس پر قابو رکھے اور اپنے جذبات کو بے قابو نہ ہونے دے۔ روزہ رکھنے والے ضرور اپنے نفس پر قابو رکھتے ہیں اس لئے اسکے ساتھ صیام کا ذکر کرنا بھی نہایت مناسب ہے

روزہ دار جب جائز کھانے اور جائز پینے اور جائز عورت سے بچنے کی عادت پیدا کرتا ہے۔ تو ناجائز اکل و شرب اور غیر عورت سے کیوں نہ بچیگا؟

مثال۔ دو آدمی تھے۔ ایک ان میں سے تین دفعہ روز کھاتا تھا اور دوسرا تیسرے دن افطار کرتا تھا۔ اتفاقاً ان کو ایک دوسرے کی معیت میں کسی لمبے سفر پر جانا پڑا۔ کسی شہر کے لوگوں نے انہیں جاسوس سمجھ کر ایک مکان میں بند کر دیا۔ پندرہ روز کے بعد معلوم ہوا کہ یہ فلاں قوم کے آدمی ہیں۔ جو ہمارے دوست ہیں۔ جب دروازہ کھولا تو لوگ یہ دیکھکر حیران ہوئے کہ ان میں سے جو قوی تھا وہ مُردہ پایا گیا اور جو ضعیف تھا وہ زندہ نکلا۔ اصل بات یہ تھی کہ قوی آدمی جو دن میں تین دفعہ کھاتا تھا۔ پندرہ روز کے عرصہ میں اس پر پینتالیس ناقے وارد ہوئے اور وہ شخص جو تیسرے روز افطار کرتا تھا اُس نے پندرہ روز میں صرف پانچ ناقے کئے اور یہ ظاہر ہے کہ پینتالیس فاقوں کا مقابلہ کرنا پانچ فاقوں کے مقابلہ کرنے سے بہت مشکل ہے ؎

چو کم خوردن طبیعت شد کسے را ۔۔۔ چو سختی پیشش آید سہل گیرد

دانا ہے جو ایسے شخص کو کہے کہ اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ وہ کون دانا ہے جو ایسا کہے کہ بچے کو بیمار بنالو لیکن روزہ رکھ لو۔

بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ یہ حکم اُن مریضوں اور سفر والوں کے لئے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں لیکن رکھنا نہیں چاہتے۔ وہ اپنے روزوں کا فدیہ دے سکتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مریض و سفر والے جن کا اوپر ذکر آیا ہے۔ ایسے لوگ ہیں جن کو روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ مریض و سفر والے جن کو روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں وہ تو فدیہ نہ دیں۔ لیکن جن مریضوں اور سفر والوں کو روزہ رکھنے کی طاقت ہے وہ فدیہ دے سکتے ہیں۔ گویا ناتوانوں کو فدیہ کی اجازت نہیں لیکن توانا لوگ بخوشی فدیہ ادا کر سکتے ہیں اور روزہ سے بچ سکتے ہیں

بعض احکام ترقی کا شوق دلانے کے لئے سکھائے جاتے ہیں اور بعض احکام گذشتہ یا آئندہ ضرروں سے بچانے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ پھر ضرورتوں میں بھی مراتب ہوتے ہیں اللہ تعالےٰ کے ساتھ اخلاص پیدا کرنا تمام فرائض سے اعلیٰ اور تمام فرائض کی جڑ ہے۔ اسی توحید سے تمام فرائض کی طرف ہدایت ملتی جاتی ہے۔ من یؤمن باللہ یھد قلبہ۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ وغیر ذالک من الآیات۔

ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو فرمایا ہے کہ روزے رکھو اور اگر تم نہیں رکھنا چاہتے تو اُس کا فدیہ کم از کم ایک مسکین کا کھلانا ہے اگر روزہ رکھو تو بہت خوب، اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو (مرض سفر کم ہو یا زیادہ) تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر لو۔ اور اگر روزوں کا یا چھوڑے ہوئے روزوں کا فدیہ دینا چاہتے ہو تو ایسا ہی کر لو۔ اور اگر کسی خیر کے کام کو اور صدقہ دینے کے فعل کو شوق سے بجالاؤ اور ایک مسکین کی جگہ کئی مسکینوں کو کھانا کھلاؤ تو یہ اور خوب ہے لیکن اگر تمہیں علم ہو تو طاقت رکھنے کی صورت میں تمہارا روزہ رکھنا اور بھی عمدہ ہے

روزہ رکھنا تقوےٰ کے لئے مفید و ممد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ استفادہ و استمداد کے لئے مناسب وقت کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے تعیین وقت اس قدر ضروری نہیں جس قدر کہ ضرورت و حاجت کا دیکھنا۔ پس مسلمان آگے پیچھے بھی روزے رکھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے خدا تعالےٰ نے ایاماً معدودات فرمایا ہے اور رمضان و غیر رمضان کی کوئی قید نہیں لگائی۔ انسان خود ہی اپنی حالت کو دیکھکر جب مناسب سمجھے روزے رکھ سکتا ہے۔

ہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ نزولِ قرآن کے وقت رمضان میں روزے رکھا کرتے

روزے کے عوض میں کم از کم ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے تو یہ بھی کفایت کرتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے سورت مائدہ میں فرمایا ہے کہ اگر حج کے اجتماع کے وقت کوئی شخص کسی شکار کو قتل کرے تو دو عدل والوں کے فیصلے کے مطابق اس کی قیمت کعبہ کے فنڈ میں بھیجی جائے یا اُس کا کھانا لے کر مساکین کو کھلایا جائے یا اس کے برابر روزے رکھے جائیں۔ اس حکم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روزے اتنے ہی رکھے جائیں جتنے مسکینوں کو اس قیمت سے بحساب اوسط کھانا کھلانا ممکن ہو۔ یہ سزائیں انسان کو متقی بنانے اور پاک کرنے کے لئے ہی ہوتی ہیں اور روزے سے بھی یہی مقصود ہے کہ روزہ ترقی کرنے کے لئے ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن ان سزاؤں پر چلنا نہایت ہی ضروری ہے۔ سزائیں اپنے فعل کا وبال چکھنے کے لئے لازم ہیں جو ان سزاؤں پر نہ چلے، اس کے لئے وعید ہے۔ ومن عاد فینتقم اللہ منہ۔ واللہ عزیز ذوانتقام ؏

اگر مذکورہ بالا روزوں کے متعلق بھی کوئی ایسا وعید ہے تو اُسے پیش کیا جائے۔ جب ایسے وعید والے روزوں کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا مقرر کیا گیا ہے تو ان روزوں کے فدیہ پر جو قرآن مجید میں صاف طور پر مذکور ہے کیوں ناک چڑھائی جاتی ہے۔ کوئی اُسے منسوخ بتلاتا ہے، کوئی لا محذوف نکالتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ باب افعال کا ہمزہ سلب کے لئے بھی آتا ہے۔ بے شک سلب کے لئے بھی آتا ہے مگر اُس جگہ جہاں اس کا استعمال عام بول چال میں پایا جائے اگر لوگوں کے پاس کوئی سند ہے کہ یطیقون کے معنے لا یطیقون کے بھی ہوا کرتے ہیں تو اُسے پیش کریں۔ روزمرہ کے خلاف محض دعوے سے کام لینا سراسر فضول ہے۔ پھر ان لوگوں کو جن کو روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں، یہ کہنا کہ تمہارے لئے روزہ رکھنا بہتر ہے قطعاً غلط ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یطیقونہ میں جو ضمیر واحد غائب مذکر کی ہے وہ از قسم اضمار قبل الذکر ہے۔ اسکا مرجع پہلے نہیں، بعد میں آتا ہے۔ اُن کے نزدیک اسکا مرجع فدیہ ہے اور پھر دانا جاتا ہے کہ فدیہ کے معنے چھڑا دینے کے ہیں۔ جب ایک کام نہیں کیا جاتا تو اس کی جگہ اگر کوئی اور کام کیا جائے اور پہلے کام کو چھوڑ دیا جائے تو اُس دوسرے کام کو فدیہ کہتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا فدیہ خود ہی اپنا فدیہ ہوا کرتا ہے؟ پھر اس جگہ اضمار قبل الذکر لینے سے قرآن مجید کی عبارت بالکل بگڑ جاتی ہے

بعض لوگ قرآن مجید کو بگاڑتے اور نئی نئی قرأتیں نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حکم اُن کے لئے ہے جنکو روزہ رکھنے میں بہت تکلیف ہوتی ہے یا جن کے بچہ کو ضرر پہنچنے کا خوف ہے۔ کیا کوئی

صیام کا، اور اسی طرح ثابت ہوا فلیصمہ میں بھی ہ کی ضمیر جس کا مرجع شہر ہے مفعول بہ ہے۔ پس تین روزوں کی تعیین غلط ہے۔ اس جگہ جمع قلت ترغیب دینے کے لئے لائی گئی ہے کہ روزے کسی لمبے زمانہ کے نہیں ہیں بلکہ چند روز ہیں۔ اکثر مواقع میں جمع قلت جمع کثرت کی جگہ اور جمع کثرت جمع قلت کی جگہ لائی جاتی ہے دیکھئے ثلاثۃ قروء میں قروء جمع کثرت ہے حالانکہ ثلاثۃ قلت کو چاہتا ہے۔ اس سے یہ سکھانا مقصود ہے کہ تین طہر کا انتظار کوئی کم انتظار نہیں ہے، بلکہ کافی انتظار ہے۔

روزوں کی آیات کو یا ایہا الذین آمنوا سے شروع کیا گیا ہے۔ ایسے مقام پر الذین آمنوا سے بالعموم قرآن مجید کے ماننے والے مراد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کہتا ہے کہ تم پر اسی طرح روزے لکھے گئے ہیں جس طرح ان لوگوں پر لکھے گئے ہیں جو تم سے پہلے چلے آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوسروں کے روزے قابل قدر نہ ہوتے تو مسلمانوں کے آگے ان کا نمونہ پیش کرنا فضول ہوتا۔ جب مسلمانوں کو ان کے نیک کاموں کی ترغیب دی گئی تو ان کے نیک کام بلاشبہ نیک کام ہی ہوئے۔

روزوں کے متعلق جو ہدایتیں کی گئی ہیں اور جو سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں اس جگہ ان کے لئے تکبیریں کہنے، ذکر الٰہی کرنے اور شکر بجالانے کا حکم ہے۔ لیکن اگر وہ لوگ آپس کے اتفاق و مشورہ سے ایک دن تکبیریں کہنے، نماز ادا کرنے، شکر بجالانے اور خوشیاں منانے کے لئے مقرر کرلیں یا پہلے سے ہی مقرر ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں

اس جگہ تکبیریں کہنے اور شکریہ بجالانے کا ذکر ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہماری عبادتیں روزے اور نمازیں بغیر واسطوں اور وسیلوں کے مقبول نہیں ہوسکتیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارے یسوع مسیح کے وسیلے سے ہماری یہ دعا قبول ہو اور کہتے ہیں کہ اس کے وسیلہ اور واسطہ کے بغیر کوئی عبادت کام نہیں دیتی۔ اکیلے خدا کی عبادت میں دوسروں کو ملانا اور انہیں ساتھ ہی دخیل بنانا ضروری ہے۔ اکیلے خدا کو جانا کرو۔ تو ایسے لوگوں کی تردید کرنے کے لئے فرمایا کہ جب میرے بندے تجھ سے میری بابت (جو احکم الحاکمین ہوں) سوال کرتے ہیں کہ کیا خدا کو بالواسطہ نہ پکارنا چاہیئے؟ اے رسولؐ آپ جو مقرب الٰہی ہیں تو کیا آپ کے ذریعہ اور واسطے سے نہ دعا منگوانی چاہیئے؟ یا آپ کی طفیل سے نہ دعا مانگنی چاہیئے؟ تو اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جب وہ ایسا کرتے ہیں تو کیا میں قریب نہیں ہوتا؟ میں نے انہیں خود پیدا کیا ہے۔ ان کی پیدائش میں کسی کو دخیل نہیں بنایا۔ میں ان کی رگ جان سے زیادہ قریب ہوں پس کسی اجنبی شخص کو واسطہ و وسیلہ بنانا سراسر فضول ہے۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کو خود ہی قبول کرتا

تھے۔ہمارے رسولِ کریم پر اسی ماہ میں قرآن مجید اُترنا شروع ہوا۔ لتعلموا عدد السنین والحساب کے مطابق معلوم ہو سکتا ہے کہ جس ماہ میں قرآن کریم اُترنا شروع ہوا ہے وہ موسم گرما کا مہینہ نہیں تھا۔ قرآن مجید نے مہینوں کے متعلق جو کچھ اصلاح کی ہے اگر اللہ تعالےٰ نے چاہا تو مناسب موقعہ پر اس کا بیان ہوگا۔

مسلمان چاہتے تھے کہ قرآن کریم اس ماہ میں اترنا شروع ہوا ہے اس لئے اگر ہم بھی اسمیں روزہ رکھ لیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر لوگوں کو روزہ رکھنے کا شوق بھی پیدا ہوگا۔ ایک آدمی دوسروں کے لئے کھانا تیار کردیگا۔ ضرورت کی چیزیں اکٹھی ہی مہیا ہو جایا کرینگی اکٹھے کام کرنے سے اور بھی بہت سی سہولتیں پیدا ہو جائیں گی تو اللہ تعالےٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بلاشبہ تمہارے رسول پر اس ماہ میں قرآن مجید کا مبارک نزول شروع ہوا۔ یہ ماہ اس کے لئے باعثِ برکت بنا۔ سو جو کوئی تم میں سے بھی اس ماہ کو اپنے لئے مفید اور مناسب دیکھے اور خود اس کے فوائد کا شاہد ہو، یا خود اس مہینے کی طرف حاضر و متوجہ ہو تو وہ اسی میں روزہ رکھ لے (جملہ شرطیہ میں امر کے استعمال کیلئے دیکھو فمن شاء فلیؤمن۔ ومن شاء فلیکفر)

اس رمضان کی تعیین میں بھی وہی سہولتیں ہیں جو ایاماً معدودات میں بیان ہوئی ہیں اگر مریض و علیٰ سفر ہو تو اسی طرح سے دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلے۔ خدا تعالےٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تنگی دینا نہیں چاہتا بلکہ اُس کا ارادہ ہے کہ تم گنتی کو متفرق ایام میں ہی پوری کرلو۔ اور ان ہدایات کو دیکھکر خدا تعالےٰ کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ تم اُس کا شکریہ بجالاؤ۔ کیا قطبی ممالک کے لوگ فدیہ بھی نہیں دے سکتے؟ اور کیا سائبیریا اور گرین لینڈ کے لوگ دوسرے دنوں میں گنتی نہیں پوری کرسکتے؟

رمضان کے ذکر سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے ایاماً معدودات بھی ایک مہینہ ہی ہونے چاہئیں۔ اگرچہ وہ کسی موسم میں ہی کیوں نہ ہوں۔ بعض لوگ ایاماً معدودات سے مراد تین روزے لیتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کتب علیکم الصیام میں صیام مصدر ہے اور ایاماً معدودات منصوب ہونے کے سبب اُس مصدر کا مفعول ہے سو اگر یہ مفعول فیہ ہوتا تو روزے تین دن کے بھی نہیں ہو سکتے اور دوسرے دنوں میں گنتی کا پورا کرنا اور روزوں کی رات میں بیویوں کے ساتھ میل جول کی اجازت دینا اعتکاف کی راتوں میں اجازت نہ دینا فضول ہو جاتا۔ پس ثابت ہوا کہ ایاماً معدودات مفعول بہ ہے

رکوع ۲۳

۱۸۳ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ۱۸۴ اَيَّامًا
مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ
وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ
خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۸۵ شَهْرُ رَمَضَانَ
الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ
مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا
الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ۱۸۶ وَاِذَا سَاَلَكَ
عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ
وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ ۱۸۷ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى
نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ
تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ
ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ
مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ
وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

ہوں۔ جب بھی وہ مجھے بلاتا ہے۔ رمضان ہو یا غیر رمضان، کوئی بزرگ موجود ہو یا نہ ہو۔ پس چاہیئے کہ میری فرمانبرداری کریں اور مجھ ہی پر ایمان رکھیں، تاکہ وہ میری مدد دینے سے ہی اپنی مراد کو پہنچیں کسی اور کو دخیل بنا کر مراد کو پانے کی امید نہ رکھیں

آگے روزوں کے متعلق اور بھی سہولتیں پیش کی گئی ہیں۔ لوگ رات کو بیویوں سے آرام نہیں پاتے تھے اور آٹھ پہر کا روزہ رکھتے تھے اور نفس پر خواہ مخواہ مشقتیں ڈال لیتے تھے۔ لوگوں کی طرف سے اپنے نفسوں کے ساتھ یہ ایک خیانت تھی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ روزے کی رات میں تمہارے لئے اپنی بیویوں سے میل جول حلال ہے۔ وہ تمہارا پردہ ہیں اور تم ان کے پردے ہو تمہارا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تمہاری حفاظت اور عصمت اُن سے قائم ہے اور اُن کی حفاظت اور عصمت تم سے قائم رہتی ہے۔ خواہ مخواہ کی تکلیفیں اُٹھانا نیک بننے کے لئے کوئی ضروری نہیں۔ تم نے جو اپنے نفسوں کی خیانت کی ہے تو خدا نے یہ حکم دے کر مہربانی سے تم پر رجوع کیا اور معاف کر دیا۔ اب اپنی بیویوں سے ملا جلا کرو اور خدا تعالےٰ نے جو تم پر تقوےٰ حاصل کرنا لکھ دیا ہے اس کا ہمیشہ خیال رکھو۔ حلال چیزوں کا استعمال کرو چوری چکاری اور خیانت سے بچو اور کھاؤ اور پیو۔ یہاں تک کہ فجر کی کالی دھاری سے فجر کی روشن دھاری تمہارے لئے بخوبی کھل پڑے یعنی آدھی صبح تک کھا پی سکتے ہو، پھر روزہ کو رات تک یعنی سورج کے غروب ہونے اور مشرق سے اندھیرے کے اٹھنے تک پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھنے والے ہو تو رات کو بھی اپنی بیویوں سے میل جول نہ رکھو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ پس ان کے قریب نہ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں سے پھسل کر باہر ہو جاؤ۔ اس طرح اللہ لوگوں کے لئے اپنی آیات بیان کرتا ہے، تاکہ لوگ تقوےٰ اختیار کریں۔ یہ بہت بُری بات ہے کہ روزے تو رکھے جائیں لیکن باطل کے ساتھ لوگوں کا مال کھایا جائے۔ ایسے روزے سراسر فضول بلکہ موجب گناہ ہیں

روزوں کے بیان میں جو علیٰ سفر آیا ہے اس کے معنے ہیں کہ جب تم راستے میں ہو لیکن جب تم کسی شہر میں جا کر پورے ایک دن کے لئے بھی مقیم بن جاؤ، تو روزہ رکھ سکتے ہو۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ مسافر حج میں تین دن کے روزے رکھے اور سات روزے گھر میں واپس آ کر رکھے یعنی حج میں جب راستے پر ہو تو روزہ نہ رکھے

بڑے تعجب کی بات ہے کہ قرآن مجید روزے وغیرہ کا تو ایسی صفائی سے ذکر کرے لیکن نماز کے بیان ہی کو خود رسولؐ کا محتاج رکھے۔

کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو اپنی بیویوں سے رات کو بھی نہ ملو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ پس تم ان کے قریب نہ جاؤ۔ اللہ اس طرح اپنی آیات لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں۔ اور تم آپس میں اپنے مالوں کو باطل کے ساتھ نہ کھاؤ اور انہیں (بطور رشوت کے) حاکموں کی طرف نہ لے جاؤ تاکہ تم (اس طرح سے) لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ دیدہ و دانستہ کھا جاؤ۔

---

۱۹۰ حج } اوہام پرست لوگ عام طور پر مانتے ہیں کہ بعض ہلال سعد ہوتے ہیں اور بعض نحس۔ بعض لوگ پہلی رات کے چاند کو دیکھتے ہیں اگر وہ طباق یا ڈہل کی شکل کا ہو تو سمجھتے ہیں کہ یہ مہینہ خوشی کا ہے اور اگر وہ ٹیڑھا تلوار کی شکل رکھتا ہو تو کہتے ہیں کہ اس مہینے میں تلواریں چلیں گی۔ اکثر لوگ بعض مہینوں کو مبارک سمجھتے ہیں اور دوسروں کو منحوس۔ یہودیوں میں اس کا بڑا رواج تھا۔ ہندوستان، ایران وغیرہ کے مسلمان محرم کو ماتم کا مہینہ سمجھتے ہیں اور اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ لوگ صفر کو تیزی کا مہینہ سمجھتے ہیں۔ یہ سب بکواسیں ہیں۔ وقت ایک قیمتی چیز ہے جو اس میں نیک کام کرتا ہے وہ اس کے لئے سعد ہوتا ہے اور جو اس میں بداعمالی کرتا ہے اس کے لئے وہ نحس بن جاتا ہے پس وقت سے وقت کا کام لینا چاہیئے اور خواہ مخواہ اسے سعد اور نحس نہ قرار دینا چاہیئے

اللہ تعالےٰ نے اس سے پہلے رکوع میں روزوں کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ تم روزے رمضان سے آگے پیچھے بھی رکھ سکتے ہو جو رمضان میں رکھنا چاہے وہ رمضان ہی میں رکھ سکتا ہے اور متفرق دنوں میں بھی گنتی پوری کر سکتے ہو۔ اس لئے ضرور تھا کہ مذکورہ بالاخیال والے لوگ یہ سوال کرتے کہ آیا مختلف ہلالوں میں کوئی فرق بھی ہے یا نہیں؟ اور کہ ان میں سے کونسا مہینہ مبارک اور کونسا نامبارک ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ان کا سعد و نحس ہونا بے معنیٰ ہے یہ سب ھلال لوگوں کے لئے وقت کے آلات ہیں۔ چاند نکلے تو معلوم ہوتا ہے کہ قمری مہینہ شروع ہوا۔ چاند کے روشن حصہ کو دیکھ کر قمری مہینے کی تاریخ بھی معلوم ہو سکتی ہے چاند کی مقدار اور موقعہ کو دیکھکر رات کے وقت کا پتہ بھی لگ سکتا ہے اس سے مدوجزر کا حساب بھی لگایا جا سکتا ہے الغرض متفرق طور پر ہر شخص وقت سے استفادہ کر سکتا ہے

چاند کا مہینہ تو قدرتی ہے لیکن چاند کا سال قدرتی نہیں۔ پس چاند کے مہینوں سے کام لیا جا سکتا ہے۔ ہاں سورج کا سال بالضرور قدرتی ہے اس میں موسم باقاعدہ آتے ہیں۔ رات دن پیدا ہوتے ہیں سورج

اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ [188] وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ۝ ع

ترجمہ۔ [183] اے وہ لوگو جو (قرآن پر) ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح لکھا گیا ہے جیسا کہ ان پر لکھا گیا ہے جو تم سے پہلے چلے آتے ہیں تاکہ تم (اپنے نفس پر) قابو پاؤ۔ [184] (روزہ رکھنا) گنتی کے دنوں کا سو جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا سفر پہ ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پورا کرنا ہے اور ان لوگوں پر جن کو روزے کی طاقت ہے ایک مسکین کا کھانا فدیہ ہے۔ سو جو کوئی کسی نیکی کو شوق سے کرے (یعنی ایک مسکین کی بجائے ایک سے زیادہ مساکین کو کھانا کھلائے) تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور یہ کہ (اگر) تم روزہ رکھو (تو) تمہارے لئے (اور بھی) بہتر ہے اگر تم کو علم ہے۔ [185] مہینہ رمضان کا وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت اور تمیز کی واضح باتیں ہیں سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے (کے فوائد) کا شاہد ہو (اور خود اس مہینے کی طرف حاضر ہو) پس وہ اسی (مہینے) کو روزہ بنائے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پہ ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پورا کرنا ہے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا اور (اس کا یہ بھی ارادہ ہے) کہ تم گنتی کو پورا کرو اور کہ تم اس پر جو خدا نے تمہیں ہدایت دی ہے اللہ کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ [186] اور جب میرے بندے تجھ کو میری بابت پوچھتے ہیں (کہ ہم آپ کے وسیلے سے کیوں دعائیں نہ کرائیں) تو بلاشبہ میں (خود ہی) قریب ہوتا ہوں، میں (خود) پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے بلاتا ہے۔ پس چاہیئے کہ وہ میری اطاعت کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ بھلائی پائیں۔ [187] روزے کی رات کو تمہارے لئے اپنی بیویوں سے میل ملاپ کرنا حلال کیا گیا ہے وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں کی خیانت کرتے تھے سو اس نے (یہ حکم نازل کر کے) تم پر مہربانی کے ساتھ رجوع کیا اور (گذشتہ حرکات کی) تم کو معافی دے دی۔ سو اب اپنی بیویوں سے ملا جلا کرو۔ اور جو اللہ نے تمہارے لئے (تقویٰ سے) لکھ دیا ہے اسے طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے فجر کی سیاہ دھاری سے (الگ) سپید دھاری روشن ہو جائے۔ پھر روزے کو رات تک پورا

ستاوا اور جبر مذہبی اس سے بھی زیادہ سخت ہے کہ کسی کو ایک دفعہ قتل کر کے ختم کر دیا جائے۔ اور اگر وہ مسجد حرام کے پاس جو کل مساجد کے واسطے ایک نمونہ ہے، تم پر چڑھائی کریں تو تم ہٹ کر اسکے اندر چلے جاؤ۔ اور اگر وہ لڑائی کے لئے اندر گھس آئیں تو اس وقت تم اُن سے لڑ سکتے ہو اور مسجد حرام سے باہر جو تمہاری طاقت ہو۔ اس سے بھی اُن پر حملہ کر سکتے ہو۔ پھر ایسے حال میں بھی اگر وہ تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو۔ ایسے نا قدر دانوں کی ایسی ہی سزا ہونی چاہیئے۔ پھر اگر وہ ٹل جائیں تو بلا شبہ اللہ غفور رحیم ہے

آگے لڑائی کی حد بتلائی کہ ان سے اس وقت تک لڑو جب تک جبر مذہبی اور روز کا ستاوا ختم ہو جائے اور تمام دین خدا کے لئے ہو جائیں یعنی ان کی جزا و سزا اسی کو سونپ دی جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں یعنی تعدی کرنے والوں کے سوائے اور کسی پر تعدی کرنے کا حق نہیں۔ جو شخص حرمت والے مہینے کی قدر کرے تم بھی اسکی قدر کرو اور اسی طرح دوسری حرمتوں کا بھی برابر کا بدلہ ہے یعنی جہاں کہیں کوئی شخص لڑنا مکروہ جانے تم بھی وہاں لڑنا پسند نہ کرو۔ پھر جو کوئی ان وقتوں اور جگہوں میں بھی تم پر تعدی کرے تو تم بھی اس تعدی کے مثل جو اُس نے تم پر کی ہے تعدی کر سکتے ہو اور ہر حالت میں اللہ سے ڈرتے رہو اور جانو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے

آگے فرمایا کہ جنگ کے لئے سامان تیار کرو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالو گے اور لڑائی سے دوسروں کو روکنے کے لئے اُن کے ساتھ احسان بھی کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

تمام الہامی کتابوں میں سے صرف ایک قرآن مجید ہی ہے کہ جس میں صفائی کے ساتھ فرمایا گیا ہے "لا اکراہ فی الدین" یعنی دین میں کوئی جبر نہیں۔ اور رسولؐ کو متنبہ کیا گیا ہے کہ "افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین" اور ارشاد ہے کہ "ما کنت علیہم بجبار" "ما انت علیھم بوکیل" "ما انت علیھم بحفیظ" اور "لا تسئل عن اصحاب الجحیم" اور لوگوں کو پکار کر کہا گیا ہے فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر، لکم دینکم ولی الدین اور لنا اعمالنا ولکم اعمالکم۔ یہ بھی فرمایا ہے۔ لیس علیک ھدٰھم ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ وما تنفقوا من خیر فلانفسکم وما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ ﷺ یعنی کافروں کو صدقہ دینے کی اس طرح تاکید کی گئی ہے کہ تجھ پر اُن کی ہدایت نہیں ہے ولیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو خیرات

کے ذریعے سے انسان سرد اور گرم موسموں کے لحاظ سے اپنے کام کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو دوسرے شہروں میں سفر کے لئے جاتے ہیں چونکہ ان کو رات کے ابتدائی حصہ میں اپنے جائے قیام سے اندر باہر جانے کی ضرورت پڑتی ہے اور وہاں کے رستوں کی اونچ نیچ سے وہ واقف نہیں ہوتے۔ اس لئے ضرور ہے کہ وہ کام جن میں سفر ضروری ہوتا ہے ایسے وقت میں کیا جائے جب کہ کم از کم آدھی رات تک خوب روشنی ہو اور انسان چل پھر سکے۔ حج میں بھی لوگ ملک کے دور دور حصص سے آتے ہیں اس لئے یہ چاند اُن کے لئے بھی مفید ہیں

ہاں یہ ہر حالت میں ضروری ہے کہ قدرتی اشیا سے معقول طور پر کام لیا جائے گھروں میں دروازہ کے راستہ ہی سے آنا چاہیئے۔ ان کی پیٹھ کی طرف سے آنا کوئی نیکی نہیں۔ ناک کو اگر ہاتھ لگانا ہو تو آگے کی طرف سے ہاتھ لانا چاہیئے گردن کے اوپر سے ہاتھ نہ لے جانا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ خاص میرا ہی ڈر رکھو اور کسی بزرگ کی بے موقعہ تقلید کر کے توہمات میں نہ پھنسو۔ اگر تم فلاح حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہر کام ٹھیک طور پر ہی بجا لاؤ۔

قرآن مجید نے جب قبلے کی اصلاح کی تو جبر مذہبی کرنے والے اشرار نے مسلمانوں پر تلوار اٹھائی۔ اس کے بعد بہت سی اور اصلاحیں بھی کی گئیں۔ اس پر وہ اور بھی مشتعل ہوئے اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو ایسے ظالموں کے مقابلہ کی اجازت دی۔ وہ ہر اصلاح کے بعد ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ حج میں ہر شخص کا حق ہے کہ اپنے فوائد کے حصول اور اپنے حقوق کی نگہداشت کے لئے حاضر ہو۔ اہلِ اسلام بھی جو اس ملک میں رہتے تھے ان کا بھی حق تھا کہ حج میں آکر اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔ لیکن کفار انہیں حج میں آنے نہیں دیتے تھے۔ اسلام نے اس سالانہ کانفرنس کے متعلق بہت سی اصلاحیں کیں اس کے بعد بھی انہوں نے بہت کچھ ستایا۔ حج کی اس اصلاح پر وہ اور بھڑکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد پھر کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم الخ آیات نازل ہوئیں۔ پھر مرد عورت کی اصلاحات کے متعلق بہت کچھ قرآن عظیم میں لایا گیا۔ ان اصلاحوں کے بعد پھر لوگوں کے ستانے اور جنگ کی اجازت کا ذکر ہے۔ اسی قاعدہ کے مطابق اس جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اللہ کے رستے میں یعنی جبر مذہبی کو مٹانے کے لئے اُن لوگوں سے لڑو جو تمہارے ساتھ لڑائی کرتے ہیں اور خود اپنی طرف سے تعدی نہ کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ تعدی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جب وہ مقابل آجائیں تو فرمایا کہ جہاں تم ان دشمنوں کو پاؤ قتل کرو۔ اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے تم انہیں نکال دو۔ اور یہ روز کا

بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسی ہی رعائتیں برتا کرتی ہیں؟ تمام قومیں آزاد ہیں جو امن سے بستی ہیں ان پر کوئی جبر نہیں، اور جن مشرکوں کے ساتھ عہد ہے ان کی طرف سے تسلی ہو سکتی ہے لیکن جو بار بار دھوکا دیں اور عہد توڑیں کیا انکا انتظام کرنا بھی منع ہے؟

مشرکوں کا تائب ہو کر نماز و زکوٰۃ کا ادا کرنا اپنے دل کی خوشی سے ہونا چاہیئے اور اگر کسی کو قرآن مجید کی تعلیم پر شبہات ہوں تو وہ امن حاصل کر کے قرآن مجید کو سن سکتا ہے اور پھر اُسے اس کے مامن تک پہنچایا جا سکتا ہے تاکہ اگر وہ ایمان لائے تو اپنے گھر میں جا کر ایمان لائے یا اپنی مرضی سے ہجرت کر کے چلا آئے چونکہ وہ لوگ اپنے رشتہ دار مومنوں کو بھی قابو پا کر قتل کر دیتے تھے اس لئے مسلمانوں کو ان کے ہاں بھیجنا اور اُن کے قابو میں دے دینا بالکل صحیح نہ تھا۔ اس کا ذکر بھی سورت برأت کے شروع ہی میں بیان کیا گیا ہے

یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ مشرک لوگ صرف قرآن مجید کو سُنکر ہی کافی طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ اُن کے لئے چار مہینوں کا کوئی حصہ ہی کفایت کر سکتا ہے جو کافی طور پر قرآن پاک کو سمجھ لے اُس کے ساتھ مخالفت کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی لیکن ہمارے بڑے بڑے علماء ہونے کے دعویدار ساری عمر کی کوشش سے کافی فہم حاصل نہیں کر سکتے۔ بلکہ آج تک برسر جنگ ہیں۔ وہ کلام اللہ کے ساتھ بیشمار حدیثوں کو بھی ملاتے ہیں۔ اُن کے لئے نرا قرآن کفایت نہیں کر سکتا

یہ تو اُن مشرکوں کا حال ہے جنہوں نے بار بار عہد توڑا اور جو آگے کو بھی عہد شکنی سے نہیں ڈرتے لیکن جن مشرکوں نے عہد نہیں توڑا تھا اللہ تعالےٰ اسی جگہ اُن کے متعلق فرماتا ہے کہ ان کا عہد اس مدت تک پورا کرو جب تک وہ عہد پر قائم رہیں۔ بلاشبہ اللہ متقیوں کو پیار کرتا ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔ جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں، تم ان کے ساتھ سیدھے رہو، بلاشبہ اللہ متقین کو دوست رکھتا ہے۔

اس سے ثابت ہُوا کہ عہد کو نہ توڑنے والے مشرکوں اور امن سے بسنے والے مشرکوں کے ساتھ کوئی پرخاش نہیں ہونی چاہیئے۔ پس وہ مشرک جنہیں مسجد حرام کے پاس آنے سے روکا گیا ہے وہ بار بار عہد کو توڑنے والے ہی مشرک ہیں ورنہ اللہ تعالےٰ سورۂ مائدہ کے شروع میں فرماتا ہے کہ تم کو کسی قوم کی دشمنی جنہوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تھا اس بات پر نہ اُبھارے کہ تم بھی تعدی کرو۔ یہ اُسوقت کے متعلق حکم ہے جب مسلمانوں نے مکہ کو فتح کر لیا تھا۔

کے مال کو خرچ کرتے ہو۔ اس کا فائدہ تمہارے لئے ہے اور تم اللہ کی رضامندی چاہنے کے لئے ہی خرچ کرتے ہو۔ الخ

خود مشرکین کے ساتھ عہد و پیمان کئے جاتے تھے۔ عہد و پیمان کی پابندی کو ظاہر الفاظ کے مطابق خیال رکھنے اور نباہنے پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ دنیا میں آجکل جو لوگ اعلیٰ تہذیب کے مدعی ہیں اُن کے تحریری پختہ قول و قرار پر اس قدر اعتبار نہیں کیا جا سکتا جس قدر قرآن مجید کی ماتحتی میں ایک سچے مسلمان کے زبانی اشارہ پر بھروسہ رکھا جا سکتا ہے۔ عہد کی پابندی کا یہاں تک لحاظ ہے کہ اگر ایک ایماندار سلطنت کے ساتھ ہمارے عہد والے کافروں کی دینی جنگ ہو پھر بھی ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے عہد والے کافروں کے مقابلہ پر اپنے مومن بھائیوں کی مدد نہ کریں۔ اگرچہ اُن کافروں نے مومنوں کے ساتھ جبر مذہبی کر کے خود ہی جنگ سہیڑی ہو۔ یہ باتیں قرآن پاک میں ایسی صفائی کے ساتھ بیان کیگئی ہیں جنمیں کسی تاویل کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی

جن مشرک اقوام کے ساتھ عہد کئے جاتے تھے ان میں سے اکثر قومیں اپنے عہدوں کو ہر دفعہ توڑ دیتی تھیں اور عہد کے توڑنے سے نہیں ڈرتی تھیں مشرک حکومتوں کے اپنے اپنے عہدوں کو توڑنے کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے۔ آخر جب ثابت ہُوا کہ اُن کے عہدوں کا کوئی اعتبار نہیں اور ان کے آگے عہد و پیمان بلکہ ایمان کی بھی کوئی حقیقت نہیں تو مجبور ہو کر ایسی خود مختار مشرک اقوام کو چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ تاکہ اگر وہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں تو یہ بھی تجربہ کر کے دیکھ لیں اور اگر نہیں تو وہ ماتحت ہو کر رہیں اور امن سے زندگی بسر کریں۔ لیکن اگر اپنی الگ حکومت قائم رکھنا چاہتے ہیں جیسا کہ اُس وقت بعض مومن قومیں اپنی الگ حکومت رکھتی تھیں اور مرکزی حکومت کے ماتحت نہ تھیں تو یہ بھی انہی کی طرح تائب ہو کر نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیں۔ تاکہ ثابت ہو کہ انہوں نے جبر مذہبی اور دشمنی کو چھوڑ دیا ہے اور اگر وہ ایسا کرینگے تو ان کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں دیا جائیگا اور اُن کے رستے خالی کر دیئے جائیں گے۔ اسلام کا اصلی مقصد صرف یہی ہے کہ تمام لوگ نیک اور امن پسند بن جائیں۔ یہ ہرگز منظور نہیں ہے کہ ہر بات میں کسی ایک بشر ہی کے مقلد ہو جائیں۔ ان کی حکومتوں کو قائم رکھنے کے لئے اسلام کی طرف سے اُن کے ساتھ یہ ایک خاص رعایت تھی ورنہ وہ اس لائق تھے کہ جب انہوں نے کئی بار عہد توڑنے کے بعد پھر بھی نقض عہد کیا تو اطلاع دے کر فوراً اُن پر حملہ کر دیا جاتا اور انہیں اپنے تحت میں لایا جاتا۔ یہ چار مہینے کی مہلت دینا بھی ایک اور رعایت تھی، کیا دوسری قومیں

محمد اللہ کا رسول ہے۔ اور وہ لوگ جو اس کے ہمراہ ہیں ان کفار پر اُن کا وجود شاق گذرتا ہے (اس لئے) کہ وہ آپس میں رحماء (اور ایک دوسرے کے آگے اذلہ) ہیں۔ تو انہیں جھکتے، سجدے کرتے دیکھتا ہے وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں۔ اُن کے چہروں سے اللہ کے آگے ساجد رہنے کے سبب عجیب شان ظاہر ہوتی ہے۔ تورات میں اُن کی یہی مثال ہے۔ اور انجیل میں اُن کی مثال اس طرح پر ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو۔ اس کھیتی نے اپنی سوئی نکالی۔ پھر اُسے مضبوط کیا۔ سو وہ سوئی موٹی ہوتی اور اپنے ڈنٹھل پر ٹک گئی وہ کھیتی والوں کو خوش لگتی ہے تاکہ ایسے (خیال والے) کفار (انکی ترقی کو دیکھ کر) جلیں۔ الخ

مسلمانوں نے صبر پر قائم رہ کر اور لوگوں کی بدیوں کے عوض نیکیاں کر کے ترقیات حاصل کیں۔ کفار کو چاہیئے تھا کہ وہ بھی نیکیاں کرنے میں نیکوں کے ساتھ شریک ہوتے اور خود بھی اقبال میں حصہ لیتے۔ اب مومنوں کی ترقی کو دیکھ کر اور مخالف ہو کر جلنا خود اُن کی اپنی شرارت ہے۔ اسمیں مومنوں کا کیا قصور۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اَشِدَّاءُ کے معنے سختی کرنے والے کے ہیں یہ قطعاً غلط ہے لوگ قرآن مجید کے اصلی معنوں کو سامنے لانے کے بغیر اعتراض جڑ دیتے اور حقیقت سے بہت دُور جا پڑتے ہیں۔ اَشِدَّاءُ جمع ہے شدید کی۔ شدید کے معنے سختی کرنے والے کے نہیں ہیں بلکہ شدید وہ ہے جو اپنی ذات میں مضبوط اور قوی ہو جس کو ہضم کر جانا سہل نہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ مومن اس وقت اپنی مضبوطی کے سبب کفار کے اشرار پر شاق گذرتے تھے۔ اس وقت ان پر دانت چلانا ایسا تھا جیسا کہ لوہے کے چنوں پر دانت مارنا جو صفات آگے بیان کی گئی ہیں وہ مومنین کی مضبوطی کی دلیل ہیں۔ اُن کے یہ معنی نہیں کہ وہ کفار پر بھی رحم نہیں کرتے۔ ان کی اصل مضبوطی کا باعث کفار کے مقابلہ میں خود انکا اپنا دلی اتحاد و اخلاص تھا۔ اب بھی تمام دنیا انہی صفات سے ترقی کر سکتی ہے ہر قوم کو خود ترقی کرنا چاہیئے اور کسی کی ترقی میں آڑے بننا اور رکاوٹ نہ ڈالنی چاہیئے۔ یہ بڑی خوبی کی بات ہے کہ تمام درخت پھلے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ ایک شاخ کو تروتازہ رکھا جائے اور دوسری شاخوں کو سکھا دینے میں اپنی بڑائی سمجھی جائے۔ جب تک دنیا کے دل میں صفائی اور سچا انصاف نہ ہوگا وہ ہمیشہ مصیبت میں پھنسی رہے گی۔ بنیادی اصلاح دنیا کا کچھ سنواریگی۔ منافقانہ اصلاحیں ہمیشہ نفاق ہی پیدا کرتی رہینگی اور ایک دوسرے کا کھوٹ ہمیشہ معلوم ہوتا رہیگا جو دشمنی کے بڑھانے کا موجب ہوگا

جن مشرکوں کو مکہ میں آنے سے روکا گیا وہ باغی مشرک تھے ورنہ اگر مشرکوں کے ساتھ کوئی ظاہری نجاست ہوتی تو خدا تعالےٰ کیوں احسان جتلاتا کہ ہم نے تم کو امن والے حرم میں جگہ دی ہے؟ مشرکوں کو اپنا نیک نمونہ دکھلا کر شرک سے بیزار کیا جا سکتا ہے نہ کہ کسی جبر سے۔ اگر جبر کی کوئی ضرورت ہوتی تو یہ کبھی نہ فرمایا جاتا کہ اے مومنو! تم ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ مطلب یہ کہ راہبوں، بوڑھوں، عورتوں، بچوں کے ساتھ کوئی تعرض نہ کرو۔ صرف اُن لوگوں سے لڑو جو تمہارے مقابلہ کے لئے آتے ہیں اور اگر وہ صلح کی طرف جھک جائیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ۔ ہاں اگر ان کے بار بار عہد توڑنے سے یقین ہو جائے کہ اب ان کے لئے کوئی عہد و قسم نہیں تو پھر صلح کی طرف مت جھکو۔ اس وقت یہ صلح ایک بہانہ ہے۔ جس میں کسی اصلیت کا گمان تک بھی نہیں

بے کتاب مشرکوں پر وہ لوگ مقدم ہیں جو کسی الہامی کتاب کے پیرو ہیں۔ جو اہلِ کتاب کافر ہوں اور بار بار عہد توڑیں وہ اگر ایمان نہ لائیں تو ان کی حکومت جزیہ دینے پر بھی قائم رہ سکتی ہے۔ جزیہ کام کرنے والے لوگوں سے لے کر بھیجا جائے۔ بیماروں اور لاچاروں سے نہیں لینا چاہیئے۔ اگر جزیہ دینے والی حکومتیں سرکشی کریں تو اس جزیہ سے ان کی سرکوبی کے لئے فوج رکھی جائیگی۔ یہ حکومتیں مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے کسی تجویز میں حصہ نہیں لے سکتیں

مسلمان پہلے بہت کمزور تھے۔ کافر ہر طرح سے کوشش کرتے تھے کہ انہیں مٹا دیں لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے اور اپنی سچی تعلیم کے سبب مسلمانوں کے اندر ایک زندگی پیدا کر دی۔ وہ دمبدم ترقی کرتے گئے آخر جب اُن کی کثرت ہو گئی اور وہ خوب طرح سے مضبوط ہو گئے تو کافر اُن کے دین کے مٹانے سے مایوس ہو گئے۔ اس وقت کفار اُن کی مضبوطی کو دیکھکر جلتے تھے کہ یہ کیا ہو گیا۔ مسلمانوں میں بہت سی خوبیاں اور مضبوطیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ مثلاً

(۱) انکا آپسمیں بڑا اتحاد تھا۔ ان میں باہمی سچی الفت و محبت اور رحمت پیدا ہو گئی تھی

(۲) وہ اللہ تعالےٰ کے آگے ہر وقت جھکے رہتے اور سجدہ کرتے تھے

(۳) وہ اللہ تعالےٰ کے فضل اور رضامندی کے ہر وقت طالب رہتے تھے

(۴) ساجد رہنے کے سبب اُن کے چہروں میں نور چمکتا تھا اور انکی صورت سے ایسا بھروسہ اور توکل ٹپکتا تھا جس سے شرارت پیشہ لوگ دہل جاتے تھے

یہ رسولِ کریمؐ کی صداقت کی دلیل تھی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ:-

شہر مکہ کے لوگ اور باہر سے آنے والے لوگ یکساں ہیں۔ ہر ایک کو رائے دینے کا حق یکساں ہے مکہ والوں کے لئے دوسروں پر کوئی سبقت نہیں کیا لوگ انہیں منافع کے حاصل کرنے کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ کیا انہوں نے اپنے ملکوں کو آراستہ کرلیا ہے؟ عرب والوں نے آج تک عرب کا کیا سنوارا۔ کیا انہوں نے ملک میں علم کو عام کردیا ہے؟ کیا انہوں نے اپنی روزی کے سامان اپنے ملک سے پیدا کرلئے ہیں؟ کیا تجارت میں انہوں نے کسی ملک پر فوقیت حاصل کی ہے؟ جو کچھ ان کا گذارہ ہے وہ بہت کچھ انہیں دوسرے ممالک کے لوگوں سے روپے حاصل کرکے ملتا ہے۔ وہ لوگ اپنے آپ میں اپاہج بنتے چلے جاتے ہیں۔ لوگ حج کی جو خوبیاں بیان کرتے ہیں کہ اس سے عشق و اخلاص پیدا ہوتا ہے سو انسان اپنے گھروں میں ان خوبیوں کو پورے طور پر حاصل کرسکتا ہے۔ ہاں اکٹھ کے فوائد مشورے کے بغیر نہیں مل سکتے۔ مگر افسوس لوگوں نے اسکی طرف سے پوری غفلت اختیار کر رکھی ہے

مکہ کے باہر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان ایک بڑا وسیع میدان ہے، اُسے عرفات کہتے ہیں۔ عرفات دراصل عرفہ کی جمع ہے۔ عرفہ کے معنے ہیں خوب واقف و شناسا ہونا۔ چونکہ اس میدان میں ایک پہاڑی پر اور اس کے نزدیک مختلف شہروں کے ڈیلیگیٹ جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو معلومات و معروفات سے واقف کرتے ہیں اور قابل بحث امور کا فیصلہ کرکے مسجد حرام میں جا کر تمام لوگوں کو اپنے فیصلوں سے واقف کرتے ہیں اس لئے اس میدان کا نام عرفات مشہور ہو گیا ہے اور جس پہاڑی پر صدر یا امام اپنے نمائندوں کی شمولیت میں متعلقہ امور کا فیصلہ کرتا ہے اُسے مشعر الحرام کہا جاتا ہے۔ المشعر الحرام کے معنے ہیں، حرمت والی جائے شعور یا معقول و باحرمت نشان۔

عرفات اور المشعر الحرام کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہیں نئی نئی باتیں معلوم کرنے اور مشورے پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ میدان اس لئے عرفات کہلاتا ہے کہ آدم علیہ السلام آسمان سے لنکا میں گرے تھے اور حضرت حوا جدہ میں گری تھیں جب وہ عرفات میں آکر ملے تو انہوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ یہ قصہ سرتاپا غلط ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام زمین میں خلیفہ بنائے گئے تھے اس کے مدت بعد انہیں ان کے امن کی حالت سے نکالا گیا اور کہا گیا کہ یہاں سے نکل کر کسی دوسری جگہ میں جا بسو۔ پس اُن کا آسمان سے اتنے فاصلے پر گرنا اور پھر عرفات میں آکر ملنا یقیناً باطل ہے۔ اُن کا اهبطوا اسی قسم کا تھا جس طرح بنی اسرائیل کو اهبطوا مصرا فرمایا گیا ہے

اغراض اس جگہ تک جنگ کے منصفانہ قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ جنگ کو مٹانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ملک میں ایک متحدہ سالانہ کانفرنس قائم ہو ایسی کانفرنسوں سے لوگوں میں حریت و مساوات پیدا ہوتی اور ایک قوم کو دوسری قوم سے جو وحشت ہوتی ہے وہ دور ہو جاتی ہے۔ ہر قوم کے لوگ اکٹھے ہو کر اپنے حقوق طلب کر سکتے ہیں۔ لوگ مسلمانوں کو اس حج میں شامل ہونے سے روکتے تھے تاکہ یہ دوسری قوموں پر اپنا اثر نہ ڈال سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے ساتھ اکثر حج کا بھی آگے پیچھے ذکر آتا ہے جیساکہ اس جگہ بھی ساتھ ہی حج کا ذکر آیا ہے

خدا تعالےٰ نے خانہ کعبہ یعنی مسجد حرام کو جو دوسری مساجد کے لئے ایک نمونہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے مثابۃً اور امناً یعنے اکٹھ کی جگہ یا ایک سالانہ کانفرنس کا موقعہ اور آپس کے امن یعنی حصول حریت و مساوات کا ذریعہ بنایا ہے۔ مناسک کے معنے اصلاح کے طریقے اور اصلاح کی جگہیں ہیں۔ مسجد حرام بھی ایک منسک یعنی اصلاح کی جگہ ہے۔ مومنوں کے تمام کام مشورے سے ہوتے ہیں۔ ایسے اکٹھ کے موقعہ پر وہ کام کرنے چاہئیں جن میں اکٹھ کی ضرورت ہو۔ ایسے کاموں میں اپنے اعلےٰ افسر کی اجازت کے بغیر کہیں جانا نہیں چاہیئے۔ یہ ایک بہت بڑی مجلس ہے اسمیں تمام دوسری مجالس کی طرح اپنے صدر کے انتظامی حکموں کا ماننا ضروری ہے

اللہ تعالےٰ نے نجوے اور کمیٹیوں کے اغراض و مقاصد کے متعلق فرمایا ہے کہ ان میں صدقہ اور معروف باتوں اور اصلاح بین الناس کے متعلق فیصلے ہوں۔ حج کے اغراض و مقاصد کے متعلق ارشاد کیا ہے کہ یبتغون فضلاً من اللہ و رضوانا لوگ حج میں اللہ کا فضل اور رضامندی طلب کرتے ہیں اور فرمایا کہ تعاونوا علی البر و التقویٰ یعنی سلوک اور تقوےٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور حکم کیا کہ تزودوا فان خیر الزاد التقویٰ یعنی حج میں کچھ سامان حاصل کرو اور بلاشبہ اچھا سامان تقوےٰ ہے۔ حج میں ہر قسم کے منافع حاصل کرنے چاہئیں (لیشھدوا منافع لھم) اگر حج میں صرف توہم پرستی اور بزرگ پرستی وغیرہ حاصل ہوتی ہیں تو ایسے حج کا کوئی فائدہ نہیں۔ کنکر مارنے اور حجر اسود کو چومنے اور قربانیوں کو دبا دینے اور وہاں کے مٹی پانی کو لانے وغیرہ رسوم کا قرآن مجید میں نہ کوئی ذکر ہے اور نہ ان میں سوائے توہم پرستی کے کوئی نفع ہی دکھلائی دیتا ہے۔ جس پر لوگ حاضر ہوں

خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے مسجد حرام کو ملک کے انتظام و قیام کا باعث بنایا ہے۔ یہاں بہت سی برکتیں حاصل ہوتی ہیں تمام قوموں کو وہاں سے راہنمائی حاصل ہوتی ہے اور مناسب ہدائتیں ملتی ہیں۔ اس جگہ

اسحاقؑ کے بعد دوسرا بیٹا یعقوبؑ ہوگا۔ حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے یعقوبؑ ان کا پوتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی پیشگوئیوں کا مطلب بولی کے مطابق ظاہرالفاظ ہی سے سمجھتے تھے ممکن ہے کہ اسی غلط فہمی کی وجہ سے انہوں نے اپنے خواب کی تعبیر کے معلوم کرنے میں بھی غلطی کھائی ہو۔ انہوں نے اپنے خواب کو ظاہری الفاظ کے مطابق پورا کرنا چاہا۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اُن کو اس کے ضرر سے بچا لیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت غلطیوں سے اپنے بندوں کو جب مناسب سمجھتا ہے، بچا لیتا ہے۔ انا کذٰلک نجزی المحسنین ۲۳

جب کوئی نیک آدمی اپنے خواب میں دیکھتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں تو اگر وہ اپنے نیک بیٹے کو ذبح کر دے تو اس سے اُس بیٹے کی زندگی ختم ہو جائے گی اور اُس کی حیاتِ طیبہ کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہے گا۔ انسان کی قربانی کے خواب کی یہ تعبیر لینا کہ اُسے بلاوجہ قتل ہی کر دیا جائے قطعاً غلط ہے۔ نیک انسان کو جسے با اخلاق بنانا ضروری ہوتا ہے خدا تعالےٰ اپنے وحی سے کبھی بچہ کشی کا حکم نہیں دیگا۔ اگر کسی کو خدا تعالےٰ کی طرف سے اپنے نیک بچہ کے ذبح کرنے کا خواب دکھلایا جائے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اسے خدا تعالےٰ کی رضامندی کے کاموں پر لگایا جائے اور اُسے خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں بیچ دیا جائے وہ بچہ خدا تعالےٰ کی راہ میں ہمیشہ قربان ہوتا ہے یہ ایک ایسی قربانی ہے جس سے وہ بچہ خود بھی ترقی کرتا رہتا ہے اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی مفید بنتا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی یہی تعبیر تھی۔ خواب کو ظاہری الفاظ کے مطابق پورا کرنا صحیح نہ تھا۔ مگر نیک نیتی کے سبب سے حضرت ابراہیمؑ اور اُن کا بیٹا خواب کو ظاہری الفاظ کے مطابق سچا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ خدا تعالےٰ نے ان کو ایسی غلطی کے ضرروں سے بچا لیا۔ اور فرمایا کہ تو نے تو خواب کو اُس کی تعبیر دریافت کرنے کے بغیر ہی سچا کر دیا یعنی سکھلایا کہ ظاہر خواب پر نہیں بلکہ اس کی اصل تعبیر پر عمل کرنا چاہیئے تھا

پھر اللہ تعالےٰ نے اصل تعبیر کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کو مضر قتل سے بچا کر ذبحِ عظیم یعنی بڑی قربانی بنایا۔ وہ ہر وقت قربانی بنے رہے۔ یہی اصل قربانی ہے کسی اونٹ یا مینڈھے کو ذبح کر دینا ذبحِ عظیم نہیں ہے۔ اس واقعہ کا جانوروں کے ذبح کرنے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں مگر قصہ گوؤں نے اسے اسی رنگ میں رنگ لیا ہے۔ اسی بنا پر حج میں نسلِ حیوانات کی خوب تباہی ہو رہی ہے

حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خواب کی حقیقت پہلے نہیں پہچانی جب انہوں نے خواب پر بظاہر الفاظ عمل کرنا چاہا تو بعد میں خدا تعالےٰ نے بتلایا کہ یہ تیری غلطی تھی۔ سو جب ان دونوں

کوئی کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میدان میں اپنے خواب کی اصلیت کو معلوم کیا اور پہچانا۔ یہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملک شام میں آیا تھا۔ اس کا عرفات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اس زمین کی طرف ہجرت کی جس کی صفت میں آیا ہے کہ بارکنا فیہا للعالمین ۱۷/۵ ۹/۹ ۲۲/۸ تو اس ہجرت کے بعد ہمیشہ ان پر اسحٰق و یعقوب علیہما السلام کے بخشنے اور انعام کرنے کا ذکر کیا ہے حضرت اسمٰعیلؑ کا کہیں نام نہیں لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ جو حضرت اسحٰق علیہ السلام سے بڑے تھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شروع بڑھاپے میں اُس وقت پیدا ہوئے تھے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ظاہر طور پر اولاد کی طرف سے مایوسی نہیں تھی۔ پھر حضرت اسماعیلؑ کی والدہ بانجھ بھی نہ تھیں۔ لیکن حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اُس وقت پیدا ہوئے جب کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے ہاں بیٹے کے ہونے کو عجیب جانتے تھے اور حضرت اسحاقؑ کی ماں اُس وقت تک عجوز عقیم تھیں۔ خدائے حکیم نے اُسوقت انہیں جننے کے لائق بنا دیا حضرت ابراہیمؑ جب حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کے شہر میں بسا آئے تو اُس وقت ان کو اپنے ملک سے شام کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک بیٹے کی دعا کی تاکہ وہ انکے سخت بڑھاپے میں کام آئے۔

حاصل یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خواب میں اس بیٹے کے ذبح کرنے کو دیکھا تھا جو ہجرت کے بعد پیدا ہوا اور جس کے لئے آپ نے دعا کی اور جس کی پیدائش کے متعلق آپ نے اپنے بوڑھے ہونے کا عذر کیا۔ اور اس کی پیدائش کو عجیب جانا۔ سورت صافات میں پہلے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ فبشرناہ بغلام حلیم اور نتیجہ میں فرمایا کہ جس بیٹے کی ہم نے پہلے خوشخبری دی تھی وہ اسحٰق علیہ السلام تھا۔ اور آگے فرمایا کہ ہم نے ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ دونو پر برکت کی۔ اگر اس قصہ میں اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر ہوتا تو اُن کو اس برکت سے کیوں علیحدہ رکھا جاتا حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر قرآن پاک میں بطور مستقل رسول و نبی کے الگ کیا گیا ہے

سورت ہود میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت سارہؑ کو اسحاقؑ کی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی خوشخبری دی۔ وہ بولیں کہ کیا میں جنوں گی؟ حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور میرا خاوند بھی اس حالت شیخوخت میں ہے یہ تو ایک عجیب بات ہے ۱۲/۱۱ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سارہؑ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نے پیشگوئی کے ظاہر الفاظ کے مطابق یہ سمجھ لیا تھا کہ ہمارے ہاں دو بیٹے ہونگے ایک حضرت اسحاقؑ اور

کرنیوالے کو بذریعہ دو عدل والے منصفوں کے سزا دی جاتی ہے ؎

دعوتیں جس جگہ ایسے اجتماع ہوں گے اگر اسی جگہ سے کھانے پینے وغیرہ کا سامان حاصل کیا جائے تو اس جگہ قحط پڑ جائے گا اور غربا مصائب میں پھنس جائیں گے۔ لوگ حسب حیثیت جانور اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اونٹوں وغیرہ پر سوار ہوتے۔ خوراک اور کپڑے بھی لاد لیتے۔ ان جانوروں کو بھی شعائر اللہ کہتے تھے۔ کیونکہ وہ خدا تعالےٰ کے نام پر وقف کئے ہوتے تھے۔ ان کے گلوں میں گانیاں وغیرہ ڈال دیتے تھے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ مسافروں اور فقیروں کی خوراک ہیں۔ یہ اس وقت کسی خاص آدمی کی ملکیت نہیں۔ ان کو لوٹنا خدا تعالےٰ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ ایسے جلسے تمام لوگوں کے مشترکہ کام ہوتے ہیں۔ چور ڈاکو اس لئے بھی خائف تھے کہ سب لوگ خواہ مخواہ ہمارے دشمن بن جائیں گے وہاں جا کر لوگ ان کے گوشت کی ایک دوسرے کو دعوتیں دیتے تھے۔ اس کھانے پینے کے علاوہ کوئی ایسا بکرا یا اونٹ ذبح نہیں کیا جاتا تھا۔ جس کو دبا کر یا جلا کر اس کا گوشت و خون خدا تعالےٰ کو پہنچایا جائے۔ اللہ تعالےٰ خون کا پیاسا نہیں۔ وہ کسی جانور کے خون سے خوش نہیں ہوتا۔ انسانوں کی بہتری کے لئے انہیں ذبح کیا جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ کو خون بہتے دیکھنا منظور نہیں بلکہ خوفِ الٰہی اور تقویٰ کے مطابق معقول فائدہ اٹھانا مقصود ہے۔ افسوس کہ لوگ ان جانوروں پر غیر اللہ کے نام پکارا کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ محض خالق کا نام ہی لو۔ جس نے انہیں تمہارے فائدہ کے لئے بنایا ہے نہ ضائع کرنے کے لئے۔ لعلکم تشکرون۔

یہ طریقہ بہت خوب ہے کہ اپنے مصارف و ضروریات کا خود ہی انتظام کریں۔ ہمارے لئے یہ ٹھیک نہیں کہ انجمنوں کی دیگیں خالی کرنے جائیں مزہ ایسے ہی جلسوں میں شامل ہونے کا ہے جن میں اپنی گرہ سے خرچ کریں اور انجمنوں کو اپنے مالوں سے مدد دیں اور اگر ہو سکے تو اپنے معلومات سے بھی انہیں مستفید کریں۔

فنڈ مجالس کے لئے اپنی کارروائی شائع کرنے اور علم پھیلانے اور مشترکہ قومی کاموں کے بجا لانے کے لئے فنڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔ حج کی کمیٹی کے لئے بھی ایسے مصارف کو بجا لانے کی خاطر مبلغات کی بڑی ضرورت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ میری نذروں کو وہاں پہنچاؤ (ولیوفوا نذورھم)۔ عرب والوں نے اس فنڈ کا کبھی ایسا استعمال نہیں دکھایا جس سے دنیا سبق سیکھے۔ اس فنڈ سے عرب خوشحال ہو سکتا تھا۔ مکہ کا شریف اسے اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر اپنے ساتھ ہی لے گیا۔ افسوس،

شہروں کا عرفات اور المشعر الحرام کے ساتھ کوئی علاقہ ہی نہیں تو کیا وجہ ہے کہ عرفات اور المشعر الحرام سے یہی فائدے حاصل نہ کئے جائیں جو ان لفظوں سے بصفائے تمام ظاہر ہوتے ہیں۔

حج کی اس دعا (ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں حج میں دنیا کی خوبیاں اور آخرت کی خوبیاں حاصل کرنا لازم ہے لیکن اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اس دعا کا فائدہ اُن کو ہوگا جو اللہ تعالےٰ کی رضامندی کو مدنظر رکھ کر اس دعا کے مطابق عمل بھی کریں۔ اولئک لھم نصیب مما کسبوا۔ واللہ سریع الحساب دنیا و آخرت کی خوبیاں دوسرے شہروں والے لوگ اپنے گھروں میں بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ ۲۴ حج کے اکٹھ کا خاص فائدہ یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رضامندی کے ماتحت ملک کے چیدہ تجربہ کاروں کے معلومات سنے جائیں اور سمجھدار لوگوں کے مشوروں سے کام لیا جائے۔ حج والے بلاشبہ ضرور ایسے ہی ہونے چاہئیں جنکے حال پر آیت ذیل چسپاں ہوسکے

وھدوا الی الطیب من القول۔ وھدوا الی صراط الحمید ۲۲

یعنے ان لوگوں کی راہنمائی پاک باتوں کی طرف کیگئی اور ان کی راہنمائی حمد والے خدا کے رستے کی طرف کی گئی

موسم حج صحت بخش موسم میں ہونا چاہئیے۔ اس کے لئے ضرور ہے کہ شورے کے ذریعہ سے وقت مقرر کیا جائے اور اس کی اطلاع تمام ممالک میں دیجائے اسی لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ حج (جیسی کانفرنسوں کے مہینے) معلوم مہینے ہوں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا نوٹس دیا۔ ایسے جلسوں میں لوگ اپنے حقوق کے طلب کرنے اور اپنے منافع پر حاضر ہونے کے لئے خود ہی اپنی خوشی سے حاضر ہوتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ خود ہی تیرے پاس (یا تیری جگہ کسی اور امام کے پاس) دور راستوں سے پیدل چل کر اور سانڈنیوں پر سوار ہو کر آئینگے تاکہ اپنے نفع کے کاموں پر حاضر ہوں

شکار ہر کام اعتدال کے ساتھ کرنا مناسب ہے۔ پہلے شکار کے متعلق اعتدال کا حکم دیا مکہ والے اعتدال کے ساتھ اپنے اردگرد کے میدانوں میں شکار کر سکتے ہیں۔ لیکن جب تمام ملک کے لوگ اکٹھے ہوں اور ایسے اجتماع کے وقت اگر شکار کی اجازت دی جائے تو یہ سخت بے اعتدالی ہوگی اور یوں ایک دو سالوں میں ہی مکہ کے شکار معدوم ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے وقت میں شکار

صحیفۂ فطرت اور مشاہدہ و تجربہ کی قوت پہلے ہی سے عطا فرمائی ہوئی ہے۔ اب اگر اللہ تعالےٰ وحی کے ذریعہ سے کام لے گا تو وہ عقل والوں کو زیادہ عقل والا بنائے گا۔ نہ کہ فضول رسموں میں پھنسا دیگا وحی عقل کی تصدیق کرنے کے لئے اور عقل والوں کے اختلاف مٹانے کے لئے اور عقل والوں کو ترقی پر پہنچانے کے لئے ہوتی ہے نہ کہ الٹا ترقی معکوس کرانے کے لئے۔ اور بلندی سے پستی میں گرانے کے لئے۔ وحی والا اعلیٰ حکمت والا یا یوں کہو اعلیٰ درجہ کی خیر کثیر والا بنتا جائیگا۔ جمود تو بہرصورت بُرا ہے پھر جاہلیت پر جمود اختیار کرنا کیسے بُرا نہ ہوگا؟

حاصل یہ ہے کہ کفار حج اور عمرہ کو رسمی طور پر بجالا کر اُسے نیکی سمجھتے تھے۔ اور اسی لئے انکا خیال تھا کہ حج کے ساتھ اگر عمرہ کیا جائے تو یہ دُہری نیکی ہوگی مکہ اور اُس کے قرب و جوار کے لوگ حج کے ساتھ عمرہ بھی کیا کرتے تھے۔ اور اسے نیکی خیال کرتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے المسجد الحرام کے قرب و جوار کے رہنے والوں کو قطعاً بند کردیا کہ وہ حج کے ساتھ عمرہ کریں۔ اُن کے لئے سارا سال موجود ہے وہ دوسرے وقت میں اگر کوئی اصلاح پیش کرنا چاہیں یا اپنے کسی حق کو خاص کمیٹی کرکے دوسرے حج کی کانفرنس کے لئے محفوظ رکھیں تو وہ سال کے کسی اور حصے میں ایسا کرسکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ دُور کے شہروں سے آئے ہوں وہ اگر کسی نئی اصلاح کے پیش کرنے کے لئے یا اپنے حقوق پر مناسب زور دینے کے لئے عمرہ کی خاص کمیٹی کریں تو اُن کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ کچھ نذرانہ پیش کریں یا تین روزے حج میں اور سات روزے گھر میں واپس آکر رکھیں اور اس طرح سے دس روزے پورے کرلیں اس لئے اُن کو دھیان رہیگا کہ کسی بات کو رسمی طور پر بجا نہ لائیں بلکہ ہر بات کو محض تقوےٰ کے مطابق ہی کریں یہی وجہ ہے کہ حج میں بار بار تقوےٰ کی تاکید فرمائی گئی ہے جیسا کہ نکاح و طلاق وغیرہ امور میں بھی۔

اس آیت میں بظاہر الفاظ مذکورہ بالا تین اصلاحات فرمائی گئی ہیں۔ ان اصلاحات کا آپس میں یہ تعلق ہے کہ پہلے فرمایا کہ جب تم حج یا عمرہ کو اپنے ذمہ لو اور اُن کا اہتمام کرنا چاہو تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ان کا اہتمام کرو۔ اور اگر تم مرض کے سبب یا دشمنوں کی مزاحمت کے باعث یا کسی اور سبب سے حج اور عمرہ سے روکے جاؤ تو جو تمہیں میسر ہے اس کانفرنس کے فنڈ میں کچھ نذرانہ بھیجدو۔ اور اس نذرانہ سے پہلے جو تم بھدرا کراتے ہو اُسے ترک کردو۔ ہاں خوفِ خدا کے ساتھ سر منڈالو تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس رسم کی بُرائی کو مدنظر رکھنے کے لئے مناسب صدقہ دو یا کچھ روزے رکھو یا کوئی عبادت ہی کرلیا کرو۔

ایسے جلسوں میں جو نقص پیدا ہو گئے تھے، قرآن مجید ان کی اصلاح کرتا ہے۔ تمام ملکوں اور حکومتوں کو سکھاتا ہے کہ کس طرح جلسوں کو پلیدگیوں سے پاک کیا جائے۔ اس رکوع کی آخری آیت میں کئی اصلاحیں کی گئی ہیں:-

(ا) لوگ ایسے جلسوں کو بزرگوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کی عزت دکھانے کے بجائے اُن کا اصل مقصود یہی ہوتا ہے کہ وہ بزرگ ہی اصل سمجھے جائیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ ایسے جلسوں کے متعلق فرماتا ہے کہ جب تم حج یا عمرہ کو اپنے ذمہ لو پھر ان کا اتمام کرنا چاہو تو وہ اتمام محض اللہ تعا کی رضامندی ہی چاہنے کے لئے ہو اور بس۔

(۲) مشرکوں میں ایک رسم ہے کہ پہلے بھدرا کرتے یعنی سر منڈاتے ہیں۔ پھر دان پُن کرتے ہیں اُنکا خیال ہے کہ جن گھروں میں کسی کے جننے یا مرنے کے وقت سروں پر بال ہوتے ہیں اُن کی موجودگی میں دان پُن پھل نہیں دیتا۔ اللہ تعالےٰ نے اس رسم کو دُور کر دیا اور فرمایا کہ دان پن کرنے سے پہلے سر نہ منڈاؤ۔ قرآن پاک میں لا تحلقوا رؤسکم آیا ہے۔ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ احلقوا رؤسکم۔ اس رسم کے مٹانے میں بہت سی سہولت برتی ہے۔ ارشاد کیا ہے کہ اگر تمہارے سر کو کوئی تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو بلاشبہ سر منڈالو۔ لیکن اسکا کچھ فدیہ ادا کردو۔ کوئی روزہ رکھ لو یا صدقہ دے دو۔ یا کوئی اور عبادت کر لو تاکہ یاد رہے کہ یہ رسم مٹانے کے لائق ہے اور یوں ایسی رسموں سے تمہیں بیزاری پیدا ہو۔ صدقہ کے ساتھ ضرور ہی پہلے سر کو منڈانے کا کوئی علاقہ نہیں۔ ہاں اگر میل کچیل کو دُور کرنے کی خاطر سر منڈاؤ یا کترأو تو اسمیں کوئی حرج نہیں۔

(۳) کفار نے حج اور عمرہ کو رسموں کا مجموعہ بنایا ہُوا تھا۔ وہ اُن رسوم کو کسی معقول فائدہ کے لحاظ سے نہیں کرتے تھے یا وہ اُن کے ایسے فوائد کھینچ تان کر نکالتے تھے جو ان مصیبتوں اور اخراجات کے بغیر ہی گھر میں بیٹھ کر حاصل ہو سکتے تھے۔ یا ایسی مصیبتوں اور اخراجات کو برداشت کر کے اُن سے بڑھکر فوائد اپنے شہروں میں معقول طور پر حاصل کئے جا سکتے تھے یا اگر دوسرے مذاہب کے لوگ اپنے کاموں کے ویسے ہی فوائد نکال کر دکھاتے تھے تو وہ انہیں غلط قرار دے لیتے تھے۔ چونکہ وہ اپنے کاموں کے خاص فوائد نہیں دکھا سکتے تھے۔ اس لئے وہ انہیں خدا تعالےٰ کا حکم یا کسی نبی یا بزرگ کی سنت قرار دے کر اُسے مذہبی تقدس کا جامہ پہناتے تھے اور اُس کے اصلی فوائد سے چشم پوشی کر کے یہ سمجھتے تھے کہ خدا اور ہمارے بزرگ ایسی رسوم کے بجالانے سے راضی ہوتے ہیں۔ لیکن ہر دانا جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو عقل و

اللہ تعالےٰ کا خوف ہی اصل دانائی ہے۔ پس اے عقل والو! اللہ تعالےٰ کا خوف رکھو۔ خدا تعالےٰ سے ڈرنے والے کبھی تنہائی میں بھی ایسا کام نہیں کریں گے جو حکومت اور عام اصلاح کے مخالف ہو۔ تمام گورنمنٹیں ایسے اشخاص سے مطمئن رہیں گی جو تنہائی میں بھی وہی کام کرتے ہیں جو پولیس اور فوج کے سامنے بھی کر سکتے ہیں۔ دانا لوگ ہمیشہ تقویٰ ہی کو اپنی سپر بناتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ تجارت پیشہ اور دیگر اہلِ حرفہ اگر آکر ملک کو فائدہ پہنچائیں اور مناسب فائدہ اٹھائیں تو اسکی بھی اجازت ہے۔ یہ اجازت ہی انہیں دور دور سے کھینچکر لائے گی۔ ان لوگوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کا فضل یعنے جائز نفع تلاش کریں۔ لوٹ مار نہ مچائیں۔ ماپ تول میں نقص نہ ڈالیں اور حکام کے انتظام کے ماتحت کام کریں اور جو جگہ اُن کے لئے مناسب سمجھی جائے وہاں ڈیرا جمائیں۔ از خود ہی کسی جگہ کو اچھی سمجھ کر قبضہ نہ کرلیں۔ اس لئے انہیں فرمایا کہ اے تجارت پیشہ وغیرہ لوگو! جب تم عرفات سے چلنے کا ارادہ کرو تو پہلے المشعر الحرام پہاڑی کے پاس جاکر جو کچھ پاس ہو اُسکا شعور حاصل کرکے اللہ تعالےٰ کو یاد کرو۔ اور یاد اسی طرح سے کرو جس طرح انسانیت کو اللہ تعالےٰ کی یاد کی رہبری کی گئی ہے۔ فطرتِ انسانی خود ہی یادِ الٰہی کی طرف مشرکوں کو بھی جھکا دیتی ہے اور وہ بول اٹھتے ہیں۔ لئن انجیتنا من ھذہ لنکونن من الشاکرین۔ اور وہ لوگ بحکم قرآن ایسی دعائیں مخلصین لہ الدین کے طور پر ہی مانگا کرتے ہیں۔

آگے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم اِن اصلاحوں سے پہلے گمراہ تھے پھر ان تاجران وغیرہم کو فرمایا کہ دوسرے راہ سے جاکر ہی خاص خاص جگہوں پر قابض نہ ہو جاؤ بلکہ دوسرے لوگوں کے ساتھ جاؤ اور حاکم کے انتظام کے مطابق جگہ پاؤ اور تم جو اپنے دل میں مخالفت کا ارادہ رکھتے ہو اُس پر بخشش مانگو۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔

پھر جب تم اے تاجرو! اور دیگر ڈیلیگیٹ وغیرہ لوگو! اپنی اصلاح کے طریقوں کا فیصلہ کر چکو۔ تو المسجد الحرام کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں جو تم اپنے گروؤں اور باپ دادوں کی اُستت گاتے ہو اس کی جگہ اللہ کی یاد کرو۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یاد کرو۔ آگے فرمایا کہ بعض لوگ آخرت کو چھوڑ کر صرف دُنیا ہی کے طالب ہیں۔ اُن کے لئے آخرت کا کوئی حصہ نہیں۔ امن پسند کفار صرف دنیا کے فائدوں کے لئے حج میں شامل ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ خدا پرستوں کا ذکر کیا کہ وہ لوگ دنیا و آخرت دونوں کی خوبیاں مانگتے اور عذابِ نار سے بچنا چاہتے ہیں۔ اُن کے متعلق ارشاد ہے کہ اُن کے لئے اُن کی کمائیوں کے

اس نذرانہ کے پیش کرنے سے تمہارا حج اور عمرہ ہو جائے گا اور اگر حج کمیٹی اس نذرانہ کو رد کر دے اور کہے کہ ہم تمہارا روپیہ نہیں لیتے۔ تو تم اس رقم کو جہاں مناسب سمجھو غریبوں اور مسکینوں پر تقسیم کر دو۔ صدقات کے ایسے ہی موقعے اور محل ہیں۔ یہ بھی حج اور عمرہ کا للہ اتمام ہے

پھر جب کبھی تم کو حج و عمرہ کے لئے امن ملے اور حج کے موقعے پر تم صرف حج ہی کو پورا کر لو تو تمہارا پہلا چندہ ہی کافی ہے کسی اور چندہ کے لئے تمہیں زیر بار ہونے کی ضرورت نہیں لیکن اگر تم تقوے الٰہی کو قائم رکھ کے ضرورۃً ساتھ ہی عمرہ کرنا بھی ضروری سمجھو تو کچھ اور نذرانہ دو یا تین روزے حج میں رکھو اور سات کی گنتی گھر میں واپس آکر پوری کر لو تاکہ تمہیں خیال رہے کہ ہم ضرورۃً عمرہ بجالاتے ہیں نہ محض رسماً۔ یہ انتظام دور والے لوگوں کی خاطر ہے ورنہ المسجد الحرام کے قرب و جوار میں بسنے والوں کے لئے حج کے ساتھ عمرہ کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ اُن کا اپنے متعلق حج کے ساتھ ہی عمرہ کرنا پہلی رسم کو قائم رکھنے کے لئے ہی ہوگا۔ ایسے وقت میں عمرہ کا نہ کرنا ہی عمرہ کا للہ اتمام ہے۔ پس یہ آیت اتمام اللہ کی ہی تفسیر ہے

پچیسویں رکوع میں پہلے حج کے لئے مناسب وقت کا بیان ہے اور فرمایا ہے کہ حج کے مہینے معلوم مہینے ہونے مناسب ہیں۔ پھر ارشاد کیا کہ جو کوئی ان مہینوں میں حج کو اپنے ذمہ لے تو ضرور ہے کہ حج میں خاوند اپنی بیوی کے ساتھ بھی زن و شوئی کا کوئی تعلق نہ دکھائے۔ ایسے عام جلسوں میں ایسی حرکات دوسروں کے لئے بھی بُرے خیال کی محرک ہوں گی اور خوف ہوگا کہ ایسے تقوے کے وقت کوئی ظالم کسی کی عورت کو اُڑا نہ لے جائے۔ تمام اجتماعوں میں اسکا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ فسوق یعنے بدکرداری اور نافرمانی سے تو ہر جگہ اور ہر انتظام میں بچنا لازم ہے۔ اس بڑے جلسے میں اسکا زیادہ لحاظ رکھنا چاہیئے۔ ایسے مواقع میں مخول ٹھٹھے سے بھی کنارہ کشی سب سے بڑھ کر ضروری ہے جو کچھ زبان سے نکالا جائے اُس میں صدق اور تقوے کا لحاظ رکھا جائے۔ پھر حکیمانہ تحقیقاتیں تو ہر وقت جائز ہیں۔ مگر انہیں ایسے جلسوں میں مجادلہ کا رنگ نہ دیا جائے تاکہ ناراضگی پیدا ہو کر قوموں کے نزاع اور فساد کا موجب نہ ہو۔

آگے فرمایا کہ ایسے جلسوں میں جو چیز بھی تم بجالاؤ اور جو فائدہ بھی ایک دوسرے کو پہنچا سکو اللہ تعالےٰ اُسے خوب جانتا ہے وہ کبھی نیکی کو ضائع نہیں کریگا۔ آگے حکماً تاکید کی کہ ایسے جلسوں سے کچھ سامان ضرور حاصل کرو۔ پھر بلا شبہ تمام سامانوں میں سے "خیر" خدا کا خوف ہے۔ اصل حاجی وہی ہیں جو خدا تعالےٰ کا خوف حاصل کر کے آتے ہیں۔ سخت دلی حاجیوں کا کام نہیں۔ آگے ارشاد کیا کہ

اس وقت مسلمان بھی جانوروں کو دبا دیتے ہیں۔ اور جب ان کے حاکموں کو پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کیا کریں لوگ مریض جانوروں کو بھی ذبح کر دیتے ہیں۔ اس لئے انہیں دبانا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ اتنے جانوروں کو ذبح کیوں ہونے دیتے ہیں۔ کہ جن کو دبا کر پھر بھی لوگوں کی خوراک کا انتظام بخوبی ہو جاتا ہے۔ ایسے جانوروں کو ذبح کرنے سے کیا حاصل؟ پھر مریض حیوانات کو ذبح کرنے دینا حاکموں ہی کا قصور ہے۔ کیا مریض جانور تندرست نہیں ہو سکتے۔ کیا ویٹرنیری ڈاکٹر فضول ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ انکا خیال ہے کہ خدا تعالےٰ خون کے بہنے سے راضی ہوتا ہے ورنہ بیفائدہ جانوروں کے ہلاک کرنے کے کیا معنے؟

آگے اُن کارکنوں کی خدمات کی تعریف کی گئی ہے جو اپنی جان پر تکلیف اٹھا کر خلقت کو ہر طرح کے فائدے پہنچاتے ہیں۔ کوئی ڈاکٹری کی خدمات بجا لاتا ہے۔ کوئی صفائی کا انتظام کرتا ہے کوئی مفید لکچر دیتا ہے۔ کوئی ہر شہر کے لوگوں کے نام لکھتا ہے تاکہ وہ اُن کی ملاقات کر سکے اور بھولے بھٹکوں کو ملا سکے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالےٰ ایسے نیک بندوں پر رافت کرنیوالا ہے

آگے ایمان داروں کو حکم دیا ہے کہ تم اسلام کا جو کچھ منشا ہے اسمیں پورے طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطانی بدعات اور رسوم پرست چلو۔ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

جو کچھ ہم نے حج کے متعلق بیان کیا ہے یہ روشن اور واضح باتیں ہیں۔ سو اگر تم اب بھی ڈگمگا جاؤ تو جان رکھو کہ خدا تعالےٰ تمہیں سزا دینے پر غالب ہے اور ایسے لوگوں کو سزا دینا اس کی حکمت کے خلاف نہیں۔

تمہارے عذاب کرنے کے لئے کسی انوکھی کارروائی کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیا تم انتظار کرتے ہو کہ اللہ تعالےٰ بادلوں کے سائے میں کسی گاڑی پر بیٹھ کر آئے اور فرشتے اُس کی اردل میں ہوں اور کام کا فیصلہ کیا جائے۔ جیسا کہ یہود کا خیال ہے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اصل بات یہ ہے کہ تمام کام اللہ تعالےٰ ہی کی طرف موڑے جاتے ہیں۔ جیسا وہ مناسب جانتا ہے کرتا ہے۔

دیکھئے خدا تعالےٰ نے حج کے ہر پہلو پر کیسی مدلل بحث کی ہے۔ کسی پہلو کو ترک نہیں کیا۔ خدا جانے کہ خدا تعالےٰ نے وہ کونسی بات باقی چھوڑی ہے جس کے لئے خاص رسولِ خدا ہی کی باتوں کو الگ وحی بنانے کی ضرورت پیش آئی؟

تمام لوگ اپنے ملکوں کی اسی طرح اصلاح کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اور ہم نے ہر ایک

مطابق پھل ملیگا اور اللہ تعالےٰ حساب میں جلدی کرنیوالا ہے۔

اس کے آگے حج کی معتدل میعاد ایام معدودات یعنی چند دن اور اگلی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن مقرر فرمائی گئی ہے۔ ایک دن المشعر الحرام کی کمیٹی اور چند لکچروں کے لئے، دوسرا دن مکہ سے باہر خط بنانے اور نہانے دھونے اور کپڑے صاف کرنے اور استراحت کرنے، اور اگر ہوسکے تو تجربہ کاروں کے لکچر دینے کے لئے ہوگا۔ تیسرے دن المسجد الحرام میں پہنچکر چندہ دیا جائے گا اور تمام کارروائی سے سب کو مطلع کیا جائے گا۔ یا جس طرح حاکم لوگ مناسب دیکھیں شورے کے ساتھ ان دنوں کی تقسیم کرلیں۔ خدا تعالےٰ نے بہت سی باتیں بشری عقل وحکمت اور شورے پر بھی چھوڑی ہیں۔

اس کے آگے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دو دن میں جلدی کرے یعنی ایک دن عرفات میں رہے اور دوسرے دن نہا دھو کر اور صاف کپڑے پہن کر مکہ کے اندر جائے اور چندہ پیش کرے اور وہ لوگ جو طواف کی نماز پڑھنے والے ہیں وہ خانہ کعبہ کے اندر طواف کی نماز ادا کریں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اور جو مسافر تین دن سے زیادہ دیر کریں۔ اور حج کے ساتھ عمرہ بھی کریں اور حج میں تین دن کے روزے رکھیں جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے یا حج کے بعد حساب کرنے اور سامان سمیٹنے وغیرہ افعال میں مصروف ہوں تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ ان کو ایسی کارروائیوں سے تقوےٰ مقصود ہو (لمن اتقیٰ) لیکن کوئی رسم پرستی منظور نہ ہو۔ اور اسی لئے آگے یہ بھی حکم کیا۔ کہ اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور جان رکھو کہ تم اس کے حضور میں پیش ہونیوالے ہو۔

اس کے آگے اس جلسہ کے انتظام کے لئے حاکموں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ بعض حاکم ایسی دُنیا سازی کی باتیں کرتے ہیں جن سے تو اور تیرے جیسے سمجھدار لوگ حیران ہوتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کو اپنے دل کی باتوں پر گواہ ٹھہراتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور اس دُنیا سازی کی وجہ سے تیرے جیسے لوگوں پر اثر ڈال کر حاکم بن جاتا ہے۔ تو وہ زمین میں فساد ڈلواتا ہے اور اپنے رسم ورواج پر چل کر کھیتی باڑی کو ضائع کرتا اور حیوانات کو مار کر زمین میں دبا دیتا ہے۔ اور یہی اصل فساد ہے اور اللہ فساد کو دوست نہیں رکھتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ خون کے بہنے سے خدا تعالےٰ خوش ہوتا ہے اور جانوروں کے دبانے سے اُن کا گوشت خدا تعالےٰ کو پہنچتا ہے۔ اور جب اُسے کہا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ سے ڈر تو اُسکو اسکا عزت واختیار گناہ پر ابھارتا ہے اور تعدی کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ اُس کی اصلاح کے لئے جہنم کافی ہے۔ جب حج کا انتظام کافروں کے ہاتھ میں ہوتا تھا تو وہ ایسے ہی حاکم مقرر کیا کرتے تھے۔

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ ۱۹۳ وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ
لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَٰنَ إِلَّا عَلَى الظَّٰلِمِينَ ○ ۱۹۴ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِا
الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ
بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ○
۱۹۵ وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوا ۛ
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○ ۱۹۶ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ
فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ
فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ
صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا
اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ
إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○
۱۹۷ الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَٰتٌ ۚ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا
فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا
فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَٰأُولِي الْأَلْبَٰبِ ○ ۱۹۸ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ
عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ

امت کے لئے اصلاح کی جگہیں بنائی ہیں تاکہ وہ وہاں حاضر ہوکر ایک دوسرے کی دعوتیں کریں اور اُن مویشی جانوروں پر جو اللہ نے انہیں روزی کے طور پر دیئے ہیں اللہ کا نام لیں، سو تمہارا معبود اکیلا معبود ہے۔ اسی کے مسلم ہو اور عاجزی کرنیوالوں کو خوشخبری دے۔

عاجزی کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے آگے اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو انکو مصیبتیں پہنچتی ہیں اُن پر صبر کرنیوالے اور نماز کے قائم کرنیوالے ہیں۔ اور اس چیز سے جو ہم نے انکو روزی دی ہے، خرچ کرتے ہیں ۱۷/۱۲

اگر تمام کے تمام مسلمان اپنی ایک ایسی کانفرنس بنائیں اور اسمیں دنیا و دین کے سچے فوائد حاصل کریں اور مکہ ہی کو امرکز ٹھہرائیں اور فضول رسوم کو حج سے خارج کردیں اور شورے پر عمل کریں اور تجربہ کار دانا لوگ کے لکچر سنیں اور اپنی وفاداری اور محبت و علم کا دنیا میں سکہ بٹھائیں اور سچی شان حاصل کریں تو یہ ایک بڑی محبوب بات ہے۔

جو کچھ مجھے معلوم ہوا میں نے مختصراً پیش کردیا ہے۔ مسلمانوں کا جو کچھ جی چاہے اسی پر عمل کریں میرا کسی پر کوئی جبر نہیں ہے اور نہ میں جبر مذہبی کو جائز سمجھتا ہوں جب قرآن مجید میں ہمارے لئے اصلاحیں موجود ہیں تو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ پہلے لوگ کیا کرتے تھے۔

رکوع ۲۴ و ۲۵

۱۸۹ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ
بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ
أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ ۱۹۰ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ
يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ○ ۱۹۱ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ
ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ
الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ
قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ○ ۱۹۲ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ

ترجمہ [۱۸۹] - لوگ تجھ سے نئے چاندوں کی بابت پوچھتے ہیں (کہ کیا بعض چاند مبارک اور بعض نامبارک ہیں یا تمام چاند یکساں کام دیتے ہیں) تو کہہ یہ (تمام چاند) لوگوں کے لئے آلۂ وقت ہیں۔ اور (مجبوری کے سفر تو حسب ضرورت کرنے ہی پڑتے ہیں۔ ہاں جو سفر مسافروں کے آرام کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں، اُن کے لئے بھی یہ مواقیت ہیں خاص کر سفر) حج کے لئے (ہاں شمسی و قمری مہینوں سے معقول طور پر فائدہ لینا چاہیئے اور ہر کام میں اس کے مناسب رستوں سے داخل ہونا چاہیئے) اور نیکی یہ نہیں ہے کہ گھروں میں اُن کی پشتوں کی طرف سے آؤ۔ ولیکن نیکی اس شخص کی (نیکی) ہے جو خدا کے خوف سے کام کرے۔ اور تم گھروں میں اُن کے دروازوں سے داخل ہوا کرو (یعنی خدا تعالےٰ سے ڈر کر مناسب رستے سے کام کرو۔ اپنی یا کسی اور کی بے فائدہ رسوم پر مت چلو۔) اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ [۱۹۰] اور (چونکہ وہم پرست لوگ لڑائی پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ) اللہ کے رستے میں (یعنی جبر مذہبی کو ہٹانے کے لئے اور جائز طور پر) اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو۔ بلاشبہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ [۱۹۱] اور (جب مقابلہ ہو جائے۔ تو) انہیں قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا۔ اور (رو نکا) ستانا قتل سے زیادہ سخت ہے اور المسجد الحرام کے پاس اُن سے نہ لڑو جب تک کہ وہ تمہارے ساتھ اُس کے اندر جانے پر بھی لڑیں۔ پھر اگر وہ (اس طرح) تم سے لڑیں۔ تو تم انہیں قتل کرو۔ ناقدروں کی ایسی ہی سزا ہے۔ [۱۹۲] پھر اگر وہ ٹل جائیں تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔ [۱۹۳] اور (لڑائی کی حد یہ ہے کہ) تم اُن سے وہاں تک لڑو کہ ستانا نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائیں۔ پھر اگر وہ ٹل جائیں تو سوائے ظالموں کے کسی اور پر تعدی نہیں ہو سکتی۔ [۱۹۴] حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے بدلے اسی طرح دوسری حرمتوں کا بھی برابر بدلہ ہے۔ پھر جو کوئی تم پر تعدی کرے تو تم اس پر اسی کی مثل تعدی کرو جو اُس نے تم پر کی ہو۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ بلاشبہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔ [۱۹۵] اور (آگے جنگ کی تیاری کا ذکر ہے۔ کہ) اللہ کے رستہ میں خرچ کرو اور (اپنے آپ کو) اپنے ہاتھوں سے ہلاکت کی طرف مت ڈالو۔ اور (سب کے ساتھ) احسان کرو۔ بلاشبہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ [۱۹۶] اور (قوموں کو ایک بنانے اور اُن کے نزاع دور کرنے کے لئے مشورے کرو۔ اور) حج اور عمرے کو اللہ کے لئے پورا کرو۔ پھر اگر تم کسی سبب سے روکے جاؤ۔ تو نذرانے سے جو میسر ہو (بھیج دو) اور اپنے سروں کو مت منڈاؤ۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو۔ یا

۱۹۹ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۞ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا
۲۰۰ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا
۲۰۱ وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۞ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا
۲۰۲ حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۞ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ
۲۰۳ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۞ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ
فَمَنْ تَعَجَّلَ فِىْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ
۲۰۴ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۞ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ
۲۰۵ الْخِصَامِ ۞ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ
۲۰۶ النَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۞ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ
۲۰۷ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۞ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
۲۰۸ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۞ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ
۲۰۹ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ
۲۱۰ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ
ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞

ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈر۔ تو عزت اسکو گناہ پر ابھارتی ہے۔ سو اس کے لئے جہنم کافی ہے اور
وہ ضرور بُرا بچھونا ہے۔ ۲۰۷ اور لوگوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی جان کو خدا کی رضامندی چاہنے
کے لئے بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر نرمی والا ہے۔ ۲۰۸ اے ایمان والو اسلام میں پورے
پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ بلاشبہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ ۲۰۹ پھر اگر تم
بعد اس کے کہ تمہارے پاس واضح باتیں آگئیں۔ پھسل جاؤ تو جان رکھو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔
۲۱۰ کیا یہ لوگ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ ان کے پاس بادلوں کے سائے میں بیٹھ کر آئے۔ اور
فرشتے (بھی) اور کام کا فیصلہ کیا جائے (یہ قطعاً غلط ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ) سب کام اللہ ہی کی
طرف موڑے جاتے ہیں (جیسا کہ وہ چاہے کرے)۔ ع ۲۵

ف دنیا میں دو قسم کے لوگ موجود ہیں۔ ایک وہ ہیں جو محض دنیا ہی کے طالب ہیں اور آخرت سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ اور ایک وہ ہیں جو دنیا اور آخرت دونوں کی خوبیوں کے طلبگار ہیں۔ لیکن آخرت کی خوبیوں کو دنیا کی خوبیوں پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ دونوں فریقوں کو ترقی دیا کرتا ہے۔ اگرچہ پہلے فریق کی ترقی متاع قلیل یعنی فانی ہوتی ہے اور دوسرے فریق کی ترقی دائمی اور بڑھنے والی ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا کے اجر کا خواہاں ہے وہ اللہ تعالےٰ کی طرف آئے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا اجر ہے اور اللہ تعالےٰ سننے والا، دیکھنے والا ہے پ۵ ع۱۶ بلاشبہ اللہ تعالےٰ کی نگرانی ہمیشہ کی ترقیات کا موجب ہے

دنیا کے طالب ہر طرح سے دنیا کے آرام اور دولت ہی کے خواہاں ہوتے ہیں اگرچہ وہ انہیں دوسروں کی دنیا و آخرت بگاڑ کر اور اپنی روحانی حالت کا ستیاناس ہی کر کے ملے۔ یہ اس فائدہ کو چاہتے ہیں جو جلدی ہی سے حاصل ہو جائے۔ بعض لوگ پیری مریدی کا جال پھیلاتے، اپنی بڑائیاں اور کرامتیں بیان کر کے دوسروں کو لوٹتے ہیں۔ اور خود اپنی ہی دعاؤں کے قبول ہونے کی تعلیوں کے ساتھ یا تعویذ وغیرہ دے کر دنیا کماتے ہیں۔ کوئی اپنی شفاعت کا دوسروں کو امیدوار بناتا ہے کوئی کیمیا گری کا چکمہ دیتا ہے۔ کوئی سخت امراض کو دور کر دینے کا مدعی ہے۔ کوئی خدا بنتا ہے۔ کوئی اپنے آپ کو مہدی بناتا ہے۔ ہر شخص یہی کہتا ہے کہ میرے ماننے کے بغیر خدا تعالےٰ کا ماننا کچھ چیز نہیں۔ ایسے لوگ دنیا کو گمراہ کر کے شکاری پرندوں کی طرح لوگوں کا گوشت نوچ نوچ کر کھاتے، انہیں

اسکو سر کی کوئی تکلیف ہو تو (اس کا) روزوں یا صدقے یا عبادت سے فدیہ ہے۔ پھر جب تم کو امن ہو۔
تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ اٹھا دے تو (اس پر) نذرانے سے جو میسر ہو (لازم ہے) پھر جو
(اس نذرانے کو) نہ پائے تو تین روزے حج میں رکھے) اور سات جب تم واپس آؤ۔ یہ (ہوئے) دس
پورے۔ یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل المسجد الحرام کے قرب و جوار میں نہ بستے ہوں اور
اللہ کا خوف رکھو اور جان لو کہ اللہ بلاشبہ سخت عذاب (دینے) والا ہے۔ ۱۹۶
۱۹۷ حج (جیسی کانفرنسوں کے مہینے) معلوم مہینے ہیں۔ پھر جو کوئی ان میں حج کو اپنے ذمے لے
تو حج میں نہ عورتوں سے میل جول کی باتیں ہیں اور نہ کوئی بدکاری اور نہ (ہی) کوئی مجادلہ اور جو خیر
کرتم کرا و خدا اُسے خوب جانتا ہے اور (اس سفر حج سے) کچھ سامان حاصل کرو۔ سو بلاشبہ اچھا
سامان تقوے ہے اور اے عقل والو! میرا تقوے حاصل کرو۔ ۱۹۸ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کے
فضل حاصل کرو۔ سو (اے تاجرو) جب تم عرفات سے چلنے کا ارادہ کرو تو حرمت والے شعور کی جگہ کے
پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کو اسی طرح سے یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور بلاشبہ
تم اس سے پہلے بھولے ہوئے تھے۔ ۱۹۹ پھر (اے تاجرو!) وہاں سے چلو جہاں سے لوگ چلتے ہیں اور
(اپنے دل کے خیالات پر) اللہ سے بخشش مانگو۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔ ۲۰۰ (سو اے لوگو!)
جب تم اپنی اصلاح کے طریقے مکمل کر چکو تو اللہ کو اس طرح یاد کرو جیسا تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے
تھے یا اس سے بھی بڑھ کر ذکر (کرو) پھر لوگوں میں سے بعض وہ ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ اے رب ہم کو دنیا
میں دے اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ ۲۰۱ بعض ان میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں۔ اے
ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت کی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ ۲۰۲ یہ لوگ
جو ہیں ان کے لئے ان کی کمائیوں کا حصہ ہے اور اللہ حساب میں جلدی کرنے والا ہے۔ ۲۰۳ اور اللہ کا
معدود دنوں میں ذکر کرو۔ پھر جو دو دن میں جلدی کرے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو دیر کرے
تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ (خدا سے) ڈرے اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ تم اسی
کے حضور میں پیش ہوتے ہو۔ ۲۰۴ اور لوگوں میں سے ایسا شخص بھی ہے جس کی بات تجھ کو اس دنیا کی
زندگی میں عجیب معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ کو اس بات پر جو اس کے دل میں ہے گواہ بناتا ہے حالانکہ
وہ سخت ہی جھگڑالو ہے۔ ۲۰۵ اور جب وہ حکومت پاتا ہے تو زمین میں اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ
اس میں فساد ڈالے اور کھیتی اور حیوانات کو ضائع کرے اور اللہ ایسے فساد کو دوست نہیں رکھتا۔ ۲۰۶ اور جب

ساتھ سچی معاملت پیش کرتے ہیں۔ یہی آیات بینات ہیں اور یہی اصل نعمار ہیں۔ کسی قوم میں زندگی انہی امور ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ لوگ ان معجزات کو آیات بینات کہتے ہیں جو ان کے نزدیک اَن نیچرل ہوتے ہیں۔ انہیں وہ نیچرل طور پر ثابت نہیں کر سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ پہلے کسی وقت واقع ہوتے تھے۔ اب ہمارے لئے ان کا دیکھنا منع ہے۔ لیکن پھر بھی وہ ہمارے لئے بینات ہی رہتے ہیں۔ یہودیوں عیسائیوں اور ہندوؤں کے مذاہب کی بنیاد ہی ایسے معجزات پر ہے اور اگر یہ معجزات آیات بینات ہیں تو بلاشبہ یہودی اور عیسائی اور ہندو سچے ہیں۔ جن کے مذاہب کے ثبوت میں خدا تعالےٰ نے نیچر کو توڑ کر دکھا دیا اسلام ایسے معجزات سے قطعاً پاک ہے۔ سابق رکوع کے اخیر میں خدا تعالےٰ اور فرشتوں کے بادلوں کے سایہ میں آنے کو فضول بتایا گیا ہے

جب خدا تعالےٰ نے حج کے بیان کو آیات بینات کی صورت میں پیش کیا اور ان میں اسلام کی اصلی صورت دکھائی تو فرمایا کہ بنی اسرائیل سے پوچھو کہ اللہ تعالےٰ نے کس قدر تم کو آیات بینات دیں۔ وہ اسی قسم کی آیات بینات تھیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوئیں۔ اور جیسا کہ آگے بھی خود اسی سورت ہی میں آتی ہیں۔ یہی آیات نعمت الٰہی تھیں مگر یہود نے انہیں بدعات کی صورت میں لاکر بدل دیا۔ سو جو کوئی خدا تعالےٰ کے احکام کو بدل کر انہیں کفر و تقلید کا رنگ پہنائے تو ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ ان کو سخت عذاب دے۔ یہود کی حالت ایک مردہ قوم کی سی ہو گئی تھی۔

یہود لوگ کفار قریش کو بھی اپنی فضول بدعات ہی سکھاتے تھے اور ان کو ان کے لئے زینت دیتے تھے وہ انہیں صرف دنیا ہی کا طالب بناتے اور آخرت کو مقدم رکھنے والے مومنوں کا ٹھٹھا اڑاتے تھے۔ اور اگر آخرت کی پیشی حق ہے تو ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ کا خوف رکھنے والے لوگ پیشی کے دن کافروں کے اوپر ہوں۔ اس دن خدا تعالےٰ کے سوائے کوئی ان کا حامی اور سرپرست نہیں ہوتا اور چونکہ قومی زندگی کا اصل سبب یہی بینات ہیں اس لئے ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ مومنوں کو اسی دنیا میں بغیر حساب اور کھلے بندوں روزی دے جیسا کہ ابتدائی اسلامی ترقی اس کی شاہد ہے۔ پھر مسلمان یہود کی طرح بگڑنے اور گرنے لگے۔ (عسیٰ ربکم ان یرحمکم ۱۵)

آیات بینات جن کو اصل نعمت فرمایا ہے کبھی منسوخ نہیں ہو سکتیں۔ بنی اسرائیل کو اور ہمیں آیات بینات کے ملنے سے ثابت ہوتا ہے کہ صراط مستقیم ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ سزائی حکم جو خاص قوموں پر ان کی سرکشی کی سزا میں ڈالے جاتے ہیں وہ عالمگیر نہیں ہو سکتے۔ ایسے احکام ضرور قابل اصلاح ہوتے ہیں۔ انکی حفاظت

اپنا غلام بناتے اور اپنی تقلید سکھاتے ہیں۔ ان کے مریدوں کو خدا تعالےٰ کی بے قدری کا کبھی خیال نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اپنے پیروں کی بے ادبی سُنکر ہر قسم کی تکلیف دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں کوئی "بھائی جبریل" کی طرف، کوئی "منکر نکیر" کی طرف سفارشی خط لکھ دیتا ہے۔ کہیں بہشتی دروازہ ہے اور کہیں گاڑنے کے لئے بہشتی مقبرہ موجود ہے۔ یہ تمام دنیا طلبی کے ذریعے ہیں - یہ لوگ تمام مخالف فرقوں کو ایک ہی ترازو سے نہیں تولتے۔ راستباز آدمی کو ایسے سہاروں کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے

کوئی شخص لونڈی غلاموں کی تجارت کر کے روزی کماتا ہے۔ دوسروں کی بہو بیٹیوں کو بھیڑ بکری کی طرح بیچتا ہے۔ کیا یہ لوگ خوش ہوں گے۔ اگر ان کی بہو بیٹیوں اور بیویوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جائے۔ کوئی شخص مرد عورت سے روپے لے کر دھوکے فریب کے ساتھ عورت کو مرد کے ساتھ جکڑ دیتا ہے کوئی کوٹھی خانے کھولتا ہے اور اس طرح سے مال حاصل کرتا ہے۔ کوئی جوئے خانے قائم کرتا ہے۔ کوئی جھوٹی گواہیوں سے روزی کماتا ہے۔ کوئی جھوٹے پروپیگنڈے پھیلا کر اور جھوٹے اشتہار دے کر روزی حاصل کرتا ہے۔ کہیں کٹنیاں پھر رہی ہیں اور لوگوں کو تباہ کر رہی ہیں۔ کہیں ڈاکے اور چوری اور خیانت کے نئے نئے طریقوں سے روپیہ کمایا جاتا ہے۔ کہیں ایک بادشاہ دوسرے لوگوں کو غلام بنا لیتا اور ان کی آزادی کو سلب کر دیتا ہے۔ بعض حاکم رشوتیں لے کر بڑے مال دار بن جاتے ہیں۔ جن تنخواہ دار منشیوں اور نوکروں کے ہاتھ میں کوئی خدمت سپرد کی جاتی ہے۔ ان میں سے بہت ہی کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ناجائز کمائی سے بچتے ہوں۔ دنیا میں اندھیر گردی ہے۔ اس طرح ناجائز رستوں سے دنیا کے طالب خدا تعالےٰ کے ناقدردان اور ناشکر گذار ہیں۔ ایسی بے برکت کمائی اکثر جلدی ہی ضائع ہو جاتی ہے

لیکن ایک لوگ ہیں جو دنیا کو عالم اور تجربہ کار بناتے ہیں تاکہ وہ اپنے حسن و قبح کو خود دیکھ سکیں اور دغا بازوں کے فریبوں سے بچ سکیں۔ اور ہر بات میں اصل حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کریں۔ سچوں کی قدر کریں اور جب دغا بازوں کا فریب ثابت ہو جائے تو انہیں خوب سزا دیں اور ان کی سزا کو دوسروں کے لئے نمونہ بنائیں

پھر نیک لوگ رشتہ داروں میں صلہ رحمی پیدا کرتے اور ظالم دشمنوں کے مقابلہ میں بہادر بننا سکھاتے ہیں وہ یتیموں کی حفاظت کرتے اور غلامی کے دور کرنے پر زور دیتے ہیں۔ وہ میاں بیوی کے سچے فرائض بیان کرتے اور انہیں آپس میں متحد بناتے ہیں۔ اندرونی اصلاح کے بعد بیرونی مخالفوں کے

جاتی ہے۔ وہ سب جائز ہوتے ہیں۔ لوگوں نے ایسے مشوروں اور اجتہادوں کو بھی اختلاف کا موجب بنا لیا ہے۔

سابق رکوع میں اللہ تعالےٰ نے مومنوں کو فرمایا ہے کہ اسلام میں پورے طور سے داخل ہو جاؤ۔ شیطانی بدعات و رسوم پرست چلو اور اسی کو بینات کہا ہے۔ اس رکوع میں اسلام کی جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے، حقیقت کھولی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ لوگ ابتداء میں فطری ہدایات پر چلتے تھے۔ ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ پھر نئے نئے شبہات و اعتراض پیدا ہوئے۔ اُن کے سبب سے لوگ مختلف ہو کر اصل حق سے پرے جا پڑے۔ اس لئے انبیاء مبعوث ہوئے۔ اگر لوگ اصل حقیقت پر قائم رہتے۔ تو انبیاء کے آنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ انبیاء خود اصل حق کا حصہ نہیں ہیں۔ وہ خود اصل رستے میں داخل نہیں جیسے مریضوں کے لئے حکماء و اطباء کی ضرورت ہوتی ہے مگر وہ خود صحت میں داخل نہیں ہوتے۔ نئے نئے مرضوں کے پیدا ہونے سے نئے نئے علاج آتے۔ اسی طرح نئے نئے شبہات و اعتراضات کے پیدا ہونے سے اختلاف پڑ گیا۔ مختلف کتابوں میں ان پر روشنی ڈالی گئی۔ آخر اس قرآن پاک میں تمام شبہات و اعتراضات کے جوابات کو ایک کتاب میں واضح کر دیا گیا۔

شریر لوگ اصلاح کے مخالف ہوتے ہیں اور سچے رستے پر چلنا نہیں چاہتے۔ جو ہدایات کی قدر نہیں کرتا۔ خدا تعالےٰ اس کی شرارت کے سبب سے اس نعمت کا ملنا اس کے لئے مشکل بنا دیتا ہے اسی لئے فرمایا کہ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔ آگے کفار کی شرارتوں اور خونریزیوں کا ذکر کیا ہے۔

جب سابق رکوعوں میں حج کے متعلق اصلاحیں بیان کی گئیں تو کفار قریش بھڑک اٹھے اور یہودی ان کو مدد دینے کے لئے آ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کفار کی نظروں میں اپنی فضول رسوم ہی کو اچھا کر دکھایا۔ وہ مومنوں پر ٹھٹھا اڑاتے اور انہیں ذلیل مسکین سمجھتے تھے۔ حالانکہ اُن کے اندر آئندہ کے لئے زندگی پیدا ہونے والی تھی (واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب) اللہ تعالےٰ نے یہود کو نادم کیا کہ تمہیں کس قدر آیات بینات دی گئیں۔ تم نے اُس نعمت کی قدر نہ کی۔ اب تم دوسرے مشرکوں کو بھی اپنی کرتوتیں سکھاتے ہو اور انہیں حق سے روکتے ہو۔ حق تو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اس پر کفار لڑائی کے لئے آمادہ ہوئے اور ہر طرح کی تکلیفیں دینے لگے۔ اللہ تعالےٰ مومنوں کو فرماتا ہے کہ (کیا تم ان تکلیفوں کے سبب سے حق سے مڑ جاؤ گے) یا کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم جنت میں

کا وعدہ ایسا ضروری نہیں جیسا عالمگیر کتاب کی حفاظت کا وعدہ ہونا چاہیئے۔ ایسے مشاہدوں سے لوگوں کی اندرونی شرارتوں اور خباثتوں کا حال بھی کھل جاتا ہے۔ بعض ایسے عالی شان احکام بھی دیئے گئے تھے۔ جن کو خاص خاص اقوام نے اپنی ناقدردانیوں کے سبب بھلا دیا تھا۔ پس ان کی مثل آیات کا لانا بھی ضروری تھا۔ پہلی کتابوں میں رسل و انبیاء کی غیر وحی باتیں بھی شامل ہیں۔ رسل و انبیاء کی امانی میں بحکم قرآن دخل شیطانی ضرور ہوتا تھا۔ ان کی ایسی تمنائی باتیں قابل رد ہیں۔ امنیہ میں قول بھی شامل ہوتا ہے (تلك امانيهم ۱۱۱/۲) رسول مقبولؐ نے جب اپنی بیویوں کی رضامندی کے لئے اپنے آپ پر ایک چیز حرام کی۔ اور اس پر قسم کھالی تو کیا یہ امنیہ قولی نہ تھی ۸۰/۱ جب رسول کریمؐ نے ایک نابینا کو دیکھ کر ترشروئی دکھلائی اور تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا تو کیا یہ امنیہ عمل میں نہیں لائی گئی تھی۔ یا کیا یہ اس ملکہ نبوت کا اثر تھا جس کے معنے غیبی قوت کے کئے جاتے ہیں۔ جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ محض رسولوں میں ہی پایا جاتا ہے لیکن دوسرے تمام لوگ اس سے خالی ہوتے ہیں۔

بدیہیات اور اولیات اور تمام علوم متعارفہ کا علم ہر ایک عاقل بالغ اور تندرست انسان کو ضرور ہوتا ہے۔ انہی علوم پر انسان کی تمام ترقیات کا مدار ہے باوجود ایسا ملکہ رکھنے کے نظریات میں انسانوں سے بالعموم غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ نظریات میں تحقیقات کے تمام پہلو سامنے نہیں آجاتے اس لئے انسانی ملکوں کا کام ناقص ہی رہ جاتا ہے بلکہ اپنے آپ میں کوئی چیز نہیں ہے جب تک اس کے لئے مناسب سامان مہیا نہ ہو جائے۔ کیا ملکہ نبوت کو گواہیوں اور امتحانوں اور مشوروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان تمام کوششوں کے بعد بھی اصل حقیقت خدا تعالےٰ ہی کے سپرد کرنی پڑتی ہے۔ خاص وحی کا مطلب بھی وہی صحیح ہوگا جو بدیہیات و اولیات اور علوم متعارفہ کے مطابق ہوگا۔ ورنہ یہی کہنا لازم ہوگا کہ اسکی ابھی تک اصلی حقیقت نہیں کھلی۔ جب تک کوئی وحی ایسی مشتبہ حالت میں رہے گی اس پر کسی آئندہ تحقیق کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی۔

رسل و انبیاء چونکہ بشر ہوتے ہیں اس لئے ان کے واسطے بشری مشوروں اور امتحانوں اور اجتہادوں یا یوں کہو کہ بشری استنباط کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کونسا بشری مشورہ یا امتحان یا اجتہاد یا استنباط ایسا ہو سکتا ہے جس کے بعد دوسرے بشروں کو مشوروں یا امتحانوں یا اجتہادوں یا استنباطوں یا دیگر انسانی کوششوں سے روکا جائے۔ ایسی باتوں میں اگر ضرورت ہو، تبدیلی بھی کی جا سکتی ہے۔ بعض مشورے اور اجتہاد اگرچہ الگ الگ ہوتے ہیں مگر خدا تعالےٰ کی طرف سے ان سب کے ساتھ رواداری برتی

بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ
بِاِذْنِهٖ ۗ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ۲۱۳ اَمْ حَسِبْتُمْ
اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ
الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۗ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○ ۲۱۴ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا
يُنْفِقُوْنَ ۖ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ
۲۱۵ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ
هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ ع

ترجمہ - ۲۱۱ تو (بنی اسرائیل سے پوچھ کہ ہم نے ان کو کھلی (دلیلوں) میں سے کس قدر دیا تھا۔ اور جو کوئی اللہ تعالےٰ کی نعمت کو (کافری کے ساتھ) بدل لیوے پیچھے اس کے کہ وہ نعمت اس کے پاس آجاوے تو بلاشبہ اللہ عذاب (دینے) میں مضبوط ہے۔ ۲۱۲ کفار (قریش) کے لئے (یہودیوں کے فتنے سے صرف) دنیا کی زندگی کو زینت دی گئی ہے اور وہ مومنوں کو ٹھٹھے کرتے ہیں۔ (اور ان کی مدد کرنے سے رکتے ہیں) اور (یہ بات ظاہر ہے کہ) وہ لوگ جو تقوے والے ہیں پیشی کے دن ان کے اوپر ہوتے ہیں اور (دنیا میں بھی) اللہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے ۲۱۳ (اسلام ہمیشہ ایک ہی رہا ہے پہلے) تمام لوگ ایک ہی جماعت تھے (وہ فطرت پر چلتے تھے پھر نئے نئے اعتراضات و شبہات سے ان میں اختلاف پیدا ہوا جیسا کہ سورت یونس میں لکھا ہے ۱۹ اور جیسا کہ اس آیت میں بھی آگے آتا ہے) پھر اللہ تعالےٰ نے نبیوں کو اٹھایا اس حال میں کہ وہ خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے اور ان کے ہمراہ (یعنی ان کی

داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ تم کو ابھی تک وہ مصیبتیں اور بلائیں نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے لوگوں کو پہنچی تھیں۔ انہیں بڑی سختیاں اور سخت نقصان پہنچے تھے۔ اور وہ ایسی ہلچل میں ڈالے گئے تھے کہ رسول اور جو اس کے ہمراہ ہو کر اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے تھے بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کہاں ہے؟ جب رسولوں اور مومنوں کی مصیبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور کوئی ظاہری ذریعہ ان کی مدد کا نظر نہیں آتا۔ اس وقت اکیلا خدا ان کے آڑے آتا ہے اور فرماتا ہے کہ لو اب خدا تعالےٰ کی مدد قریب ہے۔

حاصل یہ ہے کہ کافروں نے مومنوں کو شہید کرنا شروع کیا۔ وہ مسلمانوں کو خیرات تک نہیں دے سکتے تھے اور ٹھٹھے کرتے تھے۔ غریب مسلمانوں نے پوچھا کہ ہم کیا خرچ کریں یہ کفار ہر طرح سے دنیا کماتے ہیں۔ یہ شراب فروشی اور جوئے سے بھی نہیں رکتے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تمہارے پاس جو کچھ خیر والے مال کا کوئی حصہ ہو اسے تم اپنے والدین اور اقربوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔ تم اپنے غریبوں کو ان کے پاس نہ جانے دو۔ اور ٹھٹھے نہ کراؤ۔ اللہ تم کو اسی مال میں برکت دے گا۔ آگے فرمایا کہ تم اپنی حفاظت کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ تمہیں اس وقت جنگ کرنا سخت معلوم ہوتا ہے مگر اللہ ضرور حق پرستوں کی مدد کرے گا۔ گھبرانا مناسب نہیں۔

رکوع ۲۶

سَلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ كَمۡ اٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنۡ یُّبَدِّلۡ نِعۡمَةَ اللّٰهِ
۲۱۱ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۝ زُیِّنَ لِلَّذِیۡنَ كَفَرُوا
الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا وَیَسۡخَرُوۡنَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۘ وَالَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا فَوۡقَهُمۡ
۲۱۲ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ۝ كَانَ النَّاسُ
اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ ۪ وَاَنۡزَلَ
مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِیَحۡكُمَ بَیۡنَ النَّاسِ فِیۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ ؕ وَمَا
اخۡتَلَفَ فِیۡهِ اِلَّا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَیِّنٰتُ بَغۡیًۢا

پھر آگے مشرکین کے جبر مذہبی کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ تمہارے ساتھ لڑائی کرنے سے ہرگز نہیں رُکیں گے۔ جب تک کہ یہ لوگ اگر طاقت پائیں تو تم کو تمہارے دین سے نہ موڑ لیں۔ آگے مومنوں کو تاکید کی ہے کہ ان کے جبر مذہبی کرنے سے ہرگز دین کو ترک نہ کریں۔

اس کے بعد اُن لوگوں کی تعریف کی ہے جو ایمان پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور ایمان کی حفاظت کے لئے وطن کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر ظالم لوگ حملہ کر دیں تو اللہ کے راستے میں جان توڑ کوشش کرتے ہیں۔

کافر لوگ شراب اور جوئے کی کمائی کو جنگ میں بھی صرف کرتے تھے۔ مومنوں کو ایسی کمائیوں سے روکا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کاموں کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

پھر مومن پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو کچھ حاجت سے زیادہ ہو۔ وہ اللہ تعالےٰ کے رستہ میں خرچ کرنے کے لئے ہوتا ہے خواہ وہ کل خرچ کیا جائے یا اللہ تعالےٰ کا مال سمجھکر اس کو بڑھایا جائے۔

جنگوں میں اکثر بچے یتیم ہو جاتے ہیں اس لئے آگے یتامیٰ کی اصلاح کا ذکر ہے۔ اللہ تعالےٰ مصلح اور مفسد کو بخوبی جانتا ہے۔

جبر کرنے والے مشرک اپنی بیٹیاں دوسروں کو دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے خاوندوں کو مجبور کر کے کافر بنائیں۔ جنگوں میں دوسروں کی طاقت کو نقصان پہنچانے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے تاکہ خاص اور با اثر آدمیوں کو الگ کر لیا جائے۔ جنگوں میں ایسی تجویزیں بھی کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے جبر کرنے والے مشرکوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور وجہ یہ بیان کی کہ وہ ضرور آگ کی طرف بلاتے ہیں۔

(مدینہ میں کئی ایک مومن عورتیں مشرکوں کے گھر میں آباد تھیں)۔ اگر وہ جبر مذہبی نہ کرتے تو ان عورتوں کو ہجرت کی کوئی ضرورت نہ پڑتی۔ مگر چونکہ انہوں نے جبر کیا۔ اس لئے اُن کی مومن بیویوں کو ہجرت کرنی پڑی۔ ایسی عورتیں جب ہجرت کر کے آتی تھیں تو ان کے متعلق حکم تھا کہ امتحان کر کے اُن کے ایمان کا پتہ لگاؤ۔ اگر معلوم ہو کہ وہ ایمان دار ہونے کے سبب ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی ہیں تو ایسی مجبور کردہ عورتوں کو اُن کے خاوندوں کی طرف مت پھیرو۔ اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے انہیں دے دو۔ اور تمہاری عورتوں میں سے جو تمہارے مومن ہونے کے سبب سے تمہارے پاس رہنا نہ چاہیں تم انہیں مت روکو۔ اور اپنا خرچ کیا ہُوا طلب کرو۔ یہ انصاف کا نیچرل یا الٰہی حکم ہے ۶۰/۱۲۔ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کے

مدد کو) حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ وہ (کتاب) لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ دیدے جن میں انہوں نے اختلاف کیا تھا۔ اور (پھر) اس حق میں اختلاف نہیں کیا تھا مگر ان لوگوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی تھی بعد ازیں کہ ان کے پاس واضح باتیں آگئیں (یہ اختلاف انہوں نے) آپس کی سرکشی سے (کیا تھا) سو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو (اس قرآن پر) ایمان لاتے ہیں اپنے اذن سے ان باتوں کی ہدایت کر دی جس (میں ان) لوگوں نے حق کی باتوں میں اختلاف کیا تھا۔ اور اللہ اس شخص کو جو چاہتا ہے (یا جسے چاہتا ہے) سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ [۲۱۳] یا کیا تم نے گمان کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم کو ان لوگوں کی مثل (سختیاں) نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے گذر گئے ہیں۔ ان کو بڑی مصیبتیں اور سخت نقصان پہنچے تھے اور وہ (ایسی ہلچل) میں ڈالے گئے تھے کہ رسول اور جو اس کے ہمراہ ہو کر (اللہ تعالیٰ پر) ایمان لاتے تھے۔ بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب ہو گی؟ سن رکھو! بلاشبہ اللہ کی مدد قریب ہے۔ [۲۱۴] (مومن لوگ اپنے مساکین کو کفار کے فتنوں سے بچانے کے لئے) تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہے وہ چیز جو وہ خرچ کریں؟ تو کہہ جو کچھ تم خیر (مال) سے خرچ کرو تو وہ والدین اور اقربین اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لئے ہے اور جو بھی تم خیر کا کام کرو تو بلاشبہ اللہ اس کو جاننے والا ہے۔ [۲۱۵] (تم خود اپنی حفاظت کے لئے کھڑے ہو جاؤ) تم پر جنگ کرنا لکھا گیا ہے حالانکہ وہ تم کو تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو مکروہ جانو حالانکہ وہ تمہارے لئے خیر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پیارا جانو اور وہ تمہارے لئے شر ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

سابق رکوع میں جنگ کا حکم دیا گیا تھا۔ اس رکوع میں بھی جنگ کے متعلق ہی احکام ہیں۔ جنگ ایک بہت بری چیز ہے مجبوراً کرنی پڑتی ہے اگر جنگ دنیا سے نکل جائے تو بہرصورت خیر ہے۔ لوگ چار مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس رکاوٹ کو پسند کرتا ہے ممکن ہے کہ چار مہینوں کی صلح سے دائمی صلح ہو جائے یا آپس میں عہد و پیمان ہی کیا جا سکے اور یوں لڑائی رک جائے۔ اگر مشرک لوگ رجب یا کسی اور مہینے کو حرمت والا قرار دے لیں تو تب اس میں لڑائی کے لئے پیش دستی نہ کرو۔ (الشهر الحرام بالشهر الحرام والحرمت قصاص ۲/۸) لیکن اللہ تعالیٰ نے چار مہینے حرمت والے وہ مقرر فرمائے ہیں جو حج کے دنوں کے بعد واقع ہوتے ہیں حج میں اس کی عام اطلاع بھی سب کو دی جا سکتی ہے نیز یہ جنگ کو مٹانے کے سامان ہیں (عسى الله ان يكف باس الذين كفروا ۵/۸)

حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ۔ [216] تجھ سے حرمت والے مہینے کی بابت (یعنی) اس میں لڑنے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ تو کہہ ان میں جنگ کی ابتدا کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کے رستہ سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور حرمت والی مسجد سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو اس سے نکال دینا اور بھی بڑا گناہ ہے اور دوز کا ستاد اخل (کر دینے) سے بڑھکر ہے۔ اور یہ (مشرک) لوگ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کبھی نہیں ٹلیں گے جب تک یہ تم کو اگر طاقت رکھیں تمہارے دین سے پھیر نہ لیں۔ اور جو کوئی تم میں اپنے دین سے پھر جائے پس مر جائے اس حال میں کہ وہ کافر ہو تو ان لوگوں کے عمل دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے۔ اور وہی لوگ آگ والے ہیں۔ وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں۔ [217] بلا شبہ وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے رستہ میں کوشش کی یہ لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔ [218] تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ تو کہہ کہ ان دونوں میں گناہ بھی بڑا ہے اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑھ کر ہے۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ تو کہو جو حاجت سے زیادہ ہو۔ اللہ تعالےٰ اسطرح سے تمہارے لئے اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا و آخرت میں غور کرو۔ [219] اور تجھ سے یتیموں کی بابت پوچھتے ہیں۔ تو کہہ کہ ان کی اصلاح کرنا خیر ہے اور اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ مفسد کو مصلح سے (الگ) جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا البتہ تم کو تنگی میں ڈال دیتا۔ بلاشبہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ [220] اور ان مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو جب تک یہ ایمان نہ لائیں۔ اور البتہ ایماندار بندی مشرک بندی سے بہتر ہوتی ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش لگے اور ان مشرکوں کا نکاح نہ کراؤ۔ جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور ضرور مومن بندہ مشرک سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ تم کو اچھا لگے۔ یہ لوگ

گھروں میں خانہ بیویاں تھیں۔ ۲۵/۲

رکوع ۲۷

۲۱۷ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ
وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ
أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا
يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَ
مَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَـٰئِكَ حَبِطَتْ
أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَـٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ ۝ ۲۱۸ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ أُولَـٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝
۲۱۹ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝ ۲۲۰ فِي الدُّنْيَا وَ
الْآخِرَةِ ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن
تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ
شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۲۲۱ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ

والے ہو۔ اور خوشخبری اُن کو دے جو دل سے خدا کو ماننے والے ہیں۔ جب اُن کا ایمان حق الیقین کے درجہ پر پہنچایا جائے گا اُس وقت انکو اصل لقاء اللہ حاصل ہوگا۔

حیض کے دنوں میں جب مرد اپنی عورت کو بلاتا ہے اور وہ انکار کرتی ہے تو بعض لوگ عورت سے ناراض ہوجاتے ہیں اور غصہ میں قسمیں کھا لیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں تجھ سے کلام نہیں کرونگا۔ اور کبھی میں تجھسے سلوک سے پیش نہیں آؤنگا۔ میں تجھے گھر سے نکال دونگا۔ اور تجھے معلقہ بٹھا رکھونگا۔ میں تیرے ماں باپ اور رشتہ داروں سے کبھی نہ بولونگا۔ بلکہ ان کے ساتھ لڑائی کرونگا۔ اسی طرح دوسرے لوگ بھی غصہ میں آکر ایسی قسمیں کھالیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیض کے بیان کی مناسبت سے اللہ تعالےٰ نے اس جگہ فرمایا ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کے نام کو ایسی فضول قسموں کے لئے نشانہ نہ بناؤ اور روک نہ ٹھہراؤ۔ اور یاد رکھو کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

مومن لغوت بچتے اور دور رہتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسی قسم کھالے اور پھر فوراً اس سے بچتا ہے تو اس کے لئے کوئی کفارہ نہیں ہے۔ ہاں جو شخص اپنے دلی ارادہ پر اڑ جائے تو اگر وہ قرآن مجید کا ماننے والا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اس قسم یا اس قسم کے عہد سے باز آئے اور اس کا مناسب کفارہ دے۔ کفارہ کا بیان سورت مائدہ میں ہے اور اگر کسی اچھے کام کا وعدہ کیا ہو یا قسم کھالی ہو پھر وہ اسے توڑ دے تو کفارہ بھی ادا کرے۔ اور پھر اس عہد پر قائم ہوجائے اور اس پر عمل کرکے دکھلائے۔ نیک قسموں اور عہدوں کا پورا کرنا بڑا ضروری ہے۔ ایسے وفادار شخصوں کے لئے اللہ تعالیٰ غفورٌ حلیم ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے آگے قسم کھائے (اور یہ بھی یاد رہے کہ جو عہد دل سے کیا جاتا ہے وہ بھی قسم کی مانند ہوتا ہے) اور کہے کہ میں تجھے چار ماہ سے زائد عرصہ کے لئے یا ساری عمر کے لئے معلق رکھونگا تو اُس عورت کے لئے اجازت ہے کہ وہ چار ماہ کے بعد دوسرا نکاح کرلے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ عورت اپنے معلق کئے جانے کی تمام لوگوں کو اطلاع کردے اور اپنے ظالم خاوند کو بھی باقاعدہ نوٹس دیدے تاکہ یہ بات کسی طرح سے بھی مشتبہ نہ رہے۔ اور اگر وہ عورت اپنی مرضی سے صلح کی خاطر بیٹھی رہے تو یہ اُس کا اپنا اختیار ہے۔ پھر اگر مرد بھی کفارہ دے کر رجوع کرلے اور اصلاح کا پختہ ارادہ کرے تو بلاشبہ اللہ تعالےٰ غفور رحیم ہے۔

اور اگر اُس کا خاوند طلاق کا عزم کرلے تو طلاق ایک بہت بُری چیز ہے۔ طلاق کی اجازت حاکموں اور منصفوں کی کوششوں کے بعد ہوسکتی ہے۔ شرارت کرنے والا یاد رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالےٰ سمیع علیم ہے

تمہیں (جبر مذہبی کی) آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور بخشش کی طرف بُلاتا ہے اور لوگوں کے لئے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

چونکہ اس سے پہلے جبر مذہبی کرنے والے مشرکوں سے نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے (اور اس وقت تک جو مسلمان ہوئے تھے وہ بالعموم مشرکوں ہی سے اہل اسلام بنے تھے) اور چونکہ مشرکوں کی عادت تھی کہ حیض میں عورتوں سے خلاف وضع فطری کا بھی فائدہ اٹھا لیتے تھے اس لئے ان مسلمانوں نے اپنی اُس پرانی عادت کے مطابق حیض کے متعلق پوچھا کہ کیا ہم اپنی بیویوں سے خلاف طریقۂ فطری فائدہ اٹھایا کریں؟ اس گندے سوال کا پتہ جواب سے صاف معلوم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو فرماتا ہے کہ تو کہہ دے کہ حیض ایک دکھ دینے والی چیز ہے۔ اگر لوگ اُس وقت اپنی گندی مرضی کے مطابق عورتوں کی طبیعت کو جوش میں لائیں گے تو خطرہ ہے کہ ان کا خون حیض حرکت میں آکے کثرت کے ساتھ جاری نہ ہو جائے اور عورتوں کی بیماری کا موجب نہ بن جائے۔ ایسا ناپاک فعل مرد کے لئے بھی سخت مضر ہے۔ لوگو! اگر تمہارا ایسا ہی گندہ خیال ہے تو لازم ہے کہ تم اپنی بیویوں سے حیض میں الگ ہو جاؤ اور جب تک وہ حیض سے پاک نہ ہو لیں، اُن کے پاس بھی نہ جاؤ۔ پھر جب وہ خوب طرح سے پاک ہو جائیں یعنی نہا دھولیں اور اپنے کپڑے بھی صاف کر لیں تو تم اُن کے پاس وہاں سے آؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے حیض میں تم کو اپنی بیویوں سے روک کر اشارۃً حکم کیا ہے کہ تم ان کے پاس وہاں سے آؤ۔ پھر قدرتی طور پر بھی یہی حکم ہے۔ حیوانات بھی خلاف وضع فطری سے باز رہتے ہیں۔ تو کیا تم انسان ہو کر بھی اُن سے گئے گذرے ہو گئے۔ تمہارے ارادے اور خیالات گندے ہیں۔ ان سے توبہ کرو اور باز آؤ اور پاک بننے کا ارادہ کرو۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک بننے والوں کو پیار کرتا ہے۔

لوگو! تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتی کا فائدہ دیتی ہیں۔ اور اگر کھیتی کا فائدہ کسی اور طرف سے بھی حاصل ہو سکتا ہے تو بلاشبہ تم اپنی کھیتیوں میں جہاں سے چاہو آؤ اور ایسے گندے خیالات میں ہی نہ پڑے رہو بلکہ اعلیٰ نیکیاں بجالا کے کچھ اپنی جانوں کے لئے آگے بھیجو۔ پھر اولاد کی اُمید کے وقت بھی گندے اور قابلِ نفرت خیالات سے محترز رہنا چاہیئے تاکہ اولاد حسین و نیک پیدا ہو، ایسے وقت میں آئندہ کے فائدہ کا ضرور لحاظ رکھنا لازم ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ تم پاک اور قدوس خدا سے ملنے

میں اس پر زائد خرچ کرنے کا حکم ہے جب تک کہ وہ بچہ نہ جن لے۔ اگر عورت بچے کو دودھ پلائے تو مرد کو حکم ہے کہ اسکو مزدوری دے (۲۳۳) اور اگر عورت اپنے وطن کو چھوڑ کر جاتی ہے تو مرد کو اُسے کپڑے۔ کھانا دانا اور مہر دینا بھی لازم کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنے حقوق کو قربان کرے تو یہ باتیں سچی محبت کے نشان ہیں۔

آگے خاوندوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ مردوں کو ان پر نگرانی اور حفاظت کا درجہ دیا گیا ہے لوگوں کو چاہیئے کہ نیک لوگوں کا شورے سے انتخاب کرتے رہیں اور ان کے ہاتھوں اپنا انتظام دیں۔ مرد بالعموم فوجی خدمت کے لئے بھی تیار ہو سکتے ہیں۔ ان کو خدا تعالے نے عورتوں سے زیادہ قوت بخشی ہے عورتیں ان کے مقابلے میں صنفِ نازک سے موسوم کی جاتی ہیں۔ پھر مرد عورتوں کی نسبت زیادہ تجربہ کار بھی ہو سکتے ہیں۔ علاوہ بریں مرد عورتوں کی نسبت اعلے تجارتیں اور محنتیں کر کے مال بھی کما سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کمیٹی جو قوت و تجربہ و مال سے مدد دے سکیں لوگوں کے انتخاب سے ہمیشہ قائم ہوتی رہنی چاہیئے۔ اس کمیٹی میں اس قسم کی تجربہ کار عورتیں بھی شامل ہو سکتی ہیں لیکن وہ کم ہونگی لہذا حکومت قدرتی طور پہ مردوں ہی کے ہاتھ میں رہے گی۔ اس جگہ اللہ تعالے نے الرجال فرمایا ہے نہ کہ خاوند۔ قرآن مجید میں بہت سی جگہ ایسی مجالسِ شوریٰ کا ذکر ہے، بے شک نگرانی اور حفاظت کا درجہ انہیں لوگوں کے سپرد ہے۔ پھر اللہ تعالے ان کو بھی ڈراتا ہے کہ یاد رکھنا کہ میں غالب ہوں اور اگر تمہیں مہلت دیتا ہوں تو وہ بھی مبنی بر حکمت ہے۔

رکوع ۲۸

۲۲۲ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۗ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ
وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ
اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○ ۲۲۳ نِسَآؤُكُمْ
حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَ
اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ۲۲۴ وَلَا

پس شرارت کرنے والے لوگ خدائے سمیع علیم سے بچ نہیں سکتے۔

اور جب عورتوں کو طلاق دیا جائے تو خاوندوں کو اُن سے بات چیت بند نہیں کرنی چاہیئے۔ ہوسکتا ہے کہ اس میل جول میں ان کی صلح ہو جائے۔ خاوند اپنی بیویوں سے اُن کے حیض وطہر کا حال پوچھتے رہیں اور دوسری عورتوں کے ذریعہ سے بھی تحقیق کرتے رہیں۔ اس صورت میں مطلقات کی عدت تین طہر ہوگی۔ لیکن اگر شک ہو تو عدت تین مہینے ہونی چاہیئے۔ اگر کسی عورت کو عمر کے لحاظ سے حیض آنا ممکن ہو لیکن اُسے کسی مرض کے سبب سے حیض نہ آیا ہو تو اسکی عدت بھی تین مہینے ہے۔

اور اگر کسی حالت میں کسی عورت کو معلوم ہو کہ اُس کے پیٹ میں کوئی بچہ ہے تو اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے انصاف کے دن پر ایمان رکھتی ہے تو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند سے اپنے حمل کا حال چھپائے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک شخص کا بچہ دوسرے کا کہلائے اور نسب میں فرق پڑ جائے۔ اگر کوئی شخص ولدالزنا بھی ہو تو اس کی نسبت نانے نانیوں کی طرف تو ضرور ہوسکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ نسب کا پتہ باپ دادوں کی طرف سے ہی لگایا جائے جیسا کہ اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ آیت وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن سے بھی پتہ لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام آدمیوں کو بنی آدم ہی کہتا ہے۔ سب آدمی باپ دادوں کے ذریعہ سے ہی حضرت آدمؑ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح تمام بنی اسرائیل کا علاقہ بھی حضرت اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کے ساتھ باپ دادوں کے ذریعہ سے ہی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ سورت انعام میں فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ وہارون وزکریا علیہم السلام کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ بھی تھا۔ مگر ملاں لوگ تمام دیگر انبیاء ورسل کے برخلاف کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق باپ کے معنے ماں کے ہیں۔ انہی آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام رسل وانبیاء کا بڑا دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام تھا۔ پھر دوسرا دادا اسحاق علیہ السلام اور تیسرا دادا حضرت یعقوب علیہ السلام تھے اور اسی طرح نیچے کو دادوں اور باپ کا سلسلہ چلا آتا تھا۔ سو جب حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی دادا تھا تو بالضرور باپ بھی موجود ہوگا۔ باپ کے بغیر کوئی شخص بھی دادا نہیں بن سکتا۔

آگے فرمایا کہ مطلقات والات الاحمال کے خاوند باوجود مختلف مجالس واوقات میں ہزار بار طلاق دینے کے مدتِ عدت اور مدتِ حمل میں اپنی بیویوں کو موڑ لینے کے بڑے حقدار ہیں بشرطیکہ وہ اصلاح کا ارادہ کریں۔ اور اصلاح کا قاعدہ یہ بتایا ہے کہ عورتوں کے لئے ویسے ہی حقوق ہیں جو عورتوں پر معقول طور سے ڈالے جاسکتے ہیں یعنی میاں بیوی یکساں حق رکھتے ہیں۔ اگر عورت حمل کا بوجھ اٹھاتی ہے تو مرد کو اسکے عوض

اور (خدا سے) نہیں ڈرو گے اور لوگوں کے درمیان اصلاح نہیں کرو گے روک مت بناؤ۔ اور (اگر تم ایسی شرارت کرو گے تو جان رکھو کہ) اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔[۲۲۴] اللہ تم کو تمہاری فضول قسموں کے سبب (کفارے کے ساتھ) نہیں پکڑتا لیکن وہ اسکے سبب سے تمہیں پکڑتا ہے جو تمہارے دلوں نے کمایا ہے اور (اگر کفارہ دے دو تو) اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔[۲۲۵] اُن لوگوں کے لئے جو اپنی بیویوں سے ایلاء (یعنی الگ رہنے کی قسمیں یا عہد) کرتے ہیں چار ماہ کا انتظار ہے پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔[۲۲۶] اور اگر وہ طلاق کا عزم کریں تو بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔[۲۲۷] اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو تین طہر کا انتظار کرائیں اور ان کے لئے یہ حلال نہیں کہ جو اللہ نے ان کے پیٹوں میں پیدا کیا ہے اسکو چھپائیں۔ اگر ان کا اللہ اور یوم آخر پر ایمان ہے۔ اور ان کے خاوند اس مدت میں ان کو موڑ لینے کے بہت حقدار ہیں۔ بشرطیکہ وہ اصلاح کا ارادہ کریں اور (یاد رہے کہ) عورتوں کے لئے ویسے ہی حقوق ہیں جو دستور کے ساتھ خود عورتوں پر ہیں۔ اور مردوں کے لئے جو شوریٰ سے مقرر کئے جاتے ہیں (نہ خاوندوں کے لئے) ان پر درجہ ہے اور (اگر وہ اس درجہ کا ٹھیک استعمال نہ کریں، تو) اللہ غالب حکمت والا ہے۔

فائدہ - اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو بغیر ہاتھ لگائے طلاق دیدے تو ایسی عورتوں کے لئے کوئی عدت نہیں۔ ان کو اپنی توفیق کے مطابق کچھ دینا اور نیک طرح سے رخصت کرنا ضروری ہے۔ یہ حکم بظاہر صورت اس جگہ یا سورۂ طلاق یا ایسی سورتوں میں آنا چاہیئے تھا لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنی اعلیٰ حکمت کے مطابق اس حکم کو نکاح زینبؓ کے ذکر میں بیان فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ زینبؓ ظاہری صورت کے لحاظ سے ایسی تھی کہ اسے زید جیسا شخص بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

خلاصہ - چونکہ طلاق اور حقوقِ زوجین کا ذکر شروع ہو گیا ہے اسلئے آئندہ تین رکوع میں بھی یہی ذکر ہے۔ طلاق کس طرح سے دینا چاہیئے۔ خلع کس صورت میں ممکن ہے۔ اس قسم کی عورتیں عدت کے گذر جانے کے بعد بھی اگر مرد و عورت دونو پسند کریں اور اللہ تعالےٰ کے بیان کئے ہوئے حقوق پر قائم رہنا چاہیں تو ان کا رجوع ممکن ہے۔ ضرر دینے اور تعدی کرنے کے لئے عورتوں کو نہ روکنا چاہیئے۔ پھر جو لوگ انہیں عدت کے گذر جانے پر خاوندوں کی طرف رجوع کرنے سے روکتے ہیں۔ انہیں بند کیا اور پہلے خاوند کے ساتھ تعلق رکھنے کو اذکیٰ و اطہر فرمایا۔ پھر مائیں اگر اولاد کو دودھ

تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ
النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ [٢٢٤] لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ
وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝
[٢٢٥] لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ [٢٢٦] وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
[٢٢٧] وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ
يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَ
لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ع

ترجمہ۔ [٢٢١] اور لوگ تجھ سے حیض کی بابت سوال کرتے ہیں (کہ کیا ایسے وقت میں عورتوں سے خلاف وضع فطری کام لینا جائز ہے؟) تو کہہ وہ ایک تکلیف ہے (سو اگر تمہارا ایسا گندہ خیال ہے) تو تم حیض میں عورتوں سے کنارے ہو جاؤ اور جب تک وہ پاک نہ ہو لیں ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ پھر جب وہ خوب طرح سے پاک ہو لیں تو ان کے پاس وہاں سے آؤ جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ بلاشبہ اللہ (گندے خیالات سے) توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور پاکیزگی اختیار کرنیوالوں کو پیار کرتا ہے۔ [٢٢٢] (لوگو!) تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتی ہیں (اور اگر کھیتی کا فائدہ کسی اور طرف سے بھی مل سکتا ہے) تو تم اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو آؤ۔ اور (ایسے گندے خیالات سے توبہ کرو۔ بلکہ) اپنی جانوں کے لئے کچھ آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرو۔ جان رکھو کہ تم اس (قدوس خدا) سے ملنے والے ہو۔ اور خوشخبری دے اُن لوگوں کو جو مومن ہیں۔ [٢٢٣] اور اللہ کو اپنی ایسی قسموں کے لئے کہ تم سلوک نہیں کرو گے،

سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ تمام مضامین کو کیسی خوبی سے بیان کرتا ہے۔ پس وہ کسی وحی کو اور کسی ایسی تفسیر کو جس کا وحی سے کرنا ضروری ہو قرآنِ کافی وکامل سے باہر نہیں چھوڑ سکتا۔ ہاں بعض باتیں انسان کو ترقی دینے کے لئے انسانی عقل وشوریٰ اور منصفوں کے فیصلوں پر چھوڑی گئی ہیں۔ رسولِ کریمؐ بھی مشورے کرتے حکمت سے کام لیتے اور جھگڑوں کے تصفیہ کے لئے منصف مقرر کرتے تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ مرد ہی عورتوں سے خِطبہ کر کے نکاح کیا کرتے ہیں۔ لیکن اگر نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہو تو اس کے معنے ہوتے ہیں نکاح والی ہونا یا نکاح کو قائم رکھنا۔ پس حتّیٰ تنکح زوجاً غیرہ کے یہ معنے ہیں کہ جب تک وہ دوسرے خاوند کے ساتھ (جو پہلے خاوند کا غیر ہے) نکاح کو قائم رکھے۔ اسی طرح فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن کے معنے ہیں کہ تم ان عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کو قائم رکھنے سے نہ روکو۔ حول کے معنے گرد پھرنا۔ چونکہ زمین سورج کے گرد پورے سال میں پھر آتی ہے اس لئے حول شمسی سال کو کہتے ہیں۔

رکوع ۲۹ - ۳۰ - ۳۱

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ
لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا
حُدُودَ اللَّهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا
افْتَدَتْ بِهِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ
زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ
يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ وَإِذَا
طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُو
هُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ

دیں تو ان کے نان و نفقہ کا بیان کیا اور فرمایا کہ نہ ماں کو اپنے بیٹے کے سبب تکلیف دیجائے اور نہ اس شخص کو جس کا وہ بلحاظ نسب کے بیٹا ہوتا ہے کوئی دکھ دیا جائے۔ خاوند کے مرنے کے بعد ماؤں کے دودھ پلانے کی مزدوری ورثہ میں ڈالی۔ دودھ چھڑانے کے متعلق دو شرائط بیان کیں:۔

اوّل۔ آپس کی رضامندی۔

دوم۔ یہ مشورہ کہ کہیں دودھ کے چھڑانے سے بچہ کو تکلیف تو نہ ہوگی؟

آگے دائیوں کے رکھنے کی اجازت دی اور ان کی تنخواہ کا بھی ذکر کیا۔ اس آیت میں یہ بھی بتلا دیا کہ رضاعت کی کامل مدت دو سال ہے زاں بعد اگر کوئی کسی عورت کا دودھ پیئے گا تو وہ اسکی دودھ ماں نہیں بنجائیگی۔

آگے مرنے والے خاوندوں کی بیویوں کی عدت کا ذکر کیا اور اگر وہ نکاح ثانی کرنا چاہیں تو انہیں اجازت دی۔ ان متوفی خاوندوں کی بیویوں کے ساتھ خود مدتِ عدت میں اشارہ تو کیا جا سکتا ہے لیکن خفیہ وعدہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنے معاملہ میں آزاد ہیں۔ پھر مہروں کی ادائیگی کا ذکر کیا اور سب کو درگذر کرنا سکھایا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہ احکام بھی نماز ہی ہیں۔ ان کی حفاظت کرو اور اس نماز کی جو بندے کو خدا سے ملانے والی ہے بڑی ہی تاکید کی۔ اور فرمایا کہ اللہ کے لئے مودب اور خاموش ہو کر جم جاؤ۔ یہ امن کی حالت کا طریق ہے اور اگر کسی قسم کا خوف ہو تو پیادہ اور بحالتِ سواری ہی ذکر الہٰی کر لو۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ اس میں گذشتہ احکام کی تاکید فرمائی گئی ہے اور آئندہ دو حکموں کے لئے خوفِ الہٰی دلانے کو اسے تمہید بنایا گیا ہے یہ دو ایسے حکم ہیں کہ جن کی طرف سے لوگ سخت بے پروا ہیں۔ متوفی خاوندوں کی بیویوں کے لئے حکم ہے کہ ان کے لئے ایک سال تک خرچ اور مکان دینے کی وصیت کی جائے تاکہ غریب عورتوں کے لئے اگر انہیں نکاح نہ مل سکے۔ تو گذارہ کا باعث بنے۔ لیکن اگر عدت کے گذر جانے کے بعد وہ خود ہی اپنے حق میں کوئی مناسب و جائز انتظام کر کے چلی جائیں تو وارثوں پر کوئی گناہ نہیں۔

دوسرا حکم یہ تھا کہ اسی طرح مطلقات کو ان کے حقوق کے علاوہ معقول طور پر کچھ اور بھی دیا جائے۔ جس سے اُن کا گذارہ چل سکے۔ یہ دونو باتیں متقیوں پر حق ہیں۔ اور ان باتوں کی تاکید کے لئے اور خدا کے خوف کو یاد دلانے کی خاطر پہلے صلوٰۃ وسطیٰ کی تمہید اٹھائی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم عبادتِ الہٰی کے ساتھ ایسے حقوق کا بھی خیال رکھو گے تو بلاشبہ تمہاری نماز تم کو خدا سے ملا دیگی۔

جس بات کو خدا تعالےٰ لئے وحی کرنا ہوتا ہے وہ اسے بھول نہیں سکتا۔ قرآن مجید پر غور کرنے والا دیکھ

أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا
تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ
النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي
أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ع
۲۳۵ لَّا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا
لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ
مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝ ۲۳۶ وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن
قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ
إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَن تَعْفُوا
أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرٌ ۝ ۲۳۷ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ
قَانِتِينَ ۝ ۲۳۸ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا
اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ ۲۳۹ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ
وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ
إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ
مِن مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۲۴۰ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ ۲۴۱ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ
اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝
۲۳۱ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ
اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ
مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۲۳۲ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ
كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ
وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ
وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ
فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ
وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ
مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ۝ ۲۳۳ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ
بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ۝ ۲۳۴ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ

شخص کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ نہ ماں کو اپنے بیٹے کے ساتھ اور نہ اس شخص کو جس
کا وہ بیٹا ہے اپنے بیٹے کے ساتھ کسی قسم کی تکلیف دی جائے (یعنے بیٹے کو ماں اور باپ سے ملنے میں
رکاوٹ ڈالنا منع ہے) اور (اگر وہ خاوند مرجائے تو) اس شخص پر جو وارث ہوتا ہے اس کی مثل (خرچ) ہے
پھر اگر دونو (یعنی میاں بیوی) آپس کی رضامندی اور آپس کے مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونو پر
کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر تم ارادہ کرو کہ اپنی اولاد کو کسی عورت سے دودھ پلواؤ تو تم پر اس صورت میں کوئی گناہ
نہیں جب کہ تم دستور کے مطابق جو کچھ دینا ہے ان کو سونپ دو۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالےٰ
تمہارے کاموں کا دیکھنے والا ہے۔ ۲۳۳ اور وہ لوگ جو تم میں سے فوت کئے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ
بیویاں اپنی جانوں کو چار ماہ اور دس دن کا انتظار کرائیں (زندہ خاوند تو ان کے حیض و نفاس کی تحقیق کرتے
ہی تھے لیکن جب وہ مر گئے اور تحقیق کرنا مشکل ہوگیا تو حمل کے پتہ لگانے کے لئے چالیس دن اور زیادہ کر
دیئے۔) پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے حق میں دستور
کے ساتھ کریں اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ ۲۳۴ اور تم پر اس بات کے کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ جس
کے ساتھ تم بیویوں کی منگنی سے اشارہ کرو۔ یا اپنے دلوں میں چھپائے رکھو۔ خدا جانتا ہے کہ تم ان عورتوں
کا ذکر کروگے ولیکن ان سے پوشیدہ وعدہ نہ کر رکھو۔ ہاں اگر کوئی دستور کی بات کہہ دو تو کہہ دو (کہ تو فکر
نہ کر۔ خدا مسبب الاسباب ہے) اور جب تک کہ (عدت کی) لکھت اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے تم نکاح کو
پختہ کرنے کا ارادہ نہ کرنا اور جان رکھو کہ اللہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے جانتا ہے۔ سو تم اس سے بچتے
رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔ ۲۳۵ ع
جب تک تم عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ یا ساتھ ہی ان کے مہر مقرر نہ کرلو۔ تو اس حالت میں اگر تم طلاق
دے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور ان عورتوں کو دستور کے ساتھ فائدہ دو۔ فراخی والے پر اس کا اندازہ ہے
اور تنگی والے پر اس کا اندازہ ہے یہ (فائدہ دینا) نیکوں پر (ثابت شدہ) حق ہے۔ ۲۳۶ اور اگر تم عورتوں کو
ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو اور تم ان کے لئے مہر مقرر کرچکے ہو۔ تو جو تم نے مقرر کیا ہے (تمہارے
ذمہ اس کا) نصف ہے۔ ہاں اگر وہ عورتیں معاف کردیں یا وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کا پکا کرنا ہے
(یعنی خاوند جیسا کہ اوپر مذکور ہے) معاف کردے (مطلب یہ کہ عورتیں نصف یا نصف کا کوئی حصہ چھوڑ
دیں اور خاوند کل یا نصف سے زائد دیدیں) اور (اے مرد اور عورتو) تمہارا ایک دوسرے کو معاف کرنا تقویٰ
کے بہت قریب ہے اور تم آپس میں اپنی بزرگی کو مت بھولو۔ بلاشبہ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

ترجمہ - ۲۲۸ طلاق (رجعی) دو دفعہ ہونا چاہیئے۔ پھر (عدت کے گذرنے پر) نیکی کے ساتھ روک رکھنا یا احسان کے ساتھ رخصت کرنا ہوتا ہے۔ اور (اے اصحاب حکام و مجلس شوریٰ) تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم اس (مال) سے کچھ لے لو جو تم نے (خاوندوں سے لے کر) ان کو دیا ہے۔ مگر (اس صورت میں لے سکتے ہو) کہ دونو (میاں اور بیوی) خائف ہوں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھیں گے (عورت چاہتی ہے کہ مجھے پورے حقوق ملیں۔ مرد بھی بخل و حرص کرتا ہے) تو ان دونو پر اس (مال کے لینے) میں کوئی گناہ نہیں کہ جس کے عوض پر وہ عورت اپنے آپ کو چھڑائے۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں سو تم ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ ۲۲۹ پھر اگر اس (مرد) نے اس (عورت) کو طلاق (بائن) دے دیا تو (یاد رکھے کہ) وہ اس کے لئے پیچھے کو حلال نہیں ہوگی۔ جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح (قائم) نہ کرے گی جو اسکا غیر ہے۔ سو اگر اس نے اسکو طلاق دے دیا ہے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ دونوں رجوع کرلیں بشرطیکہ وہ دونو خیال رکھیں کہ وہ دونو اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ وہ علم والے لوگوں کے لئے انہیں بیان کرتا ہے۔ ۲۳۰ اور جب تم بیویوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں۔ تو تم ان کو نیکی کے ساتھ (اپنے نکاح میں) تھام رکھو یا نیکی کیساتھ رخصت کردو۔ اور انہیں ضرر دینے کے لئے نہ روک رکھو تاکہ تم ان پر کسی طرح کی تعدی کرو اور جو شخص ایسا کام کرے تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور تم اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھہ نہ پکڑو اور خدا نے تم پر جو انعام کئے ہیں انہیں یاد رکھو اور اس قرآن کو بھی یاد رکھو جو تم پر (خدا کی) کتابوں اور (خدا کی) حکمتوں سے نازل کیا گیا ہے۔ خدا تم کو اسکی نصیحت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ ع ۲۹

۲۳۱ اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں تو (گذشتہ آیہ کے مطابق ان کے خاوند انہیں رکھ سکتے ہیں لہذا اے رشتہ دارو!) تم ان عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح رکھنے سے نہ روکو۔ جب کہ وہ آپس میں دستور کے ساتھ راضی ہو جائیں۔ اس بات کی اس شخص کو وعظ کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ بات تمہارے لئے زیادہ فائدہ اور زیادہ پاکیزگی کی ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم (اپنے غصہ سے اندھا ہو جانے کی وجہ سے) نہیں جانتے۔ ۲۳۲ اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں (یہ تحدید اس لئے کی گئی ہے کہ طلاق وغیرہ میں جھگڑے کی کوئی صورت باقی نہ رہے یہ دو سال) اس شخص کے لئے ہیں جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہے اور اس شخص کے ذمے جس کا وہ بچہ ہے (کیونکہ نسب کا تعلق تو اسی کے ساتھ ہے) ان (ماؤں) کا دستور کے ساتھ روٹی اور کپڑا ہے۔ کسی

تمام علوم تھے جو آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون چھوڑ گئے تھے۔ اس میں خدا کی طرف سے تسلیات اور معقول اور دائمی حقائق تھے۔ یہ حقائق خدا تعالےٰ کی طرف سے انہیں بطور وحی کے ملے تھے۔ تحملہ الملٰئکۃ کے یہی معنے ہیں کہ "فرشتے ان باتوں کو خدا سے لے آیا کرتے تھے" پھر جب حضرت طالوت نے ایک نہر کے ساتھ ان کی آزمائش کی تاکہ بزدل الگ ہو جائیں اور دوسرے لوگ ان کے بزدلانہ اثر سے بچے رہیں اور بھاگ نہ جائیں۔ طالوت بڑے بہادر اور طویل القامت تھے اسی لئے انہیں طالوت کہتے تھے۔ جالوت بھی بہادر اور جنگ میں جولانی دکھلانے والا تھا۔ آخر حق کی فتح ہوئی اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا۔ اس کی فوجیں بھاگ گئیں۔ پھر طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے اور خدا تعالےٰ نے ان کو علم دیا۔ نتیجہ یہ نکالا کہ اگر اللہ تعالےٰ بد لوگوں کے شر کو نیک لوگوں کے ذریعہ سے دور نہ کر دیتا۔ تو دنیا میں فساد مچ جاتا۔ یہ سچی باتیں ہیں اور تو بھی انہی رسولوں میں سے ایک رسول ہے۔ رسولوں میں اختلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ ہاں رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت ہو سکتی ہے لیکن تعلیم ان کی ایک ہی اور حق ہوتی ہے مگر پچھلے لوگوں نے اختلاف کیا اور رنگا رنگ فرقے بن گئے۔ حق میں ایسے اختلافات کا نتیجہ فرقہ بندی ہی ہوا کرتا ہے اور یہ ایک خدائی اٹل سزا ہے۔

رکوع ۳۲ - ۳۳

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ
فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ○ ۲۴۳ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ۲۴۴ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ○ ۲۴۵ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى
اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ

۲۳۷ ان نمازوں کی حفاظت کرو اور اس نماز کی بھی جو فاضل تر ہے (یعنی ذکرِ الٰہی والی نماز کو قائم کرو) اور اللہ کے
لئے مؤدب ہوکر جم جاؤ۔ ۲۳۸ پھر اگر تم خوف کرو تو پیادہ یا سوار رہی سہی) سو جب تمہیں امن ہو تو اللہ کو اسی
طرح یاد کرو جیسے اُس نے تم کو جو تم نہیں جانتے تھے سکھایا ہے (یعنی قوموا للّٰہ قانتین کے حکم میں
یا گذشتہ تعلیمات کے شکریہ میں)۔ ۲۳۹ اور وہ لوگ جو تم میں سے فوت کئے جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ
جاتے ہیں تو وہ اپنی بیویوں کے لئے بغیر (انہیں) نکالنے کے ایک سال تک فائدہ دینے کی وصیت
(کر جائیں)، پھر اگر وہ عورتیں خود ہی نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ عورتیں اپنے بارے
میں دستور کے ساتھ کریں۔ اور (یاد رکھو کہ) اللہ غالب حکمت والا ہے؛ ۲۴۰ اور (اسی طرح) مطلقات کے
لئے بھی دستور کے ساتھ فائدہ دینا ہے یہ متقین پر (ثابت شدہ) حق ہے۔ ۲۴۱ اس طرح اللہ تمہارے لئے
اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل کرو (اور ترقیات حاصل کرتے جاؤ)؛ ع

مسلمانوں نے اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے ہجرت کی۔ کافر ان کو وہاں آکر بھی ستاتے رہے جب
قبلے کے معاملے میں اصلاح کی گئی تو اہلِ کتاب نے بھی مسلمانوں کو سخت تکالیف پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ
نے اہلِ اسلام کو ثابت قدم رہنے کا حکم دیا اور ایسے طریق سکھائے جن سے وہ واقعی ثابت قدم
رہیں لیکن کفار پھر بھی نہ ٹلے تو حکم آیا کہ:-

وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللّٰہ لا یحب المعتدین۔

زاں بعد حج کی بھی اصلاحیں پیش کی گئیں مگر جب بھی لوگ شرارت سے باز نہ آئے تو فرمایا گیا کہ:-

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم

آگے ان کے فیما بین معاملات کی اور میاں بیوی کے متعلق اصلاحیں پیش کی گئیں اور انہیں
ان پر چلایا گیا۔ ان کی اندرونی اور بنیادی طاقت کو قائم کرکے یہ دو رکوع آتارے گئے۔

ان میں بنی اسرائیل کے ایک نمونے کو پیش کیا گیا ہے۔ پہلے سکھایا کہ ہزاروں تک پہنچنے کی حالت
میں موت سے ڈرنا اور چھپتے پھرنا ٹھیک نہیں۔ آگے مناسب ضرورتوں کے لئے مال کے جمع کرنے کی
تاکید فرمائی۔ پہلے یہ قصہ مجمل طور پر بیان کیا گیا تھا پھر اسی کو مفصل کرکے واضح کر دیا۔ اس میں یہ بھی
فرمایا کہ بادشاہ کس کو بنانا چاہیئے اور ظاہر کیا کہ طالوت کے انتظام کے سبب دشمنوں نے ڈر کر تابوتِ سکینہ
بنی اسرائیل کی طرف واپس کر دیا۔ یہ ان کا علمی خزانہ تھا جسے دشمن لوٹ کر لے گئے تھے۔ اس صندوق میں وہ

قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ
اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى
۲۵۱ الْعٰلَمِيْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ
۲۵۲ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ
كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ
وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

ترجمہ - ۲۴۲ کیا تو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو باوجود ہزارہا ہونے کے موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے (جب انہوں نے ظالم دشمنوں کے مقابلہ پر ایسی بزدلی دکھلائی) تو اللہ نے انہیں کہا (جاؤ) مرے رہو۔ پھر انہیں زندگی بخشی (آخروہ ظفریاب ہوئے) بلاشبہ اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (یہ قصہ مجمل ہے آگے الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل میں اسی کی ہی تفصیل آئی ہے)۔ ۲۴۳ اور اللہ کے رستہ میں (یعنے جائز طور پر) جنگ کرو اور جان رکھو کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۲۴۴ وہ کون ہے جو اللہ کو نیک قرض دے سو خدا اسے بہت گنے بڑھا کر دے اور اللہ ہی قبض و بسط کرتا ہے اور اسی کی طرف تم موڑے جاتے ہو۔ ۲۴۵ (آگے مذکورہ بالا قصے کی تفسیر ہے) کیا تو نے موسٰے کے بعد بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت کو نہیں دیکھا جب انہوں نے اپنے نبی کو کہا کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دے تاکہ ہم خدا کے رستہ میں جنگ کریں۔ اس (نبی) نے کہا۔ کیا تم اس بات کے قریب ہو کہ اگر تم پر

هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَآ
أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَآئِنَا ۖ فَلَمَّا
كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌۢ
بِالظَّٰلِمِينَ ○ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ
مَلِكًا ۚ قَالُوٓا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ
بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَآءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ
عَلِيمٌ ○ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ
سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَٰرُونَ
تَحْمِلُهُ الْمَلَٰٓئِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ○
فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ
شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّيٓ إِلَّا مَنِ
اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ
هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۙ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ
قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلَٰقُوا اللَّهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً
كَثِيرَةًۢ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّٰبِرِينَ ○ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ

دفع کرتا نہ ہوتا تو زمین میں فساد مچ جاتا۔ ولیکن اللہ تعالےٰ تمام عالموں (یعنی قوموں) پر فضل کرنیوالا ہے۔
۲۵۱ یہ اللہ کی (یعنی ہماری) آیتیں ہیں ہم انہیں تجھ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور بلاشبہ تو بھی بالضرور
رسولوں سے ہے۔ ۲۵۲ یہ رسول جو ہیں (جن کا ہم نے تجھ پر اوپر ذکر کیا ہے) ان کے بعض کو دوسرے بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن سے اللہ نے کلام کی (جیسے موسیٰ وغیرہ علیہم السلام) اور بعض کو درجوں میں بلندی بخشی (جیسے داؤد و سلیمان علیہما السلام) اور عیسےٰ ابن مریم کو (یہ ان کی کنیت تھی) کھلے بیان دیئے اور (اس کے بندہ ہونے کے سبب) اس کی پاکیزگی کی روح سے مدد کی (جیسے وہ تعہ دوسرے مومنوں کی بھی مدد کیا کرتا ہے وایدھم بروح منہ۔ باوجود رسولوں کی فضیلتوں میں اختلاف ہونے کے ان کی تعلیم ایک ہی تھی۔ اسی طرح تجھے بھی اللہ فضیلتیں دیوے تو خدائی تعلیم میں کیا فرق آسکتا ہے؟ الٰہی تعلیمیں ہمیشہ ٹھیک ہوتی ہیں) اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ اُن نبیوں کے بعد جبکہ ان کے پاس (خدا کی طرف سے) بیّنات آگئیں آپس میں جنگ نہ کرتے۔ ولیکن (انہوں نے شرارتیں کیں اور اس لئے) وہ مختلف ہوگئے پس بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائے اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو کافر ہوئے اور اگر اللہ تعہ (انہیں جبراً نیک بنانا) چاہتا تو وہ آپس میں جنگ نہ کرتے ولیکن اللہ (انسان کو ترقی دینے کے لئے بھی اختیار دیا کرتا ہے اور اس لئے) کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ ع۳۴

اس سے پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ تمام رسولوں کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بیّنات ہی ملی تھیں۔ بعد کے لوگوں نے اختلاف ڈالا۔ اور فرقے فرقے بن گئے۔ اب وہ آپس میں اسی طرح لڑتے ہیں۔ جس طرح انہیں طاغوت کے ساتھ مخالفت کرنی چاہیئے تھی۔ رسولوں کی فضیلتوں میں خواہ کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ اصل شریعت ہمیشہ بحکم لانفرق بین احد من رسلہ ایک ہی رہی ہے رسول خواہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ بادشاہ ہو یا غریب۔ گورا ہو یا کالا۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے لائے ہوئے حق اور صراط مستقیم میں ہمیں کوئی فرق نہیں کرنا چاہیئے۔

چونکہ اس آیت میں رسولوں کی امتوں کا آپس میں جنگ کرنا اور سخت اختلافات میں پھنسنا دکھلایا گیا ہے اسلئے ضرور تھا کہ اس رکوع میں اُن بنیادی باتوں کا ذکر کیا جاتا جن کے سبب وہ آپسمیں جنگ کرتے رہے تھے وہ پانچ باتیں ہیں:۔

جنگ لکھا جائے تو (انکار کردو اور) نہ لڑو۔ (کیونکہ وہ پہلے بھاگ کر گھروں سے نکل چکے تھے) وہ بولے (کہ کیا اب بھی ہم انکار کریں گے) اور ہمارے لئے کیا ہے کہ ہم اللہ کے رستہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم اپنے گھروں اور بیٹوں سے نکالے گئے ہیں۔ سو جب ان پر جنگ کرنا لکھا گیا تو ان میں سے تھوڑوں کے سوائے (باقی) سب نے روگردانی کی اور اللہ ظالموں کو جاننے والا ہے (معلوم ہوا کہ ایسے وقت میں لڑائی سے پیچھے ہٹنا خود اپنی جان پر ظلم کرنا ہے)۔ ۲۴۷ اور ان کو ان کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ وہ بولے اس کو ہم پر کس طرح بادشاہی مل سکتی ہے حالانکہ (اپنی شرافتِ نسبی کے سبب) ہم ملک کے اس سے زیادہ حقدار ہیں؟ اور نہ ہی اس کو مال کی فراخی دی گئی ہے۔ نبی نے کہا بلاشبہ اللہ نے اس کو (ہمدردی اور دیگر نیکیوں کے سبب) تم پر چن لیا ہے اور اسے علم (تجربہ) اور جسم (دلیری) میں زیادہ فراخی دی ہے (خود وہ نبی بھی بادشاہی کے لائق تجربہ اور بہادری میں یقیناً کم تھا) اور اللہ اپنے ملک کو جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ فراخی والا علم والا ہے۔ ۲۴۸ اور ان کو ان کے نبی نے کہا کہ اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی کی باتیں اور دائمی حقائق ہیں۔ یہ ان باتوں سے ہیں جو آلِ موسیٰ و آلِ ہارون چھوڑ گئے ہیں۔ ان کو فرشتے اٹھا کر لایا کرتے تھے بلاشبہ اسمیں (طالوت کی حکومت کی) البتہ تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔ ع ۳۲

۲۴۹ پھر طالوت اپنی فوجوں کو لے کر روانہ ہوا (تو راستہ میں) اس نے (اپنی فوجوں سے) کہا کہ اللہ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے سو جو کوئی اس میں سے پئے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اور جو کوئی اپنے ہاتھ سے چلّو بھر لینے کے علاوہ اسے چکھے تو وہ بلاشبہ میرا ہے۔ سو انہوں نے ان میں سے تھوڑوں کے سوائے اس (نہر) سے پی لیا۔ (اگر پہلے کسی اور نے بھی اس طرح کی آزمائش کی ہو تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ طالوت نے یہ آزمائش نہ کی ہو؟) پھر جب وہ اور جو اس کے ہمراہ ایمان لائے تھے اس (نہر) سے پار ہوئے تو وہ بولے کہ آج ہم کو جالوت اور اسکی فوجوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اُن لوگوں نے جن کا خیال تھا کہ ہم اللہ سے ملنے والے ہیں کہا:۔ بہت دفعہ چھوٹی جماعت اللہ کے اذن سے بڑی جماعت پر غالب ہو جاتی ہے اور (یہ ظاہر ہے کہ) اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ۲۵۰ الغرض انہوں نے ان کو اللہ کے اذن کے ساتھ بھگا دیا اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ نے اس کو بادشاہی اور سمجھ دی۔ اور اسے ان باتوں کا علم دیا جو وہ چاہتا تھا۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کا بعض آدمیوں (کے شر) کو دوسرے بعض سے

دفع کرنا نہ ہوتا تو زمین میں فساد مچ جاتا۔ ولیکن اللہ تعالےٰ تمام عالموں (یعنی قوموں) پر فضل کرنیوالا ہے۔
۲۵۱ یہ اللہ کی (یعنی ہماری) آیتیں ہیں ہم انہیں تجھ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور بلاشبہ تو بھی بالضرور
رسولوں سے ہے۔ ۲۵۲ یہ رسول جو ہیں (جن کا ہم نے تجھ پر اوپر ذکر کیا ہے) ان کے بعض کو دوسرے
بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن سے اللہ نے کلام کی (جیسے موسیٰ وغیرہ
علیہم السلام) اور بعض کو درجوں میں بلندی بخشی (جیسے داؤد و سلیمان علیہما السلام) اور عیسیٰ ابن مریم کو
(یہ ان کی کنیت تھی) کھلے بیان دیئے اور (اس کے بندہ ہونے کے سبب) اس کی پاکیزگی کی روح
سے مدد کی (جیسے وہ تعہ دوسرے مومنوں کی بھی مدد کیا کرتا ہے وایدھم بروح منہ۔ باوجود رسولوں
کی فضیلتوں میں اختلاف ہونے کے ان کی تعلیم ایک ہی تھی۔ اسی طرح تجھے بھی اللہ فضیلتیں دیوے تو
خدائی تعلیم میں کیا فرق آسکتا ہے؟ الٰہی تعلیمیں ہمیشہ ٹھیک ہوتی ہیں) اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ
اُن نبیوں کے بعد جبکہ ان کے پاس (خدا کی طرف سے) بینات آگئیں آپس میں جنگ نہ کرتے۔ ولیکن
(انہوں نے شرارتیں کیں اور اس لئے) وہ مختلف ہوگئے پس بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائے اور
بعض ان میں سے وہ ہیں۔ جو کافر ہوئے اور اگر اللہ تعہ (انہیں جبراً نیک بنانا) چاہتا تو وہ آپس میں
جنگ نہ کرتے ولیکن اللہ (انسان کو ترقی دینے کے لئے بھی اختیار دیا کرتا ہے اور اس لئے) کرتا ہے
جو ارادہ کرتا ہے۔ ع۳۴

اس سے پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ تمام رسولوں کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بینات ہی ملی تھیں۔ بعد کے لوگوں نے اختلاف ڈالا۔ اور فرقے فرقے بن گئے۔ اب وہ آپس میں اسی طرح لڑ رہے ہیں۔ جس طرح انہیں طاغوت کے ساتھ مخالفت کرنی چاہیئے تھی۔ رسولوں کی فضیلتوں میں خواہ کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ اصل شریعت ہمیشہ بحکم لا نفرق بین احد من رسلہ ایک ہی رہی ہے رسول خواہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ بادشاہ ہو یا غریب۔ گورا ہو یا کالا۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے لائے ہوئے حق اور صراط مستقیم میں ہمیں کوئی فرق نہیں کرنا چاہیئے۔

چونکہ اس آیت میں رسولوں کی امتوں کا آپس میں جنگ کرنا اور سخت اختلافات میں پھنسنا دکھلایا گیا ہے اسلئے ضرور تھا کہ اس رکوع میں اُن بنیادی باتوں کا ذکر کیا جاتا جن کے سبب وہ آپسمیں جنگ کر رہے تھے وہ پانچ باتیں ہیں:۔

جنگ لکھا جائے تو (انکار کر دو اور) نہ لڑو۔ (کیونکہ وہ پہلے بھاگ کر گھروں سے نکل چکے تھے) وہ بولے
(کہ کیا اب بھی ہم انکار کریں گے) اور ہمارے لئے کیا ہے کہ ہم اللہ کے رستہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم
اپنے گھروں اور بیٹوں سے نکالے گئے ہیں۔ سو جب ان پر جنگ کرنا لکھا گیا تو ان میں سے تھوڑوں
کے سوائے (باقی) سب نے روگردانی کی اور اللہ ظالموں کو جاننے والا ہے (معلوم ہوا کہ ایسے وقت میں
لڑائی سے پیچھے ہٹنا خود اپنی جان پر ظلم کرنا ہے)۔ ۲۴۸ اور ان کو ان کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے
طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ وہ بولے اس کو ہم پر کس طرح بادشاہی مل سکتی ہے حالانکہ (اپنی شرافتِ
نسبی کے سبب) ہم ملک کے اس سے زیادہ حقدار ہیں؟ اور نہ ہی اس کو مال کی فراخی دی گئی ہے۔ نبی
نے کہا بلاشبہ اللہ نے اس کو (ہمدردی اور دیگر نیکیوں کے سبب) تم پر چن لیا ہے اور اسے علم (تجربہ)
اور جسم (دلیری) میں زیادہ فراخی دی ہے (خود وہ نبی بھی بادشاہی کے لائق تجربہ اور بہادری میں یقیناً
کم تھا) اور اللہ اپنے ملک کو جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ فراخی والا علم والا ہے۔ ۲۴۹ اور ان کو ان کے
نبی نے کہا کہ اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے
پروردگار کی طرف سے تسلی کی باتیں اور دائمی حقائق ہیں۔ یہ ان باتوں سے ہیں جو آلِ موسیٰ و آلِ ہارون
چھوڑ گئے ہیں۔ ان کو فرشتے اٹھا کر لایا کرتے تھے بلاشبہ اسمیں (طالوت کی حکومت کی) البتہ تمہارے
لئے ایک نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔ ع ۳۲

۲۵۰ پھر طالوت اپنی فوجوں کو لے کر روانہ ہوا (تو راستہ میں) اس نے (اپنی فوجوں سے) کہا کہ اللہ تمہیں
ایک نہر سے آزمانے والا ہے سو جو کوئی اس میں سے پئے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اور جو کوئی اپنے ہاتھ سے
چلو بھر لینے کے علاوہ اسے چکھے تو وہ بلاشبہ میرا ہے۔ سو انہوں نے ان میں سے تھوڑوں کے سوائے
اس (نہر) سے پی لیا۔ (اگر پہلے کسی اور نے بھی اس طرح کی آزمائش کی ہو تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے
کہ طالوت نے یہ آزمائش نہ کی ہو؟) پھر جب وہ اور جو اس کے ہمراہ ایمان لائے تھے اس (نہر) سے پار
ہوئے تو وہ بولے کہ آج ہم کو جالوت اور اسکی فوجوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اُن لوگوں نے جن کا
خیال تھا کہ ہم اللہ سے ملنے والے ہیں کہا:- بہت دفعہ چھوٹی جماعت اللہ کے اذن سے بڑی جماعت پر
غالب ہو جاتی ہے اور (یہ ظاہر ہے کہ) اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ۲۵۱ الغرض انہوں نے ان کو
اللہ کے اذن کے ساتھ بھگا دیا اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ نے اس کو بادشاہی اور سمجھ دی۔ اور
اسے ان باتوں کا علم دیا جو وہ چاہتا تھا۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کا بعض آدمیوں (کے شر) کو دوسرے بعض سے

رکوع ۳۴

۲۵۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا
بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ۲۵۴ اَللّٰهُ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ
مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا
شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـــوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ
هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ ۲۵۵ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ
الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ۲۵۶ اَللّٰهُ وَلِيُّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اَوْلِيٰۗــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَـھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ع

ترجمہ - (۲۵۳ مومنوں کو کسی کی شفاعت کا انکار کرانے کے لئے فرمایا) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ (عملوں کی) خرید و فروخت اور نہ کوئی دلی دوستی اور نہ (ہی) کوئی شفاعت ہوگی اس میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے خرچ کرو اور کافر لوگ (جو غیروں پر بھروسہ رکھتے ہیں) وہی ظالم ہیں۔ ۲۵۴ (آگے خدا تعالٰی کی توحید اور جلال کو دکھلایا ہے) اللہ جو ہے تو اس کے سوا کوئی معبود نہیں (تمام مخلوقات

سے عملی عبادت میں خالق و مخلوق یکساں پُوجے جائیں گے۔ اور خالق و مخلوق کو یکساں پکارنا اور ہمارے حالات دنیّات سے خالق و مخلوق کا یکساں علم رکھنا لازم آئیگا۔

معبودیت ایک ایسی صفت ہے کہ اگر اس کا کسی شخص میں جزءً یا ایک لمحہ کے لئے بھی ملنا ممکن سمجھا جائے اور وہ بالغیر بھی مل سکے تو ممکن ہے کہ تمام معبودیت کسی شخص کو کلاً اور ہمیشہ کے لئے بھی دی جاسکے اور اس طرح وہ خداؤں کا وجود ممکن ہو جائے اور نیچر پر وہ فوق الفطرت مختار حکمران ہوسکیں۔

مشرکوں نے الوہیّت یعنی معبودیت کی عملی طور پر تقسیم کی ہوئی تھی۔ اور بہت سے اللہ بنائے ہوئے تھے۔ کوئی کسی قوم کے لئے جنگ میں فتح دینے والا تھا۔ کوئی غنی کرنے والا، کوئی مفلس بنانے والا، کوئی تندرست کرنے والا، کوئی بیمار بنانے والا، کوئی ہدایت و تسلّی دینے والا تھا۔ وہ ان کاموں کو انکی طرف نیچرل طور پر منسوب نہیں کرتے تھے جس طرح ایک بادشاہ دوسرے کو مدد دیا کرتا ہے یا کوئی سخی غریبوں کو خیرات دیتا ہے یا کوئی طبیب دوسروں کا علاج کرتا ہے یا کوئی بشیر و نذیر دوسروں کو خوش کرتا یا ڈراتا ہے نہیں بلکہ نتیجہ کے لحاظ سے ان پر پُورا بھروسہ رکھتے تھے اور ان کو بے غلط قرار دیتے تھے اور اُن کے فیصلوں کو عین خدائی فیصلے سمجھتے تھے۔

اس شرک کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے بہت سے خیال ایجاد کئے ہوئے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ ہمارے انبیاء اور بزرگ اور خاص طاقت والے بادشاہ نوعِ بشر سے الگ نوع کے بنائے گئے تھے۔ نباتات اور حیوانات میں جو فرق ہے وہی فرق ہمارے بزرگوں اور دیگر بشروں میں ہے۔ ان میں ایک معجزانہ وہبی قوتِ علم و فہم ہوتی تھی جس کے ذریعہ سے وہ اصل حقیقت کو سمجھ لیتے تھے۔ ان کا نتیجہ دوسرے دانا بشروں سے الگ قسم کا اور بے غلط ہوتا تھا۔ اُن کے بزرگ اس لحاظ سے خدا تعالےٰ کی صف میں بٹھائے جاسکتے تھے۔ ان کو دوسرے بشروں کی صف میں بٹھانا اُن کی ہتک سمجھا جاتا تھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ کبھی کبھی بتقاضائے بشریت غلطی بھی کر بیٹھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا اُن سے وعدہ تھا کہ تم اگر کبھی کوئی غلطی کر بیٹھو گے تو میں فوراً اس کی اصلاح اپنی وحی سے کرونگا اور جن باتوں میں مَیں خاموش رہونگا، وہ عین میری وحی کے مطابق ہوں گی۔ بلکہ تم اُن باتوں میں خود میری وحی پر حاکم و قاضی بن بیٹھو گے۔ اور یہ صفت کسی دوسرے بشر میں نہیں آسکے گی کہ وہ میری وحی پر حاکم و قاضی بن جائے یا اس کی بات میری وحی کے ساتھ متلد معہ سمجھی جائے۔ اُن کے علوم نیچرل حد میں محصور نہیں ہوتے بلکہ وہ خدا تعالےٰ کی طرح بالغیر بے غلط بنائے جاتے ہیں۔ یہ اختیار اور طاقتیں انہیں بطور عطیہ

نیچر کے اندر جکڑی ہوتی ہے۔ صاحب اختیار مخلوق کو مناسب ارتقاء پر نیچرل خوبیاں تو مل سکتی ہیں۔ لیکن وہ خوبیاں جو فوق الفطرت متصرف خدا کے لائق ہیں وہ صاحب اختیار انسانوں کو ہرگز ہرگز نہیں دیجا سکتیں پس کسی صاحب اختیار انسان کو جزءً یا کلاًّ بے غلط بنانا اور اس کو ایسا ملکۂ نبوت یا غیبی طاقت یا وہبی قوت دینا جس سے اُس کے معلومات ویسے ہی بن جائیں جیسے وحی کرنے والے خدا کے اور اسی طرح کسی صاحب اختیار انسان کو خدا تعالے کی دوسری قدرتوں میں بھی جزءً یا کلاًّ اللہ تعالے کے ساتھ ملانا خواہ انہیں بالغیر ہی سمجھا جائے اُسے اِلٰہ بنانا ہے) وہ (خدا) حقیقی زندہ سب کو تھامنے والا ہے۔ نہ اُسے اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ وہ کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے (اگر وہ بخشنا چاہے تو کون اُسے روک سکتا ہے؟ اور اگر وہ پکڑنا چاہے تو کون اس سزا کو معاف کرا سکتا ہے؟) اُس کی کرسی (یعنے عرش) نے آسمانوں اور زمین کو سمایا ہے (کوئی جگہ نہیں جہاں اُس کے قوانین کام نہ کرتے ہوں) اور اس کو ان دونوں (یعنے اپنے قوانین کی اور جن پر وہ قوانین جاری ہوتے ہیں) کی حفاظت بھاری نہیں گذرتی اور وہی ہے اصل بلندی اصل عظمت والا۔ (آگے جبر مذہبی کو توڑا ہے[۲۵۵]) دین میں کوئی جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے (پس خود سمجھ کے دل سے ایمان لانا چاہیئے۔ ایسے ایمان میں جبر کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ آگے خدا تعالے کی غیر منفک ضرورت دکھلائی ہے) سو جو کوئی سرکشی کے سامانوں کا کافر بنے (یعنی اُن سے بیزار اور الگ رہے) اور اللہ تعالے کو مانے (یعنے اس کی قدر کرے) تو اُس نے ایسے کنڈے کو پکڑ لیا جس کے لئے کبھی ٹوٹنا نہیں ہے۔ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ[۲۵۶] ایمانداروں کا ساتھی ہے وہ انہیں اندہیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور وہ لوگ جو کافر ہیں تو اُن کے ولی طاغوت ہیں وہ انہیں نور سے نکال کر اندہیروں کی طرف لیجاتے ہیں۔ یہی آگ والے ہیں۔ یہی اُس میں رہ پڑنے والے ہیں۔

---

۲۵۵ اللہ تعالےٰ خالق ہے اور تمام کائنات مخلوق ہے۔ خالق اور مخلوق کے سوائے کوئی ایسی شے نہیں ہو سکتی جو نہ خالق ہو اور نہ مخلوق۔ خدا تعالے کے سوائے تمام اشیاء خدا تعالے کے علم و ارادہ اور قدرت کے تحت میں ہیں۔

خالق و مخلوق میں وہی فرق ہونا چاہیئے جو معبود و عابد میں ہے۔ عبادت صرف خدا تعالے کے لئے ہے۔ یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ معبود دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک معبود بالذات اور دوسرا معبود بالغیر۔ اس

نیچر پر خدا تعالےٰ کی طرح تصرف کرتے ہیں۔ لیکن مشرک اپنے آپ کو حیوانوں کی طرح اُن سے الگ نوع سمجھتے ہیں اس لئے انہیں اپنی آخرت کی زندگی میں شبہ ہوتا ہے۔ جس طرح بعض نادان خیال کرتے ہیں کہ حیوانوں کی روح ارتقار نہیں پائے گی بلکہ فنا ہو جائے گی۔ مشرک بھی اپنے متعلق یہی سمجھتے ہیں کہ شائد یہی حال ہمارا ہو۔ وہ اپنی دنیوی زندگی کے فوائد کے لئے اپنے بزرگوں کو پوجتے ہیں اور انہیں اللہ تعالےٰ کا شریک بناتے ہیں۔

وہ بادشاہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ خدا تعالےٰ بالذات کام کرتا ہے اس نے ہمارے جیسے شخصوں کو بنا کر نیچر پر تصرف بخشا ہے ہم بالغیر خدا تعالےٰ جیسے کام کر سکتے ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُسے توحیدِ الٰہی کی طرف بلایا تو اُس نے کہا کہ نیچر پر تصرف کرنے میں خدا تعالےٰ کا خاص کام کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ "میرا رب زندہ کرتا اور مارتا ہے"۔ اس نے جواب دیا کہ یہ خدا کا خاصہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ اس وقت اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو نور کی طرف ہدایت دی۔ انہوں نے کہا کہ اگر تو زندہ کرنے اور مارنے کا دعوےٰ کرتا ہے اور اسے خاصہ نہیں جانتا تو بلاشبہ اللہ تعالےٰ سورج کو مشرق سے لاتا ہے اور اگر یہ خدا تعالےٰ کا خاصہ نہیں تو تُو اور دوسرے بزرگ اُسے مغرب سے لے آئیں۔ چونکہ وہ مانتا تھا کہ سورج کی حرکت ایک نو پیدا چیز ہے۔ ضرور ہے کہ اس کا کوئی فاعل ہو اور وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسکو میں نے یا کسی اور صاحب اختیار نے حرکت دی ہے۔ اس لئے کہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس زمین کے تمام صاحب اختیار سورج کے بننے کے بعد ہی ظہور میں آئے تھے۔ یہی حال تمام دیگر ستاروں کا بھی ہے اس لئے وہ ہکا بکا رہ گیا اور خاموش ہو گیا۔ لیکن اس نے صفائی سے اقرار نہ کیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو جن کے دلوں میں ظلم ہوتا ہے۔ جبراً نور کی طرف نہیں لاتا۔ بلکہ اُن کے طاغوت انہیں زیادہ زیادہ ظلمات کی طرف کھینچے لئے جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے اُن کے لئے ایسی ہی سزا تجویز فرمائی ہے اور انہیں دل کی بیماریوں سے اطلاع بھی دے دی ہے تاکہ وہ ظلم چھوڑ کر اللہ تعالےٰ سے ہدایت حاصل کریں۔

جب کسی مخالف فریق کے ساتھ بحث کی جاتی ہے تو دونوں طرف سے ایسی باتیں پیش ہونی چاہئیں جو مسلّم فریقین ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو بات پیش کی تھی کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس بات کو وہ بادشاہ اس حد تک تو مانتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ بھی زندہ کرتا اور مارتا ہے لیکن وہ اسے خاصۂ الٰہی نہیں جانتا۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ وہ بادشاہ جانتا

کے کسی وقت دی جاتی ہیں۔ لیکن اُن کی ذاتی نہیں ہوتیں۔ خدا کا الگ حکم ہوتا ہے اور اُن کا الگ حکم ہوتا ہے۔ ان میں اُن کو دو حاکم بلکہ دو احکم الحاکمین اور دو اصل مطاع ماننا لازم سمجھا جاتا ہے اس صفت میں اُن کو کوئی مشرک دوسرے بشروں کے ساتھ نہیں۔ بلکہ خاص خدا تعالےٰ کے ساتھ شریک بناتا ہے اور اسکو جزئی شرک سمجھ کر جائز ٹھہراتا ہے۔ حالانکہ اگر شرک کسی جزء میں یا ایک آن کیلئے بھی جائز ہوتا تو عملی طور پر دو خدا کا ہونا بھی جائز ہوسکتا۔

اس خیال والے لوگ دوسرے مذاہب کے آگے حریت و مساوات کے لمبے چوڑے لکچر دیتے ہیں اور انہیں حریت و مساوات کی طرف بلاتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں کہا جائے کہ بقول تمہارے تمہارا نبی لوگوں کو اپنی غلامی کی طرف بلاتا ہے اور خود اللہ تعالےٰ کے ساتھ دوسرا اصل مطاع اور احکم الحاکمین بنتا ہے تو پھر تم جو اُس کے نمونہ کے برخلاف حریت و مساوات کے لکچر دیتے ہو یہ تمہارے دکھانے کے دانت ہیں یا کھانے کے؟ تو اُس وقت ان کا وہی حال ہوگا جو اُس بادشاہ کا حال ہوا تھا جس نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بادشاہ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔ دہریہ تھا اور اپنے آپ ہی کو تمام جہانوں کا مالک سمجھتا تھا۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ وہ بادشاہ اللہ تعالےٰ کو مانتا تھا لیکن اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کا شریک بناتا تھا۔ اگر وہ خدا تعالےٰ کا منکر ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ اُس کے آگے یہ دلیل کس طرح بیان کرسکتے تھے کہ ربی الذی یحیی و یمیت یعنے میرا رب وہ ہے۔ جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس بادشاہ نے اس کا انکار نہیں کیا بلکہ کہا کہ مَیں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب یعنے اللہ تعالےٰ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ۔ تو بادشاہ اس دلیل کو سُنکر بول نہیں سکا۔ اور مبہوت ہوگیا۔ کیا خدا تعالےٰ کے منکر کے ساتھ اس طرح بحث کی جاسکتی ہے؟ حضرت ابراہیمؑ کی قوم اللہ تعالےٰ کو مانتی تھی لیکن وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ شریک بناتے تھے۔ وہ بادشاہ بھی اسی قوم سے تھا۔ اس سے پہلے جو اللہ تعالےٰ اور طاغوت کی ولایت کا مقابلہ کیا گیا ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ اللہ تعالےٰ کا شریک بنتا تھا۔

مشرک لوگ اپنے شریکوں کے متعلق تو سمجھتے ہیں کہ ان میں معجزانہ علم و فہم کی قوت ہوتی ہے۔ جو دوسرے بشروں میں نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ اپنی اس معجزانہ قوت سے اعلےٰ درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور

ہاں بچہ پیدا کرا کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس عورت اور اس کے بچہ کی بڑی عزت کی ہے حالانکہ دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملیگا جو اپنے پڑدادے یا سکڑدادے کے لئے جس کے ماں باپ کا اُسے پتہ نہیں ایسی عزت تجویز کر سکے۔ افسوس

خدا تعالےٰ نہیں چاہتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے۔ اللہ تعالےٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ دل سے سمجھ کر اور شبہات اور مصائب کا مقابلہ کر کے سچے دل سے ایمان لائیں جیسا کہ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی سے ثابت ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ چاہتا کہ لوگوں کو معجزات دکھلا کر ایمان پر مجبور کر دیا جائے تو وہ پہلے سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا اور کسی کو ایسا نہ بناتا کہ وہ کافر بن جائے یا شرارت کر سکے ۔ کیا خدائے حکیم کو ماننے والے اس بات کو جان کر بھی خوارق سے مایوس نہیں ہوتے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام آدمیوں کو خود ہی ہدایت دے دیتا ۔ جو ایمان جہنم کو دیکھ کر یا خوارق کو ملاحظہ کرا کے دیا جائے وہ وہ ایمان نہیں ہے جب اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے چاہتا ہے۔

کافر لوگ اللہ تعالےٰ کی قسمیں بڑی پختہ کر کے کھاتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نشان آئے۔ تو ہم اسے ضرور مانیں گے۔ اللہ تعالےٰ اُن کے جواب میں فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا خبر ہے کہ جب وہ آیات آئیں تو یہ نہیں مانیں گے (ہم وہ ایمان نہیں چاہتے جو معجزے دکھا کر بہ مجبوری حاصل کیا جاتا ہے۔ سو اگر بالفرض ایسے معجزے دکھائے بھی جائیں۔ تو ان کے دلوں کو ہم سخت کر دیں گے) اور ہم ان کے دلوں اور اُن کی آنکھوں کو پھیر دیں گے جس طرح وہ پہلے اس قرآن پر (معجزے دیکھنے کے بغیر) ایمان نہیں لائے تھے اور یہ یاد رہے کہ ایسے خوارق تو کبھی نہیں کئے جاتے جن سے قوانین فطرۃ کا توڑنا لازم آئے۔

جب اُس بادشاہ نے کہا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں تو دوسرے لوگ تو الگ رہے خود حضرت ابراہیمؑ کے دل میں دو خیال آ سکتے تھے :۔

اوّل یہ خیال کہ اللہ تعالےٰ اُس بادشاہ کے سامنے کسی صد سالہ مُردے کو زندہ کر کے دکھا دیتا تاکہ وہ میری پہلی دلیل سنکر ہی مبہوت ہو جاتا اور اُسے ایسا کہنے کا موقعہ نہ ملتا۔

دوم ۔ خدا تعالےٰ میری اس طرف راہنمائی کرتا کہ میں یہ ثابت کر سکتا کہ زندہ کرنا اور مارنا اللہ تعالےٰ کا خاصہ ہے اور بادشاہ کو کہہ سکتا کہ تو خدا تعالےٰ کی طرح نہ زندہ کر سکتا ہے اور نہ مار سکتا ہے۔

اِن دونوں باتوں کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگے پیش

تھا کہ خدا تعالےٰ نے نیچر کو بنایا ہے۔ اس نے اُس نیچر میں ایسے قواعد و قوانین رکھے ہیں جن سے نئی نئی چیزیں بن جاتی ہیں۔ اگر اُن قوانین کا ہمیں بھی علم ہو جائے تو ہم بھی وہی کام کر سکتے ہیں۔ جو خود خدا تعالےٰ کرتا ہے اور جو ہم میں سے بے غلط ہوتا ہے وہ ضرور ہی اُن قوانین کو صحیح طور پر جان لیتا ہے اور اس لئے وہ بھی اس نیچر پر بالیقین متصرف ہو جاتا ہے۔ خدا نر و مادہ کو ملا کر اولاد پیدا کرتا ہے اگر ہم بھی نر و مادہ کو ملائیں تو اولاد پیدا ہو جاتی ہے۔ پس ہمارا زندہ کرنا اور مارنا ویسا ہی ہے۔ جیسے خدا کا زندہ کرنا اور مارنا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ خدا تعالےٰ بالذات محی اور ممیت ہے اور ہم بالغیر مثلہ معہ محی اور ممیت ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مخلص تو بڑے تھے لیکن انسان ضرور غلط کار ہوتا ہے۔ اس بادشاہ کے جواب میں حضرت ابراہیمؑ اس بات کو ثابت نہ کر سکے کہ محی و ممیت ہونا خدا تعالےٰ کا خاصہ ہے اس لئے انہوں نے دوسری دلیل دے کر فتح حاصل کی۔

پہلے رکوع میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ایمان دل سے سمجھ کر لانا چاہیئے۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے دوسرے لوگوں کو ہی جبر مذہبی سے نہیں روکا بلکہ اخلاقی طور پر یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ میں جبری ایمان کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔ اس لئے میں خود بھی کسی کو جبراً مومن بنانا پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ساتھ ہی فرمایا کہ اللہ ایمان داروں کا دلی ہے۔ وہ اُنہیں اُن کے ایمان کی برکت سے ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔ اور کافروں کے اولیاء طاغوت ہیں وہ انہیں نور سے ظلمات کی طرف کھینچے لئے جاتے ہیں۔ کفر کے سبب سے اُن کی عقل بھی بیمار ہو جاتی ہے۔ اس رکوع میں اسکے تین نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ دوسرا نمونہ مثال کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے اور اس پر کٔ تشبیہہ لایا گیا ہے اگر ایسا شخص فی الواقع ہوا ہوتا تو اُسے مثالی رنگ میں پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اس کافر بادشاہ نے کہا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ اور تمام محقق جانتے ہیں کہ انسان خدا تعالےٰ کی طرح نہ زندہ کر سکتا ہے اور نہ مار سکتا ہے لیکن اگر کسی بشر رسول کے متعلق ایسے الفاظ آجائیں تو لوگ انہیں فوراً محی الاموات مثل خدا بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس مثالی قصہ کو واقعی بنانے کے لئے کہتے ہیں کہ یہاں کٔ زائد ہے اور قصوں کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر واقع ہو گئی ہے۔ تاکہ اسے خواہ مخواہ قابلِ اعتراض بنایا جائے۔ اس طرح سے لوگ قرآن مجید کو دیو پری کا قصہ بنا دیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے قرآنِ حکیم کی بڑی خدمت کی ہے۔ بے نکاحی عورت کے

نہیں بن سکتا۔ پھر اس مثالی شخص کو) وہ (یعنی اللہ کہے۔ کہ) تو نے (مثالی اور فرضی طور پر) سو سال تک دیر کی ہے (لیکن وہ تجھ سے اور دیگر انسانوں سے یقیناً چھپائی گئی ہے) پھر تو اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کی طرف نظر کر، اُن پر بھی کوئی سال نہیں گذرا (اور ان پر کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ نہ وہ سڑا نہ بُسا۔ نہ اسے سو سال تک کسی مچھر نے دیکھا۔ نہ کسی کُتے بلی نے اس کی بُو پائی۔ جب ظاہری اشیاء پر سو سال تک تو الگ ہے ایک سال بھی نہیں گذرا تو اس صورت میں وہ سو سال کی خبر بھی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس شخص سے خارجی علم پر ایک سال بھی نہیں گذرا۔ اور اگر وہ سو سال کی خبر دے بھی تو لوگ سمجھیں گے کہ اس نے یہ بات کسی سے سیکھی ہے جیسا کہ وہ بات ہمیں بھی معلوم ہے۔ پس اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی طرح سے بھی لوگوں کے لئے نشان بن سکے) اور تو اپنے گدھے کی طرف دیکھ (کیا یہ وہی گدھا نہیں ہے؟ یا کیا یہ گل سڑ کر ہڈی اور مٹی بن گیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تیرا وہی گدھا ہے اس پر بھی کوئی سال نہیں گذرا اور اسے سو سال کے عرصہ میں نہ کسی شیر نے پھاڑا۔ نہ کبھی یہ بھاگ کر کہیں گیا۔ ان بیانات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے معجزے جن کو پوشیدہ طور پر معجزے کر کے چھپانا پڑے۔ حکمت الٰہی کے قطعی منافی ہیں۔ کیا کسی کو اب بھی سمجھ نہیں آئی کہ صد سالہ مردہ کا زندہ کرنا سراسر باطل ہے) اور (اے ابراہیمؑ ہم چاہتے ہیں) تاکہ تجھے لوگوں کے لئے نمونہ (اور امام) بنائیں (اور تو انہیں سمجھائے کہ ایسے معجزے فضول ہیں) اور (اگر تو یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے زندہ کرنے کے کیا معنی؟ تو) تو ان ہڈیوں کی طرف نظر دوڑا (جو ماں کے پیٹ میں تیار ہوتی ہیں) کس طرح ہم انہیں ابھارتے ہیں۔ پھر اُن پر گوشت پہناتے ہیں (یہ ہمارا خاصہ ہے۔ کیا یہ بادشاہ اس طرح زندہ کر سکتا ہے؟) سو جب اس (ابراہیمؑ) کے لئے یہ بات واضح ہوئی تو اُس نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ اپنی چاہی ہوئی بات پر قادر ہے۔

اب ابراہیم علیہ السلام کو اس دلیل میں تکمیل دینے کا وقت آیا۔ نیکوں پر نورٌ علیٰ نور چمکتا جاتا ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

اور جب ابراہیمؑ نے کہا کہ اے میرے رب تو مجھے دکھلا کہ تو کس طرح مردوں کو (اس دنیا میں) زندہ کرتا ہے۔ اللہ نے کہا کیا تو مانتا نہیں۔ ابراہیمؑ نے کہا کیوں نہیں (مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ تو ہڈیوں کو کس طرح بڑھاتا ہے اور اُن پر گوشت پہناتا ہے۔ اور یہ تیرا ہی خاصہ ہے) لیکن (میں اس کی کیفیت سمجھنا چاہتا ہوں) تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ سو تو پرندوں سے چار

کی۔ گویا یوں کہا کہ اے ابراہیمؑ میں نے تیری راہنمائی ایسی دلیل کی طرف کی جس سے وہ بادشاہ ہکا بکا رہ گیا۔ اب جو تیرے دل میں یہ دو خیال پیدا ہوتے ہیں تو میں اب مثالِ ذیل سے یہ دو باتیں بھی تیرے ذہن نشین کئے دیتا ہوں۔ اس مثال میں ایک ایسا شخص فرض کیا گیا ہے جو گدھے پر سوار ہو کر اور کھانا پانی ساتھ لے کر سفر کر رہا ہے۔ ان تینوں نمونوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نور کی طرف راہنمائی ثابت کی گئی ہے۔ بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالےٰ نے بحکم انی جاعلک للناس اماما کل دنیا کے لئے امام اور پیشوا بنایا تھا۔ اللہ اسی طرح نیکوں کو ہدایت دیا کرتا ہے۔

جب پہلے کسی شخص سے بحث کی جاتی ہے اور اس بحث میں نیکوں کو فتح ملتی ہے تو پھر وہ نیک دل اپنی اُس بحث پر نظرِ ثانی کرتا ہے۔ تو اُس دوسرے درجے پر اُسے زیادہ سکھایا جاتا ہے پھر آخر میں اُن بحث کو مکمل بنایا جاتا ہے۔ یہی نمونہ اس جگہ دکھایا گیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے پہلے فتح حاصل کی پھر اللہ تعالےٰ سمجھاتا ہے یا دوسرے درجہ پر میں اس طرح سے حق کی طرف راہنمائی کرتا ہوں جیسا کہ ابراہیمؑ کو میں نے ہدایت دی۔ وہ مثال حسبِ ذیل ہے:۔

یا (دوسرے درجہ پر اے ابراہیمؑ میں اس طرح سے نور کی طرف راہبری کرتا ہوں) جیسا کہ ایک شخص ہو جو کسی بستی پر گذرے اور وہ (بستی) اپنی چھتوں پر گری ہوئی ہو۔ وہ شخص کہے کہ اللہ اس (بستی) کو اُس کی موت (یعنی بربادی) کے بعد کس طرح زندہ (آباد) کرے گا۔ تو اللہ اُس شخص کو سو سال تک مار رکھے۔ پھر اُسے اٹھا کھڑا کرے۔ وہ (یعنی اللہ) اُسے کہے کہ تو نے کتنی دیر کی (چونکہ خدا تعالےٰ پر ایسے خوارق کا چھپا دینا ضروری ہونا چاہئیے۔ اس لئے لازم ہے کہ ایسے خارق عادت امر کو پوشیدہ طور پر دیگر خوارق کر کے بھی چھپا دیا گیا ہو اور اُسے اس امر کی کوئی خبر نہ رہی ہو۔ اور نہ اُس کے جسم پر کوئی تغیر واقع ہوا ہو اور نہ اُس کے ناخن اور بال ہی بڑھ گئے ہوں۔ اور نہ اُس کے کپڑے ہی گل گئے ہوں اور نہ اُسے سو سال تک کسی آدمی نے دیکھا ہو جو اُس کے دفن کرنے کا انتظام کرے یا دوسرے لوگوں کو ایسے واقعہ کی خبر دے۔ کسی حاکم نے بھی اُسے نہیں دیکھا جو اُس کی موت کی تفتیش کرے۔ اُسے سو سال تک کسی درندے نے بھی نہیں دیکھا جو اُسے کھا جائے۔ ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ نے اُس کی خارق عادت موت کو اس مرنے والے سے اور دوسرے تمام حیوانوں اور انسانوں سے پوشیدہ طور پر خوارق کے ذریعے چھپا دیا ہو۔ اس لئے لازم ہے کہ) وہ کہے کہ میں نے ایک دن یا دن کا کوئی حصہ دیر کی ہے۔ (اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس شخص کا مر کر جی اٹھنا خود اس شخص سے اور دیگر تمام دنیا سے پوشیدہ رہا ہے۔ پس وہ کسی صورت سے بھی لوگوں کے لئے نشان

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً
مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا
ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ ۔ (٢٥٧ اے مخاطب) کیا تو نے اُس شخص کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیمؑ کے ساتھ اپنے رب کے بارہ میں جھگڑا کیا۔ اس لئے کہ اللہ نے اُسے بادشاہی دی تھی (کیا یہ جھگڑا اس نعمت کے شکریہ میں کیا گیا تھا؟ حیف۔ بادشاہ وحدانیتِ الٰہی پر ایمان نہیں لایا بلکہ اُس نے جھگڑے کی بنا ڈال دی اور حجت بازی کرنی شروع کی) جب ابراہیمؑ نے (جواب میں) کہا۔ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے (یعنی یہ میرے رب کا خاصہ ہے) اُس (بادشاہ) نے کہا۔ میں (بھی) زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ (پس یہ خدا تعالےٰ کا خاصہ کیسے رہا؟ ہاں میں اس بات کی دُہائی دیتا ہوں کہ میں بالغیر محی الاموات ہوں۔ اور خدا تعالےٰ بالذات محی الاموات ہے۔ مگر ہم دو تو جزءً ہی سہی معجزانہ حکم دینے اور زندہ کرنے میں شریک تو ہیں) ابراہیمؑ نے کہا (اگر تو خدا تعالےٰ کی طرح زندہ کرنے اور مارنے کو اپنی بھی صفت بتلاتا ہے) سو بلا شبہ اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے (خدا تعالےٰ زمین کو چکر دے کر سورج کو روزانہ حرکت میں لاتا ہے لیکن سورج کی اپنی بھی محوری و مداری حرکتیں ہیں۔ اور وہ بھی مشرق سے مغرب کو ہی ہوتی ہیں) سو تو اُسے مغرب سے لے آ۔ (زمین کو چکر دے کر ہی سہی۔ یہ حرکت بھی نو پیدا ہے اور اس کے فاعل کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے۔ وہ بادشاہ اس فعل کے خدا تعالےٰ کا خاصہ ہونے سے انکار نہیں کر سکتا تھا لیکن اُس نے صفائی سے اقرار نہیں کیا۔) اور بلا شبہ اللہ ظالم قوم کو (جب تک کہ وہ ظلم سے باز نہ آجائے) ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یا (٢٥٨ اے ابراہیمؑ بحث کے بعد دوسرے درجہ میں مَیں تجھے یہ مثال دے کر سمجھاتا ہوں۔ وہ مثال یہ ہے) جیسا کہ ایک شخص کسی بستی پر گذرا۔ اور وہ اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی۔ اُس نے کہا۔ اللہ اس (بستی) کو اس کی موت کے بعد کیونکر زندہ (یعنی آباد) کرے گا۔ سو اللہ نے اس (شخص) کو سو سال تک مارے رکھا پھر اُسے اٹھا کھڑا کیا۔ کہا تو نے کتنی دیر کی۔ وہ بولا ایک دن یا دن کا کوئی حصہ (جو واردات اس پر وارد ہونی فرض کی گئی ہے اُسے اس مثالی شخص سے اور تمام دنیا سے مثالی رنگ میں چھپا دیا گیا ہے) اُس (اللہ) نے (اس مثالی شخص کو مثال کے طور پر) کہا۔ کہ نہیں تو نے

عدد لے لے۔ پھر تو اُن کو اپنی طرف مائل کر۔ پھر ان میں سے ایک ایک کو (ان چاروں پہاڑوں میں سے جو تیرے چاروں طرف ہیں) ہر پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر ان پرندوں کو بُلا وہ تیرے پاس دوڑتے ہوئے (شوق کے ساتھ) آئیں گے (مطلب یہ کہ تو ان پرندوں کو بلاتا ہے تو تیرے کہنے پر تیرے پاس آکر جمع ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ جس نے تمام گرم۔ سرد۔ خشک اور تر مواد کو بنایا ہے اس کا تعلق ہر عنصر کے ساتھ خالقانہ ہے۔ تو کیا یہ عناصر اپنے خالق کے حکم سے نہیں جڑ سکتے؟) اور اے ابراہیمؑ جان رکھ کہ اللہ تمام اشیاء پر غالب اور پوری حکمت والا ہے (وہی اکیلا اس نیچر کے اوپر فوق الفطرۃ متصرف ہونے کے لائق ہے۔ قربان ایسے ہادی پر۔

فائدہ ۔ جزءٍ کے استعمال کے لئے دیکھو لکل باب منہم جزء مقسوم ۱۴/۳

رکوع ۳۵

۲۵۸ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ
اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ
الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ ۲۵۹ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ
وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ
اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ
قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ
وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ
نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۲۶۰ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ

بواعث کا ذکر کیا اور ان سے روکا۔ اور فرمایا کہ اصل ہدایت اللہ تعالےٰ سے ملتی ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بطور نمونہ کے کیا اور دکھلایا کہ اُن کو اللہ تبارک و تعالےٰ نے کس طرح ہدایت میں ترقی دی۔ اب یہاں صدقات و غربا پروری کی تاکید کی گئی ہے اور اس کی خوبیاں پیش کی گئی ہیں۔ اس سے انسانوں کی ظاہری حالت بھی آراستہ ہو جاتی ہے۔

اصل ہادی اللہ حلیم و حکیم ہے۔ انسان کو اپنے دل میں ہدایت کی طلب اور تڑپ پیدا کرنی چاہیئے پھر معمولی کوشش سے ہدایت حاصل ہو جاتی ہے۔ خدا تعالےٰ کا سچا وحی خود ہی ہدایت دینے کے لئے کافی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب تک بڑے بڑے عالم و فاضل ہمارے ساتھ شامل نہ ہوں۔ تب تک ہم ہدایت نہیں پا سکتے یہ یقیناً غلط ہے۔ اس سے تقلید یعنی ذہنی غلامی کی جڑ لگ جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ ہی خیر الرازقین ہے۔ اس مالک نے ہمارے لئے ترقی کے سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ ہاں ہمارے دل میں اُن کی سچی طلب اور تڑپ پیدا ہونی چاہیئے۔ پھر کوئی شخص ہم کو ترقی کرنے سے روک نہیں سکتا۔ بشرطیکہ ہمارے دل میں ترقی کی طرف بڑھنے کی سچی خواہش موجود ہو۔ قوموں کی زندگی کے لئے اس حالت کا اپنے اندر قائم کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ جب تک ہمارے ساتھ بڑے بڑے امیر اور حاکم شامل نہ ہوں، ہم ترقی نہیں کر سکتے۔ اس کا یہ کہنا یقیناً باطل ہے۔ اس سے تو ظاہری غلامی کی جڑ لگ جاتی ہے۔ امیر اور حاکم سمجھیں گے۔ کہ اس قوم کی ترقی ہمارے طفیل ہے۔ ہاں اگر کوئی فاضل یا عالم اور امیر یا حاکم اپنے آپ کو اس قوم کا ایک رکن سمجھ کے مدد دے تو یہ اُس کے لئے بڑے اجر کا باعث ہے۔

یہ سورت البقرۃ کا چھتیسواں رکوع ہے۔ اس میں ہر قوم کو اپنی ترقی کے لئے صدقات کا شوق دلایا گیا ہے۔ اور مثالیں بیان کر کے اور دل میں اثر کرنے والے وعظ کے ساتھ اُن کے اندر ترقی کی طلب اور تڑپ پیدا کی گئی ہے۔ جس طرح کسان تھوڑے سے دانے بو کر خدا تعالےٰ کے فضل کے ساتھ بڑے بڑے کھلواڑے حاصل کر لیتا ہے اسی طرح ہر قوم اپنی مصیبت اور ضرورت کے وقت میں تھوڑا تھوڑا خرچ کر کے دوسرے لوگوں سے بے نیاز ہو سکتی ہے۔ سورج کی کرنیں ہمارے لباس پر پڑتی ہیں لیکن وہ اسے جلاتی نہیں۔ اگر کلاں نما شیشے میں سے ان کرنوں کو نوکس پر جمع کیا جائے تو وہاں جو کپڑا رکھا جائے گا ضرور جل اُٹھے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام قوم کی کوششیں جو پھل لاتی ہیں، وہ ثمرہ فرداً فرداً کام کرنے سے نہیں پیدا ہو سکتا۔ اللہ تعالےٰ اس سے بڑھ کر ایک مثال بیان کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے

سو سال دیر کی ہے (لیکن وہ تجھ سے اور تمام دنیا سے چھپائی گئی ہے) سو تُو اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں پر نظر کر۔ ان پر (بھی) کوئی سال نہیں گذرا (یعنی ان اشیاء پر جو تجھ سے خارج میں موجود ہیں۔ کوئی تغیر واقع نہیں ہوا) اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ لے (کیا یہ وہی گدھا ہے؟ یا اس میں کوئی تغیر واقع ہو گیا ہے؟) اور (اے ابراہیمؑ ہمارا منشا ہے) تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لئے آیۃ (یعنی امام) بنائیں (تاکہ تو انہیں سمجھائے کہ ایسے معجزات کرنا جن سے جبری ایمان پیدا ہو۔ اللہ تعالےٰ کی حکمت کے منافی ہے) اور (اس بات کو سمجھانے کے لئے کہ محی الاموات ہونا خدا تعالےٰ کا خاصہ ہے۔ ہم تجھے فرماتے ہیں کہ) ان ہڈیوں پر نظر دوڑا (جو ماؤں کے پیٹوں میں تیار ہوتی ہیں) ہم انہیں کیسے ابھارتے ہیں۔ پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں (اس طرح زندہ کرنا اللہ تعالےٰ کا خاصہ ہے۔ خدا تعالےٰ کا یہ فعل تمام بزرگوں اور فرضی شریکوں کی پیدائش سے پہلے ہوتا آیا ہے بلکہ ایسے فرضی شرکاء خود بھی اسی طریق سے پیدا کئے گئے ہیں۔ پس یہ فعل ان کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ اور صرف خدا تعالےٰ کا خاصہ ہے) پس جب اس کے لئے (رشد، غی سے) متبیّن ہو گئی۔ تو وہ بولا میں (پہلے سے ہی) جانتا ہوں کہ اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔
۲۵۱ اور (ابراہیمؑ کو اس دلیل میں تکمیل کا درجہ بھی دیا گیا) جب ابراہیمؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھلا کہ تو کیسے زندہ کرتا ہے۔ کہا۔ کیا تو (انکار کرتا ہے) اور مانتا نہیں؟ وہ بولا کیوں نہیں لیکن (میں اس کی کیفیت سمجھنا چاہتا ہوں) تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ کہا سو تُو پرندوں سے چار (عدد) لے (جس طرح عناصر کی مزاجیں گرم۔ سرد۔ خشک۔ تر چار قسم کی ہیں اور ان کے ذرے پرندوں کی طرح فضا میں اُڑ رہے ہیں) پھر انہیں اپنی طرف مائل کر۔ پھر ان میں سے ایک ایک کو ہر پہاڑ پر رکھ دے (یا چھوڑ دے) پھر انہیں بُلا۔ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے (مخلوق کے کہنے سے پرندے اکٹھے ہو جائیں۔ پھر کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ خالقانہ تعلق رکھنے والے خدا تعالےٰ کے حکم سے ذرات جمع ہو کر نئی نئی ترکیب پائیں۔ خالقانہ تعلق سب سے بڑھ کر قوی اور موثر ہے) اور جان رکھ کہ اللہ (پورے) غلبہ والا اور پوری حکمت والا ہے (وہ بلاشبہ نیچر پر فوق الفطرۃ تصرف کر سکتا ہے۔

تینتیسویں رکوع میں مذہب داروں کے تفرقہ اور ان کی آپس کی جنگوں کا ذکر ہے۔ اس پر مومنوں کو اللہ تعالےٰ کی رضامندی چاہنے کے لئے حکم کیا ہے کہ ہمارے دیئے سے خرچ کرو۔ غرباء نوازی سے سلوک پیدا ہوتا ہے اور ہر قوم اسی سے خود بھی مضبوط بنتی ہے۔ پھر دشمنی کے اصل

ہے۔ اس لئے وہ ایسی خوبیوں کے ثمرات سے خالی ہیں۔

آگے نیک نیت صدقہ کرنے والوں کی مثال دی ہے۔ اس کا دل نرم اور اونچی زمین کی طرح ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کی رضامندی چاہنے والا اور اپنے دل کو اللہ تعالےٰ کی مدد کے بھروسہ پر جما کر خرچ کرتا ہے۔ وہ اپنا باغ اونچے ٹیلے پر لگاتا ہے اگر اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کی مدد کے لئے زور کی بارش بھی ہو تو وہ نچلی زمینوں کی نسبت دوچند پھل لاتا ہے۔ اور اگر زور کی بارش نہ ہو تو اللہ تعالےٰ کی مدد کی شبنم ہی اسے کفایت کرتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ ہمارے عملوں کو دیکھ کر اس کے مطابق ہی اپنی طرف سے فیض نازل کرتا ہے۔ جس طرح اگانے کے لئے بارش کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہریں اور دریا بھی اسی بارش سے ہی جاری ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے تمام کاموں میں مددِ الٰہی کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔

اخیر میں اس شخص کی مثال بیان کی گئی ہے جو پہلے باغ تو تیار کرتا ہے اور وہ باغ ہر طرح سے آراستہ ہو جاتا ہے لیکن جب اس کے اپنے اور اپنی اولاد کے فائدہ اٹھانے کا وقت آتا ہے تو وہ مخالف بن جاتا ہے اور دشمنی پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کے باغ پر خدا تعالےٰ کی طرف سے آگ کا بگولا نازل ہوتا ہے اور وہ باغ جل جاتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح باغ کے اگانے میں الٰہی مدد کی ضرورت ہے اسی طرح باغ کے محفوظ رکھنے میں بھی اللہ تعالےٰ پر ہی ہمیں پورا بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ ایسے نمونے اس لئے پیش کرتا ہے تاکہ ہم تفکر اور غور کریں اور ہمارے دل میں اپنی ترقی کی طلب اور تڑپ پیدا ہو۔ اس کے لئے تمام مناسب مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔ کوئی مثال نہیں چھوڑی گئی۔ خدا تعالےٰ جس مضمون کو لیتا ہے اس میں اپنے ساتھ کسی اور کو اپنی مثل حکم دینے کے لئے احکم الحاکمین نہیں بناتا۔ اگرچہ وہ بالغیر ہی قرار دیا جائے۔

آگے سینتیسویں رکوع میں عملی طور پر صدقات کو بجالانے کے لئے بہت سی ہدایات پیش کی گئی ہیں:-

(۱) جو طیّب مال تم کماتے ہو اور جو کچھ ہم زمین سے نکال کر تمہیں دیتے ہیں جیسے نباتات و درخت وغیرہ اور سونا چاندی اور جواہرات وغیرہ، اس میں سے ضرور خرچ کرو۔ خدا تعالےٰ نے صدقات کے مصارف بیان کر دیئے ہیں۔ ان مصارف کے پورا کرنے کی خاطر لوگوں سے حسبِ حیثیت لیا جائیگا

مالوں کو اللہ کے رستہ میں یعنی مناسب طریق پر اور ٹھیک موقعہ پر خرچ کرتے ہیں۔ اُن کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک ایک دانہ ہو اور وہ زمین میں بویا جائے اور جب وہ اُگے تو اس میں سات سات بالیں لگیں اور ہر بال میں سو سو دانے ہوں۔ اور اسی عمل کو دُہرانے سے اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے سینکڑوں گنا بڑھا دیتا ہے اور کیوں نہ ہو، اللہ بڑا فراخی والا ہے اور پورا عالم ہے۔ بھروسہ کے لائق ایسا ہی خدا ہونا چاہیئے۔

آگے فرمایا کہ ایسا صدقہ انسان کو مصائب سے نجات دینے کے لئے کافی ہے۔ جو ہو تو اللہ کے رستہ میں لیکن اس صدقہ کے بعد نہ کوئی احسان جتایا جائے اور نہ کسی قسم کی تکلیف دی جائے۔ اگر کوئی شخص سائل کو صدقہ نہ دے لیکن نرم کلامی سے پیش آئے اور اگر سائل اُسے برا بھلا کہے تو وہ اُسے معاف کر دے تو اُس کا یہ فعل اس صدقہ سے بہت اچھا ہے جو اس نیت سے دیا جائے کہ سائل سے اس کے عوض میں خدمت لی جائے۔ اور اُس پر بوجھ ڈالا جائے۔ صدقہ اس نیت سے وہ صدقہ نہیں رہتا۔ جو خدا تعالےٰ کی رضا چاہنے کے لئے اور خدا تعالےٰ سے اجر لینے کے لئے دیا جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ ایسے صدقہ کو پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ خود ہی غنی ہے۔ ایسے صدقہ کرنے والے عذاب کے مستحق ہیں لیکن خدا تعالےٰ حلیم ہے اس لئے حلم سے کام لیتا ہے۔

اے خدا تعالےٰ کو ماننے والو! تمہارے صدقات من واذیٰ سے باطل ہو جاتے ہیں جس طرح اس شخص کے صدقات باطل ہوتے ہیں جو دراصل اللہ اور ثواب آخرت کو نہیں مانتا لیکن صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے۔ اگرچہ وہ خدا تعالےٰ کا زبان سے نام لیتا ہے مگر اُس کا دل خدا تعالےٰ سے بے لگاؤ ہونے کے سبب ایک سخت پتھر کی مانند نیچے گرا ہوتا ہے۔ اس پر دکھلانے کے لئے ذرا سی مٹی ڈالی جاتی ہے۔ اُس مٹی میں کھوٹی نیت اور دکھلاوے کے صدقہ کو بیج کی طرح ملایا جاتا ہے پھر جب خدا تعالےٰ کی طرف سے زور کی بارش ہوتی ہے تو وہ بارش دراصل ترقی دینے کے لئے آتی ہے مگر چونکہ اس صدقہ کرنے والے کا کام کھوٹا ہوتا ہے اس لئے وہ بارش ابتلاء کا کام بھی دے جاتی ہے اور اُس شخص کی قلعی کھل جاتی ہے۔ دکھلاوے کی مٹی بیج سمیت ضائع ہو جاتی ہے اور نیچے سے صاف اور سخت پتھر نکل آتا ہے۔ اور اُس کی سنگدلی اور ناخدا ترسی واضح ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالےٰ صدقات کو متقیوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔ کھوٹی نیت والوں کی ظاہرا دوستی اور دکھلاوے کی محبت کوئی کام نہیں دیتی۔ نادِروں کو بیچرل طور پر تو کوئی فائدہ مل سکتا ہے لیکن چونکہ اُن کے اندر اللہ تعالےٰ کے لئے اخلاص اور محبت نہیں

لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا
تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ
اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ
التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ۔ [نمبر ۲۶۱] وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ اُن کی (خیرات) کی مثال ایک دانہ کی سی ہے جو سات خوشے اُگائے۔ ہر خوشے میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور اللہ بڑی فراخی والا پورے علم والا ہے۔ [۲۶۲] وہ لوگ جو اپنے مالوں کو اللہ کے رستے میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر اپنے خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں جتلاتے اور نہ کوئی تکلیف دیتے ہیں اُن کے لئے اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔ [۲۶۳] (سائل کو) نرم بات کہنا اور (اسکی بدزبانی کو) بخش دینا اُس صدقہ سے بہتر ہے جس کے ساتھ ایذا ہو۔ اور اللہ غنی حلیم ہے۔ [۲۶۴] اے ایمان والو! اپنے صدقوں کو احسان جتلانے اور ایذا دینے کے ساتھ باطل نہ کرو۔ جیسا کہ اُس شخص کا حال ہے جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور (دراصل) اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ تو اُس کی (خیرات کی) مثال ایک ہموار پتھر کی سی ہے، جس پر کچھ مٹی ہو۔ پھر اُس پر زور کی بارش ہو، تو وہ اُسے (اوپر کی مٹی کو بہا کر) سخت ہی چھوڑ دے۔ وہ اپنی کمائی سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے اور اللہ ناقدردان لوگوں کو (مقصد کی طرف) راہنمائی نہیں کرتا (جب تک کہ وہ اپنے کفر کو نہ چھوڑ دیں)۔ [۲۶۵] اور وہ لوگ جو اپنے مالوں کو اللہ تعالےٰ کی رضا چاہنے کے لئے اور (اپنے توکّل کو) قائم کرنے کے جو اُن کے دلوں سے پیدا ہو، خرچ کرتے ہیں، اُن کی (خیرات کی) مثال ایک باغ کی سی ہے جو کسی بلند ٹیلے پر ہو۔ اس کو زور کی بارش پہنچے سو وہ اپنے پھل (نچلی زمینوں کی نسبت) دوچند دے۔ پھر اگر اُسے زور کی بارش نہ

ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ
اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۲۶۵ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ
نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ
وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ
فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ع
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ
اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۗ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ ۲۶۷ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ
الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۲۶۸ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ
فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ۲۶۹ وَمَاۤ
اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ ۲۷۰ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ
تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ
سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ۲۷۱ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَ

بوجھ کے ڈالنے سے باطل ہو جاتے ہیں۔ غریبوں کو اکثر اوقات بطور امداد لِلّٰہ قرض بھی دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ ضروری اسباب و اوزار خرید کر کچھ محنت کریں یا معمولی تجارت کر کے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ کمائیں اور اس طرح وہ آہستہ آہستہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ صدقات کے لئے انہیں کسی انسان کے آگے ہاتھ پسارنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ اس دنیا میں ہر شخص کا حق ہے کہ وہ واجبی کھانا کھائے، معمولی لباس پہنے اور حفاظت کے لئے اس کے قبضہ میں کوئی مکان بھی ہو۔ ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق مناسب محنت کرے لیکن امیروں، حاکموں، بادشاہوں اور ارکین مجلس شوریٰ کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ پُرامن اور مطمئن زندگی بسر کریں۔

غریبوں کو جب کبھی قرض دیا جاتا ہے تو وہ قرض لِلّٰہ ہی ہوتا ہے۔ جس طرح صدقات بوجھ ڈالنے اور خدمت لینے سے باطل ہو جاتے ہیں، اسی طرح جو قرض مساکین کو امدادی طور پر لِلّٰہ دیا جاتا ہے اس پر بیاج لینا یقیناً اس احسان کا باطل کر دینا ہے۔ اس مناسبت سے صدقات کے ساتھ ربوٰ کا ذکر کرنا نہایت موزون ہے۔

مساکین کی ہر طرح پر مدد کرنا صدقات بھی کہلا سکتا ہے، اور ایسے کاموں کو بجالانے کے متعلق یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دیتے ہیں لیکن قرآن پاک میں کئی جگہ زکوٰۃ کے ساتھ قرضِ حسن کا الگ ذکر کیا گیا ہے۔ (واٰتوا الزکوٰۃ واقرضوا اللّٰہ قرضاً حسناً ۲۹/۱۴ ۔ ان المصدقین والمصدقات واقرضوا اللّٰہ قرضاً حسناً ۲۷/۱۸ وقال اللّٰہ انی معکم لئن اقمتم الصلوٰۃ واٰتیتم الزکوٰۃ واٰمنتم برسلی وعزرتموھم واقرضتم اللّٰہ قرضاً حسناً لاکفرن عنکم سیاٰتکم ۶/۷)

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مساکین کو صدقات سے بھی مدد دی جائے اور ان کی حالت گذارہ کے قابل بنانے اور ان کو ابھارنے کے لئے لِلّٰہ بھی قرض دیا جائے۔ اس قرض پر سود لینا ربوٰ ہے جس سے اللہ تعالیٰ مومنوں کو بڑی سختی کے ساتھ روکتا اور فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھ کر مساکین سے سود لوگے تو اللہ کی تمہارے ساتھ لڑائی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مٹائے گا اور رسولؐ کے ساتھ بھی تمہارا جنگ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے محکم احکام کو اپنے بشری فہم کے مطابق سمجھ کر تم میں پھیلانا اور مساکین کی حالت کو اعلیٰ بنانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو فرماتا ہے۔ لا تمنن تستکثر ۱/۲۹ ۔ یعنی کسی مسکین کے ساتھ اس لئے احسان مت کرنا کہ تو اس سے زیادہ لیوے۔

اس آیت میں ایسے ہی سود کی ممانعت ہے۔ کافر لوگ مساکین کو سود پر قرض دیتے تھے اور جب وہ

پہنچے، تو شبنم ہی بس ہے۔ اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔ ۲۶۶ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اُس کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو، اس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں۔ اس شخص کے لئے اس باغ میں ہر قسم کے پھل موجود ہوں اور اس شخص کو بڑھاپا پہنچا ہو اور اس کی اولاد کمزور ہو۔ پھر اس باغ کو ایک بگولا پہنچے، جس میں آگ ہو سو وہ جل جائے۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے نمونے بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔ ۳۶ع

۲۶۷ اے وہ جو ایمان لائے ہو، ان پاکیزہ چیزوں سے جو تم کماتے ہو اور ان سے جو ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں خرچ کرو اور خبیث چیز کا قصد نہ کرو کہ تم اس سے خرچ کرو اور تم خود اس کو لینے والے نہیں مگر اس حالت میں کہ اسکے متعلق چشم پوشی کرو اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا تعریف والا ہے۔
۲۶۸ شیطان تم کو فقیری سے ڈراتا اور بےحیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم کو اپنی طرف سے بخشش اور زیادت (یعنی ترقی کا) وعدہ دیتا ہے اور اللہ فراخی والا علم والا ہے۔ ۲۶۹ وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسکو حکمت دی جائے، تو اُسے بڑی بھلائی دی گئی اور عقل والوں کے سوائے کوئی نصیحت نہیں پاتا۔ ۲۷۰ اور (اپنے متعلقین کے حق میں) جو بھی تم خرچ کرتے یا (ان کی مدد کا) کوئی وعدہ کرتے ہو، تو بلا شبہ اللہ اُسے جانتا ہے اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہیں۔ ۲۷۱ اگر تم (ایسے) صدقات کو (دوسروں کو ترغیب دلانے کی خاطر) ظاہر طور پر بجا لاؤ۔ تو یہ بھی خوب ہے اور اگر تم ان (صدقات) کو چھپاؤ اور انہیں فقیروں کو دو۔ تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے۔ اور وہ (اللہ) اس سے تمہاری بُرائیوں کو دُور کرتا ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ ۲۷۲ اُن (کافروں) کی ہدایت تیرے ذمہ نہیں ولیکن اللہ اسے ہدایت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے اور تم جو اچھی چیز صرف کرتے ہو، تو اپنی جانوں کے لئے اور اللہ کی رضامندی طلب کرنے کے لئے خرچ کرتے ہو، اور تم جو بھی خیر کا کام کرتے ہو، تو وہ تمہیں پورا دیا جاتا ہے اور تم پر ظلم نہیں کیا جاتا۔
۲۷۳ (یہ صدقات مقدم طور پر) ان فقیروں کے لئے ہیں جو خدا کے رستہ میں (یعنی جائز طور پر مثلاً علم و ہنر سیکھنے کے لئے) رُوکے جاتے ہیں۔ وہ زمین میں چلنے پھرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ نادان ان کو سوال سے بچنے کے سبب غنی سمجھتا ہے۔ تو انہیں ان کے نشانوں سے پہچانتا ہے۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔ اور تم جو بھی خیرات کرو، تو بلا شبہ اللہ اُسے جانتا ہے۔

اس سے پہلے صدقات کا ذکر ہے۔ جہاں فرمایا ہے کہ صدقات احسان جتانے، خدمت لینے یا کسی

کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ ہنر، تجارت، محنت، وقت و مال ایک دوسرے کی صورت میں تحویل کئے جاسکتے ہیں۔ اصل مقصود ان سے وہ فائدہ ہے جس کے حاصل کرنے کی امید کی جاتی ہے۔ زید اگر بکر کو تجارت کے لئے دو سو روپیہ ایک مہینے کے واسطے دے اور بکر زید کو سو روپیہ دے۔ تو زید اُسے دو مہینے کے لئے استعمال کرسکتا ہے۔

پھر اگر کوئی ہنرمند اور تجربہ کار کسی مالدار کو کہے کہ تو مجھے نوکر رکھ لے اور حالات کے مطابق جو تنخواہ مناسب ہو مجھے دیا کر، تو آپس کی رضامندی سے ایسا کرنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر مالدار کسی ہنرمند کو کہے کہ کارخانہ کا مالک تو بن، لیکن میری مالی امداد بطور نوکر کے تجھے کام دے گی۔ تو مجھے جیسا مناسب ہو کم و بیش رضامندی کے ساتھ دے دیا کر تو یہ بھی بیع و تجارت میں ہی داخل ہوسکتا ہے۔ کافر لوگ جو پرلے سرے کے متکبر تھے اور شیطان کے ساتھ بڑا تعلق رکھتے تھے۔ مال کی محبت نے انہیں دیوانہ بنا رکھا تھا۔ شیطان انسان کے جذبات کو بھڑکاتے بھڑکاتے اس کی عقل مار دیتا ہے۔ کافر یہ نہیں کہتے تھے کہ بیع نفع حاصل کرنے کی مانند ہے بلکہ وہ مخبوط الحواس لوگوں کی طرح بکتے تھے کہ بیع ربوا کی مانند ہے۔ بیع پر نفع حاصل کرنا حلال ہے۔ لیکن اس قرض پر جو مساکین کی حالت کو سدھارنے کے لئے امدادی طور پر دیا جاتا ہے وہ من واذی سے باطل ہوجاتا ہے۔ اس پر نفع حاصل کرنا بیع پر نفع لینے کی مانند کیسے ہوا؟ ایسا کہنا واقعی ان لوگوں کا کام ہے جو سچ مچ مخبوط الحواس ہوں۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر تم یتیموں کو جو تمہاری نگرانی میں ہیں اپنے ساتھ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں ۲۲۰؎۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یتیموں کے ولی یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر تجارت کرسکتے ہیں۔ یتیموں کے مالوں کے نفع سے ان کی پرورش بھی کی جاسکتی ہے لیکن باقی نفع ان کے راس المال میں شامل کرکے آئندہ تجارت یا کسی صنعت وغیرہ میں لگایا جائیگا اور اگر ولی فقیر ہو، اپنا مال نہ رکھتا ہو، لیکن تجارت و صنعت کرنے کے قابل ہو تو وہ گماشتہ بن کر یتیم کے مال کو ترقی دے اور دستور و معروف کے طور پر اپنی محنت کا بھی حق لے تو یہ بلاشبہ جائز ہے

ولی، باپ اور دیگر قریبی رشتہ داروں اور خیر خواہان میں سے جو ہر طرح سے مناسب ہو مقرر ہونا چاہیئے۔ ولی کا انتظام ارباب مجلس شورے اور حکام کریں گے۔ اور وہ یتیموں کے مال کی نگرانی بھی فرماتے رہیں گے۔ اگر وہ پہلے ولی کی شرارت اور لاپرواہی کو دیکھیں گے اور مال میں کچھ نقصان ہوتا پائینگے

سود بھی ادا نہیں کر سکتے تھے تو وہ اس سود کو اصل رقم میں ملا کر قرض کو بڑھا لیتے اور پھر اس پر آگے سود لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس سے منع کرتا ہے۔ مساکین اس سے زیادہ زیر بار ہوتے جاتے تھے۔ پس اس آیت کا بھی مساکین کے ساتھ ہی تعلق ہے۔ کفار مساکین سے سود لے کر اسی سود کے ایک حصہ کو مفلسوں کی مدد کے لئے دیا کرتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ ہم اس سے مساکین کی حالت کو اعلیٰ کرتے ہیں لیربوا فی اموال الناس۔ (دوم) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے مساکین کو ترقی نہیں ملتی مساکین کی ترقی زکوٰۃ و صدقات سے ہی ہو سکتی ہے جس کے عوض میں ان سے کوئی چیز نہ لی جائے

قرآن کریم میں جو ربٰو کا ذکر ہے اس سے مراد اُن غرباء سے سود لینا ہے جن کی حالت کو اعلیٰ بنانا اور ترقی دینا مقصود ہوتا ہے۔ جن کے لئے ضرور ہے کہ امیر لوگ انہیں قرض دیں اور اگر طاقت اور فراخی رکھتے ہوئے ان کی مدد نہ کریں تو یہ بہت بُرا ہے۔

اس انتظام کے لئے ضرور ہے کہ بادشاہ اور حکام اسے اپنے ہاتھ میں لیں اور ہر جگہ مجلس شوریٰ قائم ہو۔ یہ قرض بھی حسب حیثیت ہی جمع کیا جائے اور جو قرض واپس ہو اُسے تناسب کے ساتھ ہی واپس دیا جاوے۔ امیر لوگ خود بھی جس کسی غریب کو مناسب دیکھیں اُسے امدادی طور پر قرض دیں۔ اور اگر غرباء کی تنگی اور مجبوری ملاحظہ کریں تو اس قرض کو صدقہ کے طور پر بھی دے سکتے ہیں اور قرضہ کا حسب ضرورت اور حسب موقعہ الگ حساب ہوتا رہیگا۔

ایک آدمی اپنے روپے اور محنت اور وقت لگا کر کوئی ہنر سیکھتا ہے یا کسی تجارت میں تجربہ کاری حاصل کرتا ہے یا اس کا باپ اور دیگر رشتہ دار اسی طرح سے کما کر اس کے لئے کچھ اسباب یا مبلغات چھوڑ جاتے ہیں۔ اس سے اس بات کا صاف پتہ لگتا ہے کہ جس طرح ایک شخص ہنر سیکھتا ہے اور تجارت میں تجربہ کار بنتا ہے اسی طرح دوسرا شخص اپنے روپے اور وقت لگا کر ہی مبلغات جمع کرتا ہے۔ اب اگر کوئی ہنرمند کسی روپے والے کے ساتھ مل جائے اور اس مالدار سے روپیہ حاصل کرے اور اپنی تجربہ کاری سے کام لے، تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ دونوں شخص آپس کی رضامندی سے نفع اور نقصان کا حصہ مقرر کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہنرمند کہہ سکتا ہے کہ میں اتنا وقت کام کر کے نفع کے دو حصے لونگا۔ اور تجھے تیرے مال سے کام لینے کے سبب ایک حصہ دونگا۔ سو اگر مال والا صرف مالی مدد دے کر ہی اس طرح فائدہ اٹھائے تو یہ کسی طرح سے ناجائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا مال بھی ہنر اور وقت کی طرح قیمت رکھتا ہے۔ جس طرح کسب اور وقت کی قیمت گھٹتی بڑھتی ہے۔ اسی طرح مال کی قیمت بھی

غریب ہوجاؤ گے۔ وہ مال کی محبت میں عقل کو جواب دے دیتے ہیں۔ وہ خود غرضی کے سبب قومی ترقی کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے۔ شیطان کا کفار پر بھی کوئی غلبہ نہیں، شیطان انہیں صرف بدی کی طرف بلاتا ہے وہ اس کی تعلیم سے تیز ہوجاتے ہیں۔ بداعمالی اور بدپرہیزی سے جو شیطان انہیں سکھاتا ہے۔ انکی عقل جاتی رہتی ہے اور اُن کا دماغ بگڑ جاتا ہے۔ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ صدقات کا دینا تو الگ رہا تم غریبوں سے بیاج تو نہ لیا کرو، تو وہ کھسیانے ہوکر اس طرح اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جس طرح شیطان نے اپنے بُرے تعلق سے کسی کی مت ماردی ہو۔ اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ بیع بھی تو ربوا (جیسی) ہے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوٰ کو حرام بنایا ہے۔

آگے فرمایا کہ جس کو اپنے رب کی طرف سے یہ وعظ آپہنچا اور وہ ٹل گیا، تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا۔ اس کا کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ہاں اس کا معاملہ خدا تعالےٰ کی طرف ہے چاہے پکڑے یا معاف کرے۔ اگر اس شخص کی سخت گیری سے کسی مسکین کی حالت ابتر ہوگئی ہو اور اس نے اس کی پروانہ کی تو ضرور پکڑا جائے گا۔

آگے فرمایا کہ جو شخص دوبارا ایسا کرے گا، وہ آگ والوں سے ہے۔ وہ اس میں رہ پڑنے والا ہے۔ یہ سزا مشرکوں اور کافروں کی ہے۔ اس میں وجہ کفر یہ ہے کہ مساکین جنہیں خیراتی طور پر قرض دینا چاہیئے تھا، ان کے حق میں اللہ تعالےٰ کے تعلق کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی غرض کو ترجیح دی۔

تیسری آیت میں ربوا اور صدقات کا مقابلہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ربوا کے سبب قومی برکت دُور ہوتی ہے۔ لیکن صدقات قوم کو بڑھاتے ہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ربوا سے بچنا مساکین کو ابھارنے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس آیت میں بھی ربواخوار کو کافر و اثیم بتلایا ہے۔

چوتھی آیت میں ایمان و عملِ صالح اور نماز کی بجاآوری کے ساتھ زکوٰۃ کی تاکید کی ہے اور ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق بھی مساکین کو ابھارنے کے ساتھ ہے۔

پانچویں آیت میں اللہ تعالےٰ نے ڈرایا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ تعالےٰ کو مانتے ہو تو باقی ربوا کو چھوڑ دو، وجہ کفر کا پہلے ذکر آچکا ہے۔

چھٹی آیت میں اللہ اور رسولؐ کی طرف سے مومنوں کو جنگ کا اعلان دیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ ربوا کا لینا ظلم ہے۔

ساتویں آیت میں فرمایا ہے کہ اگر وہ غریب تنگی والا ہو تو اُسے فراخی تک مہلت دینی چاہیئے۔ اور

تو دوسرے شخص کو بھی ولی مقرر کرسکتے ہیں۔ اگر یتیموں کا مال کسی سرکاری بنک میں رکھا جائے، یا کسی فائدہ والی کمپنی کے حوالہ کیا جائے تو اس سے بھی ان کے مالوں کی حفاظت ہوسکتی ہے۔ وحی الٰہی کے بعد ہمیں تمام کام حکمت کے ماتحت کرنے چاہئیں۔ خدا فرماتا ہے کہ حکمت خیر کثیر ہے۔ یتیم جب تک عاقل و بالغ نہ ہو اس کے مال پر صدقات و زکوٰۃ کا حق نہیں ڈالا جائیگا۔

آئندہ رکوع میں رہانِ مقبوضہ کا ذکر آتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ رہن جو اپنے قبضہ میں کرلیا جائے اس سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ہمارے پاس شیر دار بھینس گرو رکھ دے تو ہم اُسے چارہ دیں گے اور اس کے دودھ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ لیکن اگر کوئی شخص بغیر رہن کے گائے بھینس ہمیں کرایہ پر دے تو ہم چارہ کے علاوہ اس شخص کو کرایہ بھی دیں گے۔ لیکن رہن کی صورت میں کسی کرایہ دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ پس یہ کرایہ اس روپے کے عوض ہی سمجھا جائے گا جو کسی صاحبِ حیثیت کو بطور قرض کے دیا گیا ہے۔ یہ فائدہ داخلِ تجارت ہے ربوٰا نہیں ہے۔ جسے اللہ تعالےٰ نے حرام کیا ہے۔

بکر پیشگی روپیہ لینے کے بغیر زید کا کام کرتا ہے۔ زید اس سے تھوڑا فائدہ لینے پر راضی ہو جاتا ہے لیکن اگر بکر شروع ہی میں پچاس یا سو روپے زید سے لیتا ہے تو زید اس سے زیادہ کام لیتا ہے اور اس سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے

عام طور پر رسالوں کی قیمت پیشگی کم لی جاتی ہے اور سال کے بعد دو چند وصول کی جاتی ہے۔

دُکان دار نقد قیمت پر سستے داموں سودا دیتا ہے اور اُدھار پر زیادہ قیمت لگاتا ہے۔ کیا ایسے فوائد بیع و تجارت میں آسکتے ہیں یا ربوٰ سمجھے جائیں گے؟ جس کو اللہ تعالےٰ نے حرام کیا ہے اور جس پر سخت وعید آئے ہیں۔ تجارت پیشہ لوگ ایک دوسرے کو اپنی خوشی سے قرض سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں لیکن غریبوں سے جنہیں للہ قرض دیا گیا ہے وہ اگر خوشی سے بھی دیں تو ان سے نہیں لیا جائیگا۔

اس رکوع کی تمہید میں ایک ایسی آیت لائی گئی ہے جس کا تعلق بلاشبہ مساکین ہی کے ساتھ ہوسکتا ہے پس ربوٰ کا تعلق بھی مساکین ہی سے ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ

وہ لوگ جو اپنے مال رات اور دن کو، پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو اُن کے لئے اس کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ہے۔ نہ اُن پر کچھ خوف ہے اور نہ غم۔

دوسری آیت میں ربوا خواروں کا مخبوط الحواس ہونا دکھلایا ہے۔ وہ غریبوں کو للہ قرض نہیں دے سکتے۔ ایسے لوگوں کا شیطان سے تعلق ہوتا ہے۔ شیطان انہیں امر کرتا ہے کہ اگر غریبوں کو دوگے۔ تو خود

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ - [۲۷۳] وہ لوگ جو اپنے مال رات کو اور دن کو پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، تو اُن کے لئے ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم کریں گے۔ [۲۷۴] وہ لوگ جو ربوا کھاتے ہیں وہ نہیں اُٹھ کھڑے ہوتے، مگر جس طرح وہ شخص اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، جسے شیطان نے اپنے تعلق سے مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ یہ بہ سبب اس کے ہے، انہوں نے کہا سوائے اس کے نہیں، کہ خرید و فروخت ربوا کے مانند ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور ربوا کو حرام کیا ہے۔ تو جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے یہ عالی شان وعظ آگیا، پھر وہ ٹل گیا تو اس کے لئے ہے جو کچھ گذر چکا اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے اور جو پھر ایسا کرے تو وہی لوگ آگ والے ہیں اور وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں۔ [۲۷۵] اللہ ربوا کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ ہر ایک سخت کافر، سخت گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ [۲۷۶] بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔ اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی۔ اُن کے لئے اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور نہ اُن پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم کریں گے۔ [۲۷۷] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ربوا سے جو کچھ باقی ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم مومن ہو۔ [۲۷۸] پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لئے خبردار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کرو، تو تمہارے لئے اصل مال ہیں۔ (اس طرح) نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ [۲۷۹] اور اگر وہ (مفلس) تنگی والا ہو تو اُسے فراخی تک مہلت دینا (لازم) ہے اور اگر تم صدقہ کر دو، تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے بشرطیکہ تم کو علم ہے۔ [۲۸۰] اور اس (ہولناک) دن سے ڈرو، جس میں تم اللہ کی طرف موڑے جاتے ہو۔ پھر ہر شخص کو جو وہ کماتا ہے اس کا پورا بدلہ دیا جاتا ہے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

گذشتہ رکوع میں اس قرض کا ذکر ہے، جو غریبوں کو اُن کی حالت کے سنوارنے کے لئے امدادی طور پر للہ دیا جاتا ہے۔ اس قرض پر سود لینا یقیناً حرام ہے یہ قرض حکام یا دیگر منتظمین کے

صدقہ کردو، تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس آیت میں بھی ربوا کا تعلق مساکین کے ساتھ ہی دکھلایا گیا ہے۔

آخری آیت میں خدا کی پیشی سے ڈرایا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

رکوع ۳۸

۲۷۴ الذین ینفقون اموالھم بالیل والنھار سرا وعلانیۃ فلھم
اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۝ ۲۷۵ الذین
یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن
من المس ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا و احل اللہ
البیع وحرم الربوا فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف
وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون ۝
۲۷۶ یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقت واللہ لا یحب کل کفار اثیم ۝
۲۷۷ ان الذین امنوا وعملوا الصلحت واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ
لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۝ ۲۷۸ یایھا
الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین ۝
۲۷۹ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم
رءوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۝ ۲۸۰ وان کان ذو عسرۃ
فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝

اسی قسم کی شہادت دینا اثر رکھتا ہے۔ اس معاملے میں مرد اور عورت کو اپنے متعلق شہادت دینے میں بہمہ وجوہ یکساں قرار دیا گیا ہے۔ اگر عورت اور مرد کی شہادتوں میں کوئی امتیاز ہوتا۔ تو وہ اس معاملے میں بھی ظاہر ہوتا۔ ہاں تجارتی معاملات میں مرد آپس میں ملتے جلتے رہتے ہیں۔ اس لئے مردوں کے خاص معاملات میں مردوں کی گواہی ہی درکار ہے۔ اور اگر فریقین کے پسندیدہ دو مرد نہ ملیں۔ تو ایک پسندیدہ مرد کا ہونا تو پھر بھی ضروری ہے۔ اور دوسرے مرد کی جگہ دو ایسی عورتیں بھی رکھی جا سکتی ہیں۔ جن پر فریقین کو اعتبار ہو۔ چونکہ عورتیں تجارتی معاملات میں کم شامل ہوتی ہیں۔ اسلئے ضروری ہے۔ کہ اگر ایک عورت غلطی میں پڑنے لگے۔ تو دوسری اُسے نصیحت کرے۔ اور یاد دلائے ؏

پھر جب گواہوں کو بلایا جائے۔ تو اُن کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ ہاں انہیں مناسب طلبانہ دینا لازم ہے۔ انہیں ضرر دینا فاسق بننا ہے۔ یہ تمام امور تجارتی قوانین دین میں داخل ہیں۔ وحی والا دین قرآن مجید میں تمام وکمال شامل ہے۔ اجتہادی دین رسول خدا اور دیگر نیک بشروں کے اجتہاد و استنباط پر چھوڑا گیا ہے۔ اس میں اگر ضرورت ہو۔ تو ترمیم و تنسیخ بھی ہو سکتی ہے۔

کاتب کی تحریر کے ساتھ پسندیدہ اور معتبر گواہوں کی گواہی کا ذکر کر کے اور خوفِ خدا کو بار بار یاد دلا کے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ یہ سب باتیں مجموعی طور پر گواہی کو قائم کرنے والی ہیں۔ اور یہ اس کے قریب ہیں۔ کہ تم شک میں نہ پڑو۔ اگر خدا تعالےٰ کا یہ فرمان صحیح ہے۔ اور یقیناً صحیح ہے۔ تو ایسی تحریری شہادت کے آگے بخاری ومسلم کی شہادت در شہادت در شہادت والی روائتیں روایت ہونے کے لحاظ سے پرِ پشہ کے برابر بھی قدر نہیں رکھتیں۔

اور اگر تم سفر میں ہو۔ اور وہاں قرض پر کوئی معاملہ کرو۔ اور کاتب نہ ملے۔ تو تم مدیون سے کوئی چیز لے کر اپنے قبضہ میں کرلو۔ اور میعاد مقررہ تک اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ سفر میں کاتب کے نہ ملنے کی صورت میں رہان مقبوضہ کا رکھنا رقم کی حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے شہر میں بھی کوئی چیز رہن رکھ لے۔ تو یہ بھی جائز ہے۔

گواہی کا چھپانا بہت بُرا ہے۔ اس سے سب سے اوّل دل گنہگار بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کو ہر بات کی خبر ہے۔

اس رکوع میں دو آئتیں ہیں۔ ان میں بیسیوں قوانین اور مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن حکیم کے بنانیوالے کے متعلق ایسا اعتقاد رکھنا کہ وہ اپنی وحی والی تعلیم میں دوسرے انسان کو اپنے

دفاتر میں ضرور موجود ہوگا۔ یہ قرض معاف بھی کیا جا سکتا ہے یا آئندہ صدقات میں ڈالا جا سکتا ہے اس قرض میں الیٰ اجل مسمیٰ مہلت نہیں دی جاتی بلکہ فراخی ہونے تک کھُلی مہلت ہوتی ہے۔ اس قرض میں مسکین سے کوئی چیز بطور رہانِ مقبوضہ کے بھی نہیں لی جا سکتی۔ اس قرض میں کاتب کی مزدوری اور گواہوں کا طلبانہ بھی مساکین سے نہیں لیا جا سکتا۔ لیکن اس اُنتالیسویں رکوع میں اُس قرض کا بیان ہے جو تاجرانہ حیثیت میں دیا لیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کا بیان بھی ساتھ ہی آجائے اور قرآن حکیم میں کوئی کمی باقی نہ رہے۔

اگر خرید و فروخت دست بدست ہو اور جنس کے عوض جنس یا مبلغات کے عوض جنس دی جائے۔ تو اس صورت میں کاتبوں اور شاہدوں کو بُلا کر تحریر نہ بھی لی جائے، تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ ہاں گواہ بنا لینے ضرور ہیں تاکہ کسی دھوکے یا چوری چکاری کا خطرہ نہ رہے۔ لیکن اگر سودا دست بدست نہ ہو صرف اُدھار پر ہی معاملہ کیا جائے تو اس صورت میں وقت بھی مقرر ہونا چاہیئے۔ اس وقت کے لحاظ سے جو شرائط آپس میں طے پائیں، انہیں لکھ لینا چاہیئے۔ معاملہ کم ہو یا زیادہ لکھا لینا ضروری ہے ورنہ عدالت میں ثبوت بہم نہیں پہنچے گا۔ اور رقم کا ضائع ہونا ممکن ہوگا۔ ہاں اگر کسی کو امین سمجھ کر نہ لکھایا جائے تو اس امین کو لازم ہے کہ اللہ سے ڈرے اور امانت ادا کردے۔

کاتب عدل کے ساتھ لکھے اور جس طرح اللہ تعالےٰ نے اُسے لکھنا سکھایا ہے، لکھنے سے انکار نہ کرے۔ کاتب کو اس کا مناسب حق بھی دیا جائے۔ اور اُسے ضرر نہ پہنچایا جائے۔

لکھائے وہ شخص جس نے دینا ہے اور اللہ سے ڈرے جو اُس کی پرورش کا ذمہ وار ہے۔ اور مضمون کے لکھانے میں کوئی نقص نہ ڈالے۔

اگر وہ لکھانے والا عقل کے لحاظ سے ناقص ہو، یعنی بچہ ہو اور اپنے نفع و نقصان کو نہ سمجھ سکتا ہو یا مرض اور سخت بڑھاپے کے باعث جسمانی طور پر کمزور و نحیف ہو، یا کسی اور سبب سے لکھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو، یعنی دوسرے شہر سے نہ آسکتا ہو، یا قید خانہ سے حاضر نہ ہو سکتا ہو، یا کوئی شخص غیر زبان رکھنے کے سبب کاتب کو ٹھیک طور پر نہ سمجھا سکتا ہو تو ایسی تمام صورتوں میں اُس کا ولی عدل کے ساتھ لکھائے۔ ولی کا بیان سابق رکوع میں آچکا ہے۔

عورت اور مرد کی گواہی میں کسی معقول وجہ کے بغیر فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے، تو مرد کا پانچ دفعہ شہادت دینا ویسا ہی مؤثر ہے جیسا کہ عورت کا پانچ دفعہ

أُؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا
فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿ع﴾

۲۸۲
ترجمہ ۔ اے ایمان والو! جب تم ایک دُوسرے کے ساتھ میعاد مقررّہ تک اُدھار پر معاملہ
کرو۔ تو اُسے لکھ لیا کرو۔ اور چاہیئے۔ کہ کاتب تمہارے درمیان عدل کے ساتھ لکھے۔ اور کاتب لکھنے
سے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے اُسے سکھایا ہے۔ انکار نہ کرے۔ پس چاہیئے کہ وُہ لکھ دے۔ اور لکھائے وہ
شخص کہ جس پر حق ہے (یعنی جس نے رقم دینی ہے) اور چاہیئے کہ وُہ اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے
اور اس میں کچھ کمی نہ کرے۔ سو اگر وہ شخص جس پر حق ہے۔ نادان یا ضعیف ہو۔ یا وُہ (کسی اور وجہ سے)
لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ تو چاہیئے۔ کہ اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوائے۔ اور اپنے مردوں میں سے
دو گواہ گواہی کے لئے طلب کرو۔ پھر اگر (فریقین کے پسندیدہ) دو مرد نہ ہوں۔ پس ایک مرد اور دو عورتیں اُن
لوگوں سے ہوں جنہیں تم گواہوں سے خود پسند کرتے ہو۔ تاکہ اگر ان دونوں عورتوں میں سے ایک غلطی میں
پڑے۔ تو دُوسری ایک اُسے سمجھا دے۔ اور گواہ جبکہ بلائے جائیں۔ تو انکار نہ کریں۔ اور اس معاملہ کو خواہ
چھوٹا ہو یا بڑا۔ اُس کی معینہ میعاد تک لکھنے میں سُستی نہ کرو۔ یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی
ہے۔ اور گواہی کو بہت قائم کرنے والی ہے۔ اور اس بات کے بہت قریب ہے۔ کہ تم شک میں نہ پڑو۔ ہاں
اگر تجارت (سودا) دست بدست ہو۔ جسے تم آپس میں لیتے دیتے ہو۔ تو (اس صورت میں) تم پر کوئی گناہ نہیں
ہے۔ کہ تم اُسے نہ لکھو۔ اور جب آپس میں سَودا سلف کرو۔ تو گواہ مقررّ کر لیا کرو۔ اور نہ کاتب کو اور نہ گواہ
کو ضرر دیا جائے۔ اور اگر تم ایسا کرو گے۔ تو یہ تمہارا فسق ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور یاد رکھو اللہ تمہیں
سکھاتا ہے۔ اور اللہ ہر شے کا پُورا عالم ہے۔ ۲۸۳ اور اگر تم سفر پر ہو۔ اور کاتب کو نہ پاؤ۔ تو ایسا رہن رکھ
لینا ہے۔ جو اپنے قبضہ میں کیا جائے۔ پھر اگر تم میں سے بعض بعض کا اعتبار کرے۔ تو چاہیئے۔ کہ وہ شخص
جسے امین جانا گیا ہے۔ اپنی امانت کو ادا کر دے۔ اور اللہ سے جو اس کا رب ہے۔ ڈرے۔ اور گواہی کو
مت چھپاؤ۔ اور جو اُسے چھپاتا ہے۔ تو بلاشبہ یہ بات ہے۔ کہ اُس کا دل گنہ گار ہے۔ اور اللہ جو کچھ تم
کرتے ہو۔ اُسے خُوب جاننے والا ہے ۔

ساتھ شریک بناتا ہے۔ اور اُسے دُوسرا احکم الحاکمین اور اصل مطاع ٹھہراتا ہے۔ پرلے سرے
کا ظلم ہے۔

رکوع ۳۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ
بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ
فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا
يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا
اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ
وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ
فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا
فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْـَٔـــمُوْٓا
اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا
بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا
يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ
وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ۲۸۲ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰي سَفَرٍ وَّلَمْ
تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي

اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ یہی تقویٰ تمام شریعتوں کا خلاصہ ہے۔
(۲) جب بحکم خدا اعمال صالحات پر عمل پیرا ہونا اور سیّئات سے بچنا لازم ٹھہرا۔ اور رسول اور غیر رسول سب خدا تعالیٰ کے مملوک ہوئے۔ تو آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت جیسا کہ مومنوں پر فرض ہے۔ بلا فرق اسی طرح رسولوں پر بھی فرض ہے۔ جناب محمد رسول اللہ قرآن مجید کے ویسے ہی تابع ہیں جس طرح دُوسرے مومنین کو ہونا چاہیئے۔ جس طرح دُوسرے مومنین قرآن حکیم پر حاکم و قاضی نہیں بن سکتے۔ اسی طرح خود رسولِ خدا بھی قرآن عزیز کے تابع ہو کر اس پر قاضی و حاکم نہیں سمجھے جا سکتے۔ جب کوئی مومن یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ میرا حکم اور میری قضا خدا تعالیٰ کے حکم و قضا کی مثل ہے۔ کیونکہ ایسا کہنا کفر و شرک ہے۔ تو کیا رسولوں جیسے مومن ہی ایسے کلمات کفر و شرک زبان پر لا سکتے ہیں۔ یا کیا خدا تعالیٰ ہی ایسے کفریہ کلمات کا استعمال کر کے اپنی توحید کو بٹہ لگا سکتا ہے۔ حاشا و کلّا۔
آگے فرمایا۔ کہ صرف مومنین ہی نہیں۔ بلکہ رسولِ خدا بھی جیسا کہ کُلٌّ اٰمَنَ کے الفاظ سے سورج کی طرح روشن ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے تمام ملائکہ اور تمام کتابوں اور تمام رسولوں کو مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایمان اصل اور حقیقی ہے۔ باقی تمام چیزوں کا ایمان خدا تعالیٰ کے ایمان کو پختہ اور قائم کرنے کے لئے ہے خدا تعالیٰ فوق الفطرۃ متصرّف ہے۔ ملائکہ اس تصرف کے وسائط تو بن سکتے ہیں۔ لیکن خود متصرف نہیں ہو سکتے۔ الٰہی کتابوں سے اللہ تعالیٰ کے احکام کا پتہ لگتا ہے۔ باقی رہے رُسل و انبیاء سو ان کو رسالات اللہ کو پہنچانے کے لحاظ سے ہی ماننا چاہیئے۔ ہاں ان کی اپنی باتیں اسی طرح سے ہی مانی جا سکتی ہیں۔ جس طرح دُوسرے مومنین و منتظمین و حکام اور دیگر سمجھداروں کی باتوں کو ماننا چاہیئے۔ سچے رسول کی شان یہ ہے۔ کہ وُہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنی بات کو مٹا کر دکھلا دے۔ ایسا شخص اپنی بات کو خدا تعالیٰ کے حکموں کی مثل کس طرح ٹھہرا سکتا ہے؟
پھر فرمایا۔ کہ رسول و مومن تمام رسولوں کی اصل تعلیم کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ اور اُن کے مابین کوئی اختلاف نہیں ڈالتے۔ کیونکہ حکم تو ایک خدا کے ہیں۔ ان انبیاء کے لئے کوئی الگ حکم نہیں ہو سکتا اسی لئے رسول و مومنین سب کہتے ہیں۔ کہ اے خدا ہم نے تیرے حکموں کو سُنا۔ اور اپنی طاقت کے مطابق انہیں مانا۔ اور چونکہ ہماری کمزوری کے سبب سے ہم سے غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ اس لئے رسول اور مومنین اللہ تعالیٰ سے یکساں بخشش مانگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں۔ اور کیوں نہ مانگیں جبکہ تیری طرف ہی ہم کو مُڑنا ہے۔ پھر رسول و مومنین سب اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں۔ کہ خدا کسی شخص کو

یہ سورۃ البقرۃ کا آخری رکوع ہے - اس میں سورت کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے - جو امورِ ذیل پر مشتمل ہے :-

(۱) تمام آسمانی و زمینی اشیاء اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں - پس یہ اشیاء نہ ابتداء میں اور نہ انتہا ہی میں خدا بن سکتی ہیں - یہ ہمیشہ مملوک و عبد ہی رہتی ہیں -

خدائے حکیم اپنے محکوموں کو امکانی حالت سے اعلیٰ ارتقائی حالتوں پر پہنچانا چاہتا ہے - جہاں سے گرنا وہ کبھی پسند نہیں کر سکتے -

کائنات کا اعلیٰ سے اعلیٰ کمال اللہ تعالیٰ کا عابد و عارف بننا ہے - جس قدر انسان کو ترقی ملتی جائیگی - اسپر اپنا عبد اور مملوک ہونا بھی واضح ہوتا جائیگا - اس کے لئے یہی حکم ہوتا رہے گا - اُدْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ - اُدْخُلِیْ جَنَّتِیْ -

چونکہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے - اس لئے ہمارے نقص اور رکاوٹیں اور دُکھ اور احتیاج ہی ہمیں ترقی کے طالب اور خواہاں بناتے جائیں گے - اور ترقی پر پہنچانے والا صرف وُہی ہوگا - جو ہر شئے کا مالک اور سب اصلاحوں پر قادر ہے -

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خود ہی ہر شئے کو قدرتی طور پر ہمیشہ اعلیٰ اعلیٰ ارتقاؤں پر پہنچاتا رہتا ہے - یہ ارتقا قدرتی طور پر لمبے لمبے زمانوں کو چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے - کہ صاحبِ اختیار رُوحیں اپنی مرضی سے خود بھی جس بات کو نیکی جانیں - اس پر عامل ہوں - اور جسے گری ہوئی خواہش سمجھیں - اُس سے باز رہیں - گرانے والی خواہشوں پر عمل کرنے سے انسان دیر تک جہنم میں رہیگا - اور یاد رہے - کہ سب سے مقدّم رُوح کی اصلاح ہے -

حاصل یہ ہے - کہ انسان جو کچھ ظاہری طور پہ دکھلا کرتا ہے - اور جو کچھ اپنے دل میں چھپاتا ہے - اللہ تعالیٰ اپنے مملوک انسان سے ان سب باتوں کا حساب لیتا ہے - اگر کوئی بُرا خیال اسکے دل میں بلا ارادہ یا کسی بیرونی تحریک سے آجائے - تو خدا تعالیٰ اُسے معاف کر دیتا ہے - بشرطیکہ اس خیال کو روکنے اور ٹالنے کی اپنی طرف سے کوشش کرے - لیکن جن بُرے خیالات کو انسان خود ہی جگہ دیتا اور اُن پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے - تو ایسے کھوٹے خیالات پر ضرور سزا ملے گی - قدّوس خدا کی مشیّت بھی پاک ہوتی ہے - اندریں صورت ہمارے لئے لازم ہے - کہ جہاں نیکی اور اصلاح کا کوئی موقعہ پائیں - تو اس میں ضرور معاونت کریں - اور جہاں بدی اور گرانے والی خواہشوں کو دیکھیں - تو ان میں مدد نہ کریں - جہانتک ممکن ہو

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا
كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ
رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا
تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ
أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

ترجمہ۔ ۲۸۴ اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ اُسے ظاہر کرو۔ یا اُسے چھپاؤ۔ اللہ تعالےٰ اس کا حساب تم سے لیتا ہے۔ پھر جسے چاہتا ہے۔ وُہ بخش دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے۔ عذاب کرتا ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ۲۸۵ رسُول اس چیز پر جو اُس کے رب کی طرف سے اسپر نازل کی گئی ہے۔ ایمان لایا۔ اور دوسرے مومن بھی (اسی پر ایمان لائے)۔ ان میں سے ہر ایک اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا (یہ کہتے ہوئے کہ) ہم اُس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان اختلاف نہیں ڈالتے۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ ہم نے سُنا اور (اپنی طاقت کے مطابق) مانا۔ اور اے پروردگار ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں۔ اور تیری طرف ہی ہے مُڑنا (یعنی بازگشت) ۲۸۶ (رسُول اور مومن یہ بھی کہتے ہیں کہ) اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ اس (نفس کے فائدہ) کے لئے ہے۔ جو اُس نے (نیکی کی) کوشش کی۔ اور اس پر (اس کا ضرر) ہے۔ جو اُس نے چاؤ سے کیا۔ اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں۔ تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔ اے ہمارے پروردگار۔ اور تو ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس طرح تو نے ان لوگوں پر جو ہم سے پہلے تھے۔ ڈالا ہے۔ اے ہمارے پروردگار اور ہم سے وُہ بات جس کے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔ مت اُٹھوا۔ (یعنی اپنے فضل سے ہم کو ایسی بدیوں سے محفوظ رہنے کی توفیق دے جو ہمیں عذاب میں پھنسا دیں)۔ اور ہم کو معاف کر اور ہمارے لئے بخشش کر۔ اور ہم پر رحم کر۔ تو ہی ہمارا والی (مولیٰ) ہے۔ اور اس کافر قوم کے مقابلے پر ہماری مدد فرما +

اس کی وسعت سے بڑھکر تکلیف نہیں دیتا۔ نبیوں کو بھی ان کی وسعت کے مطابق ہی حکم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ ہر نفس کے لئے ہے۔ جو وہ کوشش سے کمائے۔ اور جو کچھ چاؤ سے کرے۔ اس کا وبال اسی پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ نیکی اور بدی معیّن ہے۔ کسی انسان کے کہنے اور کرنے سے کوئی بات خواہ مخواہ نیکی نہیں بن جاتی پھر رسول و مومنین یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار اگر ہم کسی نیک بات کو بھول جائیں یا کسی نیکی کو اختیار کرکے اسمیں غلطی کر جائیں۔ تو ہمارا اسپر مواخذہ نہ کرنا۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نسیان و خطا جس طرح دیگر مومنین سے ممکن ہے۔ رسولوں سے بھی ممکن ہے۔ پھر رسول و مومنین کی آگے یہ بھی دعا ہے۔ کہ اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جسطرح تو نے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ اس سے مراد پچھلی قوموں کے سزائی حکم ہیں۔ جو انہوں نے شرارت کر کے اپنے ذمہ لئے تھے۔ خدا تعالےٰ نے پہلے لوگوں کو اعلےٰ اصلاح کے حکم بھی دیئے تھے۔ لیکن انہوں نے ان کو بھلا دیا۔ (ونسوا حظاً مما ذکروا بہ) اور ان کی جگہ ایسی برائیاں اختیار کیں۔ جن کے سبب سے وہ تکلیفیں آئیں۔ جو اُن کی طاقت سے بڑھ کر تھیں۔ اس لئے رسول و مومن یہ دعا بھی مانگتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب ہم تیری حفاظت کے سبب ایسی مصیبتوں کے اٹھانے سے محفوظ رہیں۔ جو ہماری طاقت سے بڑھ کر ہیں ہمارے نسیان اور خطاؤں کو معاف کر۔ اور سزائی حکموں کو ہم سے ہٹا کر ہماری مغفرت فرما۔ اور اعلیٰ احکام دے کر ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا سرپرست ہے۔ سو جو لوگ ہماری ان اصلاحوں کو دیکھ کر ہم سے لڑائی کرتے ہیں۔ اُن کے مقابلہ پر ہماری مدد فرما۔

۲۸۳

رکوع ۴۰۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۲۸۴ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ تف لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ تف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

کیا گیا ہے۔ پھر بنی اسرائیل کو خطاب کیا ہے اور انہیں اُن کی غلطیوں سے مطلع فرمایا ہے۔ پھر انہیں قدیم اسلام کی طرف بلایا ہے اور انہیں اُن کے تعصبات و توہمات سے روکا ہے۔ یہود کو اپنے قانونوں اور شرائع پر ناز تھا۔ سورۃ البقرہ میں معقول اور مفید احکام اور قوانین کو پیش کیا ہے اور سکھلایا ہے کہ تورات کا یہی منشا ہے۔

اس سورت میں عیسائیوں کی اصلاح کی گئی ہے اور انہیں اعتقاد تثلیث سے منع کیا ہے۔ اور مخلوقات کو خدا بنانے سے روکا ہے۔ وہ مسیح کے کفارہ کو باعثِ نجات جانتے تھے اس لئے اُن کے آگے بھی اسلام کی حقیقت کھولی گئی ہے اور دکھلایا ہے کہ دین الفطرۃ اسلام ہی ہے۔ حق اور سلامتی اور محبت اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ پس یہ سورت بمنزلہ انجیل کے ہے۔ یہود کے عیوب دکھلا کر یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ان میں صالحین بھی ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اکٹھے ہو جاؤ۔ اس طرح تمام مذاہب کو ایک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سورت میں جنگ احد کا ذکر ہے۔ اس جنگ میں خود رسولِ خدا اور دیگر مومنوں پر بڑی تکلیفیں وارد ہوئیں۔ قرآن مجید حق کے غلبہ کی بار بار پیشگوئی کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس تعلیم پر چل کر تم مفلحین سے بن جاؤ گے اور فائز المرام ہو جاؤ گے۔ کفار جنگِ احد کی تکلیفوں پر نظر کرکے کہتے تھے کہ ایسی تعلیم کا غالب ہونا محال ہے۔ یہ خدا تعالےٰ پر افترا کرتا ہے۔ پس خدا تعالےٰ اسے ضرور مٹائے گا۔ بلاشبہ اس جنگ میں بعض غلطیوں کی وجہ سے نقصان پہنچے تھے۔ خدا تعالےٰ نے مومنوں کو یہ تکلیفیں دے کر ہوشیار کر دیا لیکن چونکہ حق کا غلبہ ضروری ہے اور عیسائیوں کو اس بات پر ناز تھا کہ ہماری سلطنتیں عرب میں بھی ہیں اور عرب کے شمال اور مغرب میں بھی ہیں۔ ہم ان لوگوں کو مٹا دیں گے۔ یہ ہمارے مسیح کو بندہ کہتے ہیں۔ مسیح چونکہ ہمارا شفیع بلکہ محافظ و منجی ہے، اس لئے وہ اپنی خدائی کو ثابت کرے گا اور ان کا جھوٹا ہونا دکھلائے گا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کافروں کو کہہ دو کہ ابھی تم مغلوب ہو گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔ تم کو دُنیا کی نعمتوں پر ناز ہے لیکن تمہارے عمل تم کو گرانے والے ہیں۔ تم صدق و صبر سے خالی ہو۔ تم توحید و اسلام کے منکر ہو۔ تمہیں اپنے ملکوں اور حکومتوں پر فخر ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ سب سے اُوپر اللہ ہی مالک الملک ہے۔ عزت و ذلت اُس کے اختیار میں ہے۔ زندگی اور موت اُسی کے قابو میں ہے۔

عمران ایک غریب آدمی تھا۔ اس کے بعد اس کی حاملہ بیوی نے اپنے پیٹ کے بچہ کے لئے نذر

سورۂ آلِ عمران

اس سُورت کا نام آل عمران ہے۔ عمران بحکم قرآن حضرت مریمؑ کے باپ کا نام تھا۔ اس قسم کے نام پہلے بھی مروّج تھے۔ اور اب بھی جاری ہیں۔ پس آل عمران حضرت مریمؑ کو کہا گیا ہے۔ اس سے پہلے مکّہ میں ایک سورۃ مریمؑ نام نازل ہوئی تھی۔ اب یہ سورۃ آل عمران مدینہ میں اُتری ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اسی مریمؑ کے پیٹ میں شرمگاہ کے رستے سے داخل ہوئے تھے۔ اور وُہ دوسری عورتوں کی طرح حاملہ ہوئیں (اَللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی وَمَا تَغِیۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُ۔ وَکُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَہٗ بِمِقۡدَارٍ ۱۳/۸) ان کے پیٹ میں عیسیٰ علیہ السلام کی صُورت گھڑی گئی۔ اور ان کے جننے کے وقت ان کی ماں کو ایسی سخت دردِ زہ لاحق ہوئی۔ کہ انہوں نے موت کو اس پر ترجیح دی۔ جننے والی عورتوں کو ابتدائے وضع حمل میں عمُوماً سخت تکلیف ہُوا کرتی ہے۔ لیکن بعد کے حملوں میں ویسی تکلیف نہیں ہوتی۔ انجیل میں حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے دُوسرے بھائیوں کا صاف ذکر ہے۔ اور قرآن حکیم بھی وَاِخۡوَانُہٗ کا لفظ بول کر اس کی تائید کرتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جو عورتوں کے پیٹوں سے پرورش پا کر شرمگاہ کے رستے سے نکلے۔ اس کا کمزور ہونا واضح ہے۔ کتاب ایُوب علیہ السلام کے مطابق خدا یا خدا کا بیٹا ہونا تو الگ رہا۔ وُہ بے عیب بھی نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم عیسےٰ ابن مریمؑ کے الفاظ بول کر جننے والی اور جنے ہوئے دونو کی الوہیّت کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ عیسائیوں کے بعض فرقے حضرت مریم علیہا السلام کو الٰہ کہتے تھے (۵/۷) چونکہ وہ مسیح کا باپ خدا کو ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے وُہ یُوسف نجّار کو ان کا باپ کہنے سے ہچکچاتے تھے۔ انہوں نے یوسف نجار کے تعلّق کو ملیا میٹ کرنے کے لئے کہہ دیا۔ کہ وُہ برائے نام باپ تھا۔ شجروں میں مسیحؑ کو اس کا بیٹا اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ لوگ اُسے ایسا خیال کرتے تھے۔ خود مریمؑ بھی یوسفؑ کو مسیحؑ کا باپ بتلاتی ہیں۔ کیونکہ وُہ جانتی تھیں۔ کہ لوگوں میں مسیحؑ یوسفؑ کا بیٹا ہی مشہور ہے۔ ایسے بہانے سرتاپا فضول ہیں۔ خود عیسیٰ ابن مریمؑ کے الفاظ سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ خدا تعالےٰ تمام جننے والیوں کو اولاد دیتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں کرتا۔ کہ کسی خاص عورت پر خود اپنا سایہ خاص طرح پر ڈالنے سے اس کے پیٹ میں اپنے اکلوتے کو ڈال دے۔ اور اس عورت کو اپنے بیٹے کے ساتھ حاملہ کر دے۔ اندریں صُورت ان سورتوں کا نام آل عمران اور مریم ہونا نہایت ہی مناسب ہے۔

سورۃ البقرہ میں پہلے تمام انسانوں کو توحید کی طرف بلایا گیا ہے۔ اور فطری دین کو اصل دین ظاہر

جس طرح سورۃ البقــرۃ کو الــم سے شروع کیا ہے۔ اس سورت یعنی آل عمران کے ـ
شروع میں بھی یہی حرف لائے گئے ہیں۔ جن سورتوں کے ابتدا میں یہ حروف آئے ہیں۔ ان ۱
ط
میں دینِ اسلام یا دین الفطرت یا دین الحکمۃ کا بیان ہے۔ یہ دین قدیم سے چلا آیا ہے اور تمام ۱
منعم علیہم کا مشترکہ دین ہے۔ اس دین کو اصل بنانے سے تمام دینوں کی اصلاح اور اُن کا ط
تصفیہ اور فیصلہ ہوسکتا ہے۔ جو شخص دین اللہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ دینِ اسلام یعنی سلامتی والے دین کی تلاش کریں۔ قرآن پاک اسی دین کو بیان کرتا ہے اور اسی کو اُم الکتاب بتاتا اور آیات محکمات ٹھیراتا ہے۔

اصل حق اللہ ہے، اور الــم میں جس کا بیان ہے وہ اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم ہے ان مبارک کلمات میں اس جگہ مسیحؑ کو ولد اللہ بنانے پر زد کی گئی ہے۔ مسیحؑ مرگیا اور اپنے آپ کو قائم نہ رکھ سکا اور ہمیشہ متغیر رہے گا۔ کسی مخلوق کو مخلوقات سے الگ کرکے خدائے واحد کے ساتھ ملانا اور اطاعت وغیرہ میں خدا تعالےٰ کے ساتھ اُسے مثلہ معہ ٹھیرانا یقیناً شرک ہے

تمام الٰہی کتابیں ایک ہی معبود کو پیش کرتی ہیں۔ کوئی کتاب دو قادر مطلق۔ دو احکم الحاکمین۔ دو اصل مطاع نہیں سکھاتی۔ خدا تعالےٰ نے تیری طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے اور اس سے پہلے تورات و انجیل اتاری تھی، وہ بھی لوگوں کے لئے ہدایت ہیں۔ اور ان تمام کتابوں کے اوپر خدا تعالےٰ نے صحیفۂ فطرت کو میزان بناکے اُتارا ہوا ہے۔ یہی فرقان ہے۔ حق و باطل میں اسی سے تمیز حاصل ہوتی رہے گی۔ قرآنِ حکیم نے اس فرقان کو اپنے میں لاکر اور قدرتی آیات کو بار بار پیش کرکے ثابت کردیا ہے کہ اصل بنیاد یہی ہے۔ آیات اللہ کی ناقدردانی کرنے والے ضرور عذابِ شدید میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے عاجز بندوں کی طرف سے خود انتقام لیتا رہتا ہے۔ اللہ تعالےٰ پر ارض و سما کی کوئی بات مخفی نہیں۔ مسیح علیہ السلام میں یہ صفت ہرگز نہ تھی۔ ماؤں کے پیٹوں میں تین اندھیروں کے اندر اللہ تعالےٰ ہماری صورتیں بناتا رہتا ہے۔ مسیحؑ کی صورت بھی حضرت مریمؑ کے پیٹ ہی میں بنی تھی۔

صحیفۂ فطرت کی تمام صنعتیں خدا تعالےٰ کے کلمات ہیں۔ آبِ مَرد بھی ایک عجیب و غریب صنعت ہے۔ مسیح علیہ السلام حرف کی صورت میں روح تھے۔ اس روح پر جب کچھ زیادت ہوئی تو علقہ اور آبِ مرد بنے۔ یہی کلمہ تھا جو مریم علیہ السلام کی طرف ڈالا گیا (وکلمتہ القاھا الیٰ مریم ۱۲)

مانی کہ اُسے بیت المقدس میں دے دیا جائے۔ باوجود لڑکی پیدا ہونے کے اُسے غریب خانہ میں سونپ دیا گیا۔ اُسے کھانا ملتا تو وہ کہتی کہ یہ خدا تعالےٰ سے ہے۔ ایسے کارخانوں کے کارکن شیطان بھی ہوا کرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ سے بیوہ عورتوں اور یتیم بچیوں کی عصمت کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے والدہ مریمؑ نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ میری اس بچی کو اور اسکی اولاد کو شیطانِ رجیم کے دخل سے محفوظ رکھ۔ والدہ مریمؑ کو علم تھا کہ یہ لوگ زنانِ بالغہ کا نکاح بھی اپنی ولایت میں کرادیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ والدۂ مریمؑ نے کہا کہ میں اس لڑکی کو اور اس کی ذرّیت کو اے خدا شیطانِ رجیم سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مریمؑ و مسیحؑ شیطانی دخل سے بچائے گئے۔ لیکن خدا تعالےٰ کے حکم کے مطابق نکاح کرنا دخلِ شیطانی سے بالکل الگ چیز ہے۔ ہاں بے نکاحی حاملہ کے ہاں بچہ کا بطریقِ متعارف پیدا ہونا دخلِ شیطانی کے لئے پختہ دلیل ہے۔ ذرّیت کے لفظ میں واحد و جمع تمام اولاد شامل ہے۔ والدۂ مریمؑ کے خیال میں مریمؑ کے پہلے بچہ کے اور بھی بہن بھائی ہونے ممکن تھے۔

مریمؑ کی پرورش حضرت زکریا علیہ السلام نے کی اور حضرت یحیےٰ علیہ السلام نے حضرت مسیحؑ کی صحتِ پیدائش کی تصدیق کی۔ حضرت یحیےٰ علیہ السلام کی پیدائش میں سخت رکاوٹ تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کی والدہ کو جننے کے قابل بنادیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش میں صرف ایک جائز نکاح کی ہی ضرورت تھی۔ حضرت مریم علیہا السلام شریر مجاوروں سے بچ کر اور اُن سے قطع تعلق کرکے اپنے اہل میں واپس آگئی تھیں۔ وہ سمجھتی تھیں کہ ان مجاوروں کی ولایت کے بغیر میرا نکاح کبھی نہیں ہوسکیگا۔ خدا تعالےٰ نے اُن کی اس مشکل کو آسان کیا اور آئندہ لوگوں کے لئے اس قاعدہ کو ایک اچھا نمونہ اور رحمت بنایا۔

حضرت مسیح علیہ السلام چاہتے تھے کہ یہود کی گرنے والی مٹی میں قوتِ پرواز پیدا کردیں اور انہیں زندگی بخشیں لیکن خود اُن کی حالت ایسی مصیبت زدہ ہوگئی کہ صلیب تک نوبت پہنچ گئی۔ خدا نے مسیحؑ کو صلیب سے بچایا اور یہ دکھلا کہ اس کی اپنی طاقت کچھ بھی نہیں ہے اُسے محض اپنے فضل سے کفارِ یہود پر غالب بنایا۔ جب بات یہ ہے تو تم جنگِ احد کے مصائب پر کیوں اعتراض کرتے ہو۔ حق ہمیشہ غالب ہوتا رہیگا اور جب اصل مقصود حق ہی ہے تو اُن توہمات و تعصبات کو چھوڑ کر جو فرقہ بندی کو قائم رکھنے والے ہیں صرف حق پر ہی اکٹھے ہو جاؤ +

قرآن حکیم میں خدا تعالےٰ کی خاص حکومت داطاعت کا بھی ذکر ہوگا اور رسولوں اور حاکموں اور ججوں اور جنرلوں کی حکومت و اطاعت کا بھی بیان آئے گا۔ خدا تعالےٰ کو بھی حکم سمجھنے کی ضرورت بتلائی جائے گی اور بندوں کے بھی حکم ہونے کا ذکر کیا جائے گا۔ کہیں خدا تعالےٰ کے فوق الفطرۃ اختیار کو سمجھایا جائے گا، کہیں بندوں کے اختیار پر بھی بحث ہوگی۔ اسی طرح خدا تعالےٰ کی رضا اور بندوں کی رضا۔ خدا تعالےٰ کی ولایت اور بندوں کی ولایت۔ خدا تعالےٰ کے شفا دینے اور ڈاکٹروں کے شفا دینے۔ خدا تعالےٰ کی شکرگذاری اور بندوں کی شکرگذاری۔ خدا تعالےٰ کی مدد اور بندوں کی مدد۔ خدا تعالےٰ کو پکارنے اور بندوں کو پکارنے۔ خدا تعالےٰ کے عزت دینے اور بندوں کے عزت دینے کا اپنے اپنے طور پر ذکر کیا جائے گا۔ خدا تعالےٰ لیس کمثلہٖ شی ہے اور تمام بندے بندے ہونے میں یکساں ہیں۔ اہلِ زیغ بندوں کی صفات کو خدائی صفات بنا کر خدا تعالےٰ کے ساتھ ملا لیتے ہیں۔ آخرت ایک خلقِ جدید ہے۔ لوگ دنیا کے حکم آخرت پر بھی لگا لیتے ہیں۔ اس طرح دین میں فتنہ پیدا کر دیتے ہیں۔ فرشتوں اور شیطانوں کا خیال حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے وقت سے چلا آتا ہے۔ ہم نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔ ہاں ان کے اثرات کا پتہ لگاتے ہیں۔ پس ان کا مطلب ہمیشہ معقول طور پر ہی لینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور ان کے متعلق نامعقول قصے اور کہانیاں نہ بیان کرنی چاہئیں۔ لوگوں نے مذہبی تاریخ کو فسانوں کے رنگ میں بیان کیا ہے اور اُسے بہت سے توہمات اور تعصبات اور معجزات سے بھرپور کر دیا ہے۔ قرآن مجید اسی تاریخ کو ایسے رنگ میں بیان کرتا ہے جو معقول معنے دے سکتی ہے۔ قرآن مجید میں بہت سے علوم ہیں اور اُن کا اصل پتہ اُسی وقت لگ سکتا ہے جبکہ وہ فطری طور پر صفائی کے ساتھ ثابت ہو جائیں۔ لوگ پہلے زمین کے اپنے اطراف کی طرف سے گھٹائے جانے کے کچھ اور معنے لیتے تھے، لیکن اب جو حقیقت کھلی تو اس کے دوسرے معنے لئے جانے لگے ہیں۔ اسی طرح تجارت اور حکومت اور ضبطِ تولید کے متعلق نئے نئے معلومات ثابت ہوتے ہیں۔ اور اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ قرآن کریم میں اِن سب باتوں کا پہلے ہی سے بیان ہے۔ پس ضرور ہے کہ ان کے معنے حقائق کے مطابق کئے جائیں اور صحیح اور معقول معنے بنتے ہوئے خدا تعالےٰ کے حکموں کو لوگوں کی خاطر نہ بگاڑا جائے۔ خدا تعالےٰ کا منشا ہے کہ لوگ قرآن مجید کے محکمات پر عمل کر کے ہمیشہ اسکی تلاوت کرتے رہیں اور اس سے نئے نئے عجائبات حاصل کر کے اللہ تعالےٰ کے علم و قدرت کی ہمیشہ تعریف کرتے رہیں۔ قرآن مجید ایسی تحقیقات کے بغیر بالکل رُوکھا پھیکا ہوتا۔ اِس

پھر وہ اور ترقی پاکر آیت اللہ یعنی رسول بنے۔ اُن کا بڑا مرتبہ یہی ہے۔ سو تم اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین مت کہو ﷺ۔ یہی کلمۃ اللہ حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ میں شرمگاہ کے رستے سے داخل ہوا اور سخت دردِ زہ کے بعد پیدا ہوا۔

قرآن مجید مسیح علیہ السلام کی الوہیت کو بیخ و بُن سے اکھیڑ رہا ہے لیکن لوگ جو محکمات اور معقولات سے منہ موڑ رہے ہیں وہ قرآن حکیم کے کسی مشتبہ لفظ کو زیغ اور فتنہ پیدا کرنے کے لئے پیش کر دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم نے قرآن سے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ثابت کر دیا۔ قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ مجھ میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید نے کلمتہ القاھا الیٰ مریم کا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین مت کہو۔ ٹل جاؤ تاکہ تمہارے لئے خیر ہو۔ سوائے اس کے نہیں کہ اللہ اکیلا معبود ہے۔ وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب خدا تعالےٰ کی مملوک ہے۔ اور اللہ ہی کافی کارساز ہے۔ مسیح (جو اس طرح سے پیدا ہوا ہے) وہ خدا کا بندہ بننے میں عار نہیں دیکھتا بلکہ مقرب فرشتے بھی اس میں عار نہیں دیکھتے۔ اور جو شخص اللہ تعالےٰ کی عبادت کو عار سمجھے اور تکبر کرے تو خدا ان سب کو ابھی اپنے سامنے پیش کر سکتا ہے الخ ﷺ۔ پس خدا تعالےٰ کے سوائے کوئی اور الٰہ نہیں ہو سکتا۔ وہ غالب ہے۔ اُسے کسی سے مدد لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ حکیم ہے اُسے کسی سے مشورہ و صلاح لینے کی کوئی حاجت نہیں اس کی مرضی نہیں ٹلتی، باقی سب کی مرضی ٹل جاتی ہے اُس کے حکم کے لئے کوئی معقب نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ عیسائی کسی متشابہ آیت کو اصل بنا کر اور محکمات سے منہ موڑ کر مسیح علیہ السلام کو ولد اللہ کہنے لگ پڑے ہیں۔ تمام اہلِ زیغ کا یہی حال ہے۔ کہیں رسولوں کی اطاعت کا لفظ دیکھتے ہیں تو انہیں خدا تعالےٰ کے ساتھ دوسرا اصلی مطاع بنا لیتے ہیں۔ اور خاص ایک شخص کی اطاعت کو خدا تعالےٰ کی اطاعت کے ساتھ مثلہ معہ الگ دوسری اطاعت ٹھہرا لیتے ہیں اور دو احکم الحاکمین قرار دیتے ہیں۔ اور اسکو الگ غیب بینی و بے خطائی کی سند عطا کر کے اس کا نام ملکۂ نبوت رکھتے ہیں ہمارے اوپر دو دینی حاکم بناتے ہیں۔ نہیں نہیں، بلکہ بندے کو کتاب خدا پر حاکم و قاضی تک بھی ٹھیراتے ہیں۔ اُس کے اپنے کلام کو داخلِ کتاب اللہ سمجھتے ہیں۔ نہیں نہیں، بلکہ قرآن کا مصنف بھی خود اُسی کو جانتے ہیں۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ

تصنیف را مصنّف نیکو کند بیاں

تو آدمیوں کو اس دُنیا سے لے جا کر دوسرے دن کی طرف جمع کرتا جاتا ہے۔ اس دن میں کوئی شک نہیں۔ بلاشبہ اللہ اپنے وعدہ کا کبھی خلاف نہیں کرتا۔ ع

اس کے آگے کافروں کو دھمکایا ہے اور حق کے غلبہ کی یقینی پیشگوئی کی ہے۔ ان دو نو رکوع کا مطلب صاف ہے ترجمہ کرنا ہی کافی ہے +

رکوع ۱-۲-۳

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةً وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ○ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ○ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۬ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا

طرح ہم کو ہمیشہ معلوم ہوتا رہتا ہے کہ یہ قرآن بے مثل اور سچ مچ الٰہی کتاب ہے۔ اس میں وہ علوم بھی موجود ہیں جو پہلے لوگوں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن حکیم میں حقیقت کے لحاظ سے تمام آیات محکمات ہیں اور تحقیقات کے لحاظ سے تمام قرآن مجید متشابہ ہے اور اسی لئے رنگارنگ طریقوں سے اسے دُہرایا گیا ہے۔ اور قرآن کریم سے کام لینے کے لحاظ سے اس میں محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ محکمات کو اصل بنائیں اور متشابہات کے معنے ہمیشہ محکمات کے ماتحت کریں اور متشابہات کو جب تک ان کی اصل حقیقت نہ کھُلے اور وہ خود محکم نہ بن جائیں، انہیں اصل نہ بنائیں۔

محکمات کے معنے ایسی ثابت شدہ باتوں کے ہیں جو فطرت و حکمت کے مطابق تمام داناؤں کے نزدیک پختہ اور محکم بن گئی ہیں اور بطور حقائق کے مانی جاتی ہیں۔ یہ تمام منعم علیہم کی مشترکہ تعلیم ہے توحید و صدق و صبر و ذکر الٰہی و صدقات و عفو وغیرہ اس میں داخل ہیں۔ سورت انعام و سورت بنی اسرائیل اور سورت لقمان اور سورت روم و سورت شوریٰ وغیرہا سورتوں میں اس کے نمونے خود اللہ تعالیٰ نے ہی پیش کر دیئے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اہلِ زیغ کی بُرائی بیان کی ہے کہ وہ لوگ متشابہات کو اصل بناتے ہیں اور محکمات کو ان کے پیچھے چلاتے ہیں۔ اور ان سے فتنہ اور کجی کے معنے پیدا کرتے ہیں۔ وہ قرآن حکیم میں اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ متشابہات کی اصل حقیقت تو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے لیکن جتنا جتنا لوگوں کو رسوخ فی العلم حاصل ہوتا جاتا ہے، اسی قدر وہ بھی متشابہات کی حقیقت کے قریب پہنچتے جاتے ہیں اور خدا تعالےٰ کی حمد گاتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن فہمی میں اگرچہ بعض لوگ دوسرے لوگوں سے بڑھے ہوتے ہیں لیکن یہ کسی خاص شخص کا خاصہ نہیں ہے اور یہ بھی قرآن مجید سے ثابت ہے کہ راسخون فی العلم اہلِ کتاب میں بھی موجود تھے۔

راسخون فی العلم یہ کہتے ہیں کہ ہم محکمات و متشابہات سب پر ایمان لائے۔ یہ دونو ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور اصل فائدہ اس سے وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو عقل اور مغز والے لوگ ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب جب تو نے ہم کو ہدایت دے دی تو اب ہمارے دل کو ٹیڑھا نہ ہونے دینا۔ تیرے فضل سے ہم اہلِ زیغ کی طرح نہ بن جائیں اور ہم پر اپنے حضور سے اور رحمت کرنا اور زیادہ علم و ہدایت دینا۔ بلاشبہ تو ہی بخشش اور انعام کرنے والا ہے (رب زدنی علما)۔ اے ہمارے پروردگار

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ○ ۱۸ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ۱۹ اِنَّ
الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ
بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ
اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ
اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
بِالْعِبَادِ ○

۲۱ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ
الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ ۲۲ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○
۲۳ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ ۲۴ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ ۲۵ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۫ وَوُفِّيَتْ كُلُّ
نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ۲۶ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى

بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝
رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ ۝ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ
وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ
يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ زُيِّنَ
لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ
مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ
ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ
اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ

یہ کتاب اتاری۔ اس میں بعض آیات (دلیل کے ساتھ) محکم بنائی گئی ہیں۔ یہی قرآن کی اصل ہیں۔ اور دوسرے آیات بھی ہیں جو کئی طرف لگتی ہیں۔ سو لیکن جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ ان آیات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ جو کئی طرف لگتی ہیں تاکہ گمراہی پھیلائیں اور تاکہ (اپنی طرف سے) اس کی حقیقت نکالیں حالانکہ اس کی حقیقت اللہ جانتا ہے اور وہ لوگ جو علم میں پختہ ہوتے جاتے ہیں، یہ کہتے ہوئے (جانتے ہیں) کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت نہیں پاتے مگر عقل والے۔ (وہ کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت دی۔ تو اس کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دے اور اپنے حضور سے ہم پر اور رحمت کر۔ بلاشبہ تو ہی اہل انعام کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار تو لوگوں کو (اس دنیا سے لے جاکر) اس دن کی طرف جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ بلاشبہ تو اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا۔ ع

بلاشبہ اُن لوگوں کو جو کافر ہوئے اُن کے مال اور اُن کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ دے گی اور وہی لوگ آگ کا ایندھن ہیں۔ (یہ بات) فرعون کے لوگوں اور ان سے پہلے لوگوں کے قاعدہ کے مطابق (ہوتی) ہے۔ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔ تو ان کافروں کو کہہ دے۔ ابھی تم مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ برا بچھونا ہے۔ تمہارے لئے اُن دو گروہوں میں جنہوں نے آپس میں جنگ کی تھی ایک نمونہ قائم ہو چکا ہے۔ ایک فریق اللہ کی راہ میں (یعنی مدافعانہ طور پر) جنگ کرتا تھا۔ اور دوسرا (فریق) کافر تھا (جس نے مسلمانوں کو عاجز دیکھ کر ظالمانہ حملہ کر دیا تھا) وہ (مسلمان) ان (کافروں) کو ظاہری نگاہ میں اپنے سے دو چند (لیکن ان کی کثرت کے مقابلہ میں قلیل) دیکھتے تھے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی مدد سے قوت بخشتا ہے۔ بلاشبہ اس میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت ہے۔ (یسعیا نبی کی کتاب میں بدر کی فتح کا واضح طور پر ذکر ہے۔ سمجھ والوں کے لئے اس میں سچ مچ عبرت ہے)۔ اُن لوگوں کے لئے دنیا کی پسندیدہ خواہشات یعنی بیویوں اور بیٹوں اور مال کے جمع کئے ہوئے ڈھیروں اور نشان دار گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتوں کو زینت دی گئی ہے۔ یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور عمدہ ٹھکانا اللہ کے حضور میں ہے۔ تو انہیں کہہ کیا میں تم کو ان (دنیا کی نعمتوں) سے زیادہ اچھی چیز بتلاتا ہوں۔ اُن لوگوں کے لئے جو تقویٰ کرتے ہیں اُن کے رب کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ [illegible]

الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ
مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي
النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ لَا يَتَّخِذِ
الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ
فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ
نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝ قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ
يَعْلَمْهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ۝ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ
مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ
نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝

ترجمہ۔ الٓمٓ۔ وہ اللہ ہے اس کے سوائے کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ اصل زندہ سب کا تھامنے والا ہے۔ اس نے تجھ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے جو اپنے سے پہلی تعلیم کی مصدق ہے اور اس نے پہلے تورات اور انجیل کو لوگوں کی ہدایت کے لئے اتارا۔ اور اس نے (ان کتابوں پر میزان بننے کے لئے) فرقان (یعنی صحیفۂ فطرت) کو نازل کیا۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ کی آیات کے منکر ہیں۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب ہے (اپنے عاجز بندوں کا) بدلہ لینے والا ہے۔ بلاشبہ اللہ پر زمین میں اور آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہی ہے جو پیٹوں میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اس کے سوائے کوئی اِلٰہ نہیں۔ غالب ہے حکمت والا۔ وہی تو ہے جس نے تجھ پر

عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں (تو) خیر ہے۔ تُو ہر شے پر قادر ہے۔ تُو رات کو دن میں لے آتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تُو زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے خارج کرتا ہے اور تُو جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔ (ان کے مقابلہ میں چاہیئے۔ کہ) مومن مومنوں کو چھوڑ کر ان کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں، اور جو شخص ایسا کام کرے، وہ اللہ کی طرف سے کسی بات میں نہیں مگر اس صورت میں (انہیں سرپرست بنانا جائز ہے۔ کہ) اُن کی شر سے بچتے رہیں (اور ہوشیار رہیں) اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ کی طرف ہی تمہاری بازگشت ہے۔ تُو کہہ دے، کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اگر تم اُسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، تو اللہ (بہرصورت) اُسے جانتا ہے اور وہ جو کچھ ارض و سماء میں ہے، سب کچھ جانتا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ جس دن ہر شخص جو اُس نے خیر سے کمایا، اُسے اپنے سامنے موجود پاتا ہے اور (اسی طرح) جو اُس نے شر سے کیا ہے، (اُسے بھی اپنے سامنے حاضر پاتا ہے) تو وہ اس وقت دل سے چاہتا ہے کہ مجھ میں اور اس شر میں بڑا فاصلہ ہوتا، اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر نرمی کرنے والا ہے۔ ع

ع ۳ ۲ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے فرمایا ہے کہ اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا۔ پھر اسی بنا پر کافروں کے متعلق اپنے وعید بیان کئے ہیں اور بتلایا ہے کہ ستمگار لوگوں کے لئے آخرت میں بھی بُرا نتیجہ ہے اور دُنیا میں بھی، ان کو کہا گیا ہے کہ تم ابھی مغلوب ہو گے۔ اور خدا تعالیٰ اپنے وعدوں کا کبھی خلاف نہیں کریگا۔

پھر بدر کے نمونہ کو سند میں پیش کیا ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کے تصرف کو دکھلایا ہے۔ پھر آخرت کے انعاموں اور دنیا کی نعمتوں میں تمیز کی گئی ہے۔ دنیا کا متاع، بیوی، بچے، مال، مویشی وغیرہ کو فرمایا ہے لیکن آخرت کے متعلق بتلایا ہے۔ واللہ عندہٗ حسن المآب۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے اعلےٰ چیز بتائی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کو ماننا تو ضرور محکمات سے ہے لیکن وہاں کے انعامات متشابہات کے رنگ میں ہی بیان کئے گئے ہیں۔

آگے ایمان باللہ اور صبر اور صدق اور ادب و قنوت اور صدقات اور یہ سب کام کر کے بھی استغفار کا محکم اور اصل ہونا دکھلایا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر توحیدِ الٰہی کو محکم ثابت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے

والے ہیں۔ اور پاک بنائی گئی بیویاں ہیں اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی رضامندی ہے اور اللہ اپنے بندوں کا نگران ہے۔ (یہ ایسے بندے ہیں جو کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! تحقیق ہم ایمان لائے۔ سو تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ یہ صبر کرنے والے اور سچ کر دکھانے والے اور فرمانبردار اور (خدا تعالےٰ کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور صبح کے وقتوں میں بخشش مانگنے والے ہیں۔ اللہ نے (وحدت فطرت سے) گواہی دی کہ اللہ کے سوائے کوئی لائق عبادت نہیں اور فرشتوں نے (دل میں ڈال کر) اور اہل علم نے (عقلی دلائل دے کر) گواہی دی کہ اللہ (سب اشیاء کے اوپر) انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں، غلبہ والا حکمت والا ہے۔ بلا شبہ دین خدا کے نزدیک اسلام ہے۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی، انہوں نے علم کے آنے کے بعد آپس کی سرکشی کے سبب (اسلام کے اصل دین ہونے میں) اختلاف کیا اور جو اللہ کی آیات کا کفر کرے تو اللہ حساب میں جلدی کرنے والا ہے۔ پھر اگر وہ تیرے ساتھ جھگڑا کریں تو تو کہہ دے کہ میں نے اور میرے ساتھ چلنے والوں نے اپنی توجہ اللہ کے لئے سونپ دی (یعنی ہم اسلام لائے) اور ان لوگوں کو کہہ دے، جن کو کتاب دی گئی ہے، کیا تم بھی اسلام لائے۔ سو اگر وہ اسلام لائیں تو انہوں نے ہدایت پائی اور اگر وہ منہ موڑیں تو سوائے اس کے نہیں کہ تجھ پر پہنچا دینا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے؛ ع

بلا شبہ وہ لوگ جو اللہ کی آیات سے انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے اور تمام لوگوں میں سے جو انصاف کے ساتھ حکم دیتے آتے ہیں، مار ڈالتے آتے ہیں۔ سو تو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے۔ یہی لوگ ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے، اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہیں۔ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے ایک حصہ ملا ہے۔ ان کو اللہ کی کتابوں کی طرف اس لئے بلایا جاتا ہے کہ وہ کتاب ان میں فیصلہ کرے۔ پھر ان میں سے ایک فریق منہ موڑتا ہے اور وہ ہیں ہی اعراض کرنے والے۔ یہ (اعراض) اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آگ ہمیں چند دنوں کے سوائے نہیں چھوئے گی اور ان کو ان کے دین میں (ان خیالات نے) دھوکے میں ڈال رکھا ہے، جو وہ افترا کرتے ہیں۔ سو اس وقت کیا حال ہوتا ہے جبکہ ہم انہیں (اس دنیا سے) اس دن کے واسطے جمع کرتے رہتے ہیں، جس میں کوئی شک نہیں اور ہر نفس کو اسکی کمائی کا پورا پورا بدلہ ملتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ (ان کو اپنی حکومتوں پر ناز ہے) تو کہہ اے اللہ جو تمام ملکوں کا مالک ہے۔ تو جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے،

کسی انسان کی ایسی اطاعت کسی صورت سے بھی معروف اطاعت نہیں ہو سکتی۔ اور غلطی و کمزوری سے تو کوئی بشر خالی نہیں ہو سکتا۔

ہاں جب کوئی نیک انسان کسی طالبِ حق کو کہتا ہے کہ تم میری اطاعت کرو، تو اس کے مفصلہ ذیل معنے ہی ہونگے:۔

دیکھئے، ایک شخص کا منصب بلاغ و تبلیغ ہے۔ وہ لوگوں کو وحی الٰہی سُناتا ہے اور وحی کی وہ تشریح جو بلاخلاف ان لفظوں سے واضح ہوتی ہے، بیان کرتا ہے جیسا کہ سورۂ مومن میں مومن آل فرعون کا ذکر ہے۔ اس مومن نے اصل تعلیم الٰہی کو اپنے الفاظ میں قوم کو سُنایا، جس طرح فرعون نے اپنی گمراہ کُن اہواء کو قوم کے آگے پیش کیا۔ قرآن میں خدا تعالےٰ نے دونوں کے بیانات کو اپنے الفاظ میں ظاہر کیا ہے حالانکہ وہ دونوں شخص وحی والے نہ تھے۔ مومن آلِ فرعون لوگوں کو کہتا ہے یا قوم اتبعون یعنے اے میری قوم میری تابعداری کرو اور میرے پیچھے چلو۔ دُنیا کا کوئی شخص بھی ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ مومن خاص اپنی باتوں کی پیروی چاہتا تھا اور اپنی ہر دینی بات کو وحی الٰہی بتاتا تھا۔ ہرگز نہیں، بلکہ اس کا صرف یہی منشا تھا کہ جو کچھ میں خدا تعالےٰ کی طرف سے آئی ہوئی تعلیم کو بلاخلاف تمہارے آگے پیش کرتا ہوں، تم اس تعلیم میں مجھے مبلغ سمجھ کر میری پیروی کرو۔ اس طرح ہر ایک مومن لوگوں کو قرآن مجید سُنا کر کہہ سکتا ہے کہ تم میرا کہا مانو۔ نادان لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ شخص خدا تعالےٰ کے ساتھ اصل مطاع بننے کا دعوےٰ کرتا ہے یا یہ خدا تعالےٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو شریک بنا رہا ہے یا یہ اپنی باتوں کو خدا تعالےٰ کے وحی کے ساتھ دوسرا الگ وحی ٹھہراتا ہے یا اس کو وحی الٰہی پر حاکم و قاضی بنایا گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

اللہ تعالےٰ مومنوں کو ارشاد کرتا ہے افتطمعون ان یؤمنوا لکم ۔ یعنی پھر کیا تم طمع کرتے ہو کہ یہ لوگ تمہاری باتوں پر ایمان لائیں گے۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ مومنوں کی اپنی باتوں کو خواہ وہ دین کے ساتھ ہی تعلق رکھتی ہوں، شریعت بنا لو، نہیں نہیں، بلکہ اس سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ جو باتیں مومن وحی الٰہی کے مطابق کہیں، اُن کو مانو اور اُن پر چلو اور محض ظن و احتمال سے ہی کسی انسان کی بات کو وحی الٰہی قرار نہ دے لو۔

اللہ تعالےٰ ایمانداروں کو یہ بھی فرماتا ہے کہ فان لم یستجیبوا لکم فاعلموا الخ اس سے بھی مذکورہ بالا نتیجہ ہی برآمد ہوتا ہے۔ کوئی بشر اللہ تعالےٰ کے وحی کے ساتھ اپنے مشورہ یا قیاس یا استنباط و

لئے ہر قسم کے دلائل موجود ہیں۔ یہی اسلام ہے۔ آگے اسی اسلام کو اصل دین سمجھنے کی تاکید کی گئی ہے پھر فرمایا ہے کہ تم اس اسلام کے برخلاف عمل و اعتقاد رکھتے ہو۔ ان اعمال و اعتقاد کا نتیجہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔ ظالم کفار ان لوگوں کو جو انصاف پر چلنا سکھاتے تھے، قتل کرنے کے در پے رہتے تھے۔ اس لئے مومنوں کو ان سے ہوشیار رہنا سکھایا ہے۔

آگے فرمایا ہے کہ جیسے عمل کرو گے، ویسا ہی نتیجہ دیکھو گے۔ خدا تعالےٰ تمہیں اپنے انصاف سے ڈراتا ہے۔ اور یہ ڈرانا اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے ساتھ رافت و محبت کرنے والا ہے اور تم سمجھتے ہو کہ انصاف محبت کے خلاف ہے۔

اس چوتھے رکوع میں ارشاد کیا ہے کہ تم زبان سے تو محبتِ الٰہی کا بڑا دعویٰ کرتے ہو لیکن تمہارے اعمال و اعتقادات اسلام کے برخلاف ہیں۔ تم تثلیث کے قائل ہو۔ مسیحؑ و مریمؑ کو الٰہ بناتے ہو۔ انسان کو بلا وجہ قتل کر دیتے ہو۔ اس کا پھل جیسا دوسرے لوگوں کو ملنا چاہیئے، ویسا ہی تم کو ملیگا۔ تمہاری اس جھوٹی محبت سے خدا تعالےٰ تم سے ناراض ہو گا۔ سو اگر تم سچ مچ اللہ تعالےٰ سے محبت کرتے ہو، تو میری طرح پر کرو۔ یعنی میری طرح مسلم ہو تا کہ خدا تعالےٰ تم سے محبت کرے اور سچی توبہ کے سبب تمہارے گناہوں کو مٹاتا جائے اور اللہ ہی کمزوریوں کو مٹانے والا اور آئندہ کے لئے رحم کر کے ترقی دینے والا ہے

اس مبارک آیت میں فاتبعونی کے معنے ہیں، پس میرے پیچھے چلو، یا میری طرح کام کرو۔ جب کوئی نیک آدمی کسی شخص کو کہتا ہے کہ تم میری اطاعت کرو، تو اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہوتے کہ جو کچھ میں بیماری کی گھبراہٹ میں حکم کر دوں یا بھول چوک کے ماتحت کچھ کہوں یا غصہ اور ناراضگی کے وقت میں کسی کو کوسنے لگوں یا کسی مشورہ میں اپنی بشری عقل یا ناواقفیت کے سبب کوئی رائے دوں۔ یا حکمِ الٰہی کے برخلاف کوئی بات کہہ دوں یا خدا تعالےٰ کی کسی حلال کردہ شئے کو غلطی سے حرام بتلاؤں یا کسی نابینا کے ساتھ خلقِ عظیم کا برتاؤ نہ کروں یا سچے اور جھوٹے کو پرکھنے کے بغیر کسی ضروری امر میں خواہ مخواہ اجازت دے دوں یا کسی کمزوری اور ذنب پر بخشش نہ مانگوں یا خائنین کی طرف سے خصیم بننا چاہوں یا کسی مقدمہ میں کسی لسّان فریق یا گواہ کے زیر اثر ہو کر غلط فیصلہ سُنا دوں، یا کسی مناسب موقعہ پر خدا تعالےٰ کا نام لینا بھول جاؤں یا دوسرے رسل و انبیاء کی طرح کسی لغزش میں مبتلا ہو جاؤں یا بشری کمزوری کی کوئی اور بات کر دوں تو اس حالت میں بھی تم میری اطاعت کرنا۔ حاشا وکلا

اپنی طرف سے پختہ سمجھ کر توکل الٰہی کیا جاتا ہے اور اس پر عمل کرنا دینی امر سمجھا جاتا ہے
جس طرح اللہ تعالےٰ ہم کو اقیموا الصلوٰۃ کا حکم دیتا ہے اُسی طرح ہم پر یہ بات بھی فرض کرتا ہے کہ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ الخ۔ نہ زمین کوئی نیا قاعدہ و عمل مقرر کرنا ایسا مشکل نہیں ہے جیسا کہ ما استطعتم من قوۃ کی تلاش کرنا۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اس ذمہ داری کو ہمارے ذمہ ڈال دیا ہے۔ رسول خدا کے وقت کی "تیراندازی" کو اس وقت بھی دینی امر بتلانا یقیناً باطل ہے۔ اسی طرح اپنی صحت کا خیال رکھنا اور لوگوں کو مرض و موت سے، جہاں تک ممکن ہو، بچانے کی کوشش کرنا بھی ہم پر کچھ کم فرض نہیں ہے۔ اگر کلونجی میں ہی تمام امراض کا علاج ہے تو خود اہلحدیث ہی نے اسے کیوں نظر انداز کر رکھا ہے؟ ایسی بہت سی ضروری باتیں ہرگز ہرگز وحی نہیں ہوسکتیں
حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک کے علاوہ باقی تمام باتوں میں بشری عقل اور بشری انتظام اور بشری مشورہ کی ضرورت ہے، اور چونکہ ان میں تغیر و تبدل ممکن ہے اور لوگ ان میں ضرورت زمانہ کے مطابق ترمیم بھی کرسکتے ہیں اس لئے اس کے متعلق کسی ایک صحابی نے ذرا سی بھی تحریر نہیں چھوڑی خود رسولؐ کریم کی وصیت تک بھی لکھنے نہیں دی گئی، تاکہ قرآن عزیز اور قرآن کے استقلال میں فرق نہ آنے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے جو کچھ بعد کو لکھا ہے وہ صرف شہادت در شہادت و شہادت کے رنگ میں ہے۔ وہ وحی جو رسولؐ کے دل پر بھی پہروں کے ساتھ نازل ہوتی تھی تاکہ اس میں رسولؐ کے دل کے غصہ و محبت کے جذبات کا عمل اور غلطی و سہو و نسیان کا دخل نہ ہو جائے، تو کیا خدا کی وہی وحی پچھلے لوگوں کی پشتہا پشت کی خیالی شہادتوں پر چھوڑی جاسکتی ہے؟ حاشا و کلا
لفظ رسول کے پہلے استعمال کے مطابق اگر نرے رسول کی اطاعت بھی کہی جائے تو اس سے مراد صرف وحی کی اطاعت ہی ہوگی۔ اور اگر اکیلے خدا تعالےٰ کا حکم ہی بتلایا جائے اور صرف اسی کو ہی حکم ٹھہرایا جائے، تو وہ بھی خدا تعالےٰ کا تعلیمی حکم یعنی وحی ہی ہوگا اور اگر "اللہ اور رسول کی اطاعت" کا حکم ہو، تو اس کا منشا بھی صرف یہی ہوگا کہ وحی الٰہی کی اطاعت کی جائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ جو کہ وحی کرنے والا ہے، اصل مطاع ہے لیکن اللہ تعالےٰ خود لوگوں کے سامنے آکر حکم نہیں کرتا۔ صرف رسولِ امین ہی اسے لوگوں کو پہنچاتا ہے، اس لئے بطور مبلغ ہونے کے وہ خود رسول کی بھی اطاعت ہے۔ اور مبلغ صرف ایک واسطہ اور اس لئے بمنزلہ صفر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اطاعت ایک ہی اطاعت رہتی ہے اور قرآن مجید میں آگے ہر جگہ مفرد ضمیریں لگا کر ایک ہی اطاعت ثابت کی

اجتہاد کو یکساں ٹھہرانے کا کوئی حق واختیار نہیں رکھ سکتا۔ ہاں جب مشورہ واجتہاد کی تصدیق اللہ تعالیٰ
اپنی وحی میں کردے، تو وہی اکیلا مصدقہ وحی مشورہ یا اجتہاد بالضرور بمنزلہ وحی ہوتا ہے۔ پھر خواہ وہ کسی
نبی ورسول کی اپنی بات ہو یا کسی نیک بلکہ بد کی بات بھی ہو، اس میں نبی وغیر نبی کا حال یکساں ہوتا ہے۔
کسی بشر کی غیر وحی بات از خود ہی وحی یا مصدقہ وحی نہیں بن سکتی

مخفی نہ رہے کہ رسول کے لفظ کا دو طرح پر استعمال ہوتا ہے:۔

اوّل یہ کہ وہ بلا واسطہ کسی انسان کے خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پائے، تاکہ وہ خود بھی اس
کے پیچھے چلے اور دوسروں کو بھی پہنچائے، تاکہ وہ بھی اُسے مانیں اور اس پر عمل کریں۔ ایسا رسول خدا تعالیٰ اور
بندوں کے درمیان خدا تعالیٰ کے پیغام لانے کا صرف ایک واسطہ ہوتا ہے۔ ایسا رسول حقیقت کے لحاظ
سے صرف اُسی وقت رسول یعنی پیغام لانے والا ہوتا ہے جبکہ وہ خدا تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں کے آگے
پیش کر رہا ہو۔

لیکن جب وہ اپنی عقل ورائے اور تجربہ سے کوئی حدیث یعنی بات کہتا ہے تو اُس وقت اُس کی غیر
وحی بات خدا تعالیٰ کی وحی نہیں بن جاتی، ہاں اُسے اس حال میں بھی عہدہ کے لحاظ سے رسول ہی کہا
جاتا ہے۔ یہ لفظِ رسول کا دوسرا استعمال ہے۔ رسول کی اس حالت کی اطاعت الٰہی تصدیق کے بغیر خدا تعالیٰ
کے خود اپنے تشریعی وحی کی اطاعت نہیں بن جاتی۔

کفار کہتے تھے کہ اس رسولؐ نے قرآن مجید کو اپنے دل سے بنا لیا ہے اور دوسرے لوگوں سے
مدد لی ہے (واعانہ علیہ قوم اٰخرون $\frac{18}{16}$ یقولون انما یعلمہ بشر $\frac{14}{2}$) اللہ تعالیٰ ان
کے اس قول کی تردید کرتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریمؐ جن باتوں میں لوگوں کے
ساتھ مشورہ کرتے تھے، وہ خدائی تصدیق کے بغیر خود خدا تعالیٰ کی وحی نہیں بن سکتی تھیں۔ مشورہ لوگوں
کی عقلوں سے مدد لینا ہی ہوتا ہے۔ جو باتیں مشورہ کے بعد حاصل ہوتی تھیں، اُن کو وحی الٰہی کہنا، خدا
جانے کن لوگوں کے دماغوں کی اختراع ہے۔

ایک ہی مشورہ کے بعد بھی دوسرے لوگوں کو کھلے طور پر مشورہ کرنے کی اجازت ہے۔ سو اگر رسولؐ
کریم کے مشورہ سے حاصل کی ہوئی بات وحی الٰہی تھی، تو کیا دوسروں کو مشورہ کی اجازت دینے سے وحی الٰہی
کے توڑنے کا بھی حق دار بنایا گیا ہے؟ پھر مشورہ ضروری باتوں میں ہی کیا جاتا ہے۔ شاورہم فی الامر
پس ضرور ہے کہ رسولِ کریمؐ کے وہ تمام ضروری فیصلے بھی وحی نہ ہوں، جنہیں مشورہ کرنے کے بعد

اپنی طرف سے پختہ سمجھ کر توکلِ الٰہی کیا جاتا ہے اور اس پر عمل کرنا دینی امر سمجھا جاتا ہے
جس طرح اللہ تعالٰے ہم کو اقیموا الصلوٰۃ کا حکم دیتا ہے اُسی طرح ہم پر یہ بات بھی فرض کرتا ہے کہ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ الخ۔ نہ زمین کوئی نیا قاعدہ وعمل مقرر کرنا ایسا مشکل نہیں ہے جیسا کہ ما استطعتم من قوۃ کی تلاش کرنا لیکن خدا تعالٰے نے اس ذمہ داری کو ہمارے ذمہ ڈال دیا ہے۔ رسولِ خدا کے وقت کی "تیراندازی" کو اس وقت بھی دینی امر بتلانا یقیناً باطل ہے۔ اسی طرح اپنی صحت کا خیال رکھنا اور لوگوں کو مرض وموت سے، جہاں تک ممکن ہو، بچانے کی کوشش کرنا بھی ہم پر کچھ کم فرض نہیں ہے۔ اگر کلونجی میں ہی تمام امراض کا علاج ہے تو خود اہلحدیث ہی نے اسے کیوں نظر انداز کر رکھا ہے؟ ایسی بہت سی ضروری باتیں ہرگز ہرگز وحی نہیں ہوسکتیں
حاصل یہ ہے کہ قرآنِ پاک کے علاوہ باقی تمام باتوں میں بشری عقل اور بشری انتظام اور بشری مشورہ کی ضرورت ہے، اور چونکہ ان میں تغیر و تبدل ممکن ہے اور لوگ ان میں ضرورتِ زمانہ کے مطابق ترمیم بھی کر سکتے ہیں اس لیے اس کے متعلق کسی ایک صحابی نے ذرا سی بھی تحریر نہیں چھوڑی خود رسولِ کریم کی وصیت تک بھی لکھنے نہیں دی گئی، تاکہ قرآن عزیز اور قرآن کے استقلال میں فرق نہ آنے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے جو کچھ بعد کو لکھا ہے وہ صرف شہادت در شہادت و شہادت کے رنگ میں ہے۔ وہ وحی جو رسول کے دل پر بھی پہرہ کے ساتھ نازل ہوتی تھی تاکہ اس میں رسول کے دل کے غصہ و محبت کے جذبات کا عمل اور غلطی و سہو ونسیان کا دخل نہ ہو جائے، تو کیا خدا کی وہی وحی پچھلے لوگوں کی پشتہا پشت کی خیالی شہادتوں پر چھوڑی جا سکتی ہے؟ حاشا و کلّا
لفظِ رسول کے پہلے استعمال کے مطابق اگر نرے رسول کی اطاعت بھی کہی جائے تو اس سے مراد صرف وحی کی اطاعت ہی ہوگی۔ اور اگر اکیلے خدا تعالٰے کا حکم ہی بتلایا جائے اور صرف اسی کو ہی حکم ٹھہرایا جائے، تو وہ بھی خدا تعالٰے کا تعلیمی حکم یعنی وحی ہی ہوگا اور اگر "اللہ اور رسول کی اطاعت" کا حکم ہو، تو اس کا منشا بھی صرف یہی ہوگا کہ وحی الٰہی کی اطاعت کی جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالٰے جو کہ وحی کرنے والا ہے، اصل مطاع ہے لیکن اللہ تعالٰے خود لوگوں کے سامنے آکر حکم نہیں کرتا۔ صرف رسولِ امین ہی اسے لوگوں کو پہنچاتا ہے، اس لیے بطور مبلغ ہونے کے وہ خود رسول کی بھی اطاعت ہے۔ اور مبلغ صرف ایک واسطہ اور اس لیے بمنزلہ صفر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اطاعت ایک ہی اطاعت رہتی ہے اور قرآن مجید میں آگے ہر جگہ مفرد ضمیریں لگا کر ایک ہی اطاعت ثابت کی

اجتہاد کو یکساں ٹھہرانے کا کوئی حق واختیار نہیں رکھ سکتا۔ ہاں جب مشورہ و اجتہاد کی تصدیق اللہ تعالیٰ اپنی وحی میں کردے، تو وہی اکیلا مصدقہ وحی مشورہ یا اجتہاد بالضرور بمنزلہ وحی ہوتا ہے۔ پھر خواہ وہ کسی نبی و رسول کی اپنی بات ہو یا کسی نیک بلکہ بد کی بات بھی ہو، اس میں نبی و غیر نبی کا حال یکساں ہوتا ہے۔

کسی بشر کی غیر وحی بات از خود ہی وحی یا مصدقہ وحی نہیں بن سکتی

مخفی نہ رہے کہ رسول کے لفظ کا دو طرح پر استعمال ہوتا ہے:۔

اوّل یہ کہ وہ بلا واسطہ کسی انسان کے خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پائے، تاکہ وہ خود بھی اس کے پیچھے چلے اور دوسروں کو بھی پہنچائے، تاکہ وہ بھی اُسے مانیں اور اس پر عمل کریں۔ ایسا رسول خدا تعالیٰ اور بندوں کے درمیان خدا تعالیٰ کے پیغام لانے کا صرف ایک واسطہ ہوتا ہے۔ ایسا رسول حقیقت کے لحاظ سے صرف اُسی وقت رسول یعنی پیغام لانے والا ہوتا ہے جب کہ وہ خدا تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں کے آگے پیش کر رہا ہو۔

لیکن جب وہ اپنی عقل و رائے اور تجربہ سے کوئی حدیث یعنی بات کہتا ہے تو اُس وقت اُس کی غیر وحی بات خدا تعالیٰ کی وحی نہیں بن جاتی۔ ہاں اُسے اس حال میں بھی عہدہ کے لحاظ سے رسول ہی کہا جاتا ہے۔ یہ لفظِ رسول کا دوسرا استعمال ہے۔ رسول کی اس حالت کی اطاعت الٰہی تصدیق کے بغیر خدا تعالیٰ کے خود اپنے تشریعی وحی کی اطاعت نہیں بن جاتی۔

کفار کہتے تھے کہ اس رسولؐ نے قرآن مجید کو اپنے دل سے بنا لیا ہے اور دوسرے لوگوں سے مدد لی ہے (واعانہ علیہ قوم اٰخرون ۲۵/۴ یقولون انما یعلمہ بشر ۱۶/۱۰۳) اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریم جن باتوں میں لوگوں کے ساتھ مشورہ کرتے تھے، وہ خدائی تصدیق کے بغیر خود خدا تعالیٰ کی وحی نہیں بن سکتی تھیں۔ مشورہ لوگوں کی عقلوں سے مدد لینا ہی ہوتا ہے۔ جو باتیں مشورہ کے بعد حاصل ہوتی تھیں، اُن کو وحی الٰہی کہنا، خدا جانے کن لوگوں کے دماغوں کی اختراع ہے۔

ایک ہی مشورہ کے بعد بھی دوسرے لوگوں کو کھلے طور پر مشورہ کرنے کی اجازت ہے۔ سو اگر رسولِ کریم کے مشورہ سے حاصل کی ہوئی بات وحی الٰہی تھی، تو کیا دوسروں کو مشورہ کی اجازت دینے سے وحی الٰہی کے توڑنے کا بھی حق دار بنایا گیا ہے؟ پھر مشورہ ضروری باتوں میں ہی کیا جاتا ہے۔ شاورہم فی الامر پس ضرور ہے کہ رسولِ کریم کے وہ تمام ضروری فیصلے بھی وحی نہ ہوں، جنہیں مشورہ کرنے کے بعد

کرتا ہوں" ۲۵/۳

رسولؐ کے اس قسم کے اور بھی بہت سے فیصلے قرآن مجید میں موجود ہیں۔ پس اے جھگڑا کرنے والو! رسولؐ کے ایسے فیصلوں کو مانو۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "یا کیا ان کے ایسے شریک ہیں، جنہوں نے اُن کے لئے ایسی دینی شریعت بنائی ہو جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا" ۲۵/۴۲

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دینی شریعت بنانا خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے خاصہ میں کسی رسول کے اپنے فیصلوں کو مثلہ معہ ٹھہرانا اُسے خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانا ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد کرتا ہے "یہ ایک کتاب ہے، جو تیری طرف نازل کی گئی ہے، سو اس سے تیرے سینے میں کوئی تنگی نہ ہو، تاکہ تو اس کے ساتھ ڈرائے اور یہ نصیحت ہے مومنوں کے لئے۔ تم اسی کی پیروی کرو، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اُتارا گیا ہے اور اس کے سوائے کسی اور اولیاء کی پیروی مت کرو۔ تم کم ہی نصیحت مانتے ہو" ۸/۷

لوگو! یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ میری آیات کے سوائے کسی کی پیروی نہ کرو۔ وہ فرماتا ہے کہ میرے سوائے کسی کا حکم نہیں۔ کیا اس طرح کا حاکم ہونا خدا تعالیٰ کا خاصہ نہیں ہے؟ پھر کیوں اس خاصہ میں دوسروں کو اُس کے ساتھ شریک بناتے ہو۔ کیا اللہ کے دین کے سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین طلب کرتے ہو (افغیر دین اللہ یبغون ۸۳/۳) پس اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کو مانو جس طرح اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کا حکم ہے، اسی طرح خود خدا نے ہی اللہ و رسولؐ کی اطاعت کو قرآن مجید میں ہی بیان کر کے قرآن مجید کو مشرح و مکمل اور کافی اور کامل بنا دیا ہے۔ قرآن مجید وحی کے لحاظ سے ہمارے لئے کامل و کافی و مکمل بنایا ہے۔ رسولؐ کی ایسی اطاعت قرآن کی ہی اطاعت ہے۔ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی اطاعت تو خود بتلاتا ہے اور رسولؐ کی وحی والی اطاعت رسولؐ کے ذمہ الگ ڈالتا ہے اس کے بیان کرنے میں خدا تعالیٰ کو معاذ اللہ دقت واقع ہوتی ہے۔ افسوس

قرآن حکیم کے مطابق ما اوحی الیّ اور ما انزل اللہ ہی بے مثل ہے۔ رسولِ خدا کی باقی باتیں بے مثل نہیں ہو سکتیں۔ یہ لوگ رسول کے لفظ کے دونوں استعمال کو ایک ہی جیسا بنا کر قول البشر کو بھی قول اللہ ہی قرار دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے نزدیک خدا تعالیٰ اپنے رسولؐ پر عاشق ہوتا ہے اس لئے حضورؐ کی صدق و عدل کے خلاف بھی رعایت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ قتل لا ان

جاتی ہے

رسول کے لفظ کے دوسرے استعمال کے مطابق رسول کی اپنی بشری کوششوں کی اطاعت صرف بشری اطاعت کا رنگ ہی رکھتی ہے۔ رسول اس اطاعت میں دوسرے بشروں کی صف میں ہی بٹھایا جا سکتا ہے کسی صورت سے بھی اس کی اپنی باتیں خدا تعالےٰ کے بے مثل وحی کے ساتھ مثل معہ نہیں ہو سکتیں

اللہ تعالےٰ اپنے رسولؐ کو فرماتا ہے وکیف یحکمونک وعندھم التوراۃ فیہا حکم اللہ ۵/۶
یعنی جس صورت میں خدا کا حکم تورات میں (بصراحت تمام) موجود ہے۔ تو ایسی صورت میں اے رسولؐ تجھ کو حکم بنانے کی کون سی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ الخ اور آگے قرآن مجید کی اطاعت کو ہمارے واسطے مستقل بنانے کے لئے تورات کے اس حکم کو قرآن مجید میں لایا گیا ہے، تاکہ ہمیں تورات کی ورق گردانی کی ضرورت نہ رہے اور تاکہ تمام الٰہی کتابوں کی جگہ ایک قرآن ہی ہمارے لئے کافی ہو جائے۔ پس اب جس صورت میں قرآن حکیم تمام الٰہی کتابوں اور ملت ابراہیمؑ پر مہیمن و محافظ ہے اور ان کی طرف سے ہمارے لئے کفایت کرتا ہے، تو ایسے قرآن کے ساتھ رسولؐ کی باتوں کو الگ مثل معہ بنانا کس قدر ظلم ہے

اللہ تعالےٰ اپنے رسولؐ کی زبان سے کہلواتا ہے کہ "کیا میں اللہ کے سوائے کسی اور کو حکم بناؤں حالانکہ اس نے تمہاری طرف یہ کتاب مفصل بنائی ہوئی اتاری ہے، اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ علم رکھتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا گیا ہے؟ پس تو شک کرنے والوں سے نہ بننا (اولم یکن لھم آیۃ ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل ۱۹/۱۵) اور تیرے رب کا یہ کلمہ (یعنی قرآن) صدق اور عدل میں مکمل ہے۔ خدا کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی ہے، اصل سننے والا، اصل جاننے والا۔ اور اگر تو ان لوگوں کی جو زمین میں ہیں، بہتوں کی پیروی کریگا (یعنی ان کے اجماعوں پر چلے گا) تو تجھے اللہ کے رستے سے گمراہ کر دینگے۔ وہ تو صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور صرف اپنی اٹکلوں پر چلتے ہیں۔" ۶/۷

پھر رسولؐ بحکم خدا فرماتا ہے "اور تم جس بات میں خواہ وہ کوئی سی بات ہی کیوں نہ ہو، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف رکھتے ہو (خواہ وہ اختلاف میرے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں ان تنازعتم کی بھی کوئی شرط نہیں) تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے (اس طرح کا فیصلہ دینا میرا منصب نہیں ہے، وہ خدائی منصب ہے) یہ اللہ میرا رب ہے۔ میں نے اس پر توکل کیا اور اسی کی طرف میں رجوع

اور آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران سب الٰہی قسم کے تھے۔ پھر تم انہیں خدا اور مثلِ خدا کیوں بناتے ہو ؟ آگے آلِ عمران کی حقیقت کھولی جاتی ہے

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کسی بادشاہ کے ایلچی کی وہی باتیں اُس بادشاہ کی فرمانبرداری ہوتی ہیں۔ جن باتوں کو وہ ایلچی بادشاہ کی طرف سے لاتا ہے۔ اس ایلچی کا اپنا طعن و تشنیع اُس بادشاہ کا زجر و توبیخ نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ ایلچی اپنی طرف سے کوئی تشنیع و توبیخ کرے تو وہ اپنے بادشاہ اور جس کی طرف وہ ایلچی بنا کر بھیجا گیا ہے، دونوں کی نظر میں قابلِ سزا ہوگا۔ ایلچی کے پیغام کی پیروی اُس بادشاہ کی پیروی سے کوئی زائد چیز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ " جو تجھ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے، تو وہ اللہ سے ہے اور جو تجھے کوئی بُرائی پہنچتی ہے، تو وہ تیرے نفس سے ہے اور ہم نے تو تجھ کو لوگوں کے لئے رسول یعنی ایلچی بنا کے بھیجا ہے (کسی اپنی بات کو وحی بنا لینے کا اختیار تجھے نہیں دیا ہے)۔ اور خود اللہ ہی (وحی کی) گواہی دینے والا کافی ہے۔ (جب بات یہ ہے، تو) جو ایلچی کی بات مانے، تو اُس نے خود اللہ ہی کی بات مانی ہے " ۸۰

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی اطاعت اور خدا کی اطاعت ایک ہی چیز ہے۔ دو چیزیں نہیں ہیں، لیکن لوگ جو لفظِ رسول کے دونوں استعمالوں کو گڈمڈ کر دیتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ رسول کی اپنی الگ اطاعت بھی ہے جو خدا تعالےٰ کی اطاعت نہیں ہے اور جب وہ خدا تعالےٰ کی اطاعت نہیں ہے، تو وہ بشروں والی اطاعت ہی ہے، جس کے ذریعہ سے حضور صلعم نیک بندوں ہی کی صف میں بٹھائے جا سکتے ہیں۔ اور بشروں والا استنباط اور قیاس ہی کر سکتے ہیں۔ ۸۴ جو کچھ وحی الٰہی کی حالت میں ملتا ہے اُس کا تمام و کمال یعنی بلا کم و کاست لوگوں کو الگ کر کے پہنچا دینا، رسولِ خدا پر سب سے مقدم فرض ہے۔ جب وحی الٰہی بلا کم و کاست دوسروں کو پہنچ گئی، تو اب اُس کے صاف و صریح مطلب سمجھنے کے واسطے نیک لوگوں کے لئے یکساں طریقے ہی ہو سکتے ہیں۔ اور مزید غور کرنے کے لئے یکساں راستوں سے ہی چلنا پڑے گا۔ خدا تعالےٰ نے قرآن پاک کے ترجمہ و تشریح کرنے کے جو رستے رکھائے ہیں، وہ سب کے لئے پیش کئے ہیں۔ کسی شخص کے آگے کوئی رستہ چھپا کر یا الگ کر کے نہیں بیان کیا۔ کوئی نبی کسی غیب کو جو اُسے بتلایا جائے، اپنے پاس ہی نہیں رکھتا۔ غیب پر بخل کرنا ان کی شان ہی نہیں ۳۰

پس رسول و انبیاء اپنے وحی کو تمام و کمال پہنچانے کے بعد کسی اپنے شاگرد سے زیادہ غیب دان نہیں

کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ الخ کی تفسیر میں بلا دھڑک گویا ہوتے ہیں کہ خدا تعالے
رسولِ کریم کو فرماتا ہے کہ

آپ اُن سے فرمادیں کہ اُن کا ایمان، اُن کا عمل بالقرآن، اُن کی خدا سے محبت
کوئی چیز قابلِ قبول نہیں، جب تک کہ وہ آپؐ کی اطاعت نہ کریں۔ آپؐ سے محبت
نہ کریں۔ گویا ؎

نئے انداز سے ہم[1] عشق کا اظہار کرتے ہیں
جو تم کو پیار کرتا ہے ہم اُس سے پیار کرتے ہیں

اس باطل بیان سے صاف عیاں ہے کہ خدا کا ایمان، خدا کی محبت خدا کے ہاں کوئی چیز قابلِ قبول نہیں
ہوسکتی جب تک پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر بات میں اصل مطاع اور محبوب نہ بنایا جائے۔ گویا رسولِ مقبول
اس لئے آئے تھے تاکہ اپنے ظہور سے خدا کے ایمان اور خدا کی محبت کو ناکارہ بنا دیں۔ ایامرکم بالکفر
بعد اذ انتم مسلمون ۳/۱۶

تمام اہلِ کتاب اپنے رسولوں اور نبیوں کے بارہ میں سخت غلو کرتے تھے ہمارے رسولِ کریمؐ نے
مدینہ میں اُن اہلِ کتاب کو کہا کہ میری فرمانبرداری بھی اُسی طرح پر ضروری ہے جس طرح تمہارے رسل و
انبیاء کی پیروی ہونی چاہیئے تھی۔ وہ یہ سنکر بول اُٹھے کہ یہ شخص خدائی کا دعوے کرتا ہے۔ رسولِ کریمؐ
کا صرف یہ منشا تھا کہ جس طرح میں مسلم و موحد ہوں، اسی طرح تم بھی مسلم و موحد بنو، تاکہ تمہیں کچھ فائدہ بھی
حاصل ہو۔ اگر ایسی اطاعت سے کوئی خدا بن سکتا ہے، تو اہلِ کتاب کے انبیاء بھی ایسی ہی اطاعت چاہتے
تھے۔ وہ بھی خدا کے شریک نہیں بنتے تھے اور خدا تعالےٰ کے ساتھ مثلہ معہ اطاعت نہیں مانگتے تھے۔ جب
بات یہ ہے، تو تم ان کے بارے میں اتنا غلو کیوں کرتے ہو۔ سنو، میری اطاعت کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعا
کو اصل مطاع جانو اور مجھ کو جس حالت میں کہ مَیں اس کے پیغام لاتا ہوں یعنے اُس کا قاصد و ایلچی ہوں، بطور
مبلغ و رسول کے مانو۔ اگر یہ جان کر تم اب بھی شرارت سے باز نہ آجاؤ، تو جان لو کہ اللہ تعالےٰ اُن لوگوں
کو جو سچ مچ کافر ہیں، خواہ وہ بڑے آدمی ہوں یا چھوٹے، دوست نہیں رکھتا، تمہارے بزرگ آدمؑ و نوحؑ

[1] ہم سے مراد خالق الخلق، مالک الملک (یعنی خدا) ہے۔

ہماری ہی تجویز کردہ تھی۔ پس خدائی آزمائش کو ماننا لازم ہے۔ لیکن معترض لوگ رسول کی معرفت آئی ہوئی تعلیم کے حکم کو لفظِ رسول کے دوسرے استعمال پر بھی خواہ مخواہ لگا لیتے ہیں اور یوں غیر وحی کو وحی بنا لیتے ہیں

پھر رسولِ کریم اپنی وسعت کے مطابق بہرصورت قرآن مجید کے فرمانبردار تھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن عزیز کا سچا تابعدار بننا چاہتا ہے، تو وہ بلاشبہ لوگوں کو یہ بات بھی سمجھا دیگا کہ جب میں اللہ تعالٰے کی طرف سے تمہارے پاس کوئی وحی لاؤں، تو اُسے لے لو۔ وہ سچ مچ وحی الٰہی ہے۔ میں خدا کا نام لے کر جھوٹ نہیں بولتا، اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کوئی بات کہہ دوں تو جان رکھو کہ میں صرف ایک بشر ہوں۔ ان بشری راؤں میں میں اُسی طرح سے بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو اور اسی طرح پر غلطی کرتا ہوں جس طرح تم غلطی کرتے ہو۔ میں اپنی راؤں میں بے غلط نہیں ہوں ایسی راؤں کے لحاظ سے میں نیک بشروں کی صف میں ہی داخل ہوں۔ سو اگر دیگر حکام کی طرح انتظامی طور پر میں تمہیں کچھ کہوں، تو انتظام کو قائم رکھنے کی خاطر اُسے مان لو، لیکن وحی صرف وحی الٰہی ہی کو جانو۔ محض اپنے گمان و ظن سے کسی انسان کی اپنی باتوں کو وحی نہ قرار دے لو۔ اندریں صورت اللہ تعالےٰ ایسے رسول کے متعلق پورے انصاف اور سچائی کے ساتھ فرما سکتا ہے کہ یہ رسول جو تمہیں (میری طرف سے حکم) دے تو اسے لے لو، اور جس سے تمہیں روک دے (یہ کہتے ہوئے کہ میری اطاعت معروف و معقول طور پر کرنا، خدا کے حکم کی طرح میرے حکم کو بھی یکساں نہ بنا لینا، بہانے بنا کر غیر وحی کو وحی نہ قرار دینا، میری حد سے میرا رتبہ نہ بڑھانا وغیرہ وغیرہ) تو اس سے ٹل جاؤ ٹ پ. بھولنے والا رسول اپنی جس اطاعت سے روکتا ہے، تو اُس سے رُک جانا بھی اُسی کی اطاعت ہے۔ رسولِ خدا فرماتے ہیں کہ قرآن کی اطاعت کرو۔ اس کے سوائے کسی اور اولیاء کی پیروی نہ کرو۔ اس میں ایک اطاعت کا حکم ہے اور ایک قسم کی اطاعت سے روکنا ہے۔ یہی بات قرآن حکیم کی اور بھی بہت سی آیات سے ثابت ہے۔ جس اطاعت کو قرآن مجید شرک ٹھہراتا ہے، نبی اُس اطاعت کا حکم نہیں دے سکتا۔ وحی کا اختیار کسی بشر کے اپنے کلام کو نہیں مل سکتا۔ جس بات کا اختیار ملتا ہے، وہ غیر وحی ہی ہو گا۔"

وہ بول چال جو عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے بنائی گئی ہو، وہ ساری کی ساری منطقی قواعد کے مطابق نہیں بنائی جاتی۔ اس میں بہت کچھ منطقی شرائط و قیود چھوڑے جاتے ہیں، جنہیں لوگ قرائن اور دیگر حوالوں کے ساتھ خود ہی سمجھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اگرچہ لفظ عام ہوتے ہیں مگر لوگ اُن کا

ہوسکتے۔ وہ اپنے علمِ ما لم تکن تعلم کو دوسرے لوگوں کو بھی اسی طرح سکھا دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے۔ و علمکم ما لم تکونوا تعلمون

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں آیا کہ من یطع اللہ فقد اطاع الرسول میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہوتا، تو اللہ صرف ایک واسطہ ہی ہوتا اور رسول اصل بن جاتا۔ قرآن مجید کا منشا یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت اصل ہے اور رسول صرف ایک واسطہ ہے۔ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ واسطہ کی اطاعت اصل کی اطاعت ہوتی ہے۔ لیکن یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ اللہ تو صرف ایک واسطہ ہے اور رسول اصل مطاع ہے۔

سُن رکھو، کہ رسول کی اطاعت کا انحصار اللہ پر ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ کی اطاعت کا انحصار رسول پر ہو۔ حکم اللہ کا ہے نہ رسول کا۔ دین اللہ کا ہے نہ رسول کا $\frac{3}{17}$ ہدایت اللہ کی ہے نہ رسول کی۔ ان الھدیٰ ھدی اللہ $\frac{3}{16}$ اور ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ $\frac{2}{15}$

پھر اللہ تعالےٰ جس شخص کی اطاعت کا حکم کرتا ہے وہ اطاعت اس شخص کی حالت کے لائق ہی ہو سکتی ہے۔ اُس شخص کی شان و لیاقت سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالےٰ نے طالوت کو خود ہی بادشاہ مبعوث کیا، پھر کیا اس سے اسکی باتیں اور اس کا انتظام تمام وحی ہوگیا۔ عدالتِ اپیل کے آخری فیصلہ کو تسلیم کرلینا فرض ہے مگر وہ فیصلہ وحی نہیں ہوتا۔ گھر والے کے ارجعوا کہنے کی تعمیل کرو، اس لئے کہ یہ خدا تعالےٰ کا حکم ہے مگر گھر والے کا ارجعوا کہنا، وحی الٰہی نہیں بن سکتا۔ یہی حال جنگوں میں جنرلوں کی اطاعت کا اور صدرِ جلسہ کے احکام تفسحوا اور انشزوا کا اور ماں باپ و استاد کی فرمانبرداری کا بھی ہے۔ لفظِ رسول کے دوسرے استعمال کی اطاعت بھی اُسی میں داخل ہے

بادشاہ طالوت نے اپنے نبی سے حکمِ الٰہی پاکر اپنی فوج کی ایک نہر کے ساتھ آزمائش کی۔ اللہ کے حکم کے مطابق فوج کا اس آزمائش کو ماننا لازم تھا تاکہ معلوم ہوجائے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے وحی کی ہوئی آزمائش میں اس رسول کی کون متابعت کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں پر مُڑ جاتا ہے۔ اسی طرح کسی خاص رسول پر بیت المقدس کا قبلہ آزمائشی طور پر مقرر ہوا تھا۔ اللہ تعالےٰ ہم کو فرماتا ہے کہ ہم نے اُس قبلہ کو چند روز کے لئے آزمائشی طور پر مقرر کیا تھا، وہ دائمی حکم نہ تھا تاکہ ہم دیکھیں کہ کون اس رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں پر مُڑ جاتا ہے

اس آیت میں جعلنا کا لفظ پیش کر کے خدا تعالےٰ نے صاف طور پر بتلا دیا ہے کہ یہ آزمائش

اور ظاہر ہے کہ خود رسولِ خدا ہی تشریف لا کر ہر زمانہ کے لوگوں کے درمیان صدقہ و غنیمت و فیئے کو نہیں بانٹ سکتے۔ پس اس حکم کا علاقہ رسولِ خدا کے علاوہ دوسرے حکام کے ساتھ بھی یکساں ہے اور اس صورت یہ صرف ایک انتظامی حکم ہے اس انتظام کا خود وحی ہونا ضروری نہیں۔ ایسے انتظاموں کی صورت میں رسول اعلیٰ حاکموں کی صف میں ہی بٹھایا جا سکتا ہے

تمام مذاہب کے لوگ جب گرے ہیں تو ایک دوسرے کی مانند ہی گرتے رہے ہیں۔ انسانی کمزوریاں پھر اُن میں عود کر آتی ہیں۔ تمام مذاہب نے منعم علیہم کے رستہ کے خلاف نئے نئے طریقہ کو اصل ٹھہرایا ہے تاکہ وہ صرف اپنا استقلال قائم رکھیں اور دوسرے مذاہب کے منعم علیہم لوگوں کو ضال بنائیں۔ قرآن حکیم تمام مذاہب کو ایک بناتا اور لونڈی غلاموں کو مٹاتا اور معقول پسند بناتا ہے۔ پس جو اجماع قرآن مجید کی صریح تعلیم کے خلاف ہے اسکا کیا اعتبار ہو سکتا ہے

اللہ تعالےٰ رسولِ کریمؐ کے عہد کے اجماعوں کے متعلق فرماتا ہے کہ اگر تو زمین میں کے اکثر لوگوں کی پیروی کرے گا تو تجھے اللہ کے رستہ سے گمراہ کر دیں گے۔ سو جب ابراہیم و موسےٰ علیہما السلام کی امتوں کے اجماع بھی گمراہ کن ہیں تو ہمارا اجماع کیوں ضرور ہی قابل قبول ہے۔ اور اگر قرآن کریم سے الگ کسی بات پر اجماع کا ہونا مان بھی لیا جائے تو اس کی بنا استنباط و قیاس و شورے پر ہی ہے۔ اُس کا وحی الٰہی کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں۔ استنباط و قیاس اور شورے اگر مناسب ہو تو اب بھی کئے جا سکتے ہیں۔ سبیل المؤمنین مومنوں کے شورے کا فیصلہ ہی ہوتا ہے۔ اُن کا اجماع ہرگز وحی نہیں ہو سکتا۔ پھر دینی مسائل میں مجتہدین نے جو قیاس کئے ہیں وہ وحی نہیں ہیں۔ کسی انسان کا اپنا اجتہاد و قیاس کبھی وحی الٰہی نہیں ہو سکتا

اپنے آپ کو وحی کر لینا کسی انسان کا اختیاری امر نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو کہے کہ میں اُس کی مانند اتار لیتا ہوں جو اللہ نے اتارا ہے [۹۳/۶]۔ پس کسی نبی کی اپنی باتیں اور اپنا مشورہ اور اپنا قیاس وحی الٰہی کی مانند نہیں ہو سکتا

حضرت داؤد علیہ السلام بکریوں کے رات کو چر جانے کے فیصلہ میں غلطی کر گئے۔ خدا تعالےٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔ [۷۹/۲۱]۔ رسول اس بات کے عالم ہوتے ہیں جو خدا تعالےٰ انہیں خود سکھائے [۱۳/۲]۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے دُنبیوں کے متعلق جو فیصلہ دیا اس میں بھی انہیں بخشش ہی مانگنی پڑی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اے داؤد ہم نے تجھ کو ملک میں خلیفہ بنایا ہے۔ سو تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور ہوائی کی پیروی مت کر۔ اس لئے کہ وہ تجھے اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دے گی [۲۶/۳۸]۔ اللہ تعالےٰ نے رسولِ کریمؐ

مطلب مقید و محدود کر کے لیتے ہیں۔ بہت سے عام بیان اس طرح سے خاص کئے جاتے ہیں۔ اُن میں عموم لفظ کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے کہ لا تدعوا مع اللہ احداً یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔ اس آیت میں پکارنے کے معنے کو محدود کرنے اور خاص بنانے کی ضرورت ہے اس لئے کہ خود رسولِ کریم اپنے تابعداروں کو پکارا کرتے تھے۔ آیۂ مبارکہ میں پکارنے کا وہ مطلب ہے جس طرح لوگ فوق الفطرت تصرف رکھنے والے، حاضر و ناظر کو بے چینیوں کے وقت تسلّی یا مدد مانگنے کے لئے پکارا کرتے ہیں۔ اسی طرح تم اللہ کو پکارو اور اس پکارنے میں کسی کو اسکے ساتھ شریک نہ کرو۔ یا مثلاً علم ہوتا ہے وما للظالمین من انصار یعنی ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جنگِ احد میں کافروں نے مسلمانوں پر ظالمانہ حملہ کیا تھا۔ مسلمانوں کے بہت سے لوگ شہید ہوئے اور کافر بچ کر نکل گئے۔ اگر ظالم ہر ظلم کے بعد پکڑا جاتا تو دنیا میں ظلم کرنے کی کوئی جرأت نہ کرتا۔ پس آیۂ مبارکہ کا یہ مطلب ہے کہ آخری نتیجہ کے لحاظ سے دنیا میں عموماً اور عقبیٰ میں کلیتہً ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہیں، جب تک کہ وہ اپنا پورا عذاب نہ پالیں۔

قرآن مجید کا اکثر حصہ اس قسم کی تخصیصیں پیدا کرنے کے بغیر حل نہیں ہوسکتا۔ یہ تخصیصیں دوسری آیات کے حوالہ سے یا عقلی قرائن اور مشاہدہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہاں وہ باتیں جو عام اصول اور دائمی صداقتیں اور سچے علوم ہیں وہ اگر کسی خاص محل پر بیان کئے جائیں، تو ان میں عموم لفظ کا ضرور اعتبار کرنا چاہیئے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ زید کا حق ادا کرو اور ظلم نہ کرو، تو اس جگہ ظلم سے بچنے کو زید کے حق ادا کرنے کے محل پر بیان کیا گیا ہے، مگر چونکہ یہ ایک سچی حقیقت ہے اس لئے یہاں عموم لفظ کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالےٰ نے سورت حشر میں اوّل تو مالِ فئے کی تعریف بتلائی ہے، پھر اُس مال کے حق دار بیان فرمائے ہیں۔ باقی رہا ایسے مالوں کا اپنے اپنے زمانے کے حقداروں میں تقسیم کرنا، تو ظاہر ہے کہ اس قسم کی تقسیم صرف رسولِ خدا کا ہی خاصہ نہیں ہے بلکہ یہ تقسیم ہر زمانہ کے زندہ اعلیٰ حکام کے ماتحت ہی کی جاسکتی ہے۔ اس تقسیم کے متعلق لوگ شکائتیں بھی کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے کم ملا اور اُسے زیادہ ملا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو کچھ رسول (یا اُس کے نائب) تمہیں دیں، تو اُسے لے لو۔ اور جس چیز سے تمہیں ٹلا دیں، اُس سے ٹل جاؤ۔ حاصل یہ کہ انتظام میں مخل نہ ہو۔ چونکہ یہ آیت فئے کے تعلق سے فرمائی گئی ہے اگرچہ دوسری باتوں کے ساتھ بھی اس کا علاقہ ہو، لیکن فئے کی تقسیم تو ضرور اس میں داخل ہے۔

کی عدم ضرورت ثابت ہوتی ہے اور یہ سرتاپا فضول ہے

اگر رسول کی اطاعت میں قرآن کی اطاعت سمجھا جاتی ہے اور قرآن کی اطاعت میں رسول کی خاص اطاعت نہیں آسکتی تو قرآن کی عدم ضرورت ظاہر ہے۔ لوگوں کے نزدیک رسول کے پاس تمام دین ہے جو کہ عین وحی ہے لیکن قرآن میں وحی کا صرف ایک حصہ ہے۔ پس قرآن سے قطع نظر کیا جاسکتا ہے۔ رسول قرآن پر حاکم و قاضی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ قرآن پاک خود رسولؐ کی غلطیاں نکالتا ہے اور رسول کی جس بات کی تصدیق کرنا چاہتا ہے اُسے قرآن میں لاتا ہے۔ باقی باتوں کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ انہیں اپنی وحی میں لائے۔ کیا ان لوگوں کے نزدیک قرآن کی مصدّقہ تعلیم اور قرآن کی غیر مصدّقہ تعلیم میں کوئی تمیز نہیں ہے۔ خدا تعالےٰ کی صفت ہے لا یضل ربی ولا ینسیٰ پس خدا تعالےٰ جس وحی والی تعلیم کو قرآن کریم میں بسہولت لاسکتا تھا اور وہ قرآن حکیم کی شان کے بھی خلاف نہ تھی اُسے قرآن کی وحی سے باہر رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا خدا چاہتا ہے کہ ایک وحی کو متواتر بنائے اور دوسری وحی کو بہروں کے ساتھ نازل کر کے پھر ظنی اور ناقص بنا دے۔ وحی والی تفسیر قرآن میں ہی آنی چاہیئے۔ جن سوالات کا جواب وحی میں دینا مناسب ہے وہ ضرور قرآن میں موجود ہیں۔ رسول کے دل کو ثابت و قائم رکھنے کے لئے حدیثیں کافی نہ تھیں۔ جب قرآن کے اُترنے میں دیر پڑ گئی تو لوگوں نے کہا کہ اس کے رب نے اُسے چھوڑ دیا۔ حدیثیں اُس وقت قرآن کا کام نہیں دے سکتی تھیں

اِن نو رکوعوں میں دوسرا مضمون قابلِ بحث ولادتِ مسیحؑ ہے۔ مسیحؑ بلا شبہ باپ سے پیدا ہوئے تھے۔ اس کے متعلق قرآن مجید سے چند ایک دلائل درج ذیل ہیں :-

(۱) کافر لوگ خدا تعالےٰ کی مخلوق کو خدا تعالےٰ کا جزو بناتے تھے۔ خدا تعالےٰ اس کی تردید کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی ذات کا جزو نہیں ہو سکتا جب کہ وہ ذات خود مرکب اور محدود نہ ہو۔ خدا تعالےٰ عناصر کا مجموعہ نہیں اس لئے اسکا جزو بھی نہیں ہو سکتا

بہت سے لوگ اپنے بزرگوں کو خدا تعالےٰ کی اولاد بناتے ہیں۔ ولد ایک نسبتی لفظ ہے چاہتا ہے قوائے عاقدہ و منعقدہ کو یا مثبت و منفی بجلیوں کے ملاپ کو۔ جو ایک ہی نوع کی دو اشیاء میں موجود ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے ہاں ولد کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ میری صاحبہ نہیں۔ اس آیت سے صاف مطلع ہوتا ہے کہ اُس شخص کا وجود جسے ولد کہتے ہیں والد و والدہ

کو حکم دیا کہ تو ان لوگوں کے درمیان مَآ اَنزَلَ اللہ کے مطابق فیصلہ کر اور ان کی اہواء پر مت چل۔ اور ان سے ڈرتا رہ کہ کہیں یہ لوگ تجھ کو مَآ اَنزَلَ اللہ کے کسی حصّہ سے گمراہ نہ کر دیں۔ شیطان تو رسول کو اس کی اپنی باتوں میں بھلا سکتا تھا ۱۴۔ شیطانی نزغ رسول کو لگ سکتا تھا ۲۴/۱۹ اور ۹/۱۴۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کے وقت خدا تعالےٰ رسول کے دل پر اپنے پہرے بٹھاتا ہے اور اپنے وحی کو خاص حفاظت کے ساتھ پہنچاتا ہے ۲۹/۱۴۔ اللہ چاہتا ہے کہ کہیں وحی میں رسول کے اپنے جذبات اور سہو و نسیان داخل نہ ہو جائیں۔ اور رسول کی وحی کو رسول کی خاص اپنی باتوں اور رسول کے اپنے اجتہادوں اور رسول کے اپنے قیاسوں اور رسول کے خاص اپنے مشوروں کی مانند نہ بنا دیں۔ ایسا وحی کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا ہی خاصہ ہے (بالحق انزلناہ و بالحق نزل)

خدا تعالےٰ کی اس وحی میں بہت سی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں:۔

(۱) جب وحی الٰہی رسول کے دل پر ایسے پہروں کے ساتھ نازل ہوتی ہے تاکہ وہ ہم کو غیر وحی سے الگ کر کے پہنچائی جائے تو ضرور ہے کہ وہ ممتاز ہو۔ اس کو غیر وحی کے ساتھ مخلوط رکھنا اس کو دائمی وحی بنانے کے برخلاف ہے۔ صرف قرآن مجید ہی ہمیں ممتاز کر کے دیا گیا ہے۔ اگر حدیثیں بھی اسی طرح ممتاز کر کے دیگئی ہیں تو ہم انہیں بھی مثلہ معہ ماننے کو تیار ہیں

(۲) لازم ہے کہ یہ وحی ہم کو خدا تعالےٰ کی خاص حفاظت کے ساتھ پہنچائی جائے اور خدا تعالےٰ خود فرمائے کہ ہم اس کے حافظ ہیں ۱۴/۱ اور ۲۴/۱۹۔ اس وحی کو مدت کے بعد زید و عمرو کی شہادت در شہادت در شہادت کے ساتھ نہ پہنچایا جائے۔ خدا تعالےٰ کی ایسی حفاظت کے ساتھ ہمیں صرف قرآن مجید ہی ملا ہے۔ اگر حدیثیں بھی اسی طرح حفاظتِ الٰہیہ سے ہمیں رسول نے دی ہیں تو ہم انہیں بھی قرآن حکیم کی طرح ماننے کو تیار ہیں

(۳) خدا تعالےٰ حق کو اس لئے نازل فرماتا ہے تاکہ باطل کا بھیجا نکال دے اور اسے زہوق یعنی مٹنے والا بنا دے۔ خوف کے بعد امن پیدا کر دے۔ یہ تمام صفات قرآن کریم کی ہیں اور اسی لئے خدا تعالےٰ نے اس کے بے مثل ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ اگر یہ خدائی دعوےٰ حدیث کے کسی ممتاز مجموعے کی نسبت ہے تو ہم اسے بھی مان سکتے ہیں

(۴) اگر قرآن مجید سے الگ رہ کر حدیثیں قرآن کی مثل وحی ہو سکتی ہیں تو ایسے رسول کو قرآن کے ملنے کی کون سی ضرورت باقی رہ سکتی ہے۔ پس خارج از قرآن حدیثوں کو وحی الٰہی ماننے سے قرآن مجید

پھر حضرت مریمؑ نے اس بیٹے کو اپنے پیٹ میں اٹھا بھی لیا تو اس سے بھی اُس بیٹے کا باہر سے جانا ہی ثابت ہوتا ہے۔ پھر جب آخر میں وہ بیٹا سخت دردِ زہ کے بعد اُسی رستہ سے نکلا تو اس سے بھی اُسی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ دلوج و خروج کا راستہ ایک ہی ہے جیسا کہ تمام حالات میں بلا استثناء پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے او لم یروا۔ اور اسی قسم کے اور بھی بہت سے الفاظ فرما کر لوگوں کے مشاہدوں کو بھی سند ٹھیرایا ہے

(۳) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:- یاایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ ان اللہ علیم خبیر ۲۶/۱۴ - یعنے اے لوگو! (مردو اور عورتو) ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو (حصہ در حصہ کر کے) قومیں اور قبیلے بنایا ہے (اس کا تمہاری بزرگی اور نسبی شرافت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کا فائدہ صرف اتنا ہے) تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بلاشبہ تم میں سے زیادہ بزرگ (اور زیادہ شریف) اللہ کے نزدیک وہ ہے جو (خدا تعالےٰ سے) زیادہ ڈرنے والا ہے۔ بلاشک (تمہارے سچے تقوے سے) اللہ علیم و خبردار ہے

جب اللہ تعالےٰ نے انسانی جوڑے کو پیدا کیا اور آگے جوڑے سے اولاد کے پیدا کرنے کا قاعدہ بنایا تو انسان پھیلنے لگے۔ ایک وقت تک تو وہ بطور ایک تنہ کے ہی رہے پھر جب وہ اور بڑھے اور ان کی شناخت مشکل ہو گئی تو وہ شاخوں میں تقسیم ہو گئے اور آگے شاخوں سے اور شاخیں پیدا ہوئیں۔ انسانوں کی نچلی تقسیم ہمیشہ قبیلوں میں ہوتی ہے۔ ہر مرد اپنے قبیلہ سے ہی تعلق رکھے گا۔ اور ہر عورت اپنے قبیلہ سے ہی علاقہ رکھے گی۔ جب کسی مرد و عورت کا نکاح ہوتا ہے تو اگر وہ اپنے قبیلہ سے نکل کر مرد کے قبیلہ میں مدغم ہو جائے گی تو عورتوں کی شناخت کا قاعدہ بھی گم ہو جائیگا اور لتعارفوا سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے جاتا رہے گا

چونکہ مرد عورتوں پر قوام یعنی منتظم و محافظ ہیں اور چونکہ مرد بہ نسبت عورتوں کے زیادہ ترمیدانِ عمل میں آتے اور پہچانے جاتے ہیں اس لئے عورتوں کی شناخت بھی اُن کے باپوں ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا شعوب و قبائل کا انحصار باپ دادوں ہی پر ہوتا ہے۔ کسی شعبہ اور قبیلہ کو عورت سے شروع کرنا قطعاً غلط ہے۔ اس طرح سے شعوب و قبائل میں گڑبڑ مچ جائے گی۔ اور تعارف کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ اگر ہم کہیں کہ داؤد علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے تو لازم ہے کہ

کی موجودگی کے بغیر محال ہے۔ ولد کے لئے باپ کا وجود اگر رکن ہے تو ماں کا وجود شرط ہے۔ جو چیز باپ سے واثق بن کر نکلتی ہے اس میں بے شکل وصورت ولد موجود ہوتا ہے لیکن اس بے صورت ولد کی تصویر ماں کے پیٹ میں تیار ہوتی ہے۔ جب شرط کے بغیر ولد کا ہونا محال ہے تو رکن کے بغیر ولد کا کیسے امکان ہو سکتا ہے۔ ولد کے لئے اِن معقول راستوں سے ہو کر گذرنا لازم ہے۔ باپ و ماں کے بغیر ولد کا ظاہر ہونا محال عقلی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قادرِ مطلق خدا کے ہاں بھی ولد کا ہونا قطعاً محال ہے اور اگر اسے ممکن فرض کر لیا جائے تو خدا کی ہم نوع صاحبہ کو پیش کر دیتا کہ اس کے لئے ولد ہونے کے واسطے کوئی گنجائش تو نکل سکے۔

اس دلیل میں کوئی مستثنےٰ صورت نہیں ہو سکتی ورنہ خدا تعالےٰ کے لئے۔ بیوی اور بچوں کا ہونا ممکن ثابت ہو جائے گا۔ بلاشبہ خدا تعالےٰ اگر چاہے تو تمام اشخاص کو آدم و حوّا علیہما السلام کی مانند پیدا کر سکتا ہے لیکن وہ اس صورت میں خدا کے ولد نہیں ہوں گے اور نہ ہی حوّا آدمؑ کی ولد ہوگی۔ دو اشخاص کا اکٹھے تیار ہونا اور مرد کا حرارت کے سبب پہلے مکمل ہونا اور حوّا کا برودت کے باعث پیچھے مکمل ہو کر علیحدہ ہو جانا نسبی) ولد کی تعریف سے الگ چیز ہے

قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ولد ہونا تسلیم کیا گیا ہے (انّٰی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر) پس اُن کا والد ضرور ہے اور وہ خدا نہیں ہو سکتا اس لئے اُن کا والد انسان ہی ہے

بیانِ بالا سے یہ بھی واضح ہے کہ والدہ کا لفظ بھی نسبی ہے۔ کوئی عورت کسی شخص کی والدہ نہیں ہو سکتی جب تک کہ اُس شخص کا والد بھی موجود نہ ہو۔ نسبی الفاظ میں سے ایک کا بیان آنا دوسرے کے وجود پر صریح دلیل ہے اس کو تلاش کرنیکی کوئی الگ ضرورت باقی نہیں رہتی

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کے اندر قوتِ عاقدہ اور قوتِ منعقدہ دونو اکٹھی ہی موجود تھیں پس یہ دونو قوتیں حضرت مریمؑ کے اندر کام کرتی تھیں۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے لئے کسی بنیادی چیز کا باہر سے جانا ضروری نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ فنفخنا فیہ من روحنا ۲۲ یعنی ہم نے اس کی شرمگاہ میں اپنی رُوحوں میں سے ایک روح کو نفخ کر دیا اور ظاہر ہے کہ جو چیز شرمگاہ کے رستہ سے نفخ پائے گی وہ ضرور باہر ہی سے جائے گی اور کلمتہ القاھا الیٰ مریم کے پاک الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

جب اس بشر سوی نے کہا کہ اللہ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں تجھے ایک پاک بیٹا دوں اور

جائے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بیٹے بھی تھے اور باپ کے بیٹے بھی تھے۔ خدا تعالےٰ نے دو نو حقیقتوں کو ثابت کر کے دکھلا دیا

(۳۳) اللہ تعالےٰ اپنے آپ کو سمیع علیم یعنی دعائیں قبول کرنے والا بیان کرتا ہے۔ جبکہ حضرت مریم علیہا السلام کی ماں نے دعا کی اور یہ بھی ارشاد کرتا ہے کہ اس نے مجھے السمیع العلیم مان کر یہ دعا کی ہے۔ پس حضرت مریم علیہا السلام کی ماں کی دعا ضرور قبول ہوئی۔ اُن کی دعا تھی کہ انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم ۳/۱۲ یعنے اے خدا میں اپنی اس بیٹی (مریمؑ) کو اور اسکی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ مریمؑ کی ماں سمجھتی تھی کہ اس بیٹی کے ہاں بطریقِ متعارف اولاد ہو گی۔ پس اللہ تعالےٰ نے اس کی ماں کی دعا کے موافق مسیح علیہ السلام کو پیدا کر کے شیطانی دخل سے بچایا۔ ان کی ماں کی یہ دعا اپنی مرضی کے مطابق تھی۔ یہ دعا وحی الٰہی سے نہ تھی وہ خود اقرار کرتی ہیں کہ میں اپنے پیٹ میں بیٹا خیال کرتی تھی لیکن یہ تو بیٹی پیدا ہوئی۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی نانی کی دعا کے مطابق باپ ہی سے پیدا ہوئے اور دخلِ شیطانی سے بچائے گئے

(۳۴) اللہ تعالےٰ نے اس سورت میں اور سورت مریمؑ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر فرمایا ہے اور دو نو جگہ بلکہ سورتِ انبیاء میں بھی مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کو ساتھ ہی پیش کیا ہے۔ اور چونکہ پہلے بیان کو دوسرے کے لئے بطور نمونہ کے لایا گیا ہے اس لئے دو نو جگہ الفاظ بھی ملتے جلتے ہی آئے ہیں تاکہ لفظوں کے جو معنے نمونہ کے قصہ میں کئے جائیں وہی معنے مریمؑ اور مسیحؑ کے متعلق بھی لئے جائیں۔ مقصودِ قرآن یہ ہے کہ نبیوں کی عاجزی اور بندگی دکھلائی جائے اور جو انہیں خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک ہی صف میں بٹھاتے ہیں، انہیں نادم کیا جائے اور یوں اُن کی اور دوسرے لوگوں کی اصلاح ہو

جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری دی گئی، تو انہوں نے اپنے ہاں بیٹا ہونے میں دو روکاوٹیں بیان کیں:۔

اوّل یہ کہ میں سخت بوڑھا ہوں اور اگر بالفرض کسی سخت بوڑھے کے ہاں اولاد ہو بھی سکتی ہے تو اس کا کیا علاج کہ میری بیوی عاقر یعنے بانجھ ہے۔ عقر ایک مرض ہے، جب تک وہ مرض عورت میں موجود ہے، تو کوئی عورت ایسی نہیں ہو سکتی کہ وہ عاقر ہونے کی حالت میں بھی جننے والی بن سکے

داؤد اور ابراہیم علیہما السلام کے درمیان مردوں یعنی باپ دادوں کا واسطہ ہو۔ ماؤں کا واسطہ ہونا کچھ ضروری نہیں۔ اسی طرح اگر ہم کسی عورت کا سلسلہ نسب بیان کرنا چاہیں تو وہ بھی آباء ہی کے ذریعہ سے ہوگا۔ اُمہات کے واسطے سے ہرگز نہیں ہوگا

اس تمہید کے بعد اب میں اصل دلیل کو پیش کرتا ہوں اور ناظرین کو اس کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ قرآن مجید کے پارہ ہفتم کے سولھویں رکوع میں اللہ تعالےٰ بہت سے انبیاء کے ساتھ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو حضرت نوح یا حضرت ابراہیم علیہما السلام کی ذریّت سے بتلاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح باقی تمام رسول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اعلےٰ اجداد اور نچلے آباء کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور کسی جگہ عورت کا واسطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بذریعہ آباء کے ہی پیدا ہوئے۔ ایک کو دوسروں سے الگ کرنے کی کون سی ایسی وجہ پیدا ہوئی جس کا علاج نہیں ہوسکتا، لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگرچہ حضرت عیسیٰؑ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہرنسل میں آباء کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں لیکن اگر ایک جگہ اکیلی ماں کا ہی واسطہ ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ اس غلطی کے نکالنے کی خاطر اللہ تعالےٰ ان انبیاء کے نام لینے کے بعد ساتھ ہی من آبائھم کا لفظ لاتا ہے اور دکھلاتا ہے کہ جس طرح اُوپر سے ان انبیاء کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ آباء کے ذریعہ سے ہے اسی طرح نیچے سے بھی ان کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اب یعنی باپ کے واسطہ سے ہی ہے

پس اگر اُوپر کی طرف سے چلیں، تو حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ نکلتا ہے اور اگر نیچے کی طرف سے اُوپر چڑھیں، تو اُن کا باپ ثابت ہوتا ہے۔ اگر ایک طرف تاویل کروگے، تو دوسری طرف آپ کی غلطی نکالے گی اور اگر دوسری طرف تاویل سے کام لوگے، تو پہلی طرف تم کو غلط ٹھہرائے گی۔ کیا کسی کے پاس ایسی دلیل ہے کہ جو بات اُوپر نیچے دونو طرف سے ایک ہی جگہ موکد کر کے پیش کی جائے۔ اور ہو بھی معقول۔ تو اس دوطرفہ موکد بات کو خلافِ عقل ثابت کرنے کے لئے مروڑا جائے۔ اور ایک نبی کی پیدائش کو مشتبہ بنایا جائے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کا اب ضرور تھا اور اب باپ کو کہتے ہیں۔ اگر آباء میں مائیں یا چچے بھی شامل ہوں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ اب کے لفظ کا استعمال تغلیبی ہے، اور تغلیبی استعمال اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ اب کے اصلی استعمال کو قائم رکھا اور مانا

بھی دُور کر دیا اور انہیں بیٹا جائز خاوند کے ذریعہ سے ملا۔ کوئی شخص نہیں بتلاتا کہ حضرت مریمؑ کے لئے تمام دنیا کی عورتوں سے الگ ہو کر نکاح سے رُکنے کی کون سی ضرورت تھی اور کیا اُن کے لئے نکاح کی حلّت اور بشر کا مس کسی طرح سے بھی ممکن نہ تھا؟ اگر ممکن تھا تو یہ روک بھی بالضرور اٹھائی گئی اور مسیحؑ جائز انسانی باپ کے ذریعہ سے پیدا ہوئے

(۵) کلمہ کے معنے بات کے ہیں۔ وعدہ و بشارت کے معنے بھی اس میں شامل ہیں۔ کلمہ صرف ذہنی ہی نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح علیہ السلام خارج میں بھی کلمہ ہی تھے۔ پس ہر ایک شے جو خدا تعالےٰ کے قول یا قاعدہ کے مطابق پیدا ہو، کلمہ ہے۔ تمام قدرتی کاریگریاں خدا تعالےٰ کے کلمات ہیں۔ کلمہ کی تنکیر بتلاتی ہے کہ مسیح علیہ السلام کلمہ ہونے میں خاص نہ تھے بلکہ وہ خدا تعالےٰ کے کلمات میں سے صرف ایک کلمہ تھے۔ جس صورت میں وہ حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالے گئے، وہ بھی ایک قدرتی کاریگری تھی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ جب مسیح علیہ السلام کو علقہ یا نطفہ یا سلالہ کی صورت میں کلمہ کہا گیا ہے تو اس کی طرف القاھا میں مؤنث کی ضمیر پھیری گئی ہے اور جہاں ان سے مراد مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ ہے تو اسمہٗ میں مذکر کی ضمیر لائی گئی ہے۔ اسمہٗ کے لفظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے عیسےٰ ابنِ مریم اُن کا نام پڑ گیا تھا۔ بہت سے لوگوں کی کنیت صرف ماں کا نام لے کر ہی ظاہر کی جاتی ہے۔ یہ اُن کے بے باپ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اسمہٗ کے لفظ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابنِ مریمؑ اُن کی حقیقت نہیں ہے، بلکہ یہ صرف ایک نام ہے جو پڑ گیا تھا۔ ہاں اللہ تعالےٰ نے مسیحؑ کے مشہور نام کو ان لوگوں کے لئے جو انہیں خدا بناتے یا اُن پر بہتان لگاتے تھے، اُن کی تردید میں کئی جگہ پیش کیا ہے

ان متعلقہ باتوں کو چھوڑ کر اب میں اصل دلیل بیان کرتا ہوں۔ جب حضرت مریم علیہا السلام کو بیٹے کی خبر ملی تو انہوں نے کہا کہ بغیر خاوند کے میرے ہاں بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کذالک اللہ یخلق ما یشاء یعنی جس (بیٹے) کا بنانا چاہتا ہے تو اللہ اُسے اسی طرح ہی پیدا کیا کرتا ہے (جیسا تیرے بیان سے ظاہر ہے)۔ اللہ تعالےٰ کے اس جواب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت مریمؑ کو بیٹا ملا، ہر بیٹا اسی طرح ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پس حضرت عیسیٰؑ بالضرور باپ سے پیدا ہوئے

اس کے آگے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جب میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو سوائے اس کے

یہ اجتماعِ نقیضین ہے کہ کوئی عورت ایک ہی آن میں نازائندہ بھی ہو اور زائندہ بھی ہو
پس یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ زوجۂ زکریا علیہ السلام نے بچہ بھی جن دیا ہو اور ویسی کی ویسی عاقر بھی رہی ہو۔ بالضرور اللہ نے اُن کے مرض کو دُور کر کے اُن کو بیٹا دیا۔ چونکہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ دین میں عقل کا دخل نہیں اس لئے قرآن مجید سے بھی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ سورتِ انبیاء میں ارشاد فرماتا ہے :۔

واصلحناله زوجہ، یعنی ہم نے زکریا علیہ السلام کی بیوی میں زکریاؑ کے لئے (جننے کی) صلاحیت پیدا کر دی۔ اس آیۂ مبارکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زوجۂ زکریا علیہ السلام کو ان کے مرض عقر کے دُور کئے جانے کے بعد بیٹا ملا۔ اور جو اُن کے لئے رکاوٹ تھی وہ دُور کر دی گئی

اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی خود زکریاؑ کے لئے بھی درست بنائی گئی۔ اگر حضرت زکریاؑ اولاد کے قابل نہ بن گئے ہوتے تو اُن کی بیوی اُن کے لئے کیسے درست بنائی جاتی۔ پس حضرت زکریا علیہ السلام کو قابلِ اولاد بنا کر ہی بیٹا دیا گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے اندر خواہش کی ایک رَو پیدا ہوئی۔ اس نشان سے انہوں نے سمجھ لیا کہ میرے بیٹا ضرور ہوگا۔ اس خوشی کے سبب وہ ایسے جوش و شوق کے ساتھ شکر گذاری کرنے لگے کہ تین دن رات تندرست ہو کر دنیا کی باتوں سے محترز رہے

لفظِ سوی بھی اُن کی تندرستی پر صراحتہً دلالت کرتا ہے

اگر یہ بات صحیح ہے کہ حضرت زکریاؑ کی رکاوٹوں کو دُور کر کے انہیں بیٹا دیا گیا، تو یہ کیوں ضروری نہیں کہ حضرت مریمؑ کی رکاوٹ کو بھی ہٹا کر انہیں بیٹا دیا گیا

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن پاک کے فرمان کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کے لئے کون سی رکاوٹ تھی۔ جب حضرت مریم علیہا السلام کو بیٹے کی خوشخبری دی گئی تو انہوں نے زمانۂ مستقبل میں اپنے ہاں بیٹا ہونے کے لئے صرف یہی رکاوٹ پیش کی ولم یمسسنی بشر یعنے مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا۔ پس اُن کے لئے بشر کے ہاتھ لگانے کی کمی تھی سو خدا تعالےٰ نے انہیں دوسری عورتوں اور مردوں کے لئے نکاح کا نمونہ بنایا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ نکاح کے کرنے اور میاں بیوی کے ملاپ سے حمل کے قرار پانے کے لئے ایک دن بھی کافی سے بڑھ کر ہے۔ پس جس طرح حضرت زکریاؑ کی رکاوٹیں دُور کر کے انہیں بیٹا دیا گیا اُسی طرح مریم علیہا السلام کی لم یمسسنی والی رکاوٹ کو

قدر واضح کیا ہو لیکن پھر بھی لوگ شکوک میں پھنسے ہوئے ہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مِنْ تَحْتِهَا کی جگہ مَنْ تَحْتَهَا پڑھنا چاہیئے۔ یہ قرآن مجید کی عبارت کو بگاڑنا ہے لیکن پھر بھی معنے وہی رہتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کو اُس شخص نے پکارا جو مریم ؑ کے تلے تھا۔ اس فرضی قرأت کے مطابق بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام تھے جنہوں نے پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کو پکارا اور انہیں بے صبری اور اندوہناکی سے روکا۔ معجزہ سے پیدا ہونے والے لڑکے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ پیدا ہوتے ہی پکار سکے۔ وہ تو حمل میں بھی پکار سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے تمہیں نکالتے ہیں اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے ہوتے (نحل)۔ پس حضرت مسیحؑ پیدا ہوتے ہی نہیں بول سکتے تھے

(۷) جب حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آئے اور اُن کی ماں انہیں سوار کر کے لائی تو اس وقت وہ عہد میں بھی نہیں تھے، وہ عاقل و بالغ اور جوان تھے۔ وہ نبی بن چکے تھے۔ وہ تورات کے عالم تھے۔ انجیل اُن پر نازل ہو رہی تھی۔ وہ اکثر جگہ اپنی برکت پھیلاتے آئے تھے۔ اُن پر نماز زکوٰۃ فرض تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ اگر میری ماں بدکار ہوتی، تو خدا تعالیٰ کیوں مجھے خصوصیت کے ساتھ حکم کرتا ہے کہ ایسی ماں سے سلوک کرو، اُس نے مجھے میری ماں کے ساتھ سلوک کرنے والا بنایا ہے۔ پس وہ نبی اور مجھے بدنام کرنے والی نہیں ہو سکتی

یہودی لوگ آنے والے مسیح علیہ السلام اور اُن کی والدہ میں خدائی صفات مانتے تھے اس لئے انہوں نے اس مسیح علیہ السلام کو نہیں مانا اور اُن کو اور اُن کی والدہ کو بُرے لفظوں سے یاد کیا۔ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام میں اُن کی وفات کے بعد خدائی صفات ثابت کرنے لگے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وہ مریمؑ کو بھی اِلٰہ یعنی معبود ہی سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے مسیح علیہ السلام کو اپنی ماں کے ساتھ سلوک کرنے والا بنایا تھا۔ پھر کیا ایسے ماں اور بیٹا اِلٰہین ہو سکتے ہیں؟

عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے اپنی ماں سے مؤدبانہ سلوک نہیں کیا، بلکہ انہیں کہا کہ اے عورت تجھے مجھ سے کیا کام۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو تو ہم نے اپنی ماں کے ساتھ سلوک اور نیکی کرنے والا بنایا تھا۔ بعض ایسی حکمتوں کے باعث اس جگہ ان کی ماں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے ورنہ وہ کسی کے ساتھ بھی جبّار و شقی نہ تھے۔ پس وہ اپنے باپ کے ضرور سعادت مند بیٹے تھے۔ وہ کبھی اپنے باپ کے ساتھ بھی جبّار و شقی نہیں بنے وہ کہتے ہیں کہ جس دن میں پیدا ہوا

نہیں کہ میں اس کے اسباب اور سامانوں کو حکم دیتا ہوں تو وہ بموجب حکم کے کام کرتے ہیں اور وہی نتیجہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ حکم تمام چیزوں پر لگتا ہے۔ کسی شے کی تیاری اس سے باہر نہیں۔ گویا حضرت مریمؑ کو کہا جاتا ہے کہ ہم تیرے نکاح کے لئے خود ہی سامان پیدا کر دیں گے اور وہ شخص آ کر کہے گا کہ میں تجھے بیٹا دینے کے لئے خدا تعالٰے کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور تو امتحان کر کے اس کی صداقت کو پرکھ سکے گی۔ اگر مسیح علیہ السلام خدا تعالٰے کی روحوں میں سے ایک رُوح تھے تو اُن کا باپ بھی روحنا ہی تھا۔ کیوں ایسی فضول باتوں کو کسی کی خدائی یا بے پدر ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے ہو

پھر جب حضرت زکریا علیہ السلام کو کذالک کہا گیا تو اس کے معنے تھے کہ تیری رکاوٹوں کو دُور کر کے تجھے بیٹا ملے گا تو کیا حضرت مریمؑ کے جواب میں اسی کذالک کے لانے سے اُلٹے معنے لئے جاتے ہیں۔ افسوس!

(۶) حضرت مریم علیہا السلام کے پاس ان کے اہل کے گھر میں ایک شخص انسانی صورت والا آتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بحکم خدا میں تجھے بیٹا دینے آیا ہوں۔ پس ضرور ہے کہ اُس نے بیٹا دیا۔ پھر وہ بیٹا جس راستہ سے گیا وہ بھی عام انسانی پیدائش کا راستہ ہی ہے۔ پھر اس کے ساتھ حمل بھی ہو گیا۔ اگر صرف اتنی باتیں ہی صحیح ہیں تو کون دانا ہے جو مسیح علیہ السلام کے باپ میں شک کر سکتا ہے

جب وہ شخص آیا تو مریم علیہا السلام اپنے اہل سے اوٹ کر کے دھوپ میں بیٹھی تھی۔ اہل پاس تھے لیکن حضرت مریمؑ نے دُہائی نہ دی اور شور نہیں مچایا۔ حضرت مریمؑ اُس شخص کو جانتی تھی۔ کہ یہ پرہیزگاری میں مشہور ہے۔ جب حمل کا ظہور ہوا تو اگرچہ لوگوں کے نزدیک معجزہ تھا تو اس بدنام کرنے والے معجزہ کا اثر یہ ہوا کہ مریمؑ کو اپنا علاقہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس شخص کے گھر بار اور کاروبار دوسرے علاقہ میں تھے۔ خدا تعالٰے نے اُسے مریمؑ کی خاطر بھیجا اور اُس کے ذریعہ سے حضرت مریمؑ اور ابن مریمؑ کو امن اور خوشحالی والے علاقہ میں پناہ دی۔ اس شخص کو تو امن حاصل ہی تھا اُس کو بھیج کر خدا تعالٰے ان دو نوخیال اللہوں کو پناہ دینے کا موجب بنا۔

وہ شخص بحکم الٰہی ان دونوں کو پناہ دینے کے لئے اپنے ساتھ لئے آیا تھا۔ سفر لمبا تھا۔ راستہ میں دردِ زہ نے آلیا۔ ایک کھجور کے تنہ کی طرف آئے۔ وہ شخص ایسے وقت میں حضرت مریمؑ کے نچلی طرف سے رو رہا تھا۔ کیا دنیا میں ایک بھی شخص ایسا ہوا ہے جس کی پیدائش کے حال کو اللہ تعالٰے نے اس

کی بحث ہوتی تو بحث کا رنگ اور ہوتا۔ اس بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر مریم علیہا السلام کا نکاح ناجائز ہوتا تو خدا تعالےٰ اس نکاح سے صلاحیت کے کاموں والا ایسا بنی کیوں پیدا ہونے دیتا۔ اس سوال د جواب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بحث حضرت مسیح علیہ السلام کے باپدر اور بے پدر ہونے پر نہ تھی بلکہ نکاح کے حلال یا حرام ہونے پر تھی۔ تو م کہتی تھی کہ تو نے حرام کام کیا ہے، جواب یہ تھا کہ نہیں، بلکہ حلال ہے اور لوگوں کے لئے ایک نمونہ اور حجت بنایا گیا ہے اور عین شریعت کے مطابق ہے

(۸) اگر کوئی عورت کہے کہ میں نے یہ بچہ بغیر خاوند کے حاصل کیا ہے اور کوئی شخص اس عورت کے متعلق کہے کہ یہ عورت بدکار ہے تو اُس شخص پر کوئی الزام نہیں آسکتا۔ اس نے جو کچھ کہا ہے دلیل کے ماتحت کہا ہے۔ اُس کا ایسا کہنا بہتان نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر کسی کنواری اور غیر منکوحہ کو حمل ہو جائے تو اُسے زانیہ کہا جاسکتا ہے۔ اگر یہود کے پاس کوئی ایسی دلیل ہوتی تو اُن کا مریم علیہا السلام کو زانیہ ٹھیرانا کسی صورت سے بھی بہتان نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہود نے مریمؑ پر بڑا بہتان لگایا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت مریمؑ پر یہ دلیلیں قائم نہیں ہوسکتی تھیں کہ اُس نے بغیر خاوند کے بچہ جنایا بے نکاحی کو حمل ہوگیا۔ حاشا وکلّا۔ مریمؑ ایسی تہمتوں سے یقیناً پاک ہے۔ یہود جانتے تھے کہ عاقل، بالغ عورت کا خود نکاح کر لینا جائز اور معقول ہے مگر لوگوں کو جوش دلانے کے لئے اسے زنا ٹھیراتے تھے اور یہی اُن کی طرف سے بہتانِ عظیم تھا

(۹) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا " " کو ذلیل پانی کے نچوڑ یعنی نطفہ سے بنایا۔" اگر یہ آیت اور اس قسم کی اور آیات سچ ہیں تو مسیح علیہ السلام پہلے انسان تھے جو آدم و حوّا علیہما السلام کی مانند مٹی سے آدم و حوّا علیہما السلام دونو مٹی سے اکٹھے تیار ہو رہے تھے، آدمؑ نے پہلے کچھ دیر بعد حضرت حوّاؑ تکمیل پا کر آدمؑ سے الگ کی گئیں اور اگر حضرت مسیحؑ نسلِ تو یقیناً نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں

(۱۰) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے کے بھی جوڑے بنائے۔ خدا تم کو جوڑوں کے ذریعہ سے پھیلاتا آتا ہے

حضرت آدم و حوّا علیہما السلام بھی جوڑے تھے اور آگے بھی جوڑ

تھا، مجھ پر سلام تھا۔ میری پیدائش دخلِ شیطانی سے پاک ہے۔ میں صلیب پر بھی نہیں مروں گا۔
میں ظالموں کی گرفت سے بچایا جاؤں گا۔ میری موت بھی سلامتی والی ہوگی اور خدا کی پیشی کے دن
بھی مجھے تمام تہمتوں سے سلامتی ملے گی۔ آگے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی مسیحائی کی
صرف اتنی ہی حقیقت تھی جو اُن کی زبان سے ظاہر کی گئی ہے

مذکورہ بالا وعظ کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ
ھٰذا صراط مستقیم یعنی بلاشبہ اللہ میرا رب اور تمہارا رب ہے، سو اُسی کی عبادت کرو۔ یہی
صراطِ مستقیم ہے۔ یہ لفظ اُنھوں نے تبلیغِ رسالت کے وقت ہی کہے۔ اُن کی یہ تبلیغ سُنکر لوگ دو
حصوں میں بٹ گئے۔ چند لوگ مومن بنے باقی تمام بنی اسرائیل کافر رہے

حاصل یہ ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام انہیں سوار کرکے لائیں، تو یہ وقت مسیح علیہ السلام کی رسالت
کا تھا۔ اُس وقت آپ ہرگز ہرگز مہد میں نہ تھے۔ اُس وقت آپ نے فرمایا کہ اے یہودیو! میں آنے
والا مسیحؑ ہوں۔ وہ اپنے خیالی آنے والے مسیح علیہ السلام کو خدائی صفات سے متصّف کرتے تھے۔ اسلئے
وہ کہنے لگے کہ یہ تو بچپن میں دوسرے بچوں کی طرح مہد میں کھیلا کرتا تھا، یہ خدائی صفات والا مسیحؑ کیسے
ہوگیا۔ کیا ہم ایسے مسیحؑ کے ساتھ بات کریں جو مہد میں بچوں کی طرح کھیلا کرتا تھا اور اسی لئے سب سے
پہلے حضرت مسیحؑ نے فرمایا انی عبد اللہ یعنی بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھ میں خدا کی کوئی بھی
صفت نہیں ہے

اب تشریحی باتوں سے منہ موڑ کر میں اصل دلیل پیش کرتا ہوں:۔

جب حضرت مریمؑ حضرت عیسےٰؑ کو قوم کی طرف لائیں تو قوم نے کہا کہ اے مریمؑ تو نے ایک
دروغ بر بافتہ کام یعنی سخت بدعت کی ہے۔ یہ بدکاری کا کام ہے اور تیرے ماں باپ ایسا کام نہیں
کرتے تھے۔ تیرا باپ بُرا آدمی نہیں تھا۔ تیری ماں بدکار نہیں تھی۔ تیرے جیسی ماں کے گھر میں جو اپنے
بچہ کو بھی اپنے ساتھ ہی بے عزت کر رہی ہے ہمارا مسیح علیہ السلام نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس بیان سے صاف
معلوم ہوتا ہے کہ قوم کا اعتراض یہ تھا کہ تیرا فعل صحیح نہیں ہے۔ قوم نے یہ کبھی نہیں پوچھا کہ اگر تو نے
بے باپ بچہ جنا ہے تو اس کا کوئی ثبوت دو۔ حضرت مسیحؑ نے جو کچھ جواب دیا ہے اس میں بھی دکھلایا
ہے کہ میری پیدائش صحیح ہے۔ پس جھگڑا یہ تھا کہ یہ فعل زنا ہے یا جائز۔ حرام ہے یا حلال، اور یہ بحث
صرف اسی صورت میں ہی ہو سکتی ہے جبکہ اُن کا باپ ہو۔ اگر مسیحؑ کے باپ والے ہونے یا بِن باپ ہونے

ہی کرتی دکھلائی گئی ہے۔ باوجود اس کے کوئی شخص نہیں کہتا کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور اُخت ہارونؑ کا باپ نہ تھا

کفّارِ قریش میں متبنّے بنانے کا بڑا رواج تھا، وہ اپنے ادعیاء کو اُن کے قبیلے سے خارج کر کے اپنے قبیلے میں ملا لیتے تھے اور ان کی ولدیّت اپنے نام سے ہی بیان کرتے تھے۔ اسی طرح کئی ایک ادعیاء کے باپوں کا پتہ نہیں رہا تھا اور یوں اُن کی حِلّت و حرمت اور وراثت گُم ہو گئی تھی۔ قرآنِ کریم نے اُن کے متعلق آگے کو یہ اصلاح قائم کی کہ آئندہ ان کو اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو اور جن کے باپوں کا تمہیں علم نہیں وہ تمہارے دینی بھائی اور موالی ہیں۔ کسی دعّی کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ وہ جائز یا ناجائز باپ کے بغیر ہی پیدا ہو گیا ہو۔ اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ جوڑے پیدا ہونے کے بعد کوئی شخص بھی بغیر جوڑے کے ملاپ کے نہیں پیدا ہو سکتا

بلاشبہ ادعیاء کو اُن کے باپوں کے نام سے ہی بحکم قرآن پکارنا چاہیئے، لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ان کو ماؤں کی طرف منسوب کرنا منع ہے۔ بلاشبہ آباء میں تغلیباً مائیں بھی شامل ہو سکتی ہیں۔ تغلیبی استعمال کے لئے لازم ہے کہ آباء کے معنوں کو باپوں کے لئے تو ضرور قائم رکھا جائے لیکن ماؤں اور اُن کے ماں باپوں کو ساتھ ہی ملا لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ کیا دعّی اپنی ماں کا بیٹا نہیں ہوتا ؟

اس آیت سے سورج کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آباء کے معنے باپوں کے تو بالضرور ہیں، ہاں مائیں اور اُن کے آباء بھی ساتھ ہی شامل کئے جا سکتے ہیں لیکن باپ کے ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید میں کئی جگہ آباءکم الاوّلین بھی آیا ہے جس کے صاف معنے ہیں کہ اُن آباءھم الآخرین بھی تھے۔ جوڑے کی پیدائش کے بعد کوئی انسان بغیر جوڑے کے اختلاط کے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا

اگر کوئی شخص اِس دُنیا کے تمام مَردوں اور عورتوں کو جو حضرت آدمؑ کے وقت سے لے کر نوعِ انسان کے خاتمہ تک پیدا ہو سکتے ہیں، اپنے خیال میں حاضر کرے اور اُن میں سے ہر ایک مرد و عورت کو پُوچھے کہ کیا تم، مَردوں کی موجودگی کے ہوتے ہوئے، باپ کے بغیر اکیلی ماں سے ہی پیدا ہوئے ہو ؟ تو ہمیں کوئی شخص اِس بات کی جرأت کرنے والا نہیں ملے گا، جو اپنی نسبت ایسی پیدائش کا اقرار کرے۔ اگر اجماع کوئی چیز ہے تو ایسے محسوس اجماع کے مقابلہ میں چند

بلنے کے بعد ہمیشہ جوڑوں سے ہی پیدائش چلی آئی ہے۔ اگر حضرت مریم علیہا السلام کے وقت میں جوڑے تھے تو عیسےٰ علیہ السلام بالضرور جوڑے ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ مخلوقات کے جوڑے دکھلا کر ثابت کرتا ہے کہ میں اکیلا ہی ایسا ہوں جس کا کوئی جوڑا نہیں ہوسکتا۔ لیس کمثلہ شیء ۲۵/۳

سورتِ مائدہ کے اخیر میں اللہ تعالےٰ نے حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں کی الوہیت کی تردید کی ہے۔ اس کے پہلے بطور تمہید کے مریم و عیسےٰ علیہما السلام پر جو انعام ہوئے، بیان کئے ہیں کہ کیا انہی انعاموں کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ تم دونوں اِلٰہ بنائے گئے ہو۔ پھر اس کے پہلے فرمایا کہ جب رسول اس دُنیا سے فوت ہوکر عالمِ آخرت میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ اُن سے پوچھتا ہے کہ تمہاری کیسی قبولیت کی گئی اور تم کیا کرکے مانے گئے۔ اُن میں سے ہر ایک یہی جواب دیتا رہا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں لوگوں کو اپنی بندگی ہی دکھاتے رہے اور اپنا بشر ہونا ہی سکھاتے رہے، لیکن ہمیں اپنی موت کے بعد کا کوئی علم نہیں۔ عالم الغیب اکیلا تو ہی ہے

یہ آیت اس تمہید کے لئے لائی گئی تھی تاکہ دکھلایا جائے کہ مسیح علیہ السلام نے بھی اپنی وفات کے بعد ایسا ہی کہا۔ پھر بیچ میں مریم و عیسےٰ علیہما السلام پر جو انعامات ہوئے، اُن کا بیان کیا گیا ہے تاکہ وہ پچھلے مضمون کے لئے تمہید کا کام دے سکے۔ اخیر میں پوچھا ہے کہ کیا تم نے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود بناؤ؟ یا یہ خود ہی اس گمراہ کرنے والے اجماع میں شرک کی رغبت کے سبب پھنس گئے؟ بہت سے اجماع مشرکانہ عادات سے یا پُرانی کفریہ رسموں کو اپنے میں دوبارہ زندہ کر لینے سے منعقد ہو جاتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پرانی رسم اور قدیم تعامل ہے مگر اس کا انعقاد پُرانی رسموں کو مسلّم رکھنے کے سبب سے ہوجاتا ہے۔ عیسائیوں میں عشائے ربّانی کا تعامل بلکہ اجماع چلا آتا ہے۔ خود انجیل میں بھی اس کا ذکر ہے۔ پھر کیا یہ مسیح علیہ السلام کے کفارہ کی دلیل ہے۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں

حاصل یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کا اس لئے ذکر آتا ہے کہ دونوں کی الوہیت کو توڑ کر رکھ دیا جائے یا کسی حکمت کا اظہار مقصود ہو، تو ماں کے نام کے آنے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُن کا باپ نہیں ہے، سخت نادانی ہے۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے باپ کا کبھی ذکر نہیں آیا، لیکن ماں کا بیان کئی جگہ موجود ہے۔ باپ کا کام ماں

(اور دھوکا) ہے۔ (یہ لوگ کہتے ہیں کہ شاید وہ کوئی اور احمدؐ ہو، جو اسلام کے بجائے احمدیت کی طرف بُلاتا ہو، لیکن یہ احمدؐ جو احمدیت کی طرف نہیں بُلاتا بلکہ اسلام کی طرف بُلاتا ہے اور تمام دینوں کے بجائے ایک دین بناتا ہے۔ ایسا احمدؐ اُن لوگوں پر جو شرک کے خریدار ہیں، شاق گذرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے) اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ کا افتراء کرے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بُلاتا ہے اور اللہ ظالم قوم کو (اُن کے ظلم پر اڑے رہنے کی حالت میں) ہدایت نہیں دیتا۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی قرآن کریم) کو اپنے مُونہوں (کی پھونکوں اور بکواسوں) سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ اپنے اس نور کو مکمل کرنے والا ہے۔ اگرچہ ناقدروان لوگ (جو اس کے مکمل ہونے کے قائل نہیں ہیں) بُرا منائیں۔ وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت (یعنی رہنمائی یا معقول دلائل) اور حق کے معاملہ (یعنی دینِ اسلام جو سچا عملدرآمد ہے) کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس (دین) کا دوسرے تمام دینوں (یعنی دستورالعملوں) پر غالب (واعلیٰ) ہونا عملاً دکھائے اور اگرچہ مشرک بُرا منائیں ۲۸/۹

پہلی آیت سے حضرت مسیحؑ کے متعلق دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:۔

(۱) عیسےٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہونے کا اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں۔ اُن کا تمام دُنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا جانا احمدؐ رسول کی ختم نبوت کے برخلاف ہے۔ اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام بذاتِ خود اس دنیا میں آنے کے لئے موجود رکھے گئے تھے تو اُن کی جگہ احمدؐ رسول کے آنے کی کون سی گنجائش باقی تھی۔ مستحقِ رسالت کے ہوتے ہوئے جس نے زمینی و آسمانی سب تجربات حاصل کر لئے تھے، کسی نئے شخص کو رسول بنانا اور موجود رسول سے جو انعمنا علیہ میں شامل ہے اُس کی تائید میں بھی کام نہ لینا سمجھ سے باہر ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام احمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری دینے کو تو تیار تھے۔ لیکن اگر وہ احمدؐ رسول کے زمانہ میں ہی یہود اور نصاریٰ کے سامنے نازل کئے جاتے، تو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی مدد ملتی۔ اس قدر جنگوں اور مقابلوں کی ضرورت نہ رہتی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام مٹی کے پرندے بنا کر اور پھونک مار کر بحکمِ الٰہی انہیں اُڑا دیتے مادر زاد اندھوں اور کھلبہری والوں کو باذن اللہ شفا بخشتے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے مرے ہوؤں کو باذن اللہ زندہ کر کے دکھا دیتے۔ اس سے دین کو بڑی مدد ملتی۔ تیار مدد کے موجود ہوتے ہوئے اُسے روک دینا اور یہ بہانہ بنانا کہ قیامتِ کبریٰ کے قریب یہ مدد ملے گی، اس وقت اس کی کوئی ضرورت

مذہبی غالیوں کا خیالی اجماع کیا حقیقت رکھ سکتا ہے؟

ان رکوعوں میں تیسری بحث وفاتِ مسیح علیہ السلام کے متعلق ہے۔ پیٹ سے نکل کر بچہ اور جوان ہوکر کہولت کی عمر پانے والا مسیح ع شیخوخت کی عمر پانے سے پہلے یقیناً فوت ہو چکا ہے۔ وہ اس دنیا کا مادی کھانا کھاتا اور آسمان پر نہیں بلکہ بازاروں میں چلتا تھا۔ وہ ایسا جسد نہیں تھا، جو دوسرے لوگوں کی طرح مادی کھانا نہ کھاتا ہو۔ ایسے کھانے کے نتائج اس کے ساتھ لگے ہوئے تھے وہ اپنی موت تک غریبوں کو زکوٰۃ دیتا تھا۔ وہ فوت ہوکر خدا تعالےٰ کے حضور پہنچ چکا۔ اس سے سوال وجواب بھی ہو چکے۔ اُس نے کہا کہ جب تک میں ان لوگوں میں تھا، میں نے اپنی بندگی کا ہی اظہار کیا، میرے بعد، اے خدا! تو ہی اُن کے حال کو جانتا ہے۔ مجھے بعد کے حالات کا کچھ علم نہیں۔ وغیرہ وغیرہ

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ:-

جب عیسےٰ ابنِ مریم ع نے کہا اے بنی اسرائیل بلاشبہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اس حال میں کہ میں اُس کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے (یعنی میرے دنیا میں ہونے سے پہلے) تورات تھی اور (میں تمہاری طرف رسول ہوں) اس حال میں بھی کہ میں ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں، جو میرے بعد (یعنی میرے دُنیا میں ہونے کے بعد یا یوں کہو کہ میرے مرنے کے بعد) آئے گا، جس کا نام احمدؐ ہے (بعض رسولوں کے دو دو یا زیادہ نام تھے جیسے یعقوبؑ و اسرائیل، اور عیسیٰ و مسیح و ابنِ مریم ع اور یونس و ذوالنون ع۔ اسی طرح رسولِ کریم کا نام بھی محمدؐ اور احمدؐ تھا۔ اسی نام کو مدِّ نظر رکھ کر لوگ اپنے نام احمد اور احمد اللہ و غلام احمد رکھتے تھے۔ سو احمد نام والے تو احمد رسول کے پیرو ہیں، لیکن افسوس ہے کہ غلام احمد صاحب کو ادّعائی غلامی سے نکال کر خود احمد رسول بنا کر حضرت عیسےٰ ع کی اس پیشگوئی کا مصداق ٹھہرا کر پیش کیا گیا ہے۔ افسوس! جس طرح ذوالنون ع ایک وصفی نام ہے، اسی طرح احمدؐ بھی ایک وصفی نام ہے۔ احمد کے معنے ہیں اللہ تعالےٰ کی بہت حمد کرنے والا۔ احمد رسول کے ذریعہ سے جو قرآن مجید آیا ہے اس میں اللہ تعالےٰ کی طرف ہی بُلایا گیا ہے (اُدْعُوا اِلَی اللّٰہِ) خدا تعالےٰ کی حمد اس قرآن میں سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ قرآن اسلام کی طرف بُلاتا ہے (اسلام کے بجائے کسی احمدیت اور بہائیت کی طرف نہیں بُلاتا۔ سو جب وہ (احمدؐ) اُن کے پاس کھُلے دلائل (یعنی قرآن کو) لے کر آیا تو اُنہوں نے کہا کہ یہ صریح جادو

ہے۔ اس کے معنے بَیْنَ یَدَیَّ کے قرینہ سے صاف یہ ہیں کہ میری موت کے بعد۔ پس احمدؐ رسول کی تشریف آوری مسیحؑ کی موت کے واقع ہونے کے بعد ہوئی ہے

حضرت مسیح علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اس پیشگوئی سے پہلے یہ کبھی نہیں کہا تھا، کہ میں ہزاروں سالوں تک زندہ رہوں گا اور اپنی غیر حاضری میں احمد رسول کو حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح اپنا خلیفہ بنا کر بھیجوں گا اور آخر کار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح خود آکر اپنی حکومت کو سنبھالوں گا۔ اگر یہ صحیح نہیں ہے تو بنی اسرائیل نے مِنْ بَعْدِی کے معنے کیا یہ سمجھے تھے کہ مسیحؑ کے آسمان پر جانے کے بعد؟ ہرگز نہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو خبردار کر کے اور اپنے پیچھے اصلاح کی تاکیدیں کر کے پہاڑ پر گئے تھے اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن تک واپس آ گئے۔ پس اُن کے مِنْ بَعْدِہٖ کی حقیقت ظاہر ہے، لیکن احمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چھ سو سال بعد ہوئی۔ تو کیا ایسے لمبے عرصہ کا خیال کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے من بعدی کے سوائے اپنی موت کے کچھ اور معنے لئے ہونگے؟

قرآن مجید میں آیا ہے۔ انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسیٰ ۲۶/۴ کیا یہاں من بعد موسیٰ کے معنے موسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد نہیں ہیں؟ پھر فرمایا۔ الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ ۲/۱ ۔ اس میں بھی من بعد موسیٰ کے معنے ہیں موسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد۔ پھر ارشاد کیا۔ ما تعبدون من بعدی ۱/۱ ۔ یہاں بھی من بعدی کے معنے ہیں، یعقوب علیہ السلام کی موت کے بعد۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیا چھ سو سال کا لمبا زمانہ بنی اسرائیل کے لئے یا اُس زمانہ کے دوسرے لوگوں کے لئے قرینہ نہ تھا کہ من بعدی کے معنے موت کے سوائے اور کچھ نہیں ہیں؟

اس سورت میں جنگِ اُحد کا ذکر ہے۔ اس جنگ میں جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت مشہور ہوئی تو کئی لوگ چاہتے تھے کہ اسلام سے پھر جائیں۔ گویا اُن کے نزدیک اسلام کا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی خاص تعلق تھا۔ تمام رسول اللہ کی طرف بلاتے اور لوگوں کو ربّانی بناتے ہیں۔ وہ کسی کو اپنے غلام نہیں بناتے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ تُو کہہ دے کہ میں تم سے تبلیغِ قرآن پر اپنے لئے کوئی اجر نہیں مانگتا مگر جو اپنی رغبت

نہیں، سرتاپا فضول ہے۔ جس شخص کے ہاتھ پر مُردے زندہ ہو سکتے ہیں، اُسے دوسرے عالم کے حالات کا اور اس سچی شریعت کا جس کے رُو سے لوگ وہاں جنّت و جہنّم میں جاتے ہیں پُورا پتہ لگ سکتا ہے۔ اگر ایسا شخص موجود ہے اور وہ دُنیا میں بھی آسکتا ہے اور یہ سب گواہیاں لے سکتا ہے، بلکہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ بحکمِ الٰہی مُردے زندہ کرکے بھی دکھلادے اور اس مادی زندگی میں ہوتے ہوئے اُس پر وعظ ونصیحت کا کرنا بھی لازم ہے۔ تو ایسا شخص اکیلا ہی دُنیا کے لئے کافی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بشروں والی عمر پاکر مر ہی جانا تھا لیکن وہ اس وقت بھی دُنیا میں موجود ہوتا۔ ایسے شخص کو مادی جسد کے ساتھ موجود ماننے کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں:-

اوّل یہ کہ اس کے ذریعہ سے دنیا کو ایمان لانے پر مجبور کردیا جائے، جو کبھی واقع نہیں ہوا۔ ایسے شخص کی نوبت صلیب تک نہ پہنچتی۔ اگر یہ بات اللہ تعالےٰ کی حکمت کے مطابق ہوتی تو اللہ تعالےٰ تمام لوگوں کو جبراً ہدایت پر اکٹھا کرسکتا تھا۔ پس اے مخاطب! لا تکونن من الجاھلین ۶ؔ

یا دوسرا نتیجہ ونقلب افئدتھم وابصارھم کمالم یؤمنوا بہ اوّل مرہ ونذرھم فی طغیانھم یعمھون ۶ؔ کے قاعدہ کے مطابق یہ نکلیگا کہ اللہ تعالےٰ لوگوں کے دلوں اور نگاہوں کو بدل دے اور اُن کے دلوں کو سخت کردے تاکہ انہیں وہ خوارق کوئی کام نہ دیں اور جس طرح وہ پہلے اس قرآن پر خوارق کے دیکھنے کے بغیر محض قلبی انصاف اور دلی ہدایت سے ایمان نہیں لائے اور اپنے طغیان میں ہی اڑے رہے، اسی طرح ان خوارق کو دکھلانے کے بعد انہیں ناکارہ بنادے اور جس مقصود کے لئے لوگ انہیں ضروری قرار دیتے ہیں، اُس کا لغو ہونا دکھلادے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کا کوئی کام لغو نہیں ہو سکتا۔ لوگ جس ایمان و تصدیق کی خاطر خوارق کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں، وہ خدا کے نزدیک ایمان و تصدیق ہے ہی نہیں۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک سچا ایمان وہ ہے جو دلی انصاف اور مخلصانہ فہم سے مصائب اور شبہات کا مقابلہ کرکے سچے اللہ کی جانب کو ترجیح دے کر لایا جائے۔ ایسے ایمان کے لئے خوارق کی کیسے ضرورت ہو سکتی ہے

(۲) آیت میں بَیْنَ یَدَیَّ فرمایا ہے، جس کے معنے ہیں۔ مجھ سے پہلے۔ اس کے معنے بلا اختلاف ہر شخص سمجھتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے۔ اس کے مقابلہ میں مِنۢ بَعْدِیْ کا لفظ آیا

بنادیوے. ہرگز ہرگز نہیں

یہ فضول دلیل نصاریٰ نے مسیح ؑ کو خدا کا بیٹا بنانے کے لئے گھڑی ہے۔ خدا تعالےٰ میں جو محبت ہے وہ حکیمانہ ہے۔ خدا تعالےٰ کامل مطلق ہے۔ خدا تعالےٰ کو ہمیشہ سے اپنی کامل ذات کے ساتھ محبت ہے۔ اس کے لئے خدا تعالےٰ میں دو یا تین اقنوم شخصیتیں ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خدا تعالےٰ ہمیشہ سے اپنی ذات میں ہی مکمل طور پر خوش ہے۔ قادرِ مطلق خدا کے ساتھ ہر شئے کا امکان ہمیشہ سے ہے۔ اُس کو وجود خارجی دینا یا نہ دینا اُس کا اختیاری امر ہے۔ وہ سنکھیا عالم پیدا کرے پھر بھی اُس کے لئے سنکھ در سنکھ عالم پیدا کرنے کا امکان اُسی طرح سے باقی رہتا ہے، جس طرح ہمیشہ سے وہ امکان موجود ہے۔ کامل مطلق خدا خواہ کتنا بھی امکان کو خارج میں ظاہر کردے لیکن اس کے لئے یہ محال ہے کہ پھر اُس میں ہمیشہ کے لئے امکان کو علی الاطلاق خارج میں ظاہر کرنے کی قدرت نہ رہے۔ اس میں قدرت علی الاطلاق ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ پس اس کے لئے علی الاطلاق قدرت کے ساتھ علی الاطلاق امکان کا ثبوت ہمیشہ ہی رہتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب اللہ تعالےٰ امکان کو خارجی وجود کی تحریک دے اور اس میں خاص قسم کی طلب و ضرورت پیدا کرے تو اُس طلب و ضرورت کے لائق سامان بھی مہیا کردے۔ بچوں کی پرورش اور ہمدردی کے لئے مہرِ مادری بھی پیدا کرے۔ اسی طرح تمام ضروریات کے مطابق سامان بھی بنادے بدوں کے لئے اصلاح کے سامان اور مریضوں کے لئے دوائیں، اور بھوکوں کے لئے خوراک وغیرہ سب کچھ تیار کردے۔ نیکوں کے لئے آئندہ ترقی کے بھی سامان دے۔ اس کی حکمت عین رحمت ہے۔ اس کی سزائیں عین اصلاح ہیں۔ جہنم بھی ایک ہسپتال ہے۔ اس ہسپتال میں چیرنا پھاڑنا کسی کینہ کی بناء پر نہیں کیا جاتا۔ وہ خدا تعالےٰ کی حکیمانہ رحمت و محبت ہی کا ظہور ہے

خدا تعالےٰ تمام کائنات کو ارتقائی مراتب پر پہنچاتا ہے لیکن اس میں بھی کسی کی خاص رعایت نہیں کی جاتی بلکہ وہ ہر ایک مخلوق کو اُس کی ابتدائی حالت سے اُسی طرح بلند کرتا ہے جس طرح اُن کی موجودہ حالت کے لائق ہو۔ خدا تعالےٰ ہمارے لئے ابتدائی سامانوں کو بناتا ہے تاکہ ہم اُن کے ذریعہ سے آگے کو ترقی کریں۔ سورج ہمارے لئے اللہ تعالےٰ کا ایک انعام ہے۔ وہ اس کے ذریعہ سے ہمیں روشنی اور حرارت پہنچاتا ہے اور زندگی بخشتا ہے۔ ہم سورج کو صرف ایک واسطہ سمجھتے ہیں اُسے اصل منعم ہرگز نہیں جانتے۔ اس میں خود سورج کا خود اپنا کوئی اختیار اور مرضی شامل نہیں ہے۔

سے چاہے وہ اللہ تعا کی طرف چل پڑے
کسی رسول کے وقت اگر کوئی شخص اللہ تعالےٰ کی توحید کا قائل ہو اور خالص اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتا ہو اور محبت سے خدا تعالےٰ کا ذکر کرتا ہو تو وہ رسول اُس شخص کو خوشخبری دے گا، اور اُسکی تحسین کرے گا، لیکن یہ کبھی نہیں کہیگا کہ اب تو میں خدا تعالےٰ کا ایک معشوق بن کر آیا ہوں۔ خدا اِس مرضِ عشق میں مبتلا ہو کر اپنی توحید کو بھی بھول گیا ہے۔ اب تمہارا ایمان باللہ اور تمہاری خدا سے محبت (وہ محبت جو خاص اللہ تعالےٰ سے ہی کرنی چاہیئے، جس میں اُس کے ساتھ کسی رسول کو بھی شریک نہ بنانا چاہیئے یحبونھم کحب اللہ) میرے بغیر کوئی چیز قابلِ قبول نہیں رہی اور ظاہر ہے کہ عاشق اپنے معشوق کی رضا کو ہر چند کہ وہ غلط ہو، اپنی سچی رضا پر بھی مقدم رکھتا ہے اور اسی لئے خدا تعالےٰ مجھ کو کہتا ہے ؎

نئے انداز سے ہم عشق کا اظہار کرتے ہیں
جو تم کو پیار کرتا ہے، ہم اُسکو پیار کرتے ہیں

معاذ اللہ۔ پناہ بخدا۔

یہود کہتے تھے کہ ہم خدا تعالےٰ کے بیٹے اور حبیب ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کی تردید کرتا ہے اور اپنے رسولؐ کو فرماتا ہے کہ تو اُنہیں کہہ دے کہ اگر تم خدا تعالےٰ کے بیٹے یا حبیب ہوتے تو وہ تمہارے ذنوب کے سبب کیوں عذاب کرتا؟ نہیں، نہیں۔ بلکہ تم خدا کی مخلوقات میں سے ایک بشر ہو

کوئی بشر خدا تعالےٰ کا یار باش اور ایسا حبیب نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالےٰ اُس کی رضا کو اپنی مرضی پر مقدم یا مساوی ٹھہرائے۔ خدا تعالےٰ جسے چاہتا ہے، اپنی حکیمانہ مرضی سے پناہ دیتا ہے اور کوئی شخص خدا تعا کے سامنے کسی کو پناہ نہیں دے سکتا

نصاریٰ کہتے ہیں کہ جس طرح ماں کے اندر اپنی اولاد کے لئے طبعی محبت ہوتی ہے، اُسی طرح اللہ تعالےٰ کے اندر بھی طبعی محبت ہے۔ یہ محبت اپنے محبوب کے بغیر محب کو چین نہیں لینے دیتی۔ پس یہ محبت اگر خدا تعالےٰ کا محبوب موجود نہ ہوتا تو خدا تعالےٰ کو بھی ہمیشہ بے چین رکھتی۔ نصاریٰ اس طرز دلیل سے ثابت کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کا محبوب بھی ہمیشہ اُس کے ساتھ موجود ہے۔ نصاریٰ کے نزدیک خدا کا وہ محبوب یسوع مسیح علیہ السلام ہیں۔ خدا تعالےٰ میں طبعی محبت جو اُسے بے چین

اس بات میں شک ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت ہو گئے تھے۔ یا صرف بے ہوشی کی حالت میں ہی اُتارے گئے۔ اُن کو قتل کر دینے کا دعویٰ یہود کی طرف سے یقیناً غلط تھا۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے مسیح ؑ کو ہرگز قتل نہیں کیا اور اُسے صلیبی موت کے ساتھ مار کر بھی مصلوب نہیں بنایا۔ ہاں وہ اُن کے لئے مصلوب کی مانند بنایا گیا یعنی انہوں نے خیال کیا کہ وہ صلیب پر مر چکا ہے۔ خود اُن میں بھی اختلاف تھا۔ اُن کی طرف سے یہ صرف ظن کی پیروی ہی تھی اُن کو اور اُن کے باپ دادوں کو اس کا کوئی علم نہیں۔ یہ صلیبی موت تو اُن کے نزدیک شکی ہے اور یہ جو انہوں نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینے کے لئے کہا۔ کہ ہم نے اُسے یقیناً قتل کر دیا، سو یہ بالکل جھوٹ ہے۔ انہوں نے اُسے یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالےٰ نے حواریوں کے ذریعہ سے اُس کو اُس جگہ سے اُٹھوا منگایا جہاں اُس کا علاج کرنا مقصود تھا اور اللہ جو کچھ چاہتا ہے اُسے اسی طرح پورا کر دیتا ہے اس لئے کہ اللہ عزیز و حکیم ہے

پس اُن کا یہ دعویٰ کہ ہم نے مسیح علیہ السلام کو یقیناً قتل کر دیا ہے یقیناً باطل ہے۔ انہوں نے مسیح علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا اور ان جھوٹا دعوے کرنے والے اہلِ کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہو سکتا جو اپنی موت سے پہلے اس بات کو نہ مانے اور لوگوں کے سامنے اس کا اقرار نہ کرے کہ ہم نے کسی طرح سے بھی مسیح علیہ السلام کے قتل کو یقینی نہیں بنایا۔ اور قیامت کے دن جب یہ لوگ اپنی موت کے بعد اللہ تعالےٰ کے آگے پیش ہوں گے تو اللہ تعالےٰ یا اُس کا بندہ مسیح علیہ السلام ان لوگوں کے برخلاف گواہی دیتا ہے کہ تم نے جھوٹی بات کو کہاں تک بڑھایا ہے اور نادانوں کی آنکھوں میں خاکستر ڈال دی ہے (سورۃ نساء)

آخری آیت میں بہٖ کی واحد مذکر غائب ضمیر کا مرجع عدمِ قتل یقینی ہے جو ما قتلوہ یقیناً میں مذکور ہے۔ یہ ضمیر حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف ہرگز نہیں پھر سکتی۔ کیا دُنیا میں جو اہلِ کتاب ہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے۔ سب نے اس ایمان کی اصلاح کر لی تھی جو مسیح علیہ السلام کے متعلق اُس وقت اُن میں موجود تھا۔ اس آیت میں جن اہلِ کتاب کا ذکر ہے۔ ان میں رسولِ کریم ؐ کے زمانہ کے اہلِ کتاب کا شامل و داخل ہونا ضروری ہے لیکن کسی آئندہ زمانہ کے اہلِ کتاب کا شامل ہونا کچھ ضروری نہیں

یہی حال وحی الٰہی کے پہنچانے کا بھی ہے۔ وحی الٰہی سب کے لئے ہوتا ہے۔ اس میں کسی مخلوق کا اپنا کوئی اختیاری دخل نہیں ہوتا

نصاریٰ بندہ مسیح عؑ کو خدا بنانے کے لئے ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام ہمارے لئے بے گناہ اور معصوم و بے غلط ہو کر ایک دائمی نمونہ ہے حالانکہ خود مسیح علیہ السلام کہتے ہیں کہ تُو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ نیک تو کوئی نہیں مگر صرف ایک خدا

انجیل میں مسیح علیہ السلام کی بہت سی لغزشوں کا ذکر ہے اور قرآن مجید بھی فرماتا ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نبی اور رسول نہیں بھیجا مگر جب وہ کوئی تمنّا کرتا تھا تو شیطان اُس کی تمنّا میں کچھ ملا دیتا تھا۔ بے غلط ہونا صرف خدا تعالےٰ ہی کی صفت ہے۔ اس خدا نے ہمارے لئے قرآن مجید بھیجا ہے۔ اس قرآن میں ہماری ہر حالت کے مطابق ترقی کے سامان تعلیم کئے گئے ہیں۔ پس ہمارا امام قرآن مجید ہونا چاہیئے تاکہ ہم اسکے ماتحت ہو کر ہمیشہ کے لئے ترقی حاصل کر سکیں

حاصل یہ ہے کہ جنگِ اُحد کے حادثے کے وقت جب لوگوں نے اسلام سے پھرنے کا ارادہ کیا، تو اللہ تعالےٰ انہیں تلقین کرتا ہے کہ محمدؐ کیا ہے؟ صرف ایک رسول ہے۔ تمام دوسرے رسول اس سے پہلے گذر چکے ہیں (کیا یہ بچ رہے گا؟ ہرگز نہیں) سو اگر یہ (ہمارے قرآن کو پہنچا کر) طبعی یا غیر طبعی موت سے مرجائے تو کیا تم (اسلام سے مرتد ہو جاؤ گے؟ اور) اپنی ایڑیوں پر لَوٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں پر مُڑ جائے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور قریب ہے کہ اللہ (الٰہی دین) اسلام کے قدر دانوں کو جزا دیگا۔ آلِ عمران

اس آیت میں الرسل پہ ال بطور استغراق آیا ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ثابت کرنے کے لئے ان کو الگ کیا گیا ہے۔ اگر الرسل بطور استغراق کے نہ ہوتا تو نتیجہ یہ نکالا جاتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ رہنے والے ہیں، لیکن یہ نتیجہ قطعاً غلط ہوتا۔ پس مسیح علیہ السلام الرسل میں داخل ہیں اور فوت ہو چکے ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے الہامی تعلیم لانے والے رسول ختم ہو چکے ہیں اب جو کچھ ہے وہ اس تعلیم پر چل کر مراتب و مدارج حاصل کرنا ہے

پھر یہودیوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہ جھوٹا دعویٰ کیا تھا کہ ہم نے مسیح عؑ کو یقیناً قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ یقیناً غلط ہے۔ کوئی یہودی یا عیسائی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اُن کو

کہ اللہ جو ہے وہی مریم ؑ کا بیٹا مسیح (علیہ السلام) ہے۔ تو (ان لوگوں کو) کہہ دے (کہ اگر بات یوں ہے) تو اللہ کے سامنے کون اختیار رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ مسیح ؑ کو اور اُس کی ماں کو اور جو زمین میں ہیں (جو مریم ؑ کے پیٹ سے پیدا کئے گئے مسیح علیہ السلام پر بھروسہ رکھتے ہیں) سب کو جہنمی بنا دے (یا اُن کی رُوحوں اور جسموں کو نابود کر کے امکان محض میں لے جائے) اور (پھر بھی) اللہ کے لئے آسمانوں اور زمین اور جو اُن کے درمیان وسائط ہیں سب کی بادشاہی ہے۔ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے

اللہ تعالےٰ بلاشبہ ایسا کرسکتا ہے۔ ہاں اُس کا فضل اور رحمت ہی مخلوقات کی محافظ ہے۔ نبیوں کو خدا اور خدا کے معشوق بنانے والو! ذرا ایسی آیات کی طرف تو غور فرماؤ۔ یا کیا قرآنِ کریم میں کہیں اختلاف بھی ہوسکتا ہے؟

یہ سُورت اسلام کے اعلیٰ اقبال کے وقت نازل ہوئی ہے اس میں مسیح ؑ کے آج تک زندہ ہونے پر کوئی دلالت نہیں ہے

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ زخرف میں فرماتا ہے:۔

اور جب ابنِ مریم ؑ کا بطور مثال کے ذکر کیا جاتا ہے تو جب تو تیری قوم (یعنی قریش) اس کو سُن کر تالیاں بجاتی ہے (مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص مسیح علیہ السلام کا ذکر کرتا ہے۔ تو قریش مسیح علیہ السلام کو اپنے شرکوں کے ثبوت میں پیش کرتے تھے اور خوش ہو کر اور تالیاں بجا کر کہتے تھے کہ جب مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے تو ہمارے فرشتے جن کی مداخلت سے مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں اور جو ہر وقت آسمان پر چلے جاتے اور اُتر آتے ہیں اور جن کے متعلق تمام جہان کا انتظام ہے وہ مسیح علیہ السلام سے ضرور بڑھ کر ہیں۔ اُن کو بنات اللہ کہنا کیوں بُرا ہے) اور وہ (یوں) کہتے ہیں کہ کیا ہمارے معبود (یعنی فرشتے) بہتر ہیں یا وہ مسیح ؑ۔ (قریش کو چاہیئے تھا۔ کہ یہ اعتراض نصاریٰ کے آگے پیش کرتے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جو اِن باتوں کے قائل ہی نہیں ہیں، ایسے اعتراضوں کو پیش کرنا محض ایک مجادلہ ہے) یہ لوگ اس بات کو تیرے آگے بطور مجادلہ کے پیش کرتے ہیں، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ (قرآنِ کریم کے نزدیک تو مسیح علیہ السلام کی یہ حقیقت ہے کہ) نہیں وہ، مگر ایک بندہ ہے۔ جس پر ہم نے انعام کیا تھا اور اُسے (منتصب) بنی اسرائیل کے لئے (نرمی کا) ایک نمونہ بنایا تھا۔ اور (تم جو فرشتوں کو مسیح علیہ السلام سے اعلیٰ اور خیر بناتے ہو۔ تو یہ بھی

جمعہ کے دن کی آخری گھڑیوں میں مسیح علیہ السلام کا صلیب کے ساتھ جکڑا جانا اُن کے قتل کو یقینی نہیں بنا سکتا۔ مسیح علیہ السلام کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں اور نہ اُن کے ہاتھ پاؤں ہی کاٹے گئے۔ ظالم لوگ صلیبی موت کو یقینی بنانے کے لئے ساتھ ہی لوگوں کی ٹانگیں اور پاؤں بھی منقطع کر دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ سورۃ اعراف اور سورۃ الشعراء میں فرعون اپنے بلائے ہوئے اُن جادوگروں کو کہتا ہے جو رب العالمین پر ایمان لائے تھے بلاشبہ رب العالمین وہی ہے جو موسیٰؑ و ہارونؑ کا بھی رب تھا، ہے اور ہوگا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورت صافات میں فرمایا۔ انی ذاھب الی ربی یعنی بالتحقیق میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اُس وقت شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ آپ آسمان کی طرف نہیں گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں ہجرت کرنا بھی اللہ تعالےٰ کی طرف ہی جانا ہوتا ہے۔ اس ہجرت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسے مقام کی طرف جاؤ جہاں اللہ تعالےٰ بندہ کو اپنی رحمتوں میں لے لے اور رحمتوں کے ساتھ اُسے ملے۔ سورۃ عنکبوت میں بھی ہے انی مھاجر الی ربی۔ اس کا بھی وہی مطلب ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ہر شے اور ہر جگہ کے ساتھ یکساں تعلق ہے خدا تعالےٰ کی طرف جانے کے معنے ہیں، ایسی زمین کی طرف جانا جہاں خدا تعالےٰ اپنے بندہ کو اپنی رحمتوں کے ساتھ ملے اور اُسے دشمنوں کے ہاتھ سے بچا دے۔ اللہ تعالےٰ کی طرف جانے کے معنے آسمان کی طرف جانے کے لینا قطعاً غلط ہے

حضرت مسیح علیہ السلام جب صلیب سے اُتارے گئے تو وہ بالکل بے ہوش تھے وہ اپنے پاؤں پر چل کر اللہ تعالےٰ کی طرف ہجرت نہیں کر سکتے تھے۔ حواری انہیں اٹھا کر اُس جگہ کی طرف لے گئے جہاں اللہ تعالےٰ نے اپنے الہام سے انہیں دوبارہ تندرست کر دیا اور پھر اُنہیں غلبہ بخشا

پھر سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:۔ وسیحلفون باللہ لو استطعنا لخرجنا معکم یھلکون انفسھم۔ واللہ یعلم انھم لکاذبون۔ یعنی اور یہ لوگ ابھی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم تمہارے ساتھ نکلتے۔ یہ لوگ اپنی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں (یعنی اپنے آپ کو جہنمی بنا رہے ہیں) اور اللہ جانتا ہے کہ بلاشبہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اس قسم کی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلاک کے معنی جہنمی بنانے کے بھی ہیں

اسی طرح اللہ تعالےٰ سورۃ مائدہ میں فرماتا ہے:۔ کہ بالتحقیق وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا

صرف آدمی ہی بھیجے تھے، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ سو تم یاد والوں سے پوچھ لو۔ اگر تمہیں خود علم نہیں۔ اور ہم نے اُن کو (یعنی رسولوں کو جو تجھ سے پہلے تھے) ایسے نہیں بنایا تھا جو کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہیں تھے وہ خالد (یعنی وہ مدتوں تک اپنے مادی جسم کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے) پھر ہم نے اُن کے ساتھ اپنے وعدہ کو سچا کیا۔ سو ہم نے اُن کو اور جس کو ہم چاہتے تھے، نجات دی اور حد سے نکلنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا

اِن آیات سے معجزوں کی حقیقت بھی کھُل سکتی ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ مسیح ع رسولِ کریمؐ سے پہلے فوت ہو چکے تھے

اِن رکوعوں میں چوتھی قابلِ بحث بات معجزات مسیح علیہ السلام ہیں۔ قوانینِ قدرت الٰہی سنتیں ہیں اور الٰہی سنتوں کے لئے کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ کوئی شخص اگر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے تاکہ وہ اُس کے منہ میں پہنچ جائے، تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ ہر کام اپنے مناسب رستوں میں سے ہی ہو سکتا ہے، ایسے خوارق جن سے قوانینِ قدرت کا توڑنا لازم آئے یا سُننِ الٰہی بدل جائیں، کبھی واقع نہیں ہو سکتے۔ اگر تمام اثرات اور اوزان اور مقادیر خاص حالات میں خاص طرح پر کام نہیں دیں گے تو اس سے تمام علوم زیر و زبر ہو جائیں گے اور کوئی بات ثابت نہ ہو سکے گی اور نہ کوئی سوال ہی حل کیا جا سکیگا

صلیب کے وقت تک حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی نہایت ہی کمزور اور قابلِ رحم تھی۔ مذہب داروں نے مسیح ع کی اُس کمزور زندگی کو بڑے بڑے معجزات سے بھرپور کر دیا ہے۔ جن کا اثر نہ قبل صلیب زمانہ میں ہی کوئی ہؤا اور نہ عملاً اُن کا کوئی معجزہ آج تک بھی چلا آیا

اللہ تعالےٰ نے سورۂ مائدہ کے اخیر میں حضرت مریم و عیسےٰ علیہما السلام پر جو انعام کئے تھے، اُن میں یہ انعام کبھی نہیں جتایا گیا کہ تو آسمان پر چڑھ جائے گا۔ مدتوں تک زندہ رہے گا۔ زمین میں پھر واپس آئے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ اُن میں کا آخری انعام یہ بتایا ہے کہ حواری بھی تجھ پر ایمان نہیں لاسکے، جب تک میں نے اُن کے دل میں تجھ پر ایمان لانے کی وحی نہیں کی۔ حواریوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک نشان مانگا اور کہا کہ کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے کہ آسمان سے ہم پر ایک دسترخوان اُتارے۔ حواریوں کے اس سوال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے پہلے مسیح علیہ السلام کے کوئی خوارق نہیں دیکھے تھے۔ اگر وہ دیکھتے کہ مٹی میں مسیح ع کی پھونک سے باذنِ الٰہی جان پڑ سکتی

غلط ہے۔ آدمی کی جگہ اس زمین میں فرشتے خلیفے نہیں بنے۔ (اُن میں آدم علیہ السلام والا علم نہیں ہے) اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ فرشتوں کو زمین میں خلیفہ کرتے (لیکن ہم نے انسان کو خلیفہ بنایا ہے۔ انسان کی خلافت سے اس بات کا علم پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے خلیفہ بنانے والے کے آگے جواب دینا پڑے گا کہ ہم نے اچھی یا بُری خلافت کی۔ اس لئے ارشاد ہے) اور بالتحقیق یہ (تمہارا خلیفہ بنانا) پیشی کے لئے ایک دلیل ہے۔ پس تم قیامت میں شک نہ کرو اور میری (یعنی خدا کی) پیروی کرو۔ یہی سیدھا رستہ ہے اور تم کو شیطان نہ روکے بلا شبہ وہ تمہارے لئے صریح دشمن ہے۔ (مسیح ؑ جب آیا تھا تو اُس نے بھی اصل توحید ہی سکھائی تھی اور حکمت و دانائی کے برخلاف اُس نے اپنی نسبت کوئی دعوےٰ نہیں کیا تھا، جیسا کہ قرآن فرماتا ہے) اور جب عیسیٰ ؑ کھلے بیانات لے کر آیا اور اُس نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت (و دانائی) لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں، تاکہ تمہارے لئے بعض اُن باتوں کو بیان کر دوں، جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ پس اللہ سے ڈرو اور (اِن حکموں میں) میرا کہا مانو۔ بلاشبہ اللہ جو ہے تو وہی میرا رب اور تمہارا رب ہے سو اُسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا رستہ ہے

اِن آیات میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی خارق عادت حیات کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے

پھر سورۂ انبیاء میں فرمایا ہے کہ

" اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے خلد نہیں بنایا۔ پھر کیا اگر تُو (اے پیغمبرؐ) مر جائیگا تو کیا یہ خلد رہیں گے؟ (ہرگز نہیں) ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے اور ہم تمہاری بدی اور نیکی کے ساتھ اُس طرح پر آزمائش کرتے ہیں، جو آزمائش کا حق ہے اور ہماری طرف ہی تم رجوع کرتے ہو"

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح رسولِ کریمؐ فوت ہو گئے اُسی طرح رسولِ کریمؐ سے پہلے بھی کوئی بشر موت سے نہیں بچا

پھر سُورت انبیاء کے شروع میں ہی فرمایا ہے کہ:-

بس چاہیئے کہ یہ (رسول) ہمارے پاس کوئی نشان لائے، جس طرح پہلے لوگ بھیجے گئے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) ہم نے ان سے پہلے جن بستیوں کو ہلاک کیا وہ تو ایمان نہیں لائے۔ پھر کیا یہ ایمان لائیں گے (کبھی کوئی ایسا نشان نہیں آیا جو آدمی کو ایمان لانے پر مجبور کر دے) اور ہم نے تیرے پہلے

سے کبھی کسی کو نہیں دیا گیا

جب حواریوں نے کہا کہ کیا تیرا رب ہم پر آسمان سے چُنا چُنایا دستر خوان اُتار سکتا ہے تو اس کے یہ معنے نہ تھے کہ وہ بارش کر کے ہم پر آسمان سے روزی اُتار سکتا ہے۔ اس کو تو ہر شخص جانتا ہے۔ پھر کیا حواری ہی اس کے منکر تھے۔ حواریوں نے یہ ایک خارقِ خلافِ فطرت مانگا تھا۔ اسی لئے مسیح ؑ نے کہا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرو

حواری اللہ تعالےٰ کے مومن تھے، لیکن وہ مسیح علیہ السلام کی نبوّت کی تصدیق چاہتے تھے۔ حواریوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اُس آسمانی مائدہ سے کھائیں اور ہمارے دل اطمینان پائیں اور تاکہ ہم جانیں کہ تو نے ہم کو سچ کہا ہے اور تاکہ ہم اُس مائدہ کے اُترنے پر گواہ بنیں

مسیح علیہ السلام حواریوں کے الحاح کو دیکھ کر غلطی میں پڑ گئے اور دُعا کرنے لگے کہ اے اللہ! ہمارے رب، ہم پر آسمان سے ایک سجا سجایا کھانوں سے بھرا ہوا دستر خوان اُتار، تاکہ وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو اور تیری طرف سے ایک نشان ہو، اور تو ہمیں رزق دے اور تو عمدہ رزق دینے والا ہے

اللہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ نہیں، بلکہ ہزار دفعہ میں ایسے مائدہ کا اُتارنے والا ہوں یعنی میں ایسے مائدوں کے اُتارنے پر قادر ہوں کیونکہ بابِ تنزیل میں تکثیر کے معنے بھی پائے جاتے ہیں۔ اور اگر میں ایسے ایک دفعہ بھی اُتار دوں تو اس کے ایک دفعہ اُترنے کے بعد تم میں سے جو کفر کرے گا، تو میں اُسے ایسا عذاب کروں گا، جیسا میں جہان والوں میں سے کسی کو نہیں کیا کرتا

جب حواریوں نے اس بات کو سُنا، تو وہ ڈر گئے اور مائدہ کے آسمان سے اُترنے کے خیال سے ٹل گئے اور ضرور ہے کہ مسیح علیہ السلام بھی ایسے وعید شدید کو سُن کر نہیں چاہتے ہوں گے، کہ ایسا مائدہ نازل ہو جس کا یہ نتیجہ ہو۔ مسیح علیہ السلام کی رحمت و رافت اس بات کا ہرگز تقاضا نہیں کر سکتی تھی کہ ایسا مائدہ نازل ہو۔ پس وہ بھی ایسی درخواست سے باز آ گئے ہوں گے اور ارحم الراحمین کی شان کے تو لائق ہی نہیں ہے کہ ایسے خوارق دکھلائے جن کا دُنیا کے لئے ایسا سخت نتیجہ پیدا ہو، جس کا کوئی چارہ ہی نہ ہو سکے

حاصل یہ ہے کہ جب حواری ایسے معجزے کے طلب کرنے سے ڈر گئے تو اللہ تعالےٰ نے اُن کے باطنی اخلاص کو دیکھ کر انہیں وحی کی کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ تو وہ بولے کہ ہم ایمان

ہے۔ اگر وہ مادرزاد اندھوں کو شفا پاتے دیکھتے۔ اگر اُن کے سامنے مرے ہوؤں کو اس دنیا میں واپس لایا جاتا تو کیا وہ کبھی کہہ سکتے تھے کہ اے عیسےٰ علیہ السلام کیا تیرا رب ایک دسترخوان اُتارنے کی طاقت رکھتا ہے؟

پھر حواریوں نے دسترخوان کے اُترنے کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی بیان کیا کہ تاکہ ہم جانیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا ہے۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حواریوں نے آج تک حضرت مسیح ع کے ایسے معجزے نہیں دیکھے تھے، جن سے اُن پر ثابت ہو کہ مسیح ع سچے رسول ہیں

پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اُنھیں یاد نہیں دلایا کہ تم نے فلاں فلاں میرے معجزے دیکھے ہیں۔ میں باپ کے بغیر پیدا ہوا ہوں۔ میں پیدا ہوتے ہی تمام بچوں کے برخلاف کلام کرتا تھا۔ میں نے مٹی کی مورتوں کو پھونک مار کر زندہ کر دیا ہے۔ میں اب بھی پرانے مردوں کو زندہ کر کے دکھا سکتا ہوں۔ میں غیب کی خبریں ابھی تمھیں دے کر قائل کر سکتا ہوں۔ کیا تم میرے اِن تمام معجزوں کے گواہ نہیں بنے؟ کیا اِن تمام معجزوں میں کوئی شک ہو سکتا ہے؟ یا کیا تم مائدہ ہی کے گواہ بنو گے؟ جیسا کہ تم کہتے ہو کہ نکون علیہا من الشاھدین

پھر خدا تعالےٰ نے بھی حواریوں کو یا مسیح علیہ السلام کو یہ نہیں کہا کہ میں نے جو آج تک تمھیں اتنے معجزے دیئے ہیں کیا وہ سب ناکارہ ہو گئے اور اُن سے یہ علم نہیں ملتا کہ مسیح علیہ السلام نے سچ کہا ہے۔ کیا وہ معجزے اِس لائق نہ تھے کہ اُنھیں حواریوں کو یاد دلایا جاتا۔ سچی بات یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے کسی قسم کے خوارق خلافِ فطرت ہرگز ہرگز نہیں دکھائے۔ اگر خلافِ فطرت خوارق دکھائے جائیں تو اُن کو دیکھ کر جو شخص کفر کرے گا، اُس کو وہ عذاب دیا جائے گا جو جہان والوں میں سے کبھی کسی کو نہیں دیا جاتا

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یا داؤد و سلیمان علیہما السلام کے وقتوں میں کبھی خلافِ فطرت خوارق نہیں دکھائے گئے۔ اگر دکھائے جاتے تو اُنھیں بھی ایسا عذاب ملتا جو جہان والوں میں سے کسی کو نہیں ملا۔ اور اگر کسی قوم کو ایسا عذاب ملا ہوتا تو مائدہ کے متعلق یہ کہنا صحیح نہ ہوتا کہ اگر تم مائدہ کے اُترنے کے بعد کفر کرو گے تو میں تمھیں وہ عذاب دوں گا، جو جہان والوں میں سے کبھی کسی کو نہیں دیا جاتا۔ اللہ تعالےٰ کی مہربانی ہر کسی کو خلافِ فطرت عذاب سے محفوظ رکھنا چاہتی ہے اور کسی کو ایسا بنانا نہیں چاہتی کہ اُس کو وہ عذاب آئے، جو جہان والوں میں

عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ
قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ ۳۸ هُنَالِكَ
دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ
الدُّعَآءِ ○ ۳۹ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ
يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ
الصّٰلِحِيْنَ ○ ۴۰ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ
عَاقِرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○ ۴۱ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ۗ قَالَ
اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ
بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ○

۴۲ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ
عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ ۴۳ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ
الرّٰكِعِيْنَ ○ ۴۴ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○
۴۵ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ ۴٦ وَيُكَلِّمُ
النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ ۴۷ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ

لائے اور اے مسیحؑ تُو گواہ رہ کہ یقیناً ہم مُسلم ہیں
حواریوں کی طرف وحی کا ہونا اور اُن کا ایمان لانا اُس وقت ہُوا، جبکہ وہ پہلے حضرت مسیحؑ سے معجزے کی درخواست کر چکے تھے اور وہ سب باتیں ہو چکی تھیں جن کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے۔ اگر کوئی ایسا مائدہ نازل ہُوا ہوتا اور وہ ہدایت کا کام ہوتا تو لازم تھا کہ فبھدٰھم اقتدہ کے فرمان کے مطابق خود مُسلمانوں میں بھی عیدِ مائدہ قائم ہوتی لیکن ایسی عید قائم نہیں چلی آتی۔ پس مائدہ ہرگز آسمان سے نہیں اُترا
اِس تمام بیان سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے ایسے خوارق نہیں کیئے، جو لوگوں نے اُن کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ باقی تمام باتیں ترجمہ میں ہی واضح کی جائیں گی۔ انشاءاللہ تبارک وتعالیٰ

رکوع ۴ تا ۱۲

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ
عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ
مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَاۤ
اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا
مَرْيَمَ وَاِنِّيْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا
رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ

نّٰصِرِیْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ط
وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ○ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ○
اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ
فَیَكُوْنُ ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ○ فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ
مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا
وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی
الْكٰذِبِیْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ج وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ط وَاِنَّ اللّٰهَ
لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ م بِالْمُفْسِدِیْنَ ○ ع
قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍ م بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ
وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ
اِبْرٰهِیْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○
هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ
بِهٖ عِلْمٌ ط وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا
نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ اِنَّ اَوْلَی
النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط وَاللّٰهُ وَلِیُّ

وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا
فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ○ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَ
الْإِنجِيلَ ○ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۙ
أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ
اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا
تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم
مُّؤْمِنِينَ ○ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ
الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ○ إِنَّ
اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ○ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ
مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ
آمَنَّا بِاللَّهِ ۖ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ○ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ
فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ○ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ○
إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ
كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ
إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ○ فَأَمَّا الَّذِينَ
كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن

وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ
يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ
الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝
وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ
اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ع

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ
رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ
اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ
الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَغَيْرَ دِيْنِ
اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ
يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ
اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ
مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَمَنْ
يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ

الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ
اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ
الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ع

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ۚۖ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ
تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ
اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ۚۙ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○
وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ
تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا
لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○
بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ
بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا
يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ○ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ○ ٩٩ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○
١٠٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ
اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ○ ١٠١ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ
وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ع
١٠٢ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○
١٠٣ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ
كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ
عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ ١٠٤ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ ١٠٥ وَلَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ١٠٦ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ قف اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ ١٠٧ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ١٠٨ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ
ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ ١٠٩ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ
اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ
ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ○ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ
ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ ع

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ
عَلِيْمٌ ○ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ
عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا
كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا
وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۬ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ
اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ
فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ

مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ
كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ
الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنْ تَمْسَسْكُمْ
حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا
لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

ترجمہ - [۲۸] (پہلے رسولِ مقبولؐ نے بحکمِ الٰہی فرمایا کہ میں نے اور اُن لوگوں نے جنہوں نے میرا اتباع کیا اپنی توجہ اللہ کے لئے سونپ دی ہے۔ یعنی ہم اسلام لائے ہیں۔ پھر اہلِ کتاب اور اُمیّوں کو بحکمِ الٰہی اسلام کی طرف بُلایا، تاکہ وہ ہدایت والے بن جائیں اور یہ بھی ارشاد کیا کہ میرا کام بلاغ و تبلیغ ہے اور اللہ اپنے بندوں کا خود ہی نگران ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ رؤف ہے لیکن اہلِ کتاب کہتے ہیں کہ ہم اللہ سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ ہم مسیحؑ کو داخلِ الوہیّت سمجھ کر اُس کے متبع ہیں۔ یہ تو صراحتًہ کُفر ہے۔ ہاں اگر بندہ مسیحؑ اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی لاتا تھا تو ایسی اطاعت ہر رسول کی لازم ہے۔ سو) تُو کہہ کہ اگر تم اللہ سے پیار کرتے ہو، تو میرا اتباع کرو (جیسا کہ اُوپر ثابت کیا گیا ہے کہ میرے ہمراہی میری طرح مُسلم بنے ہیں) تاکہ اللہ تم سے پیار کرے۔ اور (اصلاح و علاج کے ذریعہ سے) تمہارے گناہ مٹا دے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ [۲۹] تو کہہ کہ اللہ کی (بطور اصل مطاع کے) اور رسول کی (بطور مبلّغ کے) اطاعت کرو (جیسا کہ پہلے صراحتًہ ذکر آچکا ہے) سو اگر یہ مُنہ موڑیں تو بلاشبہ اللہ اُن لوگوں سے پیار نہیں کرتا، جو سچ مچ کافر ہیں (نبیوں اور فرشتوں کو رب پکڑنا یقینًا کُفر ہے ۲/۱۵ جیسا کہ اسی سُورت میں مذکور ہے)۔ [۳۰] (تمام بزرگوں اور نبیوں کا یہی حال تھا) بلاشبہ اللہ نے آدم اور نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو جہان والوں پر چُن لیا تھا۔ [۳۱] یہ ایک دوسرے کی اولاد تھے (آلِ عمران، آلِ ابراہیمؑ کی اور آلِ ابراہیمؑ نوحؑ کی اور نوحؑ، آدمؑ کی اولاد تھے۔ پس عیسٰی علیہ السلام بھی دوسرے رسولوں کی طرح اُن کی نسل سے ہی تھے) اور اللہ

الْأُمُورُ ۝ع

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ
وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ
يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا
ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَ
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ لَيْسُوا
سَوَاءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ
يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَمَا
يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ

گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے (کیا ان رکاوٹوں کو دُور کر دیا جائے گا؟ اللہ نے) فرمایا کہ اللہ جس (بیٹے) کو بنانا چاہتا ہے تو اُسے اسی طرح سے ہی بناتا ہے۔ ۴۱ (زکریا علیہ السلام) بولا، اے میرے رب، میرے لئے کوئی نشان بنا۔ اللہ نے فرمایا کہ تیرا نشان (تیری شکرگذاری ہے جو تجھے اپنی صحت کو دیکھ کر حاصل ہوگی۔ تجھ میں جوانی کی طرح خواہش کی رَو پیدا ہو جائے گی۔ پس تو ایسی شکرگذاری کرے گا کہ تیرا نشان) یہ ہوگا کہ تو (تندرست و سوتی ہو کر اپنی خوشی سے) لوگوں کے ساتھ تین دن تک کلام نہیں کرے گا، مگر اشارہ کے طور پر، اور اپنے رب کی یاد (کھلے طور پر) بہت کر اور شام اور صبح کو تسبیحیں کہہ (یعنی نماز ادا کر)۔ ع

۴۲ اور (حضرت زکریا علیہ السلام کے بیان کو بطور نمونہ کے پیش کر کے اس کے ماتحت حضرت مریم ع کا ذکر کیا اور زکریا ع کو نماز کا حکم دے کر حضرت مریم ع کو بھی نماز کی تاکید کی اور فرمایا کہ یاد کر) جبکہ فرشتوں نے مریم ع کو کہا (جس طرح شیاطین کفّار کو بھڑکاتے ہیں، اُسی طرح ملائکہ بھی بتصرفِ الٰہی نیکوں کو وحی و الہام کیا کرتے ہیں۔ فرشتوں نے کیا کہا؟ یہ کہا کہ) اے مریم! بلاشبہ اللہ نے تجھ کو (تیرے دلی اخلاص کے سبب سے) چن لیا، اور (اِن شیاطین سے بچا کر، اُن کے ہاتھ سے) تجھ کو پاک کیا (یعنی چھڑا یا) اور تجھے تمام عورتوں کے لئے نمونہ بنانے کو) تمام قوموں کی عورتوں پر منتخب کر لیا۔ ۴۳ اے مریم! اپنے رب کی فرمانبرداری کر (یا اس کے لئے مؤدب بن) اور سجدے کر، اور (خدا تعالیٰ کے حضور) جھکنے والوں کے ساتھ جھک جا (یعنی باجماعت نماز ادا کر،

اس وقت حضرت مریم علیہا السلام بالغہ ہو چکی تھیں۔ مریم ع کے بچپن میں حضرت زکریا علیہ السلام کسی قسم کی قرعہ اندازی کے بغیر ہی اپنے امام ہونے کے سبب مریم ع کے کفیل بنے تھے۔ لیکن جس کفالت کا اگلی آیت میں ذکر ہے وہ قرعہ اندازی کے ساتھ مریم ع کے بالغ ہونے کے بعد واقع ہوئی تھی۔ ہر مجاور چاہتا تھا کہ میں ہی بالغ مریم کا کفیل بنوں اور اپنی شیطنت کا اُسے ضرر پہنچاؤں حضرت یحییٰ علیہ السلام اُس وقت صبی تھے۔ مجاوروں نے اس وقت سے فائدہ اٹھانا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے مریم ع کو اُن کے شر سے بچا لیا۔) ۴۴ یہ بات پوشیدہ خبروں سے ہے۔ ہم اُسے تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو اُن (مجاوروں) کے پاس نہیں تھا جبکہ وہ (بطور قرعہ اندازی کے ایک برتن میں) اپنی قلمیں ڈالتے تھے کہ اُن میں سے کون سا مریم کا سرپرست بنے (منشاء یہ تھا کہ کوئی شخص اُس برتن سے بے پتہ ہی کسی قلم کو نکال لائے اور جس کا نام اس قلم پر ہو، وہی مریم ع کا کفیل بنے۔ وہ خود ہی

(ہمیشہ سمیع علیم ہے۔ وہ اُس وقت بھی) سمیع علیم تھا۔ ۳۴ جبکہ عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے پروردگار، جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں نے اُسے بالتحقیق خالص کر کے تیری نذر کیا سو تُو مجھ سے قبول کر۔ بلاشبہ تُو جو ہے تو تُو ہی اصل سُننے والا، اصل جاننے والا ہے۔ ۳۵ پھر جب وہ اُسے جنی تو بولی۔ اے میرے پروردگار میں نے اِسے لڑکی جنا ہے (اور لڑکی سخت خدمات کے لائق نہیں ہوتی) اور اللہ بہتر جانتا ہے، جو اُس نے جنا (اللہ یہیں فرماتا ہے کہ عاجزوں کی خدمت اور بیماروں کی تیمارداری میں) لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا اور (مریمؑ کی ماں بولی کہ) بلاشبہ میں نے اس کا نام مریم (یعنی خادمہ) رکھا ہے۔ اور (اے خدا) میں اسے اور اس کی اولاد کو (جو اس کے ہاں بطریقِ متعارف پیدا ہو سکتی ہے) شیطانِ مردود (یعنی گندے خیالات والے لوگوں) سے تیری پناہ میں سونپتی ہوں۔ ۳۶ سو اُس کو اُس کے رب نے نیک قبولیت کے ساتھ قبول کیا اور اُسے خوبصورت اُگانا اُگایا اور زکریا (جیسے نبی) کو اُس کا کفیل بنایا۔ (زکریا علیہ السلام اِس کی خوبصورتی کے سبب اُس کی خوب حفاظت کرتے تھے، لیکن جب وہ ضرورتاً باہر جاتے تھے تو بعض مجاور بُرے خیال سے زکریاؑ سے چوری حضرت مریم علیہا السلام کو عمدہ عمدہ کھانے دے جاتے تھے۔ لیکن) جب (کبھی) زکریاؑ اپنے محراب (یعنی سردار امام کے مناسب حجرے اور صدر جگہ) میں اس (مریم علیہا السلام) کے پاس آتے، تو اُس کے پاس کچھ رزق پاتے تو پوچھتے کہ اے مریم یہ تجھے کہاں سے ملا ہے۔ وہ (بھولی بھالی لڑکی) جواب دیتی کہ یہ اللہ کی طرف سے (یعنی اُسکی مہربانی سے) پہنچتا ہے۔ (ہم محتاج ہیں) بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ ۳۷ (اس روزی کا بار بار آنا دیکھ کر زکریا علیہ السلام کے دل میں اپنے موالی کی طرف سے خوف پیدا ہوا، کہ اس غریب خانہ کے وارث میرے بعد ایسے شخص ہوں گے۔ ایسے شریر موالی کا خوف ہی اُنہیں اپنے ہاں پاک بیٹے کے لئے دُعا مانگنے کا باعث ہوا۔ دیکھو سورت مریمؑ۔ چنانچہ) اسی موقعہ پر زکریاؑ نے اپنے رب کو پکارا (زکریاؑ) بولا۔ اے میرے رب، مجھے اپنے پاس سے پاک اولاد عطا فرما۔ بلاشبہ تو دُعا کا سُننے والا ہے۔ ۳۸ سو اس کو فرشتوں نے پکارا، اس حال میں جب کہ وہ اپنے محراب میں کھڑا نماز ادا کرتا تھا کہ اللہ تجھے یحییٰؑ کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے ایک کلمہ (یا وعدہ) کی تصدیق کرنے والا اور (ماں اور باپ دونوں کی وراثت سے) سردار (امام) بننے والا اور غیر عورتوں سے بچنے والا اور نیکی کے کام کرنے والا نبی ہوگا۔ ۳۹ وہ بولا، اے میرے رب، میرے لئے بیٹا کیسے ہوگا، حالانکہ میں اس بڑھاپے کو پہنچ

(کام اس کے قواعد کے مطابق) ہو جاتا ہے (اس قاعدہ سے کوئی چیز باہر نہیں ہے امر آئیں
ہر کام داخل ہے)۔ اور (فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ اللہ) اُسے (الہامی) کتابیں اور (الہامی) حکمت
سکھائے گا، اور (خاص کر) تورات و انجیل (بھی)۔ اور اُسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنائیگا
(وہ اپنی رسالت کے وقت میں انہیں کہے گا) کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی
طرف سے ایک آیت لایا ہوں (یہ آیت یا حکم خالق و مخلوق کے ساتھ محبت کرنے کا تھا۔ محبت کبھی
انجیل کے تابعداروں کا خاص نشان تھی۔ خدا تعالےٰ، رسولؐ اور دیگر مومنوں کو یہ نمونہ سکھانے کے
لئے فرماتا ہے وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رافۃ ورحمۃ ہمارے لئے دوسرے
نیک لوگوں سے بھی نیک نمونہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ نیک نمونہ جہاں سے ملے لے لو اور بُرے نمونہ
سے بچو۔ یہی تعلیم اسلام ہے۔ یہود میں بڑا تعصب تھا۔ وہ اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کی خاص قوم
سمجھتے تھے اور دوسروں کو جہنم کا ایندھن خیال کرتے تھے۔ ان کی طبیعت دوسرے انسانوں سے
منقبض رہتی تھی۔ انجیل نے ان میں قوت پرواز پیدا کی اور ان میں اعلےٰ خیالات بھر دیئے
اگر کوئی شخص خوب کمائی ہوئی اور خوب گوندھی ہوئی مٹی سے پرندہ کا ایک پُتلا اور بڑا ڈھانچ
تیار کرے اور اس میں کوئی ہلکی سی گیس نفخ کردے تو وہ ڈھانچ اُڑنے لگ جاتا ہے تو کیا انسان
میں پاک رُوح کے نفخ سے قوتِ پرواز پیدا نہیں ہوگی۔ سورت اعراف کے بائیسویں رکوع
میں ایک شخص کا ذکر ہے، جو محض دنیوی فوائد اور ناجائز مال کی محبت سے کُتّے کی مانند زمین کی
طرف مائل ہوگیا تھا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم مناسب دیکھتے تو آیات کے ذریعہ سے اس
شخص کو بلندی پر پہنچا دیتے۔ پس آیات کے ذریعہ سے انسان میں قوتِ پرواز پیدا ہوسکتی ہے
بلاشبہ عملِ صالح انسان کو اور بھی اونچا لے جاتا ہے۔ یہود مال کی محبت میں بہت
سخت تھے

مسیح علیہ السلام آگے اسی ایک آیت یعنی حکم محبت کی یوں تشریح کرتے ہیں) کہ بلاشبہ میں
تمہارے (اعلیٰ بنانے اور تم کو ترقی دینے کے) لئے تمہاری طین سے (اس میں ال عوض مضاف
الیہ کے ہے۔ انسان طین سے ہی پیدا ہوتا ہے، جو اس کی گری ہوئی مادی حالت کو دکھاتی
ہے) ایک ایسی کیفیت پیدا کرتا ہوں جو پرندہ کے حال کی مانند ہوتی ہے (یعنی جس طرح پرندہ
انڈے سے ایک بے بال و پر صورت تیار کرتا ہے، جو اُڑ تو نہیں سکتی، لیکن اس میں اُڑنے کی

اس فیصلہ پر راضی نہ ہو سکے اور جھگڑا کرنے لگے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اور تو اُن کے پاس نہ تھا، جبکہ وہ جھگڑا کرتے تھے [۴۴] (یہ قلمیں پھینکنا اور ان کا آپس میں جھگڑا کرنا، اُس وقت ہوا جبکہ مریم ۴ اپنے بچاؤ کے لئے خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگتی تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف ٹوٹ کر لگی ہوئی تھی) جبکہ فرشتوں نے کہا، اے مریم! بلاشبہ اللہ تجھ کو اپنی طرف سے (ایک موجود فی الخارج ہونے والے) کلمہ کی (یعنی بیٹے کی، جو اس کے حکم و ارادہ یا وعدہ سے پیدا ہو گا) خوشخبری دیتا ہے (ہر ایک بیٹا اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے اور اس کے پاس ہی سے آتا ہے جیسا کہ زکریا ۴ کی اس دُعا رب ھب لی من لدنك ذریة طیبة۔ انك سمیع الدعاء سے ظاہر ہے۔ انسان وغیرہ کے جرمز پہلے تیار ہوتے ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو انہی جرموں کو نطفہ میں لا کر علقہ وغیرہ بنا دیتا ہے۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ اِن جرموں کو پہلے نہ تیار کرتا اور پھر انہیں اپنی مرضی سے نہ بھیجتا تو تمام اولیاء و انبیاء اور تمام اقوام کے بزرگ اپنی بیویوں ہی کو اولاد نہ دے سکتے بلکہ وہ خود بھی پیدا نہ ہو سکتے۔ پھر بڑی سے بڑی مخلوق بھی کیا چیز ہے، جسے لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہیں؟) اس کا نام مسیح عیسیٰ ابنِ مریم ہو گا (یعنی خدا تعالیٰ کی ایک خادمہ کا بیٹا ہو گا۔ اس کی ماں کوئی دیوی یا اِلٰہ نہ ہو گی) اس حال میں کہ وہ دنیا و آخرت میں باآبرو رہے گا، اور مقربین میں سے ہو گا (اُس جیسے اور بھی بہت سے باآبرو اور مقرب ہو سکتے ہیں۔ وہ اکیلا ہی مقرب نہیں ہے بلکہ مقربین میں سے صرف ایک ہے)۔ اور [۴۵] وہ مہد میں (یعنی بچپن میں جبکہ نیک بچے نیکی کی باتیں کر سکتے ہیں) اور ادھیڑ عمر میں (یعنی وہ بچہ ہی نہیں مر جائے گا، بلکہ کہولت کی عمر پائے گا اور شیخوخت سے پہلے فوت ہو گا۔ اسے اس سے زیادہ عمر نہیں ملے گی) لوگوں سے (اپنی سمجھ کے مطابق نیکی کی) باتیں کرے گا اور (اپنی وسعت کے مطابق اُن پر عامل ہو گا، اس لئے کہ وہ) صالحین میں سے (ایک) ہو گا۔ [۴۶] (چونکہ زکریا علیہ السلام کی طرح مریم علیہا السلام بھی نماز میں تھیں، اس لئے اس نے فرشتوں کو جواب نہیں دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کو پکارا اور) وہ بولی۔ اے میرے پروردگار، میرے لئے ولد کیسے ہو سکتا ہے جس حال میں کہ مجھے کسی مرد نے نہ چھوا ہو (یعنی ایسی حالت میں تو ولد کا ہونا محال ہے۔ پھر مجھے بیٹا اور کس طرح سے ہو گا) فرمایا، اللہ جس (بیٹے) کو پیدا کرنا چاہتا ہے، اُسے اسی طرح (ہی) پیدا کیا کرتا ہے۔ (باقی رہا اس کے سامان کا مہیا کرنا، تو) وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو سوائے اس کے نہیں کہ وہ اس کے لئے حکم کرتا ہے کہ ہو جا۔ تب وہ

اُن کا تعلق مسیح علیہ السلام کے معجزات کے ساتھ تو ضرور ہو گا۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ بات ۱م
جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیہم ۱۶/۱۳ کے مخالف ہے یا نہیں؟ اگر
کہا جائے کہ وہ پرندے کسی نسل کے چلانے کے بغیر ہی فوت ہو جاتے تھے، تو جب تک وہ
زندہ رہتے تھے وہ مذکورہ بالا آیت کے خلاف تو نہیں ہوتے تھے؟ لیکن اگر وہ حقیقی پرندے نہیں
تھے بلکہ مجازی پرندے تھے یا کسی اور رنگ میں اُڑنے والے بنتے تھے تو اعتراض کی کیسے گنجائش
باقی رہ سکتی ہے۔ یہ باتیں مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے مریم علیہا السلام کو وحی کی گئی تھیں اور
اگر انہوں نے اس وحی سے ایسے خوارق سمجھے ہوتے تو ضرور ہے کہ انہوں نے اِن خوارق کو مسیحؑ
کی رسالت سے پہلے خوب پھیلایا ہو گا۔ اور لوگوں میں اِن خوارق کی عام شہرت ہو گئی ہو گی اور لوگوں
نے آتے ہی پوچھا ہو گا کہ مٹی کے کھلونوں میں پھونک مار کر زندہ کر دو اور ایسے ایسے خوارق کو دیکھ کر
وہ ڈر گئے ہوں گے۔ لیکن اِس کا اثر یہ ہوا جیسا کہ آگے آتا ہے)۔ ۴۹ سو جب عیسےٰ نے ان سے
کفر کو (ظاہری حواس سے) محسوس کیا (اور دیکھا کہ یہ مجھے سخت طور پر اپنی طرف سے مار کر چھوڑ
جائیں گے، لیکن اللہ تعالےٰ مجھے بچائے گا، تو انہوں نے) کہا کہ اللہ کی (طرف مجھے اُٹھا کر لے
جانے میں) کون میرا مددگار ہو گا۔ حواریوں نے (یعنی اُن کے مخلص دوستوں) نے کہا کہ ہم اللہ (کے
حکم کو پورا کرنے میں) مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور (اے مسیح علیہ السلام) تو گواہ رہ کہ ہم
مسلم ہیں (کبھی وعدہ خلافی نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے خدا تعالےٰ کی طرف مخاطب ہو کر کہا)
۵۰ اے ہمارے پروردگار، جو کچھ تو نے (پہلے) اُتارا، ہم نے اُسے مانا اور ہم اس پیغام لانے والے
کے بھی تابع ہیں، سو تو ہمیں گواہوں کے ساتھ لکھ لے۔ ۵۱ اور اِن (کافر یہود) نے خفیہ تجویز کی (یعنی
قیصر کے پاس جا کر بغاوت کا الزام لگا کر مسیح علیہ السلام کے لئے صلیب کا حکم لے آئے) اور اللہ
نے بھی خفیہ تجویز کی (یعنی اس صوبہ کے گورنر کے دل کو مسیح علیہ السلام کے بچانے کی طرف مائل کر دیا)
اور اللہ تمام خفیہ تجویز کرنے والوں میں سے سب سے خیر ہے۔ (خفیہ تجویز خیر بھی ہوتی ہے اور
بُری بھی جیسا کہ مکر السیئ ۲۲/۱۷ سے ظاہر ہے)۔ ع۵
۵۲ (یہ اُس وقت کا ذکر ہے) جبکہ اللہ نے کہا اے عیسےٰ! میں تیرا متوفّی ہوں (متوفّی کے
معنے ہیں فوت کرنے والا۔ نفسوں کی توفّی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک ناقص یعنی بے ہوشی کی توفّی
جس کے بعد انسان تندرست ہو سکتا ہے اور ہوش میں آ سکتا ہے۔ اور دوسری کامل توفّی جس

استعداد و قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح میں تم کو تعلیم کے ذریعہ سے اُڑنے کا شوق دلاتا ہوں۔ پھر اس مستعد و قابل مٹی) میں میں (محبت کو درجہ بدرجہ) نفخ کرتا اور بھر دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم کے مطابق اُڑنے والی (یعنی رُوحانی حالت) بن جاتی ہے۔ اور (یہود سوختنی قربانی کو خدا تعالیٰ کی غذا سمجھتے تھے، اور احبار ناقص الخلقت لوگوں کے ذریعہ سے ان کا بجالانا جائز نہیں جانتے تھے۔ اُن کو جماعت سے بھی الگ رکھتے تھے۔ پھر جب وہ کبھی کسی عیب سے پاک ہو جاتے تھے تو اُن پر کفاروں کا بوجھ اور دین ڈالتے تھے، تب انہیں اپنے میں شامل کرتے تھے، لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ) میں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو پاک ٹھیراتا ہوں (اور ان کے کفاروں سے انہیں بری قرار دیتا ہوں) اور (ذہول تمہارے) مُردوں کو زندگی بخشتا ہوں اور (تمہیں امیّوں کے مالوں کے کھانے سے روکتا ہوں، اور) تمہیں اس (مال) کے ساتھ خبردار کرتا ہوں، جو تم کھاتے ہو اور جو تم گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو (کہ وہ درست طرح سے حاصل نہیں کیا جاتا) بلاشبہ ان (مذکورہ بالا باتوں) میں تمہارے لئے البتہ (صرف ایک محبت کا) نشان ہے بشرطیکہ تم مومن ہو (ورنہ تم کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا)۔ اور (میں تمہاری فرقہ بندی کو مٹانا چاہتا ہوں اور اس لئے) میں اُس کا جو مجھ سے پہلے تورات تھی، مصدّق ہوں اور (میں بحکمِ الٰہی چاہتا ہوں) تاکہ میں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں (جو تمہاری سزا میں) تم پر ردّ کی گئی تھیں، حلال کر دوں اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (محبت کا) نشان لایا ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور (ان باتوں میں) میرا کہا مانو۔ (اصل محبت خدا تعالیٰ ہی کی ہے) بلاشبہ اللہ میرا رب اور تمہارا رب ہے، سو اُسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا (اور پکا) رستہ ہے (صرف خدا تعالیٰ ہی کو لاشریک لہٗ جاننے سے تمام مخلوقات میں حرّیت و مساوات کا ہونا لازم آتا ہے۔ اگر مخلوق مخلوق میں شامل نہیں، تو پھر وہ ضرور خدا تعالیٰ کی صف میں بٹھائی جائے گی۔ معاذ اللہ

مذکورہ بالا آیات سے لوگوں نے مسیح علیہ السلام کے خلافِ فطرت خوارق نکالے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے بحکمِ خدا مٹی کے کھلونوں میں پھونک مار کر کچھ پرندے بنائے تھے اور بحکمِ خدا کچھ گلے سڑے مُردے زندہ کئے تھے۔ حالانکہ خود خدا بھی کسی کھلونے میں پھونک مار کر اُسے زندہ نہیں کرتا پس ضرور ہے کہ طین پرندوں کی نسل اور اُن زندہ شدگان کی اولاد آج تک چلی آتی ہوگی۔ اور

اُسی طرح سے) ہوتا جاتا ہے (مطلب یہ کہ آدم علیہ السلام مٹی کا تھا۔ اس کی اولاد بھی مٹی ہی کی ہونی چاہیئے ۱۴ و ۱۵ ۔ اور آدم ع اپنی ذات کے لحاظ سے متغیر تھا۔ اس کی اولاد بھی اسی طرح متغیر ہونی لازم ہے۔ جب وجہ شبہ خود اللہ تعالےٰ نے ہی بیان کردی تو اس کے علاوہ اور وجہ شبہ نکالنا قرآن مجید کی دانستہ یا نادانستہ مخالفت کرنا ہے۔ کیا مسیح علیہ السلام مٹی سے اسی طرح پیدا نہیں ہوا، جس طرح دوسرے لوگ مٹی سے پیدا ہوتے ہیں)۔ تیرے رب کی طرف سے یہی حق ہے پس تُو شک کرنے والوں سے نہ ہونا۔ پھر جو کوئی تیرے پاس (معقول) علم کے آنے کے بعد تیرے ساتھ جھگڑا کرے (اور سچے دلائل کو نہ مانے) تو تو کہہ۔ آؤ ہم لوگ اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے رشتہ داروں کو اور تم اپنوں کو بلاؤ۔ پھر ہم (خدا کے آگے) گریہ وزاری کریں۔ پھر خدا کی لعنت جھوٹوں پر ڈالیں (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیٹا بالغ نہیں ہوا۔ ضرور ہے کہ آپ نابالغ بیٹے کو ہی ساتھ لے گئے ہوں۔ یہ مباہلہ صرف توحید الٰہی پر ہی کیا جاسکتا ہے جبکہ پہلے اس کے دلائل پورے طور پر بیان کردیئے جائیں اور پھر لوگ ضد و تعصب سے اُسے نہ مانیں۔ ایسی حالت میں کسی کو اس طرح کے مقابلہ پر آنے کی جرأت نہیں ہوگی اور اگر آئے گا، تو ایسا ظالم ضرور خطا کھائے گا)۔ بلا شبہ یہ جو ہے، تو یہی سچا بیان ہے اور اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں (یہ مثال یا لا کی غرض تشبیہ ہے، جس کے لئے عیسےٰ ع کو آدم ع سے تشبیہ دی گئی ہے) اور بلا شبہ اللہ جو ہے تو وہی غالب حکمت والا ہے۔ پھر اگر یہ (اہل کتاب معقول دلائل سے) مُنہ موڑیں (اور ایسے مباہلہ کے لئے بھی جرأت نہ کرسکیں) تو بلا شبہ اللہ بگاڑ ڈالنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔ ع

(جب توحید ہی اصل ٹھیری، تو) تُو کہہ اے کتاب والو! ایک بات کی طرف آؤ۔ جو ہم میں تم میں برابر ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ بنائیں اور ہمارا بعض دوسرے بعض کو اللہ کے سوائے رب نہ پکڑے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں، تو تم (اے اہل اسلام) کہو، کہ گواہ رہو کہ ہم (تمہاری طرح تفرقہ ڈالنے والے نہیں ہیں، بلکہ ہم) بلا شبہ مُسلم ہیں (جس طرح ابراہیم علیہ السلام مُسلم تھا)۔ (اہل کتاب کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام بھی ہماری طرح فرقہ پرست تھا۔ یہود کہتے تھے، وہ یہودی تھا اور نصاریٰ کہتے تھے کہ وہ نصرانی تھا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ) اے کتاب والو! تم ابراہیم کے بارہ میں کیوں جھگڑا کرتے ہو، حالانکہ تورات و انجیل

کے بعد انسان اِس دنیا میں واپس نہیں آسکتا ہے۔

اِس آیت میں توفّی سے ناقص توفّی مراد ہے جس کے بعد مسیح علیہ السلام تندرست بنائے گئے اور ہوش میں لائے گئے اور کافروں سے الگ ہو کر ہجرت کر گئے۔ لیکن سورت مائدہ کے اخیر میں جس توفّی کا ذکر ہے وہ کامل توفّی ہے۔ اگر مسیح علیہ السلام واپس آتے تو انہیں ضرور خبر ہوتی کہ عیسائیوں نے مجھے خدا کا بیٹا بنایا ہے۔ پس اِس آیت میں متوفّی کے معنے ہیں کہ میں صلیب پر تیری حالت مُردے کی مانند بنانے والا ہوں) اور تجھے اپنی (رحمت کے مقام کی) طرف اٹھوا منگانے والا ہوں۔ اور تجھے اِن (یہود کے) کافروں سے پاک کرنے والا (یا چھڑانے والا) ہوں اور تیرے تابعداروں کو اِن یہود کے کافروں پر پیشی کے دن تک غلبہ دینے والا ہوں۔ (جیسا کہ سورت صف میں مذکور ہے) پھر میری طرف تمہارا رجوع ہونا ہے۔ سو میں تمہارے درمیان اِس بات میں فیصلہ کرتا ہوں جس میں تم (اس زندگی میں) اختلاف کرتے تھے۔ سو لیکن میں اِن کافروں کو دنیا و آخرت میں سخت عذاب کروں گا اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔ ولیکن جو مومن اور نیک اعمال ہیں، تو وہ (خدا) اُن کو اُن کے اجر پورے دیا کرتا ہے اور خدا ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ جو ہم تجھ پر (مریم و عیسیٰ علیہما السلام کا بیان) پڑھ رہے ہیں، یہ باتیں آیات اور حکمت والے ذکر سے ہیں۔

(اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں آیات تو ہیں، لیکن اُن میں ایسی حکمت بھی ہے جس کی خود قرآن میں ہی تلاوت کی جاتی ہے۔ ایسی حکمت خارج از قرآن حدیثیں نہیں ہو سکتیں)

بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال کے مانند ہے (جس کی اولاد سے عیسیٰؑ پیدا ہوا ہے۔ جس طرح دوسرے لوگ بھی پیدا ہوئے ہیں۔ آدم علیہ السلام سے ہزاروں سالوں تک آدمی ہی پیدا ہوتے آئے اور اب بھی آدمی ہی پیدا ہوتے ہیں۔ بیچ میں ایک آدمی خدا کا بیٹا کیسے بن گیا؟ کیا بنا ہوا بھی خدا ہوتا ہے۔ اس مثال میں عیسےٰ علیہ السلام مشبّہ ہے اور آدمؑ مشبّہ بہ۔ آگے وجہ شبہ کو خود اللہ تعالےٰ ہی بیان کرتا ہے) اُس (خدا) نے اِس (آدمؑ) کو مٹی سے پیدا کیا، پھر (مٹی سے آدمؑ کو تیار کرنے کے بعد) اُسے کہا کہ ہوتا جا (یعنی بچّہ سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوتا جا، اور مرنے کے بعد بھی مختلف حالات میں بدلتا جا) سو وہ (آدمؑ

کہ اگر تو اسے ایک دینار پر امین بنائے، تو وہ اُسے تیری طرف ادا نہیں کرتا۔ ہاں جب تک تو اس کے سر پر کھڑا رہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ وہ کہتے آتے ہیں کہ ہم پر اُمیوں کے (مال کھا جانے کے) معاملہ میں کوئی الزام نہیں اور (اسے خدائی حکم بتاتے ہیں، اور) اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ کیوں (گناہ) نہیں ؟ (ضرور ہے، اس لئے کہ) جو اپنے عہد کو پورا کرے اور (اللہ سے) ڈرے، تو بلا شبہ اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ بلا شبہ یہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت (یعنی دُنیا کے فوائد) کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، یہ لوگ جو ہیں، ان کے لئے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں اور نہ اللہ ان سے (مہربانی کے ساتھ) کلام کرے گا اور نہ پیشی کے وقت اُن کی طرف (رحمت سے) نظر کرے گا۔ اور نہ انہیں (جہنّم کے عذاب کے بغیر) پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور تحقیق ان میں سے ایک فریق ہے، جو کتاب (کے پڑھنے) میں اپنی زبان کو مروڑتا ہے (اور نئی نئی قرأتیں پڑھتا ہے) تاکہ تم اسے کتاب سے سمجھو، حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ (تعلیم پر غور کرنا ضروری ہے کوئی نیک بشر ایسا شریر نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ) کسی بشر کے لئے لائق نہیں ہے کہ اگر اللہ اُسے (الہامی) کتاب (کا علم) دے اور (ساتھ ہی اُسے) سمجھ (یا حکم عطا کرے) اور (ساتھ ہی اُسے) نبوّت (یا دہی دے) پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ سے ورے میرے غلام بن جاؤ، ولیکن (وہ یہ کہے گا، کہ) تم رب والے بن جاؤ، بہ سبب اس کے کہ تم (لوگوں کو) کتاب سکھاتے ہو (غیر نبی بھی لوگوں کو کتاب سکھاتے ہیں۔ یہ نبیوں کا ہی خاصہ نہیں)، اور بہ سبب اس کے تم (خود بھی کتاب کو) پڑھتے ہو (کتاب الٰہی کے عالم اور معلّم کے لئے موحد اور عاجز بننا لازم ہے) اور وہ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب (بلکہ احکم الحاکمین کے معشوق) بناؤ۔ (اس کے یہ معنے ہیں کہ لوگ پہلے خدا تعالیٰ کے محب اور مسلم ہوتے ہیں اور وہ شخص اپنے ظہور سے انہیں کافر بنانے آتا ہے۔) کیا وہ تم کو کفر کا حکم کرے گا، اس کے بعد کہ تم (پہلے ہی سے) مسلم ہو۔ ع ۸

اور (نبیوں کی جو رسولوں سے اعلیٰ ہوتے ہیں، حقیقت دکھلانے کے لئے فرمایا) جب اللہ نے تمام نبیوں سے (ان کے اپنے اپنے وقتوں میں عہد لیا کہ) جب میں تم کو کتاب (یعنی

نہیں اُتری، مگر اس کے بعد (یعنی اُس کے مرنے کے پیچھے) پھر کیا تم عقل نہیں کرتے۔ ۶۵ دیکھو، تم وہ
لوگ ہو، جو اس بات میں جھگڑا کر (کے دیکھ) چکے، جس کا تمہیں کچھ علم ہے (یعنی مسیح علیہ السلام
کے متعلق) پھر کیوں تم اِس بات میں جھگڑا کرتے ہو، جس کا تمہیں کچھ علم نہیں (یعنی ابراہیم علیہ السلام
کے یہودی یا نصرانی ہونے کے متعلق) اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ۶۶ ابراہیم نہ یہودی تھا
اور نہ نصرانی، ولیکن وہ مائل بحق یعنی مسلم تھا اور وہ مشرکوں سے نہیں تھا۔ ۶۷ بلاشبہ ابراہیم کے
ساتھ لوگوں میں سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ لوگ ہیں، جو اس کے پَیرو ہیں اور یہ نبی (یعنی محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ جو (قرآن کے) ماننے والے ہیں (اور یہ سب مومن ہیں) اور اللہ مومنوں کا
سرپرست ہے۔ ۶۸ اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے چاہا ہے کہ تمہیں گمراہ کردیں، حالانکہ وہ اپنی جانوں
کے سوائے کسی کو گمراہ نہیں کرتے (خود مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں) اور نہیں شعور کرتے۔ ۶۹ اے
اہلِ کتاب! تم کیوں اللہ کی آیات کے ساتھ کُفر کرتے ہو، حالانکہ تم (خود ان کے) گواہ ہو۔ ۷۰ اے اہلِ
کتاب کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو، حالانکہ تم علم رکھتے ہو۔ ۷۱ ع

۷۲ اور (جان بوجھ کر شرارت کرنے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ) اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے کہا
کہ اس (قرآن) پر جو مومنوں پر نازل ہُوا ہے، دن کے شروع میں ایمان لاؤ اور دن کے
آخری حصّہ میں کافر ہو جاؤ، تاکہ یہ (اہلِ اسلام تردد اور شبہ میں پڑ کر اس سے) مُڑ جائیں۔ (قرآن
کا تعلق صرف خدا کے ساتھ ہے، وہ صرف رسول صلعم کے لئے نازل نہیں ہُوا، بلکہ سب ماننے والوں
پر نازل ہُوا ہے)۔ ۷۳ اور (اہلِ کتاب یہ بھی کہتے ہیں کہ) تم کسی کی (حق بات کو بھی) نہ مانو، مگر اس
شخص کی (پیروی کرو) جو تمہارے دین کا پَیرو ہے۔ تو کہہ کہ بلاشبہ ہدایت جو ہے، تو اللہ کی
ہدایت ہے (کیا اس بات پر شرارت کرتے ہو) کہ کسی کو اس کی مثل (الہام) مِل جائے، جو تم کو دیا
گیا ہے، یا وہ تم کو تمہارے رب کے نزدیک جھُوٹا ثابت کریں تو کہہ کہ بلاشبہ فضل خدا کے ہاتھ
میں ہے، وہ اسے اُس کو دیتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ فراخی والا، علم والا ہے۔ (جب تک وہ مکمل وحی
نہ کرلے اور پُورا علم نہ دے لے، تب تک اگر وہ وحی کرتا جائے، تو اس میں کیا حرج ہے)۔ ۷۴ وہ اپنی
رحمت کے ساتھ اس (قوم) کو خاص کرتا ہے، جسے (حکیمانہ طور پر) چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا
مالک ہے۔ ۷۵ اور (اُن لوگوں کا کیا حال ہے) اہلِ کتاب میں کوئی ایسا (خدا ترس) بھی ہے کہ اگر تو
اُسے خزانہ پر امین بنائے، تو وہ اُسے تیری طرف ادا کردیتا ہے۔ اور اُن سے ایسے (ظالم) بھی ہیں

لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور سُدھر گئے، تو بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اپنے ایمان لانے کے بعد کافر بن گئے، پھر کفر میں (زیادہ زیادہ) بڑھتے گئے، تو (ایسی حالت میں ہوتے ہوئے) ان کی توبہ قبول نہیں ہوسکتی، جس حال میں کہ وہ لوگ جو ہیں تو وہی گمراہ ہیں۔ (اصلاح کے ساتھ سچی توبہ کرلیویں ورنہ یاد رہے کہ) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور کافر ہوتے ہوئے ہی مر گئے، تو اُن میں سے کسی ایک سے بھی زمین بھر سونا ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا اور اگرچہ وہ اس کے ساتھ فدیہ دے۔ یہ لوگ جو ہیں، تو اُن کے لئے دردناک عذاب ہے اور اُن کے لئے کوئی مددگار نہیں ہیں۔ ۹ع

(۸۹) عیسائیوں کے رہبان اور خود یہود بھی کہتے تھے کہ ہم نے خدا تعالےٰ کی رضامندی کی خاطر اور نفس کشی کے لئے اپنے محبوب کھانوں کو ترک کردیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مفید و محبوب اشیاء ترک کردینا اور انہیں حرام ٹھیرالینا، اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کی ناقدردانی ہے۔ اگر لوگ انہیں اپنے لئے چھوڑ دیتے ہیں، تو دوسرے حاجتمندوں سے انہیں کیوں روکتے ہیں، سو) جب تک تم اپنی محبوب چیزوں کو (خدا تعالےٰ کی رضامندی کے لئے حاجتمندوں پر) خرچ نہیں کروگے، تو (اس روکنے سے) اصل بھلائی حاصل نہیں کرسکو گے۔ (نہیں، بلکہ ہر شے کو جس میں مفلسوں کے لئے کچھ بھی فائدہ ہو، خرچ کرنا چاہیئے) اور جو تم کسی شے سے خرچ کروگے، تو بلاشبہ اللہ اُسے خوب جاننے والا ہے (وہ تمہیں اس کا پورا اجر دے گا۔ خدا تعالےٰ کے حضور میں تم مِلٔ الارض ذھبًا یعنی زمین بھر سونے کا فدیہ دے کر بھی خلاصی نہیں پاسکتے۔ سو اگر تم نے صدقہ دینا ہے، تو اس دُنیا میں ہی دو، تاکہ وہ تمہارے لئے مفید بھی ہو)۔ (۹۰) (مُضر و خبیث اشیاء سے تو بہرصورت بچنا لازم ہے، لیکن بعض چیزیں جو طعام کا کام دے سکتی ہیں، جیسے بہتا خون اور مُردار اور لحم خنزیر اور مشرکانہ ذبیحوں سے تو حتی الوسع بچو۔ ہاں بے قراری و مجبوری کی حالت میں انہیں بھی برت سکتے ہو۔ اِن کے سوائے باقی کھانے کے قابل چیزیں پہلے ہی سے حلال چلی آتی ہیں، چنانچہ) بنی اسرائیل کے لئے تمام کھانے کے قابل چیزیں حلال تھیں، مگر جو کچھ (بنی اسرائیل کے باپ یعنی) اسرائیل نے (موسیٰ ۴ پر) تورات کے اُترنے سے پہلے اپنے آپ پر حرام کرلیا تھا (بنی اسرائیل اُسے اپنے نبی باپ کی سُنت سمجھ کر حرام جانتے تھے، لیکن اِس طرح سے کوئی چیز حرام نہیں بن سکتی۔ بنی اسرائیل سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے وقت تمام

احکامِ الٰہی) اور حکمت (یعنی ان کی تفسیر و تشریح) دُوں، پھر (کبھی) تمہارے پاس کوئی رسول آجائے، جو اس کی تصدیق کرے، جو تمہارے پاس ہے، تو تم نے اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا (کیونکہ حکم خدا کا ہے خواہ کسی کی معرفت آئے۔ یہ مت کہنا کہ ہم اس وقت اس امت کے حاکم اور خدا کے معشوق ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ بِل جُل کر نیکی کو بجا لاؤ اور صرف میرے عابد بنو ہے!) اللہ نے (ہر نبی کو) کہا، کیا تم نے اقرار کیا اور ہلن (باتوں) پر میرا ذمہ اپنے سر پر لیا۔ وہ (اپنے اپنے زمانہ میں) بولے۔ ہم نے اقرار کر لیا۔ اللہ نے فرمایا، سو تم گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں (میں دیکھوں گا کہ تم اس پر کاربند ہوتے ہو، یا نہیں)۔ پھر جو کوئی اس کے بعد منہ موڑے گا، تو وہ لوگ جو ہیں (خواہ وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں) وہی لوگ بے فرمان ہیں۔ (جب دین کا علاقہ صرف خدا تعالےٰ کے ساتھ ٹھیرا) پھر کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوائے (کسی اور کا دین) طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں، خوشی سے اور ناخوشی سے اُسی خدا کے مُسلم ہیں اور اُسی کی طرف موڑے جاتے ہیں۔ (جب تمام رسولوں کی تعلیم ایک ہی ہوئی، تو) تُو کہہ کہ ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم پر اُتارا گیا ہے اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب (علیہم السلام) پر نازل کیا گیا اور جو موسےٰ اور عیسےٰ اور دیگر نبیوں (علیہم السلام) کو اُن کے رب کی طرف سے دیا گیا، ایمان لائے۔ ہم ان (رسولوں میں سے) کسی ایک کے درمیان اختلاف نہیں ڈالتے اور ہم خدا کے ہی مُسلم ہیں۔ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کرے گا، تو وہ اُس سے قبول نہیں ہوگا اور وہ آخرت میں گھاٹے والوں سے بنے گا۔ اللہ اُس قوم کو کیوں کر ہدایت دے، جنہوں نے (خدا پر) اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور اس بات کی گواہی دے چکے کہ یہ پیغام لانے والا سچا ہے اور اُن کے پاس کھلی کھلی باتیں (بھی) آچکیں اور اللہ ظالم قوم کو (اُن کے ظلم پر مُصر رہنے کی صورت میں) ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ لوگ (جو ایسے ظالم) ہیں، اُن کی جزاء یہ ہے کہ (خواہ کوئی اُن پر لعنت کرے یا نہ کرے، اُن کی اپنی نافرمانی اور ظلم کے پھیلانے کے سبب سے خود ہی) اُن پر اللہ اور ملائکہ (یعنی کارکنانِ قدرت) اور تمام لوگوں کی لعنت پڑتی ہے۔ یہ اس (لعنت) میں رہ پڑنے والے ہیں۔ (یہی لعنت اُن کے عذاب کی صورت میں بدل جاتی ہے) اور جو عذاب اُن کے لئے (مقرر) ہے، اس میں کچھ تخفیف نہیں ہوتی اور نہ اُن کو (اس میں) ڈھیل ملتی ہے۔ ہاں وہ

لیں، سو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، سو تم اُسکے مُسلم بنو اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری دے ۸۴۔
اگر ہر زبان اور ہر ملک والے آپس کے شوریٰ سے کوئی مناسب جگہ تجویز کرلیں یا کسی ایسے مناسب مکان پر
جسے کسی موحد نے خلقت کو ایک بنانے اور تعلیم دینے کے لئے مقرر کیا ہو، جمع ہوکر شورے کریں اور تعلیم
حاصل کریں تو اس میں کیا حرج ہوسکتا ہے؟)۔ ۹۳ (تم جو کہتے ہو کہ بیت المقدس نبیوں کا منسک ہے، تو
کیا خانۂ کعبہ ابراہیم علیہ السلام کا منسک نہیں ہے، وہ بیت المقدس سے پہلے موجود تھا) بلاشبہ پہلا گھر جو
قوموں کو برکت (وخیر) پہنچانے کے لئے اور ہدایت (دینے) کے لئے لوگوں کے (قیام وانتظام کے)
واسطے (قدرتی طور پر نہیں، بلکہ مصنوعی طور پر) وضع کیا گیا ہے، وہ ہے، جو بکّہ (کی امن والی زمین)
میں ہے۔ ۹۴ اس میں (اس کے اوّل گھر اور باعثِ خیر اور موجبِ ہدایت ہونے کے تین) کھُلے نشان
ہیں۔ (ان میں سے اوّل یہ ہے کہ) وہ ابراہیم کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے (پس یہ بیت المقدس سے
بھی بالضرور اوّل ہے) اور (اس کے باعثِ خیر ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ) جو شخص اس میں داخل
ہؤا (وہ قوموں کے مشترکہ عہد وپیمان کی رُو سے) امن والا ہوگیا۔ (ایسے اکھٹر ملک میں امن کے ساتھ
اس کا تعلق ہونا صاف دکھلاتا ہے کہ اِس بات کا نیکی کے ساتھ ہی علاقہ ہے) اور (اس کے باعثِ
ہدایت ہونے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ) اُن لوگوں پر جو اس (گھر) کی طرف (جانے کے لئے) کوئی
سبیل پاسکتے ہیں (مثلاً جو ڈیلیگیٹ بنائے جاکر، یا اپنی تجارت کا فائدہ پہنچانے کو، یا مُسافروں
کی خدمتگاری کے لئے جاتے ہیں) تو اُن پر اس گھر کا قصد کرنا، اللہ کے لئے (ہی چلا آتا) ہے۔
(جس سے پوچھو، یہی جواب دیتا ہے کہ ہم بیت اللہ کی طرف جارہے ہیں۔ کوئی کسی بُت وغیرہ کا
نام نہیں لیتا۔) اور (وہاں جاکر) جو کوئی کُفر (وبُت پرستی) کرے، تو اللہ ایسے تمام اقوام سے
بے پرواہ ہے۔ ۹۵ (بلاشبہ مُلکوں کے ایسے تمام انتظام اسلام کے ہرگز ہرگز مخالف نہیں ہوسکتے)۔ تو کہہ
اے کتاب والو! تم کیوں اللہ کی آیات کے ساتھ کُفر کرتے ہو، اور اللہ تمہارے اعمال پر نگران ہے۔
۹۶ تو کہہ اے کتاب والو! تم کیوں اُس شخص کو جو ایمان لایا، اللہ کے رستہ سے اُس (رستہ) میں
کجی (کا پہلو) پیدا کرکے روکتے ہو، حالانکہ تم گواہ ہو (اور خود اپنے انبیاء میں ایسے اختلافات کو
دیکھ چکے ہو) اور اللہ تمہارے عملوں سے غافل نہیں ہے۔ ۹۷ (اہلِ کتاب سب یکساں نہیں ہیں، اُن
کا ایک بڑا فریق مخالفت پر تُلا ہؤا ہے، سو) اے ایمان والو! اگر تم اہلِ کتاب کے ایک (بڑے)
فریق کی پیروی کروگے، تو وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر کرکے موڑیں گے۔ ۹۸ اور تم

کھانے کے قابل چیزیں حلال تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے پیرو تھے ۲۳ وہ بھی انہی چیزوں کو ہی حلال جانتے تھے۔ پس جو چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حلال تھیں، وہی اب بھی حلال ہیں۔ پس تورات میں بنی اسرائیل کے لئے ان کی رسمی چیزوں کے، سزائی طور پر حرام کئے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چیزیں دراصل نوعِ انسان کے لئے اصولاً حرام ہیں، ہرگز نہیں) سو اگر تم سچے ہو، تو تورات کو لاؤ، پھر اسے پڑھ کر سناؤ (کہ یہ کھانے ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں بھی حرام تھے)۔ پھر جو شخص اس کے بعد اللہ پر جھوٹ باندھے (اور کہے کہ یہ چیزیں خواہ مخواہ حرام ہیں) تو یہ لوگ جو ہیں، تو یہی ظالم ہیں۔ تو کہہ کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ سو تم ابراہیم کے طریق کی جو مائل بحق تھا، پیروی کرو اور وہ مشرکوں سے نہیں تھا (یعنی وہ کسی انسان کا ایسا تابع نہیں تھا کہ اس کے کہنے سے کسی چیز کو حرام کہہ دے

اِن آیات سے پہلے اسلام ہی کے اصل دین ہونے کا ذکر چلا آیا ہے۔ اہلِ کتاب اس پر دو اعتراض کرتے تھے:۔

اوّل یہ کہ ہم اسلام میں آکر کیا تورات کی حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھ لیں گے اور وحی الہٰی کی مخالفت کریں گے؟ خدا تعالیٰ نے اس کا جواب بڑی صفائی کے ساتھ اوپر دے دیا ہے۔ اسلام اس قسم کے وہمی کھان پان کا حامی نہیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس لحاظ سے لوگوں کے الگ الگ فرقے بنائے جائیں اور ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کریں

پھر اسلام کے برخلاف اہلِ کتاب کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ ایسے اسلام کے ماننے سے یہ لازم آئے گا کہ ہم لوگ اپنے وحی والے طرزِ عبادت کو بھی دوسری قوموں کے لئے ضروری نہ سمجھیں اور اس کے لحاظ سے الگ فرقہ نہ بنائیں

دیکھئے، بیت المقدس ارضِ مقدسہ میں اور الارض التی بارکنا فیھا للعالمین ۲۱/۵ میں واقع ہے۔ یہ بہت سے نبیوں کی قوموں کے لئے ایک منسک چلا آتا ہے۔ تم اس کے برخلاف مکّہ میں جمع ہوتے ہو اور اسے منسک بناتے ہو۔ اب بتاؤ کہ مکّہ داخلِ اسلام ہے یا بیت المقدس۔ اسلام کسی صحیح منسک کا مخالف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سورت حج میں فرماتا ہے کہ ہم نے ہر اُمت کے لئے ایک نہ ایک منسک یعنی جائے عبادت و اصلاح کو جائز بنایا ہے، تاکہ وہ ایک دوسرے کی دعوتیں کرنے کے لئے، اس پر جو خدا نے انہیں بھیمۃ الانعام سے رزق دیا ہے، اللہ کا نام

۱۱۰ (اے مبلغین) تم (پہلے سے ہی) اچھی جماعت چلے آتے ہو، جو لوگوں کے (فائدہ کے)
لئے نکالے جاتے ہو۔ تم معقول بات کا حکم کرتے ہو اور نامعقول سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان
رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب بھی اسی طرح ایمان لائیں، تو اُن کے لئے بہتر ہے۔ اُن میں سے
بعض تو ضرور مومن ہیں اور اُن کے اکثر فاسق ہیں۔ ۱۱۱ وہ (فاسق) تمہیں نقصان نہیں
پہنچائیں گے، لیکن ستائیں گے ضرور، اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر دیں گے اور
اُن کی مدد نہیں کی جائے گی۔ ۱۱۲ اُن پر ذلت ڈالی گئی ہے، جہاں کہیں وہ پائے جائیں، مگر اللہ کی
رسّی سے (یعنی اُس عہد سے جو لوگوں سے سب کے ساتھ رحم اور انصاف کرنے کا لیا گیا ہے) اور
لوگوں کی رسّی سے (یعنی اُس عہد و رشتہ سے جو لوگ اُن کے ساتھ خود ہی پیدا کر لیتے ہیں) اور
وہ اللہ کی طرف سے (بجائے رحمت کے) غضب کو لے کر لوٹے اور اُن پر مفلسی ڈالی گئی۔ یہ اس
لئے ہے کہ وہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اِس بات
کا نتیجہ ہے کہ اُنہوں نے نافرمانی کی اور وہ تعدّی کرتے تھے۔ ۱۱۳ یہ (اہلِ کتاب سب) یکساں
نہیں۔ اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت ایسی ہے، جو حق پر قائم ہے۔ وہ رات کے اوقات میں
اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔ ۱۱۴ وہ اللہ اور یومِ آخر کو مانتے ہیں، اور
معقول کا حکم کرتے ہیں اور نامعقول سے روکتے ہیں۔ اور نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں
اور یہ لوگ صالحین سے ہیں۔ ۱۱۵ اور جو کوئی خیر یہ کرتے ہیں، تو اُن کی بے قدری نہیں کی جائیگی
اور اللہ متقیوں کو (جہاں بھی وہ ہوں) خوب جاننے والا ہے۔ ۱۱۶ بلاشبہ وہ لوگ جو کافر ہوئے
تو اُن کو اُن کے مال اور اُن کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہیں دیں گے، اور وہ لوگ آگ
والے ہیں۔ وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں۔ ۱۱۷ (یہ لوگ اسلام کو مٹانے کے لئے جنگ کی
تیاری کر رہے ہیں اور حق کی مخالفت میں چندے جمع کرتے ہیں، سو) یہ لوگ جو اس دُنیا کی
زندگی میں خرچ کرتے ہیں، تو اس کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ ایک ہوا ہو، جس میں بڑی سخت سردی
ہو (جو نباتات کو جلا دے) وہ اِن لوگوں کی کھیتی کو پہنچے، جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، سو وہ
اسے برباد کر دے اور اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا، لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ۱۱۸ (پس ایسے
ظالموں سے بچو، جو اسلام کی مخالفت میں خرچ کر رہے ہیں) اے ایمان والو! اپنے لوگوں کے
سوائے کسی (ایسے ظالم) کو رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے، وہ

کس طرح سے کافر ہو گے، حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور (ابھی قرآن کا اور حصہ نازل ہونے والا ہے، اور اس کے لانے کے لئے) تم میں اللہ کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ کو مضبوط کر کے پکڑ لیوے، تو وہ بالتحقیق سیدھے راستہ کی طرف چلایا گیا ہے۔ ۱۰ع

(یعنی اصل اسلام ہے۔ اس سے مُنہ نہ موڑنا) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جو اُس سے ڈرنے کا (تمہاری وسعت کے مطابق تم پر) حق ہے اور نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ اور تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو (جو تمہیں جوڑنے اور ایک بنانے کے لئے نازل کی گئی ہے) مضبوط کر کے پکڑو، اور فرقہ فرقہ مت بنو اور اللہ کی اس نعمت کو جو تم پر کی گئی ہے، یاد کرو۔ جب کہ تم دشمن دشمن تھے۔ سو اُس (ایک خدا) نے تمہارے دِلوں کے درمیان جوڑ لگا دیا، سو تم اُس کے انعام سے بھائی بھائی بن گئے۔ (یہ ہے اسلام کی حریت و مساوات) اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے (یعنی تم آگ میں گرنے والے تھے) سو خدا نے تم کو اس (آگ) سے چھڑا دیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔ اور (اس کے لئے ہمیشہ تبلیغ کو جاری رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے) چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو، جو اصل خیر کی طرف بلاتے ہوں، اور معقول بات کا حکم کرتے ہوں اور نامعقول سے روکتے ہوں اور یہ لوگ جو ہیں، تو یہی فلاح پانے والے (اور کامیاب ہونے والے) ہیں۔ اور اُن لوگوں کی مانند مت بننا جو (صورتوں اور معمولی باتوں میں اختلاف کر کے اور اپنے اپنے بزرگوں کو الگ الگ اصل مطاع بنا کے) فرقہ فرقہ بن گئے اور کھلی دلائل آنے کے بعد انہوں نے اختلاف کیا اور یہ لوگ جو ہیں، تو ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ (مرنے کے بعد تو ضرور ایسا ہو گا) جس دن ایک مُنہ روشن ہوتے ہیں اور ایک مُنہ کالے ہوتے ہیں، سو لیکن وہ لوگ جن کے مُنہ کالے ہوئے (انہیں کہا جاتا ہے کہ) کیا تم اپنے ایمان (لانے) کے بعد کافر بن گئے تھے، سو اِس عذاب کو اپنے (معاندانہ) کافر بننے کے بدلہ میں چکھو۔ ولیکن وہ لوگ جن کے مُنہ روشن ہوئے، تو وہ خدا کی رحمت میں ہیں، وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں۔ یہ اللہ کی (یعنی ہماری) آیات ہیں۔ ہم انہیں حق کے ساتھ تجھ پر پڑھتے ہیں اور اللہ جہان والوں کے ساتھ ظلم کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ (اُن کی متعلقہ) زمین میں ہے، اللہ ہی کا ہے اور سب کام اللہ کی طرف ہی موڑے جاتے ہیں (یعنی تمام آخری نتائج خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں ہیں)۔ ۱۱ع

اہلِ کتاب کو اہلِ اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کی جرأت اس سبب سے ہوئی تھی کہ انہوں نے اہلِ اسلام کے مصائب کو بچشمِ خود دیکھ لیا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر انہیں ہر طرف سے دبا دیا جائے اور ان پر سخت زور ڈالا جائے تو پھر ان کے وہ تمام خواب، جنہیں یہ لوگ اپنی اصلاح کے متعلق دیکھ رہے ہیں، مدھم پڑ جائیں گے اور لوگ اس رسولؐ کو تنہا اور بے مدد چھوڑ دینگے اس وقت خود اس رسولؐ کا اپنا قیام بھی ہمارے ہی رحم پر منحصر ہو جائے گا

اس قسم کے وجوہات کو مدِنظر رکھ کر اس جگہ جنگِ اُحد کا بیان کرنا ضروری ہؤا، تاکہ خوب طرح سے واضح کر دیا جائے کہ اہلِ اسلام کو اس سے کیسے کیسے سبق سکھانے مقصود تھے کیا لوگ بھی اپنے مصائب سے آئندہ کے لئے ایسے ہی سبق حاصل کیا کرتے ہیں۔ اہلِ اسلام میں قوتِ پرواز پیدا ہو چکی ہے۔ جب بات یہ ہے، تو یہ لوگ تمہارے داؤں سے کسی طرح سے بھی نہیں دب سکتے

اُوپر کی آیت میں اللہ تعالےٰ وعدہ فرماتا ہے کہ اگر تم صبر پہ قائم رہو گے اور تقویٰ کو اختیار کرو گے، تو اشرار کا داؤ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ خود خدا تعالےٰ بھی اسی صورت میں تم کو اُن کے داؤ سے بچائے گا۔ دنیا میں آنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ صاحبِ اختیار انسان صابر اور متقی بن کر اس دنیا سے چلے جائیں اور خدا تعالےٰ کے حضور میں اُس کی رضامندی حاصل کریں اور اعلیٰ مراتب پائیں

اس تیرھویں رکوع میں فرمایا ہے کہ اے اہلِ اسلام! اجتماعی لحاظ سے اسی قاعدہ کی خلاف ورزی کے سبب جنگِ اُحد میں تم کو مصیبتیں پہنچی ہیں۔ مدد کا وعدہ ہمیشہ صبر و تقوےٰ کی بناء پر ہی ہؤا کرتا ہے۔ اجتماعی حالت کے لحاظ سے خود نبی بھی ان مصائب میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں۔ اختیار صرف اللہ تعالےٰ کا ہے۔ بُرائی کرنے والی قوم اگر اپنے نبی کو بھی نقصان پہنچا دے تو اس میں کوئی جائے تعجب نہیں

اہلِ اسلام توحید کی طرف بُلاتے اور معقول کا حکم کرتے اور نامعقول سے روکتے تھے۔ لوگ اُن کے ساتھ سختی سے پیش آتے اور موقعہ پاکر قتل بھی کر ڈالتے تھے۔ آخر وہ لاچار ہو کر اور چھُپ چھُپ کر بھاگ نکلے اور سینکڑے میلوں پر جا بسے۔ کفّار نے اس جگہ بھی کافی تیاری کر کے انہیں امن نہیں لینے دیا۔ کوئی بتلائے کہ وہ اس صورت میں کیا کرتے۔ جب وہ مکہ سے فی سبیل اللہ

فرشتوں کی مدد دے گا اور یوں اللہ تبارک و تعالیٰ تمہاری کمی کی بخوبی تلافی کر دے گا
فرشتوں کی یہ مدد اس لئے نہیں آتی کہ فرشتے خود آ کر آدمیوں کی طرح جنگ کریں اور تلوار چلائیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ ملائکہ کے نزول کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مظلوموں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے لا کر بشارتیں دیتے ہیں اور اُن کے دلوں میں اطمینان بھر دیتے ہیں، ورنہ مدد تو صرف اللہ عزیز و حکیم کی طرف سے ہی آتی ہے اور ملائکہ کا اس میں خود اپنا کوئی دخل و اختیار نہیں ہوتا
لیکن اگر مظلوم لوگ خدا تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق فتح کا معائنہ تو کر لیں اور حملہ آوروں کو بدحواس کر کے بھگا بھی دیں، مگر اپنے اجتماعی نظام سے پھسل جائیں اور آپس میں جھگڑا کرنے لگیں، متحدہ نظام کی خلاف ورزی کریں، عاصی بن جائیں اور غنیمت حاصل کرنے کے لالچ سے اس درّے یا ناکے کو بھی چھوڑ دیں، جس پر وہ پیچھے سے دشمن کے حملہ آور ہونے کو روکنے کے لئے متعین کئے گئے تھے اور باوجود پکارنے کے کسی ایک کی آواز پر بھی نہ مُڑیں اور جو کافر درّہ کی تاک میں لگے ہوئے تھے، ناکے کو خالی پا کر اُدھر سے حملہ کر دیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم زخمی اور بے ہوش ہو کر گڑھے میں گر پڑیں اور حضور صلعم کی موت کی شہرت پھیل جائے اور دوسرے کفّار کو جب یہ خبر پہنچے، تو وہ بھی واپس آ جائیں اور یوں وہ مظلوم زائد مصائب میں پھنس جائیں تو اس میں خدا تعالیٰ کا کیا قصور ہے؟
اس میں رسول و نبی کی حقیقت بھی کھول دی گئی ہے۔ اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے، پھر جب اُن مظلوموں کی عاجزی کا یہ حال ہوا، تو خدا تعالیٰ نے سچے خیر خواہوں کو امن دینے کے لئے اُن کے اوپر اُونگھ نازل کی، جس میں اُن کی دلی حالت ٹھیک ہو گئی اور ان کے اوسان قائم ہو گئے اور نبی صلعم کا زندہ ہونا بھی لوگوں پر واضح ہو گیا، تو وہ مظلوم پھر مقابلہ کے لئے جم گئے۔ کفّار چونکہ بھاگنے میں بدحواس ہو چکے تھے اور بہت سا سامان کھو چکے تھے، خدا تعالیٰ نے اُن کے دل میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے اس وقت واپسی کو ہی غنیمت جانا[1]

---

[1] اس میدان کا نقشہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں رسولِ کریم صلعم نے اپنی فوج کو اُتارا، اس کے تین طرف اُونچا پہاڑ تھا اور سامنے کھلا میدان تھا۔ حضورؐ نے پتھر دل سے مومنوں کے لئے ایسے مورچے بنائے، جن کے پیچھے بیٹھ کر وہ تیر اندازی کر سکتے تھے۔ اور پتھر برسا سکتے تھے۔ پہاڑ کے ایک طرف ایک راستہ تھا (بقیہ نوٹ ص ۴۹۲)

چل کر بھی ستائے گئے، تو وہ چاہتے تھے کہ ایسے لوگوں سے جنگ کریں، اگرچہ مارے ہی جائیں۔ روز کا ستایا قتل سے بھی سخت تر ہے۔ لیکن اس وقت انہیں جنگ سے روکا جاتا تھا اور دوسری جگہ جا کر پناہ لینے کی رغبت دلائی جاتی تھی۔ اب جبکہ انہوں نے ہجرت کر لی، اور گھر بار اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر مدینہ میں آ جمع ہوئے، تو وہ کفار پھر بھی اُن کا پیچھا کرنے سے نہ ٹلے۔ اس وقت ان مظلوموں کو جنگ کی اجازت دی گئی۔ چونکہ اہلِ اسلام کو اِن اقوام سے بھی خوف تھا، جو ہجرت والے علاقہ میں بستی تھیں، اس لئے انہوں نے حملہ آوروں کو راستہ میں آ کر روکا۔ ایسے عاجزی کے وقتوں میں مظلوم خدا پرستوں کی اندرونی قوتیں جوش میں آجایا کرتی ہیں۔ جس قدر اُن میں کمی ہوتی ہے، اُتنا ہی زور اُن میں پیدا کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر وہ بے سروسامان مظلوم صرف تین سو ہوتے ہیں اور باسامان حملہ آور تیرہ سو ہوں، تو ملائکۃ اللہ بحکمِ خدا اُن کی باطنی قوتوں کو حرکت میں لاتے ہیں اور اُن کو رنگا رنگ اور اعلیٰ بشارتیں دیتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اور فتح انہیں قریب دکھلائی دیتی ہے۔ اس سے اُن کی بے سروسامانی اور کمزوری کی تلافی ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اپنے صبر و تقویٰ اور فرمانبرداری اور اتحاد سے کام لیتے ہیں اور ایک نظام کے ماتحت ہو کر مدافعت کرتے ہیں، تو الٰہی مدد اُنہیں فتحیاب اور ظفر مند بنا دیتی ہے۔ یہ مدد ایک ہزار فرشتہ کی کہلاتی ہے۔ اشرار کے منہزم ہونے اور ان کو قید کرنے اور اُن پر فتح پانے اور رضائے الٰہی اور جنّات کو حاصل کرنے اور اہلِ اسلام کی آزادی کو دیکھنے اور ملک میں امن قائم ہو جانے کی رنگا رنگ بشارات کو لانے کے لئے اور ہر طرح کی باطنی قوتوں کو کام میں لانے کی خاطر اُن کے لائق ملائکہ میں بھی تعدد کی ضرورت ہے

اسی طرح اگر مومن صرف سات سو ہوں، اور ظلم پیشہ حملہ آور سینتیس سو سے اوپر ہوں تو اسی قاعدہ کے موافق ان کا گورنر اُن کو خدا تعالےٰ کے فضل کی اُمید دلا سکتا ہے کہ گھبراؤ نہیں تم اپنے صبر و تقوےٰ سے کام لو اور فرمانبردار ہو کر ایک نظام کے ماتحت بنیان مرصوص کی طرح آگے بڑھو، تو کیا خدا تعالےٰ تمہارے لئے کافی نہیں کہ وہ تمہاری مدد تین ہزار فرشتوں کے ساتھ کرے اور جس طرح حملہ آوروں کو مختلف اقوام کی مدد پہنچ رہی ہے اور آگے بھی اُن کے مددگار ایسے ہی جوش کے ساتھ چلتے آویں اور تم اپنے صبر اور تقوےٰ کو قائم رکھو تو خدا تعالےٰ تمہیں پانچ ہزار

دکھوں اور اندھیروں اور غلطیوں کو صبر و آسانی سے گذار لیتا ہے۔ اس قدرتی قاعدہ سے کوئی بڑا یا چھوٹا آدمی اس دنیا کی زندگی میں نکل نہیں سکتا

پندرھویں رکوع میں نبیوں کی حقیقت کھولی گئی ہے۔ وہ بندے ہی ہوتے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح سے ہی ترقی حاصل کر سکتے ہیں، جس طرح دوسرے لوگ ترقی پا سکتے ہیں۔ وہ کوئی اپنا الگ اختیار لے کر نہیں آتے۔ نیکوں کو ان کے نمونہ سے خدا تعالےٰ پر بھروسہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالےٰ ہی سے ثابت قدمی مانگتے ہیں اور دُنیا و آخرت میں خدا تعالےٰ ہی پر توکل اور اُمید رکھتے ہیں اور یوں ترقیاں پاتے اور محسن بنتے جاتے ہیں

سولھویں رکوع میں دکھلایا ہے کہ کفّار و منافقین مومنوں کو گمراہ کرنے اور پھسلانے کی حد سے زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ مگر چونکہ اُن کے دلوں میں خدا تعالےٰ کی محبت اور اس کی مدد پر توکل رکھنے کا ملکہ راسخ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ اُن شبہات کو جو لوگ اُن کے دلوں میں ڈالتے ہیں، دُور کرتا رہتا ہے اور خود اُن کے لئے مدد کے سامان مہیّا کر دیتا ہے۔ آخر ان کے قصور اُن کی بساط کے مطابق معاف کئے جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ غفور حلیم ہے۔ وہ نیک دلوں کو اُن کے باطنی اخلاص کے سبب سنبھال لیا کرتا ہے۔

سترھویں رکوع میں ایک عالیشان اصول سکھایا ہے کہ جب لوگ دنیا میں کوئی تحقیقاتی سفر کریں یا تجارت کے لئے نکلیں یا جائز جنگ کے لئے جائیں، تو اُن کے بارہ میں یہ نہ کہا کرو کہ اگر وہ گھر میں بیٹھے، تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے۔ ایسا کہنا ہمت والوں کو ہمت کے کاموں سے روکنا ہے۔ صاحبِ اختیار انسان دنیا میں اس لئے آتا ہے تاکہ خلقت کو زائد فائدہ پہنچائے اور اللہ تعالےٰ کے حضور زائد مغفرت اور زائد رحمت پائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی کو سفر و غزا پر بھیجنے سے پہلے مشورہ کیا جائے۔ مشورہ کے اس حکم سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے جنگِ اُحد میں نافرمانی کی اور جنگ کا نقشہ بگاڑ دیا، وہ ناقابلِ اعتبار نہیں سمجھے گئے۔ وہ جماعت میں ہی داخل تھے۔ اُن سے پہلے کی طرح مشورہ کرنا اور اُن کی رائے لینا ضروری تھا۔ نبیؐ کے دل میں اُن کی طرف سے کوئی کھوٹ نہیں تھا

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیرِ وحی والے لوگوں کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم دینے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریم صلعم کی ہر بات وحی نہ تھی اور وحی الٰہی کے ساتھ مثلہٗ معہٗ نہیں بن سکتی

چودھویں رکوع میں صبر و تقویٰ کے متعلق وہ باتیں سکھائی گئی ہیں جن کے سبب سے اتحاد و یک جہتی اور ایک نظام کے ماتحت کام کرنے کی رغبت ہو۔ گذشتہ غلطیوں سے مغفرت چاہی جائے اور اعلیٰ ترقیات کا شوق دلایا جائے اور گذشتہ اور موجودہ لوگوں سے سبق حاصل کیا جائے اور بتلایا جائے کہ سچی ثابت قدمی کے بغیر کوئی ترقی نہیں مل سکتی

اس رکوع میں ایک قدرتی قانون کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ فرمایا کہ یہ ایام ہم لوگوں کے درمیان بدلتے لاتے ہیں۔ کبھی رات ہوتی ہے، کبھی دن آتا ہے، کبھی سردی آتی ہے، کبھی گرمی پڑتی ہے، کہیں خشکی ہے، کہیں تری۔ کبھی سُکھ ہوتا ہے، کبھی دُکھ۔ ایک وقت صحت ملتی ہے، دوسرے وقت بیماری آتی ہے۔ کبھی قوّت پیدا ہوتی ہے، کسی وقت ضعف کے آثار نمودار ہوتے ہیں کسی بات کا نتیجہ صحیح نکلتا ہے، کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ اس سے آدمیوں کے حالات کا تغیر و تبدل اور اُن کی کمزوری دکھلائی جاتی ہے، تاکہ لوگ خدا تعالےٰ کی طرف مائل ہوں اور آپس میں محبت و اتحاد رکھیں، اس سے لوگوں کو آئندہ کے لئے ہوشیار رہنا بھی سکھایا جاتا ہے۔ ہوشیار رہنے والا

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۴۹۱) اس پر کچھ لوگ متعیّن کئے اور تاکید فرمائی کہ بغیر حکم کے یہاں سے نہ ہلنا۔ جب جیرہ بھی کے حامی کفّار سامنے آئے تو مومنوں نے اپنے مورچوں کے پیچھے سے اُن پر تیر اور پتھر برسائے۔ کفّار اس مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور بدحواس ہو کر بھاگے۔ مومنین تلواریں سُوت کر ان کے پیچھے ہو لئے۔ مومنین کا ارادہ تھا کہ انکے پاؤں نہ جمنے دیں اور قتل کے ساتھ ان کا زور توڑ کے انہیں تتر بتر کر دیں۔ اسی اثنا میں ناکے والوں نے سمجھا کہ جب کفّار بھاگ گئے، تو اب اِدھر سے کون آسکتا ہے وہ دُنیا کے لالچ کے سبب پھسل گئے اور آپس میں جھگڑا کرنے لگے اور اپنے جنرل کے نافرمان بن کر لُوٹ مار کے پیچھے ہو لئے۔ ان میں سے بعض آخرت کے طالب بھی تھے وہ تعاقب کرنے والوں کی مدد کے خیال سے نکلے۔ ناکے والے لوگ مومنوں کے اور خود رسولؐ کے پُکارنے کے باوجود بھی نہ مُڑے ناکے کے دُوسری طرف کچھ کفّار اپنی فوج کی شکست سے بے خبر ہو کر غار وغیرہ میں چھُپے ہوئے تھے موقعہ پا کر حملہ آور ہوئے اور رسولِ کریمؐ کو زخمی کر کے گرا گئے باقیماندہ مومن رسولؐ کی حفاظت کیلئے آموجود ہوئے جب اُنہوں نے مومنوں کا زور دیکھا اور معلوم کیا کہ اُنکی اپنی فوج بھاگ گئی ہے تو وہ اپنی فوج کو واپس لانے کیلئے مُڑے راستہ میں اُنہوں نے رسولِ کریمؐ کی وفات کی خوب شہرت پھیلائی اور کہا کہ ہم انہیں مار کر آگئے ہیں جب تعاقب کرنیوالوں کو یہ خبر پہنچی تو وہ حیران ہو کر پیچھے لوٹے پھر کفّار نے اپنی فوج کو اکٹھا کر کے دوبارہ حملہ کیا لیکن آکر دیکھا کہ خود رسولِ کریمؐ پہلے کی طرح مقابلہ کرنے کیلئے موجود ہیں اب چونکہ وہ تھکے ہوئے تھے انہوں نے اسوقت مکہ کو واپس جانا ہی غنیمت جانا راستہ میں دوسری اقوام نے انہیں اُکسایا اور کہا کہ ہم جمع ہو کر تمہارے ساتھ چلتے ہیں ایسی پریشانی کیجا تمہیں انہیں چھوڑ دینا ٹھیک نہیں جب یہ خبر رسولِ کریمؐ کو پہنچی تو آپ مومنوں کو ساتھ لیکر انکے مقابلہ کیلئے آگے بڑھے مومنوں کی یہ جرأت دیکھکر وہ قومیں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئیں اور قریش نے بھی مناسب جانا کہ اپنے شہر کو لوٹ جائیں اور مومن فضل الٰہی کے ساتھ وہاں سے صحیح وسلامت واپس آئے ✦

والا ۲۵/۱ قرار دینا خدائی حکمت کے یقیناً برخلاف ہے
جو لوگ رسولِ کریم صلعم کے گھروں میں کھانا کھانے کے لئے جاتے تھے وہ قبل از وقت وہاں جا پہنچتے تھے اور کھانا کھانے کے بعد باتوں کے لالچ میں بیٹھے رہتے تھے۔ حضورؐ کو اِس سے اذیت پہنچتی تھی۔ آپؐ بخوبی جانتے تھے کہ ان لوگوں کا ایسا کرنا موجب اذیت ہے، اور اس لئے دین کے برخلاف ہے لیکن آپؐ اسے وحی الٰہی نہیں سمجھتے تھے، اس لئے اس کے اظہار سے شرماتے تھے اور خود اپنے آپ پر تکلیف لیتے تھے، لیکن جب خود قرآن مجید نے لوگوں کو اِس بات سے روک دیا، تو حضور صلعم نے اسی بات کو جس کے بیان کرنے سے پہلے شرماتے تھے، بڑی صفائی کے ساتھ ظاہر کر دیا۔ اس وقت آنجنابؐ کو قرآن کے پہنچانے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی تھی۔ اگر آپ وحی الٰہی کا اظہار نہ کرتے اور وحی الٰہی کو ممتاز اور الگ کر کے نہ دکھلا دیتے اور حکمِ خدا کو کھول کر نہ بیان کر دیتے، تو رسالت کے پہنچانے والے ہی نہ ہوتے۔ آپؐ کی رسالت وحی الٰہی کو الگ کر کے بیان کر دینا ہی تھی ۳۳/۵۳
حاصل یہ ہے کہ وحی والا دین وہی ہے جو قرآن کریم میں لایا جائے۔ حدیثوں کو معقول ہونے کے لحاظ سے لیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشورہ کا حکم دینے کے بعد صاف طور پر فرما دیا ہے کہ کسی نبی کے لئے لائق نہیں کہ خیانت کرے۔ ہر نبی، رسولِ امین ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے حکموں کو بلا کم و کاست ہی پہنچاتا ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے کسی حکم کو چھوڑ نہیں دیتا۔ وہ خدا تعالےٰ کے تمام حکموں کے پہنچانے کے لحاظ سے مبلّغ امین تو ضرور ہوتا ہے، لیکن وہ خدا تعالےٰ کے کسی ایک حکم کے پہنچانے کے لحاظ سے خود کسی صورت سے بھی اصل مطاع نہیں بن سکتا۔ مطاع ہونے کے لحاظ سے دو کو اصل بنانا ویسا ہی شرک ہے جیسا کہ ہزارہا بشروں کو اصل قرار دینا
رسولِ کریمؐ کے لئے خود مکّہ جیسے امن والے شہر میں بھی کوئی امن نہ تھا (و انت حلٌّ بھذا البلد ۹۰/۲) دیگر موحد خدا پرستوں کو بھی وہاں سے کئی دفعہ ہجرت کرنی پڑی۔ ظالم لوگوں نے ان کا وہاں بھی تعاقب کیا۔ ایسے لوگوں کے درمیان رسولِ کریمؐ کا مدت تک بچے رہنا اور جب حضورؐ کے قتل کے لئے ندوہ کیا گیا، تو آنجنابؐ کے وہاں سے بسلامت بچ کر ہجرت کر آنا بھی فضلِ الٰہی کے بغیر ناممکن تھا۔ ایسے شہر میں مدت تک ستاسی مکّی سورتوں کا برملا وعظ کر کے حضورؐ کا قتل سے بچ رہنا نہایت ہی عجیب واقعہ ہے

تھی۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید نبی صلعم کے مشوروں سے ہی لکھا جا کر وحی بن گیا ہے۔
اگر نبی صلعم کے مشورہ میں خود وحی بننے کی طاقت ہوتی، تو ضرور ہے کہ قرآنِ حکیم کی عبارت
بھی نبی ؑ کے لوگوں کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد ہی لکھی جاتی ہو

اگر رسولؑ کے تمام وہ کلمات والفاظ جن میں دین کا بیان ہو، یا تمام وہ مضامین جو
دین سے تعلق رکھتے ہوں (لیکن مشورہ یا قیاس سے حاصل ہوئے ہوں) وحی الٰہی ہوں اور
اُن کو قرآنِ پاک میں لا کر الٰہی تصدیق کا جامہ پہنانے کی ضرورت نہ ہو، یعنی وہ قرآن سے
باہر رہ کر بھی قرآن کی طرح وحیٔ یوحیٰ قرار دیئے جائیں، تو ایسے رسولؑ کو الگ قرآن کے ملنے
کی کونسی ضرورت باقی رہ سکتی ہے

اگر رسولؑ میں دوسرے لوگوں سے الگ قسم کی عقل ہوتی، جس کا مقابلہ کرنا لوگوں کے لئے
محال ہوتا، یا رسولؑ میں کوئی الگ ملکۂ نبوّت ہوتا، جو دوسرے لوگوں میں نہ پایا جاتا، یا رسولؑ کے
پاس ایسے اصول ہوتے، جن سے دوسرے لوگ کام نہ لے سکتے، یا کوئی اور ایسی قوّتِ فہم
ہوتی، جو دوسرے انسانوں میں نہ پائی جاتی، تو ایسا رسولؑ یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ میں تمہارے
جیسا ایک بشر ہوں۔ اگر میں نے قرآن کو افترا کیا ہے، تو تم اس کی مثل ایک سورت یا دس
سورتیں افتراء کر کے لے آؤ۔ اگر رسولؑ کا ایسا دعوےٰ ہوتا، تو لوگ اُسے صاف کہہ سکتے تھے
کہ جبکہ تُو اپنے آپ کو دوسرے بشروں سے نرالا بتلاتا ہے لہذا یہ قرآن نرالے بشر کا نرالا افتراء
ہے۔ ہمارے آگے جو تیری طرح نرالے بشر نہیں ہیں، ایسے ثبوت کا پیش کرنا باطل ہے

اگر اکیلے اللہ تعالےٰ کو بے غلط یا اصل مطاع یا مُنتہائے سوال یا احکم الحاکمین مان لیا جائے
اور اس کے ساتھ کسی رسول کو بھی بالغیر مُنتہائے سوال نہ مانا جائے تو کیا اکیلے خدا تعالےٰ
کے اصل مطاع یا مُنتہائے سوال ہونے سے رسول کو ہر قسم کی وحی مل سکتی ہے یا نہیں؟ اگر
اکیلے خدا تعالےٰ کو مُنتہائے سوال ماننے سے ہر قسم کی وحی کامل و مکمل طور پر مل سکتی ہے، اور
رسول کو بالغیر مُنتہائے سوال بنانے کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، تو ایسے کافی و کامل خدا
کے ساتھ رسول کو الگ مُنتہائے سوال بنانے کی کیا ضرورت ہے

جو رسولؑ خود ہی قرآن ہے، اُس پر قرآن کے الگ اُتارنے کا احسان رکھنا ۵۱/۴۔ اور
قرآن کے بغیر اُسے ضال ۷/۹۳ اور غافل ۳/۱۲ اور بے علم ۱۱۳/۴ اور کتاب و ایمان کو نہ جاننے

کی خبریں آپہنچی ہیں۔ یہ قریش ایک فوج ہے جو دیگر احزاب میں یہاں بھاگی کھڑی ہے۔ ابھی جماعتیں بھاگ جائیں گی اور پیٹھیں پھیر دیں گی۔ خیانت پیشہ لوگوں کا داؤ نہیں چل سکے گا۔ حق باطل پر پڑ کر اس کا بھیجا نکال دے گا۔ انجام بخیر متقیوں کے لئے ہے۔ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ اگر شکر کرو گے، تو خدا تعالےٰ ضرور تمہیں ترقی دے گا۔ نہ سست ہو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب ہو، اگر تم مومن ہو۔ جو اللہ تعالےٰ پر توکّل کرے، اللہ اُس کے لئے کافی ہے وغیرہ وغیرہ

آخر کار اللہ تعالےٰ نے رسولؐ کی زندگی ہی میں تمام رسولوں اور نبیوں سے بڑھ کر رسولؐ کی مدد کی اور رسولؐ کی حیات ہی میں عرب جیسے ملک میں وہ اتحاد اور قوّت پیدا کر دی، جس کے آگے قیصر و کسریٰ بھی نہیں ٹھیر سکے

کیا خدا تعالےٰ نے یہ مدد باطل کو دی ہے۔ باطل نہ نئے سرے سے ہی کوئی اصلاح پیدا کر سکتا ہے اور نہ بگڑے ہوئے ہی کو سنوار سکتا ہے، یا کیا یہ مدد چالبازی اور جبرِ مذہبی اور ظلم اور فساد کو ملی ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا، تم کیسے فیصلے دیتے ہو

کیا یہ مدد اُن لوگوں کو مل سکتی ہے، جنہوں نے اسلام کی جگہ احمدیت و بہائیت کو پیش کیا ہے۔ جنہوں نے سچے مسلموں اور قرآن پر چلنے والوں کو کافر بنایا ہے اور انسانی شخصیتوں کی عابدانہ یعنی اعتقادی اطاعت پر زور دیا ہے، جنہوں نے کہا کہ رسولؐ مومنوں کو اپنے بندے کہتا تھا، حالانکہ اللہ تعالےٰ رسولؐ کو فرماتا ہے کہ تُو اپنے بازو مومنوں کے لئے پست کر دے اور اُن کے آگے متواضع ہو اور جب وہ آئیں، تو خود اُنہیں سلام کہہ اور کسی سے کوئی اجر نہ مانگ۔ خدا تعالےٰ نے تجھے مومنوں سے قوّت دی ہے، تو کسی اندھے کے ساتھ بھی ترشروئی سے پیش نہ آنا۔ تُو اُن سے مشورہ کرنا۔ اگر تو درشت طبع اور سخت دل ہوتا، تو لوگ تجھ سے بھاگ جاتے، تُو بدی کے عوض میں بھی نیکی کرنا، تیرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ تجھ میں خدائی کی کوئی صفت نہیں ہے۔ تُو اپنے نفع و ضرر کا مالک نہیں ہے۔ جو خدا چاہے گا، وہی کرے گا۔ تجھے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ تیرے ساتھ کیا کیا جائیگا اور اُن کے ساتھ کیا ہو گا

پھر کیا سچے اہلِ علم اُن لوگوں پر ریجھ سکتے ہیں، جو ایک کرتے پر سرخی کا نشان دکھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے قلم کو ضرورت سے زیادہ سرخی لگ گئی تھی، اس لئے خدا

پھر جب آپ مدینہ میں ہجرت کر کے آگئے، تو کفار نے اہل اسلام کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہا، وہ بڑے بڑے سامانوں کے ساتھ اور بڑی بڑی جماعتیں ہمراہ لے کر حملہ آور ہوئے رسول کریم کثیر حملہ آوروں کے مقابلہ میں ہمیشہ میدانِ جنگ میں پیش پیش ہوتے تھے۔ایسی کمزوری کی حالت میں حضورؐ کا قتل کیا جانا بالکل قرین قیاس تھا۔ جنگِ احد میں تو آنجنابؐ کے قتل کئے جانے کی خوب شہرت ہوگئی تھی، لیکن عزیز و حکیم خدا نے اس سردارؐ کو موت جیسی بے ہوشی کے بعد مسیحؑ کی طرح عین میدانِ جنگ میں ہی بچالیا

حضورؐ سے توحید الٰہی کا وعظ سُن کر مشرکوں کے دلوں میں رُعب بیٹھ جاتا تھا۔ آپؐ نے اپنے لئے لوگوں سے کبھی کوئی اجر نہیں مانگا، بلکہ بحکم خدا فرمایا کہ جو میں تم سے اجر مانگتا ہوں، وہ تمہیں کو مبارک رہے (فہولکم ۲۲/۱۲) میرا اجر صرف یہی ہے کہ تم خدا تعالےٰ کی طرف چل پڑو ۱۹/۳ - اور قریبیوں سے پیار کرو ۲۵/۴۲ آپس میں دشمن ہونے کے بجائے بھائی بھائی بن جاؤ۔ میں تم کو کسی اپنے دین پر چلانا اور اپنا غلام بنانا نہیں چاہتا۔ تم ربّانی بنو اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کی طرح مسلم بن جاؤ۔ یہی اصل دین ہے۔ اے کتاب والو! ایک کلمہ کی طرف آؤ، جو ہم میں تم میں یکساں ہے

باعلم اہل کتاب کے دلوں میں یہ تعلیم اسی وقت گھر کر جاتی تھی۔ آج بھی تمام ریشنلسٹ اسی تعلیم کے حامی ہیں۔ اہلِ دانش اگر خدائی تعلیم کے ماتحت ایک بننا چاہتے ہیں، تو انہیں اب بھی قرآن کریم کی طرف ہی آنا پڑے گا۔ پھر رسولِ کریمؐ کے متعلق موسیٰ و یسعیاہ و عیسیٰؑ علیہم السلام جیسے انبیاء کی پیش گوئیاں بڑی صراحت کے ساتھ آج تک بائبل اور دیگر کتب میں موجود ہیں

پھر قرآن مجید میں خدا تعالےٰ کا مقدس نام لے کر ایسی صفائی کے ساتھ اور ایسی دلائل پیش کر کے قرآن کا وحی ہونا کھول کھول کر بیان کیا ہے، جیسی صفائی دوسری کتابوں میں عام طور پر نہیں ملتی

پھر خود قرآن مجید میں بڑی کمزوری کے وقتوں میں، ہجرت سے بہت پہلے اسلام کے غلبہ کی بڑے دعوؤں کے ساتھ پیش گوئیاں کی گئی ہیں اور فرمایا ہے کہ حق ضرور غالب ہوگا۔ ان مومنوں کی مدد ہم پر لازم ہے۔ ہم ضرور رسولوں کی مدد کیا کرتے ہیں۔ تیرے پاس رسولوں کی

اور دونوں کے غضب اور ناراضگی کا یکساں خوف ہوگا، لیکن کسی اور رضا و غضب وغیرہ کا یہ حال نہ ہوگا

الغرض ایسے رسول کا ہمارے پاس آنا، جو وحی الہٰی کو الگ اور ممتاز کر کے ہمیں دیتا ہے اور اپنی باتوں کو وحی الٰہی نہیں بناتا، پرلے سرے کی نعمت ہے لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم جیسا کہ آگے آتا ہے

جب ایسا رسول اپنی غلطی کا قائل ہوتا ہے تو کیوں اس جماعت کو جس میں وہ داخل ہے کہ قل ھو من عند انفسکم یعنی اُحد کی یہ مصیبتیں تمہارے نفسوں سے ہیں۔ سورتِ نساء میں رسولِ کریمؐ کو الگ کر کے فرمایا ہے ما اصابك من سیئۃ فمن نفسك الخ

ان مصائب سے مومنوں اور منافقوں میں تمیز بھی ہو گئی اور منافقوں کے مُنہ سے ایسے کلمات نکل گئے جن سے اُن کی شرارتوں کا پتہ لگ گیا۔ یہ منافق بھی اپنے بھائیوں کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ باوجود اس کے ایامِ جنگ میں ہی ان میں سے بہت سے اپنے گھروں میں بستروں پر تڑپ تڑپ کر مر گئے اور جو جنگ میں حاضر ہوئے تھے، اُن میں سے کسی ایک نے شہادت کا درجہ پایا اور حقیقی زندگی حاصل کی

اٹھارہویں رکوع میں مصیبت زدہ مومنوں کی دوبارہ ثابت قدمی کا نقشہ دکھلایا ہے۔ کفار جب مکّہ کو واپس چلے جارہے تھے تو راستہ میں لوگوں نے اُنہیں اُکسایا کہ تم کیوں واپس آ گئے۔ قوموں کو جمع کر کے ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ اِن متزلزل اور گھبرائے ہوئے لوگوں کو ایسا ملیامیٹ کرو کہ یہ پھر کبھی سر نہ اُٹھا سکیں۔ یہ خبر سچے مُسلمانوں کو بھی پہنچی۔ وہ خدا تعالےٰ پر بھروسہ کر کے اُن کے مقابلہ کے لئے لوٹے۔ مومنوں کی یہ جرأت دیکھ کر سب مخالف اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور کفارِ قریش نے بھی مکّہ کو واپس جانا ہی غنیمت سمجھا۔ جنگِ اُحد میں وہ مُسلمانوں کے ابتدائی حملہ کو دیکھ چکے تھے، جس نے انہیں وعدۂ الٰہی کے مطابق بدحواس کر دیا تھا۔ اگر وہ مُسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے بھاگ نکلے تھے تاکہ ناکے والے اپنی جگہ چھوڑ دیں، تو پھر جبکہ انہیں دو دفعہ مقابلہ کا موقعہ ملا، کیوں انہوں نے مکّہ کی طرف واپس جانا ہی غنیمت جانا۔ مومن ہر وقت راہِ خدا میں خرچ کرنے کو تیار رہتے تھے جیسا کہ اس رکوع کی آخری آیت سے واضح ہے

نے اپنے قلم کو جھاڑا اور وہ سُرخی اس کُرتے پر آپڑی۔ کیا خدا تعالےٰ ایسی ہی سُرخ دوات اور قلم سے دستخط کیا کرتا ہے، جس کی سُرخی اس کُرتے پر پڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یا کیا اُن لوگوں کی خوابوں کا اعتبار کر سکتے ہیں، جو خواب میں اپنے آپ کو خدا دیکھ کر زمین اور آسمان کو نئے سرے سے پیدا کرنا چاہتے ہیں، لیکن کبھی مکھی کی ایک ٹانگ بنا کر بھی نہیں دکھلائی

کتاب استثناء باب ۱۸ میں رسولِ کریمؐ کے متعلق ایک پیش گوئی ہے اس کے مطابق اگر رسولِ کریمؐ خیانت کرتے، تو قتل کئے جاتے۔ قرآن مجید میں بھی اس کی تصدیق کی گئی ہے اور اس جگہ بھی فرمایا ہے کہ جو خیانت کرے، وہ اس خیانت کے رنگ کو اپنے اوپر لے کر خدا تعالےٰ کے حضور میں حاضر ہوتا ہے یہ اُسکے لئے کیسی ندامت کی بات ہو گی

الحاصل، جب وحی الٰہی میں ہر رسول امین ہوتا ہے، لیکن غیر وحی والے لوگوں کے ساتھ مشورہ کرنے کے لحاظ سے وہ محض ان لوگوں کی صف میں ہی بٹھایا جا سکتا ہے، جن کے نطفہ سے وہ پیدا ہوتا ہے اور جس قسم کے اس کے بھین بھائی اور اس کے اعمام و عمات اور اس کے اخوال و خالات ہوتے ہیں اور جس صنف کی بیویوں سے وہ شادی کرتا ہے اور جس قسم کے اُس کے بیٹے بیٹیاں ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے ساتھ وہ اپنی بیٹیوں کے نکاح کرتا ہے، وہ کسی صورت سے بھی نوعِ انسانی سے الگ نوع کا نہیں ہوتا۔ اُن کی الگ نوع بنانا، اُن توہم پرستوں کی ایجاد ہے جو انہیں خدائی صفات دیتے اور انہیں دوسرا اصل مطاع اور دوسرا الگ منتہائے سوال اور دوسرا احکم الحاکمین اور خدائی تفسیر کے برابر دوسرا مفسر اور کتاب اللہ پر ایسا قاضی و حاکم بناتے ہیں، جس کا اختیار اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملنا محال ہے۔ اگر یہ صفات خدا تعالےٰ کے خاصے نہیں ہیں تو کیوں اہلِ حدیث دوسرے داناؤں اور مجتہدوں کو انہی صفات کا بالغیر مالک نہیں سمجھتے اور اگر خاصے ہیں تو اپنے خاصہ میں کسی کو ساتھ ملانا کیا اس کو اپنا ہی خاصہ رکھنا ہوتا ہے ؟

اگر خدائی صفات کسی کو بالغیر بھی دی جا سکتیں تو اس سے خدا تعالےٰ کے ساتھ تشابہ پیدا ہوگا اور کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ کونسا علم وحی ہے اور کونسا محض نظری۔ کونسا خدا کی خلق ہے اور کونسا مخلوق کا مخلوق۔ اس طرح سے خالق و مخلوق یکساں قابلِ اعتبار ہو جائیں گے، اور دونوں پر یکساں اُمید رکھی جا سکے گی اور دونوں کی رضا کی یکساں طلب کی جانی پڑے گی،

یہودی کہتے تھے کہ ہم ایسے رسولؑ کی بات کو نہیں مان سکتے جو سوختنی قربانی کر کے نہ دکھلائے۔ خدا تعالےٰ کا ہم سے وعدہ ہے کہ ہم کسی رسول کو نہ مانیں، جب تک وہ سوختنی قربانی بجا نہ لائے۔ چونکہ ایسی قربانی مساکین کو نقصان پہنچانے والی اور خدا تعالےٰ کو فقیر بنانے والی ہے اس لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے ایسی قربانی کا کبھی حکم نہیں مل سکتا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض رسول جن کی قوم میں اس کا رواج ہو، غلط فہمی سے اسے بجا لائیں۔ یہود کا یہ کہنا قطعاً غلط تھا کہ خدا تعالےٰ نے ہم سے ایسا وعدہ کیا ہُوا ہے۔ اگر کوئی ایسا وعدہ ہوتا تو خود یہود نے ایسے رسولوں کو کیوں قتل کیا (رسول اگر اپنا غلبہ دیکھ کر اور اپنا فرض بجا لا کر قتل کئے جائیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انبیاء آسمان سے آگ اُتار کر قربانیوں کو جلا دیتے تھے۔ اگر یہ صحیح ہے، تو ایسے انبیاء کو قتل کرنے کی کسے جرأت ہو سکتی ہے۔ جن رسولوں کی قربانیوں کو کھانے کے لئے آسمان سے آگ نازل ہو سکتی ہے کیا اُن رسولوں کے ظالم دشمنوں کو جلانے کے لئے آگ نہیں برس سکتی۔ اگر دوسرے رسولوں کے ہاتھ پر (جن سے اس وقت کسی تعلیم کے حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی جاتی) بطور معجزہ کے آسمان سے آگ کا برسانا بلا تکلّف کیا جا سکتا تھا تو کیا رسولِ کریمؐ کے لئے صرف باتیں بنانا ہی لکھا تھا۔ اگر ایسے خوارق حکمتِ الٰہی کے مطابق ممکن ہوتے، تو رسولِ کریم صلعم کی ایسے خوارق سے کیوں صریح بیزاری یا صاف گریز کا پتہ لگتا ہے

ہاں اِن آیات کے صریح الفاظ سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ کئی ایک رسول ایسے بھی ہوئے ہیں، جو سوختنی قربانی بجا لاتے تھے حالانکہ یہ سچّے دین کے برخلاف ہے۔ اُن کی یہ غلطی کسی وجہ سے اُن کی زندگی میں نہیں نکالی گئی۔ پس رسولوں کے متعلق یہ قاعدہ سرتاپا غلط ہے کہ خدا تعالےٰ اُن کی جس دینی بات پر خاموش رہتا ہے وہ خدا تعالےٰ کے حضور خدائی تصدیق کے بغیر خواہ مخواہ اصل حق اور دائمی سچّا اصول سمجھی جانی چاہیئے۔ اصل حق وہی ہے، جس کی ثابت شدہ وحی الٰہی میں تصدیق کی جائے یا خدا کے کاموں کے لحاظ سے معقول حقائق میں شامل ہو جائے، محض تخمینی بات ہی نہ رہے

سوختنی قربانی کوئی خلافِ فطرت معجزہ نہ تھا۔ یہ صرف ایک تعلیمی مسئلہ تھا اور اسی لئے آگے

انیسویں رکوع میں یہ دکھلایا ہے کہ مدینہ کی حفاظت کے لئے یہودیوں نے کوئی مدد نہیں کی اور نہ چندے ہی دیئے بلکہ اُلٹے اعتراض اُٹھانے لگے۔ یہودی کسی بڑے کام کے کرنے کے وقت سوختنی قربانی بجالاتے تھے، بجائے اس کے کہ نذرانوں کو مساکین کے کام میں لایا جائے، اُلٹا اُسے آگ میں جلادیتے تھے گویا سمجھتے تھے کہ اس طرح یہ قربانی لطیف صورت اختیار کر کے خداتعالیٰ کو پہنچتی ہے اور اُسے خوش کرتی ہے۔ وہ سوختنی قربانی کو خداتعالیٰ کی غذا قرار دیتے تھے۔ غریبوں کو تو نذرانے سے ضرور فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن خداتعالیٰ کسی اپنی مخلوق چیز کا محتاج نہیں ہے

خداتعالیٰ اپنی ذات میں غنی وحمید ہے۔ تمام مخلوقات اُس کے فضل کے بغیر ہالکۃ الذات ہیں۔ کل شیئ ھالك الا وجهه ۲۰/۱۲ کل من علیها فان ۲۷/۱۲ انما یدعون من دونه الباطل ۲۲/۱۵ کل نفس ذائقة الموت ۱۲/۳ انك میت وانهم میتون ۲۳/۱۲ یاایها الناس انتم الفقراء الی الله والله هو الغنی الحمید ۲۲/۱۵۔ اگر تمام مخلوقات سب کے سب بڑے سے بڑے انبیاء بن جائیں، تو خداتعالیٰ کی حمد میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا، اور اگر سب کے سب متمرّد شیطان ہوجائیں، تو بھی اُس کی ذاتی حمد میں کوئی فرق نہیں پڑسکتا ۱۳/۱۲ وہ اپنی ذات و صفات میں کامل مطلق ہے۔ اُس کے لئے پیدا کرنا یا نہ کرنا اختیاری امر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی حکمت کو عمل میں لائے یا کوئی قدرت دکھلائے، تو اُسکی ذاتی حکمت وقدرت میں کوئی ترقی نہیں ہوسکتی اور اگر عمل میں نہ لائے تو ترک فعل سے کوئی کمی نہیں آسکتی۔ اُس کی کوئی صفت مشق و مہارت سے زیادہ قوی اور ترک عمل سے زیادہ سست نہیں بن سکتی۔ کمالِ مطلق میں کسی ترقی یا تنزل کا تصوّر بھی صحیح نہیں قرار پاسکتا۔ اُس کے پاس قدرت وعلم کے لاانتہاء امکانی خزائن موجود ہیں، جو اُس کی ذاتی قدرت وحکمت سے حرکت میں آسکتے ہیں۔ مخلوقات ہمیشہ ارتقاء پاتی رہتی ہے لیکن خداتعالیٰ کی ذات وکمالِ صفات میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا قدیم سے ہے۔ حُبّ وغضب اور رضا وسخط جو کائنات پر ہوتا ہے وہ اُن کی مختلف تبدیلیوں کے لحاظ سے اُن پر کیا جاتا ہے جو مصائب خلق پر آتے ہیں وہ سب اُس کی حکمت ہی کے نتائج ہیں۔ وہ اپنی بے غلط حکیمانہ رضا کو کسی کی مرضی کے پیچھے نہیں چلاتا وہ بے غلط حکیم ہی نہیں ہوسکتا جو اپنی حکمت کو کسی مریض کے پیچھے چلائے

کا حکم کرے جیسا کہ اُن غیر محفوظ حدیثوں کی اطاعت کا جنہیں اُس نے خود ہی قرآن محفوظ سے باہر رکھنا پسند کیا ہے۔ جنگِ اُحد کا تمام ذکر اس جنگ کے واقع ہونے کے بعد ہی قرآنِ محفوظ میں لایا گیا ہے۔ پس رسولؐ کی حدیثوں کے لئے قرآنی تصدیق کا ہونا لازم ہے۔ اتنی بات ہی حدیثوں کے وحی الٰہی نہ ہونے پر دانشمندوں کے لئے کافی سے بڑھ کر دلیل ہے

رکوع ۱۲ تا ۲۰

۱۱۸ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ۙ ۝ ۱۱۹ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۱۹ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ۱۲۰ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ
بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ ۱۲۲ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ
مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝
۱۲۳ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ ۝ ۱۲۴ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ
فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝ ۱۲۵ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ
فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ۱۲۶ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ
يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
۱۲۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

فرمایا ہے کہ اگر یہ تجھے جھٹلائیں، تو کچھ تعجب نہیں۔ پہلے رسول بھی اسی طرح سے ہی جھٹلائے گئے تھے، جو کھلی دلائل، صحائف اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔ ہر شخص مرنے والا ہے۔ اُسے پیشی کے دن پورا اجر ملنے والا ہے۔ تمہارے مالوں اور جانوں میں تمہاری آزمائش ہوگی۔ تم اہلِ کتاب اور مشرکوں سے دُکھ دینے والی باتیں سنوگے۔ اہلِ کتاب نے اپنے اس عہد کو بھلا دیا ہے، جو ان سے کتاب کے کھول کر بیان کرنے اور کتاب کے نہ چھپانے کے متعلق لیا گیا تھا۔ یہ لوگ ایسے اعمال پر خوش ہیں اور باوجود اس کے چاہتے ہیں کہ بغیر کسی خوبی کے اُن کی تعریف کی جائے، لیکن اس طرح وہ الٰہی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتے۔ لوگوں کی ایسی تعریفوں سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ سب کام خدا کے اختیار میں ہیں اور اسی کے قابو میں ہیں

بیسویں رکوع میں اسلام کی اصلیت دکھلائی گئی ہے اور بتلایا ہے کہ اہلِ کتاب میں بھی نیک دل لوگ موجود ہیں۔ اور اخیر میں یہ گر سکھلایا ہے کہ اے ایمان والو! صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو اور نیکیوں میں لگے چلو اور اللہ سے ڈر کر بدیوں سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ

قرآن مجید میں بہت سے جنگوں اور مقدمات اور واقعات کا بیان اُن کے واقع ہونے کے بعد ہی لایا گیا ہے۔ جو کچھ اُن کے متعلق ہوتا تھا وہ پہلے ہی ہوچکا تھا۔ اگر رسولِ کریم کی حدیثیں اور دینی باتیں قرآن سے باہر رہ کر بھی قرآن جیسی واجب التعمیل اور قرآن جیسی قابلِ اعتقاد اور قرآن جیسی وحی اور قرآن کی طرح مثلہ معہ ہوتیں تو ان کے بیان کو قرآن محفوظ میں لانے کی کون سی ضرورت باقی تھی؟ احادیث کو قرآن محفوظ سے خارج رکھنا ہی خود انہیں ظنی اور ضعیف بلکہ وضعی بنا دینے کے برابر ہے۔ احادیث کے متعلق کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ اگر حدیثیں وحی ہیں تو کیا حدیثی الہام قرآنی الہام کی طرح سارے کا سارا ہمارے پاس پہنچ گیا ہے۔ کیا مثلہ معہ وحی کا یہی حال ہوتا ہے

میں عرض کرتا ہوں کہ جب بھی ضرورت کے لئے رسولِ کریم صلعم کے وہ واقعات اپنے واقع ہونے کے بعد قرآنِ محفوظ میں لائے گئے ہیں۔ رسولِ کریم کی باقی تمام حدیثیں اُس ضرورت سے یقیناً خالی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ قرآن میں لایا جاتا ہے، وہی وحی والی شریعت اور ہمیشہ کے لئے واجب العمل ہے، باقی باتیں اس پایہ کی نہیں ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا تعالےٰ محفوظ قرآن کی ویسی ہی اطاعت

١٤٤ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ
انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَ
سَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ○ ١٤٥ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا
مُؤَجَّلًا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ
مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ○ ١٤٦ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ
فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ
يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ○ ١٤٧ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ
إِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ○
١٤٨ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○
١٤٩ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا
خَاسِرِينَ ○ ١٥٠ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ○ ١٥١ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ
كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ وَ
بِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ○ ١٥٢ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ
حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا
تُحِبُّونَ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ
عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ○ ١٥٠ إِذْ

تُفْلِحُوْنَ ۝ ١٣١ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ ١٣٢ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ١٣٣ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ١٣٤ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ
الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ١٣٥ وَ
الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا
لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَ
هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ١٣٦ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ ١٣٧ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ
سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ١٣٨ ھٰذَا
بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ١٣٩ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ
اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ١٤٠ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ
الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ١٤١ وَلِيُمَحِّصَ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ١٤٢ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا
يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ١٤٣ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ
الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○ ۱۵۷ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ
وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ○ ۱۵۸ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ۱۵۹ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ
كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ ۱۶۰ هُمْ دَرَجٰتٌ
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ ۱۶۱ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ
فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ۱۶۲ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ
مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ۱۶۳ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ
اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ۱۶۴ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ
يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ ۱۶۵ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا
مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ۱۶۶ وَلَا
تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا
بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝
۱۵۴ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَاۗىِٕفَةٌ
قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ
هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ
كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ
لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ۝ ۱۵۵ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ
الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ع
۱۵۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا
فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ
ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝
۱۵۷ وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا
يَجْمَعُوْنَ ۝ ۱۵۸ وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ فَبِمَا رَحْمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ ١٨٠ وَلَا يَحْسَبَنَّ
الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ
لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○
١٨١ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ
مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○
١٨٢ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ ج ١٨٣ اَلَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ
النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ
قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ١٨٤ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ
جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا
تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ
فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○ ١٨٦ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ
وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى
كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ ١٨٧ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ
مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ

يُرْزَقُونَ ۝ ۱۷۰ فَرِحِينَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ
لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝
۱۷۱ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝
۱۷۲ اَلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِينَ
اَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ ۱۷۳ اَلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ
النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيمَانًا ۖ وَّقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ
وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ ۱۷۴ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ
وَّاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝ ۱۷۵ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ
يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ ۱۷۶ وَلَا
يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ
يُرِيدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ۱۷۷ اِنَّ
الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيمٌ ۝ ۱۷۸ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا اَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا
نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ ۱۷۹ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ
الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ
اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوا

بِئْسَ الْمِهَادُ ○ ۱۹۵ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ○ ۱۹۶ وَ
اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ
خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ ۱۹۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا
وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ع

ترجمہ۔ ۱۱۸ اور یاد کر جبکہ تو صبح کو اپنے اہل سے نکلا تھا کہ مومنوں کو جنگ کے لئے
(مناسب) مواقع پر جگہ دے اور خدا (فریادوں کو) سُننے والا اور (دلی نیات کو) جاننے والا
ہے۔ (رسولؐ کے ایسے تمام انتظامات تمام منتظمین سے یکساں تعلق رکھتے ہیں)۔ (تو ۱۱۹ نے
مومنوں کے بہت سے طائفے اور جماعتیں بنائیں اور ہر ایک کو اپنے اپنے مورچے اور ناکے
پر قائم کیا) جبکہ تم میں سے دو طائفوں نے پھسلنے کا قصد کیا اور اللہ اُن کا مددگار تھا،
اور اللہ ہی پر چاہیئے کہ مومن بھروسہ رکھیں۔ ۱۲۰ اور البتہ اللہ بدر میں تمہاری مدد کر چکا ہے
جبکہ تم بڑے ذلیل (یعنی عاجز) تھے۔ سو اللہ کا ہی خوف رکھو، تاکہ تم (اُس کے) شُکر گذار
بنو۔ ۱۲۱ جب تو (مومنوں کو مورچوں پر قائم کر کے اُن کو الٰہی فضل کا امیدوار بنانے کے لئے)
کہتا تھا۔ کہ کیا تمہارا پروردگار کافی نہیں ہے کہ تمہاری تین ہزار فرشتوں سے مدد کرے، جو
(عاجزوں کی کمی کو پُورا کرنے کے لئے خدا تعم کی طرف سے) اُتارے جاتے ہیں۔ ۱۲۲ کیوں نہیں، اگر
تم ٹِکے رہو گے اور (خدا سے) ڈرو گے اور یہ (دشمن) تم پر ایسے ہی جوش سے چڑھتے
آئیں گے، تو تمہارا پروردگار تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کرے گا، جو نشان لگانے والے
(یعنی ثابت قدموں کو بزدلوں سے الگ کرنے والے) ہوں گے۔ ۱۲۳ اور خدا نے اس (فرشتوں
کی مدد) کو صرف اِس لئے بنایا ہے، تاکہ تمہیں بشارتیں ملیں اور تمہارے دل ان سے آرام

ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ۝ (۱۸۸) لَا تَحْسَبَنَّ
الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُّحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ
بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (۱۸۹) وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ
وَاللَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ع
(۱۹۰) إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي
الْأَلْبَابِ ۝ (۱۹۱) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ
فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ ۝ (۱۹۲) رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ
مِنْ أَنْصَارٍ ۝ (۱۹۳) رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ
فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ (۱۹۴) رَبَّنَا وَاٰتِنَا
مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝
(۱۹۵) فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى ۚ
بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي
سَبِيلِي وَقٰتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ (۱۹۶) لَا يَغُرَّنَّكَ
تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ (۱۹۷) مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۟ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَ

سے مساکین کی حالت یقیناً گر جائے گی، اس لئے فرمایا) اے ایمان والو! ربوا کو مت کھاؤ (جبکہ حال یہ ہے کہ تم کو اسے) بڑھا بڑھا کر (کھانا پڑے گا) اور اللہ کا خوف رکھو، تاکہ تم فلاح (کا پھل) پاؤ۔ ۱۳۰ اور (اس ربوا کے کفر ہونے کے سبب) اس آگ سے ڈرو، جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے (کیا مومن کہلا کر کافر بنو گے؟ یہ آگ کافروں کے کفر سے تیار کی جاتی ہے۔ اور کافروں کو اپنی طرف بلاتی ہے)۔ ۱۳۱ (مساکین کے لئے قرض کا انتظام کرنے اور مومنوں کو ربوا سے روکنے کی خاطر حاکم اعلیٰ ہونے کی وجہ سے خود رسولؐ کے انتظام کی سب سے پہلے ضرورت تھی، اس لئے فرمایا) اور اللہ کی (بطور اصل مطاع ہونے کے اعتقاداً) اور رسولؐ کی (اور آپ کے وقت کے ماتحت حکام کی اور آپ کے بعد دیگر خلفاء اور حکام کی انتظاماً) اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

(رسول کی اطاعت اپنے اپنے موقعہ پر کئی طرح سے قرآن حکیم کے مطابق اور معقول ہے۔

اوّل۔ حکومت کے موقعہ پر انتظام کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ اس سے اپنے اپنے زمانہ کے حکام کی اطاعت کا بھی سبق ملتا ہے۔ متفقہ شوریٰ کی اطاعت بھی جب تک نیا شوریٰ نہ کیا جائے، لازم ہے۔ یہی سبیل المومنین ہے۔ یہ سب اطاعتیں باوجود ضروری ہونے کے ہرگز ہرگز وحی نہیں ہیں اور اس لئے مناسب سمجھ کر نئی صورت میں بدلائی بھی جا سکتی ہیں

دوم۔ اللہ کے وحی کی اطاعت اصل ہے اور رسولؐ کی اطاعت اس وحی کے مبلغ امین ہونے کے سبب سے کی جاتی ہے، اور یوں اللہ و رسول کی اطاعت صرف کتاب الہٰی کی اطاعت ہی ہو سکتی ہے۔ ایسے موقعہ پر رسول کا امین ہونا دکھلایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ رسول کا کام صرف بلاغ ہی ہے۔

قرآن مجید میں کئی جگہ قرآن کریم کے حکموں ہی کو اللہ و رسولؐ کی اطاعت اور اللہ و رسولؐ کا ایمان بتلایا گیا ہے۔ مثلاً

ذالك لتؤمنوا بالله ورسوله وتلك حدود الله ۴/۵۸ اور واذان من الله ورسوله الى الناس يوم الحج الاكبر الخ ۹/۳ اور ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده الخ ۴/۱۴ وغیرہ وغیرہ اور ہر جگہ ان دو اطاعتوں کے بعد واحد فعل اور واحد ضمیر لا کر دکھلایا ہے کہ اللہ و رسولؐ کی

پائیں اور مدد تو صرف اللہ عزیز و حکیم کے حضور سے آتی ہے۔ (یہ بشارتیں اور اطمینانِ قلب کیوں ملتا ہے) تاکہ اللہ کافروں کے ایک ٹکڑے کو کاٹ دے یا انہیں ایسا ذلیل کرے کہ وہ نامراد ہو کر پلٹ جائیں۔ (خدا نے یہ فتح تم کو دکھا دی۔ تمہیں چاہیئے تھا کہ اسی کو غنیمت سمجھتے، لیکن تم پھسل گئے اور چاہنے لگے کہ ان سب کو مار ڈالیں اور لوٹ لیں۔ ناکے والوں نے اپنے ناکے ہی کو چھوڑ دیا۔ تیرے پکارنے سے بھی وہ واپس نہ لوٹے۔ پھر اس سے تم کو سخت تکالیف کا سامنا ہوا، سو) تیرا کچھ اختیار نہیں ہے کہ تو اِن کافروں کو مٹا دے، صرف اللہ ہی کا اختیار ہے) خواہ وہ اُن پر رجوع کرے (یعنی انہیں تمہارے دوست یا مسلم بنا دے) یا اس لئے کہ وہ ظالم ہیں، انہیں عذاب کرے۔ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ ہی کی (مِلک) ہے۔ وہ جسے (اپنی حکمت سے) چاہے، بخش دیتا ہے اور جسے چاہے، عذاب کرتا ہے اور اللہ (اپنی ذات کے لحاظ سے) غفور رحیم ہے (آخر اصلاح کر کے بخش ہی دیگا اور رحمت فرمائیگا) ۱۳ع

(اُن حوادث سے بچنے کے لئے جو اصلاحیں ضروری تھیں، اس رکوع میں سکھلائی گئی ہیں مساکین کی حالت کو اعلیٰ بنانے کے لئے انہیں صدقات کے علاوہ امدادی قرض بھی لِلّٰہ دیا جاتا تھا اور امیروں کا لِلّٰہ قرض دے کر اس پر کوئی اجر یا سُود لینا ان کی طرف سے اللہ غنی و حمید کی ہتک ہے، جو کہ ظاہر اکفر ہے۔ افسوس ہے کہ لوگ انہیں اعلیٰ بنانے کے بجائے بالکل ہی گراتے جاتے تھے اور یہ زیادۃٌ فی الکفر ہے۔ چونکہ وہ قرضدار مساکین ہوتے تھے اس لئے اگر وہ اصل قرض بھی ادا نہ کرسکیں، تو انہیں فراخی تک مہلت ملنی چاہیئے تھی، یا اُسے صدقات میں بھی ڈالا جاسکتا تھا، لیکن اہلِ وسعت ایسا نہیں کرتے تھے، بلکہ سود کو اصل میں ملا کر مدت کو بڑھاتے جاتے تھے۔ اس لئے اس سے مساکین کی تباہی میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی تھی۔ ضرور ہے کہ ایسے مساکین اپنے آپ کو داخلِ جماعت نہیں سمجھیں گے، انہیں ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہوگی اور یوں جماعت کا شیرازہ بکھر جائیگا اور اتحاد حاصل نہیں ہوگا۔ الٰہی ناراضگی کا نقصان تو الگ رہا

اللہ تعالےٰ اس جگہ ربوا کو جو بظاہر کفر ہے، اُس کی زیادت کی وجہ بتلا کر اس کفر سے روکتا ہے اور بتلاتا ہے کہ جب ربوا جائز ہوگا، تو پھر مساکین سے سُود در سُود لینا بھی جائز ہوگا، جس

ہیں، وہ عیسٰیؑ کی پیروی ہے۔ اسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن واقعات و حالات و احکام کی تصدیق ہے، وہ رسولِ کریمؐ کی پیروی ہے اور جہاں جہاں اللہ تعالےٰ نے خود ہی انسانی فطرت وحالات کا بیان کیا ہے، وہ خدا کی پیروی ہے، اور چونکہ یہ سب باتیں اللہ تعالےٰ کی مصدقہ ہیں، اس لئے اصل مطاع اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ اس کے ساتھ کسی کی پیروی نہیں ہے

اصل یہ ہے کہ وحی کے لحاظ سے صرف قرآن مجید ہی میں سب کے اسوۂ حسنہ اور رب کی حکمت کی پیروی آجاتی ہے لیکن عقلی طور پر ترقی کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ کا صحیفۂ فطرت موجود ہے حدیثوں اور تاریخوں کو قرآن وصحیفۂ فطرت کے ماتحت ہی لیا جاسکتا ہے۔ ہمارے لئے اصل صرف ایک قرآن ہے اور بس

ہمارا مطلب اس سے ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم دوسری کتاب والوں کو معقولیت کے ساتھ اور خدا تعالےٰ کو حاضر ناظر جان کر ان کی اپنی کتابوں پر چلنے اور صحیفۂ فطرت پر کاربند ہونے سے روک دیں، ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ راستی پسند لوگ راستی پر چلنے سے قرآن حکیم وکریم کے قریب ہی آتے جائیں گے۔ ہاں حدیثوں کو وحی سمجھنے اور قرآن کے ساتھ دوسرا بے غلط اصول بنانے والوں کا جو حال ہوگا، اسے مستقبل خوب طرح ظاہر کردے گا

چہارم۔ قرآن مجید میں اکثر جگہ قرآن مجید سے باہر کے حکموں کو بھی خدا تعالےٰ ہی کا حکم فرمایا ہے۔ ایک جگہ کفار کے لئے قومی جھگڑوں کو نپٹانے کی خاطر انصاف کا ایک قانون پیش کرکے فرمایا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے ۵/۴۳ مطلب یہ کہ تم ایسے رسول کا لایا ہوا حکم جان کر نہ مانو، یہ تو تمہارے آپس کے فسادوں کے مٹانے کے لئے کھلے طور پر انصاف کا ایک حکم ہے۔ پس خدا تعالےٰ کے اس نیچرل حکم کو ماننے کے بغیر تمہارے فساد دور نہیں ہو سکتے۔ ایسے حکموں میں جھگڑا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں

دوسری جگہ کہا ہے کہ جب تمہاری بیویاں حیض سے پاک ہوجائیں، تو اُن کے پاس وہاں سے آؤ، جہاں سے خدا نے تمہیں حکم دیا ہے ۲/۲۲۲۔ اس جگہ بھی نیچرل حکم کو اللہ تعالےٰ کا حکم بتلایا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا ہے (فیہا حکم اللہ ۵/۴۳) یہاں تورات کے حکم کو اللہ کا حکم کہا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ یہ لوگ عورتوں کے بارے میں تجھ سے فتوے پُوچھتے ہیں۔ تُو کہہ کہ ان کے

اطاعت سے صرف قرآن مجید ہی مراد ہے اور قرآن مجید میں بے شمار جگہ رسولؐ کو فرمایا گیا ہے "تو کہہ" حالانکہ وہ خدا تعالےٰ کا کہنا ہے اور ارشاد کیا ہے "تو تلاوت کر" حالانکہ وہ خود قرآن ہی کا تلاوت کرنا ہے اور حکم کیا ہے کہ قرآن میں فلاں و فلاں نیک عورت و مرد کا ذکر کر، حالانکہ وہ خود خدا تعالےٰ ہی کا ذکر کرنا ہے، اور رسولؐ کو فرمایا ہے کہ تو انہیں اس طرح سے ڈرا، یا یوں نصیحت کر، اور جو تجھے حکم دیا ہے، اُسے بیان کر دے، حالانکہ یہ سب باتیں خود قرآن ہی کے بیان ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

سوم۔ تمام رسول اطیعون ہی کہتے تھے۔ اُن کی اطاعت ہم پر اور ہمارے رسولؐ خدا پر یکساں فرض ہے۔ اللہ تعالےٰ نے رسولِ کریمؐ کو فرمادیا ہے کہ تو اُن کی ہدایت کی پیروی کر، اور یہی حکم کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ملت کی پیروی کر اور ہمیں بھی الگ کر کے یہی تاکید کی ہے اور تمام رسولوں اور کتابوں کی پیروی کا ہمیں حکم دیا ہے، بلکہ اُن کے فرمانوں پر چلنا سکھایا ہے (افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض) اور رسولِ کریمؐ سے کہلوایا ہے کہ تم اللہ کی طرف سے تورات و قرآن سے زیادہ ہدایت والی کتاب لاؤ، تاکہ میں اس پر عمل کروں

باوجود اِن تمام تاکیدوں کے خود قرآن مجید ہی میں ہمارے لئے حضرات آدمؑ و ادریسؑ و نوحؑ و ہودؑ و صالحؑ و ابراہیمؑ و لوطؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ و اسباطِ یعقوبؑ و یوسفؑ و شعیبؑ و موسیٰؑ و ہارونؑ و خضرؑ و داؤدؑ و سلیمانؑ و الیسعؑ و زکریاؑ و یحییٰؑ و عیسےٰؑ وغیرہم علیہم السلام کی تعلیمیں اور بیانات و احکام لائے گئے ہیں۔ ان تمام رسولوں کی پیروی اور ان کے اسوۂ حسنہ کے لئے ہمیں قرآن مجید سے باہر جانے کی کوئی ضرورت نہیں، حالانکہ ان کی کتابیں بھی موجود ہیں، اور فرمایا ہے کہ ان میں ہدایت اور نور موجود ہے اور فرمایا ہے کہ ان میں وہ باتیں سکھائی گئی ہیں، جو تم اور تمہارے باپ دادا نہیں جانتے تھے، پھر بھی ہم قرآن والوں کے لئے ان کی تلاش کی کوئی ضرورت باقی نہیں رکھی گئی۔ خدا تعالےٰ نے جب ہمیں ان کی اطاعت کا حکم دیا، تو ان کی اطاعت کے لئے قرآن ہی کو کافی بنا دیا۔ اسی طرح ہمیں رسولِ کریمؐ کی اطاعت کا حکم دیا، تو کیا اسی اطاعت کے لئے ہی ہمیں قرآن کافی و مکمل سے باہر جانے کی ضرورت ہے؟ حاشا و کلّا

حاصل یہ ہے کہ قرآن میں جو ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہے، وہ ملتِ ابراہیمؑ کی پیروی ہے اور جو موسیٰؑ کی تعلیم ہے، وہ موسیٰؑ کی پیروی ہے اور جو عیسیٰؑ کے حکم بیان کئے گئے

کسی کے غلام نہیں بننا چاہتے) یہ (جنّت خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔ [131] (خدا سے ڈرنے والے کون ہیں؟) وہ، جو فراخی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور جو غصّہ کو دبانے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ [132] اور وہ، جو جب کوئی بے حیائی کرتے ہیں، یا اپنی جانوں پر (کوئی) ظلم کرتے ہیں، تو اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ پھر اپنے گناہوں کے لئے بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوائے کون گناہ معاف کرسکتا ہے اور وہ جان بوجھ کر اس پر جو وہ کرچکتے ہیں، اَڑے نہیں رہتے۔ [133] یہ لوگ جو ہیں، ان کی جزاء اُن کے رب کی طرف سے بخشش اور ایسے باغ ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں رہ پڑنے والے ہیں اور عمل کرنے والوں کا اجر بہت خوب ہے (صرف باتیں بنانا ہی کافی نہیں)۔ [134] (آگے دوسرے لوگوں سے عبرت و نمونہ پکڑنا سکھلایا ہے) تم سے پہلے ایسے طریقے (یا عادات) گذر چکے ہیں، سو تم زمین میں سیر کرو۔ پھر دیکھو، کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسے ہوا۔ [135] یہ (قرآن) لوگوں کے لئے (کھلا) بیان ہے اور متقیوں کے لئے رہنمائی اور (موثر) وعظ ہے۔ [136] اور تم (گذشتہ مصائب پر) سست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اور تم ہی اعلےٰ ہو۔ اگر تم (خدا کے) ماننے والے ہو۔ [137] (پھر مومنوں کو کفّار کے حال سے شرم دلائی ہے کہ وہ بدر میں نقصان اُٹھانے کے بعد پھر تم پر حملہ آور ہوئے اور تم مدافعت میں تکلیف پاکر سست بننا چاہتے ہو) اگر تم کو زخم لگا ہے، تو اُس قوم کو بھی ویسا ہی (بلکہ دوچند) زخم لگ چکا ہے اور (ہمارا یہ بھی ایک قدرتی قاعدہ ہے کہ) ہم اِن دنوں کو لوگوں کے درمیان پھیرتے لاتے ہیں (لیکن نیک دل لوگ اس تبدیلی سے ہوشیار ہوجاتے ہیں) اور (تم ابھی تک ایمان میں عام طور پر ناقص ہو اور اللہ چاہتا ہے) تاکہ تم میں سے (خالص) مومنوں کو (تیار شدہ) دیکھے اور تم میں سے شہید بنائے اور (یاد رہے کہ) اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ [138] اور تاکہ اللہ مومنوں کو نکھارے (خالص بنائے) اور اِن کافروں کو دبائے۔ [139] (دکھ پانے کے بغیر ہی لوگوں کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ کیا تم دکھوں کے بغیر ہی چھوڑے جاؤ گے) یا کیا تمہارا خیال ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہوجاؤ گے، حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے (اصل) کوشش کرنے والوں کو نہیں جانا (کیونکہ یہ بات تم میں ابھی تک پیدا نہیں ہوئی) اور نہ صابروں کو ہی جانا۔ [140] اور تم اس موت کو ملنے سے پہلے (خود) موت کی تمنّا کیا کرتے تھے (لیکن تمہیں اس سے روکا جاتا تھا) سو اب تم نے

کے بارہ میں تمہیں اللہ فتوے دیتا ہے اور جو کچھ تم پر اس کتاب یعنی قرآن میں یتیم عورتوں کے بارہ میں پڑھا جاتا ہے، تو وہ بھی تمہیں عورتوں کے بارہ میں فتویٰ دیتا ہے ۴/۱۲۷۔ اس جگہ اللہ کے فتوے کو قرآن پاک سے الگ فتوے بتلایا ہے۔ یہاں بھی نیچرل فتوے کو ہی اللہ کا فتوے قرار دیا ہے۔

ایک اور جگہ حکم ہے کہ کافر جو کہتے ہیں کہ تُو اللہ کا رسولؐ نہیں، تو تُو کہہ، اللہ میرا گواہ ہے اور وہ لوگ بھی گواہ ہیں، جن کے پاس کتابِ الٰہی کا علم ہے ۱۳/۴۳۔ اس جگہ تمام الٰہی کتابوں سے الگ اللہ تعالیٰ کی گواہی بیان کی گئی ہے۔ یہ شہادت بھی نیچرل ہے، جس کا فیصلہ نتیجے سے اور دلوں میں تصدیق کے بھر دینے سے ہو سکتا ہے

اس قسم کی آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی اطاعت عام ہے۔ اس میں نیچرل علوم و حقائق اور عقلی تحقیقات، جو خدا تعالیٰ کی ذات کے لائق ہو اور تمام الٰہی کتابیں اور خاص کر کامل و کافی و مہیمن قرآن سب داخل ہیں۔ لیکن رسولِ کریمؐ کی اطاعت وہی وحی ہے، جو آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ وحی الٰہی بھی خدا تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ پس مبلغِ امین کی اطاعت قرآنِ مجید ہی ہے، جسے آپؐ خدا کی طرف سے لائے ہیں۔ اسی طرح تورات کی اطاعت موسیٰؑ کی اطاعت ہے، اور انجیل کی اطاعت عیسیٰؑ کی اطاعت ہے

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت عام ہے اور رسول کی اطاعت خاص ہے۔ خاص عام میں ہی داخل ہوتا ہے۔ پس اصل اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ معقول حدیثیں بھی الٰہی ہدایت کے مطابق اللہ کی اطاعت میں داخل ہیں۔ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے لائق نہ ہونگی، انہیں معقول طور پر بھی نہیں لیا جائے گا۔ یہی حال تمام دیگر علوم اور اخلاقی تعلیموں کا بھی ہے۔ خدا تعالیٰ اب بھی نئے نئے علوم سکھاتا رہتا ہے۔ لوگ اس سے ہر وقت ہدایت اور علوم کی زیادتی مانگتے ہیں تمام مخلوقات کا ہمیشہ وہی سچا ہادی ہے اور بس)۔

۱۳۳ (چونکہ جنگِ اُحد میں کئی غلطیاں ہو چکی تھیں اس لئے آگے مغفرت مانگنے اور آگے ترقیات کرنے کا حکم دیا ہے) اور اپنے رب کی بخشش اور ایسے جنّت کی طرف دوڑو، جس کا پھیلاؤ (تمام) سمٰوات و ارض ہیں۔ (دلوں اور آنکھوں کے بدل جانے سے تمام عالم جنّت ہوتا ہے اور بدی والوں کے لئے جہنّم۔ جن کی دوڑ ایسے وسیع جنّت کی طرف ہے، وہ سوائے خدا کے

اور نہ اُنہوں نے کمزوری دکھلائی اور نہ وہ دبے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔ ۱۴۷ اور
اُن کا قول صرف یہی ہوتا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے
گناہ اور ہمارے کاموں میں، جو ہم سے زیادتیاں ہوئی ہیں، وہ بھی ہمیں بخش دے، اور
ہمارے قدموں کو جمائے رکھ اور اس کافر قوم کے مقابلہ پر ہماری مدد فرما۔ ۱۴۸ سو اللہ نے اُن
کو دُنیا کا اجر اور آخرت کا نیک اجر (دوسرے عالم میں لے جا کر) دیا اور اللہ احسان (اور بھلائی)
کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ۱۵ع
۱۴۹ (عاجز مومنوں کو کفّار دھمکیاں دیتے تھے کہ تم اسلام سے پھر جاؤ، ورنہ تم پر تمام
احزاب مل کر بڑی تیاری کے ساتھ حملہ کریں گی، اور تمہارے لئے کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا ۔
قرآن مومنوں کو ثابت قدم کرتا ہے) اے ایمان والو! اگر تم اِن کافروں کا کہا مانو گے، تو
یہ تم کو تمہاری ایڑیوں پر موڑ دیں گے (اور اگر اسلام سچا ہے) تو تم گھاٹے والے ہو جاؤ گے۔
۱۵۰ نہیں نہیں، بلکہ تمہارا مولیٰ (یعنی والی سرپرست) اللہ ہے اور وہ سب مدد کرنے والوں سے خیر
ہے۔ ۱۵۱ ہم ابھی ان کافروں کے دلوں میں اللہ کے ساتھ اُن کے شرک کرنے کے سبب سے جس
کی کوئی دلیل اللہ نے (آج تک کبھی بھی) نہیں اُتاری رعب ڈال دیں گے اور اُن کا ٹھکانا آگ
ہے اور ظالموں کا ٹھکانا بہت بُرا ہوتا ہے۔ ۱۵۲ (آپ یہاں بزدل لوگوں کو ہمت دلائی جاتی ہے
اور اُن کے اعتراض کا جواب بھی ہے) بلاشبہ اللہ نے تو اپنا وعدہ تمہارے ساتھ سچا کر دیا تھا
جبکہ تم اُنہیں خدا کے اِذن کے ساتھ بے حس بناتے (یعنی قتل کرتے) تھے۔ (اللہ کا فرمان ہے
کہ تم جنگ میں قتل کے ساتھ کافروں کا پہلے زور توڑ دو ۲۶ ۔ مومن اسی لئے اُن کے تعاقب میں
گئے تھے) یہاں تک کہ تم (اے نلکے والو) پھسل گئے اور اپنے کام میں جھگڑا کرنے لگے (کہ جب
کفار بھاگ گئے، تو اب اِدھر سے کون آ سکتا ہے) اور اس کے بعد کہ خدا نے تمہیں وہ چیز، جسے
تم پسند کرتے ہو (یعنی فتح) دکھا دی، تم نے (اپنے جنرل کی) نافرمانی کی، تم میں وہ لوگ (بھی)
ہیں، جو دُنیا چاہتے ہیں اور تم میں وہ لوگ بھی ہیں، جو آخرت کا ارادہ کرتے ہیں۔ پھر خدا نے
تم کو اُن (کفار سے بچانے والے ناکے) سے پھیر دیا، تاکہ تم کو (تمہاری نافرمانی کی وجہ سے)
ابتلاء (مصیبت) میں ڈالے اور خدا نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر فضل کرنے والا
ہے

نے اُسے اپنے سامنے دیکھ ہی لیا (پھر گھبرانے کی کیا وجہ ؟)۔ ع

[۱۴۱](رسول بھی دُنیوی مصائب میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ خدا تعالےٰ کے معشوق یا بیٹے یا بے تکلف حبیب اور یار باش نہیں ہوتے۔ وہ بشر رسول ہوتے ہیں اور بشروں کی طرح مرجاتے ہیں، اگر تمہیں اپنے رسول کی موت کا خیال ہو، تو وہ بھی دوسرے بشر رسولوں کی طرح مرنے والا ہے۔ دین کا تعلق زندہ خدا کے ساتھ ہے) اور نہیں ہے محمدؐ، مگر ایک (بشر) رسول۔ تمام دوسرے رسول اس سے پہلے گذر چکے ہیں۔ پھر اگر یہ (بھی) مرجائے، یا قتل کیا جائے، تو کیا تم (اس کی موت کے سبب خدا تعالےٰ کے دین یعنی اسلام سے رُوگردان ہو کر) اپنی ایڑیوں پر مُڑ جاؤ گے اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پر مُڑ جائے گا، تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور ابھی اللہ ان لوگوں کو جو شکر گذار (اور اسلام کے قدردان) ہیں، جزاء دے گا۔ [۱۴۲](انسان اس دنیا میں قدرتی طور پر ایک وقت تک زندہ رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد کوئی متنفس خواہ مسیح ؑ ہوں یا کوئی اور قائم نہیں رہ سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ کسی حکمت کے سبب اجلِ مسمّٰی سے پہلے بھی پکڑ لیتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس کائنات میں کوئی کام اللہ تعالےٰ کی بے خبری و غفلت میں یا معاذ اللہ اس کی عدم قدرت کے ساتھ واقع نہیں ہو سکتا پس ضرور ہے کہ ہر کام اس کے حکم یا اجازت کے بعد ہی واقع ہو۔ اگر رسولِ کریم بھی اپنی اجلِ مسمّٰے سے پہلے مرجاتے، تو یہ بھی بلا اذنِ الٰہی نہ ہوتا اور اگر خدا تعالےٰ کسی شخص کو کسی دُنیوی یا آخرت کے فائدہ کے لئے اس کی اجلِ مسمّٰی سے پہلے۔ بچا بھی لیوے، تو یہ بھی اُس کی حکمت کے خلاف نہیں ہو سکتا) اور کسی نفس کے لئے لائق نہیں ہے کہ وہ (اپنی نیچرل اجلِ مسمّٰی سے پہلے) بلا اذنِ الٰہی مرجائے جبکہ یہ (موت) ایک ایسی لکھت ہے جس کو (قدرتی طور پر ایک وقت تک) ڈھیل (اور مہلت) دی گئی ہے (پس کوئی متنفس خواہ رسول ہو، یا غیر رسول اپنی قدرتی اجلِ مسمّٰی سے پہلے بلا اذنِ الٰہی نہیں مارا جاتا اور اگر خدا چاہے تو اُسے کسی دُنیوی یا دینی فائدہ کے لئے بچا بھی سکتا ہے) اور جو شخص دُنیا کا اجر چاہتا ہے، تو ہم اُسکو اس درجہ سے کچھ دے دیا کرتے ہیں اور جو شخص آخرت کا اجر چاہتا ہے تو اُسے بھی اُس سے کچھ دے دیتے ہیں (پس تم شکر گذاری کرو) اور قریب ہے کہ ہم شکر گذاروں کو جزا دینگے۔ [۱۴۳](تمہیں تو کمزوری میں ہی مقابلہ پر آنا پڑا ہے) اور بہت سے نبی ایسے بھی ہوئے ہیں جن کے ہمراہ ہو کر کثیر جماعتوں نے جنگ کیا (پھر انہیں بھی مصیبتیں آ گھیرتی تھیں) سو وہ ان مصیبتوں کے لئے، جو انہیں اللہ کے راستہ میں پہنچیں سست نہ ہو گئے

وہ لوگ جن پر (زور توڑنے کے لئے ان کفار کا) قتل کرنا فرض تھا، اُن کی خوابگاہوں تک نکل جاتے (اور انہیں اُن کے گھروں میں پہنچا کر آتے۔ رسولِ کریمؐ نے اُن لوگوں پر کسی وحی سے اعتبار نہیں کیا تھا۔ یہ صرف آپ کا اپنا ہی خیال تھا۔ انبیاء علیہم السلام بھی حالات کو خود ہی سوچا کرتے اور غور فرمایا کرتے ہیں۔ وہ دوسرے داناؤں کی طرح ہوشیار ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ناکے والوں کا تقرر وحی الٰہی سے ہوتا، تو ایسے مصائب نہ دیکھے جاتے۔ پس خدا تعالےٰ پر لازم نہیں ہے کہ ایسے تمام امور میں ہر دفعہ وحی ہی کیا کرے۔ ہم غلط کاروں کے لئے ایسا ہی نمونہ درکار ہے۔ اس سورت کے تیرھویں رکوع میں جن دو طائفوں کے پھسل جانے کا ذکر ہے، وہ یہی دو طائفے ہیں، جن کا اس آیت میں بیان ہے۔ انہوں نے یہ غلطی کی اور اللہ تعالےٰ نے انہیں جبراً اس غلطی سے نہیں روکا) اور (کیوں نہیں روکا) تاکہ اللہ اس (غصہ) کو جو تمہارے سینوں میں ہے، دکھلا دے اور اُن (خیالات) کو جو تمہارے دلوں میں ہیں، نکھارے اور اللہ سینوں کی باتوں (اور بیماریوں) کو خوب جاننے والا ہے

(اس آیت میں عربی کے تمام حروفِ تہجّی آ گئے ہیں۔ کوئی باہر نہیں رہا۔ یہی حال سُورت فتح کی آخری آیت کا بھی ہے، جو محمد رسول اللہ والذین معہٗ سے شروع ہوتی ہے)

۱۵۵ بلاشبہ وہ لوگ جو ہیں، جنہوں نے تم سے اُس دن مُنہ موڑا تھا، جبکہ ان دو جماعتوں کا مقابلہ ہوا تھا، تو سوائے اس کے نہیں، کہ شیطان نے اُن کے بعض فعلوں کی وجہ سے انہیں پھسلا دیا تھا اور خدا نے (ان کی پشیمانی کے سبب سے) انہیں معاف کر دیا۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا بُردبار ہے۔ ۱۶ع

۱۵۶ (یہاں ہمت والوں کے لئے ایک اصول سکھایا ہے) اے ایمان والو! اُن لوگوں کی مانند مت بنو، جو کافر ہوئے اور جنہوں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا، جبکہ انہوں نے (تجارت یا تحقیقات کے لئے) زمین میں سفر کیا، یا جنگ کے لئے گئے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے، تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے (حالانکہ لوگ اپنے وطن میں بھی طبعی اور غیر طبعی موت سے مرتے رہتے ہیں۔ اس سے لوگ مفید اور ہمت کے کاموں پر جانے سے رُک جائیں گے۔ اس قول کا نتیجہ یہ ہوتا ہے) تاکہ اللہ اسے ان کے دلوں میں حسرت (و افسوس کا موجب) بنا دے (کیا موت و زندگی پر اُن کا اپنا اختیار ہے) اور اللہ ہی زندہ رکھتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہا

(جس قوم کے ذمّے کوئی خدمت ڈالی جاتی ہے، تو وہ لوگ ابتداء میں کئی غلطیاں کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو مزید موقعہ دینے کے لئے ان کی ابتدائی غلطیاں معاف کر دیا کرتا ہے)

۱۵۳
(اے ناکے والو!) جب تم آگے ہی کو بڑھتے جاتے تھے اور کسی (کی آواز) پر نہیں مڑتے تھے اور رسولؐ (بحیثیت جنرل) تم کو پکارتا تھا (کہ جلدی واپس آ کر ناکے کو روکو، لیکن تم واپس نہیں آئے۔ ناکے کے دوسری طرف چند کفّار اپنی شکست سے بے خبر ہو کر غاروں میں چھپے بیٹھے تھے، موقعہ پا کر حملہ آور ہوئے) سو، خدا نے (اس نافرمانی کے) بدلے میں تمہیں غم پر غم دیا (اس سے یہ سکھانا مقصود تھا) تاکہ تم اُس چیز پر، جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، اور اس (مصیبت) پر جو تمہیں پہنچے، غم نہ کرو (اور آئندہ کو ہوشیار ہو جاؤ، کہ یہ سب کچھ تمہارے گناہوں کا نتیجہ تھا) اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

(جب تعاقب کرنے والے مومنوں نے رسولِ کریم صلعم کی وفات کی خبر سُنی تو وہ حیران و پریشان ہو کر واپس آ گئے۔ پھر کفّار بھی اکٹھے ہو کر پیچھے سے حملہ آور ہوئے، راستے میں کئی مومن مارے گئے۔ اے ناکے والو! تمہیں لُوٹ بھی نہ ملی، بلکہ غم پر غم حاصل ہُوا اور کفّار پھر حملہ کرنے کے لئے واپس آئے)

۱۵۴
پھر اللہ نے غم کے بعد امن دینے کے لئے تم پر اُونگھ نازل کی (جیسا کہ غم کے ساتھ اکثر اُونگھ آ کر دل قائم ہو جاتا ہے) یہ اُونگھ تم میں سے ایک جماعت کو ڈھانپتی تھی، اور ایک جماعت ایسی بھی تھی، جن کو اُن کے نفسوں نے فکر میں ڈال رکھا تھا۔ وہ اللہ پر جاہلیت والے گمان ناحق کرتے تھے۔ وہ (بظاہر) کہتے تھے کہ کیا ہمارے لئے کام کا کوئی اختیار بھی ہے۔ تُو کہہ کہ اختیار (و حکم) سارے کا سارا اللہ کے لئے ہے (ان کے دلوں میں ان کے اس قول کا مطلب کچھ اور ہی تھا) وہ اپنے دلوں میں اُس (مطلب) کو چھپاتے تھے، جسے تیرے لئے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے، کہ اگر ہمارا کچھ اختیار ہوتا، تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے (اُن کی رائے تھی کہ ہم مدینہ ہی میں بیٹھ کر لڑتے، لیکن رسولِ کریم مومنوں کے عام مشورہ کے بغیر نہیں نکلے تھے۔ بہر حال تمام کام حسبِ منشاء ہوئے۔ قصور تو اُنہیں کا تھا، جنہوں نے ناکے کو چھوڑنے میں نافرمانی کی۔ اگر یہ لوگ گھروں میں رہتے، اور اُن کی جگہ رسولِ کریم صلعم مناسب لوگ متعین کرتے، تو یہ نقصان کبھی بھی نہ ہوتا)۔ تُو کہہ کہ اگر تم گھروں میں ہوتے، تو

نبی کے لئے لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے، اور جو خیانت کرے، تو وہ اپنی خیانت کو اپنے اوپر
لئے ہوئے پیشی کے دن حاضر ہوتا ہے پھر ہر شخص کو اپنی کمائی کا پورا بدلہ دیا جاتا ہے اور اُن پر
ظلم نہیں کیا جاتا۔ [162] پھر کیا وہ شخص جس نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی، اُس شخص کی مانند
ہے، جو اللہ کی ناراضگی کو لے کر مڑا اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُری جائے بازگشت ہے۔
[163] (رضامندی اور ناراضگی کے حاصل کرنے کے لحاظ سے) اللہ کے نزدیک لوگوں کے مدارج ہیں،
اور جو کچھ یہ عمل کرتے ہیں، اللہ اُن کو دیکھنے والا ہے۔ [164] (مومنوں کے لئے اُس رسولؐ کا آنا
جس کے سبب سے خدا تعالےٰ کی وحی اور رسولوں کے اپنے کلاموں میں خواہ وہ دین سے ہی تعلق
رکھتے ہوں، تمیز ہو گئی اور یوں اس رسولؐ نے اللہ تعالےٰ ہی کا اصل مطاع ہونا دکھلا دیا، اور
اللہ تعالےٰ کے ساتھ خود دوسرا اصل مطاع نہ بنا، تو ایسے رسولؐ کا آنا بلاشبہ اللہ تعالےٰ کی
بہت بڑی نعمت ہے) بالضرور ہی اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا، جبکہ اُن کے درمیان
خود اُنہی کی جنس سے ایک رسولؐ کھڑا کیا، جو اُن پر اس (اللہ) کی آیات کی تلاوت کرتا ہے،
اور (اپنے بشری فہم و وسعت کے مطابق جیسا کہ اس پر فرض ہے) اُن کا تزکیہ (و اصلاح)
کرتا ہے۔ (تمام معلمین کا بھی یہی فرض ہے کہ وعظ کے ساتھ لوگوں کے تزکیہ کا بھی خیال
رکھیں) اور (اتنا ہی نہیں کرتا کہ آیات کو صرف سُنا ہی دے، بلکہ وہ خود) ان کو کتاب (یعنی
احکامِ الٰہی) کا اور (اُن احکام کی وحی والی اور متلو) حکمت (و تشریح) کا عالم بناتا ہے،
(تاکہ وہ خود آگے بھی تبلیغ کر سکیں) اور بلاشبہ یہ لوگ اس سے پہلے صریح ضلال (اور بھول)
میں تھے۔ (خود نبی صلعم پر بھی جو مومنوں کی جنس سے ہیں، یہ قرآنِ کریم فضلِ کبیر اور رحمتِ کثیر
ہے۔ رسولؐ خود بھی قرآن کے آنے سے پہلے غافل اور ضال ہوتا ہے)۔ [165] اور (جب قرآن
خود رسولؐ کی غلطیاں بھی کھولتا ہے، تو کیا اے مومنو تمہاری غلطیاں کھولنے کا حق نہیں رکھتا
سُنو) کیا جب تم کو ایک ایسی مصیبت پہنچی، جس سے دوچند تم (اُن کو پہلے) پہنچا چکے ہو۔
(پھر) تم نے کہا کہ یہ (مصیبت) کہاں سے ہے (یعنی ہمارے کس گناہ سے ملی) تو کہہ یہ تمہارے
ہی نفسوں سے ہے

(لڑائی خود ہی ایک مصیبت ہے، یہ انسانی کمزوریوں کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ اگر لوگ مسالمت
برتنے والے ہوں، تو فریقین کے شوریٰ سے اس کا صحیح علاج ہو سکتا ہے، لیکن لوگ ہوا پرست ہیں

کاموں کو دیکھنے والا ہے (پس عمدہ کاموں کے لئے اگر سفر کی ضرورت ہو، تو ضرور جانا چاہیئے)
(عمدہ کاموں کے لئے جانا خدا کے رستہ میں نکلنا ہے) اور البتہ اگر تم خدا کے رستہ میں
مارے جاؤ یا مرجاؤ، البتہ اللہ کی بخشش اور رحمت اُن (تمام نعمتوں) سے بہتر ہے، جو لوگ
(زندہ رہ کر) جمع کیا کرتے ہیں (چونکہ قتل ہوجانے سے مغفرت ورحمت زیادہ ملتی ہے، اس
لئے قتل کو پہلے لایا گیا)۔ (صاحب اختیار انسان دُنیا میں اِس لئے آیا ہے، تاکہ اپنا اور دوسروں
کا بھلا کر کے خدا تعالےٰ کے حضور میں سُرخرو ہوکر جائے) اور اگر تم مرجاؤ، یا قتل کئے جاؤ تو (بہرصورت)
تم اللہ ہی کی طرف لے جائے جاتے ہو (یہاں عام عادت کے مطابق موت کا پہلے ذکر کیا ہے موت
عام طور پر واقع ہوتی ہے۔ قتل کبھی کبھی ہوتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مقتول کی رُوح بدلہ چاہنے
کے لئے اِدھر اُدھر منڈلاتی رہتی ہے۔ بدلہ تو خدا تعالےٰ لے گا۔ پس وہ بھی خدا ہی کے ہاں پیش
ہوتی ہے)۔ (جب رسولِ کریمؐ احد سے واپس آئے، تو بعض مومنین نے کہا کہ ان نا کے والوں نے
نافرمانی کر کے جنگ کا نقشہ بگاڑ دیا اور آپ کو اور دوسرے مومنین کو سخت نقصان پہنچایا۔ انہیں
مروجہ قواعد جنگ کے مطابق ضرور سزا ملنی چاہیئے، تو انہیں مذکورہ بالا اصول سکھانے کے بعد کہا کہ
جب خدا تعالےٰ نے انہیں معاف کر دیا، تو میں کون ہوں، جو انہیں سزا دوں تو اس پر اللہ تعالےٰ
نے فرمایا) پھر تُو اللہ کی رحمت سے انہیں نرم دل مل گیا ہے اور اگر تُو درشت طبع، سخت دل
ہوتا، تو یہ لوگ تیرے پاس سے بکھر جاتے، سو تو ان سے درگزر کر اور ان کے لئے بخشش مانگ
اور (ضروری) کاموں میں ان کے ساتھ مشورہ کر (اور تاکہ وہ جان لیں کہ رسولِ کریمؐ کو ہم پر
اعتبار ہے)، پھر جب تُو (اُن کے مشورہ سے) پکا ہوجائے (اور کسی کام کا پکا ارادہ کرلے) تو
اللہ پر توکّل (کر کے وہ کام) کر، بلاشبہ اللہ توکّل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (اللہ ہی
توکّل کے لائق ہے، کیونکہ) اگر اللہ تمہاری مدد کرے، تو تم پر کوئی غالب نہیں ہوسکتا، اور
اگر تمہیں ذلیل کرے، تو وہ کون ہے، جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا، اور مومنوں کو چاہیئے
کہ اللہ ہی پر توکّل کریں۔ (غیر وحی والے لوگوں کے ساتھ مشورہ کرنے کے لحاظ سے رسولِ کریمؐ
انہی لوگوں کی صف میں ہی بٹھائے جاسکتے ہیں۔ ایسے مشورے انتظامی حیثیت سے تو ماننے لازم
ہیں، لیکن یہ وحی یا دائمی اصول نہیں بن سکتے۔ اگر مناسب ہو تو ایک مشورہ کے بعد دوسرا مشورہ
بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن وحی الٰہی اللہ تعالےٰ کا حکم ہے، اس کا ماننا اصولاً ضروری ہے) اور کسی

ایک علامت یہ بھی ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں) جنہوں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اور خود (گھر میں) آبیٹھے کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے، تو قتل نہ ہوتے (معلوم ہوا کہ یہ جنگ میں اس لئے گئے تھے کہ دوسروں کو بھی موڑ لائیں) تو کہہ (اگر بات یہ ہے) تو تم (اب ہی) اپنے نفسوں سے موت کو روک دو، اگر تم سچے ہو۔ اور (یہ شہید جن کو تم مُردے کہتے ہو، ان کو اس دُنیا کی زندگی سے اعلےٰ زندگی ملتی ہے) تو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے، مُردے گمان نہ کرنا، بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ اس پر پھُولے نہیں سماتے، جو خدا نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اور اُن لوگوں کے متعلق بھی یہ خوشیاں کرتے ہیں، جو اُن کے پیچھے سے (ابھی) انہیں نہیں ملے کہ اُن پر نہ کوئی خوف ہے، اور نہ وہ کوئی غم پائیں گے

(مطلب یہ کہ جن لوگوں کو وہ خدا کی راہ میں لڑتے دیکھ گئے ہیں، اُن کے متعلق بھی خوش ہیں کہ اُنہیں بھی ایسا ہی درجہ ملے گا۔ وہ عمدہ خدمت پر لگے ہوئے ہیں)۔ وہ اللہ کی نعمتوں اور فضل پر اور اس بات پر کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا، خوشیاں کرتے ہیں۔ ۱۷ع

(اِس رکوع میں مومنوں کی ثابت قدمی دکھلائی ہے کہ کسی مصیبت نے انہیں سست نہیں کیا) وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد کہ اُنہیں (کاری) زخم لگا، اللہ کی اور (بحیثیت جنرل) رسولؐ کی بات مانی، ان میں سے جو احسان اور تقویٰ کرتے رہتے ہیں، اُن کے لئے اجرِ عظیم ہے۔ جن کو لوگوں نے کہا کہ لوگ (پھر) تمہارے لئے جمع ہو چکے ہیں، سو اُن سے ڈرو، تو اس بات نے ان کو ایمان میں اور بڑھا دیا اور بولے، اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ (ہمارے کاموں میں) بہت اچھا وکیل ہے (اس مقابلہ میں بھی ہمارا اُسی پر توکّل ہے)۔ سو وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ (وہاں سے) مُڑ آئے۔ (وہاں) اُنہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی، اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کی تابعداری کر لی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (ممکن ہے کہ اس سفر میں کئی قوموں کے ساتھ عہد و پیمان بھی ہوئے ہوں) سوائے اس کے نہیں کہ شیطان اپنے ساتھیوں کو ڈراتا (اور بزدل) بناتا ہے، سو تم اُن سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔ اور (لوگ اِس جنگ کی وجہ سے کُفر کی طرف واپس دوڑنے لگے، اللہ اپنے رسولؐ کو تسلّی دیتا ہے) تجھ کو وہ لوگ جو کُفر میں دوڑے جا رہے ہیں، غم میں نہ ڈالیں۔ بلاشبہ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑیں گے (لیکن اِن مُرتدوں کے لئے دُنیا کی کوئی سزا نہیں ہے، ہاں) اللہ چاہتا ہے کہ اُن کے لئے

اس لئے ایسا نہیں کرتے۔ پس اے انسانوں! یہ فساد تمہارے نفسوں اور ذاتی کمزوریوں ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی بڑی جنگ چھڑے گی، تو دونوں طرف سے ہی لوگ مارے جائینگے، اور مصیبت میں دونوں فریق ہی پھنسیں گے۔ ہاں، اگر ایک فریق ظالم ہوگا، تو مظلوم فریق ضرور شہادت و ثواب حاصل کرے گا۔ یہ خداتعالےٰ کی حکمت ہے، سو حکمت کے خلاف اپنے چاؤں سے سوال نہ کرو۔ پس ایسا سوال کرنا تمہارے نفسوں کے چاؤں سے ہے۔ رسولؐ کی جماعت اور کفّار کی جماعت دونوں بشر ہیں، سہو و نسیان اور غلطیوں کا دونوں طرف امکان ہے۔ پس نیچرل مصائب اس دُنیا میں ضرور آئیں گے اور نبیوں، ولیوں کا بھی عجز دکھائیں گے۔ ہاں فتح و شکست خداتعالےٰ کے ہاتھ میں ہے، اُس سے دعا مانگتے رہو) بلاشبہ اللہ ہر شے پر قادر ہے

(انسان کی طلب میں فرق ہوتا ہے، پہلے گناہ اور کمزوریاں بھی مانع بن جاتی ہیں۔ خلاء میں اُس کے مناسب چیزیں گھس آتی ہیں)

اور جو مصیبتیں تمہیں اُس دن پہنچیں، جس دن دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہوا، تو وہ (خداتعالےٰ کی بے خبری و غفلت میں نہیں ہوا، بلکہ) اللہ کے اِذن سے ہوا ہے اور تاکہ (ظاہری مومنوں کو اصلی) مومن (بناکر) دیکھے۔ [۱۶۶] اور تاکہ (باطنی منافقوں کو عملی طور پر منافقت کرنے کا موقعہ دے اور یوں) منافقوں کو (یعنی اُن لوگوں کو جو ظاہرا منافقت پھیلاتے ہیں) دیکھے (پھر وہ اللہ کی قسمیں کھاکر اور جھوٹ بول کر مومنوں کو نہ کہہ سکیں کہ ہم تمہارے دشمن نہیں، شروع جنگ میں یہ لوگ اپنے گھروں سے نکلے تھے، لیکن راستہ میں کھسک گئے) اور اُنہیں کہا گیا (یعنی پیغام بھیجا گیا) کہ آؤ، اللہ کی راہ میں لڑو، یا (سمجھا بجھا کر دشمنوں کو حملہ سے) ٹلا دو، تو اُنہوں نے کہا اگر ہم لڑنا جانتے، تو کیا تمہارے پیچھے نہ چلے آتے؟ (جبکہ ہم نے دیکھا کہ ہم فنونِ جنگ سے واقف نہیں، اس لئے ہم واپس ہوگئے

یہ لوگ مومنوں کے مدینہ میں آنے سے پہلے کئی لڑائیاں لڑ چکے تھے۔ اس بات کو وہ اپنے دلوں میں چُھپاتے تھے۔ عرب سب آپس میں دشمن دشمن تھے۔ حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں کا ایمان کی نسبت کُفر کی طرف زیادہ مَیلان تھا، بلکہ یہ کفّار کے جاسوس بن کر بیٹھے تھے) وہ آج اپنے ایمان کی طرف قریب ہونے سے کُفر کی طرف زیادہ قریب ہیں۔ یہ اپنے مُونہوں سے وہ بات کہتے ہیں، جو اِن کے دِلوں میں نہیں اور اللہ اُسکو جو یہ چُھپاتے ہیں، خوب جانتا ہے۔ [۱۶۷] (اُن کے دشمن ہونے کی

ہم کہتے ہیں کہ جلنے کا عذاب چکھو۔[۱۸۲] یہ (سزا) بہ سبب اس کے ہے، جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بہ سبب اس کے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں (اللہ کی ذات میں اگر ذرا سا نقص بھی پایا جائے، تو وہ خدا نہیں ہوگا، اُس کے لئے ذرا سا عیب بھی بہت ہی بڑا ہے)۔[۱۸۳] (اللہ کو فقیر کہنے والے وہی لوگ ہیں) جنہوں نے کہا، کہ اللہ نے ہم سے عہد کیا ہے کہ ہم کسی رسول کی بات کو نہ مانیں، جب تک کہ وہ ہمارے (یعنی یہود کے) پاس ایسی قربانی نہ لائے، جس کو آگ جلائے، تُو کہہ کہ تمہارے پاس مجھ سے پہلے ایسے رسول کھلی دلائل اور اس بات کے ساتھ جو تم نے کہی (یعنی سوختنی قربانی کے ساتھ) آچکے، پھر اگر تم سچے ہو، تو تم نے انہیں کیوں قتل کر دیا۔[۱۸۴] پھر اگر وہ تجھے جھٹلائیں، تو تحقیق تجھ سے پہلے رسول بھی جھٹلائے گئے، جو روشن دلائل اور صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے۔[۱۸۵] ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے اور تم پیشی کے دن اپنے اجر پورے پورے دیئے جاتے ہو۔ سو جو آگ سے بچایا گیا اور جنّت میں داخل کیا گیا، تو وہ مُراد پاچکا اور دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہونے کے سوائے اور کچھ نہیں۔[۱۸۶] البتّہ تم اپنے مالوں اور جانوں میں آزمائے جاؤ گے اور اُن لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکوں سے ضرور بہت ہی دُکھ دینے والی باتیں سُنو گے اور اگر تم صبر کرو، اور تقوےٰ اختیار کرو، تو بلاشبہ ہمّت کے کام ہیں۔[۱۸۷] جب اللہ نے ان لوگوں سے، جنہیں کتاب دی گئی، عہد لیا، کہ تم اس (کتاب) کو لوگوں کے لیئے (کھول کر) بیان کرو گے اور اُسے چھپاؤ گے نہیں، تو انہوں نے اس (عہد) کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس (عہد) کو تھوڑی قیمت (یعنی دنیوی فوائد) پر بدل لیا۔ سو بہت بُرا ہے، جو وہ عوض لیتے ہیں۔[۱۸۸] تو ان لوگوں کو جو اپنے فعلوں پر پھُولتے ہیں اور ان کاموں کے سبب جو انہوں نے نہیں کیئے، تعریف کیئے جانا چاہتے ہیں، گمان نہ کر، پھر (میں کہتا ہوں کہ) تو انہیں گمان نہ کر، کہ وہ عذاب سے چھُوٹنے والے ہیں۔[۱۸۹] اور آسمانوں اور زمین کا اختیار اللہ کے لئے ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ع۱۹

[۱۹۰] بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلتے آنے میں ان عقل والوں کے لئے نشانات ہیں۔[۱۹۱] جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے) یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار تُو نے اس کو باطل (یعنی بے نتیجہ) نہیں بنایا، تُو پاک ہے، سو تُو ہمیں آگ کے

آخرت میں (اپنے اعمال کا) کوئی حصّہ نہ ہو اور ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔ [۱۷۷] بلاشبہ وہ لوگ
جو ایمان کے بدلے کُفر کو خریدتے ہیں، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑیں گے اور اُن کے لئے عذابِ
الیم ہے۔ [۱۷۸] اور وہ لوگ جو کافر ہوئے، یہ گمان نہ کریں کہ جو ہم اُن کو مہلت دیتے ہیں، وہ اُن
کی جانوں کے لئے مفید ہے، سوائے اسکے نہیں کہ جو ہم اُن کو مہلت دیتے ہیں (اُس کا نتیجہ یہ
ہوتا ہے) کہ وہ گناہوں میں بڑھ جائیں، اور اُن کے لئے توہین کرنے والا عذاب ہے۔ [۱۷۹] اللہ
ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے، جس پر تم (ملے جلے) ہو، یہاں تک کہ خبیث
کو طیّب سے الگ نہ کر دے اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے (اور تم پہلے
ہی سے جان لو، کہ کون جنّتی ہے اور کون جہنّمی بلکہ اللہ تم کو امتحان کے لئے موقعہ دے کر تمہاری
کوشش کے مطابق تمہیں نیک یا بد بناتا ہے) ولیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے
(اقبال دے کر) چُن لیتا ہے (پھر تم کو اُن کے ہمراہ خدمات پر مامور کرتا ہے) سو تم (ایسے
حکمران) خدا پر، اور ایسے رسولوں پر (جن کی مثل آگے تم بھی نمونہ بن سکتے ہو) ایمان لاؤ، اور
اگر تم (اِس طرح پر) ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو، تو تمہارے لئے اجرِ عظیم ہے۔ [۱۸۰] اور (چونکہ اکثر
لوگ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے گریز کے سبب الگ ہو جاتے ہیں، اس لئے فرمایا کہ)
وہ لوگ، جو اس مال کے ساتھ، جو اللہ نے اُنہیں اپنے فضل سے دیا ہے، بخل کرتے ہیں، گمان
نہ کریں کہ وہ اُن کے لئے خیر ہے۔ نہیں نہیں، بلکہ وہ اُن کے لئے شر ہے۔ ابھی قیامت کے
دن اُنہیں اِس (مال کی محبّت) کا جس کے ساتھ وہ بخل کرتے ہیں، طوق پہنایا جاتا ہے،
اور آسمانوں اور زمین کی میراث کا اللہ ہی مالک ہے، اور اللہ تمہارے کاموں سے
خبردار ہے۔ ۱۸ع

ش۱۰۱ (یہود ملکی حفاظت کے لئے بھی چندہ نہیں دے سکتے تھے، وہ سوختنی قربانی کو خدا تعالیٰ
کی غذا کہتے تھے اور جب اُنہیں کہا جاتا کہ خدا تعالیٰ کے حق میں ایسے الفاظ نہ بولو، تو جھنجھلا کر
کہتے کہ ہاں ہاں، اللہ اِن رسموں کا محتاج ہے)۔

[۱۸۱] بالضرور، اللہ نے اُن لوگوں کی بات سُنی، جنہوں نے کہا، بالضرور اللہ فقیر ہے اور ہم غنی
ہیں۔ ابھی ہم اُن کی اس بات کو، جو انہوں نے کہی اور اُن کے نبیوں کو ناحق قتل کرنے کو لکھ لیتے
ہیں (یعنی اُن کی سزا دہی کے لئے اس فطرت میں اُن کے اقوال و افعال کو قائم رکھتے ہیں، اور

(قدرتی) مصائب و تکالیف اور آلام و اسقام میں اپنے نفس کو جزع و فزع سے روکنا اور اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنا اور رضائے الٰہی پر راضی رہنا صبر ہے۔ کسی نیک و مفید کام کے حصول کے لئے جو محنت اور مناسب کوشش درکار ہوتی ہے، اُس کو برضا و رغبت اپنے سر پر لینا بھی صبر میں داخل ہے۔ تمام نیک و مفید کام جو خدا تعالےٰ کی رضا کے ماتحت کئے جاتے ہیں، عبادت ہیں و الصبر العبادۃ کے حکم کے مطابق ایسے سب کاموں میں محنت کو گوارا کرنا بھی صبر میں شامل ہے۔ والصابرین فی البأساء والضراء وحین البأس کے زیر فرمان جنگ کے اوقات میں بھی ٹِکے رہنا داخلِ صبر ہے۔ جو لوگ اصلاح کو پھیلانے اور لوگوں کو حق پر چلانے کی کوشش کرتے ہیں، نا قدردان لوگ اُن کو بہت سی تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ پس و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر کے ارشاد کے مطابق اُن کے لئے بھی صبر کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

الحاصل، صبر نہایت ہی اعلیٰ درجے کی صفت، بلکہ عبادت کی جڑ ہے۔ خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ میں صابروں کے ساتھ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے لئے تمام نیک و مفید کاموں میں صبر و صلوٰۃ سے مدد مانگنا فرض کیا گیا ہے

جنگِ اُحد میں مومنوں نے پہلے پہل فتح حاصل کی تھی، پھر کفار کا زور توڑنا بھی اُن پر لازم تھا تاکے والوں کی نافرمانی نے جنگ کا نقشہ بگاڑ دیا۔ جب رسولِ کریم کی وفات کی افواہ تعاقب کرنے والے مومنوں کو پہنچی، تو وہ حیران ہو کر واپس لوٹے۔ اُن کا بڑا حصہ رسولِ کریم کے ساتھ آکر شامل ہو گیا، لیکن اُن کا پچھلا حصہ کفّار کے ہاتھوں میں پھنس گیا۔ ان میں سے بہت سے لوگ شہید کئے گئے۔ کفّار کا حملہ ظالمانہ تھا۔ مومن جو کچھ کر رہے تھے، وہ اپنی حفاظت کے لئے ہی کر رہے تھے۔ کفار نے جب واپس آکر دیکھا کہ رسولِ کریم زندہ ہیں اور پہلے کی طرح محفوظ حالت میں ہیں، تو وہ اُلٹے پاؤں پھر گئے۔ مومنوں کو اس جنگ میں بہت سی تکلیفیں پہنچیں، کمزور دل ساتھ بھی چھوڑنا چاہتے تھے۔ ایسے وقت میں خدا تعالےٰ نے یہ ایک عام اصول اور کلیہ قاعدہ سکھلایا ہے کہ اگر تم کامیابی کا مُنہ دیکھنا چاہتے ہو، تو خود بھی صبر کرو اور اگر کوئی شخص گھبراہٹ اور مصیبت میں پھنس جائے، تو اُسے بھی صبر کی ترغیب دو۔ مستقل ہو کر اصلاح پر لگے جاؤ اور بدیوں سے بچو۔

عذاب سے بچا۔ [189] اے ہمارے پروردگار بلاشبہ تو جسے آگ میں داخل کرے، تو تو نے اُسے رسوا کیا اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہیں۔ [190] اے ہمارے پروردگار بلاشبہ ہم نے ایک پکارنے والے (یعنی قرآن) کو سُنا ہے، جو ایمان کی مُنادی کرتا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ، سو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے پروردگار سو تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہم سے ہماری بُرائیاں دُور کردے اور ہم کو نیکوں کی ہمراہی میں ہوتے ہوئے وفات دے۔ [191] اے ہمارے پروردگار (یہ بھی کر) اور ہمیں وہ (انعام بھی) دے، جس کا تو نے اپنے رسولوں (کی زبان) پر ہم سے وعدہ کیا ہے، اور ہمیں پیشی کے دن رُسوا نہ کرنا، بلاشبہ تو وعدے کا خلاف نہیں کرتا۔ [192] پس اُن کے پروردگار نے اُن کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک ہی ہو۔ پھر وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور (بعد ہجرت کے) میرے رستے میں ستائے گئے، اور (اس لئے) اُنہوں نے جنگ کی اور مارے گئے، تو ضرور میں اُن سے اُن کی بُرائیاں دُور کردونگا اور اُنہیں ایسے باغوں میں داخل کرونگا، جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ یہ خدا کی طرف سے اَجر ہے، اور اللہ جو ہے، تو اس کے پاس نیک اَجر ہے۔ [193] تجھے ان کافروں کا شہروں میں آنا جانا دھوکے میں نہ ڈالے۔ [194] یہ قلیل فائدہ ہے، پھر اُن کا ٹھکانا جہنّم ہے اور وہ بہت بُرا بچھونا ہے۔ [195] لیکن وہ لوگ جو اپنے رب کا تقوےٰ (اختیار کرتے ہیں، اُن کے لئے ایسے باغات ہیں، جن کے نیچے کی طرف سے نہریں بہتی ہیں، وہ اُن میں رہ پڑنے والے ہیں۔ یہ اللہ کے ہاں سے مہمانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ نیکوں کے لئے بہت بہتر ہے۔ [196] اور بلاشبہ اہلِ کتاب میں سے البتہ ایسے لوگ بھی ہیں، جو اللہ کو اور اُسکو، جو تمہاری طرف اُتارا گیا اور اس کو جو اُن کی طرف اُتارا گیا، خدا کے لئے عاجز ہو کر مانتے ہیں، وہ اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت (دُنیوی فوائد) پر نہیں بدلتے۔ یہ لوگ جو ہیں، اِن کے لئے اِن کا اَجر اِن کے رب کے پاس ہے بلاشبہ اللہ جلد ہی حساب کرنے والا ہے (پس وہ انتظار نہیں کرتا، کہ کوئی شفیع آئے)۔ (اخیر میں ایک گُر سکھایا ہے، جس میں تمام سُورت کا خلاصہ ہے) [197] اے (خدا کے) ماننے والو! صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر پر جمائے رکھو، اور (نیکیوں پر) لگے چلو، اور (بدیوں میں) خدا سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ع

میں سونپا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام جیسے نبی کے ذریعہ سے ان کی پرورش کرائی۔ اس سورہ النساء میں یتیموں اور دیگر عاجز لوگوں کی اصلاح کے قواعد بھی مقرر فرمائے گئے ہیں۔ اِس سُورت میں صنفِ ضعیف یعنی عورتوں کا خاص ذکر ہے، دوسرے کمزور لوگوں کا بھی ساتھ ہی خیال رکھا گیا ہے۔

(سوم) سُورت آلِ عمران میں جنگِ اُحد کی مصائب کا ذکر ہے۔ اس جنگ میں دونوں طرف سے بہت سے لوگ مارے گئے۔ اُن کی عورتیں بیوہ ہوگئیں اور بچے یتیم رہ گئے اور بہت سے بُوڑھے اور بیمار لوگ اپنے سرپرستوں سے خالی ہو گئے۔ اندریں صورت ضروری تھا کہ اِس سُورت میں عاجزوں کی حمایت کے قواعد بیان کئے جائیں اور اُن کو عمل میں لانے کے طریقے سکھائے جائیں اور انسانی وسعت کے مطابق لوگوں سے ان پر عمل کرایا جائے

اسلام میں وحی اور دیگر معقولات پر عمل کرنا لازم ہے۔ قرآنِ حکیم کے پڑھنے والے پر صاف طور پر کھل جاتا ہے کہ کس طرح مومنوں سے ساتھ ساتھ عمل بھی کرایا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جبر مذہبی کرنے والوں کے ساتھ جنگ بھی کرنے پڑے ہیں اور اُن سے عہد وپیمان بھی کئے گئے ہیں۔ منافقوں کا وجود بھی بتلاتا ہے کہ مومنوں کے لئے عمل کرنا ضروری تھا۔ منافق غیر قوموں کے جاسوس تھے۔ وہ مومنوں کی اصلاح کو دیکھ کر جلتے تھے۔ اس سے دوسرے دشمنوں کو بھی کچھ نہ کچھ اصلاح کی ترغیب ہوتی تھی اور یوں ان کے نفاق کا بھی پتہ لگتا رہتا تھا۔ عدالتوں کا نظام بھی بتلاتا ہے کہ کس طرح مقدمے کئے جاتے تھے۔ انصاف کی شہادت کی بڑی تاکید تھی، اگرچہ اپنی جانوں ہی کے برخلاف کیوں نہ ہو۔ عدالت میں رعایت کا کوئی دخل نہیں۔ عہدوالے کفار کا قتل خود مومنوں کے قتل کی مانند ہی قرار دیا گیا تھا۔ ایمان کے دعوے کرنے والوں کے مقابلہ میں ذمّیوں کی بریت ثابت کی جاتی تھی۔ نبیؐ کو سخت تاکید کی گئی کہ خائنوں کی طرف سے وکیل مت بننا۔

(چہارم) بہت سے دولت مند لوگ ایسا چاہتے ہیں کہ محنتیوں اور مسکینوں اور عاجزوں کو اپنے غلام بنائے رکھیں۔ انہیں دولت مند نہ بننے دیں۔ اعلیٰ تعلیم پانے سے انہیں روک دیں۔ وہ اُن میں دشمنی پیدا کر کے انہیں اپنے ہی جھگڑوں میں پھنسائے رکھتے ہیں اُن کے اتفاق واتحاد کو نہیں چاہتے۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ مسکین لوگ ان کے برابر نہ

رسولِ کریم کے دل میں بھی کچھ خیال آیا تھا، جس سے خدا تعالےٰ نے حضور صلعم کو روکا، اور فرمایا کہ اس کام میں تیرا کچھ اختیار نہیں ہے۔ بندوں کو سمجھانا اُن کی وسعت کے مطابق ہی ہُوا کرتا ہے



سُورت النساء

سورت آلِ عمران اور سورت النساء میں وجوہِ ربط حسب ذیل ہیں :-

(اوّل) سُورت آلِ عمران میں حضرت مریم علیہا السلام کا بیان ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالےٰ نے ہر زمانہ کی عورتوں کے لئے نمونہ بنایا تھا (واصطفاكِ علىٰ نساء العالمین ۳/۱۳) آپ کا نمونہ عاقل بالغ عورتوں کے لئے سچا نمونہ ہے۔ آپ نے شیاطین سے اپنے آپ کو بچایا اور خدائی حکم کے ماتحت خود ہی خدا کے بھیجے ہوئے کو نکاح کے لئے پسند فرمایا۔ تمام مومنین کے لئے اللہ تعالےٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی مثال پیش کی ہے ۲۸/۱۲ تاکہ اُن کی بالغ بیٹیاں اسی طرح سے نکاح کیا کریں۔ اس صورت میں اللہ تبارک و تعالےٰ نے بہت سے دیگر نمونے بھی قائم کئے ہیں

اس سورت کا نام النساء ہی بتلاتا ہے کہ اس میں عورتوں کی حالت کو اعلےٰ بنانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ جب عورتوں اور مردوں کا آپس میں سلوک ہوگا اور ہر شخص اپنے دل سے سمجھے گا کہ ہم ایک دوسرے کے خیرخواہ، بلکہ اجزاء اور اعضاء ہیں، تو اس سے قومی قوت، بلکہ انسانی اخوت قائم ہوتی جائے گی۔ ہر قوم کی اصلاح کے لئے ایسی تعلیم کی اشد ضرورت ہے

مثنوی

بنی آدم اعضائے یک دیگرند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنتِ دیگراں بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی

(دوم) مریم علیہا السلام کا باپ عمران فوت ہو چکا تھا۔ ان کی ماں نے ہی انہیں یتیم خانہ

آپ پر چھوڑا جاتا، تو وہ کسی طرح سے بھی صلاحیت نہیں دکھلا سکتے تھے۔ ان کے متعلق مالکوں کو تاکید کی گئی کہ اُن پر احسان کرو، انہیں اپنے آقاؤں کے لئے بال بچّے کی مانند ٹھہرایا گیا۔ وہ گھروں میں دوپہر اور رات کے اوقات کے علاوہ، باقی تمام وقتوں میں بلااِذن آتے جاتے تھے۔ بیویاں اُن سے اپنی زینتیں نہیں چھپاتی تھیں۔ کوئی مالک و مالکہ اپنے لونڈی غلام کو گھر میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ وہ اپنے مالک و مالکہ کے لئے محرم ہوتے تھے۔ اگر کوئی مالکہ و مالک ان سے اِسی طرح کا فائدہ اٹھا سکنے کا مجاز ہوتا، تو اُنہیں پردہ کے اوقات میں اِذن لے کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب آزاد عورت اپنے غلام سے اس طرح فائدہ نہیں اُٹھا سکتی، تو مرد اپنی لونڈی سے ایسا فائدہ کیسے اُٹھا سکتا ہے۔

لونڈی والوں کو حکم ہے کہ اپنی لونڈیوں کا نکاح دوسرے لوگوں سے کرادیں، لیکن اگر وہ اِن کا نکاح نہ کرائیں، تو لونڈی غلاموں اور دیگر ایامٰی کو حکم ہے کہ عفّت اختیار کریں۔ نکاح یا عفّت کے سوا ان کے لئے کوئی اور تیسرا حکم ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے مالکوں کے ساتھ بے نکاح ہی مل جل سکیں ۞

اگر لونڈیاں نکاح کرنا چاہیں، تو یہ کیسا ظلم ہے کہ اُنہیں اپنے فائدے کے لئے یا مہمانوں کو خوش کرنے کے واسطے یا انہیں بازار میں بٹھا کر روپیہ حاصل کرنے کی خاطر زنا پر لگایا جائے اور ان پر زنا کے لئے جبر کیا جائے اور نکاح سے روکا جائے۔ لونڈیوں سے ایسا فائدہ اٹھانا دو ہی طرح سے ہو سکتا ہے۔ یا اُن کا نکاح کرایا جائے، یا انہیں زنا کے لئے رکھا جائے۔ یہ دوسری صورت زنا بالجبر کی ہے ۞

مالک و مالکہ اپنے لونڈی غلاموں کو آزاد کر کے اُن کی رضامندی کے ساتھ اُن سے نکاح کر سکتا ہے۔ ہاں دوسرے لوگوں کے ساتھ لونڈی غلاموں کا نکاح باذنِ مالک کرایا جا سکتا ہے۔ دوسرے مذہب کی عورت اپنا پورا انتظام اور پوری تسلّی کر کے ہی نکاح میں آئے گی۔ اس کو لانے کے لئے بہت سا خرچ اُٹھانا پڑے گا۔ لیکن مومن عورت معمولی مہر پر بھی نکاح میں آ سکتی ہے، سو جس شخص کو اِتنی توفیق نہ ہو، کہ وہ صرف ایک آزاد مومن عورت سے نکاح کر سکے، اُسے اگر زنا کا خوف ہو، تو وہ صرف ایک مومنہ لونڈی ہی سے نکاح کرنے کا مجاز ہے۔ اگر صبر کرے، تو بہت اچھا ہے، اس لئے کہ لونڈی کے نکاح میں بہت سے خدشے ہیں، ممکن ہے کہ لونڈی کا مالک مفلس ہو جائے

بن جائیں اور اُن کی ہمسری کا دعوےٰ نہ کر سکیں۔ وہ ان کی دولت و عصمت کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں اور ان کی محنت اور وقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ خود آ کر انہیں سلام کریں۔ وہ مساکین کو جماعت کا ذلیل ترین حصّہ شمار کرتے ہیں، لیکن اسلام کا حقیقی منشاء یہ ہے کہ تمام انسانوں میں حریت و مساوات پیدا کی جائے اور وہ بعضکم من بعض سمجھے جائیں اور ایک جوڑے کی اولاد قرار پائیں۔ قانون سب کے لئے یکساں ہو۔ نبی بھی بصورتِ عصیان یومِ عظیم کے عذاب سے ویسا ہی خائف ہو، جیسا کہ دوسرے لوگ۔ رائے دینے کا سب کو اختیار ہو۔ نبیوں کے سامنے بھی عام لوگ رائے دینے اور شورے میں شامل ہونے کا یکساں حق رکھتے ہیں۔ عاجزوں کو ان کے حقوق اور امانات قانون کے مطابق دلائی جائیں۔ ہر شخص کے لئے حصولِ علم کے سامان مہیا ہوں۔ لوگ بھائی بھائی بن کر متحد ہو جائیں۔ ہر شخص بسہولت دولت و نعمت حاصل کر سکے۔

سُورت نساء میں اِسی قسم کی باتوں کا ذکر ہے۔ مرد و عورت بلکہ آزاد و غلام ہر ایک کو اپنے اپنے مال اور میراث اور مہر کا مالک قرار دیا گیا ہے۔ اسلام نے غلامی کو آئندہ کے لئے قطعاً بند کر دیا ہے (اِمامنّا بعد و اما فداء $\frac{26}{5}$) فرعون کے ماتحت بنی اسرائیل کی غلامی کو عذاب مہین فرمایا ہے $\frac{25}{15}$ و $\frac{19}{4}$۔ باقی رہے موجودہ لونڈی اور غلام، جن کی لوگ تجارتیں کرتے تھے، سو رسولِ کریم کے پاس اتنا مال نہ تھا کہ اُن کے مالکوں کو راضی کر کے انہیں چھڑایا جاتا۔ ہاں، ان کو گھٹانے کے لئے بہت سے سامان کئے گئے۔ سب سے پہلے غلاموں کی آزادی کو اعلیٰ درجہ کی عملی نیکی فرمایا اور انسانی ترقی کے رستے میں اسے آڑ قرار دیا اور یتیماً ذامقربہ اور مسکیناً ذامتربہ کے لئے خرچ کرنے سے غلاموں کی آزادی کے لئے خرچ کرنے کو مقدم ٹھہرایا $\frac{30}{15}$۔ پھر موجودہ غلامی کو روکنے کے لئے بیت المال سے ہمیشہ کے واسطے ایک حصّہ مقرر کیا گیا ہے (وفی الرقاب $\frac{1}{11}$) سزاؤں اور جرمانوں کی جگہ بھی غلاموں کو آزاد کرایا جاتا ہے۔ ان کی آزادی کے لئے کتابت کا ایک باقاعدہ ضابطہ مقرر کیا گیا ہے۔

ہاں، بعض لونڈی غلام اپنے آرام کی خاطر اپنے مالکوں سے الگ ہونا نہیں چاہتے تھے۔ مالک انہیں اپنے خاندان کا رکن سمجھتے تھے۔ بوڑھے، بچے، مریض، پاگل اور نکمے اور سست لوگ فضول خرچی کرنے والے اور اِدھر اُدھر سے قرض لینے والے جو مالکوں پر ہر طرح سے بار تھے، اگر انہیں اپنے

جاری کئے گئے۔ میاں بیوی کی ناچاقی کی صورت میں اُن دونوں کے کنبوں سے حکم چُنے جاتے تھے تاکہ وہ میاں بیوی کے درمیان صفائی کرادیں۔ منتظمین کی جماعت ہر وقت انتظام کے لئے قائم رہتی تھی۔ حکم انہیں کے مشورہ سے منتخب کئے جاتے تھے۔ اگر بیوی کو سزا دینے کے لئے میاں بیوی سے الگ جگہ میں چلا جاتا، تو یہ بھی انہیں کے فیصلہ سے ہوتا تھا۔ اور اگر بیوی کو واجبی مار کُوٹ ہوتی تھی، تو وہ بھی انہیں کے حکم سے ہی کی جاتی تھی۔ اگر بیوی کو بھی سزا دینے کا حق دیا جاتا، تو اس سے ناچاقی کے بڑھ جانے کا زیادہ خوف تھا۔ صلح کو ہر صورت میں بہتر قرار دیا گیا ہے۔ کچھ حقوق معاف کرا کر بھی صلح ہی کا خیال رکھا جاتا تھا۔ تقسیم میراث کے قواعد بیان کئے گئے۔ ہر طرح کی بے حیائی سے روکا گیا، حلال عورتوں کی فہرست بتلائی گئی، تعددِ ازدواج سے جہاں تک ممکن تھا منع کیا گیا، جو عورتیں اپنے حقوق چھوڑ کر بھی الگ نہیں ہونا چاہتی تھیں اور بہنوں کی طرح گذارہ کرنے پر راضی تھیں، وہی نکاح میں اکٹھی رہ سکتی تھیں۔ یہ بات عورتوں کو ظلم سے بچانے کے لئے اور اُن کی ضرورتوں کا انتظام کرنے کے لئے تھی۔ جنگوں میں مرد اکثر مارے جاتے تھے، اور کمزور عورتوں کے لئے باہر جاکر بَر تلاش کرنا اکثر مشکل ہوتا ہے۔ پس عورتوں کی حفاظت کی خاطر یہ بات عورتوں کی خوشی اور پسند پر چھوڑی گئی ہے، ورنہ مردوں کے لئے ہرگز اجازت نہ تھی کہ وہ اپنی خوشی سے اپنے خواہشِ نفسانی کو پُورا کرنے کے لئے ایک بیوی کے علاوہ دوسری بیوی بھی کرسکیں

(ھفتم) تمام اصلاحیں توحیدِ الٰہی سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ ان دونوں سُورتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے عجز و نیاز کا یکساں بیان ہے۔ اِنسانوں کی اصلاح کے لئے نبیوں کے مبعوث ہونے کا فائدہ دکھلایا گیا ہے

حاصل یہ ہے کہ سُورت نساء کا سُورت آلِ عمران کے ساتھ اِس قدر تعلق ہے، کہ قرآن مجید کی کوئی اور سُورت ایسی نہیں ہوسکتی، جس کو اِس جگہ رکھنا مناسب ہو

سُورت نساء میں بہت سے مسائل قابلِ بحث ہیں۔ ترجمہ میں اُن کی کسی قدر تشریح کی جائے گئی، اس جگہ مختصر طور پر صرف تقسیم میراث کے قواعد پیش کئے جاتے ہیں؛

اور وہ اس لونڈی کو کسی دوسرے شخص کے پاس بیچ دے اور وہ اُسے دوسرے شہر میں لے جائے اور اس کا نکاح اپنے اذن سے کسی دوسرے شخص کے ساتھ کرا دے اور اس طرح اس لونڈی کا نکاح باوجود پہلے خاوند کی موجودگی کے دوسری جگہ کیا جا سکے گا، وغیرہ وغیرہ۔ غیر مذہب کی لونڈی سے نکاح تک بھی نہیں کیا جا سکتا، اس میں مداخلتِ مذہبی کا احتمال ہو سکتا ہے

(پنجم) حفظانِ صحت کے قواعد کے مطابق ہر وقت پاک وصاف رہنا ضروری ہے لیکن ذکرِ الٰہی یا صلوٰۃ کے لئے کوئی چیز روکنے والی نہیں ہونی چاہیئے۔ کسی قسم کے رسم و رواج کو ذکرِ الٰہی کے لئے آڑ بنانا سخت نادانی ہے۔ اگر جسمانی صفائی سے رُکنے کے لئے گناہ ہو گا، یا سزا ملے گی، تو روحانی صفائی یعنی ذکرِ الٰہی سے رُکنے کے لئے کئی گنا زیادہ سزا ملے گی، لیکن یہ سخت غلطی ہے کہ اگر جسمانی صفائی میں غفلت کی جائے، تو کیا ساتھ ہی روحانی صفائی کو بھی پس پُشت ڈال دیا جائے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جب مختلف گھروں کے مرد و زن ذکرِ الٰہی کے لئے اکٹھے ہوں، تو انہیں صاف لباس پہن کر اور نہا دھو کر، یا وضو کر کے، یا مجبوری کی حالت میں پاک خاکستر سے صفائی حاصل کر کے، آنا چاہیئے۔ لیکن سخت متعدّی امراض کی صورت میں جب تک غسلِ صحت نہ کر لیا جائے، یا اپنے بھڑکے ہوئے جذبات کو پانی سے ٹھنڈا نہ کیا جائے، تب تک انسانی جماعت سے الگ رہنے کی کوشش کی جائے۔ ایسی حاضری سے ایک دوسرے کو بلاضرورت دُکھ نہ پہنچائیں، یہ بھی انسانی حقوق میں سے کوئی کم درجہ کا حق نہیں ہے

جب دشمن کے حملہ کا خطرہ ہو، تو چل پھر کر بھی ذکرِ الٰہی کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر کوئی نبی کی طرح تجربہ کار جرنل ہو، تو وہ لوگوں کے کئی ایک طائفے بنا کر ہر ایک طائفہ کو ایک ایک رکعت نماز پڑھا سکتا ہے۔ نماز میں بھی لوگ مسلح اور ہوشیار رہیں، لیکن جب مخالف سامنے موجود ہوں، تو صرف کھلے طور پر ذکرِ الٰہی کرنا ہی نماز کی جگہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اس میں بھی انسانی حفاظت کا ہی لحاظ رکھا گیا ہے ۱/۴

خوف کے وقت میں جماعت کرانا بھی لوگوں کو یادِ الٰہی کی ترغیب دلانے کے لئے ہی ہے، لیکن ظالم لوگ نماز کا بھی لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ وہ ایسے وقت کی تاک میں رہتے تھے کیا یہ باتیں نہیں دکھلاتیں کہ کفّار کے جبرِ مذہبی کا کیا حال تھا

(ششم) اس سورت میں عاجزوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے کئی ایک قاعدے

والے کے الفاظ کو ہرگز نہ بدلیں۔ ہاں اگر خوف ہو کہ یہ وصیت ظلم یا گناہ کے ساتھ کی گئی ہے، تو منتظمین پر لازم ہے کہ وارثوں میں مناسب طور پر صلح کرا دیں، اگر حاکم وصیت میں اس طرح پر تبدیلی کرا دیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وصیّت کی سب سے پہلے اس لئے ضرورت ہے کہ مورث کی حیات میں بعض وارث مورث کے مال سے دوسرے وارثوں کی نسبت زیادہ فائدہ اٹھا لیتے ہیں، یا مورث کے مال کو اُن کے سبب سے زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، لیکن ایسے وارث بھی موجود ہوتے ہیں، جن کی ابھی تک ابتدائی پرورش اور تعلیم بھی نہیں کی گئی ہوتی۔ بعض وارث مریض ہونے کے سبب زیادہ مدد کے قابل ہوتے ہیں۔ یتیم پوتوں اور نواسوں کا معاملہ، چونکہ وہ پدری اور مادری سرپرستی سے خالی ہو جاتے ہیں، اجداد کے لئے زیادہ قابلِ غور ہوتا ہے۔ اس بات کی طرف سے تغافل برتنا اہلِ اسلام کے لئے کیسے زیبا ہو سکتا ہے۔ زندہ بیٹے وارث ہو کر جدّی میراث کا فائدہ اپنی اولاد کو پہنچا سکتے ہیں، لیکن اگر یتیم پوتوں کو جدّی ورثہ سے محروم کر دیا جائے، تو پھر کیا نہیں جدّی ورثہ کے ساتھ کبھی کوئی تعلق باقی رہ سکتا ہے؟

علماء کے نزدیک اگر سب بیٹے باپ کی زندگی ہی میں فوت ہو جائیں، تو تمام پوتے بیٹے بن جاتے ہیں اور اگر بعض بیٹے مر جائیں، تو اُن کی اولاد بیٹا نہیں بن سکتی، بلکہ ہمیشہ بیٹا بننے سے نکل جاتی ہے۔ افسوس، افسوس۔ کب تک سلف اور خلف کے اجماع کی تقلید کی جائے گی، اور قرآن مجید کے مطابق اصلاح کرنے کو کفر قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ پہلوں نے قرآن حکیم کا یہ مطلب نہیں سمجھا۔ والذین عقدت ایمانکم کا تعلق تو لوگ خود ہی پیدا کرتے ہیں، اور خود ہی ایک دوسرے کو میاں بیوی بنا کر اپنا وارث بناتے ہیں۔ بیویوں کے لئے بھی قرآن مجید میں وصیت کرنے کا حکم آیا ہے۔

حاصل یہ ہے، کہ وصیت کرنے کا حکم اصلی وارثوں ہی کے لئے کیا گیا ہے۔ اس وصیت اور قرض اور مہر کے بعد ہی قرآن مجید کے فرمائے ہوئے حصّوں پر عمل کیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ نے اس وصیت کو کبھی منسوخ نہیں کیا۔ سورۂ مائدہ میں بھی، جس میں تکمیلِ دین کا ذکر ہے اس وصیت کا ذکر آتا ہے

(سوم) وارث دو قسم کے ہیں:-

تقسیمِ میراث کے قواعد

(اوّل) مورث کی جائداد سے اُس کے قرض کو سب سے پہلے ادا کرنا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ قرض جائداد سے زیادہ ہو، یا کم۔ اگر کل جائداد قرض میں ہی ختم ہو جائے اور وارثوں کے لئے کچھ نہ بچے، تو وارثوں کو قرآن مجید کے مقرر کردہ حصّوں کے مطابق کچھ نہیں مل سکے گا۔ جب ترکہ ہی موجود نہیں ہوگا، تو وہ بانٹا کیسے جائے گا؟

یہی حال وصیّت کا بھی ہے۔ قرآن مجید کی آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصیّت بھی معیّن نہیں ہے، بلکہ ہر شخص مناسب دیکھ کر الگ الگ وصیّت کر سکتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کے الفاظ من بعد وصية يوصى بها او دين اور من بعد وصية يوصين بها او دين اور من بعد وصية توصون بها او دين اور من بعد وصية يوصى بها او دين سے ظاہر ہے۔

اِن ارشادات میں ہر ایک شخص کی وصیت الگ الگ فرمائی گئی ہے۔ سکھلایا ہے، کہ جو بھی وصیت مرنے والا کر جائے، اور جو بھی وصیت تمہاری عورتیں کر جائیں، اور جو بھی وصیت تم کر جاؤ، اور جو بھی وصیت عہدی وارثوں سے کی جائے، اگر اس وصیت کے بعد کچھ مال بچ رہے تو قرآن مجید کے فرمائے ہوئے قواعد کے مطابق وہ باقی مال تقسیم کیا جائے گا۔ قرآن مجید وصیت یا قرض کے بعد ان قواعد پہ چلنا سکھاتا ہے، پہلے ہی ایسا کرنا نہیں سکھلاتا

قرآنِ حکیم کا منشاء ہے کہ اگر مرنے والے کے ذمہ کچھ قرض ہو تو وہ اپنے قرض کا ذکر بھی اپنی وصیت ہی میں کر جائے اور باقی جائداد میں قابلِ مدد وارثوں کو مناسب دیکھ کر دلا جائے لیکن اگر قرض جائداد کے برابر، یا زیادہ ہو، تو ایسی صورت میں قرض کا بالخصوص الگ بیان کیا گیا ہے اَوْ دَیْنٍ میں اَوْ کا لفظ صاف بتلاتا ہے کہ یا قرض ہی ادا کیا جائے، اگر وصیت ممکن التعمیل نہ ہو۔

(دوم) اللہ جلّ شانہٗ وعمّ احسانہٗ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کچھ بھی مال چھوڑ جائے، تو اُس پر لازم ہے کہ وہ اپنی موت کے حاضر ہونے کے وقت تو بالضرور اپنے اصلی وارثوں یعنی والدین اور اقربون کے لئے بالمعروف وصیّت کر جائے۔ یہ متقیوں پر حق ہے۔ سُننے والے لوگ وصیت کرنے

کر کے کسی غائب کے متعلق بیان فرمائے ہیں. پھر آگے میاں. بیوی کے حصّے مخاطبوں کے متعلق ہی ذکر کیئے ہیں، سو جب خدا تعالےٰ ہی نے بیٹے بیٹیوں اور ماں باپ کے حصّے میاں بیوی سے جُدا کر دیئے ہیں، تو ہم ان کو ملا کر حصہ دینے والے کون ہیں؟

پھر یوصیکم اللہ فی اولادکم والی آیت کے اخیر میں فریضۃ من اللہ فرمایا ہے اور میاں بیوی اور دیگر عہدی وارثوں والی آیت کے اخیر میں وصیۃ من اللہ ارشاد کیا ہے. پس عہدی وارثوں کو وصیت کے طور پر ہی نسبیوں سے پہلے جن کے بعد فریضۃ من اللہ فرمایا ہے، حصّے دلانے لازم ہیں

(۳) خدا تعالےٰ نے دو یا دو سے زیادہ بیٹیوں کے لئے ترکہ کی دو تہائی مقرر فرمائی ہے اگر اُن کے ساتھ مورث کے ماں باپ بھی ہوں، تو ماں باپ دونوں کو ایک تہائی دلایا ہے. اس طرح سے کُل ترکہ پُورا پُورا ختم ہو جاتا ہے. اب اگر ان کے ساتھ میاں یا. بیوی بھی ہو، تو اُن کو کہاں سے مل سکے گا؟ پس صحیح یہی ہے کہ پہلے میاں یا. بیوی کو دلا کر باقی مال کو بیٹی بیٹیوں اور ماں باپ میں تقسیم کرنے کے لئے کل مال سمجھا جائے

(۴) اگر ماں باپ کے ساتھ میاں. بیوی کو ایک ہی تناسب میں شامل کیا جائے، اور اکٹھا حصّہ دلایا جائے، تو اس سے سخت غلطی پیدا ہوگی

دیکھئے، ایک عورت کے وارث ماں باپ اور خاوند ہیں. اب اگر اُن کو اکٹھا حصّہ دلایا جائے، تو خاوند کو بحکمِ الٰہی نصف ملے گا اور ماں کو ایک تہائی دی جائے گی، باقی چھٹا حصّہ باپ کے لئے رہ جائے گا اور یوں باپ کو ماں سے آدھا ملیگا

اِس مشکل کے حل کے لئے ہمارے علماء بھی پہلے خاوند کو نصف دے لیتے ہیں، پھر باقی نصف کو کُل مال سمجھ کر اُس کی تہائی ماں کو دلاتے ہیں اور باقی باپ کو. پس یوں ہمارے علماء بھی خاوند کو دلا کر باقی مال ہی کو نسبیوں کے لئے کل مال قرار دیتے ہیں

اِسی طرح اگر ماں باپ کے ساتھ مورث کی بیوی وارث ہو، تو اِس صورت میں بھی ہمارے علماء پہلے. بیوی کو اُس کا چوتھا حصّہ دلا کر، پھر باقی تین چوتھائی کو کُل مال قرار دے کر اُس کا ثلث ماں کو دیتے ہیں. جب نسبی وارثوں، یعنی ماں اور باپ کو، میاں بیوی کے بعد ہی حصہ دیا جاتا ہے، تو باقی نسبیوں سے میاں. بیوی کو پہلے کیوں نہیں دلایا جاتا؟

ایک نسبی، جن کا تعلق پیدائشی اور قدرتی ہے

دوسرے سببی، جن کا علاقہ صرف عہد و پیمان ہی سے پختہ کیا جاتا ہے

قدرتی وارثوں کے سلسلہ میں نیچے اوپر اور اطراف میں درجہ بدرجہ نئے نئے وارث نکلتے چلے آتے ہیں، لیکن عہدی وارثوں سے ورثہ کا تعلق صرف انہیں کی ذات تک ہی محدود رہتا ہے۔ محض اُن کے ذریعہ سے آگے نئے وارث نہیں نکلتے۔ کسی خاوند کے ماں باپ یا بہن بھائی یا پچھلگ بیٹے پوتے، محض اِس سبب سے کہ وہ شخص اُس کا خاوند ہے، اُس عورت کے وارث نہیں بن سکتے

قدرتی وارثوں کے تناسب میں میاں بیوی کو ساتھ ملا کر حصّہ دلانے سے موجودہ طریقہ میراث میں بہت سی غلطیاں واقع ہو گئی ہیں۔ یہ امر قرآن پاک کے سراسر خلاف ہے، اور اصولِ میراث کو تباہ کرنے والا ہے، بوجوہِ ذیل:۔

(۱) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو کچھ والدین اور اقرب چھوڑ مریں، ہم نے اُس کل مال کے وارث مقرر فرما دیئے ہیں (یہ وارث نسبی ہیں جیسا کہ والدین اور اقربون کے الفاظ سے ظاہر ہے) اور جن کے ساتھ تمہارا عقد (یعنی جوڑ) تمہارے پختہ عہد و پیمان کے سبب سے ہے، سو اُن کو اُن کا حصّہ (پہلے) دے دو۔ بلاشبہ ہر شے اللہ کے پیشِ نظر ہے

اِس آیت میں اللہ تعالےٰ نے کل مال اُسے فرمایا ہے، جو مال باپ اور اقربون نے چھوڑا ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ جو مال والدین اور اقربون نے چھوڑا ہو گا، وہ اولاد اور اقربون یعنی نسبیوں کے لئے ہی ہو گا۔ اس آیت کے مطابق کل مال سے مُراد وہ کُل مال ہے، جو نسبیوں نے نسبیوں کے لئے چھوڑا ہے، اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ یا تو میاں یا بیوی موجود ہی نہ ہوں اور یا میاں یا بیوی کو پہلے ہی حصّہ دے دیا جائے۔ باقی جو مال رہے گا، کُل مال ہو گا، جو نسبیوں نے نسبیوں کے لئے چھوڑا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سببی وارثوں کو پہلے الگ حصّہ دینا چاہیئے، پھر باقی مال کو نسبیوں کے لئے کُل ترکہ سمجھنا چاہیئے

(۲) اللہ تعالےٰ نے آیۂ مبارکہ یوصیکم اللہ فی اولادکم میں مخاطبین کے متعلق حصّے بیان کرنے شروع کئے ہیں، لیکن بیچ میں بیٹی، بیٹیوں اور ماں باپ کے حصّے علٰحدہ

کم ہیں، بالضرور دو تہائی سے زیادہ نہیں ہوگا

سو جب دو بیٹیوں کو دو تہائی سے نہ کم ہی ملتا ہے اور نہ زیادہ، تو اس سے لازم آتا ہے کہ دو بیٹیوں کو دو تہائی ہی ملے۔ اگر یہ حصے "دو بیٹیوں" اور "دو سے زیادہ بہنوں" کے متعلق بیان کئے جاتے، تو ایسا قیاس نہیں پیدا ہو سکتا تھا

اسی قیاس کی صحت کو دکھلانے کے لئے ہی خدا تعالےٰ نے بیٹیوں اور بہنوں کے حصّہ کے متعلق ایسے انوکھے طرزِ بیان کو اختیار کیا ہے، تاکہ قرآن والے جہاں تک ممکن ہو صحیح عقل سے کام لیں اور خلافِ عقل توہمات کو قرآن میں شامل کرنے سے باز رہیں اور ایسے احتمالات کو جو خلافِ فطرت ہیں، قرآن حکیم کی تفسیر میں ہرگز نہ ملائیں

اب اگر یہ قیاس صحیح ہے، تو اس سے دو اصول قائم ہوتے ہیں :-

پہلا اصول یہ ہے، کہ اگر کسی مسئلہ میں ادنےٰ وارث ایک حصّہ پاتا ہے، تو اسی مسئلہ میں اگر اس ادنےٰ وارث کی جگہ اعلیٰ وارث رکھا جائے، تو وہ اعلیٰ وارث اس ادنےٰ وارث سے ہرگز ہرگز کم حصّہ نہیں پائیگا

دُوسرا اصول یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں اعلےٰ وارث ایک حصّہ پاتا ہے، تو اگر اسی مسئلہ میں اس اعلیٰ وارث کی جگہ ادنےٰ وارث رکھا جائے، تو وہ ہرگز ہرگز اس اعلیٰ وارث سے زیادہ حصّہ نہیں پائے گا

اِن معیاروں سے مرّوجہ تقسیم میراث بہت کچھ تہ و بالا ہو جاتی ہے

ان معیاروں سے میاں بیوی کو نسبیوں کے ساتھ شامل کر کے حصّہ دلانے کی غلطی بھی سُورج کی طرح کھُل جاتی ہے۔ دیکھئے، اگر نسبی وارث اور میاں یا بیوی اکٹھے ہی وارث کئے جائیں، تو میاں یا بیوی اور ماں باپ کے ساتھ اگر ایک یا زیادہ بیٹیاں ہوں، تو وہ ہمیشہ زیادہ پائیں گی۔ اور اگر ایک یا زیادہ بیٹے ہوں، تو وہ ہمیشہ کم پائیں گے۔ ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں (دیکھو معجزۂ قرآن)

(۷) ہمارے علماء نسبیوں کے ساتھ میاں بیوی پر ردّ بھی نہیں کرتے۔ جب میاں بیوی کا حصّہ بڑھایا نہیں جاتا، تو گھٹاتے کیوں ہیں؟ زیادہ میں کم شامل ہو سکتا ہے، لیکن کم میں زیادہ نہیں داخل ہو سکتا۔ پس بالضرور میاں بیوی کو نسبیوں سے پہلے اور الگ حصّہ

(۵) اس حکم کو نگاہ رکھنے سے ہی حصوں میں "عول" پیدا ہو جاتا ہے، جو صراحتہً باطل ہے۔

کوئی شخص مجبوری یا غلطی سے اتنے قرضہ کے نیچے دب سکتا ہے، جو اس کی جائداد سے زیادہ ہو۔ اس وقت تمام قرضخواہوں کو مجبوراً نقصان اٹھانا پڑتا ہے لیکن میراث میں جو عول واقع کیا جاتا ہے، وہ کس مجبوری یا غلطی سے ہوتا ہے؟ کیا اللہ تعالٰی کو صحیح حصے بیان کرنے نہیں آتے تھے، یا کیا خاوند کو بعض دفعہ تہائی سے بھی کم دلا کر ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھم ولد صحیح رہ سکتا ہے؟ خاوند کو بیوی کی اولاد کے نہ ہونے کی صورت میں بیوی کے ترکہ سے نصف دلانے کا حکم ہے، پھر اور کونسی شرط باقی رہ جاتی ہے جس کے سبب سے خاوند کو تہائی سے بھی کم دلایا جائے

(۶) قرآن مجید میں دو سے زیادہ بیٹیوں کا حصہ دو تہائی مذکور ہے لیکن دو بیٹیوں کا حصہ نہیں بتلایا گیا، پھر دو بہنوں کا حصہ دو تہائی فرمایا ہے لیکن دو سے زیادہ بہنوں کے حصہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔

یہ نامعلوم حصے صرف ایک قیاس پر چھوڑے گئے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے، تو قرآن حکیم اس قیاس کی صحت پر مہر لگاتا ہے۔ وہ قیاس صرف یہی ہو سکتا ہے کہ جب دو بہنوں کے لئے دو تہائی حصہ ثابت ہے، تو اس سے لازم آتا ہے کہ دو سے زیادہ بہنوں کو دو تہائی سے کم ملے

اور چونکہ دو سے زیادہ بیٹیوں کو (جو اتنی ہی بہنوں سے بالضرور اعلٰی ہیں) دو تہائی ہی ملتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ دو سے زیادہ بہنوں کو دو تہائی سے زیادہ بھی نہ ملے

پس جبکہ دو سے زیادہ بہنوں کا حصہ دو تہائی سے نہ کم ہے، نہ زیادہ، تو بالضرور اُن کا حصہ دو تہائی ہی ہوگا

اسی طرح دو بیٹیوں کے حصہ کے متعلق بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ جب دو بہنوں کے لئے دو تہائی ہے، تو دو بیٹیوں کے لئے، جو اُن سے اعلٰے ہیں، دو تہائی سے کم نہیں مل سکتا

اور جبکہ دو سے زیادہ بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہی ہے، تو دو بیٹیوں کا حصہ، جو اُن سے

(پنجم) باقی رہے نسبی وارث، وہ بحکم قرآن والدان اور اقربون ہیں۔ والدین اقربون میں داخل ہیں۔ اُن کے متعلق تاکید کرنے کے لئے انہیں الگ بیان کیا گیا ہے

تمام بنی نوع انسان ایک دوسرے کے نسبی وارث تو بن سکتے ہیں، لیکن ان سب کو وارث بنانا محال ہے۔ پھر اس طرح پر حق برادرانہ نکالنے سے کسی آدمی کو ایک پائی تک بھی نہیں مل سکے گی اور اقرب رشتہ دار جن کو سب سے پہلے مدد دینا ضروری ہے، محروم رہ جائیں گے۔ اس لئے ضرور ہے کہ ورثہ بحکم قرآن اقربون ہی کو دلایا جائے

تمام بنی آدمؑ کا باہمی تعلق وسائط کے ذریعہ سے ہی پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ ہم آدم وحوا علیہما السلام کی اولاد ہیں اور آپس میں سب بھائی بھائی ہیں۔ اگر واسطوں کا لحاظ نہ رکھا جائے، تو ہم آپس میں اُولوالقربٰے نہیں بن سکتے۔ پس سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ کوئی محجوب رشتہ دار تقسیم میراث کے قواعد کے مطابق حق دار نہیں بنایا جاسکتا۔ غیر محجوب اپنے حاجب سے فائدہ تو اٹھا سکتا ہے، لیکن نسبی وارثوں میں محجوب وحاجب دونوں اکٹھے ورثہ نہیں پاسکتے

علماء کے نزدیک اگر زید کے وارث ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک پڑوتی اور ایک سکڑدوتا ہوں، تو کیا یہ مختلف درجہ کی اولاد زید کے غیر محجوب رشتہ دار ہو کر اکٹھے ہی ورثہ نہیں پائیں گے؟

پھر دیکھئے، آپ کے نزدیک اگر زید کے دو بیٹے ہیں۔ اُن میں سے ایک بیٹا زید کی زندگی ہی میں مرگیا اور اپنے پیچھے ایک بیٹا چھوڑ گیا، جس کا نام بکر ہے۔ زید کا دوسرا بیٹا زندہ ہے اور اُس کا بھی ایک بیٹا خالد نام ہے۔ اب اگر زید کا پوتا خالد مرجائے تو اُس کا ورثہ زید کو نہیں پہنچے گا، بلکہ زید کے زندہ بیٹے کو ملے گا، کیونکہ اس جگہ حاجب موجود ہے۔ لیکن اگر بکر مرجائے، تو بکر کا ورثہ زید کو ضرور پہنچے گا، اس لئے کہ یہاں کوئی حاجب نہیں ہے

پس زندہ بیٹا یتیم پوتے کے لئے کبھی حاجب نہیں بن سکتا

پھر دیکھو، مثالِ ذیل میں زید کی وارث صرف دو پڑنواسیاں زبیدہ وفہمیدہ ہیں:-

ملنا لازم ہے

حاصل یہ ہے کہ خاوند کو بیوی کے ترکہ سے اگر بیوی کی اولاد نہ ہو، تو نصف ملنا چاہیئے اور اگر بیوی کی اولاد ہو، تو رُبع ملنا چاہیئے، اور بیوی کو خاوند کے ترکہ سے اگر خاوند کی اولاد نہ ہو، تو رُبع ملنا چاہیئے، اور اگر اولاد ہو، تو ثمن ملنا لازم ہے۔ عہدیوں کو دلا کر باقی مال کو نسبیوں کے لئے کل مال سمجھنا چاہیئے

(چہارم) کلالہ کے معنے ایسے شخص کے ہیں، جس کے ماں باپ اور اولاد نہ ہو۔ ممکن ہے کہ اس شخص کے ماں باپ اور اولاد پہلے درجہ کے نہ ہوں، یا وہ تمام اجداد وجدّات اور نیچے تک تمام اجزائے اولاد سے خالی ہو، لیکن سورت نساء کی آخری آیت میں جس کا دعوےٰ ہے کہ میں تمہیں غلطیوں سے بچانے کے لئے آئی ہوں، دو دفعہ فرمایا ہے کہ لیس لہ ولد اور لیس لھا ولد، یعنی اُس مرد کے لئے کوئی بھی اولاد نہ ہو اور اُس عورت کے لئے کوئی بھی اولاد نہ ہو، لیکن ایک جگہ بھی اس بات کا اشارہ نہیں کیا کہ لیس لہ والد یا لیس لھا والد یعنی اُس مرد یا عورت کے لئے اوپر تک کوئی والد و والدہ نہ ہو۔ صرف ولد نہ ہونے کی قید لگانے سے اور باوجود ضرورت کے والد کا ذکر نہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کلالہ کے معنے ایسے مرد یا عورت کے ہیں، جس کے اوّل درجہ کے ماں باپ تو ضرور نہ ہوں لیکن اولاد نیچے تک مطلقاً نہ پائی جائے۔ اگر کسی شخص کے دادا دادی اور نانا نانی اور اوپر کے اجداد وجدّات موجود ہوں، تو صرف اس سے ہی وہ کلالہ نہیں بن سکتا

جس شخص کے اوّل درجہ کے ماں باپ اور اولاد نیچے تک مطلقاً نہ ہوں، تو ایسے شخص کے لئے اپنی ضرورتوں کے مطابق کسی کو متبنّٰی بنانا جائز ہے۔ اگر اس قسم کا عہدی وارث ایک شخص ہو، تو اُس کے لئے سُدس یعنی چھٹا حصّہ ہے، اور اگر زیادہ ہوں، تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے، بشرطیکہ اُن کے ساتھ بہن بھائی (یا وہ وارث جو درجہ بدرجہ بہن بھائیوں کے بعد، بہن بھائی کی جگہ قرار پاتے ہیں) موجود ہوں، ان عہدیوں کو بھی پہلے حصّہ دلا کر باقی مال کو نسبیوں کے لئے کل مال سمجھا جائے گا۔ اگر کسی نے ایسے عہدی وارث بے سوچے سمجھے ہی بنائے ہوں، تو ایسے عہدی وارثوں کو اوّل درجہ کے ماں باپ اور مطلقاً اولاد کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں مل سکیگا

کیسے محروم ہوسکتے ہیں؟

برعکس اس کے مورث کی اولاد کے ساتھ مورث کے ماں باپ کی اولاد اکٹھی وارث نہیں ہوسکتی، اس لئے ضرور ہے کہ فروع کے الگ الگ خالص سلسلوں کا امتیاز کرایا جائے

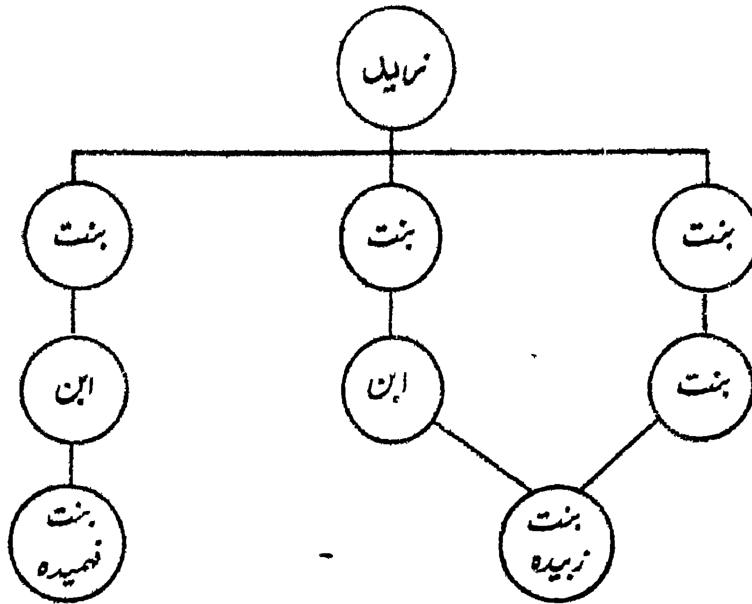
سو، واضح ہو کہ سب سے مقدّم وہ فروع ہیں، جو مورث کی ذات سے ہی مورث کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ یہ مورث کی خود اپنی اولاد ہیں۔ مورث خواہ مرد ہو، یا عورت وہ صرف ایک ہی شخص ہوتا ہے، اس لئے اس کی اولاد بھی ایک ہی طرح کی ہونی لازم ہے، مگر مورث کے اصول مثلاً ماں باپ کی اولاد ہر دو کی اولاد بھی ہوتی ہے اور اکیلے باپ یا اکیلی ماں کی بھی اولاد پائی جاتی ہے، اس لئے اصول کے تمام فروع ایک ہی خالص سلسلہ میں نہیں پروئے جا سکتے، لیکن اولاد میں اولاد کی اولاد مل کر سب ایک خالص سلسلہ بنتے ہیں، اور اکٹھے ہی وارث ہوتے ہیں

مورث کے ماں باپ کی اولاد چار قسم کی ہوتی ہے:-

(۱) مورث کے ماں باپ دونوں کی وہ اولاد جو بخطِ مستقیم موجود ہو۔ یہ مورث کی خود اپنی اولاد ہے۔ چونکہ ورثہ مورث سے ہی اُوپر تلے پہنچتا ہے، اس لئے مورث کے ماں باپ کی یہ اولاد مورث کے ماں باپ کے ساتھ ہی وارث ہوتی ہے۔ فروع کی یہ خالص نوع فروع کی تمام دیگر انواع سے مقدّم ہے۔ ان کے ساتھ فروع کی کوئی نوع ورثہ نہیں پاسکتی

(۲) مورث کے ماں باپ ہر دو کی وہ اولاد، جو مورث کے اطراف میں واقع ہے۔ یہ مورث کے حقیقی بہن بھائی ہیں۔ بہن بھائی بحکمِ قرآن اولاد کی طرح ہی حصّہ پاتے ہیں اور اولاد کی طرح سے ہی ماں کو سُدس کا حق دار بناتے ہیں، لیکن یہ ماں باپ سے محجوب ہونے کے سبب خود وارث نہیں ہوتے۔ چونکہ یہ دوسرے درجہ پر اولاد کی طرح حصّہ پاتے ہیں، لہٰذا اُن کی اولاد بھی اُنہیں میں شامل ہوکر دوسرا خالص سلسلہ بناتی ہے اور سب اکٹھے اولاد کی طرح ہی وارث ہوتے ہیں

(۳) مورث کے بڑے باپ کی اولاد، جو مورث کے پدری بہن بھائی اور اُن کی اولاد ہیں، یہ بھی جب وارث ہوتے ہیں، تو اولاد کی طرح اکٹھے ہی وارث ہوتے ہیں۔ یہ بڑے باپ



اس جگہ زبیدہ نواسے اور نواسی کے واسطہ سے جو آپس میں میاں بیوی بھی تھے، زید کی پڑنواسی ہے اور فہمیدہ صرف ایک نواسے کے ذریعہ سے پڑنواسی ہے۔ پس زبیدہ کو ورثہ بھی دو واسطوں سے ہی ملے گا اور فہمیدہ کو صرف ایک واسطہ سے حصّہ پہنچیگا

یہی حال اصول کا بھی ہے۔ ان کو بھی وسائط کے لحاظ سے ہی ورثہ پہنچتا ہے۔ باپ کے ساتھ نانی، بلکہ پڑنانی بھی، جبکہ وہ غیر مجحوب ہوں، حصّہ پاتی ہیں، لیکن ماں کے ہوتے ہوئے وہ مجحوب ہونے کے سبب وارث نہیں بن سکتیں، ان میں بھی دُہرے واسطہ والے دُہرا حصّہ پائیں گے اور اکہرے واسطہ والے اکہرا حصّہ حاصل کریں گے

(ششم) نسبی وارث قدرتی ہیں۔ ان میں خالص سلسلے درجہ بدرجہ پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ وارث ہمیشہ اُوپر کی طرف اصول اور نیچے کی طرف فروع ہی ہوں گے۔ اصول کے اُوپر اصول ہی نکلتے آتے ہیں اور فروع کے نیچے فروع ہی بنتے ہیں۔ پس خالص سلسلہ وہی ہے، جس میں مثل وارث نکلتے آئیں

سب سے مقدّم وہ فروع یا معلول ہیں، جو خود مورث کی اولاد ہیں۔ اُن کے ساتھ مورث کی علتیں یعنی اصول بلا شبہ وارث ہو سکتے ہیں۔ اور جب مورث کے اجداد و جدّات مقدّم اولاد کے ساتھ ورثہ پاسکتے ہیں، تو وہ ماں باپ کی اولاد یعنی بہن بھائیوں کے ساتھ

یہ معلولوں کی نویں خالص نوع ہے

(و) مورث کے بڑے نانا کی اولاد یعنی پدری ماموں، ماسیاں اور ان کی اولاد کا خالص سلسلہ۔ یہ معلولوں کی دسویں خالص نوع ہے

(ز) مورث کی بڑی نانی کی اولاد یعنی مادری ماموں، ماسیاں اور اُن کی اولاد کا خالص سلسلہ یہ معلولوں کی گیارہویں خالص نوع ہے

یہی حال اُوپر کے اصول کی اولاد کے تمام سلسلوں کا بھی سمجھنا چاہیئے۔ خود دادا دادی نانا نانی بارہویں درجہ پر اولاد کی جگہ سمجھے جاتے ہیں جب کہ اُن کے نیچے کوئی نسبی وارث نہیں ہوتا۔ نہ اُن کی اپنی اولاد ہی ہوتی ہے اور نہ ماں باپ کی اولاد ہی ملتی ہے اور نہ خود مورث کی اولاد ہی پائی جاتی ہے، اُس وقت سب سے پیچھے وارث ہونے والے یہی دادا، دادی، نانا نانی ہوتے ہیں

اس طرح ماں باپ کے فروع کی (۳ × ۱ + ۱ =) ۴ نوعیں بنتی ہیں اور دادا، دادی، نانا، نانی کے فروع کی (۳ × ۲ + ۱ =) ۷ نوعیں نکلتی ہیں۔ آگے اُن کے والدینوں کے فروع کی (۳ × ۴ + ۱ =) ۱۳ نوعیں ہوتی ہیں، اور آگے اُن کے والدینوں کے فروع کی (۳ × ۸ + ۱ =) ۲۵ نوعیں ہیں اور آگے اُن کے والدینوں کی فروع کی (۳ × ۱۶ + ۱ =) ۴۹ نوعیں ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس، لیکن ایسے سلسلوں میں بہت دُور تک جانے کی ضرورت نہیں پڑسکتی۔ دادا دادی اور نانا نانی کی اولاد تک ہی سب فیصلہ ہوسکتا ہے

قرآنِ حکیم نے اولاد کا ورثہ بیان کرنے کے بعد بہن بھائیوں کا ورثہ بھی اولاد کی طرح ہی بیان فرمایا ہے، بلکہ جس طرح مورث کی اولاد کے ساتھ ماں کو چھٹا حصّہ ملتا ہے، اُسی طرح بہن بھائیوں کے ساتھ بھی ماں کو چھٹا حصّہ ہی دلایا ہے، اگرچہ باقی ماندہ ترکہ بھی رَدّ کے طور پر ماں ہی کو ملے گا اور اُس کی موجودگی میں بہن بھائیوں تک نہ پہنچے گا۔

پس قرآن نے بہن بھائیوں کو دوسرے درجہ کے فروع بنایا ہے۔ پھر سورۂ یوسف میں عینی بھائیوں کو اعلےٰ و مقدّم قرار دیا ہے۔ پھر قرآنِ کریم نے مورث کی اولاد اور مورث کے ماں باپ کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں باپ کو بیٹا بیٹی کی طرح حصّہ دلایا ہے۔ اِن اشارات سے ہر ایک حساب دان کو معلوم ہوسکتا ہے کہ وارثوں کی مذکورہ بالا تقسیم بالکل

کے فروع کا تیسرا خالص سلسلہ ہے

(۴) مورث کی بڑی ماں کی اولاد۔ یہ مادری بہن بھائی اور اُن کی اولاد ہیں۔ یہ فروع کی چوتھی خالص نوع بناتے ہیں

اِن مذکورہ بالا چاروں انواع میں سے اگر کسی دو نوع کے معلول مخلوط کر دیئے جائیں، تو ان سے کوئی واحد خالص سلسلہ نہیں بنے گا

پھر یہ بھی واضح ہے کہ جب حقیقی بہن بھائی جو پدریوں اور مادریوں سے مقدّم و اعلیٰ ہیں ماں سے یا باپ سے محجوب ہو جاتے ہیں، تو ادنےٰ درجہ کے بہن بھائی یعنے علاتی اور اخیافی اگرچہ ماں سے یا باپ سے محجوب نہ ہوں، پھر بھی وہ ماں یا باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوسکتے اِس لئے کہ جو اعلیٰ کے لئے حاجب ہوگا، وہ ادنےٰ کے لئے مانع تو ضرور ہوگا

جس طرح اولاد کے ساتھ کسی قسم کے بہن بھائیوں کو بحکم قرآن کسی قسم کا حصّہ نہیں مل سکتا، اُسی طرح بحکمِ قرآن ہر قسم کے بہن بھائیوں کو باپ اور ماں کے ساتھ بھی ورثہ نہیں مل سکتا

ماں باپ کے فروع کے بعد ماں باپ کے والدین یعنی دادا دادی، نانا نانی کی باری آتی ہے۔ ان سے سات خالص انواع کے فروع پیدا ہوتے ہیں:۔

(ا) مورث کے دادا دادی اور نانا نانی کی مشترکہ اولاد یعنی مورث کے ماں باپ۔ یہ صرف پانچویں درجہ پر ہی معلول ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ جبکہ اُن سے نیچے کوئی اور نسبی وارث موجود نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم اُس وقت اُن کو اولاد والا حصّہ دلاتا ہے یعنی ماں کو ایک تہائی، اور باپ کو دو تہائی پہنچاتا ہے

(ب) مورث کے دادا دادی، ہر دو کی اولاد یعنی حقیقی چچے، پھوپھیاں اور اُن کی اولاد نیچے تک، یہ چھٹے درجہ کے خالص فروع ہیں

(ج) مورث کے بڑے دادا کی اولاد یعنی پدری چچے، پھوپھیاں اور اُن کی اولاد نیچے تک یہ فروع کی ساتویں خالص نوع ہے

(د) مورث کی بڑی دادی کی اولاد یعنی مادری چچے، پھوپھیاں اور اُن کی اولاد۔ یہ معلولوں کی آٹھویں خالص نوع ہے

(ہ) مورث کے نانا نانی کی اولاد یعنی حقیقی ماموں، ماسیاں اور اُن کی اولاد کا خالص سلسلہ

ہے، تو مادریوں کو جو اُن سے ادنےٰ ہیں، بالضرور روک دینے کا موجب ہو گا۔ اگر یہ صحیح ہے، تو ضرور ہے کہ ماں بھی اسی طریق سے پدری بھائیوں کے لئے مانع بن جائے۔ حاصل یہ ہے کہ جو اعلیٰ کے لئے حاجب ہو گا، تو وہ ادنےٰ کے لئے، اگرچہ وہ غیر محجوب ہو، مانع تو ضرور ہو گا۔ یہی حال دادا دادی، نانا نانی کے ساتھ چچے، پھوپھی، ماموں، ماسی کی محرومیت کا بھی ہے۔ وقس علیٰ ہذا

دوسری وجہ - مورث کی وفات کے بعد جب تک اُس کے باپ اور ماں زندہ ہیں، تو وہ موجودہ بھائیوں کے علاوہ اور بھی عینی اور پدری و مادری بہن بھائی جن سکتے ہیں۔ یہ سب مورث کے ویسے ہی بھائی ہوں گے، جیساکہ موجودہ بھائی ہیں، لیکن اُن کا اِس وقت نہ کوئی پتہ ہے اور نہ کوئی نشان ہے۔ ہاں حمل کا ضرور پتہ ہوتا ہے اور اس کے لئے انتظار بھی کم ہی کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ بہن بھائیوں کو ماں باپ کے ساتھ ہرگز وارث نہیں کیا جاتا

تیسری وجہ - اصلی اور اعلیٰ وجہ یہی ہے۔ اصول ایک خالص سلسلہ ہے۔ ان میں اصول کے اُوپر اصول ہی نکلتے آتے ہیں اور اولاد کا سلسلہ بھی خالص ہے۔ ان میں نیچے تک سب اولاد ہی ہوتے ہیں۔ یہ دونوں سلسلے اُوپر نیچے وارث ہو سکتے ہیں، لیکن اگر ماں باپ کے ساتھ، جو اصول ہیں، بہن بھائیوں کو (جو ماں باپ کے فروع ہیں) اکٹھے وارث کیا جائے، تو یہ سلسلہ ایک غیر خالص اور مرکب سلسلہ بن جائے گا۔ ایسے سلسلوں کو ترتیب وار ہی حصّہ پہنچتا ہے۔ مرکب سلسلہ کو ایک سلسلہ قرار دے کر وارث کرنا قطعاً غلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بحکمِ قرآن باپ کے ساتھ کسی قسم کے بہن بھائیوں کو ورثہ نہیں مل سکتا۔ پس ماں کے ساتھ بھی بہن بھائیوں کو ہرگز وارث نہ بنانا چاہیئے

سُورت نساء کی آخری آیت صاف طور پر ظاہر کرتی ہے کہ نر و مادہ اولاد کے ساتھ اور نہ ماں باپ کے ہمراہ ہی کسی قسم کے بہن بھائیوں کو کچھ مِل سکتا ہے

الحاصل قرآن حکیم کے مطابق عام اصول کے طور پر صرف تین مانع ہی ہیں:-

پہلا مانع حجاب ہے۔ مدلیٰ بہ کے ساتھ مدلیٰ کبھی ورثہ نہیں پا سکتا۔ واسطہ اقرب ہوتا ہے اور اگر واسطہ اُٹھ جائے تو پھر وہ بالواسطہ (جس کا تعلق اس واسطہ کے ذریعہ سے ہے)

صحیح ہے

سُورت نساء کی آخری آیت کے مطابق اولاد کے ہوتے ہوئے بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا۔ اِسی طرح بہن بھائیوں کے ساتھ چچے، پھوپھی، ماموں اور ماسی کو بھی کچھ نہیں مِل سکے گا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے اسکو ایک مانع قرار دیا ہے اور سکھلایا ہے کہ مقدم فروع کے ساتھ مؤخر فروع میں سے کبھی کوئی وارث نہ ہو

(ہفتم) سُورت نساء کی آخری آیت کے حکم سے ماں باپ کے ساتھ بہن بھائیوں کو (جو اطراف میں ماں باپ کی اولاد ہیں) کچھ نہیں ملے گا۔ اِسی طرح ضروری ہے کہ دادا دادی، نانا نانی میں سے کسی کے ساتھ بھی چچے، پھوپھی، ماموں، ماسی اور اُن کی اولاد کو کچھ نہ دیا جائے۔ یہی حال اُوپر کے اصولوں کے ساتھ ان کی اُس اولاد کا سمجھنا چاہیئے، جو اطراف میں ہوتی ہے

پھر جس طرح ماں باپ کے ساتھ مورث کی اولاد حصّہ پاتی ہے، اُسی طرح دادا دادی، نانا نانی کے ساتھ بہن بھائیوں کو ضرور ورثہ ملے گا۔ یہی حال اُوپر کو بھی سمجھنا چاہیئے

جب بہن بھائی اولاد کی جگہ ہوکر اور دادا دادی، نانا نانی اصول بن کر وارث ہوتے ہیں تو ضرور ہے کہ بہن بھائیوں کو اولاد کی جگہ رکھ کر اور اصول کو اُوپر ہی سمجھ کر اصول و فروع کی طرح ہی اُوپر نیچے ورثہ پہنچایا جائے

مذکورہ بالا بیان میں ایک اور مانع کا بھی ذکر آتا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ مورث کے بہن بھائیوں کو ورثہ نہیں ملا کرتا۔ اِس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ باپ اور ماں الگ الگ عینی بہن بھائیوں کے لئے حاجب ہوتے ہیں۔ پس عینیوں کو تو ماں یا باپ کے ساتھ مجوب ہونے کے سبب ورثہ نہیں مِل سکتا۔ اسی طرح پدری بہن بھائیوں کے لئے باپ حاجب ہوتا ہے۔ پس وہ باپ کے ساتھ ورثہ نہیں پاسکتے، اور مادری بہن بھائی خود ماں سے مجوب ہوتے ہیں، اس لئے وہ ماں کے ساتھ وارث نہیں بن سکتے۔ ہاں پدری بھائیوں کے لئے ماں حاجب نہیں بن سکتی اور مادریوں کے لئے باپ حاجب نہیں ہوسکتا۔ اُن کے محروم کرنے کے لئے ذیل کی تین وجوہات کافی سے بھی بڑھکر ہیں:۔

پہلی وجہ۔ جب باپ عینیوں کے لئے، جو اعلیٰ ہیں، ورثہ سے روکنے کا پورا سبب

دونوں کی عدم موجودگی میں وہ حصّہ اصول میں ہی ختم ہو جائے گا، اور بیٹیوں کے موجود ہوتے ہوئے اُن کی طرف نہیں پہنچ سکے گا، اور اگر اصول سے باقی ماندہ حصّہ اصول میں اصول کی طرح ہی بانٹنا صحیح ہو، تو بیٹے کے موجود ہوتے ہوئے، پہلے بیٹے کو پہنچانا بھی صحیح نہیں رہے گا۔ پھر اس طرح غیر محجوب بہن بھائی کو دادا دادی، نانا نانی کے ساتھ محروم رکھنا لازم آئے گا

قرآن مجید ماں باپ سے بچا ہوا بیٹوں ہی کو دلاتا ہے اور اس بچے ہوئے مال کا وارث اولاد کے بغیر، لیکن بہن بھائیوں کے ساتھ باپ ہی کو ٹھہراتا ہے۔ اس صورت میں ماں کو سُدس ملے گا اور باپ کو پانچ سُدس دیئے جائیں گے۔ پس قرآن بچا ہوا مال صرف باپ کو ہی دلاتا ہے اور ماں کو اس بچے ہوئے مال میں باپ کے ساتھ شریک نہیں کرتا۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ماں اور باپ بچے ہوئے مال میں اکٹھے وارث نہیں ہوتے۔ پس وہ بچا ہوا مال قسمت پذیر نہیں ہو سکتا۔ ضرور ہے کہ وہ سارے کا سارا ہی باپ کو ملے اور اگر باپ نہ ہو، تو سارے کا سارا ہی ماں کو مِلے

(نہم) اصول ایک خالص نوع ہے۔ اس میں اُوپر سب اصول ہی اصول ہوتے ہیں۔ پہلے اصول ماں باپ ہیں۔ یہ پُورے اصول ہیں۔ دادا دادی، نانا نانی جزاً اصول ہیں۔ یہ سب ایک دُوسرے کی قیمت میں تحویل پا سکتے ہیں اور اعلےٰ و اسفل اکٹھے ہی وارث ہو سکتے ہیں

اِسی طرح اولاد بھی ایک خالص نوع ہے۔ اگر بیٹا بیٹی فروع ہیں، تو اُن کی تمام اولاد جُزءً فروع ہیں۔ بیٹی، پوتی، پڑوتی اگر ولد ہیں، تو ضرور ہے کہ اُن کے ہوتے ہوئے، ماں باپ کو اصولی حصّہ سُدس کا سُدس ہی ملے۔ ولد کا جُزء ولد ہی ہوتا ہے، اگر یہ صحیح ہے، تو تمام اولاد حسب قواعد ایک ہی کسر (واجب وغیر واجب) میں تحویل پا کر اکٹھے ہی وارث ہو سکتے ہیں۔ یہی حال اپنے اپنے موقع پر دیگر فروع کا بھی ہے

(دہم) ماں باپ کو اصولی حصّہ سُدس سُدس ہی ملے گا۔ ان میں جو فرق پڑ جاتا ہے، وہ باقی ماندہ کے پہنچنے سے یا پانچویں مرتبہ پر اُن کے فروع کی طرح وارث ہونے سے پڑ جاتا ہے۔ اصول کا اصل حصّہ سُدس سُدس ہی ہے (لکل واحد منهما السدس إن

اقرب بن جاتا ہے۔ پوتا دادے کا وارث اور دادا پوتے کا وارث صرف اُسی صورت میں ہی ہو سکتا ہے جبکہ بیچ میں کوئی حاجب نہ ہو۔ مورث اپنی زندگی میں اپنے اصول و فروع کے لئے خود ہی حاجب ہوتا ہے۔ بیٹا اقرب ہوتا ہے، جبکہ وہ خود موجود ہو اور پوتا اقرب ہوتا ہے جبکہ اُس کا باپ نہ ہو، جس کے ذریعہ سے دادا کے ساتھ اُس کا تعلق ہے

دوسرا مانع یہ ہے کہ مقدم فروع کو مؤخر فروع کے ساتھ ورثہ نہ دیا جائے

تیسرا مانع یہ ہے کہ غیر خالص سلسلہ کو جس میں مثل و غیر مثل وارث اکٹھے ہو جاتے ہیں اکٹھے ہی وارث نہ کیا جائے۔ اس سے بھی نسبی وارثوں کو خالص سلسلوں میں تقسیم کرنے کی ضرورت ظاہر ہے۔ فروع کے الگ الگ خالص سلسلے اُوپر بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن اصول کی ایک ہی خالص نوع ہے

(ہشتم) اولاد تین قسم کی ہوتی ہے:۔

(۱) کامل (۲) متوسط (۳) ناقص

کامل اولاد وہ ہے، جن میں کوئی نہ کوئی بیٹا یا پوتا یا پڑپوتا یا سکڑپوتا پایا جائے یہ قیامِ خاندان اور بقائے نام کا موجب ہوتے ہیں۔ اصول سے جو کچھ بچے باقی سب اُن کے لئے ہی ہوتا ہے

دو یا زیادہ بیٹیاں متوسط اولاد ہیں۔ ان کو دو تہائی ترکہ ملتا ہے۔ اصول سے جو کچھ بچے، وہ پہلے باپ کو پھر ماں کو دیا جاتا ہے۔ پھر بیٹیوں کو اکٹھا ہی دلایا جاتا ہے

دو سے کم بیٹیاں ناقص اولاد ہیں۔ ایک بیٹی کو نصف ترکہ دیا جاتا ہے نصف دو تہائی سے ایک سُدس کم ہوتا ہے۔ یہ سدس پہلے باپ کو دلایا جاتا ہے، پھر ماں کو، پھر اسی بیٹی کو ہی دیا جائے گا اور اصول کے ایک تہائی حصّے سے بھی جو کچھ بچ رہے گا، وہ بھی اسی ترتیب سے ہی ردّ کیا جائے گا۔ اس سے اصول و فروع کے حصوں میں اعتدال پیدا کیا گیا ہے

باقی ماندہ حصّہ جب اولاد میں واپس آئے گا، تو اولاد کو پہلے کی طرح اکٹھا ہی دیا جائے گا، لیکن اولاد یا بہن بھائی کے ساتھ ماں باپ کو باقیماندہ حصّہ الگ الگ ہی پہنچے گا۔ ماں باپ پانچویں درجہ پر اولاد والا حصّہ پاتے ہیں۔ پس وہ اس وقت اولاد کی طرح حصّہ نہیں پا سکتے، اور اگر انہیں باقی ماندہ حصّہ اصول کی طرح دلایا جائے، تو ماں یا باپ یا

اُن سے نیچے کوئی بھی نسبی وارث موجود نہیں ہوتا، اُس وقت دادا دادی کو باپ اور نانا نانی کو ماں قرار دیا جاتا ہے اور اگر ترکہ نو اشرفی سمجھا جائے، تو دادا دادی کو چھ اشرفی ملے گا اور نانا نانی کو تین اشرفی پہنچے گا۔ پھر دادا دادی میں سے دادا کو باپ اور دادی کو ماں قرار دے کر اور نانا نانی میں سے نانا کو باپ اور نانی کو ماں سمجھ کر اُن کے حصّے نکالے جائیں گے اور اس طرح اُن میں حسبِ ذیل نسبت قائم ہو جائے گی :۔

نانی	نانا	دادی	دادا
۱	۲	۲	۴

اگر یہ سب موجود ہوں، تو ان میں اسی نسبت سے ہی ورثہ تقسیم کیا جائے گا، لیکن اگر ان میں سے کوئی شخص مثلاً دادا موجود نہ ہو، تو دادا کے اصول میں حسبِ قاعدہ حصّہ پہنچیگا اور اگر اصولی حصّہ میں سے کسی غیر محجوب کا حصّہ بچ رہے، تو وہ بچا ہوا حصّہ بھی اُن میں اُسی نسبت سے ہی تقسیم ہوگا، جو باقی وارثوں میں قائم ہو چکی ہے۔ اُوپر کے اصولوں کا بھی یہی حال سمجھنا چاہیئے

یہ بات یاد رہے کہ اولاد میں اگر کوئی خاص مسئلہ لیا جائے اور اُن کے حصّوں کی ایک دفعہ نسبت نکالی جائے، تو پھر اگر ان میں سے کسی ایک یا زیادہ ولد کو موجود نہ سمجھا جائے، تو باقی اولاد میں ہمیشہ وہی نسبت قائم رہتی ہے، جو ایک دفعہ مقرر ہو چکی ہے

(دوازدہم) تمام فروع کے خالص سلسلوں کو ہمیشہ اولاد کی طرح ہی حصّہ ملے گا۔ اس لئے اب اولاد کا حصّہ بیان کرنا ہی باقی ہے

سو، اگر اولاد میں بیٹے بیٹیاں موجود ہوں اور کوئی بیٹا، بیٹی مورث کی زندگی میں فوت ہو کر اپنے پیچھے اپنی اولاد نہ چھوڑ گیا ہو، تو ان میں سے ایک بیٹا دو بیٹی کے برابر حصّہ پائے گا، اور اگر صرف بیٹے ہوں، تو وہ برابر حصّہ پائیں گے اور اگر صرف ایک بیٹی ہو، تو اُسے نصف ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں، تو وہ دو تہائی کی تو ضرور حقدار ہونگی لیکن اگر کوئی بیٹا، بیٹی مورث کے فوت ہو جانے سے پہلے مر گیا ہو، اور اپنے پیچھے نیچے تک اولاد چھوڑ گیا ہو، تو اس صورت میں عام قاعدہ یہ ہے کہ تمام متفرق لیکن غیر محجوب اولاد کی مقدار، بیٹیوں کی کسروں میں نکال کر جمع کر لی جائے۔ پھر اگر موجود وارثوں میں ایک

کان لہ ولد) اگر باپ نہ ہو، تو دادا دادی کو بارھواں بارھواں حصّہ ملے گا، اور اگر ماں نہ ہو، تو نانا نانی کو بھی بارھواں بارھواں حصّہ ملے گا۔ اسی طرح اُوپر کے اصولوں کو چوبیسواں چوبیسواں حصہ ملے گا، اور اُن کے اُوپر کے اصول ہر ایک اڑتالیسواں اڑتالیسواں حصّہ پائیں گے۔ اس صورت میں جب غیر محجوب اھل کے نہ ہونے کے سبب اُس کا حصّہ بچ رہے گا، وہ پہلے اُس اولاد کو پہنچے گا، جن میں کوئی بیٹا یا پوتا یا پڑوتا یا سکڑوتا ہوگا، اگر ایسی اولاد نہ ہوگی، تو بچا ہؤا باپ کو ملے گا۔ اگر باپ نہ ہوگا، تو ماں کو ملے گا، اور اگر ماں بھی نہ ہوگی، تو ناقص اولاد میں آئے گا۔ یہی حال اُس وقت ہوگا، جبکہ دادا دادی، نانا نانی کے ساتھ حقیقی بہن بھائی کو ورثہ ملے گا، لیکن چونکہ ایک عینی بہن اور اُس کی اولاد کے ساتھ پدری یا مادری بھائی بھی محروم رہتے ہیں، اس لئے دادا دادی، نانا نانی کے ساتھ پدریوں کو، اور اگر وہ نہ ہوں، تو مادریوں کو ناقص یا متوسط اولاد کی طرح باقیماندہ مال پہنچے گا

(یازدہم) ماں باپ پانچویں درجہ پر بمنزلہ اولاد قرار پاتے ہیں۔ اس وقت اُن سے نیچے کوئی نسبی وارث موجود نہیں ہوتا۔ اس صورت میں ماں کو ایک ثلث اور باپ کو دو ثلث ملتے ہیں

اگر ماں باپ دونوں موجود ہوں، تو وہ اپنے اُوپر کے اصول کے لئے حاجب ہوتے ہیں، لیکن اگر ماں نہ ہو، تو غیر محجوب نانا نانی میں سے ہر ایک کو اُن کا اصولی ورثہ یعنی بارھواں بارھواں حصّہ ملے گا اور اگر ماں کے اصول سے کسی کا حصّہ بچ رہے تو وہ باپ ہی کو ملے گا، کیونکہ وہ بمنزلہ بیٹے کے قرار دیا گیا ہے۔ اور اگر ماں موجود ہو، لیکن باپ زندہ نہ ہو، تو دادا دادی کو اصول کے قاعدہ سے بارھواں بارھواں حصّہ پہنچے گا۔ لیکن اگر باپ کے اصول میں سے کسی کا حصّہ بچ رہے، تو وہ بھی ماں ہی کو ملے گا، اس لئے کہ اس وقت ماں باپ کو ماں باپ نہیں قرار دیا گیا۔ لہٰذا ماں باپ بطور ماں باپ کے موجود نہیں سمجھے گئے پس ضرور ہے، کہ حسب قاعدہ باقی ماندہ مال ماں ہی کو ملنا چاہیئے، جو اس وقت بیٹی سمجھی گئی ہے

اِسی طرح بارھویں درجہ پر دادا دادی، نانا نانی بمنزلہ اولاد سمجھے جاتے ہیں، جب کہ

کی بیٹی بطریقِ اولےٰ بیٹی ہی سمجھی جائے

اسی طرح بیٹی کی بیٹی نصف بیٹی قرار دی جائے گی

پھر اگر مورث کی دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں، تو وہ ورثہ دلانے میں دو تہائی مورث سمجھی جاتی ہیں۔ اسی طرح بیٹے کی دو یا زیادہ بیٹیاں دو تہائی بیٹا سمجھی جائیں گی، مگر چونکہ وہ بیٹیاں ہیں، اس لئے انہیں بیٹیوں ہی کی کسر میں لایا جائے گا اور یوں وہ چار تہائی بیٹی یعنی ایک بیٹی اور تہائی بیٹی قرار دی جائے گی

جبکہ مورث مرد کی دو یا زیادہ بیٹیاں، بیٹیاں ہی سمجھی جاتی ہیں، تو ضرور ہے کہ بیٹے کی دو یا زیادہ بیٹیاں بطریقِ اولےٰ بیٹیاں ہی سمجھی جائیں۔ اسی طرح بیٹی کی دو یا زیادہ بیٹیاں دو تہائی بیٹی قرار دی جائیں گی۔

الغرض نیچے کی طرف ہر اسفل بیٹے بیٹی کی اولاد کی قیمت اسی طرح سے نکالتے جاؤ۔ جہاں اصل اولاد موجود ہو، وہاں نیچے کی اولاد کی قیمت کے دریافت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں

بعض دفعہ دو واسطہ والے اجداد و جدّات کو دُہرا حصّہ ملتا ہے اور اکہرے واسطہ والے کو اکہرا حصّہ۔ یہی حال اولاد میں بھی پایا جاتا ہے۔ جو اصلی وارث ہوتے ہیں، بچا ہوا مال انہیں پر ردّ کیا جاتا ہے

رکوع ۱

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسَبْعٌ سَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا○ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَ

بھی بیٹا یا پوتا، یا پڑوتا، یا سکڑوتا ہوگا، تو جو کچھ اصول سے بچ رہے گا، وہ سب کا سب اس مجموعہ میں اُن کے تناسب کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، اور یوں تقسیم للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق ہو جائے گی

اور اگر موجودہ اولاد میں ایک بھی بیٹا یا پوتا یا پڑوتا یا سکڑوتا نہ ہوگا، اور وہ مجموعہ ایک بیٹی سے کم کسر میں ہوگا، تو نصف مال کی وہی کسر اس مجموعہ میں اُن کے تناسب کے مطابق بانٹی جائے گی

اور اگر وہ مجموعہ ایک بیٹی ہوگا، یا ایک بیٹی سے کچھ زائد کسر رکھتا ہوگا، لیکن دو بیٹی سے کم ہوگا، تو نصف مال اُن میں اُن کے تناسب کے مطابق تقسیم کیا جائے گا

اور اگر وہ مجموعہ دو بیٹی یا دو بیٹی سے زائد ہوگا، تو دو تہائی ترکہ اُن میں اُن کے تناسب کے مطابق بانٹا جائے گا

(سیزدہم) یہاں مختلف اولاد کی قدر و قیمت نکالنے کا قاعدہ لکھا جاتا ہے:۔

مورث کا ایک بیٹا یا دس بیٹے یکساں ہی حصّہ پاتے ہیں، اور مورث کے اصول کو دے کر باقی انہیں کا ہے۔ یعنے مورث کے اصول اگر ہوں، تو انہیں دلا کر اور اگر نہ ہوں، تو پھر بھی مورث کا ایک بیٹا اور دس بیٹے مورث کے برابر ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح مورث کے کسی بیٹے کا اگر ایک بیٹا یا دس بیٹے ہوں، تو چونکہ اصول کو پہلے حصّہ مِل چکا ہے، اس لئے وہ سب پوتے اُس بیٹے کا ایک ہی بیٹا تصوّر کئے جائیں گے، اور اگر اُن کے ساتھ اُن پوتوں کی بہنیں ہوں، تو بھی وہ سب معاً ایک ہی بیٹا سمجھے جائیں گے

اسی طرح بیٹی کا ایک بیٹا یا دس بیٹے، خواہ اُن کے ساتھ اُن کی بہنیں بھی ہوں، وہ سب اُسی بیٹی کا ایک ہی بیٹا قرار پائیں گے، اور سب مِل کر ایک بیٹی کے برابر ہوں گے بیٹے کا بیٹا جبکہ اصول کو مِل چکا ہو، بیٹے کے برابر ہے، لہذا بیٹی کا بیٹا جبکہ اصول کو مِل چکا ہو، بیٹی کے برابر ہے۔ اس لئے وہ ایک بیٹی کے ہی حکم میں ہوگا

پھر مورث کی ایک بیٹی نصف مورث کے برابر ہے۔ اسی طرح مورث کے بیٹے کی ایک بیٹی بھی نصف بیٹے کے برابر ہوگی، مگر چونکہ وہ بیٹی ہے، اس لئے نصف بیٹے کی قیمت ایک بیٹی قرار پائے گی، جبکہ مورث مرد کی بیٹی، بیٹی ہی سمجھی جاتی ہے، تو ضرور ہے کہ بیٹے

ترجمہ - (یہودیوں میں تعدّدِ ازدواج کا بڑا رواج تھا۔ بیان کیا جاتا ہے، کہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے گھروں میں کوڑیوں بیویاں اور حرم میں تھیں۔ مجوس جیسے مذاہب میں ماں بہن کی بھی تمیز نہیں ہے۔ جن کو خدا تعالٰے کا خوف نہیں، انکا خیال ہے کہ جو عیاشی و خود غرضی ممکن ہو، کرلیں۔ اور اگر ہو سکے، تو ناجائز طریقوں سے بھی دُنیا کے مال کو سمیٹتے جائیں۔ اس لئے فرمایا کہ تم آدمی ہو۔ تمہیں آدمیت لائق ہے، تمہارا رب ایک ہے، وہ سب کا بھلا چاہتا ہے اور تم سب ایک ہی کُنبہ ہو۔ جس طرح تم اپنی بیٹی کی بہتری چاہتے ہو، اسی طرح دوسروں کی بیٹیوں کی بھی اصلاح چاہو، اور بیویاں بہت سی بیویاں کرنے سے روکا ہے۔ تعدّدِ ازدواج کے سبب میاں بیوی میں یک جہتی اور اخلاص نہیں رہتا۔ پھر تم پہلے خدا تعالٰے کا نام لے کر اور اُسکو ضامن بنا کر نکاح کا سوال کرتے ہو، پھر اُس میں خلل ڈالتے ہو۔ خدا تعالٰے کے حکم کا اور عورتوں کی کمزوری کا لحاظ رکھو، عورتوں کے ذریعہ سے ہی تمہارے رشتے ناطے پیدا ہوتے ہیں، زیادہ بیویوں کو خرچ دینے کے لئے انسان بہت سی بددیانتیاں کرتا ہے۔ یتیموں کا مال بھی کھاجاتا ہے، جس کا کھانا آگ پھانکنے کے برابر ہے

اس رکوع میں تعدّدِ ازدواج کی پہلے بہت کچھ اصلاح فرمائی ہے اور آخر اس سے قطعاً روک دیا ہے اور یتیموں کے مال کی حفاظت کا بھی بیان ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ) اے آدمیو اپنے پالنے والے (اور تربیت کرنے والے) سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، اور اس (کی جنس) سے اس کی بیوی کو بنایا (حضرت آدم علیہ السلام کے لئے خدا تعالٰے نے صرف ایک ہی بیوی بنائی تھی، حالانکہ اُس وقت آدمیوں کے پھیلانے کی بڑی ضرورت تھی دیکھیئے، ایک بیوی سے بھی مناسب کثرت حاصل ہو سکتی ہے) اور اُن دونوں (آدم و حوّا) سے مرد بہت سے اور عورتیں پھیلائیں (مرد عورتوں سے کسی قدر زیادہ پیدا ہوتے ہیں، اور اسی قدر بچپن میں مر بھی جاتے ہیں۔ پس مرد و عورت کی تعداد تقریباً یکساں رہتی ہے۔ اس صورت میں تعدّدِ ازدواج کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے) اور اُس اللہ کا جس کے (نام) ساتھ تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور عورتوں کا (جن کے ذریعہ سے تمہارے رشتے ناطے پیدا ہوتے ہیں) لحاظ رکھو

لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ
كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ○ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ
لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ○ وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ
نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــًٔا مَّرِيْۗـــًٔا ○ وَلَا تُؤْتُوا
السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ
وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ
فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ
اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ
فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ○ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠
وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ
نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ○ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ وَلْيَخْشَ
الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ
وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا
يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ○ ع

کیے کہ ہم سے دو عورتوں کے ساتھ ضرور عدل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آگے اسی سورت میں کسی قسم کا تشابہ نہیں رکھا، بلکہ بصفائے تمام فرما دیا ہے کہ باوجود حرص کرنے کے ممکن نہیں کہ عورتوں کے درمیان تم عدل کر سکو ۵/۱۹ ۔ ہاں، اگر وہ عورتیں کسی کے نکاح میں آنے کے لئے سب کی سب راضی ہوں اور اپنی مرضی سے اپنے درمیان عدل رکھنے کو اور اپنے حقوق کی کمی بیشی کو دل سے معاف کر دیں اور الگ نہ ہونا چاہیں، تو اس صورت میں مرد کی خواہش کے لئے نہیں، بلکہ عورتوں کو ظلم سے بچانے کی خاطر چار کی حد تک نکاح کرنا صحیح ہو سکتا ہے)۔ اور عورتوں کو اُن کے حقوق خوش دلی کے ساتھ دے دیا کرو۔ پھر اگر وہ دل سے تمہارے لئے خوش ہو کر اُن (حقوق) سے کچھ چھوڑ دیں، تو اُسے رچتا پچتا کھاؤ۔ (اگر قوم کی مالی حالت ترقی پذیر ہو، تو اُس قوم کو ایک دوسرے سے مدد و قوت ملتی ہے۔ اور اگر قوم کی مالی حالت تنزل پذیر ہو تو وہ قوم مفلس ہوتی جاتی ہے۔ یہی حال قوم کی انتظامی و علمی حالت کے متعلق بھی صحیح ہے۔ پس کسی کو ضرر پہنچانے کے بغیر قوم کی مالی حالت کو بڑھانا اپنے آپ ہی کو بڑھانا ہے اور یتیموں اور عورتوں کا مال کھا جانا اپنے آپ کو ہی ذلیل کرنا ہے) اور نادانوں کو اپنے وہ مال نہ دیا کرو، جسے خدا نے تمہارے لئے موجبِ قیام بنایا ہے (یہاں یتیموں کے مالوں کو قومی مال ہونے کے سبب اموالکم فرمایا ہے، تاکہ اس سے نادانوں کو نہ دینے کی دلیل پیدا ہو) اور تم اُن کو (اُن کے) اُن مالوں میں (قائم رکھ کر) روزی دو، اور اُن کو کپڑے پہناؤ اور اُن کو معقول بات کہو (کہ اس میں تمہارا ہی فائدہ مقصود ہے، اور یہ تمہارا ہی مال ہے)۔ اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو، یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں (قرآن کے نزدیک نکاح کی عمر اشدہ یعنی یتیم کی جوانی ہے ۶/۱۵۳ یہ قطعاً غلط ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کا نکاح بچپن میں ہوا۔) پھر اگر تم اُن کی طرف سے صلاحیت معلوم کرو، تو اُن کے مال اُن کی طرف واپس کر دو، اور اُن کے بڑے ہونے کے خوف سے اُن کے مالوں کو فضول خرچی سے اور جلدی کر کے نہ کھاؤ۔ اور جو شخص غنی ہے، تو اُسے چاہیئے کہ وہ بچتا رہے (یعنی اپنی خبرداری اور محنت کا کوئی حق نہ لے) اور جو شخص فقیر ہے، تو چاہیئے کہ وہ معروف (معقول) طور پر (اپنا حقِ خدمت) کھا لے۔ پھر جب تم اُن کی طرف اُن کے مالوں کو واپس کرو، تو اُن پر (لوگوں کو) گواہ کر لو، اور (یاد رکھو کہ) اللہ ہی حساب لینے میں کافی ہے۔ (ہمیں اُسکے آگے حساب دینا پڑے گا)۔

(جس طرح وجوہ سے مراد وجوہ والے اور قلوب سے مراد قلوب والے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ارحام سے مراد عورتیں ہیں، ارحام کے معنی رشتے ناطے بھی لئے جاسکتے ہیں۔ رشتوں کا لحاظ رکھنا اور قطع رحمی سے بچنا بھی لازم ہے) بلاشبہ اللہ تم پر نگران ہے (تمہاری ہر حرکت و خیال کو دیکھ رہا ہے۔ یتیموں کے مال کو کھانا ہر شخص بڑا گناہ سمجھتا ہے۔ پھر کھا بھی لیتا ہے۔ اس بڑے گناہ کا بیان تعددِ ازدواج سے روکنے کی تمہید میں لایا گیا ہے۔ اور یتیموں کو اُن کے مال (اُن میں رُشد پاتے ہی) دے دیا کرو، اور خبیث کو طیّب سے نہ بدلا کرو (یعنی نیکی کے بدلے گناہ نہ کماؤ، اور یتیموں کی چیزوں کی گنتی کو پورا دکھلانے کے لئے ردّی اور اچھی کا تبادلہ نہ کرلیا کرو) اور اُن کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر (نقصان کا بہانہ کرکے) نہ کھاجایا کرو۔ بلاشبہ یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے

(تم ایسی ایسی حرکتیں اپنی بیویوں کی کثرت کے سبب سے ہی کیا کرتے ہو اور یتیموں کے معاملہ میں بے انصافی برتتے ہو، جیساکہ وہ لوگ خود بھی اقرار کیا کرتے تھے، کہ ہمیں کثرتِ ازواج کے ساتھ ایسی بے انصافی کا خوف ضرور ہے۔ اس لئے فرمایا) اور اگر تم خوف کرتے ہو کہ تم (اس صورت میں) یتیموں کے معاملہ میں بے انصافی کروگے (تو تم پر کس نے یہ مصیبت ڈالی ہے کہ تم اتنے زیادہ نکاح کرلیا کرو۔ ہاں اگر کبھی جنگوں کے وقتوں میں بے پناہ عورتیں زیادہ ہوجائیں اور وہ دوسرے علاقوں میں جانا پسند نہ کریں، تو ایسے ضرورت کے وقت میں اجازت ہے کہ) تم لوگ اُن عورتوں سے جو تمہارے (نکاح میں آنے کے) لئے خوش ہوں (اپنے درمیان) دو دو اور تین تین اور چار چار کرکے نکاح میں لایا کرو (لیکن یہ نکاح بھی پسندیدہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں بھی عورتوں کے درمیان عدل نہیں ہوسکتا اور برابری نہیں رکھی جاسکتی) سو، اگر تم کو خوف ہو کہ تم (عورتوں کے درمیان) عدل نہیں کروگے (اور برابری نہیں رکھ سکوگے اور یہ خوف ہر ایک کو ہوسکتا ہے) تو ایک (آزاد) عورت سے، یا (اگر ایک آزاد عورت بھی نہ مل سکے تو) اپنی (قوم کی ایک) لونڈی سے (نکاح کرو۔ آگے اللہ تعالےٰ نے خود ہی فیصلہ کردیا ہے، کہ) یہ بات (یعنی ایک عورت سے نکاح کرنا) اس بات کے قریب ہے کہ تم سے ظلم نہیں ہوگا

واللہ تعالےٰ کے اس فرمان عالی شان کو سُن کر کون سا نیک دل آدمی ایسا ہوسکتا ہے، جو

کی دو تہائی ہے، جو وہ (مرنے والا) چھوڑ گیا، اور اگر ایک عورت ہے، تو اُس کے لئے آدھا ہے۔ (نساء بالغ عورتوں کو کہتے ہیں۔ اس سے یہ سکھانا مقصود ہے کہ جب وہ بالغ ہوں، تو اُن کا مال خود اُنہی کے سپرد کیا جائے۔ ہاں، بچپن میں اُن کے مال کی حفاظت ضرور کرائی جائے) اور اُس (مرنے والے) کے ماں باپ کے لئے (یعنی) اُن میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا چھٹا حصّہ ہے، اُس (مال) سے جو وہ (مرنے والا) چھوڑ گیا، بشرطیکہ اُس (مرنے والے) کی اولاد (نیچے تک) ہو (یا دوسرے درجہ کے فروع بھی، جو ماں باپ کی اولاد میں موجود ہوں)۔ پھر اگر اُس (مرنے والے) کی اولاد (نیچے تک) نہ ہو (بلکہ دوسرے تیسرے، چوتھے درجہ کے فروع بھی نہ ہوں، جن کا اثر ماں باپ پر اولاد کی طرح ہی پڑتا ہے اُس وقت ماں باپ کی طرح سب سے نچلے وارث ہوتے ہیں۔ ماں باپ اس وقت پانچویں درجہ پر فروع کی خالص نوع قرار پاتے ہیں) تو (اُس وقت) اُس کی ماں کے لئے تہائی ہے (اور باقی دو تہائی باپ ہی کو ملے گا۔ باپ کے ہوتے ہوئے، دادا، دادی کو نہیں پہنچیگا اور باپ کے ساتھ بحکمِ قرآن ہر قسم کے بہن بھائیوں کو بھی نہیں ملے گا۔ بہن بھائی ماں باپ پر اولاد والا اثر تو ضرور ڈالتے ہیں، لیکن پہلے درجہ کے ماں باپ کے ساتھ محجوب و محروم ہو جاتے ہیں۔ ہاں، دادا دادی، نانا نانی کے ساتھ محجوب و ممنوع نہیں کئے جاسکتے) پھر اگر اُس (مرنے والے) کے بہن بھائی ہوں، تو اُس کی ماں کے لئے چھٹا حصّہ ہے (اور ضرور ہے کہ باپ کے لئے بھی چھٹا حصّہ ہی ہو۔ باقی رہے، چار سُدس، سو، وہ بحکمِ قرآن بہن بھائیوں کو نہیں مِل سکتے۔ پس وہ باقی ماندہ چار سُدس باپ ہی کو ملیں گے اور یوں باپ کو پانچ سُدس دیئے جائیں گے۔ اولاد کے ساتھ بھی بحکمِ قرآن بہن بھائی کو کچھ بھی نہیں مِل سکے گا۔ وارث ہمیشہ فروع و اصول ہی ہوں گے۔ اُن کے حصّے قرآنِ حکیم نے بیان کر دیئے ہیں اور باقی ماندہ کو پہنچانے کا طریقہ بھی خود قرآنِ کریم ہی سے ایک حساب دان کے لئے یقیناً واضح ہے۔ قرآنِ حکیم نے ایسے وسیع مضمون کو چند لفظوں میں بیان کر دیا ہے اور کسی پہلو کو بھی نہیں چھوڑا

موجودہ طریقۂ میراث یقیناً بے اصول اور بہت کچھ فضول ہے۔ یہ اُس وقت کی ایجاد ہے جبکہ مسلمانوں میں سینکڑے قسم کے اختلافات پیدا ہو چکے تھے۔ قرآنِ حکیم

ترجمہ۔ (یتیموں کی حفاظت کو ہر شخص فطری بلکہ اخلاقی طور پر پسند کرتا ہے۔ اسی بنا پر پہلے کثرتِ ازدواج سے روکا گیا ہے۔ ان آیات سے اوپر بھی یتامٰے ہی کا ذکر ہے، اور ظاہر ہے کہ یتیموں کے مال کی حفاظت کے لئے تقسیمِ میراث کا بیان کرنا بھی لازم ہے، تاکہ اُن کے میراث کے حقوق بھی حسبِ ضرورت قائم ہو جائیں اور تاکہ انہیں اُن کے حقوق سے کم نہ مل سکے۔ یتیموں میں سے جو نساءِ تھیں، اُن کے سرپرست چاہتے تھے کہ اِن یتامٰی النساء کے ساتھ نکاح کیا جائے اور یوں اُن کے مالوں کو خورد بُرد کر لیا جائے ۵/۱۶۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ مال اُن عورتوں کا حق ہے۔ کیا کسی کے حق کو غصب کر لینا ٹھیک ہو سکتا ہے؟ حاصل یہ ہے کہ یتیموں کے سبب دیگر عورات کے حق، بلکہ تمام لوگوں کے حقوق بھی ساتھ ہی قائم ہو گئے۔ ارشاد کیا کہ) اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارہ میں وصیت کرتا ہے کہ (اولاد کے مرد و زن کی تحویل کرنے کے بعد مثل) مرد کے لئے دو (مثل) عورتوں کے حصّہ کے برابر ہے

(اگر اللہ تبارک و تعالےٰ الذکر اور الانثیین پر حرفِ تعریف نہ لاتا، تو اس کے معنے ہوتے کہ بیٹا جو مرد ہے، اور اولاد میں سے مختلف درجہ کی دو عورتوں مثلاً نواسی اور پڑنواسی کے برابر ہے

پھر اولاد کے کسی خاص درجہ کا ذکر نہ کرنے سے بلکہ اولاد میں مرد و زن اور نساء کے الفاظ کو لانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کو ایک ساتھ یکساں حالات کے مرد و زن ہونے کے لحاظ سے ورثہ پہنچے گا۔ کسی خاص ورثہ کے لحاظ سے حصّہ نہیں ملے گا

اولاد کی نوع ایک خالص نوع ہے۔ اُس میں نیچے تک سب جزءً اولاد ہی ہیں، اور قرآن حکیم کے مطابق وہ سب ایک ہی قدر و قیمت میں تحویل پا سکتے ہیں۔ مجوب اولاد اگرچہ وارث نہیں ہوتی، لیکن وہ اپنے واسطہ کے ذریعہ سے ہر وقت جدّی جائداد سے مستفید ہو سکتی ہے، لیکن اگر غیر مجوب اولاد کو ورثہ بھی نہ دیا جائے، تو کیا اُن کو اولاد ہونے کے لحاظ سے کبھی بھی اپنے جد سے بالواسطہ یا بلاواسطہ فائدہ پہنچ سکتا ہے)

پھر (بیٹی بیٹیوں اور ماں باپ کے حصّہ کو میاں بیوی سے الگ کرنے کی خاطر کسی غائب کے متعلق فرمایا کہ) اگر (اولاد صرف) دو سے (لے کر) اوپر، عورتیں ہوں، تو اُن کے لئے اس

(پہلی آیت میں نسبیوں کا ذکر ہے، اس دُوسری آیت میں عہدیوں کا بیان ہے)
۱۲ اور تمہارے لئے اس کا نصف ہے، جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں، بشرطیکہ اُن کے
لئے (نیچے تک) اولاد نہ ہو۔ پھر اگر اُن کے لئے (ایسی) اولاد ہو، تو تمہارے لئے
چوتھائی ہے، اُس (مال) سے جو وہ (بیویاں) چھوڑ جائیں۔ وصیت کے بعد جو وصیت
وہ کر جائیں، یا قرض کے بعد (ہی) اور اُن کے لئے چوتھا حصّہ ہے، اُس (مال) سے جو
تم چھوڑ جاؤ، بشرطیکہ تمہارے لئے (نیچے تک) کوئی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر تمہارے لئے
اولاد ہو، تو اُن (بیویوں) کے لئے آٹھواں حصّہ ہے، اُس مال سے جو تم چھوڑ جاؤ۔
(یہ حصّے) وصیت کے بعد (ملیں گے) جو تم وصیت کر جاؤ، یا قرض کے بعد (ہی اگر قرض
ترکہ سے زائد یا برابر ہو)۔ اور اگر کوئی مرد یا کوئی عورت کسی کلالہ (یعنے ایسے شخص کا جس
کے ماں باپ پہلے درجہ کے اور اولاد نیچے تک موجود نہ ہوں، عہد سے) وارث بنایا جائے،
اور اُس (کلالہ) کے لئے کوئی بھائی یا بہن ہو (یا ایسے وارث ہوں، جو اپنے اپنے موقعہ پر
پہلے درجہ کے ماں باپ کے سوائے بہن بھائی کی جگہ رکھے جا سکیں) تو اُن دونوں (عہد سے
وارث بنائے گئے مرد و عورت) اس سے (یعنی دو سے) زائد ہوں، تو وہ (سب) تہائی
میں شریک ہوں گے۔ (یہ حصّے) وصیت کے بعد، جو بھی وصیت کی جائے (ملیں گے) یا
قرض کے بعد (ہی) بشرطیکہ (مرنے والا کسی کو) ضرر پہنچانے والا نہ ہو
(بعض لوگ بھائی بھتیجوں کو ضرر پہنچانے کے لئے جھوٹے تعلق بنا لیتے ہیں، یا جھوٹ
موٹے ہی کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو فلاں شخص کا اتنا قرض دینا ہے۔ مجلسِ شوریٰ کو چاہیئے
کہ تحقیق کر لے، تاکہ یقین ہو جائے) یہ اللہ کی طرف سے وصیت ہے، اور اللہ علم والا بردبار
ہے (خدائے علیم نے کلالہ کے لئے ضرورتًا ایسے عہدی وارث بنانے کو برداشت کیا ہے)۔
(یہ جو قرآن پاک میں میراث کے حکم اُوپر بیان ہوئے ہیں) ۱۳ یہ اللہ (احکم الحاکمین)
کی (باندھی ہوئی) حدّیں (یعنی قانون) ہیں (کوئی رسول قوانینِ الٰہی کا باغی اور حدودِ
الٰہی سے خارج ہونے والا نہیں ہو سکتا۔ ہاں، قانون کے ساتھ، آپس میں تنازع کرنے
کی صورت میں زندہ ججوں کی بھی ضرورت ثابت ہے۔ رسولِ کریم اُس وقت زندہ جج تھے
اس لئے فرمایا) اور جو اللہ کی (بطور اصل مطاع کے) اور اُس کے رسولؐ کی (بطور زندہ

فرماتا ہے کہ میں نے سب حصے بیان کردیئے ہیں۔ چاہیئے تھا کہ علماء قرآنی اصول کے ماتحت وہ حصے نکال کر دکھلاتے، اُلٹا وہ قرآنی اصول کو حدیث اور اجماع سے منسوخ ٹھہرانے لگے۔

کمترین نے موجودہ قواعدِ میراث کی بے شمار غلطیاں نکال کر علماء کی خدمت میں پیش کی ہیں اور نہایت ادب سے درخواست کی ہے کہ ان کا جواب دیا جائے۔ یہ حسابی مسئلہ ہے۔ حسابی غلطیوں کا پتہ ہر ایک شخص کو لگ سکتا ہے۔ حساب میں ایسی فضول تاویلوں سے کام نہیں لیا جاسکتا، جس طرح بعض علماء بندوں کو دوسرا احکم الحاکمین بنا کر کھڑا دیتے ہیں۔ اصولِ حساب میں خوارق و معجزات کو داخل کرنے سے بھی کام نہیں چل سکتا۔ کوئی روایت خوانی اور تاریخ دانی اور کسی قسم کی چرب زبانی حسابی اصول کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا سکتی۔ بعض اصحاب نے اپنے آپ کو خواب میں خدا بنا ہوا بھی دیکھا اور سب کچھ بن بیٹھنے کا دعوے بھی کیا۔ اُنہوں نے بھی اس حسابی مسئلہ کو ہاتھ تک نہیں لگایا، بلکہ اُنہوں نے ایسے مسائل میں اپنی خلاصی اس اقرار کے ساتھ کرائی کہ ہم ایسے مسائل میں دوسرے مجتہدوں ہی کے مقلد اور تابع ہیں۔ افسوس ہے کہ انہیں ایسے دعووں کے ساتھ اس اقرار میں اپنی کمزوری نظر نہ آئی۔ اگر اُن کا انکار مُسلم کو کافر بنا دیتا ہے، تو جن مجتہدوں کے وہ ایسے دینی امور میں تابع تھے، کیا اُن کا انکار اور بھی زیادہ کافر بنانے والا نہیں ہوگا؟ سالہا سال گذر گئے، مگر کسی نے آج تک تقسیمِ میراث کی غلطیوں کا جواب تک نہیں دیا۔ اگر یہ سچ مچ غلطیاں ہیں، تو اُمید ہے کہ اب بھی علماء اپنی فضیلت کے دعووں کو ایک طرف رکھ کے، یا اُن دعووں کی عزت دکھلانے کے لئے ٹھنڈے دل سے اس طرف متوجہ ہوں گے اور قرآنِ حکیم کے پیش کردہ اصول سے ہی تمام حصے نکال کر دکھلائیں گے

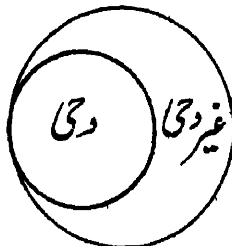
ماں باپ اور اولاد کو یہ قرآنی حِصے کب ملیں گے؟ یہ ملیں گے) وصیت کے بعد، جو وہ (مرنے والا) وصیت کر جائے، یا قرض کے بعد ہی)۔ تمہارے باپ اور بیٹے (یعنے اصول و فروع) جو ہیں، تم (ان کے حصص کے متعلق خود) نہیں جانتے تھے، کہ نفع پہنچانے کے لحاظ سے تمہارے لئے کونسا اقرب ہے (اس لئے)، یہ تقرر اللہ نے فرمادیا ہے بلاشبہ اللہ علیم و حکیم ہے

جگہ اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ لوگ اطاعت کے لفظ کو دیکھ کر وحی اور غیر وحی کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ کیا قرآن مجید میں اکثر جگہ خدا اور بندوں کے لئے ایک ہی لفظ نہیں آیا؟ حالانکہ ان الفاظ کے استعمال میں ایسا ہی فرق ہوتا ہے، جیساکہ خدا اور بندے میں ہے۔ لله العزة ولرسوله وللمومنين ۲۸/۱۳ میں عزت کا ایک لفظ خالق اور مخلوق دونوں کے لئے بولا گیا ہے، مگر دونوں عزتوں میں بُعد المشرقین ہے۔ یہی حال ذیل کی آیات کا بھی ہے:-

انما وليكم الله ورسوله والذين امنوا ۶/۱۲ - من يتول الله ورسوله والذين امنوا ۷/۱۲
ان اشكر لي ولوالديك ۲۱/۱۱ اور اتقوا الله الذي تساءلون به والارحام ۴۴/۱۲ اور
فسيرى الله عملكم ورسوله والمومنون ۱۱/۲ وغیرہ وغیرہ

ان آیات میں بھی خالق و مخلوق کے لئے ایک ہی لفظ آیا ہے۔ ان الفاظ کا استعمال خالق کے لئے بحیثیت خالق لایا گیا ہے اور مخلوق کے لئے بحیثیت مخلوق مستعمل ہوا ہے۔ کیا خالق و مخلوق یکساں ہوسکتے ہیں؟ ۱۴/۸

اور اگر اللہ اور رسول کی اطاعتوں میں نسبت عموم و خصوص مطلق کی ہے، تو جو حصّہ ان دونوں اطاعتوں کا مشترکہ ہے، وہ وحی الٰہی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ وحی الٰہی صرف ایک ہی چیز ہے اور اس کی ایک ہی اطاعت ہے اور جو حصّہ وحی الٰہی سے خارج ہے، وہ بالضرور غیر وحی ہے، جیساکہ نقشۂ ذیل سے ظاہر ہے:-



اور اگر ان دونوں اطاعتوں میں عموم و خصوص من وجہٍ کی نسبت ہے، جیساکہ نقشۂ ذیل سے واضح ہے

بحج کے) اطاعت کرے ، تو وہ (اللہ) اُسے باغوں میں داخل کرتا ہے، جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ وہ اُن میں رہ پڑنے والے ہیں اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ (بطور اصل حاکم کے) اور اُس کے رسول کی (بطور جج و منتظم کے) نافرمانی کرے اور اللہ کے حدود سے (جو اُس نے اُوپر بیان فرمائے ہیں) نکل جائے ، تو وہ (اللہ) اُسے آگ میں داخل کرتا ہے۔ وہ اس میں رہ پڑنے والا ہے۔ اور (اگرچہ اللہ تبارک وتعالےٰ اُسے آخر کار معاف کردے، لیکن پھر بھی) اُس کے لئے ذلیل کر دینے والا عذاب ہے۔ ع

(اللہ تبارک وتعالےٰ کی اطاعت ، جو کہ سچّا بادشاہ ہے اور تابع وحی رسولؐ کی اطاعت میں اگر نسبت تطابق و توافق کی ہے ، تو دونوں اطاعتیں بہرصورت ایک ہی چیز ہیں۔ اُن میں اگر مغائرت ہے ، تو وہ مختلف لحاظوں کے سبب سے ہے

مطلب یہ کہ اللہ احکم الحاکمین کی اصل حاکم ہونے کے لحاظ سے اطاعت کرو ، اور چونکہ خدائے بے مثل اپنے وحی کو لوگوں کے آگے خود آکر پیش نہیں کیا کرتا ، صرف رسول ہی اُسے پیغامبروں کی طرح لوگوں کو سُناتا ہے ، اس لئے رسول کی بطور مبلّغ کے اطاعت کرو

لیکن ، اگر ان دونوں اطاعتوں میں نسبت تبائن کی ہے اور یوں وہ ایک دوسرے میں شامل نہیں ، بلکہ وہ ایک دوسرے سے خارج اور الگ ہیں ، تو چونکہ وحی الٰہی جو خدا تعالےٰ کی طرف سے آتی ہے ، اور رسول کا اُس کے اُتارنے میں اپنا کوئی دخل نہیں ، اس لئے اللہ تعالےٰ کی اطاعت تو ضرور وحی الٰہی کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت جو وحی الٰہی سے متبائن اور اس سے غیر ہے ، غیر وحی کی اطاعت ہے

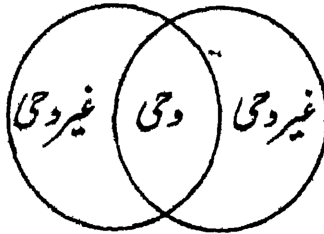
آخری عدالتِ اپیل کی اطاعت اور اصحابِ شورےٰ کی اطاعت اور منتظمین اور جنرلوں وغیرہم کی اطاعت غیر وحی کی اطاعت ہی ہوتی ہے جیسا کہ فان اطعنکم جیسی آیات سے ثابت ہے ۵۴

یہ تو سورج کی طرح ظاہر ہے کہ اصلی حکم سوائے خدا تعالےٰ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن بندے اپنی حالت کے مطابق بحکمِ قرآن حکم بنائے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ بلحاظ وحی کے حکم ہے ، اور دوسرے بنائے ہوئے حکموں کی اطاعت غیر وحی ہے۔ خود قرآن ہی سینکڑے

کے ساتھ اُن سے جواب طلبی کرتے۔ وغیرہ وغیرہ)۔

رکوع ۳

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً
مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِى الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ
اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ○ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ
تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ
لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
السَّيِّاٰتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ
يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ
فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ○
وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا
فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ○ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ
وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○ وَلَا



تو مشترکہ حصّہ میں نسبت تطابق کی ہوگی اور جو حصّہ دونوں طرف وحی الہٰی سے نکلا ہوا ہے، وہ غیر وحی ہے

اگر کوئی اور پانچویں نسبت ہے، تو لوگ اسے بیان کریں، تاکہ وحی اور غیر وحی کا فیصلہ ہو جائے اور سب پر واضح ہو جائے کہ وحی الہٰی کی اطاعت در اصل ایک اطاعت ہے، یا دو۔

باقی رہا، غیر وحی، غیر وحی میں عدالتِ اپیل کی اطاعت، اس وقت بھی لازم ہے، تو کیا رسولِ خدا کی ایسی اطاعت فرض نہ تھی۔ جنرلوں کے حکم سے سپاہی خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔ تو کیا رسول خدا ہی اس اطاعت کے مستحق نہ تھے۔ مجلس شورے اور منصفوں کی اطاعت اب بھی ضروری ہے، تو کیا اُس وقت ہی قابل اعتراض تھی وغیرہ وغیرہ

اگر رسولوں کے ساتھ خدا تعالےٰ کا کوئی ایسا وعدہ ہوتا، کہ تمہاری دینی غلطیاں اس دنیا میں ہی نکالی جائیں گی اور تم پاک وصاف ہو کر دوسرے عالم میں پہنچو گے۔ وہاں تم سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاسکتا، تو انہیں ایسا کیوں فرمایا گیا کہ اگر تم شرک کروگے، تو دوسرے عالم میں جہنم میں دھکیلے جاؤ گے اور کیوں اُن کی زبان سے اقرار کرایا گیا کہ اگر میں بھی اپنے رب کی نافرمانی کروں، تو مجھے بھی یوم عظیم کے عذاب کا خوف ہے۔ کیا یہ صرف ایک مخول کیا گیا ہے۔ رسول خود بھی اس دُنیا کی زندگی میں ابتلائی حالت میں ڈالے جاتے تھے، وہ خود اقرار کرتے ہیں لیبلونی ءاشکر ام اکفر (النمل) اسی لئے فرمایا لا تکن کصاحب الحوت (ن)۔

رسولوں کو اپنی غلطیوں کے سبب اس زندگی میں بھی سخت تکلیفیں آئیں، لیکن اس تکلیف کے آنے سے پہلے انہیں اس تکلیف وہ بات سے ٹال کر پاک نہیں کیا گیا، بلکہ مچھلی کے پیٹ میں ڈالا گیا۔ اُنہوں نے اپنی غلطی کا وہی نتیجہ دیکھا، جس طرح دوسرے لوگ دیکھا کرتے ہیں اگر رسولوں کا ایسا اعتقاد ہوتا، تو موسےٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام کو سر سے کیوں پکڑتے، اور کیوں سختی

آپس میں ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ اسی طرح بے حیائی کا ارتکاب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اسی قسم کی بے حیائی کے کاموں سے منع کیا، اور تائب بننا سکھایا، پھر ظلم کرنے والے لوگوں کو فرمایا کہ تم جبراً عورتوں کے اور اُن کے مالوں کے وارث نہ بن جایا کرو۔ یہ حقوق کا معاملہ ہے اور حقوق کی حفاظت کے لئے گورنمنٹ کا دخل ضروری ہے)

اور (اے حاکمو) تمہاری عورتوں میں سے جو (آپس میں) بے حیائی کا ارتکاب کریں تو اُن کے برخلاف اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو، پھر اگر شہادت دے دیں، تو اُن کو (اُن کے بسنے کے) گھروں میں روک رکھو (کسی نگران کے بغیر باہر جانے نہ دو) یہاں تک کہ انہیں موت قبض کرلے، یا اللہ اُن (کے فائدہ) کے لئے کوئی سبیل بنادے (یعنی اُن کا اعتبار قائم ہوجائے اور پھر اُن کے باہر آنے جانے میں کوئی ہرج نہ دیکھا جائے۔ یہی بات اُن کے فائدہ کی ہے

اگر یہاں کسی سزا کا ذکر ہوتا، تو لَهُنَّ کی جگہ عَلَيْهِنَّ آنا چاہیئے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُن بالغ عورتوں کو، جن کے برخلاف کسی بے حیائی کا ثبوت واضح طور پر نہیں ملا، کام کاج کے لئے باہر جانے کی اجازت ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے دوسرے گڈریوں میں آیا جایا کرتی تھیں)۔

اور وہ دو مرد، جو تم میں سے اِس (بے حیائی) کے مرتکب ہوں، تو انہیں (بھی مناسب) ایذا دو (جس کے ذریعہ وہ درست ہوجائیں) پھر اگر وہ (بھی قابلِ اعتبار ہوجائیں، اور) توبہ کریں، اور سُدھر جائیں (جیسا کہ عورتوں کے متعلق پہلے ذکر ہوچکا ہے) تو بلاشبہ اللہ رجوع کرنے والا مہربان ہے (جیسا کہ اس آیت میں دو مردوں کا ذکر ہے، پہلی آیت میں اکیلی عورات ہی کا بیان ہے۔ اِس مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی عورات کی آپس کی بے حیائی ہی مقصود ہے)

(اب یہاں توبہ کا ذکر کیا جاتا ہے) سوائے اس کے نہیں کہ اللہ پر توبہ کا قبول کرنا اُن لوگوں کے لئے (تو ضرور) ہے، جو نادانی کے ساتھ بُرائی کر بیٹھتے ہیں، پھر قریب ہی تائب ہوجاتے ہیں (اور آگے کو اس بدی کی اصلاح کرتے ہیں ۱۹/۴) تو ایسے لوگ جو ہیں، اللہ اُن کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے (اُن کے سوائے اور لوگوں

تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ۟

ترجمہ۔ دوسرے رکوع میں میراث کا بیان ہے۔ وہاں عورتوں کو بھی اپنے حقوق کا مالک تسلیم کرایا گیا ہے۔ لوگ عورتوں کے ساتھ سخت بدسلوکی کرتے تھے، صرف اُن کے مالوں کو ہی نہیں چھین لیتے تھے، بلکہ خود عورتوں کے بھی جبراً وارث بن جاتے تھے، اور اُن کو ڈرا دھمکا کر اپنے گھروں میں ڈال لیتے تھے۔ اگر کسی شخص کے باپ نے کوئی اور بیوی کی ہوتی، تو باپ کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا اپنے باپ کی بیوی کو اپنے گھر میں ڈال لیتا تھا۔ وہ عورتوں کو بھی مال کی طرح ہی ایک مستعملہ شے سمجھتے تھے۔ اور اُن کی حُریّت و آزادی و خود مختاری کا کوئی خیال نہیں رکھتے تھے۔ وہ دوسری عورتوں کو بھی بجبر و تشدّد اپنے نکاح میں لے آتے تھے اور اُن کی جوانی کا فائدہ اٹھا کر اُن کے ساتھ بدسلوکی کرنا شروع کر دیتے تھے، تاکہ جو کچھ انہوں نے اُن عورتوں کو دیا ہوا تھا، اُسے اُن سے واپس لے لیویں، اور اُسی مال کے ذریعہ سے دوسری بیوی کو لے آویں۔ اس طرح بے گناہ عورتوں کو نکال کر، دوسری پر قابو جمانا حقیقت میں عورتوں کا تبادلہ کرنا ہے۔ بلا کسی سخت مجبوری کے طلاق دے دینا نہایت ہی ظالمانہ فعل ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس کی بُرائی دکھانے کے لئے فرمایا کہ اس طرح تم اپنی بیوی کا دوسرے کی بیوی کے ساتھ تبادلہ کرتے ہو، لیکن اگر تمہارا ایسا ہی ارادہ ہے، تو تمہیں شرم نہیں آتی، کہ پکا عہد کرنے کے بعد، پھر تم ان سے اُس مال کو طلب کرتے ہو، جو تم نے اُنہیں دیا ہے، اور بہتان لگا کر وہ مال اُن سے چھین لیتے ہو۔ وہ مال اگرچہ ڈھیروں بھی ہو، تمہیں خود دونوں بیویوں کو ادا کرنا ہوگا۔ اس طرح طلاق دینے پر ایک اور سخت روک ڈال دی گئی ہے

چونکہ خاوندوں کی بدسلوکی اور نا قابلیت کی وجہ سے۔ بیویوں کے دلوں میں بددلی پیدا ہو جاتی تھی، اِس لئے کئی بیویاں نا قابل مردوں سے تنگ آ کر کسی سہیلی کے ہاں جا کر آپس میں سحاقت کرتی تھیں، یعنی کوئی عورت مردوں کی طرح مسلح ہو کر دوسری عورتوں کے ساتھ بیحیائی کی مرتکب ہوتی تھی۔ ایسے بے انتظامی کے دنوں میں کئی مردوں کو عورتیں نہیں ملتی تھیں، وہ

(تم تو عورتوں کے ساتھ ملنے میں اپنے باپ کی بیویوں سے بھی نہیں ٹلتے) اور ۲۲
تم تمام عورتوں میں سے (خواہ وہ کسی مذہب کی کیوں نہ ہوں) اُن سے نکاح مت کرو،
جن کے ساتھ تمہارے باپوں نے نکاح کیا، مگر جو کچھ (اس اصلاحی حکم کے آنے سے)
پہلے ہو چکا۔ بلاشبہ یہ بے حیائی ہے اور (فطرت سلیم کے لئے) بیزاری ہے، اور (لوگوں
میں) بُرا رستہ (پھیلانا) ہے۔

رکوع ۴

۲۳ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ
الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُم مِّنَ الرَّضٰعَةِ
وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبٰٓئِبُكُمُ الّٰتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ الّٰتِي
دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ
الَّذِينَ مِنْ أَصْلٰبِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللّٰهَ
كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ ۲۴ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمٰنُكُمْ
كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوٰلِكُم مُّحْصِنِينَ
غَيْرَ مُسٰفِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَأٰتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرٰضَيْتُم بِهِ مِنۢ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا
حَكِيمًا ۝ ۲۵ وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ
فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمٰنُكُم مِّن فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيمٰنِكُم
بَعْضُكُم مِّنۢ بَعْضٍ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَأٰتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ

کی توبہ محلِ اشتباہ میں ہے)۔
اُور (اللہ کا) توبہ قبول کرنا، اُن لوگوں کے لئے (تو بالضرور) نہیں ہے، جو بدیاں کماتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی ایک پر موت حاضر ہوتی ہے (یعنی اُنہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب ہماری موت سامنے کھڑی ہے، یہ وہ وقت ہے، جبکہ وصیت کرنا لازم ہوتا ہے [۲]) تو وہ کہتا ہے، کہ بلاشبہ اب میں نے توبہ کی (ایسے وقت میں ممکن ہے کہ بد خیالات و اعتقادات کی توبہ، اگر دل سے ہو، تو قبول ہو جائے، لیکن اُس وقت بد اعمال اور بُری عادات کی اصلاح کا کوئی موقعہ نہیں ہوتا، اس لئے اُن اعمال اور حاصل کردہ عادات کی سزا ضرور ملے گی) اور نہ اُن کی (توبہ قبول ہے) جو مر جاتے ہیں، اس حال میں کہ وہ کافر ہوتے ہیں (یہ وہ وقت ہے جبکہ آخرت کی سزائیں سامنے نظر آتی ہیں) یہ لوگ جو ہیں، ہم نے اُن کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہوا ہے

(بد تہذیبی سے ہٹا کر ظلم و سختی کرنے سے روکا ہے) اَے [۱۹] ایمان والو! تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں کے جبراً وارث ہو جاؤ اور نہ (یہ حلال ہے کہ) تم اُن کو روکے رکھو، تاکہ تم اس (مال) سے جو تم نے انہیں دیا ہے (ستا کر) کچھ لے لو، مگر اس حال میں کہ وہ صریح بے حیائی (یعنی زنا) کا ارتکاب کریں، اور تم عورتوں کے ساتھ معقول طور پر معاملہ کرو، پھر اگر تم اُن کو (بدزبانی یا کسی اور وجہ سے) بُرا جانو، تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی شئے کو بُرا جانو اور اللہ نے اُس میں بہت سی خیر رکھی ہو (عورتوں کے ساتھ حُسن سلوک سے آدمی مغفرت و جنّت کما سکتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ دُنیا میں اُسکے ہاں کوئی نیک و عالم و اقبال مند بیٹا پیدا ہو، جو اُس کی تکلیفوں کو دُور کر دینے کا باعث ہو)

(طلاق بڑی مبغوض چیز ہے۔ یہ پہلے رشتہ داروں کو توڑ دیتی ہے۔ یہ بیوی کا بیوی سے تبادلہ ہے) اَور [۲۰] اگر تمہاری ایسی ہی خواہش ہے، کہ بیوی کی جگہ بیوی بدل لو، اور تم نے اُن میں سے ایک (ایک) کو ڈھیروں مال دیا ہے، تو تم اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ کیا تم اُسے بہتان باندھ کے اور صریح گناہ کر کے لیتے ہو۔ اَور [۲۱] تم اُسے کیوں کر لیتے ہو، حالانکہ بعض تمہارا دوسرے بعض سے مِل چکا ہے، اور اُن (عورتوں) نے تم سے پختہ عہد لیا ہے (پھر تمہاری غیرت اور صداقت کدھر گئی ؟)

ہوں (یہ مصنوعی مائیں بہنیں ہیں۔ اصل ماں تو وہ ہوتی ہے، جس کے پیٹ سے آدمی پیدا ہو۔ حُرمت رضاعت کے سبب سے ہے۔ اس کے آگے اُس حُرمت کا ذکر ہے، جو نکاح کے سبب سے پیدا ہوتی ہے) اور تمہاری ساسیں اور تمہاری پچھ لگ بیٹیں، جو تمہاری پرورش (وحفاظت) میں ہوتی ہیں۔ (یہ خوشدامنیں اور ربائب) تمہاری اُن بیویوں (کی طرف) سے ہوں، جن کے ساتھ تم الگ ہوئے (یعنی صحبت کی) اور اگر تم اُن کے ساتھ الگ نہیں ہوئے، تو تم پر (اُن سے نکاح کرنے میں) کوئی گناہ نہیں

(زبانی نکاح کی غلطی ہاتھ لگانے سے پہلے نکالی جاسکتی ہے۔ اس میں گناہ تو کوئی نہیں، مگر مہر آدھا دینا ہوگا۔ اس سے غرض یہ ہے کہ ہاتھ لگا کر طلاق نہ دیا جائے، کیونکہ اس میں بسا اوقات سخت ظلم ہوتا ہے اور بڑا گُناہ کیا جاتا ہے

اس سے یہ اصول پیدا ہوتا ہے کہ خاوند کے لئے اپنی بیوی کے اور بیوی کے لئے اپنے خاوند کے سب اصول و فروع حرام ہیں۔ اسی طرح بیٹی بیٹے کے لئے اپنے تمام اصول کے خاوند اور بیویاں حرام ہیں، جیساکہ رکوع سابق کی آخری آیت سے ثابت ہے)۔ اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پُشتوں سے ہیں (اس سے ثابت ہوا کہ ماں اور باپ کے لئے اپنے تمام فروع کے خاوند اور بیویاں حرام ہیں) اور یہ (بھی حرام ہے) کہ (جب ضرورت پڑے، تو) دو بہنوں کو (ایک ساتھ نکاح میں) جمع کرو (بعض لوگوں کے نزدیک بیوی کی بہن حرام ہے، لیکن وہی لوگ بڑے زور کے ساتھ تاکید کرتے ہیں، کہ خاوند کی وفات کے بعد خاوند کا بھائی اپنی بھاوجہ کو اولاد جنائے۔ بعض لوگ فرماتے ہیں، کہ دیور دوسرے ور (بر) کو کہتے ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی اصول ہوسکتا ہے) ہاں، جو پہلے ہوچکا (اُس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ آئندہ ایسے نکاحوں کو حرام جانا جائے، تو) بلاشبہ اللہ بخشنے والا، رحم والا ہے۔ اور [۲۴] لونڈیوں کے سوائے باقی تمام عورات میں سے (خواہ وہ کسی مذہب کی ہوں) جو بھی خاوندوں والیاں ہیں (وہ سب تم پر حرام ہیں) یہ خدا کی لکھت ہے (جو اُس نے) تم پر (ساتھ کی آیت میں لکھدی ہے اور جن عورتوں پر جبر مذہبی کیا جاتا تھا اور اس لئے وہ اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے چلی جاتی تھیں، اُن کا حکم سُورتِ ممتحنہ میں ہے، اور نبی کی بیویاں اپنے اُس عہد کے سبب حرام کی گئی تھیں، جو انہوں نے خود ہی کیا تھا، جیساکہ

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ۔ (تیسرے رکوع میں عورتوں کے جبراً وارث بننے، اور باپ کی بیویوں سے نکاح کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ اس رکوع میں عورتوں کے حرام وحلال ہونے کا اور نکاح کے حقوق کا ذکر کیا جائے، اس لئے فرمایا) تم پر حرام کی گئی ہیں، تمہاری مائیں (یعنی تمہارے ماں اور باپ کے اصول یعنی دادیاں، نانیاں وغیرہ بھی) اور تمہاری بیٹیاں (یعنی تمہارے بیٹے، بیٹی کے فروع یعنی پوتیاں، نواسیاں وغیرہ بھی۔ پس عورتوں کی حلّت وحرمت کا پہلا اصول یہ ہے کہ ایک شخص کے لئے اُس کے کل اصول وفروع حرام ہیں، اگرچہ وہ زندہ اور قابلِ نکاح بھی سمجھے جائیں) اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری ماسیاں (یہ دوسرا اصول ہے کہ تمہارے لئے تمہاری بہنیں یا بھائی اور تمہارے اصول کی بہنیں اور بھائی سب حرام ہیں) اور تمہارے بھائی کی بیٹیاں اور تمہاری بہن کی بیٹیاں (یہ تیسرا اصول ہے کہ ہر بہن بھائی کے لئے اُس کے بہن بھائی کی اولاد بھی حرام ہے، اور اگر چوتھا اصول یہ بنایا جائے، کہ ایک بہن بھائی کی اولاد کے لئے، دوسرے بہن بھائی کی اولاد بھی حرام ہو، تو آدم اور حوّا علیہما السلام کی تمام اولاد آپس میں حرام ہو جائیں گے، اور کوئی کسی کے لئے حلال نہیں رہے گا

اِس آیت کے اخیر میں فرمایا ہے کہ اس حکم کے آنے سے پہلے لوگوں نے نادانی کے سبب بہنوں، بھتیجیوں وغیرہ سے نکاح کر لئے تھے۔ اُن کا معاملہ خدا تعالےٰ کی طرف ہے، آگے کو یہ حرام ہیں۔ انسان بھی شروع میں نادان تھے۔ اگر ابتداء میں الگ الگ بہت سے جوڑے بھی پیدا کئے جاتے، تو لوگ اپنی نادانی کے سبب ایسے ہی ناشائستہ کام کرتے۔ کئی جاہل آج تک بھی حکمِ مذہب سمجھ کر ایسے نکاح کرتے آتے ہیں، حالانکہ حلال عورتیں موجود ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔) (اسی طرح تم پر حرام ہیں) تمہاری وہ مائیں، جنہوں نے تم کو (تمہارے ابتدائی دو سال میں) دودھ پلایا، اور تمہاری وہ بہنیں، جو (تمہاری) رضاعت سے (ہی بنی)

ہوں (یہ مصنوعی مائیں بہنیں ہیں۔ اصل ماں تو وہ ہوتی ہے جس کے پیٹ سے آدمی پیدا ہو۔ حُرمت رضاعت کے سبب سے ہے۔ اس کے آگے اُس حُرمت کا ذکر ہے، جو نکاح کے سبب سے پیدا ہوتی ہے) اور تمہاری ساسیں اور تمہاری پچھ لگ بیٹیں، جو تمہاری پرورش (وحفاظت) میں ہوتی ہیں۔ (یہ خوشدامنیں اور ربائب) تمہاری اُن بیویوں (کی طرف) سے ہوں، جن کے ساتھ تم الگ ہوئے (یعنی صحبت کی) اور اگر تم اُن کے ساتھ الگ نہیں ہوئے، تو تم پر (اُن سے نکاح کرنے میں) کوئی گناہ نہیں

(زبانی نکاح کی غلطی ہاتھ لگانے سے پہلے نکالی جاسکتی ہے۔ اس میں گناہ تو کوئی نہیں، مگر مہر آدھا دینا ہوگا۔ اس سے غرض یہ ہے کہ ہاتھ لگا کر طلاق نہ دیا جائے، کیونکہ اس میں بسا اوقات سخت ظلم ہوتا ہے اور بڑا گناہ کیا جاتا ہے

اس سے یہ اصول پیدا ہوتا ہے کہ خاوند کے لئے اپنی بیوی کے اور بیوی کے لئے اپنے خاوند کے سب اصول و فروع حرام ہیں۔ اسی طرح بیٹی بیٹے کے لئے اپنے تمام اصول کے خاوند اور بیویاں حرام ہیں، جیساکہ رکوع سابق کی آخری آیت سے ثابت ہے) ۔ اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشتوں سے ہیں (اس سے ثابت ہوا کہ ماں اور باپ کے لئے اپنے تمام فروع کے خاوند اور بیویاں حرام ہیں) اور یہ (بھی حرام ہے) کہ (جب ضرورت پڑے، تو) دو بہنوں کو (ایک ساتھ نکاح میں) جمع کرو (بعض لوگوں کے نزدیک بیوی کی بہن حرام ہے، لیکن وہی لوگ بڑے زور کے ساتھ تاکید کرتے ہیں، کہ خاوند کی وفات کے بعد خاوند کا بھائی اپنی بھاوجہ کو اولاد جنائے۔ بعض لوگ فرماتے ہیں، کہ دیور دوسرے ور (بر) کو کہتے ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی اصول ہوسکتا ہے) ہاں، جو پہلے ہوچکا (اُس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ آئندہ ایسے نکاحوں کو حرام جانا جائے، تو) بلاشبہ اللہ بخشنے والا، رحم والا ہے۔ اور لونڈیوں کے سوائے باقی تمام عورات میں سے (خواہ وہ کسی مذہب کی ہوں) جو بھی خاوندوں والیاں ہیں (وہ سب تم پر حرام ہیں) یہ خدا کی لکھت ہے (جو اُس نے) تم پر (ساتھ کی آیت میں لکھ دی ہے اور جن عورتوں پر جبر مذہبی کیا جاتا تھا اور اس لئے وہ اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے چلی جاتی تھیں، اُن کا حکم سُورتِ ممتحنہ میں ہے، اور نبی کی بیویاں اپنے اُس عہد کے سبب حرام کی گئی تھیں، جو اُنہوں نے خود ہی کیا تھا، جیساکہ

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ
فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ
ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ۔ (تیسرے رکوع میں عورتوں کے جبراً وارث بننے، اور باپ کی بیویوں سے نکاح کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ اس رکوع میں عورتوں کے حرام و حلال ہونے کا اور نکاح کے حقوق کا ذکر کیا جائے، اس لئے فرمایا) تم پر حرام کی گئی ہیں، تمہاری مائیں (یعنی تمہارے ماں اور باپ کے اصول یعنی دادیاں، نانیاں وغیرہ بھی) اور تمہاری بیٹیاں (یعنی تمہارے بیٹے، بیٹی کے فروع یعنی پوتیاں، نواسیاں وغیرہ بھی۔ پس عورتوں کی حلت و حرمت کا پہلا اصول یہ ہے کہ ایک شخص کے لئے اُس کے کل اصول و فروع حرام ہیں، اگرچہ وہ زندہ اور قابلِ نکاح بھی سمجھے جائیں) اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری ماسیاں (یہ دوسرا اصول ہے کہ تمہارے لئے تمہاری بہنیں یا بھائی اور تمہارے اصول کی بہنیں اور بھائی سب حرام ہیں) اور تمہارے بھائی کی بیٹیاں اور تمہاری بہن کی بیٹیاں (یہ تیسرا اصول ہے کہ ہر بہن بھائی کے لئے اُس کے بہن بھائی کی اولاد بھی حرام ہے، اور اگر چوتھا اصول یہ بنایا جائے، کہ ایک بہن بھائی کی اولاد کے لئے دوسرے بہن بھائی کی اولاد بھی حرام ہو، تو آدم اور حوّا علیہما السلام کی تمام اولاد آپس میں حرام ہو جائیں گے، اور کوئی کسی کے لئے حلال نہیں رہے گا

اس آیت کے اخیر میں فرمایا ہے کہ اس حکم کے آنے سے پہلے لوگوں نے نادانی کے سبب بہنوں، بھتیجیوں وغیرہ سے نکاح کر لئے تھے۔ اُن کا معاملہ خدا تعالےٰ کی طرف ہے، آگے کو یہ حرام ہیں۔ انسان بھی شروع میں نادان تھے۔ اگر ابتداء میں الگ الگ بہت سے جوڑے بھی پیدا کئے جاتے، تو لوگ اپنی نادانی کے سبب ایسے ہی ناشائستہ کام کرتے۔ کئی جاہل آج تک بھی حکمِ مذہب سمجھ کر ایسے نکاح کرتے آتے ہیں، حالانکہ حلال عورتیں موجود ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔) (اسی طرح تم پر حرام ہیں) تمہاری وہ مائیں، جنہوں نے تم کو (تمہارے ابتدائی دو سال میں) دودھ پلایا، اور تمہاری وہ بہنیں، جو (تمہاری) رضاعت سے (ہی بنی)

(اس لونڈی کے لئے) بخشنے والا مہربان ہے

(اگر لونڈی سے نکاح نہ کیا جائے، تو زنا کے پھیلنے کا خوف ہے، جس سے اسلام بڑی سختی سے روکتا ہے اور اگر زنا سے بچنے کے لئے لونڈی کے نکاح کی اجازت دی جائے تو چونکہ لونڈیاں بیچی بھی جاسکتی تھیں، اس لئے اُن کے متعلق یہ اجازت بھی دینی پڑے گی، کہ اُن کا نکاح پر نکاح ہوتا رہے گا اور یہ بھی ایک مصیبت اور خواہ مخواہ کا فراق ہے۔ اسلام کا منشاء ہے کہ اس موجودہ غلامی کو بھی جہاں تک ممکن ہو ہٹا دیا جائے۔ ہاں قرآن نے آئندہ غلامی کو تو صراحۃً دُور کر دیا ہے)۔

رکوع ۵

٢٦ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ٢٧ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ
يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ۝ ٢٨ يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ
وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ۝ ٢٩ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم
بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ ٣٠ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ
نَارًا وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ ٣١ إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ
عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا ۝ ٣٢ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ
بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ
مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ ٣٣ وَ

اکیسویں پارہ کے اخیر میں ہے۔ یہ جبر اور عہد کے سبب حرام بن جاتی تھیں۔ ہاں عام اصول کے ماتحت وہی عورتیں دائمی حرام ہیں، جو اوپر مذکور ہوئیں) اور تمہارے لئے جو اس کے سوا ہیں (اصولاً سب) حلال ہیں، بشرطیکہ تم انہیں اپنے مالوں سے طلب کرو، اس حال میں کہ تم انہیں نکاح میں لے آؤ (کہ جب تک جیتے ہیں، ہم اُن سے الگ نہیں ہوں گے) نہ (محض). شہوت رانی کرنے کو، اور نہ پوشیدہ یار بنانے کو، پھر جس (کام کاج) کے ساتھ تم اُن سے فائدہ اٹھاؤ (یعنی نکاح کے فائدہ کے علاوہ تم اُن سے کوئی محنت کراؤ اور کپڑے دھلواؤ اور اپنی اولاد کو اُن سے دودھ پلواؤ) تو اُن کو اُن کی مزدوریاں دے دو، مقرر کردہ، اور اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم مقرر کرنے کے بعد آپس میں راضی ہو کر (کچھ کم و بیش) دے دو۔ بلاشبہ اللہ علم والا، حکمت والا ہے

(اس آیت میں حسب وعدہ لونڈیوں کا ذکر ہے) اور[۲۵] تم میں سے جو شخص آزاد مومنہ عورت سے نکاح کرنے کا (بھی) مقدور نہ رکھے (دوسری قوم کی عورت پر تو بڑا خرچ کرنا پڑتا ہے) تو وہ شخص تمہاری ایمان دار نوجوانوں میں سے، جو تمہاری لونڈیاں ہیں، اُن میں سے کسی کے ساتھ (نکاح کرے) اور تمہارے (دلی) ایمان کو تو اللہ ہی خوب جاننے والا ہے تم سب ایک ہی ہو، سو (اے لوگو) تم اُن (لونڈیوں) سے اُن کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو، اور اُن کے اجور (یعنی مہر اور دیگر حقوق خود) اُن کو دستور کے مطابق دے دو۔ وہ نکاح میں لائی گئی ہوں، شہوت نکالنے والیاں نہ ہوں اور نہ چھپی یاری پکڑنے والیاں ہوں۔ پھر جب وہ نکاح میں آجائیں، پھر اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں، تو اُن پر اُس سزا کا نصف ہے، جو دیگر خاوند والیوں پر ہے (اگر خاوند والیوں کو سنگسار کرنا جائز ہوتا، تو اس کا نصف محال ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سو جلدہ کی آیت اِس آیت سے پہلے نازل ہو چکی تھی) یہ (یعنی ایک مومنہ لونڈی سے نکاح کرنا) اُس شخص کے لئے ہے، جو تم میں سے زنا کا خوف کرے، اور (لونڈی کے نکاح سے) تمہارا صبر کرنا بہتر ہے (ممکن ہے کہ مالک غریب ہو جائے، اور اپنی لونڈی کو کسی دوسرے کے پاس بیچ دے، اور وہ اُسے دوسرے علاقے میں لے جائے، اور اپنے اِذن سے اُس کا دوسرے کے ساتھ نکاح کردے اور یوں اُس لونڈی کا پہلے خاوند کے باوجود دوسری جگہ نکاح کرنا لازم آئے) اور اللہ

ہے کہ کس طرح میاں بیوی کے معاملات کو سلجھائیں۔ انہیں
منتظم اور اللہ کے حضور جوابدہ ہو۔ اصل حاکم جس کے سوائے
۔ اس کا فرمان ہے کہ تمام نوعِ انسان کے ساتھ، خواہ
کے ساتھ پیش آؤ، تم تو اصلاح چاہنے والے اور اللہ کی
اصل حاکم نہیں ہو۔ پیشی کے دن جب شہادت دینے والے
خدا! ہم نے انہیں سمجھا دیا اور تیرا پیغام پہنچا دیا ہے، تو اس
رسول بھی ایک شہید اور مبلّغ ہی ہوتا ہے۔ جو لوگ خدا نع
اُن کے سمجھانے کے لئے رسول آتا ہے، تو وہ اُس کے
فرمانی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اُس وقت ایسی سخت ندامت
چاہتے ہیں کہ ہم مٹی ہوتے، سو کیا وہ ایسی خواہش کر کے اپنی
تو الگ رہی، اُن کی رُوح یا دل کے ساتھ، اگر کوئی بات
نہیں چھپا سکتے) [34] مرد عورتوں پر محافظ ہیں (یہاں مرد اور
نہیں، بلکہ محافظ و منتظم لوگ ہیں۔ وہ کیوں محافظ و نگران
سے کہ اللہ نے اُن کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور
مالوں کو خرچ کرتے ہیں (اگر عورتیں بھی قوّت و مال سے مدد
کمیٹی میں شامل ہو سکتی ہیں، مگر ہمیشہ مردوں کی ہی کثرت
نے اس طرح عورتوں کی حفاظت کر دی ہے۔ انہیں بھی چاہیئے،
کام کی غائبانہ مخالفت نہ کریں) پس نیک بخت عورتیں جو ہیں،
اپنی) پوشیدگی (کے کاموں) کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی
انتظاموں کے ساتھ خود) خدا نے اُن کی حفاظت کر دی ہے۔
توں کی سرکشی (اور قانون شکنی) کا تمہیں خوف ہو (کہ وہ اپنے
تی رہتی ہیں) تو تم اُنہیں نصیحت کرو، اور (اگر نصیحت کام نہ
کی) خوابگاہوں میں (تنہا) چھوڑ دو (یعنی خاوندوں کو کہو، کہ
(اگر یہ بھی مفید نہ ہو سکے، تو) اُنہیں مارو (یعنی سمجھدار عورتوں

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۗ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝

ترجمہ - (خدا تعالےٰ نے اس سے پہلے عورتوں اور یتیموں اور دیگر عاجزوں کے فائدہ کے لئے اصلاحیں پیش کی ہیں۔ اِس رکوع میں اُن کی خوبی دکھلائی ہے کہ دیکھو، میں نے تم پر کیسا احسان کیا ہے۔ تم اُن پر عامل بنو، بڑے گناہوں سے بچوگے، تو چھوٹے گناہوں سے بھی بچنے کی ترغیب پیدا ہوگی، اور یوں اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے جاؤ گے۔ اگر میں نے قدرتی طور پر یا وحی کے ذریعہ سے مناسب جان کر کسی کو کم و بیش عطا کیا ہے، تو تم اُسے چھیننے کی کوشش نہ کرو، اور کسی کے ساتھ حسد نہ رکھو۔ تم سب ایک ہی ہو، محبت و اتحاد کے ساتھ ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچ سکتا ہے)

اللہ کا ارادہ ہے کہ تمہارے لئے کھول کر بیان کرے (اور مناسب تفسیر کرتا جائے) اور تمہیں اُن لوگوں کے قاعدے سکھلائے، جو تم سے پہلے تھے (نیک سُنتیں تمام لوگوں سے سیکھ لینی مناسب ہیں) اور تم پر مہربانی کے ساتھ رجوع کرے، اور اللہ بڑا عالم، بڑا حکمت والا ہے۔ اور اللہ کا ارادہ ہے کہ (آگے کو بھی) تم پر رجوع کرتا جائے اور اُن لوگوں کا جو شہوات کے پیچھے چلتے ہیں، یہ ارادہ ہے کہ تم کج ہو کر بہت بڑی کجی میں پڑ جاؤ۔ اللہ کا ارادہ ہے کہ تم سے بوجھوں کو ہلکا کرے (یعنی فضول رسم و رواج ہٹا کے اصل اصلاح کی طرف لائے) اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے (اگر اُن پر فضول رسم و رواج کا بار ڈالا جائیگا، تو یہ اصل اصلاح سے رہ جائیں گے)

(بڑی اصلاحوں میں سے ایک یہ ہے کہ) اے (خدا کے) ماننے والو، اپنے مالوں کو آپس میں باطل (یعنی دغا و جبر) کے ساتھ مت کھاؤ۔ ہاں تجارت کی صورت میں آپس کی رضامندی سے (دھوکے اور جبر کے بغیر فائدے اُٹھا سکتے ہو۔ بعض لوگ مال کی محبت میں ایک دوسرے کو قتل بھی کر دیتے ہیں، اس لئے فرمایا) اور اپنے نفسوں کو قتل مت کرو۔ بلاشبہ اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے (اُسی سے فضل مانگو)۔

قیام کا ذکر ہے اور اُنہیں بتلایا ہے کہ کس طرح میاں بیوی کے معاملات کو سلجھائیں۔ اُنہیں
یہ بھی سکھایا ہے کہ تم تو صرف منتظم اور اللہ کے حضور جوابدہ ہو۔ اصل حاکم جس کے سوائے
کسی کا حکم نہیں، وہ خدا ہے۔ اُس کا فرمان ہے کہ تمام نوعِ انسان کے ساتھ، خواہ
اپنے ہوں یا پرائے، احسان کے ساتھ پیش آؤ، تم تو اصلاح چاہنے والے اور اللہ کی
شہادت دینے والے ہو۔ تم اصل حاکم نہیں ہو۔ پیشی کے دن جب شہادت دینے والے
شہادت دیتے ہیں کہ اے خدا! ہم نے اُنہیں سمجھا دیا اور تیرا پیغام پہنچا دیا ہے، تو اُس
وقت اُن کا کیسا حال ہوگا۔ رسول بھی ایک شہید اور مبلغ ہی ہوتا ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ
کے منکر ہوتے ہیں، جب اُن کے سمجھانے کے لئے رسول آتا ہے، تو وہ اُس کے
لائے ہوئے پیغام کی بھی نافرمانی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اُس وقت ایسی سخت ندامت
اور حسرت ہوتی ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہم مٹی ہوتے، سو کیا وہ ایسی خواہش کر کے اپنی
ہستی کو مٹا سکتے ہیں۔ ہستی تو الگ رہی، اُن کی رُوح یا دل کے ساتھ، اگر کوئی بات
لگی ہوتی ہے، وہ اُسکو بھی نہیں چھپا سکتے) [۳۴] مرد عورتوں پر محافظ ہیں (یہاں مرد اور
عورت سے مراد میاں بیوی نہیں، بلکہ محافظ و منتظم لوگ ہیں۔ وہ کیوں محافظ و نگران
بنائے گئے ہیں) اس سبب سے کہ اللہ نے اُن کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور
اس سبب سے کہ وہ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں (اگر عورتیں بھی قوت و مال سے مدد
دے سکیں، تو وہ بھی اس کمیٹی میں شامل ہو سکتی ہیں، مگر ہمیشہ مردوں کی ہی کثرت
رہے گی۔ دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس طرح عورتوں کی حفاظت کر دی ہے۔ انہیں بھی چاہیئے،
کہ وہ اِس کمیٹی کے اصلاحی کام کی غائبانہ مخالفت نہ کریں) پس نیک بخت عورتیں جو ہیں،
وہ حکم پر چلنے والیاں، (اپنی) پوشیدگی (کے کاموں) کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی
ہیں، اِس لئے کہ (ایسے انتظاموں کے ساتھ خود) خدا نے اُن کی حفاظت کر دی ہے۔
اور (اے منتظمو!) جن عورتوں کی سرکشی (اور قانون شکنی) کا تمہیں خوف ہو (کہ وہ اپنے
خاوندوں کو بے جا ستاتی رہتی ہیں) تو تم اُنہیں نصیحت کرو، اور (اگر نصیحت کام نہ
دے سکے، تو) اُن کو (اُن کی) خوابگاہوں میں (تنہا) چھوڑ دو (یعنی خاوندوں کو کہو، کہ
اُن کے پاس نہ جائیں) اور (اگر یہ بھی مفید نہ ہو سکے، تو) اُنہیں مارو (یعنی سمجھدار عورتوں

نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَإِنْ
أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ ٣٥ وَإِنْ خِفْتُمْ
شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِنْ يُّرِيْدَا إِصْلَاحًا
يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ ٣٦ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا
بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي
الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ
إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ ٣٧ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ
النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَا آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ ٣٨ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاءَ قَرِيْنًا ۝ ٣٩ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ
لَوْ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ
عَلِيْمًا ۝ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ
مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ٤١ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ
عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا ۝ ٤٢ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى
بِهِمُ الْأَرْضُ ۗ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝ ع

ترجمہ :- اس رکوع میں عورتوں کی اصلاح وحفاظت کے لئے مجلس شوریٰ کے

خود اُن کے ہمسائے ہو۔ اسی طرح صاحب الجنب یعنی ہم نشین کے مقابلہ میں غلاموں کو پیش کیا گیا ہے، جن کو لوگ اپنے برابر نہیں بٹھاتے۔ پس ہمیں چاہیئے کہ ہم اُن کے بھی ہم نشین بنیں۔ یہاں ہمیں سکھایا گیا ہے کہ سلوک پہلے اپنوں سے شروع کرو، لیکن جب پرایوں کی باری آئے تو اُنہیں بھی اپنا ہی سمجھو، اور ایسا سلوک و احسان کرو، جیسا کہ اپنے اپنوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں) بلاشبہ اللہ اُس شخص کو جو پُردماغ اور شیخی باز ہو، دوست نہیں رکھتا۔

(پُردماغ جو مسکینوں کو میلا کچیلا سمجھتے اور حقیر جانتے ہیں، اور نہیں چاہتے کہ انہیں بڑھائیں، وہ ہیں) جو (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم کرتے ہیں اور جو اللہ نے اُنہیں اپنے فضل سے دیا ہے، اُسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے (اُن کے کفر کے سبب سے) ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ ۳۸ اور (شیخی باز وہ ہیں) جو اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھلانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور پچھلے دن پر ایمان نہیں رکھتے (یہ شیخی کے کام اُن کے شیطان دوست اُن سے کراتے ہیں) اور جس کا شیطان رفیق ہو، تو وہ بُرا ہی رفیق ہے۔ ۳۹ اور اُن کا کیا بگڑتا، اگر وہ اللہ کو اور پچھلے دن کو مانتے، اور جو اللہ نے اُنہیں دیا ہے (مناسب طور پر) خرچ کرتے، اور اللہ اُن کو جاننے والا تھا۔ ۴۰ بلاشبہ اللہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو، تو اُسے بڑھاتا رہتا ہے، اور اپنے حضور سے بڑا اجر دیتا ہے۔ ۴۱ سو کیا حال ہوتا ہے، جب ہم ہر ایک جماعت سے ایک گواہ لاتے ہیں، اور تجھے اُن پر گواہ لائیں گے۔ ۴۲ اُس دن وہ لوگ جو (اپنے رب کے) کافر ہوئے، اور (پھر رسولؐ کے سمجھانے کے باوجود) اُنہوں نے رسول کا کہنا نہ مانا، اِس بات کو دوست رکھتے ہیں، کہ کاش زمین اُن پر برابر کردی جائے (یعنی وہ مٹی ہو کر مٹ جائیں) اور وہ اللہ سے کسی ایک بات کو (بھی) نہیں چھپاتے

رکوع ۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ

کے ذریعہ سے انہیں پٹواؤ) پھر اگر وہ تمہارا کہا مانیں، تو (پھر) تم اُن پر (الزام کا) کوئی رستہ تلاش نہ کرو (اور پچھلی باتوں کو بھلادو) بلاشبہ اللہ بڑا فائق اور بہت بزرگ ہے (تم صرف اُس کے حکم کے ماتحت منتظم ہو۔ اگر کوئی خود رائی کروگے تو وہ تمہیں سزا بھی دے گا)۔ ۳۵ اور (اے حاکمو!) اگر تمہیں اُن دونوں (یعنی میاں بیوی) کی مخالفت (یا مقابلہ) کا خوف ہو، تو تم ایک منصف میاں کے اہل سے اور ایک منصف بیوی کے اہل سے کھڑا کرو، اگر وہ دونوں (منصف) اصلاح (یعنی سنوار) کا ارادہ کریں گے، تو اللہ اُن دونوں (یعنی میاں بیوی) کے درمیان موافقت پیدا کردے گا (ورنہ حاکم اُن میں بالآخر علیحدگی کرادیں گے) بلاشبہ اللہ (تمہاری کوششوں کو) جاننے والا (تمہاری نیتوں سے) خبردار ہے

(تم صرف منتظم اور خلیفے ہو، اور اصل حاکم اللہ تعالےٰ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تم سب ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرو) ۳۶ اور اللہ کی عبادت کرو (یعنی ہر بات میں اُسی کی رضا کو مقدّم رکھو) اور اُس کے ساتھ کسی کو نہ ملاؤ (مقدم رضا صرف ایک ہی ہوسکتی ہے، دو رضائیں ایسی نہیں ہوسکتیں، کہ دونوں ہی مقدم ہوں) اور احسان کرو، ماں باپ کے اور رشتہ داروں کے ساتھ، اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ۔

(یہاں ماں باپ کے مقابلہ میں یتیموں کو، جن کے ماں باپ نہیں ہوتے، لایا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرو اور جن لوگوں کے ماں باپ نہیں ہیں، تم خود اُن کے ماں باپ کی طرح بن کر دکھلاؤ۔ اِسی طرح رشتہ داروں کے مقابلہ میں مسکینوں کو جو تمہارے رشتہ دار نہیں ہیں، پیش کیا گیا ہے۔ اس سے یہ سکھانا مقصود ہے کہ تم اُن لوگوں سے جن کے رشتہ دار نہیں ہیں، رشتہ داروں کی طرح احسان کرو، اور بیکس ہونے کے غم کو اُن کے دل سے نکال دو) اور قریب کے ہمسایہ اور دُور کے ہمسایہ (ان میں ایک محلّہ کے لوگ، بلکہ ایک شہر کے لوگ، بلکہ ایک ملک کے لوگ سب داخل ہوسکتے ہیں) اور پہلو کے ساتھی (ان میں تمام ہم جماعت، ہم پیشہ، ہم سفر، میاں بیوی وغیرہ سب شامل ہیں) کے ساتھ، اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ (اِن سب کے ساتھ احسان وسلوک کرو۔

اِس جگہ ہمسایہ کے مقابلہ میں مسافر لایا گیا ہے، جو اپنے ہمسائیوں سے الگ ہوا کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ تم ہمسایوں کے ساتھ ہمسایہ والا سلوک کرو، اور جو اپنے ہمسایوں سے دُور ہیں

خاص اپنے اپنے طرزِ اعمال کو ہی اصل ٹھہراتے ہیں اور الفاظ ہی کے ہیر پھیر کو بڑی کاریگری سمجھتے ہیں۔ جب تک توحیدِ الٰہی کو اصل نہ بنایا جائے، تمام ظاہری اعمال ہیچ ہیں۔ عقبےٰ میں وہ کچھ کام نہیں دے سکتے۔ توحیدِ الٰہی سے انسانی حُرّیت و مساوات کا سبق ملتا ہے۔ اگر کسی بندے کو خدا تعالےٰ کی صف میں بٹھایا جائے، تو یہ شرک ہے اور اگر اُسے دوسرے بندوں کے ساتھ ملایا جائے تو یہی حُرّیت و مساوات کی جڑ ہے۔ اللہ کی عبادت ہر حال میں کی جاسکتی ہے۔ ہاں جب دوسرے لوگوں کے ساتھ عبادت کرنی ہو، تو پانی سے یا بوقتِ ضرورت مٹی سے پاکیزگی حاصل کرنی چاہیئے۔ ایک قوم جو اپنے اپنے رسم و رواج کے لحاظ سے اپنے آپ کو دوسری اقوام کے مقابلہ پر پاک ٹھہراتی ہے۔ یہ افتراء علی اللہ اور گناہِ عظیم ہے

اس رکوع کی پہلی آیت کے متعلق چند باتیں قابلِ غور ہیں:۔

اوّل۔ جب کہا جاتا ہے ولا یأتون الصلوٰۃ الا وھم کسالیٰ ۹/۱۳ یعنی جب منافق نماز کی طرف آتے ہیں، تو بے دلی (اور سستی) کے ساتھ آتے ہیں۔ تو اس وقت صلوٰۃ سے گھر میں اکیلے نماز ادا کرنا مراد نہیں ہوتا، بلکہ باجماعت نماز میں شامل ہونے کو نماز کی طرف آنا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حکم کیا گیا ہے واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ ۴/۱۸ یعنی جب نماز کی طرف اُٹھ کر آتے ہیں، تو بے دلی (اور سستی) کے ساتھ اُٹھتے ہیں۔ اس جگہ بھی نماز سے وہاں آنا مراد ہے، جہاں نماز ادا کی جاتی ہے۔ یہی حال یدعون الی الصلوٰۃ اور نادیتم الی الصلوٰۃ وغیرہ کا بھی ہے۔ جب حاکم نماز کی طرف بلائیں، تو حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہ حاضری بتلاتی ہے کہ اس سے مراد وہ نماز ہے، جس میں چل کر شامل ہونا پڑتا ہے

اس رکوع کے شروع میں لا تقربوا الصلوٰۃ فرمایا ہے۔ اس آیت میں بھی قرب سے قربِ مکانی ہی مراد ہے، یعنی شمولیتِ نماز کے لیئے اُس جگہ کے قریب مت جاؤ، جہاں نماز ہوتی ہے، لیکن یہاں نماز کے قریب ہونے سے فعلِ نماز کے قریب ہونا، حرام نہیں کیا گیا، اگر کوئی شخص تنہائی میں بلا وضو نماز پڑھ لے، تو عام لوگ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص کی خاص وضع والی نماز نہیں ہوئی اور اس نے فرض ادا نہیں کیا، لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا، کہ اس شخص نے عام طور پر ذکرِ الٰہی بھی نہیں کیا۔ پس جس کام کے کرنے سے عام ذکرِ الٰہی ہی ہوجائے اور فرض کی جگہ نفل ہی ہوجائے، تو کیا اُسے حرام کہہ سکتے ہیں؟ لا تقربوا الصلوٰۃ کے

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا
صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ۝ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآىِٕكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى
بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۝ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى
الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ
وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ
اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ
وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ
اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ
يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ ع

ترجمہ - (اِس سے پہلے رکوع میں اصل نیکیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ توحیدِ الٰہی اور مخلوق کے ساتھ احسان کرنا ہے۔ پہلے رکوعوں میں بھی اسی کی تشریح و تفصیل موجود ہے۔ اس رکوع میں فرمایا ہے کہ لوگ اصل نیکیوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے، وہ صرف رسم و رواج اور

تو معنے یہ ہوں گے، کہ اگر تم جنب ہو، اور جنب کی حالت میں جائے ضرور سے آؤ، تو یہ بالکل بے معنی بات ہوگی۔ کیا جنب کا پاخانے سے کوئی تعلق ہے؟ پھر یہ بھی کہا جا سکے گا، کہ جب تم جنب ہو اور پھر عورتوں سے بھی صحبت کرو۔ کیا اِن دونوں میں کوئی آپس میں تعلق ہے۔ اِس سے بھی صاف معلوم ہوگا، کہ جنب ہونا اور لمسِ نساء دو جداگانہ چیزیں ہیں

چہارم - عابری سبیل اور علیٰ سفرٍ میں بھی فرق ہے۔ جنب کے لئے عبور سبیل معاف ہے، اور جنب کے بغیر علیٰ سفرٍ کے لئے الگ حکم ہے۔ اِس حکم کا جنب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، ورنہ تمام شرائط کو جنب کے ساتھ ملانا پڑیگا وغیرہ وغیرہ)۔

ے ایمان والو! جس حال میں کہ تم نشہ میں ہو (موضع) نماز کے قریب نہ جاؤ، جب تک کہ نہ جانو، کہ تم کیا کہتے ہو (شراب کی ممانعت سورۂ بقرہ میں آچکی ہے، لیکن اگر کسی نے پی لی ہو، تو وہ گھر میں ہی بیٹھا رہے اگر وہ باجماعت نماز میں حاضر ہوگا، تو دوسرے لوگوں کی نماز کو بھی خراب کرے گا۔ شراب پینے کا گناہ الگ ہے، اور لوگوں کو ستانا ایک علیحدہ خرابی ہے) اور نہ (جماعت سے) الگ رہنے کی حالت میں، جب تک کہ (خوب طرح سے) نہا نہ لو، مگر راہ چلتے ہوئے (اگر ضرورتاً پاس سے گذر جاؤ، تو معاف ہے) اور اگر تم (معمولی) مریض ہو، یا سفر پر ہو، یا تم میں سے کوئی پاخانہ سے آئے (اس میں سکھایا ہے کہ مرد و عورت اکھٹے بیٹھ کر پاخانہ نہ کریں) یا تم عورتوں سے مِلو، سو تم پانی نہ پاؤ، تو پاک مٹی (خاکستر) کا قصد کرو، سو تم اُس سے اپنے مُونہوں اور اپنے ہاتھوں کو مَل لو (اور خوب صاف کر لو، کیونکہ اللہ کا ارادہ ہے کہ تمہیں طاہر و صاف کرے) بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔ کیا تونے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا، جن کو کتاب سے ایک حصّہ (رسم و رواج کا) ملا ہے (وہ صورت پر مرتے اور حقیقت سے بے خبر ہیں) وہ گمراہی کو خرید رہے ہیں، اور ارادہ کرتے ہیں کہ تم بھی (اصل) رستہ سے بہک جاؤ۔

(مذہبی لوگ اپنی اپنی خاص رسوم کی خاطر ایک دوسرے کو کافر و واجب القتل جانتے ہیں۔ بے ضرر لوگوں کے برخلاف بھڑکاتے ہیں، اور انہیں ہر طرح سے نقصان پہنچانے

معنی تو یہ ہوں گے، کہ تنہائی میں بے وضو نماز ادا کرنا ایسا گندہ فعل ہے، کہ اس سے عام ذکر الٰہی بھی نہیں ہوتا۔

دیکھئے، زنا قطعاً حرام ہے۔ اس کے مبادی میں گھسنا بھی حرام ہے۔ زنا اور اس کے مبادی تمام حرام ہیں۔ کیا اسی طرح نماز اور اس کے مبادی بھی حرام ہیں۔ کیا نہانا، دھونا اور نشے کو زائل کرنے کے لئے کوئی دوا کھانا اور نماز کے لئے ہوشیار بننے کی کوشش کرنا سب حرام ہیں؟ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ شرک کے قریب نہ جاؤ، لیکن یہ نہیں بولا جا سکتا کہ توحیدِ الٰہی کے قریب نہ جاؤ۔ ایسے الفاظ بُرے کاموں سے ممانعت کے لئے آتے ہیں۔ نیک کاموں پر نہیں بولے جا سکتے۔ تنہائی کی نماز سے کوئی چیز روکنے والی نہیں ہو سکتی، بندے کو نماز سے روکنا ابو جہل کا کام ہے۔ خدا تعالےٰ نے اس جگہ باجماعت نماز سے روکا ہے، نہ مطلق نماز سے، تاکہ جماعت میں خلل واقع نہ ہو۔

دوم "جنبًا" کے متعلق فرمایا ہے کہ رہ چلنے کے سوائے باقی تمام حالات میں نہا کر آنا چاہیئے۔ لیکن آیت کے دوسرے حصّہ میں ہے کہ "لٰمستم النساء" کی صورت میں تیمم ہی کافی ہے۔ اگر جنب اور لمسِ نساء کے ایک ہی معنے ہوتے، تو آیت کے ان دونوں حصّوں میں سخت اختلاف واقع ہوتا۔ پس جنب کے معنے ایسی حالت کے ہیں، جس میں جماعت سے الگ رہنا لازم ہے۔ اس سے پہلے رکوع میں جنب بمعنی اجنبی آیا ہے۔ متعدی مریضوں کے تیمار داروں کو اور بے زن لوگوں کو، جن کے جذبات بھڑکے ہوئے ہوں، نہا دھو کر آنا چاہیئے۔ سخت مریض تو بہر صورت حاضری سے قاصر ہیں، وہ جب تندرست ہو کر غسلِ صحت کر لیں گے، جب حاضر ہو سکیں گے، لیکن متعدی مریضوں کے تیمار دار، اگر ضرورت ہو، تو نہا کر اور خوب پاک صاف ہو کر آئیں۔ اور بعض مریض ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے حاضر ہونے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، وہ اگر پانی نہ ملے، تو مٹی سے صفائی حاصل کر کے آ سکتے ہیں۔ یہ باجماعت نماز کے لئے زیادہ پاکیزگی کا حکم ہے ورنہ گندگیوں کو تو بہر صورت جسم سے دُور کرنا چاہیئے

سوم۔ اس آیت میں تمام شرطیں الگ الگ ہیں۔ ان کو اکٹھا کر دینا ٹھیک نہیں لیکن اگر کہا جائے، کہ جنب کی حالت میں ہی وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر الخ کا حکم ہے۔

پاس ہے۔ اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم (تمہاری قوم کے) مکھوں کو مٹا دیں۔ پھر انہیں اُن کی پیٹھوں پر (یعنی اُن کی پہلی ذلیل حالت پر) موڑ دیں

(قرآن مجید میں کئی جگہ وجوہ سے وجوہ والے لوگ مراد ہیں۔ دعنت الوجوہ للحی القیوم ۱۶/۱۵ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ۔ ووجوہ یومئذ باسرۃ۔ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ ۲۹/۱۷ - وجوہ یومئذ مسفرۃ۔ ضاحکۃ مستبشرۃ۔ ووجوہ یومئذ علیھا غبرۃ ترھقھا قترۃ اُولٰئِکَ ھم الکفرۃ الفجرۃ ۳۰/۵ وجوہ یومئذ خاشعۃ۔ عاملۃ ناصبۃ تصلٰی نارا حامیۃ۔ تسقی من عین انیۃ۔ لیس لھم طعام اِلّا من ضریع ۳۰/۱۳ وجوہ یومئذ ناعمۃ لسعیھا راضیۃ۔ فی جنۃ عالیۃ لا تسمع فیھا لاغیۃ ۳۰/۱۳ - آیت زیر تفسیر میں وجوھاً سے مراد با وجاہت لوگ یعنی رئیس و سردار یا مکھی ہیں۔ راغب وجوہ کے معنے سردار بتلاتا ہے۔ اس جگہ پہلے وجوہ کے لفظ کے اعتبار سے ھا کی ضمیر لائی گئی ہے، مگر چونکہ حقیقت کے لحاظ سے وہ آدمی تھے، اس لئے آگے ضمیر ھُم کی آتی ہے۔ اس کے نمونے اُوپر کی آیات میں بھی موجود ہیں) یا ہم اُن پر (ویسی) لعنت کریں جس طرح ہم نے ہفتہ والوں پر لعنت کی تھی (اس آیت سے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب السبت پر جو لعنت ہوئی تھی، وہ ایک قدرتی فعل ہے۔ وہ اب بھی اپنے موقعہ پر ہوسکتا ہے) اور خدا کا کام (ہمیشہ اپنے موقعہ پر) کیا جاتا رہا ہے

(ایسی سزا شرک کا نتیجہ ہے۔ مُشرک کا فہم جاتا رہتا ہے۔ وہ انسانیت سے نکل جاتا ہے) بلاشبہ اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس کے سوا ہیں، اُنہیں جس کے لئے چاہتا ہے، بخش دیتا ہے (ایک گناہ، خدا تعالےٰ کے ساتھ مقابلہ و دشمنی و بغاوت کے سبب سے کئے جاتے ہیں، وہ بغیر پوری سزا کے نہیں بخشے جاتے۔ ایک گناہ غصہ و شہوت کے جذبات سے ہوتے ہیں اور لوگوں کے حقوق غصب کئے جاتے ہیں۔ آخرت میں اُن کی سزا بھی پوری ملے گی، لیکن کئی گناہ نافہمی و خطا و نسیان سے ہوتے ہیں۔ اگر خدا تعالےٰ کی پاک مرضی مناسب دیکھے، تو اُن میں انسان کو معذور پاکر معاف کر سکتی ہے۔ یہ آخرت کا معاملہ ہے۔ دُنیا میں توبہ و استغفار و علاج و اصلاح کے ساتھ اگر معافی ہو جائے، تو یہ علیحدہ بات ہے) اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرے، تو اُس نے بڑا گناہ باندھا

کی کوشش کرتے ہیں، یہی لوگ تمہارے دشمن ہیں) اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ کافی سرپرست اور کافی مددگار ہے۔ ان لوگوں سے جو یہودی ہوئے، کئی لوگ کلموں کو اُن کے (مناسب) موقعوں سے بدل ڈالتے ہیں (اور کلام میں تقدیم وتاخیر بتلا کر رسموں کے مطابق معنی کر لیتے ہیں) اور (ان کے کلام میں ہیر پھیر کرنے کی یہ مثالیں ہیں کہ یہ) کہتے ہیں کہ ہم نے سُنا اور نہیں مانا (اس کے دو معنے ہیں کہ ہم نے حکم الٰہی کو سُن لیا، لیکن ہم عاصی اور گنہگار ہیں۔ اپنی عاجزی کے اظہار کے لئے وہ یہی معنے کرتے ہیں۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ ہم نے سُنا، لیکن ہم اسے نہیں مانتے۔ اپنے دل میں وہ یہی معنے لیتے تھے) اور (یہ بھی کہتے ہیں) تو سن اس حال میں کہ تو نہ سُنایا گیا ہو (اس کے تعریفی معنے یہ ہیں، کہ تو ہماری بات سن اور کوئی شخص تجھے کوئی مکروہ بات نہ سُنائے۔ سب لوگ خوشی سے تیری باتوں کو مانیں۔ دوسرے معنے بُرائی کے یہ ہیں کہ تو سُن، خدا کرے کہ تو بہرا ہو جائے اور تو کوئی بات نہ سُن سکے یا تو کسی کی اچھی بات کو بھی قبول نہ کر سکے) اور اپنی زبانیں مروڑ کر اور دین میں طعن دے کر راعنا کہتے ہیں۔ اس کے تعریفی معنے یہ ہیں کہ تو ہماری رعایت کر، اور ایسی تفصیل کے ساتھ بیان کر، کہ ہم بیوقوف بھی سمجھ لیں، لیکن وہ راعنا کو زبان مروڑ کر راعینا یعنی ہمارے بکریاں چرانے والے یا راعنا یعنی اے کوئی احمق ومتکبر کے معنے میں لیتے تھے اور یہی معنے دِل میں چھپاتے تھے) اور اگر یہ لوگ کہتے، ہم نے (خدا کے حکموں کو) سنا اور ہم نے (اُن کی) اطاعت کی اور تو (ہماری رائے) سُن، اور ہمیں (سوچنے اور سمجھنے کے لئے) ڈھیل (یا موقعہ) دے، تو اُن کے لئے زیادہ اچھی اور زیادہ سیدھی بات ہوتی (لیکن وہ کلام کے ایسے ہیر پھیر کو ایک خوبی اور صنعت سمجھتے تھے، مگر یہ ایک لعنت تھی) ولیکن اللہ نے اُن کو اُن کے کفر کے سبب اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے سو وہ کم ہی مانتے ہیں

(چونکہ یہ لوگ اصل ہدایت اور خاص کر توحیدِ الٰہی سے رُوگردان تھے، اِس لئے انہیں سچے ایمان کی تاکید کی، اور مخالفت کی صورت میں اُس کے بدنتیجہ سے ڈرایا) اے لوگو! جن کو کتاب دی گئی ہے (قرآن کی) اس (پیش کردہ ہدایت) پر جسے ہم نے (ہی) نازل کیا ہے۔ (پھر) جبکہ یہ اُس (تعلیم) کی تصدیق کرنے والی (بھی) ہے، جو تمہارے

اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا ○

۵۹ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ؕ ذٰ لِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ○

ترجمہ - (اس رکوع میں یہود کے تعصب مذہبی کو دکھلایا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر انہیں بادشاہی کا کوئی حصہ ملے، تو یہ دوسرے مذاہب کو اپنے تعصب کی وجہ سے خالی رکھیں گے۔ جب دُنیا میں ایسا اندھیر ہے، تو لازم ہے کہ حقداروں کو اُن کے حقوق پہنچانے کے لئے ایماندار عدالتیں قائم کریں۔ عدالت کا پہلا اصول یہی قائم کیا گیا ہے)

۵۱ کیا تو نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا، جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے (وہ ظاہری رسوم اور شکلوں اور لباسوں وغیرہ پر بڑا زور دیتے ہیں، لیکن اخلاص واحسان کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اُن کا علاقہ علم وانصاف کے ساتھ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ علم کی جگہ جہت یعنی جادو اور توہمات کو دیتے ہیں اور امن وانصاف کی جگہ طغیان وبغاوت کو پسند کرتے ہیں) وہ جادو اور سرکشی (کے سامانوں) پر ایمان (و یقین) رکھتے ہیں اور (اُن کے تعصب کا یہ حال ہے، کہ) وہ کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ رستہ کے لحاظ سے (خدا کے) ماننے والوں سے زیادہ ہدایت پر ہیں

(بعض لوگ اس وقت بھی لوگوں کو رد کرنے کے لئے کہا کرتے ہیں، کہ اگر تم دہریہ بن جاتے یا کسی کی عورت کو اغوا کر کے لے آتے، تو ہم تمہاری مدد کرتے۔ افسوس! تم نے ہمارے برخلاف اصلاحوں کو کیوں مان لیا۔ ایسے لوگ حکمت سے، جو خیر کثیر ہے، دُور رہتے ہیں) ۵۲ یہی لوگ ہیں، جن کو اللہ نے لعنت کی ہے اور جس کو اللہ لعنت کرے (یعنے اُسے اپنی رحمت سے دُور کر دے) تو تُو (اے رسولؐ) اُس کے لئے کوئی مددگار نہیں پائیگا۔ (یہ لعنت انسانوں کے اپنے کاموں اور نیتوں ہی کا نتیجہ ہے)۔

(اکثر لوگ باوجود مشرک ہونے کے اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کی خاص قوم سمجھتے ہیں اور اپنی پاکیزگی کا دعوےٰ کرتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کو جو اُن کے رسوم کے پابند نہیں، پلید جانتے ہیں۔ اس لئے فرمایا) کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا، جو اپنے آپ کو پاک ٹھہراتے ہیں (ایسا نہیں ہو سکتا) بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے، پاک ٹھہراتا ہے اور اُن پر تاگے کے برابر ظلم نہیں کیا جاتا۔ (ایسے دعوے سراسر افترا ہیں) دیکھ یہ اللہ پر کس طرح جھوٹ باندھتے ہیں، اور یہ (بات خود ہی) ایک صریح گناہ ہے

رکوع ۸

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ
وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ○ اُولٰٓئِكَ
الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ○ اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ
مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ○ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ
اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ
مُّلْکًا عَظِیْمًا ○ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَکَفٰی بِجَهَنَّمَ
سَعِیْرًا ○ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ۚ کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ
بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ○ وَالَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۚ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ○
اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ

اور حقداروں کو اُن کے حقوق پہنچا دیا کرو۔ عدل وہ ہے، جس کو اللہ تعالےٰ نے قدرتی طور پر عدل بنایا ہے۔ کوئی شخص انصاف کو بے انصافی اور ظلم کو عدل نہیں بنا سکتا۔ پس قوانینِ عدل کی پیروی خدا تعالےٰ کے آئین کی پیروی ہے۔ اگر دو شخصوں میں اپنے اپنے حقوق کے متعلق اختلاف ہو، تو دونوں فریق امن کے ساتھ بیٹھ کر سوچیں کہ ہمارے معاملہ میں قانون انصاف کیا ہے۔ اگر متحد ہو جائیں، تو اُسی پر فیصلہ کر لیں، ورنہ وہ حکّام کی طرف متوجہ ہوں۔

حکّام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اعلےٰ حاکم، جس کے آگے آخری اپیل کی جائے اور مقدمہ کا خاتمہ کر دیا جائے اور دوسرے ماتحت حکّام۔ رسولِ کریم کے لئے اپنی زندگی میں ان ماتحت حکّام کے بغیر ایک شہر کے مقدمات کا فیصلہ کرنا بھی مشکل تھا۔ آپ کے ماتحت بھی اولوالامر تھے۔ پھر اگر ان حاکموں کے ذریعہ سے قانونِ عدل کا پتہ لگ جائے، تو اسی پر فیصلہ کر لیا جائے۔ اگر اس کے بعد بھی فریقین میں تنازع باقی رہے، تو لازم ہے کہ فریقین امن کے ساتھ بیٹھکر قوانینِ عدل پر دوبارہ غور کریں۔ اس وقت حکّام کی بحثوں سے انہیں بہت کچھ علم حاصل ہو گیا ہوگا۔ لیکن اگر اس وقت تک بھی اُن میں اختلاف موجود ہو، تو مقدمہ کو ختم کرنے کے لئے آخری علاج یہ ہے کہ مقدمہ کو آخری عدالتِ اپیل کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے اور حاکمِ اعلےٰ کے فیصلہ کو بلا چون وچرا تسلیم رکھا جائے۔ وہ حاکمِ اعلےٰ خود فیصلہ دے یا منصف مقرر کرکے یا مشورے کے بعد فیصلہ کرے۔ اس فیصلہ پر مقدمہ ختم ہو جائے گا۔ اعتقادیات میں خدا تعالےٰ کے سوائے کوئی حکم نہیں ہو سکتا، لیکن حقوق کے دلانے میں آخری فیصلہ زندہ اعلےٰ حاکم پر ہی چھوڑا جا سکتا ہے۔ سزاؤں کا فیصلہ بھی عام لوگوں کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔

الحاصل، اس طریق سے مقدمات صحت کے قریب لائے جا سکتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ایسے تمام فیصلے وحی الٰہی ہی ہوں گے، یا اس قسم کے مقدمات کو آئندہ عدالتوں میں پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں

نزولِ قرآن کے وقت میں رسولِ کریم اعلےٰ حاکم تھے۔ آپ کی حکومت عرب کے اندر اندر ہی تھی۔ دوسرے ممالک کے لئے حضور صلعم اپنی زندگی میں ہی آخری عدالتِ اپیل نہیں تھے۔ اسی طرح حضورؐ کے بعد حضورؐ کے خلفاء اعلےٰ حاکم ہیں، یا وہ حکّام بھی، جن کے آخری فیصلوں کو ماننا اور اُن کی سزاؤں کو مقابلہ کرنے کے بغیر برداشت کرنا، ماتحتوں کے لئے

(ایسے تعصب والوں کو اگر حکومت ملے، تو یہ مومنوں کو کیا دیں گے) ۵۳ یا کیا ان کے لئے بادشاہی کا کوئی حصہ ہے (اگر ایسا ہوتا) تو جب تو یہ (اور) لوگوں کو ذرہ برابر بھی نہ دیتے۔ ۵۴ یا کیا یہ (لوگ) آدمیوں کے ساتھ اس بات پر حسد کرتے ہیں، جو خدا نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے۔ سو ہم نے ابراہیمؑ کی آل کو کتاب اور سمجھ اور بڑا ملک عطا کیا تھا (وہ سب کے ساتھ انصاف کے ساتھ پیش آتے تھے، کبھی انہوں نے کسی کے ساتھ شرارت نہیں کی، کیا اس وقت ہی بے انصافی کی جائے گی۔ پھر دشمن لوگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ کیا اس وقت ہی کوئی دشمن ضرر پہنچا سکتا ہے۔ (ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں)۔ ۵۵ پھر بعض ان کے تو اِس (منصفانہ طریق) پر ایمان لائے اور بعض ان میں سے وہ ہیں، جنہوں نے اس (طریقِ حق) سے روکا۔ اور (ایسے لوگوں کے لئے) جہنّم جلانے کو کافی ہے

(تمہارے لئے کوئی ضرورت نہیں، کہ تم انہیں ستاؤ) ۵۶ بلاشبہ جنہوں نے ہماری آیات (دلائل و احکام) کے ساتھ کفر کیا۔ ہم قریب ہی (یعنے مرنے کے ساتھ ہی) انہیں آگ میں ڈالیں گے (مرنے والے اپنے ساتھ لطیف جسم لے جاتے ہیں، جو ان کے لئے درست کر دیا جاتا ہے) جب کبھی ان کے (اُوپر کے) جسم جل جاتے ہیں، تو ہم اُن کے لئے (نیچے سے اور جسم ابھار کر) اُن کے غیر جسم بدل لاتے ہیں، تاکہ وہ اپنے (مقررہ) عذاب کو چکھ لیں، بلاشبہ اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔ ۵۷ اور وہ لوگ، جو ایمان لائے اور صلاحیت والے عمل کئے، ابھی ہم انہیں باغوں میں داخل کرتے ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں رہ پڑنے والے ہیں۔ اُن کے لئے اُن میں ایسے جوڑے (ساتھی) ہیں، جو پاک کئے گئے ہیں اور ہم انہیں ٹھنڈے سایہ (اور اپنی حمایت) میں داخل کرتے ہیں

(آگے لوگوں کے تعصب کے نقش سے بچانے کے لئے فرمایا) ۵۸ بلاشبہ اللہ تم کو حکم کرتا ہے کہ تم امانتوں (اور حقوق) کو اُن کے حقداروں کو پہنچا دو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ جس بات کی اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے، بلاشبہ وہ بہت ہی اچھی بات ہے۔ بلاشبہ اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے، (اگر اُس کا خلاف کروگے، تو تمہیں سزا دے گا)۔

(آیۂ سابقہ میں تمام لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ مقدمات کا فیصلہ عدل کے ساتھ کیا کرو

جو حکّام کی اطاعت کا منکر ہے، وہ الہامی کتابوں کا ماننے والا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مطلّقات کو اپنے خاوندوں کے پاس رہنے سے روکنے والوں کے متعلق فرمایا ہے۔ ذالك يوعظ به من كان يومن بالله واليوم الاخر الخ ۲/۱۴ وغیرہ وغیرہ) یہ بات (اپنی ذات میں مفید و) خیر ہے، اور نتیجہ کے لحاظ سے بہت خوب ہے

رکوع ۹

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ
الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝ 61 وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ 62 فَكَيْفَ
اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ڰ
بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝ 63 اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ
قُلُوْبِهِمْ ۤ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ۝
64 وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ
جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا
رَّحِيْمًا ۝ 65 فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰي يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِــيْمًا ۝ 66 وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا
عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْھُمْ

لازم ہے۔ فیصلوں کا یہی طریق خیر ہے اور اصلاح و امن کے نتیجہ کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔ تمام ممالک نے اسی قاعدہ پر چل کر ترقیات حاصل کی ہیں

زمانۂ رسولؐ میں ماتحت حکّام کی اپیل رسولِ کریم کی طرف کی جاتی تھی، اور اگر پہلے رسولِ مقبولؐ نے کوئی فیصلہ کیا ہوتا تھا تو حضورؐ سے نظرِ ثانی بھی کرائی جا سکتی تھی۔ اِس آیت میں اللہ کی اطاعت کے لئے الگ اطیعوا آیا ہے اور رسولؐ اور دوسرے اولی الامر کو معاً الگ اطیعوا کے نیچے داخل کیا گیا ہے۔ پہلے اطیعوا سے قانونِ الٰہی کی اطاعت مراد ہے۔ اور دوسرے اطیعوا سے: ججوں کی اطاعت مقصود ہے۔ قانون پر چلانے کے لئے ججوں کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ جو شخص کہے کہ میں خود ہی سیاسی قانون پر عمل کر لیا کرونگا اور خود ہی سزا لے لیا کروں گا، اور خود ہی لوگوں سے اپنے حقوق زبردستی سے حاصل کر لیا کرونگا اور اکیلا اکیلا جا کر خود ہی دشمن کا مقابلہ کر لیا کروں گا، وہ ملکی انتظام کو تہ و بالا کرنے والا اور قابلِ سزا ہے

لوگوں کے نزدیک اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اے مومنو! قرآن اور حدیث اور فقہ کی پیروی کیا کرو، پھر اگر ان تینوں علموں کے باوجود بھی تم میں تنازع باقی رہے، تو اس صورت میں قرآن و حدیث کی طرف لوٹو۔ یہ ترجمہ یقیناً باطل ہے۔ جب پہلے تینوں علموں نے اختلاف نہیں مِٹایا اور فیصلہ نہیں کیا، تو کیا آخر کار اِن میں سے دو ہی کفایت کر سکتے ہیں؟)

۵۹ اے ایمان والو! اللہ (کے قوانینِ عدل) کی پیروی کرو، اور (ججوں سے فیصلہ کرانے کی ضرورت کے لئے، اس) رسولؐ اور (اس کے ماتحت) حکّام کی اطاعت کرو، جو تم میں سے ہی مقرر کئے جاتے ہیں، پھر اگر (اس کے بعد) کسی بات میں تمہارا آپس میں تنازع ہو، تو (دوبارہ) اُسے اللہ (کے قوانینِ عدل) کی، اور (آخر کار ظاہری طور پر مقدمہ ختم کرنے کے لئے اس) رسولؐ کی طرف لوٹا دو (یہ حاکموں کی اطاعت بھی ضروری ہے) اگر تم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہو

(خاوندوں سے اپنے پیٹ کے بچّہ کو چھپانے پر بھی ان کنّ یومن باللہ والیوم الاٰخر فرمایا گیا ہے ۲/۲۲۸ - یہاں بھی انتظامی اطاعت مومن کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے

آنا نہیں چاہتے تھے، حالانکہ رسولِ کریم اُس وقت مدینہ کے جائز حاکم تھے۔ جو شخص جائز حاکم کی اطاعت نہیں کرتا، وہ الٰہی کتابوں کا ماننے والا کیسے ہو سکتا ہے۔ جب اُنہیں طاغوت کی کچہریوں میں نقصان پہنچتا، تو رسولِ کریم کی طرف آتے اور بہانے بناتے کہ ہم دوسرے فریق پر احسان کرنے کے لئے اور موافقت پیدا کرنے کے واسطے گئے تھے۔ اگر اُنکا سچ مچ ایسا خیال ہوتا، تو یہ بھی کوئی بات ہوتی، مگر اُن کے دل میں رسولِ کریم کی مخالفت کا خیال تھا، وہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ رسولِ مقبول کا کچھ نہیں بگاڑتے تھے۔ اُنہیں چاہیئے تھا کہ آکر بہانے نہ بناتے، بلکہ صاف اقرار کرتے کہ ہم سے غلطی ہوئی، خدا تعالےٰ ہمیں معاف کرے اور چونکہ ہم نے اپنے جائز حاکم کو ستایا ہے، اس لئے آپؐ بھی ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں، لیکن وہ ایسا نہیں کرتے تھے، سو جب تک وہ اپنے جائز حاکم کے پاس مقدمات نہ لائیں، وہ الٰہی کتابوں کے ماننے والے نہیں ہو سکتے۔ جائز حاکم غیب دان نہیں ہؤا کرتا۔ اُس کو اندرونی حالات کی خبر نہیں ہوتی۔ اگر کسی فریق کے گواہ بدل جائیں، یا اُس نے رسید حاصل نہ کی ہو، یا مناسب تحریر نہ لی ہو، یا کوئی فریق ثبوت پیش نہ کر سکے، تو جائز اور عادل حاکم بھی مجبور ہو گا کہ وہ اصلیّت کے خلاف فیصلہ دے۔ رسید اور گواہ کے نہ ہونے کی صورت میں ممکن ہے کہ حاکم دوبارہ قرض کے ادا کرنے کا حکم صادر کرے۔ یہ قصور فریقین کا ہو گا۔ پس چاہیئے کہ جائز اور عادل حاکم کے فیصلہ کے بعد مظلوم فریق اِس فیصلہ پر دل میں کوئی تنگی نہ لائے اور اگر کوئی شخص اس پر اعتراض کرے کہ تمہارے حاکم نے تم کو نقصان پہنچایا ہے، تو وہ اُس حاکم کو اعتراض سے بچائے، اور کہے کہ اِس مقدمہ میں ہم نے غلطی کھائی ہے، حاکم کا کوئی قصور نہیں

اِس آیت سے سورج کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریم غیب دان نہ ہونے کے سبب ایسے فیصلے بھی کیا کرتے تھے، جن سے کسی فریق کے دل میں تنگی آسکتی تھی، لیکن اُنہیں اِس سے روکا گیا ہے، بلکہ حکم کیا ہے کہ رسولؐ کو مخالفوں کے ضرر سے بچائیں خود اُن دشمنوں کے ساتھ شامل نہ ہو جائیں۔ ایسا طریق ہی خیر ہے اور فصلِ مقدمات میں یہی صراطِ مستقیم اور باعثِ اجرِ عظیم ہے

ظالم مشرک غضب ناک ہو کر موحدوں کو کہتے تھے کہ اگر تم توحید سے منکر ہو جاؤ گے،

وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۙ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝

ترجمہ ۔ رجو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اُس کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ وہ ملک کے امن کی خاطر حکام کی اطاعت بھی کرے۔ یہ کام خدا تعالےٰ کو منظور ہے۔ الٰہی کتابیں قطعاً فساد کو دوست نہیں رکھتیں۔ وہ امن و اصلاح و انتظام کو پسند کرتی ہیں۔ تمام نبیوں کی تعلیم کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ سے ایسی محبت کی جائے، جو بے مثل خدا تعالیٰ کے لائق ہے، اور ہمسائے سے ایسا نیک سلوک کریں، جسے ہم اپنے واسطے بھی پسند کرتے ہیں۔ اس اصول سے کوئی نیکی اور اخلاص اور احسان اور معقولیت باہر نہیں رہ سکتی۔ اگر یہ صحیح ہے، تو جو شخص الٰہی قوانینِ عدل کی اطاعت کرتا ہے اور ججوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے رسولوں اور اُن کے قائم مقاموں کے انتظاموں پر چلتا ہے، وہ تمام نبیین و صدّیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ ہے۔ وہ اُن سے الگ نہیں ہو سکتا۔ نیکی کے اس اشتراک سے تمام دیندار ایک ہی اُمت بن جاتے ہیں، اور ایک ہی خدا کے عابد ہوتے ہیں

منافق لوگ ایسی اصلاحوں سے بیزار تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلامی عدالتوں سے لوگوں کو روک دیں۔ وہ اپنے مقدمات طاغوت کے پاس لے جاتے تھے، جہاں سعی و سفارش چل سکے، اور جہاں رشوت سے کام نکل سکے۔ ایسی عدالتوں سے غریب اور مفلس ہرگز انصاف حاصل نہیں کر سکتے۔ جس کا زور چڑھ جاتا ہے، وہی فائدہ اٹھا لیتا ہے اور دوسرے دل کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔ منافق چونکہ دعوے کرتے تھے کہ ہم مومن ہیں، اس لئے انہیں کہا جاتا تھا کہ ایسی عدالتوں کی طرف مت جاؤ۔ وہ کہتے تھے کہ ہم تمام الٰہی کتابوں کو مانتے ہیں۔ لیکن رسولِ کریم کی عدالتوں میں

(بڑی اثر کرنے والی بات یہ ہے کہ رسولؑ کی اپنی اطاعت بشری اطاعت ہی ہوتی ہے)
اور (ہم نے کوئی رسول اس لئے نہیں بھیجا کہ اُس کی بہرصورت اطاعت کی جائے، بلکہ) ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت اللہ کے حکم کے مطابق کی جائے اور اگر یہ بات ہوتی کہ جبکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (یعنی طاغوت کی طرف جا کر اپنے جائز حاکم کو ناراض کیا) تو تیرے پاس (معافی مانگنے کے لئے) آتے، پھر وہ خود اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول بھی اُن کے لئے بخشش مانگتا، تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، مہربان پاتے۔ سو (اُن کا یہ خیال کہ ہم الٰہی کتابوں کو ماننے والے ہیں، صحیح) نہیں تیرے رب کی قسم یہ لوگ (الٰہی کتابوں کے) ماننے والے نہیں ہوسکتے، یہاں تک کہ وہ اپنی (آپس کی) اُلجھنوں میں تجھ کو منصف نہ بنائیں۔ پھر تیرے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (دشمنوں کے ضرر اور اعتراضوں سے) بچائیں (جیساکہ دوسرے صلاحیت والے بشروں کو بھی) بچانا چاہیئے۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ ہم اُن پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم (مناسب موقعہ پر) اپنے آپ کو قتل ہونے دو، یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ، تو ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوائے اسے نہ کرتے اور اگر یہ اس کام کو، جس کی ان کو نصیحت دی جاتی ہے (یعنے اپنے جائز اور ہمدرد حاکموں کی اطاعت کو) بجالاتے، تو یہ اُن کے لئے بہتر اور (انتظام کو) قائم (وثابت) رکھنے میں زیادہ مضبوط ہوتا۔ اور جب تو ہم انہیں بڑا اجر دیتے۔ اور انہیں سیدھا رستہ دکھاتے جاتے۔ اور جو شخص اللہ کی (قوانینِ عدل میں) اور اس رسولؑ کی (بطور اعلےٰ جج کے) اطاعت کرے، تو ایسے لوگ جو ہیں، وہ اُن لوگوں کے ہمراہ ہیں، جن پر اللہ نے نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں میں سے انعام کیا اور یہ لوگ رفیق ہونے کے لحاظ سے خوب ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک (خاص) فضل ہے اور اللہ علیم ہونے کے لحاظ سے کافی ہے

رکوع ۱۰ - ۱۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُوا جَمِيعًا ○ وَإِنَّ مِنكُمْ

توہم تمہیں چھوڑ دیں گے، ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا، یا تمہاری جائداد ضبط کر کے تمہیں شہر سے نکال دیں گے۔ جو مومن راستی پر قائم رہ کر اس طرح اپنی جان دے دیتا تھا، یا خارج البلد ہو جاتا تھا، تو وہ اعلےٰ درجہ کا مومن ہوتا تھا، لیکن خدا تعالےٰ نے ہماری کمزوری کا لحاظ رکھ کے ہمیں اس طرح قتل کئے جانے یا خارج البلد ہونے کا حکم نہیں دیا، اور اُسے ہم پر فرض نہیں بنایا، اس لئے اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ ایسا مجبور شخص اگر دل میں ایمان کو قائم رکھ کے زبان سے کلمۂ کفر کہہ دے، تو معاف ہے۔

اللہ تعالےٰ اس جگہ فرماتا ہے کہ یہ جو میں نے ہمدرد اور جائز حاکموں کی اطاعت کا تمہیں سبق دیا ہے، یہ بالکل معقول ہے، یہ قتل ہونے اور گھر سے نکلنے کا حکم نہیں ہے۔ اگر میں قتل وغیرہ کو تم پر فرض کر دیتا، تو بہت کم لوگ ایسے سخت حکموں پر عمل کرتے۔ لیکن یہ حکم میں نے تم کو تمہارے ظاہری فائدہ کے مطابق دیا ہے۔ پھر تم ایسے حکم سے کیوں رُو گردانی کرتے ہو۔ آگے فرمایا کہ اتحاد و اتفاق سے نبیوں۔ صدّیقوں۔ شہیدوں اور صالحوں کا ساتھ ملتا ہے۔ خدا تعالےٰ کا یہ بڑا فضل ہے)

کیا[۶۰] تو نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا، جو گمان کرتے ہیں کہ وہ اُس پر ایمان لائے ہیں، جو تیری طرف اُتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا۔ وہ چاہتے ہیں کہ سرکشوں کی طرف فیصلے لے جائیں، حالانکہ اُنہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُن کے کافر بنیں اور شیطان (یعنی اُن کا اغوا کرنے والا لیڈر) چاہتا ہے کہ اُنہیں دُور کی گمراہی میں ڈال دے۔ اور[۶۱] جب اُنہیں کہا جاتا ہے کہ (بطور قانون کے) اُس کی طرف آؤ، جو خدا نے اُتارا ہے، اور (بطور اعلےٰ جج کے) اس رسولؐ کی طرف (آؤ) تو تُو منافقوں کو دیکھتا ہے کہ تیرے پاس آنے سے بُری طرح رُکے رہتے ہیں۔ پھر[۶۲] کیا حال ہوتا ہے، جبکہ اُنہیں اپنے ہاتھوں کے کام سے کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ پھر وہ تیرے پاس (سچا بننے کے لئے) اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں (کہ طاغوت کی طرف جانے میں) ہمارا ارادہ احسان کرنے اور باہمی ملاپ چاہنے کا تھا۔ یہ[۶۳] لوگ جو ہیں، جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے، اللہ اُسے جانتا ہے، سو تُو اُن سے اعراض کر اور اُنہیں نصیحت کر اور اُن کو اُن کے دلوں میں (اپنی سمجھ کے مطابق) اثر کرنے والی بات کہہ۔

هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ ٧٩ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ
اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ ٨٠ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى
فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ ۝ ٨١ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ
بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ
عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ ٨٢ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ
كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ ٨٣ وَاِذَا جَآءَهُمْ
اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى
الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ٨٤ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝ ٨٥ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ
لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ ٨٦ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ ٨٧ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ ع

لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ
مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ○ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○ فَلْيُقَاتِلْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ وَمَا لَكُمْ
لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ
الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ
لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ
فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ○ ع
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ
كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ
اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ
اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ○ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ
كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ
وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ

میں اُن کے ہمراہ ہوتا، سو میں بڑی مراد پاتا
(دنیا کے طالب خدا تعالےٰ کی راہ میں یعنی جبر مذہبی ہٹانے اور عاجزوں کو بچانے کے لئے جنگ کرنے والے نہیں ہو سکتے) تو چاہیئے کہ اللہ کے رستے میں وہ لوگ جنگ کریں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض میں بیچ ڈالتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے، پھر وہ قتل کیا جائے (وہ مال کو نہیں چاہتا، بلکہ جان دینے کو حاضر ہے) یا وہ غالب ہو جائے تو قریب ہی (یعنی مرنے کے ساتھ ہی) ہم اُسے بڑا اجر دیں گے
(قرآن حکیم نے چھیاسی مکی سورتوں کے ذریعہ سے مومنوں کی بنیادی اصلاح لمبے عرصہ تک کی ہے۔ جب اُن کے دل میں محبت الٰہی اور خلق اللہ کی بہتری کی عادت راسخ ہو گئی، تب انہیں مدافعانہ جنگ کی اجازت دی۔ ایسے لوگوں پر اعتراض کرنا کہ وہ دُنیا کے لئے لڑتے تھے، کس قدر ظلم ہے اس وقت لوگ بنیادی اصلاح کرنے کے بغیر ہی فساد پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی اختیار مل بھی جائے، تو اسے نباہ نہیں سکتے۔ ایسی مصائب سے گذر کر مومنوں کا ایسی کامیابی حاصل کرنا، جیسی کامیابی نیکوں کے لئے لائق ہے، اُن کی صداقت کی دلیل ہے)
اور تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کی راہ میں (جبر مذہبی کے ہٹانے کو) اور عاجز مردوں اور عورتوں اور بچوں کی (راہ میں) جو کہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار، ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنے حضور سے کوئی سرپرست بنا، اور ہمارے لئے اپنے حضور سے کوئی مددگار بنا۔ نہیں لڑتے
(اگر یہ صحیح ہے، تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ) وہ لوگ جو مومن ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور وہ لوگ جو کافر ہیں، وہ طاغوت (یعنی سرکشوں) کی راہ میں لڑتے ہیں، سو تم شیطان کے رفیقوں سے لڑو۔ بلاشبہ شیطان کا داؤ (ہمیشہ سے) ضعیف چلا آیا ہے (باوجود کمزوری کے آخرکار تمہاری فتح ہے) ع
(مومنوں کی بنیادی اصلاح مدت دراز تک کی جاتی رہی اور انہیں جنگ سے روکا جاتا رہا)
کیا تو نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا، جنہیں کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو (لڑائی سے) روکے رکھو اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ (یعنی حق ملک اور حق مساکین) ادا کرو، پھر جب اُن پر (مجبوری کی صورت میں) جنگ کرنا لکھا گیا، تو جب ہی اِن میں کا ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرتا ہے جیسا

ترجمہ - (رکوع سابق میں حکم دیا گیا ہے کہ اُن عدالتوں کی طرف آؤ، جن میں عدل کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یہ عدالتیں تمہارے جائز اور ہمدرد حاکم نے مقرر کی ہیں۔ طاغوت یعنی طغیان والوں کی طرف مت جاؤ۔ اِس سے پہلے رکوعوں میں نوعِ اِنسان کی برادری کا، اور عورتوں اور یتیموں اور دیگر عاجزوں کی حفاظت کا، اور عورات کی حرمت و حلّت کا، عورتوں کے مہر اور دیگر حقوق کا، اور قواعدِ میراث کا اور وصیت و قرض کا، اور اصلاح کے لئے بعض سزاؤں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے قواعد کا نفاذ عدل والی عدالتوں کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کفارِ قریش نے اِن اصلاحوں کو سُنا۔ وہ انسانی حریت و مساوات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ بغی اور شرارت کے سبب عاجز مردوں اور عورتوں اور بچوں کو ستاتے تھے اور انہیں کسی جگہ آنے جانے نہیں دیتے تھے۔ وہ بیکس قیدی اللہ تعالےٰ سے دعائیں مانگتے تھے کہ اے خدا ہمیں مکہ کی بستی سے جس میں ظالم لوگ رہتے ہیں، نکال اور ہمارے لئے اپنے حضور سے کوئی ولی و نصیر کھڑا کر۔ منافقوں نے بھی خوب نمک مرچ لگا کر کفارِ قریش کو ان اصلاحوں کی خفیہ خبر بھیجی اور کہا کہ یہ رسول عدالتیں قائم کر کے اپنی قوت بڑھا رہا ہے اور ملک میں اپنا اثر پھیلا رہا ہے کفار نے حملہ کی تیاری کی۔ مومنین کو بھی حکم ہوا، کہ تم بھی کفار کے جواب میں جیسا مناسب ہو، دستہ دستہ کر کے یا اکٹھے ہو کر نکلو۔ ہر اصلاح کے بعد دشمن شور مچا دیتے تھے اور جنگ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ایسے مقابلوں کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ حق دمبدم مضبوط ہوتا جاتا تھا) اُے لوگو! جنہوں نے (حق کو) مانا ہے، اپنا بچاؤ کرو (اور ہوشیار و خبردار ہو جاؤ اور بچاؤ کے سامان و اوزار لو) پھر نکلو دستہ دستہ بنا کے یا نکلو، اکٹھے ہو کر۔ اور بلاشبہ تم میں سے ایسا شخص بھی ہے، جو دیر لگائے گا (تاکہ وہ خود بھی جنگ میں نہ جائے اور اپنے ساتھیوں کو بھی ساتھ دینے سے روکے) پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے، تو وہ کہے کہ خدا نے مجھ پر انعام کیا، جبکہ میں ان (مسلموں) کے ساتھ حاضر نہ تھا (بعض لوگ منافقانہ طور پر خدا کا نام لیتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ شریک بناتے اور دنیا کو خدا پر ترجیح دیتے اور عاجزوں کے مصیبت میں مبتلا ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خدا تعالےٰ کے ماننے والے نہیں ہیں)۔

(ایسے شخص دنیا ہی کو فوزِ عظیم سمجھتے ہیں) اور البتہ اگر تم کو اللہ کی طرف سے کوئی (زائد) فضل پہنچے، تو وہ گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی محبت نہ تھی۔ یوں کہے گا اے کاش!

ہے۔ اِس جگہ من نفسک ہے۔ کیا ان میں کوئی فرق نہیں ہے؟ پھر ان دونوں بیانوں میں تضاد کیوں بتایا جاتا ہے۔ اب یہاں ایک اعتراض باقی رہتا ہے کہ رسولؐ کی غلطیاں خدا کیوں نہیں نکالتا؟ رسول تو صرف ایک بشر ہوتا ہے۔ اس کی بشری عقل کو مدد دینے کے لئے وحی الٰہی نازل ہوتی ہے۔ رسول وحی الٰہی کو تمام وکمال ممتاز کر کے لوگوں کو پہنچا دیتا ہے۔ لوگوں کو بھی اس وحی الٰہی سے وہی فائدہ پہنچتا ہے، جو رسول کو پہنچتا ہے۔ اُن کی بشری عقل کو وحی سے تائید ملتی ہے۔ پس وحی کے علاوہ رسولوں کا کام بشری عقل سے اجتہاد و استنباط کرنے کا ہی ہے۔ اُس میں اسی طرح غلطی کا امکان ہے، جس طرح دیگر مجتہدین کے اجتہاد و استنباط میں) اور ہم نے تجھ کو لوگوں کے واسطے پیغام لانے والا بنا کر بھیجا ہے (خدا بنا کر نہیں بھیجا) اور اللہ (اپنے وحی کی) شہادت دینے والا کافی ہے

(جب بات یہ ہے، تو) جو پیغام لانے والے کی اطاعت کرے، تو اُس نے اللہ کی اطاعت کی (نہ کسی غیر کی) اور جس نے مُنہ موڑا، تو ہم نے تجھ کو اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ اور (یہ لوگ) کہتے ہیں (کہ ہمارا کام) فرمانبرداری ہے۔ سو جب وہ تیرے پاس سے نکل کر چلے جاتے ہیں، تو اُن میں کا ایک گروہ رات کو اس (طاعت) کے جو وہ (تجھے) کہتا ہے، خلاف مشورہ کرتا ہے اور اللہ (ان کے دلوں پر اور صحیفۂ فطرت میں) وہ (باتیں) لکھتا جاتا ہے، جو وہ رات کو مشورے کرتے ہیں (تاکہ انہیں تو دسزا دے) سو تو اُن سے اعراض کر اور اللہ پر توکل کر، اور اللہ کافی وکیل (یعنی لائق توکل) ہے

(رسول کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک تو وحی ملتی ہے اور دوسرے وہ نیک اور تجربہ کار لوگوں کی طرح اجتہاد و استنباط بھی کرتا ہے۔ یہ دونوں ضروری چیزیں ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے) پھر کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا، تو وہ اس میں (تھوڑا تو کیا) بہت سا اختلاف پاتے (قرآن مجید نے مسلمانوں کی کمزوری اور طاقت کے وقت یکساں قاعدے جاری کئے اور ہر جگہ جبر مذہبی سے روکا، اور ہر جگہ عدل و رحم کے حکم دیئے)

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات آتی ہے، تو یہ اس (افواہ) کو پھیلا دیتے ہیں اور اگر اسے رسول کی طرف اور اپنے میں سے (ماتحت) حکّام کی طرف پھیرتے، تو وہ لوگ جو اِن میں سے اس بات میں استنباط کر سکتے ہیں، البتہ اس (کی حقیقت) کو جان لیتے (اس سے

طرح اللہ سے ڈرنا چاہیئے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ڈرتے ہیں اور وہ بول اُٹھے۔ اے ہمارے پروردگار! تو نے کیوں ہم پر لڑنا لکھ دیا، تو نے کیوں نہیں قریب مدت تک اور ڈھیل نہ دی۔ تو کہہ دُنیا کا فائدہ قلیل ہے اور آخرت اس کے لئے جس نے تقوے اختیار کیا، بہتر ہے اور تم پر تاگے کے برابر ظلم نہیں کیا جاتا (پس تقوے اختیار کرو۔ دُنیا کی زندگی تو آخر ختم ہی ہو جائے گی) جہاں کہیں تم ہو گے، تمہیں موت آ پکڑے گی، اور اگرچہ تم مضبوط برجوں میں (محفوظ) ہو

(اگر مسیح علیہ السلام ذات البروج سماء میں بھی ہوتا، تو بھی وہ طبعی موت سے نہیں رُک سکتا تھا۔ جب متقی بن کر اور سرخرو ہو کر خدا تعالےٰ کے حضور میں متوجہ ہونا ضروری ہے، تو اگر تم طبعی عمر سے پہلے بھی مارے جاؤ، تو یہ بڑے فائدہ کا سودا ہے۔ جنگوں میں اگر فتح ہوتی ہے، تو شکست بھی تو ہوا کرتی ہے۔ حاکم تجویز و تدبیر میں غلطی کھا سکتے ہیں لیکن کسی حاکم کا یہ عندیہ نہیں ہو سکتا کہ ہم شکست کھا جائیں۔ فتح و شکست خدا تعالےٰ کے پاس سے ہے۔ پس کسی نیک اور ہمدرد حاکم کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شکست تو نے اپنے شوق سے اور اپنی تجویز سے حاصل کی ہے۔ تیرا ارادہ ہے کہ تو ہمیں تکلیف میں ڈالے اور مصیبت میں پھنسائے۔ کسی ہمدرد حاکم پر ایسا گمان کرنا کہ ہمارا دکھ اس کی شرارت کا نتیجہ ہے سخت غلطی ہے، جبکہ حاکم خود تسلیم کرتا ہے کہ یہ میری تجویز کی غلطی ہے۔ شرارت ہرگز مقصود نہیں) اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے، تو کہتے ہیں، کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو کہتے ہیں کہ یہ تیرے عندیہ سے ہے۔ تو (اس کے جواب میں) کہہ، کہ ہر ایک (یعنی فتح و شکست) اللہ کے عندیہ (یعنی منشاء) سے ہے (نتیجہ اُسکے ہاتھ میں ہے) پھر اس قوم کو کیا ہو گیا کہ قریب نہیں ہیں کہ (سیدھی سادی) بات کو سمجھیں

(جنگ میں رسول کو خود تکلیف پہنچتی ہے تو کیا اُسے اپنے آپ سے بھی شرارت ہے۔ ہاں یہ بشری فہم کی غلطی کا نتیجہ ہے اور سکھ جو کچھ پہنچتا ہے، وہ انعام و احسانِ الٰہی کے سبب سے ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے) اور جو بھلائی تجھے (اے رسولؐ) پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تکلیف تجھے پہنچتی ہے، تو وہ تیرے نفس سے ہے

(پہلی آیت میں من عند اللہ کہا ہے، یہاں من اللہ ہے۔ پہلی آیت میں من عندك

اگر اُنھوں نے تم سے کنارہ نہ کیا اور تمہاری طرف صلح نہ ڈالی، اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکا، تو تم اُنہیں پکڑنا اور (میدان جنگ میں) جہاں اُنہیں پاؤ، اُنہیں قتل کر دینا اور یہی لوگ ہیں، جن پر ہم نے تمہارے لئے صریح حجت قائم کر دی ہے۔

رکوع ١٣

٩٢ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

٩٣ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝ ٩٤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ ٩٥ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ

الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا

وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

٩٦ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ع

اگر مومنوں کو قتل بھی کر دیتے ہیں، تو یہ دشمن ہیں۔ جب یہ سامنے آئیں، تو انہیں قتل کرنا چاہئے
اس رکوع میں رسولِ کریم کے مقابلہ پر دوسری پارٹی کی تصدیق کی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ
حق کا حامی ہے۔ وہ کسی کی شخصی رائے کا تابع نہیں۔ قرآن کریم ہمیں ایسے غیر جانب دار خدا کی
طرف بلاتا ہے۔ قرآن پاک نے ان منافقوں کے متعلق وہ اصول سکھائے ہیں، جن کی تعریف
کرنے سے کوئی نیک دل کبھی نہیں رُک سکتا۔ ارشاد ہے) تمہیں کیا ہو گیا کہ تم (ان) منافقوں کے
بارہ میں دو گروہ (یعنی دو پارٹیاں) بن رہے ہو، حالانکہ خدا نے اِن کو اِن کے کاموں کے سبب
سے اوندھا کر دیا ہے۔ کیا تم ارادہ کرتے ہو، کہ تم ایسے لوگوں کو ہدایت دو، جن کو خدا نے (اُن
کی شرارت کے سبب سے) گمراہ کر دیا ہے اور جس کو اللہ (یوں) گمراہ کرے، تو تُو (اے رسولؐ)
اس کے لئے کوئی رستہ نہیں پائے گا۔ ۹۰ اُن لوگوں نے اس بات کو دوست رکھا کہ کاش تم کافر
ہو جاؤ، جس طرح یہ کافر ہیں۔ پھر تم (جہالت میں) یکساں ہو جاؤ گے۔ سو تم اُن کو دوست (اور
خیر خواہ) نہ سمجھو، جب تک یہ اللہ کے رستہ میں ہجرت نہ کریں (اور تمہارے ساتھ یا تمہارے عہد
والوں کے ساتھ نہ آملیں) پھر اگر یہ منہ موڑیں، تو تم (جنگ میں) انہیں پکڑو اور (میدانِ جنگ
میں جہاں پاؤ، انہیں قتل کرو اور انہیں سرپرست اور مددگار نہ سمجھو
۹۱ مگر وہ لوگ جو (راستہ میں موقعہ پاکر) اُن لوگوں کے ساتھ جا ملیں کہ تمہارے درمیان
اور اُن کے درمیان عہد ہے، یا (خود) تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ اُن کے دل اِس
بات سے رُکے ہوئے ہوں کہ وہ تم سے لڑیں، یا اپنی قوم سے لڑیں (یعنی غیر جانبداری کا اظہار
کرکے دشمنوں سے الگ ہو جائیں، سو جب وہ غیر جانب دار ہو گئے، تو انہیں کوئی الزام نہ دینا)
اور (یاد رکھو کہ) اگر اللہ چاہتا، تو انہیں تم پر غلبہ دیتا، سو وہ تم سے لڑائی کرتے (پھر کیا یہ اچھی
بات ہوتی) سو اگر انہوں نے تم سے کنارہ کر لیا ہے، پھر تم سے جنگ نہیں کی اور تمہاری طرف
صلح ڈال دی ہے، تو (اس صورت میں) اللہ نے تمہارے لئے اُن پر (الزام کا) کوئی رستہ
نہیں رکھا ہے۔ ۹۲ ابھی تم کو اور (منافق ایسے بھی) ملیں گے، جو چاہتے ہیں کہ تم سے (بھی) امن
میں رہیں اور اپنی قوم سے (بھی) امن میں رہیں (مگر حال یہ ہے کہ) جب کبھی وہ (قریش کے اِن
حملہ آوروں کے ذریعہ سے اس فتنہ میں شامل ہونے کے لئے بُلائے جائیں اور) اِس فتنہ کی
طرف لوٹائے جائیں، تو وہ اس (فتنہ) میں اوندھے ہو کر گر پڑیں گے، سو (انہیں یاد رہے کہ)

ترجمہ - (بارھویں رکوع میں ہجرت کا ذکر ہے۔ اس رکوع میں تاکید کی گئی ہے
کہ مومن جبر کرنے والے کفار کے علاقہ سے، ہجرت کر کے کسی امن کی سرزمین میں چلے آئیں
اور اس علاقہ سے ہجرت کر جائیں، جہاں انہیں توحیدِ الٰہی پر چلنے اور ذکرِ الٰہی کرنے سے روکا
جاتا ہے اور جہاں انہیں عقل و انصاف اور حق کی بات منہ پر لانے سے منع کیا جاتا ہے، تاکہ
دشمنوں کے قابو میں ایسے لوگ کم ہی رہیں، جو کہہ سکیں کہ ہمیں جبراً اپنے ساتھ لڑنے کو
لے آئے ہیں)۔ بلاشبہ[97] وہ لوگ، جن کو ملائکہ (یعنی کارکنانِ قدرت) اس حال میں فوت
کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ تم کس حالت میں
تھے۔ (مرنے والے) جواب دیتے ہیں کہ ہم اس زمین میں عاجز کئے گئے تھے۔ وہ (ملائکہ)
کہتے ہیں۔ کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی، کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ پس یہ لوگ جو ہیں، ان
کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُری جائے بازگشت ہے[98] مگر عاجز مرد اور عورتیں اور بچے، جو
(نکلنے کا) کوئی حیلہ نہیں پا سکتے اور نہ رستہ جانتے ہیں (وہ ایسے سوال و جواب سے بَری
ہیں)۔ سو[99] یہ لوگ جو ہیں، قریب ہے کہ اللہ انہیں معاف کر دے، اور اللہ درگذر کرنے
والا، بخشنے والا ہے
اور[100] جو شخص اللہ کے رستہ میں ہجرت کرے، تو وہ زمین میں پناہ کے لئے بہت سی
جگہ اور فراخی پائے گا (جیسا کہ رسولِ کریم نے ہجرت کر کے جائے پناہ اور ترقی پائی، سو رسولؐ کی
طرف آنے میں وہ مہاجر نہ رسول کے ساتھ آسائش و کشائش میں شریک ہوگا، اور جو اس
لمبے سفر میں پڑا، اور راستہ میں اُسے موت آگئی، تو اس کا اجر اللہ پر واقع ہو گیا۔ جیسا کہ ارشاد
ہے) اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ (کے پیغام) کی (طرف) نکلا اور (وہ اس وقت ملتا ہے
اس رسولؐ کے پاس، اس لئے وہ نکلے) اس کے پیغامبر کی طرف۔ پھر اس کو موت آلیوے،
تو اس کا اجر اللہ پر واقع ہو چکا، اور اللہ غفورٌ رحیم ہے

رکوع ۱۵

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ[101]
خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ○ وَ

میں یعنی جائز طور پر جنگ کرنا، فرض کفایہ ہے۔ ضرورت کے مطابق لوگوں کا اس میں شامل ہونا ضروری ہے۔ جیساکہ دیگر آیات سے ثابت ہے) [95] مومنوں سے بے ضرر (اور تندرست) لوگ (گھروں میں) بیٹھ رہنے والے اور خدا کے رستہ میں (یعنی جبر و ظلم کو مٹانے کے لئے) اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد (یعنی جان توڑ کوشش) کرنے والے یکساں نہیں ہیں۔ اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں فضیلت دی ہے اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ ہر دو (جماعتوں) کے ساتھ کیا ہے اور اللہ نے مجاہدوں کو قاعدین پر بڑے اجر کے لحاظ سے برتری دی ہے

(وہ اجرِ عظیم جس کے لحاظ سے خدا تعالےٰ نے فضیلت دی ہے، وہ کیا ہے؟) [96] وہ اس (خدا تعالےٰ) کی طرف سے (درجہ بہ) درجے ہیں اور بخشش اور رحمت ہے، اور (اگر باوجود احتیاطوں کے کوئی غلطی ہو جائے، تو) اللہ تعالےٰ (اپنی حکمتوں کے مطابق) بخشنے والا رحم والا ہے

~~~~~

رکوع ۱۴

[97] إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا
مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا
فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ [98] إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ [99] فَأُولَٰئِكَ عَسَى
اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ۝ [100] وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى
اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
رَحِيمًا ۝ ع
~~~~~

نماز کی اقامت کرائے (یعنی باجماعت نماز پڑھائے) تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک طائفہ تیرے ساتھ قیام کرے اور چاہیئے کہ وہ (اپنی نماز میں بھی) اپنے اوزاروں کو لگائے رکھیں۔ پھر (قیام کے بعد جب سجدہ کرلیں، تو چاہیئے کہ) اکیلے تجھ سے ہی پرے نہیں، بلکہ تمہارے (یعنی تیرے اور تیرے باڈی گارڈ کے) پرے ہوجائیں (اور حفاظت کے کام پر لگ جائیں) اور چاہیئے کہ کوئی اور طائفہ آئے، جنہوں نے نماز نہیں پڑھی۔ پھر چاہیئے کہ وہ تیرے ساتھ (اسی طرح) نماز پڑھیں (یعنی قیام و سجدہ کریں) اور چاہیئے کہ اپنی خبرداری اور اپنے اوزاروں کو سنبھالے رہیں۔ یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے، یہ تو دل سے چاہتے ہیں کہ اے کاش! تم اپنے اوزاروں اور سامانوں سے غافل ہوجاؤ، تو یہ تم پر یکبارگی آن پڑیں

(اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب حفاظت کے اس قدر کافی سامان موجود نہ ہوں، بلکہ کوئی اوزار بھی نہ ہو، تو ایسی حالت میں باجماعت ایک رکعت بھی ادا نہ کرنا چاہیئے اور ایک دو نمازیوں کی حالت تو اور بھی کمزور ہوگی)۔ اور اگر تم کو مینہ سے کوئی تکلیف ہو، یا تم مریض ہو، تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے اوزاروں کو اُتار رکھو اور اپنی چوکسی و خبرداری کو قائم رکھو، (تاکہ دشمن اگر کسی گھات سے نکل کر سامنے آجائے، تو تم فوراً اپنے اوزاروں کو سنبھال کر ان کے مقابلہ پر ڈٹ جاؤ) بلاشبہ اللہ نے ان کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے (کیونکہ یہ خدا سے ڈرنے والوں کو بھی ذلیل کرنا چاہتے ہیں)

پھر جب تم نماز کو پورا کر چکو، تو (عام ذکرِ الٰہی سے اس وقت بھی غافل نہ رہو، بلکہ) اللہ کو قیام میں، قعود میں اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے یاد کرو۔ پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو (یعنی خوف جاتا رہے اور دل مطمئن ہوجائے) تو اقامتِ صلوٰۃ ہی کرو (یعنی باجماعت نماز میں جس طرح یہاں سکھایا ہے، اور تنہائی کی نماز میں جس طرح پہلے سے اجازت چلی آتی ہے۔ حاصل یہ کہ حتی الوسع وقت کی پابندی کرو، خواہ چل پھر کر نماز ادا کرنی پڑے، خواہ عام ذکرِ الٰہی میں بدلنی پڑے، خواہ طائفہ طائفہ کو الگ الگ نماز پڑھائی جائے۔ اگر وقت فوت ہوتا دیکھو، تو جس طرح بھی چاہو، ادا کرلو، کیونکہ) نماز بلاشبہ مومنوں پر بقیدِ وقت فرض ہے

(فائدہ اس میں یہ ہے کہ انسان دیکھ لے کہ میں نے نماز پڑھ لی ہے، اور یوں نماز

اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا
اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى
لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَ
لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا
اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ ۱۰۲ فَاِذَا
قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ ۱۰۳ وَلَا
تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَ
تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

ترجمہ - (رکوع سابق میں ہجرت کا حکم ہے۔ مہاجر کو جب تک وہ اپنے امن کی جگہ میں نہ پہنچ جائے، راستہ میں دشمن کا خوف رہتا ہے اور رسولِ کریم بھی جب اس جنگ سے واپس آئے، تو راستہ میں دیکھتے آتے تھے کہ کہیں دشمن چھپا ہوا نہ ہو، اور خوف تھا کہ کہیں وہ بے خبری کی حالت میں ہم پہ نہ آپڑے۔ ایسی صورت میں مناسب ہے کہ اس رکوع میں صلوٰۃِ خوف کا ذکر کیا جائے)

۱۰۱ اور جب تم زمین میں سفر کرو، تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں، کہ اپنی نماز سے کم کر لو (اور اسے عام ذکرِ الٰہی میں بھی بدل لو) اگر تم کو خوف ہو کہ یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے، تمہیں (جبر مذہبی کرکے) ستائیں گے۔ بلاشبہ یہ کافر تمہارے صریح دشمن ہیں۔ ۱۰۲ اور جب تو (یا تیری جگہ کوئی جنرل، کیونکہ یہ حکم اس وقت بھی ہے) ان کے بیچ میں ہو، پھر تو (یا وہ جنرل) اُن کو

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

ترجمہ - (جب کبھی مظلوموں کو مجبوراً ہجرت کرنی پڑتی ہے، تو ایسے وقت سے بعض اشرار بھی فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ کوئی شخص بظاہر تو دوست بن کر آتا ہے، مگر اس کا دلی ارادہ یہ ہوتا ہے کہ کسی کی عورت کو اغواء کرکے بھگا لے جائے۔ بعض لوگ اعتبار جما کر لوگوں سے بہت سا روپیہ قرض لے لیتے ہیں، اقرار نامے بھی لکھ دیتے ہیں اور لیت و لعل کرکے بہت سا وقت گذار دیتے ہیں۔ ان کے منافق ہم قوم، ہجرت کا موقعہ دیکھ کر اُنہیں پیغام بھیجتے ہیں کہ اس وقت مومن کے لباس میں ہجرت کرکے یہاں چلے آؤ۔ اُمید ہے کہ مسلمانوں کی حمایت کے سبب تم اس قرض کے ادا کرنے سے سبکدوش ہو جاؤ گے، لیکن ایسا خیال قطعاً غلط ہے۔ قرآنِ کریم یہ ہرگز نہیں سکھاتا کہ کسی کے ساتھ بھی خیانت کا برتاؤ کیا جائے

کوئی شخص ایسی ہی خیانت کرکے مدینہ میں مومن کے لباس میں آیا تھا۔ اس کے پیچھے وہ شخص بھی آ پہنچا، جس کی خیانت اُس نے کی تھی۔ اس خائن کی قوم نے بڑے زور کے ساتھ اس کے مقدمہ کی پیروی کی اور کئی ایک مومنوں کو بھی اپنے ساتھ اس خیال میں ملا لیا کہ یہ خائن بے قصور ہے۔ رسولِ کریم کے دل میں بھی یہ خیال گذرا کہ اس شخص کے ساتھ دغا کیا گیا ہے۔ اس مقدمہ کا موجب صرف مذہبی عداوت ہی ہے۔ یہ لوگ اس کے ہجرت کرنے کو نہیں دیکھ سکے۔ رسولِ کریم کا ہر خیال وحی نہیں تھا۔ اگر قرآنِ حکیم رسولؐ کا اپنا خیال ہوتا، تو اس میں رسولؐ کے لئے اس قسم کی سرزنش نہ کی جاتی۔ چونکہ یہ مقدمہ دوسری قوموں پر بُرا اثر ڈالنے والا تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اپنے قرآن میں وحی کرکے رسولِ کریم کو اس غلطی سے بچا لیا اور آئندہ کے لئے ہوشیار کر دیا اور جہان والوں کے لئے اس مقدمہ کے فیصلہ کو ایک عالیشان نمونہ بنایا) ۱۰۵ بلاشبہ ہم نے تیری طرف اس کتاب (یعنی قرآن) کو حق کے ساتھ اُتارا ہے (اس میں اصولِ حقہ بیان کئے گئے ہیں۔ قرض و امانت کے متعلق بھی تحریر و شہادت کا ذکر ہے) تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرے، جو اللہ تجھے دکھلائے (یعنی سمجھائے، پھر چونکہ قرآنِ حکیم کے مطابق رسولِ کریم کے بعد بھی لوگوں نے فیصلہ کرنا ہے، اس لئے یہ قاعدہ دوسرے ججوں کے ساتھ

ہوتی چلی جائے، حتی الوسع کبھی رہ نہ جائے۔ خدا تعالیٰ نے اس جگہ خوف کی نماز کا بھی بڑی صفائی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ پھر کیا دوسری نمازوں کا بیان کسی اور انسان کے سپرد کیا ہے؟)

اور اس (دشمن) قوم کے ڈھونڈ نکالنے میں سستی نہ کرو۔ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو، تو وہ بھی تو تکلیف اٹھا رہے ہیں، جس طرح تم تکلیف اٹھا رہے ہو، اور (تمہارا تکلیف اٹھانا راستی پر ہے اور ان کا تکلیف اٹھانا اپنے ظلم کے سبب سے ہے، اس لئے) تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو، جو وہ اُمید نہیں رکھتے (اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ رحمت کے امیدواروں کو کیوں جلدی سے مطمئن نہیں کر دیتا، تو اس کے جواب میں فرمایا، کہ) اللہ سب کچھ جاننے والا، لیکن حکمت سے کام کرنے والا ہے

رکوع ۱۶

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ○ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ○ وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ ٱلَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ○ يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ ٱلْقَوْلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ○ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ جَٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فَمَن يُجَٰدِلُ ٱللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ○ وَمَن يَعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُۥ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ يَجِدِ ٱللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ○ وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُۥ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ

سے کچھ نہیں بگاڑے گا ﷺ و ﷺ وغیرہ) اور اللہ بڑے علم والا، بڑی حکمتوں والا ہے (وہ خود ہی بچائے گا)۔

(اس آیت میں خائن کو دھمکی دی ہے کہ تو نے پہلے نادانستہ یا دانستہ امانت کو اپنے قبضہ میں لیا، پھر خود ہی خیانت کی اور بے گناہ قرضخواہ کو ملزم ٹھہرایا اور کہا کہ میں نے اس کی امانت اُسے دے دی ہے، اس وقت وہ مذہبی عداوت سے اُلٹا مجھ پر الزام لگاتا ہے اور ممکن ہے کہ یہ تینوں نصیحتیں تمام لوگوں کے آگے پیش کی گئی ہوں) ؁ اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کمائے، پھر اُسے کسی بے گناہ پر ڈال دے، تو اُس نے بہتان اور صریح گناہ اپنے (سر پر) لیا۔

رکوع ۱۷

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ؑ

ترجمہ ۔ (رکوع سابق میں رسولِ کریم اور مومنوں کو قرآن مجید نے ایک بڑی غلطی سے بچایا اور بہا اراک اللہ کہہ کر مقدمہ کرنے کا عقلی طریق بھی سکھایا۔ رسولؐ اور مومنین شورے سے بھی بہت کچھ کام لیتے تھے۔ رسولِ کریم کو شورے کا حکم دیا گیا ہے، اور مومنوں کے متعلق فرمایا ہے کہ مومن اپنے کام آپس میں مشورہ کر کے کرتے ہیں۔ شورے میں

بھی ویسا ہی تعلق رکھتا ہے۔ یہ حکم رسول کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ لا تکن للخائنین خصیما اور استغفر اللہ اور لا تجادل الخ کے احکام ہیں۔ جیسا کہ آگے آتا ہے

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جج دونوں فریق کے اظہار لے۔ ایک فریق دوسرے فریق پر جرح سوال کرے۔ جج بھی حقیقت کو نکالنے کے مناسب سوال کرتا جائے پھر فریقین سے اپنے اپنے بیان کے ثبوت اور تحریریں اور شہادتیں مانگی جائیں۔ پھر اس طرح سے جو باتیں ثابت شدہ ہوں اور جو حقیقتیں جج کے سامنے آجائیں، اُن کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور احتمالات کے ذریعہ سے ثابت شدہ حقائق کو نہ توڑا جائے بما اراك اللہ کے یہی معنی ہیں)

اور تو (اے رسول) خیانت کرنے والوں کے لئے جھگڑا کرنے والا نہ بن، اور اللہ سے بخشش مانگ بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے۔ اور اُن لوگوں کی طرف سے جھگڑا مت کر، جو اپنی جانوں کی خیانت کرتے ہیں (یہ خائن کی قوم ہے، جو اُس کے مقدمہ کی پیروی کرتے تھے) بلاشبہ اللہ اُس شخص کو جو خیانت پیشہ، بدکردار ہے، دوست نہیں رکھتا۔ (یہاں تک رسولؐ کو جگایا اور خبردار کیا ہے)

(اس آیت میں خائن کی قوم کی شرارت کا بیان ہے) یہ لوگ آدمیوں سے چھپتے ہیں (رسولؐ بھی ایک آدمی ہے، اب تک اُس سے بھی چھپے ہوئے تھے) اور اللہ سے نہیں چھپ سکتے، اور وہ (خدا) اُن کے ساتھ (ہوتا) ہے، جب وہ رات کو اُن باتوں کے مشورے کرتے ہیں، جن باتوں کو وہ (خدا) پسند نہیں کرتا اور اللہ اُن کے کاموں پر گھیر ڈالنے والا ہے (یہ رسولؐ کا اور دیگر مومنوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے)

(اس آیت میں مومنوں کو سخت ملامت کی گئی ہے) ایں! تم وہ لوگ ہو، جنہوں نے اس دنیا کی زندگی میں اُن کی طرف سے جھگڑا کیا، پھر پیشی کے دن اُن کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑا کرے گا، یا کون اُن کا وکیل بن کر آئے گا

(اس آیت میں مومنوں کو توبہ و استغفار کی تاکید کی ہے) اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ سے بخشش مانگے، وہ اللہ کو غفور رحیم پائے گا

(اس آیت میں خائن کی قوم کو دھمکایا ہے کہ تمہاری شرارتیں مومنوں کا کچھ نہیں بگاڑینگی) اور جو شخص گناہ کا کسب کرے، تو اُس کا ضرر اُس کی جان پر ہوگا (وہ مومنوں کا نتیجہ کے لحاظ

بُری جائے باز گشت (چلی آتی) ہے

رکوع ۱۸

[۱۱۶] اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ
بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ [۱۱۷] اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ
اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ [۱۱۸] لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا
مَّفْرُوْضًا ۝ [۱۱۹] وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ [۱۲۰] يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ
اِلَّا غُرُوْرًا ۝ [۱۲۱] اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۝ [۱۲۲] وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝ [۱۲۳] لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ
وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ [۱۲۴] وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ [۱۲۵] وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ
اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ
اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ [۱۲۶] وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
مُّحِيْطًا ۝ ع

دوسرے داناؤں کی عقلوں سے بھی فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اندریں صورت یہ بالکل بجا ہے کہ اس رکوع میں قرآن اور شورے کی تعریف کی جائے، جن کے ذریعہ سے انسان بہت کچھ غلطیوں سے محفوظ رہتے ہیں اور آئندہ کے لئے اعلیٰ ارتقاء پر پہنچتے جاتے ہیں۔) اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل (یعنی قرآن) اور اُسکی رحمت (یعنی حکم شورے اور استنباط اور عقل ملی) نہ ہوتی، تو اُن میں سے ایک طائفہ (یعنی خائن کی قوم) نے یہ قصد کر لیا تھا کہ وہ تجھے گمراہی میں ڈال دیویں (اور ایک طائفہ مومنوں کا تھا، جس کا ارادہ یہ ہرگز نہیں تھا کہ رسول کو غلطی میں ڈال دیں، لیکن خائن کی قوم کے دھوکہ دینے سے وہ غلطی میں پڑ گئے تھے۔ رسولِ کریم اپنی ذات کے لحاظ سے بلاشبہ غلطی میں پڑنے کے قابل تھے، لیکن اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم کو نازل کرکے حضور کو اس غلطی سے بچالیا۔ اب منافق کمیٹیاں کرنے لگے کہ اس رسول کو کسی طرح ضرر پہنچائیں، جیسا کہ پہلے رکوع میں موجود ہے) اور وہ (ایسی کمیٹیاں کرکے) اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں اور یہ لوگ تیرا (اور تیرے ساتھیوں کا) کچھ نہیں بگاڑیں گے (وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا۔ ان اللہ بما یعملون محیط ۱۲۰/۳۔ تم قرآن پر عمل کرو اور مشورے کرتے رہو، اللہ تمہارا محافظ ہے۔ شروع آیت میں جسے اللہ کا فضل کہا گیا ہے، وہ قرآن ہے) اور اللہ نے تجھ پر کتاب (یعنی فرائضِ الٰہی) اور حکمت (یعنے اُن کی مثلو تشریح) نازل کی ہے اور اس (خدا) نے (اس قرآن کے ذریعہ سے) تجھے وہ باتیں بھی سکھائی ہیں، جو تو نہیں جانتا تھا (مثلاً احکامِ میراث اور حلّت و حرمتِ عورات وغیرہ) اور تجھ پر خدا کا بڑا افضل ہے (قرآنِ کریم رسول کے لئے اور تمام جہان کے لئے فضلِ کبیر ہے ۱۵/۱)

(دوسری چیز جو اللہ کی رضامندی کا موجب ہے، آپس میں مشورہ کرنا ہے) ان لوگوں کی بہت سی کمیٹیوں میں کوئی خیر نہیں ہے۔ ہاں (اس شخص کی کمیٹیوں میں بالضرور خیر ہے) جو صدقہ کا، یا معقول بات کا، یا (اس طرح) لوگوں کے درمیان صلح کرانے (اور اصلاح پھیلانے) کا حکم کرے اور جو شخص خدا کی رضامندی چاہنے کے لئے ایسا کرے، تو قریب ہی ہم اُسے بڑا اجر دیں گے۔ اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے، پیچھے اس کے کہ اس کے لئے الھدیٰ (یعنی قرآن) بیان کر دیا گیا اور (انتظامی امور میں) مومنوں کے رستہ (یعنی شورے) کے غیر کی پیروی کرے (یعنی بلا دلیل اپنی اھواء پر چلے) تو ہم اُسے اُدھر ہی موڑیں گے، جدھر وہ مُڑتا ہے (اور یوں اس میں بدعادات راسخ ہوتی جائیں گی) اور ہم اُسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ

ہرگز نہیں سکھا سکتے۔ یہ کام شیطان مرید کا ہے) اور یہ نہیں پکارتے، مگر سرکش شیطان کو
(مجوس شیطان کو بھی پوجتے تھے۔ ڈاکو، جادوگر، انسان کو دُکھ دینے والے، ایسے سب لوگ
شیطان سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ انہیں خدا تعالےٰ کی ہستی کا کچھ خوف نہیں ہوتا۔ اُن
کا کام مطلب برآری اور خود غرضی ہی ہوتا ہے)
[118] اُس (شیطان) کو خدا نے رحمت (کے کاموں) سے دُور کر دیا ہے اور اس کا قول ہے
کہ (اے خدا) میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصّہ کو (جو حق اور انصاف سے بیزار
ہیں) اپنے قابو میں کرلوں گا۔ [119] اور البتہ میں (اُن کی عقل پر پردہ ڈال کر) انہیں گمراہ کرونگا
اور اُن (کے دلوں) میں چاؤ پیدا کروں گا (کہ فلاں میرا شفیع ہوگا اور میں فلاں کے کفارہ بننے
سے بخشا جاؤں گا، فلاں شخص مجھے جہنم سے نکال لائے گا۔ انسان دل میں شیخ چلّی والے منصوبے
باندھتا ہے، جن کی کوئی دلیل اور کوئی اصلیت نہیں ہوتی) اور البتہ میں اُنہیں حکم کرونگا، تو
وہ مویشیوں کے کان کاٹیں گے (یعنی خدا تعالےٰ کے پیدا کئے ہوئے جانوروں کو دیویوں اور
شیطانوں کے آگے نذر گذرانیں گے اور انسانوں کے فوائد سے روک دیں گے اور اس خصوصیت
کو دکھلانے کے لئے اُن پر ایسے نشان لگائیں گے کہ اُن کے کان کاٹ ڈالیں گے۔ ایسے مویشیوں
کو بحیرہ کہتے تھے، جیسا کہ ساتھ کی سورت میں مذکور ہے) اور البتہ میں اُنہیں حکم کرونگا تو وہ اللہ
کی پیدائش کو بدل ڈالیں گے (خلافِ فطرت رویہ پر چلیں گے۔ ہر شے کو قدرتی مناسبتوں سے
نکال ڈالیں گے، جو نیکی کا پھل ہے، وہ بدی سے چاہیں گے، لیکن اللہ کی پیدائش کبھی نہیں بدل
سکتی۔ بدلنے والے خود ہی پِسے جائیں گے، جیسا کہ سُورت روم میں صاف مذکور ہے۔ اللہ تعالےٰ
نے تمام قوانین کو بے بدل اور اتقن بنایا ہے، جو اُنہیں بدلنا چاہے، وہ خود ہی مصیبتوں میں
پھنس جائے گا) اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سرپرست بنائے، تو وہ صریح نقصان
میں پھنس گیا۔ [120] وہ (شیطان) اُنہیں ڈراتا ہے اور (نئی نئی) تمناؤں میں ڈالتا ہے، اور
شیطان کے وعدے صرف دھوکے کے ہیں۔ [121] یہ لوگ جو ہیں، تو اِن کا ٹھکانا جہنم ہے، اور
(جب تک اُنہیں سزا ملنی مناسب ہے) وہ اس سے مخلصی نہیں پائیں گے۔ [122] اور وہ لوگ جو (سچے
خدا پر) ایمان لائے اور (اُس کی رضامندی چاہنے کو) صلاحیّت والے عمل کئے تو اُن کے لئے
اِس دنیا میں بھی بہتری ہے، اور) قریب ہی ہم اُنہیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے، جن کے

ترجمہ (رکوع سابق میں بتایا گیا ہے کہ خائن کی قوم رسولِ کریم سے ناراض ہو گئی تھی وہ شرک کی طرف راغب تھے۔ بعض اُن میں سے ناراض ہو کر مشرکوں میں جا ملے اور توحید و انصاف کو چھوڑ کر شیطان پرستی کی طرف لَوٹ گئے۔ اس جہان میں جس طرح راستی کے محرکات انسان کے اندر کام کرتے ہیں، اسی طرح بدی کی طرف کھینچنے والے اثرات بھی پائے جاتے ہیں اس رکوع میں بدی کی تحریک کا نقشہ کھینچکر دکھلایا ہے)

بلاشبہ اللہ اس بات کو (پوری سزا کے بغیر) نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا جس کے لئے چاہتا ہے (اپنی حکمت کے مطابق) بخش دیتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرے، وہ دُور کی گمراہی میں گم ہو گیا (پس شرک کی سزا تمام گناہوں سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کے ساتھ کوئی شریک فرض کر لیا جائے، تو یہ تمام عالم تہ و بالا ہو جائے، کوئی چیز اپنی اصلی حالت پر نہ رہے، جو لوگ شرک کرتے ہیں، وہ ایسے عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں، جس کا پھل اُن کے اعتقاد کے مطابق یہ ہوگا کہ زمین پھٹ جائے، پہاڑ اُڑ جائیں، ستارے و سیارے سب تتر بتر ہو جائیں۔ ہر طرف آگ اور جلن اور بے چینی ہی نظر آئے، اُن کے اعتقاد کے مطابق اُن کو موجودات سے یہی پھل مِل سکتا ہے۔ اس شرک سے بہت سے اور گناہ بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جس گناہ میں تیزی اور شرارت اور خدا تعالےٰ سے لا پروائی پائی جائے۔ اُس کی سزا ضرور ملے گی۔ شرک چونکہ ایک اعتقادی جرم ہے، اس لئے اس کا تعلق رُوح کے ساتھ ہے، شرک کی رُوحانی یعنی اصلی کایا پلٹ جاتی ہے۔ جن گناہوں کا اثر جسمانی ہوتا ہے، اُن کی سزا بسا اوقات اس دنیا میں مل چکتی ہے

حاصل یہ ہے کہ انسان کے لئے اپنی بساط اور سمجھ کے مطابق سب سے پہلے اعتقادات کا درست کرنا ضروری ہے اور اعتقادات زندہ حق کے ساتھ تعلق پکڑنے کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتے۔ اگر خدا تعالےٰ سب سے اعلےٰ ہے، تو اس سے علیحدگی کی سزا بھی سب سے اشد ہی ہونی چاہیئے)

یہ لوگ اُس (خدا) کے سوائے نہیں پُوجتے، مگر زنانیوں کو (یعنی دیویوں کو۔ قریش ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ وہ لوگ دُنیا میں عورتوں کو ذلیل کرتے اور ہاتھ کا مال سمجھتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو بھی عورتوں اور پریوں کی شکل میں دیکھ کر خوش ہوتے تھے، اور خیال کرتے تھے کہ عورت ذات جلدی سے ریجھ سکتی ہے، لیکن ملائکہ جو نیکی کے محرک ہیں، وہ شرک

حاصل کرنے میں) ابراہیم کے طریق پر چلے، جو مائل بحق تھا (وہ حق بات کو ہر جگہ سے لے لیتا تھا، وہ مشرک نہیں تھا، وہ دردمند حلم والا تھا، وہ اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کے آیا تھا۔ قرآن حکیم نے واضح کرکے اسی تعلیم کو پیش کیا ہے اور بحثیں کرکے اس کی صداقت کو دکھلایا ہے، اور جو باتیں اس اصول کے برخلاف تھیں، اُن سے بوضاحت تمام روک دیا ہے۔ یہی سچا دین اسلام ہے۔ اس کے سوائے کوئی دین قبول نہیں ہوسکتا۔ ابراہیمؑ پر کل ادیان کا اتفاق ہے۔ قریش، یہودی، صابئی، عیسائی اور مجوسی سب اُن کو راستباز جانتے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ ابراہیمؑ ہی برہما ہے، ابراہیمؑ کا نام لے کر تمام مذاہب کو نادم کیا ہے کہ تم نے اس قدر تفرقے کیوں پیدا کر لئے ہیں۔ مائل بحق ہونا ہی اصل دین ہے، جو اس دین میں اعلےٰ درجہ پر پہنچے گا، وہی اللہ تعالےٰ کا خلیل ہوگا۔ خلیل وہ ہے کہ اس میں اور اللہ میں کسی دوسرے کی گنجائش نہ رہے۔ اُس کی توجہ صرف خدا تعالےٰ کی طرف ہوجاتی ہے، وہ صرف اُسی کی رضامندی کو مقدّم سمجھتا ہے) اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا (اسی طرح دوسرے لوگ بھی خلیل بن سکتے ہیں، لیکن خدا تعالےٰ کا کوئی شریک نہیں بن سکتا، خدائی خاصے کسی میں نہیں آسکتے۔ خدا تعالےٰ نے سب چیزوں کو پیدا کیا۔ کیا کوئی خالق بنایا جاسکتا ہے۔ خدا تعالےٰ کو تمام زمینی و آسمانی اشیاء کا اختیار ہے۔ کیا کوئی اور اس لائق ہے، جو اُسے یہ اختیار دیا جائے خدا تعالےٰ بے غلط علیم کل ہے۔ کیا کوئی انسان بے غلط بنایا گیا ہے اور اُسکی باتوں کو الگ کرکے مثلہٗ معہٗ قرار دیا جاسکتا ہے۔ خدا تعالےٰ واحد ہے اور تمام عوالم میں ابراہیمؑ جیسے بے شمار خلیل اللہ تھے اور آگے بھی ہونگے، جیسا کہ اگلی آیت میں واضح کردیا گیا ہے)

۱۲۶ اور اللہ ہی کی ملک ہے، جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (ایسی ہی اندر ہی اندر سرایت کرنے والی مالکیت کسی مختار مخلوق کو نہیں مل سکتی) اور اللہ ہر شے پر محیط ہے (اس کا علم بے غلط ہے، ایسا علم کسی کو نہیں دیا جاسکتا)

رکوع ۱۹

۱۲۷ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ

نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ وہ اُن (باغوں) میں ہمیشہ کے لئے رہ پڑنے والے ہیں (ایک باغ دُوسرے باغ سے اعلےٰ ہوگا، اور یوں ہمیشہ ترقیات حاصل کرتے جائیں گے) خدا کا وعدہ سچّا ہے اور خدا سے کسی بات میں کون زیادہ سچا ہو سکتا ہے۔ (جب یہ منصب کسی کو نہیں مل سکتا، تو کیا شیطان ہی کو یہ عہدہ مل سکتا ہے کہ اُس کے وعدد وعید سچے ہوں؟

صلاحیّت قدرتی ترتیب سے پیدا ہوتی ہے۔ کسی شخص کا اپنا خیال ہی صلاحیت نہیں بن سکتا۔ بدی صلاحیّت کے برخلاف ہے۔ پس بدی بھی محض کسی کے کہنے سے بدی نہیں بن سکتی) نہ تمہاری خواہشوں سے کچھ (بن سکتا) ہے، اور نہ اہلِ کتاب کی خواہشوں سے، جو بدی کرے گا، اُس کی اُس کو سزا ملے گی اور وہ اللہ کے سوائے اپنے لئے کوئی سرپرست اور مددگار نہیں پائے گا

(پس شفیعوں اور کفاروں کے خیال سب باطل ہیں۔ اگر کوئی شفیع ہے، تو وہ خود اللہ کی رحمت ہی ہو سکتی ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے ؎

نفسِ شیطاں زد کریما راہِ من
رحمت باشد شفاعت خواہِ من)

اور جو شخص صلاحیّت والے کام کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ (خدا کا) ماننے والا ہو (خدا تعالےٰ کے انصاف و رحمت کے آگے مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ ہاں، خدمتیں اُن کی وسعت کے مطابق اُن پر ڈالی جا سکتی ہیں۔ پس ایمان و عمل کے نتیجہ کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا) سو یہ لوگ جو ہیں، تو یہ جنّت میں داخل ہوتے ہیں اور اُن پر ایک نقطہ کے برابر ظلم نہیں کیا جاتا (ایسا عدل و انصاف سوائے خدا تعالےٰ کے اور کسی کی طاقت میں نہیں ہے۔ اگر ایسا حکمران چاہتے ہو، تو خدا تعالےٰ کی طرف آؤ، جو احکم الحاکمین ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی بالغیر احکم الحاکمین بھی نہیں بنایا جا سکتا۔)

(اب سچّے اور اعلیٰ دین کی ایک صریح علامت پیش کی جاتی ہے) اور دین میں اس سے بڑھ کر اچھا کون ہے، جو اپنی توجہ اللہ کے لئے سونپ دیوے (اس توجہ میں کسی غیر کو وسیلہ و شفیع نہ بنائے۔ وسیلہ انسان کے صلاحیّت والے اعمال اور شفیع اللہ تعالےٰ کی رحمت ہے اور بس) اور وہ احسان کرنے والا (اور ہر بات کو عمدہ بنانے کی کوشش کرنے والا) ہو، اور (سچی باتوں کے

فرماتا ہے، کہ ایسی عورتوں سے کوئی تعرض نہ کرو، صرف اُنہی سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں۔ ۲/۸

پھر اُوپر کے رکوعوں میں ہجرت کا ذکر چلا آتا ہے۔ بہت سی عورتیں ہجرت کر کے مسلمانوں کی پناہ میں آگئی تھیں۔ اُن کی قوم اُن پر جبر مذہبی کرتی تھی۔ وہ اپنا ایمان بچاکر مدینہ میں آپہنچیں مومنوں نے اُن کے متعلق فتوے پوچھا کہ کیا ہم ان عورتوں سے نکاح کریں۔ مدینہ کے بعض لوگ چاہتے تھے کہ ہم اپنی گستاخ عورتوں کو طلاق دے دیں اور ان مہاجرات سے نکاح کرلیں اللہ تعالےٰ نے اس کے متعلق بھی یہاں فتویٰ دیا ہے)

۱۲۸ لوگ تجھ سے عورتوں کے بارہ میں پوچھتے ہیں، تُو کہہ کہ اللہ تم کو اُن (عورتوں) کے بارہ میں (یعنی اُن کی خیر میں قدرتی طور پر) فتوےٰ دیتا ہے اور وحی (کے ذریعہ سے بھی فتوےٰ دیتا ہے، اس لئے کہ عورتوں کے حق میں فتوے دیتی ہیں، تم کو وہ آئتیں بھی) جو تم پر اس کتاب (یعنی قرآن میں، بلکہ اسی سُورت) میں (ذیل کے تین مضامین کے ماتحت) پڑھی جاتی ہے۔ (اوّل) اُن یتیم عورتوں کے بارہ میں، جنہیں تم وہ (حقوق) نہیں دیتے، جو اُن کے لئے لکھے گئے ہیں اور (اُن کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت کرتے ہو (تاکہ تم اُن کے مال کھا جاؤ) اور (دوم) عاجز بچوں کے بارہ میں، اور (سوم) یتیموں کے لئے انصاف کے ساتھ قائم ہونے کے متعلق۔

دکیا اس آیت سے کھلے طور پر نہیں ثابت ہوتا کہ احکم الحاکمین خدا نے عورتوں کو یتیموں اور عاجز بچوں کی طرح قابلِ رحم بتایا ہے۔ اگر دنیا کی کسی اور کتاب میں بھی ایسا مضمون پایا جاتا ہے، تو اُسے پیش کیا جائے) اور جو کوئی خیر کا کام تم کرو (اور اُنہیں عالم و عالی خیال اور نیک و خوشحال بناؤ) تو بلاشبہ اللہ اُس کو جاننے والا ہے (اللہ تمہیں اس کا پُورا اجر دیگا)

۱۲۹ اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی طرف سے سرکشی کرنے یا مُنہ موڑنے (یعنی طلاق دینے) کا خوف کرتی ہو، تو اُن دونوں (یعنی میاں بیوی) پر کوئی گناہ تو نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کرلیویں، اور (یاد رکھو کہ) صلح ہی بہتر ہے اور نفسوں پر بخل حاضر کیا گیا ہے (یعنی انسان کی طبیعت خیرات و احسان کی نسبت بخل کی طرف زیادہ جُھکتی ہے، حالانکہ جو بخل سے بچے، وہ ہی مُفلح ہے ۴۹/۳ د ۲۸/۱۹

فی یتمی النساء التی لا تؤتونهن ما کتب لهن وترغبون ان تنکحوهن
والمستضعفین من الولدان وان تقوموا للیتمی بالقسط وما تفعلوا من
خیر فان الله کان به علیما ۞ ۱۲۸ وان امراة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا
فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر واحضرت الانفس
الشح وان تحسنوا وتتقوا فان الله کان بما تعملون خبیرا ۞ ۱۲۹ ولن
تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروها
کالمعلقة وان تصلحوا وتتقوا فان الله کان غفورا رحیما ۞ ۱۳۰ وان یتفرقا
یغن الله کلا من سعته وکان الله واسعا حکیما ۞ ۱۳۱ ولله ما فی السموت
وما فی الارض ولقد وصینا الذین اوتوا الکتب من قبلکم وایاکم ان
اتقوا الله وان تکفروا فان لله ما فی السموت وما فی الارض وکان الله
غنیا حمیدا ۞ ۱۳۲ ولله ما فی السموت وما فی الارض وکفی بالله وکیلا ۞ ۱۳۳ ان
یشا یذهبکم ایها الناس ویات باخرین وکان الله علی ذلک قدیرا ۞ ۱۳۴ من
کان یرید ثواب الدنیا فعند الله ثواب الدنیا والاخرة وکان الله سمیعا
بصیرا ۞ ع

ترجمہ ۔ (جب مومن حملہ آوروں کی مدافعت کے لئے نکلتے تھے، تو دیکھتے تھے کہ حملہ آوروں
کی عورتیں اُنہیں بہت سی مدد دیتی ہیں۔ وہ اُن کے لئے پانی لاتی تھیں اور کھانا تیار کرتی تھیں
اور خیموں کی حفاظت اور خدمت پر لگی رہتی تھیں۔ مومنوں نے اُن کے متعلق فتوے پوچھا۔ اللہ تعم

ہر ایک کو بے پروا کر دے گا (مرد یہ نہ سمجھے کہ اس عورت کا میرے بغیر کوئی ٹھکانا ہی نہیں، اور عورت یہ نہ سمجھے کہ اس مرد کو بیوی کہاں سے ملے گی۔ سب کام خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں) اور اللہ فراخی والا حکمت والا ہے (خدا تعالیٰ کے کارخانہ میں فراخی ہے اور حکمت کے مطابق سبب سازی بھی کر دیتا ہے)

۱۳۱ (اس آیت میں سکھایا ہے کہ تم اصل مالک نہیں ہو، اور تمام شریعتوں کا خلاصہ خدا تعالیٰ کا خوف ہے۔ سو تم آپس میں ہمیشہ خوفِ خدا کو مدِّنظر رکھا کرو) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ کی ملک ہے (ہر زمین کے ساتھ سات سماء ہیں، اور وہ اکٹھے حرکت کرتے ہیں اور ایسے عوالم بے شمار ہیں) اور ہم نے اُن لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اور خاص تم کو بھی یہی وصیّت کی ہے کہ اللہ سے ڈرو، اور اگر تم کفر کرو، تو بلاشبہ اللہ ہی کا ہے، جو کچھ سماوات میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (اور تم اپنی کرتوتوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے) اور اللہ (اپنی ذات میں) بے پروا حمد والا ہے

۱۳۲ اور (اگر تم حق کی حمایت کرو گے، تو یاد رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے اور وہ (حق پرستوں کا) کافی کارساز ہے

۱۳۳ اے لوگو! اگر خدا چاہے، تو تم (ایسے لوگوں) کو دُور کر دے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے، اور اس بات پر قادر ہے (کس قدر ناراضگی کا اظہار ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم خود ہی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بنیں اور اپنے مالک کو راضی کریں، وہ ہمارے آرام سے خوش ہوتا ہے، ورنہ ہم اُس کا کچھ بھی نہیں سنوارتے)

۱۳۴ جو شخص دُنیا کا اجر چاہتا ہے، سو (یاد رکھے کہ) اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا اجر ہے (نیکی کے کرنے میں دنیا و آخرت دونوں مل جاتے ہیں۔ لیکن دُنیا پرست دُنیا کو حاصل کر لیتے ہیں، مگر اُن کا انجام بخیر نہیں ہوتا) اور اللہ سُننے والا، دیکھنے والا ہے۔ (وہ حق پرستوں کا خود ہی سرپرست بنتا ہے)

رکوع ۲۰

۱۳۵ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

اِس جگہ بیویوں کو سکھایا ہے کہ اگر تم اپنے کچھ حقوق چھوڑ دو اور طلاق سے بچو، تو یہ بہت ہی اچھی بات ہے۔ ہاں یہ تمہارے خاوندوں کا قصور ہے کہ وہ تمہیں کافی نان ونفقہ نہیں دیتے) اور اگر تم (اے خاوندو!) احسان کرو، اور (خدا سے) ڈرو، تو بلاشبہ اللہ تمہارے کاموں سے (پورا) خبردار ہے (وہ تمہیں تمہارے احسان کا کافی سے بڑھ کر عوض دے گا۔ پس نہ عورتیں طلاق لیویں اور نہ مرد طلاق دیویں)

(سابقہ آیت کو سُن کر مرد اپنے دل میں خیال کرسکتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے مجھے اس عورت کو طلاق دینے سے روکتا ہے، اچھا میں اس کی اجازت حاصل کر کے دوسری عورت بیاہ لاؤنگا، تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ دو عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں عدل ومساوات کی شرط ہے اور یہ کام تمہاری طاقت سے باہر ہے) اُور[۱۲۹] (اگر تم دوسری عورت کرلوگے، تو اس عورت میں) تم عورتوں کے درمیان عدل نہیں کرسکوگے، اگرچہ بڑے حرص کرو (اس بات کو سُنکر مرد کے دل میں خیال گذرسکتا ہے کہ مجھے اس عورت کے چھوڑنے سے منع کیا گیا ہے اور دوسری عورت کے کرنے سے بھی روکا گیا ہے، تو اب یہ عورت پڑی لٹکے، معلّقہ چھوڑنا تو سخت گناہ ہے اللہ تم فرماتا ہے کہ کالمعلقہ بھی نہ چھوڑو

معلّقہ وہ ہے، جو نام کی عورت ہے، لیکن اس کے ساتھ عورت والا سلوک واحسان نہیں کیا جاتا اور کالمعلقہ وہ ہے، جس کے ساتھ کچھ سلوک تو کیا جاتا ہے، لیکن گذارہ کے مطابق کافی سلوک نہیں کیا جاتا، سو جب تم کو دوسری عورت سے روکا گیا ہے) سو تم (پہلی عورت کی طرف سے) بالکل جُھک نہ جاؤ (اور ایسا ظلم نہ کرو) کہ اُسے کالمعلقہ (یعنی لٹکائی ہوئی کی مانند) چھوڑ دو (یعنی گذارہ کے مطابق تعلق ضرور رکھو۔ ایسی حالت بھی طلاق سے اچھی ہے اور ممکن ہے کہ آگے کو صفائی ہوجائے) اور اگر تم (اپنی بیوی کے ساتھ پُوری) صلح کرلو اور (اللہ تعالےٰ سے) ڈرو، تو بلاشبہ اللہ (تمہارے پچھلے گناہوں کو) بخشنے والا (اور آئندہ کے لئے) رحم کرنے والا ہے (ہاں اگر دونوں عورتیں زمانہ کی ضرورت کے ماتحت اپنی خوشی سے اپنے حقوق کو معاف کردیں اور محبت کے ساتھ رہنا چاہیں، تو یہ عورتوں کی مرضی پر منحصر ہے۔ اس میں مردوں کی خواہش نفسانی کا کوئی لحاظ نہیں)

اُور[۱۳۰] اگر وہ دونوں (منصفوں کی کوشش کے بعد) الگ ہوجائیں، تو اللہ اپنی فراخی سے

پھر دیکھو کہ سابق رکوع میں دکھلایا ہے کہ عورات پر رحم سکھانے کی خاطر خدا تعالےٰ نے اس قرآن میں اور دیگر تمام الٰہی کتابوں میں خوفِ خدا پر بڑا زور دیا ہے اور ظاہر ہے، کہ خوفِ خدا ہی دوسرے لفظوں میں اسلام کا نام ہے۔ اس خوفِ خدا کی یہاں یوں تشریح کی گئی ہے کہ راستی کو کبھی نہ چھوڑنا، خدا تعالےٰ کو سامنے رکھ کر ہمیشہ سچی گواہی دینا، اگر سچ کے اظہار میں تمہاری جان کا نقصان بھی ہو، یا تمہارے والدین اور دیگر اقربون یعنی اولاد وغیرہم کو کوئی صدمہ پہنچتا ہو، تو بھی سچ سے کبھی نہ رُکنا۔ اگر کوئی شخص غنی ہے، تو سچ بولنے میں اُس کی رعایت نہ کرنا، اور اگر کوئی شخص فقیر ہو، تو اُس پر ترس کھانا بھی تمہیں راستی سے ہرگز نہ روکے انصاف کرنے میں خواہش نفسانی کی ہرگز پیروی نہ کرنا، سچ بولنے سے کبھی اعراض نہ کرنا، اور زبان کو کسی بات کے بیان کرنے میں مت مروڑنا، بلکہ پوری صفائی کے ساتھ سچا بیان دینا، اور خدا تعالےٰ کو ہمیشہ سامنے رکھنا، خوفِ خدا کی سچی تشریح یہی ہے اور یہی اصل اسلام ہے۔ اسلام کی بنیادی خوبی کو پیش کر کے ساتھ ہی دوسرے مذاہب کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے منافقوں کا بیان لایا گیا ہے، جو بظاہر مومنوں کا ایک حصہ سمجھے جاتے تھے۔ یہ لوگ رسولِ کریم کی زندگی میں بھی رسولؐ اور دیگر مومنوں کو ستاتے تھے اور پیچھے بھی جھوٹی حدیثیں گھڑتے رہے ہیں۔ ان کا ظاہر کچھ اور رہا، اور باطن کچھ اور۔ قرآنِ حکیم نے ان کی کرتوتیں کھلائی ہیں۔ یہ لوگ اگر دل سے رسولؐ اور دیگر مومنوں کے ساتھ ہوتے، تو اُن کے دشمنوں کے ساتھ کیوں ساز باز رکھتے۔ اہلِ کتاب میں نیک لوگ بھی تھے، لیکن اُن کے عام لوگوں میں غلط اعتقاد بھی پھیلے ہوئے تھے، اس لئے ان کا ذکر بھی ساتھ ہی لایا گیا ہے

اخیر میں تمام انسانوں کے آگے قرآن کا نور اور برہان ہونا دکھلا کر سورت کو میراث کے ایک حکم پر ختم کیا گیا ہے۔ میراث کے حکم پہلے نازل ہو چکے تھے۔ ان میں کلالہ کا لفظ موجود ہے۔ مومن کلالہ کا مطلب نہیں سمجھتے تھے۔ رسولِ کریم بھی اس حقیقت کو اپنی زباندانی اور عقل و فہم اور کسی ذاتی ملکۂ نبوت اور کسی وہبی ملکۂ تفسیر اور کسی عطا کردہ اختیار و حق سے حل کرنے کے ہرگز ہرگز قابل نہیں تھے۔ حضورؐ میں دوسرے مجتہدین اور مستنبطین کی طرح اجتہاد و استنباط کرنے کی حاصل کردہ طاقت تھی۔ ایسی طاقت رکھنے والے استادوں سے فتوے تو پوچھا جا سکتا ہے، لیکن وہ وحی الٰہی نہیں بن سکتا اور احکم الحاکمین کے وحی کے ساتھ مثلہٗ معہٗ نہیں قرار پا سکتا۔ لوگ

اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا
الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝
١٣٦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ
الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ ١٣٧ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا
ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝
١٣٨ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝ ١٣٩ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ ١٤٠ وَ
قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا
فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ۝ ١٤١ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ
فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ
نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

ترجمہ ، رکوع سابق میں عورتوں کے نکاح و طلاق کا بیان ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے امور کے فیصلہ کے لئے گواہوں کی بھی بڑی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے موجودہ رکوع میں، سچی گواہی دینے اور منافقت سے پرہیز کرنے کی ترغیب دی گئی ہے

کان نہ لگائے، تو خدا کا وہ کفر اس میں اور زیادہ ترقی کر جائے گا، پھر الٰہی کتابیں رسولوں کی معرفت آتی ہیں۔ اگر انسان غور کرے کہ ان کتابوں نے رسولوں پر کیا اثر کیا، وہ اوّل المسلمین اور اوّل المومنین بن گئے۔ وہ اپنی بساط کے مطابق خدا تعالےٰ کے فرمانبردار تھے۔ اُن کو وحی الٰہی پر پُورا الیقین تھا، وہ اللہ تعالےٰ کے حکموں کی قدر کرتے تھے اور اپنے حکموں کو اُس خدا کے حکموں کے مقابلہ میں کچھ نہیں سمجھتے تھے، وہ وحی کی تبلیغ پر کوئی اجر نہیں مانگتے تھے، وہ اپنی گرہ سے اللہ کے رستہ میں خرچ کرتے تھے، وہ فرعون جیسے کافروں کے ساتھ بھی نرمی سے پیش آتے تھے۔ وہ بدی کے عوض میں نیکی کرتے تھے، وہ اپنی ذات کے متعلق کبھی بدلا نہیں لیتے تھے۔ اُنہوں نے خدا تعالےٰ کی طرف سے پیشگوئیاں سُنائیں اور اُن کے مطابق فتح حاصل کی۔ حق کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے، تو کیا نیکوں کے طرزِ عمل سے خدا تعالےٰ کی طرف راہنمائی نہیں ہوتی؟ سو اگر اُس کافر باللہ کو نیکوں کا نمونہ بھی خدا کی طرف نہ لا سکے، تو ضرور ہے کہ کفر باللہ اُس کے سینے میں پکا ہو جائے گا۔ کیا تمام رُسل و انبیاء نے متفق ہو کر خدا تعالےٰ پر جھُوٹ باندھا ہے ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ لیکن اگر وہ کافر نیکی کے اس قدر محرکات سے بھی فائدہ نہ اُٹھائے، تو وہ خود ہی اپنے انجام کو سوچے اور اپنی آخرت پر غور کرے کہ انسان کا کمال فنا ہو جانے میں ہے، یا اعلیٰ ترقیات حاصل کرنے میں، تو آخرت بھی اُسے خدا تعالےٰ کی طرف کھینچ کر لا سکتی ہے، لیکن اگر وہ آخرت کو بھی نہ مانے، تو وہ کفر باللہ میں اور زیادہ سخت ہو جائے گا۔ اور دُور کی گمراہی میں جا پھنسے گا، ملائکہ اور کتابیں اور رسول اور آخرت نیکی کے محرک ہیں، اور خدا کی طرف مائل کرتے ہیں۔ ان محرکات سے خدا تعالےٰ کی طرف آنے کا کام لیا جائے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ چیزیں بھی خدا کی طرح مانی جائیں) اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کی کتابوں کا اور اُس کے پیغام لانے والوں کا اور پچھلے دن کا (بھی انکار کرے) تو وہ دُور کی گمراہی میں جا پھنسا

(اِن منافقوں کا کیا اعتبار ہے) بلاشبہ[۱۳۷] وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر
ایمان لائے، پھر کفر میں اور زیادہ بڑھ گئے، تو اللہ ایسا نہیں ہے کہ اُنہیں (بے سزا)
بخش دے اور (اللہ ایسا نہیں ہے کہ) اُنہیں رستہ کی ہدایت دیدے۔ منافقوں[۱۳۸] کو خوشخبری
دے کہ اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ[۱۳۹] لوگ مومنوں کو چھوڑ کر ان (حملہ آور) کافروں

رسولِ کریم سے کلالہ کے بارہ میں فتوے پوچھتے تھے۔ اگر حضورؐ میں کوئی ایسی طاقت ہوتی، جو کسی دوسرے انسان میں نہ پائی جاتی اور جس کے ذریعہ سے جو دینی بات آپ خود ہی فرما دیتے وہ بمنزلہ وحی بن جاتی اور احکم الحاکمین کے وحی کی طرح آنجنابؐ سے بھی کسی دلیل کے پوچھنے کی ضرورت نہ رہتی، تو آج تک حضورؐ اس کا جواب خود ہی دے چکے ہوتے، لیکن حضورِ انور اس دینی مسئلہ کے جواب کے لئے وحی الٰہی کے منتظر تھے اور اللہ فرماتا ہے کہ اللہ ہی تمہاری اس مشکل کو حل کرتا ہے اور تمہیں کلالہ کے بارہ میں فتوے دیتا ہے۔ دیکھو، قرآن حکیم نے رسولِ کریم کے متعلق کیسی سچی شہادت پیش کی ہے)

۱۳۵ اے ایمان (کے دعوے کرنے) والو! اللہ کے لئے شاہد بن کر انصاف کے ساتھ کھڑے (اور قائم) ہو جاؤ، اگرچہ تمہاری جانوں یا ماں باپ یا اقربوں پر نقصان (واقع) ہو۔ اگر کوئی شخص غنی یا فقیر ہو، تو (خود) خدا اُن دونوں کا (تم سے زیادہ) متولی (اور دونوں پر مہربان) ہے سو تم عدل کرنے میں خواہشِ نفسانی پر مت چلو اور اگر زبان مروڑو گے یا منہ موڑو گے، تو بلاشبہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے

۱۳۶ اے ایمان (کے دعوے کرنے) والو! (تم محمد رسول اللہ کے متعلق بڑے زور سے شہادت دیتے ہو کہ ہم اُسے سچا رسول جانتے ہیں اور اقرار کرتے ہو کہ نشهد انك لرسول الله۔ اگر تم اسے سچا رسول جانتے ہوتے، تو کیوں اُن لوگوں کے ساتھ دوستی لگاتے، جو اس رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ تم الٰہی کتابوں کے ماننے کا بھی دعوے کرتے ہو، لیکن اپنے جائز حاکم کی عدالتوں سے منہ موڑ کر طاغوت کی طرف فیصلے لے جاتے ہو۔ زبانی دعوے کچھ چیز نہیں ہیں۔ اگر تم مومن ہو تو) اللہ اور اُس کے پیغام لانے والے پر اور اس کتاب پر، جو اُس (خدا) نے اپنے پیغام لانے والے پر نازل کی ہے، اور اُن کتابوں پر جو اُس نے پہلے نازل کی ہیں، ایمان لاؤ۔ اور جو شخص اللہ کا انکار کرے (اور ظاہر ہے کہ اکیلے خدا تعالےٰ کا کفر ہی انسان کو جہنمی بنانے کے لئے کافی سے بڑھکر ہے، پھر ملائکۃ اللہ جو انسانوں میں نیکی کے خیالات ڈالتے ہیں، وہ انسانی فطرت کو خدا تعالےٰ کی طرف مائل کرتے ہیں اور دل میں اس کا شکریہ اور اس کی محبت ڈالتے ہیں۔ سو اگر انسان ملائکہ کی نیک تحریک کی قدر نہ کرے اور اُن کی بات نہ مانے، تو وہ کفر باللہ میں اور بڑھ جاتا ہے۔ پھر الٰہی کتابیں خدا کی طرف بلاتی ہیں اور اس کے ثبوت پیش کرتی ہیں، سو اگر وہ کافر اُن کی آواز پر بھی

ان تجعلوا للہ علیکم سلطنا مبینا ۝ 145 ان المنفقین فی الدرک الاسفل من
النار ولن تجد لھم نصیرا ۝ 146 الا الذین تابوا واصلحوا واعتصموا
باللہ واخلصوا دینھم للہ فاولئک مع المؤمنین وسوف یؤت اللہ
المؤمنین اجرا عظیما ۝ 147 ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم و
کان اللہ شاکرا علیما ۝ 148 لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من
ظلم وکان اللہ سمیعا علیما ۝ 149 ان تبدوا خیرا او تخفوہ او تعفوا عن
سوء فان اللہ کان عفوا قدیرا ۝ 150 ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ و
یریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر
ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا ۝ 151 اولئک ھم الکفرون
حقا واعتدنا للکفرین عذابا مھینا ۝ 152 والذین امنوا باللہ ورسلہ ولم
یفرقوا بین احد منھم اولئک سوف یؤتیھم اجورھم وکان اللہ
غفورا رحیما ۝

ترجمہ ۔ (سب لوگ وہی کاٹتے ہیں، جو کچھ وہ بوتے ہیں۔ کوئی شخص جَو بو کر گندم حاصل نہیں کر سکتا، یہ ایک قدرتی قانون ہے، لیکن اگر کوئی شخص جَو بوئے اور گندم حاصل کرنے کی اُمید رکھے، تو اُس کے خیال میں نیچر دھوکا کھا سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ نیچرل قوانین کا بنانے والا خود خدا ہے۔ پھر کیا خداتعالےٰ بھی دھوکا کھا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ منافق اپنی رُوح کو کمزور بنا کے چاہتے ہیں کہ خداتعالےٰ اِس طرح اُن کی رُوح کو قوی بنا دے گا، سو) 142 بلاشبہ منافق (اپنے خیال میں) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (اور ظاہر ہے کہ عمل کی سزا عمل کے مناسب

کو دوست پکڑتے ہیں۔ کیا ان کے پاس جاکر) یہ عزت طلب کرتے ہیں، سو (یاد رہے کہ) عزت ساری کی ساری اللہ کے لئے ہے

(یہ کافروں کے اعتراضوں کا جواب دینے نہیں جاتے۔ بلکہ اُن کی مجلسوں میں بیٹھ کر آیاتِ الٰہی پر ٹھٹھہ کراتے ہیں اور اُن کے کفریہ کلمات کو خوشی سنتے ہیں)

۱۴۰ اور وہ (خدا) تم پر اس کتاب (یعنی قرآن مجید) میں یہ بات نازل کر چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جاتا اور ٹھٹھہ کیا جاتا ہے، تو تم اُن (کافروں) کے ساتھ مت بیٹھو، جب تک وہ اس (قرآن) سے غیر حدیث (یا بات) میں نہ پڑ جائیں، بلاشبہ تم جب تو اُن کی مثل (کافر) ہو، بلاشبہ اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے

۱۴۱ یہ لوگ جو ہیں، تو یہ تمہارے متعلق (تباہی کا) انتظار کرتے ہیں (اور اگر جنگ میں جاتے ہیں، تو الگ رہ کر تماشا دیکھتے ہیں) پھر اگر تمہارے لئے اللہ کی طرف سے فتح ہو، تو کہتے ہیں، کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر ان (حملہ آور) کافروں کے لئے کوئی حصہ مل جائے (اور مسلمانوں کو دُکھ پہنچے) تو کہتے ہیں کہ ہم نے تم پر غلبہ نہیں پالیا تھا اور ہم نے (الگ ہو کر) تم کو مومنوں سے نہیں بچایا (دونوں طرف جھوٹے احسان جتاتے ہیں) سو اللہ اُن کے درمیان پیشی کے دن فیصلہ کیا کرتا ہے اور اللہ، کافروں کے لئے مومنوں کے اُوپر کوئی رستہ (الزام کا) ہرگز نہیں بنائے گا (یعنی اللہ اپنے قرآن پاک میں مومنوں کو کوئی ایسا حکم نہیں دے گا، جس پر کافر کبھی اعتراض کر سکیں)

رکوع ۲۱

۱۴۲ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ۱۴۳ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝
۱۴۴ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ

سکتی تھی۔ قرآن کریم نے خود ہی ابتداءً اُن کا نام نہیں لیا، بلکہ دکھلایا ہے کہ اُنہیں تمام لوگ بُرا جانتے آتے ہیں۔ ابولہب کے معنے ہیں، غصہ والا۔ پس یہ بھی کسی شخص کا نام نہیں ہے۔ مومن چاہتے تھے کہ ہمیں منافق دکھلائے جائیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا) اللہ بُرے الفاظ (یا شکایات) کو پکار کر (یا نام لے کر) ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا، مگر اُس شخص سے جس پر ظلم کیا گیا (مظلوم انصاف چاہنے اور حفاظت حاصل کرنے کے لئے اِس قسم کی شکائتیں کرسکتا ہے) اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے (اگر تم اُس کی شکائتیں نہ سنوگے تو آخری اپیل کے لئے خدا موجود ہے)

۱۴۹ (سو تم دُوسروں کے ساتھ حتی الوسع سلوک واحسان ہی کرو) اگر تم ظاہر طور پر یا چُھپا کر (کسی کے ساتھ) خیر کرو، یا کسی کی بُرائی سے درگذر کرو، تو بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے

(کسی انسان کا نام لے کر اُس کے عیب بیان کرنا بھی ٹھیک نہیں، مگر یہود کے اشرار اللہ اور اُس کے رسولوں کا نام لے کر بھی کُفر کرتے تھے۔ یہ لوگ محض اپنی اہواء پر چلتے تھے انہوں نے اپنی ہونی کو اِلٰہ بنایا ہُوا تھا۔ یہ لوگ اپنے پسندیدہ رسولوں کو خدا تعالےٰ کا شریک بناتے تھے، پس وہ اللہ لاشریک لہٗ کے کافر تھے، اور اُن رسولوں کے بھی کافر تھے جن کا رتبہ اُن کی حد سے بڑھاتے تھے۔ حق ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، لیکن اُن کا منشا تھا کہ خدا اور رسولوں کی تعلیم میں اختلاف بھی ہوا کرتا ہے۔ اُن کے نزدیک رسول اپنے خدا کے حکموں کو بھی منسوخ کرسکتے تھے۔ اگر وہ اس بات کو اصول کے طور پر مانتے ہوتے، تو اُن کے لئے عیسےٰ رسول اللہ اور محمدؐ رسول اللہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی تھی، لیکن چونکہ وہ محض اپنی اھواء کے پیرو تھے، اس لئے وہ زبان سے یہ بھی کہتے تھے کہ ہم بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض رسولوں کو ہم نہیں مانتے۔ اِن تمام بیانوں سے اُن کا ارادہ تھا کہ وہ کفر و اسلام کے درمیان کوئی راستہ اختیار کرلیں، اور اپنی مرضی سے جس بات کو چاہیں، مانیں اور جس بات کا چاہیں، انکار کریں۔ ایسے ہوا پرست لوگ سچ مچ کافر ہُوا کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے کہ) بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں (اس میں اُن کی اصلیت دکھلائی گئی ہے) اور ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسولوں میں اختلاف ڈالیں (اور اُن کی اصل تعلیم کو مختلف بنائیں) اور (یہ بات زبان سے

ملنی چاہیئے
پس منافق دھوکا دے کر خود دھوکوں میں پھنستا جاتا ہے۔ چاہ کن راچاہ در پیش، دھوکہ باز
جب دھوکہ دے کر ایک دفعہ بچ جاتا ہے، تو آئندہ اس میں دھوکے دینے کی رغبت اور عادت پیدا ہوتی
جاتی ہے، یہ ایک قدرتی سزا ہے) اور وہ انہیں اُن کے دھوکے کی سزا دیتا ہے (اور اُن کی
عقل ماردیتا ہے) اور جب وہ نماز کی طرف اُٹھ کر جاتے ہیں، تو سُستی (اور بے دلی) سے اُٹھتے ہیں
١٤٣ لوگوں کو دکھاتے ہیں (یعنی ریاکاری کرتے ہیں) اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے، مگر قلیل ہی۔ اُس
میں (یعنی کفر و ایمان میں) ڈانواں ڈول ہیں۔ نہ اِدھر کے، نہ اُدھر کے اور جس کو اللہ (اُس
کی کرتوتوں کے سبب سے) بے راہ کرے، تو تو اُس کے لئے کوئی راستہ نہیں پائے گا۔
(ہاں اگر وہ خود اللہ ہی سے صحیح راستہ طلب کرینگے، تو وہ صلح کے لئے ہر وقت تیار ہے)
اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر ان کافروں کو سرپرست نہ بناؤ (سورت ممتحنہ ۲/۸)
کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے (پکڑے جانے) پر اللہ کے لئے صریح دلیل بنادو (اور ضرور تم اُس کی
پکڑ میں آجاؤ)۔ بلاشبہ ١٤٥ منافق آگ کے نیچے کے درجہ میں ہیں اور تو ہرگز اُن کے لئے کوئی
مددگار نہیں پائے گا، ١٤٦ مگر وہ (منافق) جنہوں نے توبہ کی اور سُدھر گئے اور اللہ کو مضبوط کر کے
پکڑ لیا، اور اپنے دین کو اللہ ہی کے لئے خالص کیا (اور اس میں کسی اور کو شامل نہ کیا) تو یہ
لوگ مومنوں کے ہمراہ ہیں (یعنی ان میں شامل ہیں) اور قریب ہی اللہ مومنوں کو بڑا اجر
دے گا۔ ١٤٧ اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ، تو اللہ تمہیں عذاب کر کے کیا کرے گا؟ (اللہ تو
تمہاری اصلاح کے لئے ہی عذاب دیا کرتا ہے اور اگر تم نے اپنی اصلاح کر لی ہے، تو
خدا تعالےٰ کی رحمت پر نظر کرو، کہ وہ تمہارے سُدھار پر کیسے اجر دیتا ہے) اور اللہ قدردان
جاننے والا ہے

(اللہ تعالےٰ عام طور پر مذاہب کے بُرے اعتقادات اور اعمال پیش کرتا ہے، تاکہ
لوگ ایسے اعمال سے بچنا سیکھیں۔ وہ بُرے عقائد والے خود بھی تائب ہو کر نیک بنتے رہے
ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے کسی کافر و منافق کا نام خواہ مخواہ لینا پسند نہیں کیا، تاکہ اُن کی اور
اُن کے متعلقین کی ہتک ہو۔ فرعون وہامان و قارون تو پہلے ہی سے لوگوں میں بُری طرح
مشہور تھے، وہ کسی کے بزرگ اور تعلق دار نہ تھے۔ اُن کے سبب سے کسی کو اذیت نہیں پہنچ

اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝
فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ
بِالْبَاطِلِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ
مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ
وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا
عَظِيْمًا ۝

ترجمہ۔ (رکوع سابق میں یہود کے اشرار کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ محض اہواء کے پیچھے چلتے ہیں۔ وحی الٰہی اور عقل وحکمت کے ساتھ ان کا کچھ بھی تعلق نہیں۔ اسی رکوع میں عام یہود کے متعلق ثابت کیا ہے کہ ان میں بھی ہوئے کی پیروی کی کمی نہیں ہے

گری ہوئی اقوام خیالی اور محض روایتی خوبیاں بیان کر کے فخر کیا کرتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں، ہم انبیاء اور شریفوں کی اولاد ہیں۔ ہم خدا کی خاص قوم ہیں۔ نجات خالص ہمارے ہی لئے ہے ہماری بدیاں غیر اقوام کی نیکیوں سے اعلیٰ ہیں۔ ہماری گوسالہ پرستی ایک معمولی گناہ ہے۔ ہمارا نبی خدا سا ہے اُس کی اپنی باتیں بے غلط خدا کے کلام کے ساتھ مثلہ' معہ' ہیں۔ وہ خدا کا معشوق ہے۔ وہ ہمارا شفیع ہے۔ وہ ہم کو جہنم سے پکڑ پکڑ کر نکالے گا۔ باوجود ایسے دعوؤں کے ان میں سخت دلی اور جہالت کوٹ کوٹ کر بھری ہے

یہود میں بالعموم ایسی سخت دلی اور قسوت تھی، کہ انہوں نے مسیح علیہ السلام جیسے بے ضرر شخص کو جھوٹے الزام لگا کر مصلوب بنا دینے کی کوشش کی تھی، وہ اپنے اس ظالمانہ فعل سے مدتوں تک نادم نہیں ہوئے، بلکہ وہ نزولِ قرآن کے وقت بھی بڑے فخر سے کہتے تھے۔ انا قتلنا المسیح۔ حضرت مریم علیہا السلام نے اُن کے رسم و رواج کے مخالف ہو کر بیٹا جنا، انہوں نے اس محصنہ پر بہتان باندھا کہ یہ بغی ہے، یہود غریب لوگوں سے سختی کے ساتھ ربو لیتے تھے

بھی) کہتے ہیں کہ ہم بعض (رسولوں) کو مانتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں اور وہ ارادہ کرتے ہیں کہ وہ اُس کے درمیان کوئی رستہ پکڑلیں۔ ۱۵۱ یہ لوگ جو ہیں، تو یہی سچ مچ کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ اور ۱۵۲ وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی ایک کے درمیان بھی اختلاف نہ ڈالا (حق اور صراطِ مستقیم میں سب کو ایک ہی جانا) یہ لوگ جو ہیں، تو وہ (خدا) قریب ہی (انہیں) اُن کے اجر دے گا، اور اللہ غفور رحیم ہے

رکوع ۲۲

۱۵۳ يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَأَلُوْا مُوْسٰٓى
أَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ
اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَرَفَعْنَا ۱۵۴ فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا
الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝
فَبِمَا ۱۵۵ نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ
وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝
وَّبِكُفْرِهِمْ ۱۵۶ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ ۱۵۷ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ
عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا
قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ ۱۵۸ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَإِنْ ۱۵۹ مِّنْ

جائے اور احسن و اتقن تجربے ثبوت بن جائے، واقع نہیں ہوسکتا۔ یہود نے صرف یہی ایک
جاہلانہ سوال نہیں کیا تھا، بلکہ وہ اپنی دینی کمزوریوں کو ابتداء سے لے کر آج تک لئے آتے ہیں)
پھر (اُن کی دوسری سرکشی یہ تھی کہ) اُنہوں نے (توحید کی) کھُلی دلائل کے آنے کے بعد بچھڑے کو
(معبود) پکڑا، سو ہم نے (ان کے) اس (فعل) سے درگذر فرمایا اور موسیٰ کو صریح غلبہ دیا (موسیٰ ع
نے آکر بنی اسرائیل پر قابو پایا)

(طُور ایک آتشین پہاڑ تھا۔ اس وقت وہ بُجھا ہُوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں
اس میں بہت دفعہ زلزلے آئے اور وہ اپنی جڑ دل سے ہل گیا اور اوپر کو اُبھر آیا۔ طُور اُن
کے اُوپر سائبان کی طرح جُھک آتا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ ابھی گِرا کہ گِرا۔ ایسے خوفناک وقت میں
ہم نے اُن سے عہد لیا تھا، تاکہ اُنہیں مدت تک یاد رہے) ۱۵۴ اور ہم نے اُن سے عہد لینے کے
وقت طور کو اُن کے اُوپر اونچا کیا تھا (لیکن انہوں نے اس عہد کو اُسی وقت بھُلا دیا) اور ہم نے
اُنہیں کہا تھا کہ دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو (اُنہوں نے اس حکم کی بھی بُری طرح سے
مخالفت کی) اور ہم نے اُن کو کہا کہ ہفتہ کے دن میں تعدی مت کرو (اس رسم کو انہوں نے
دوسرے اپنے سر پر لیا تھا۔ ملتِ ابراہیم میں سبت کو کوئی نہیں جانتا تھا) اور ہم نے اُن سے
(سبت کے متعلق) مضبوط عہد لیا تھا (اُنہوں نے اپنے ذمہ لی ہوئی باتوں کو بھی توڑ کر رکھ دیا)

۱۵۵ پھر اُن کے اپنے پختہ عہد کو توڑنے کے سبب اور اللہ کی آیات کے ساتھ اُن کے کفر
کرنے اور انبیاء کو اُن کے ناحق قتل کرنے اور اُن کے یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دل پردہ
میں ہیں (اُن کی سخت دلی اور جہالت کی سزا میں خداتعالےٰ نے اُن کے ان رسم ورواج کو جو
اُن کے اھواء کے مطابق تھے، اُن پر ڈال دیا، جیسا کہ آگے ثابت ہوتا ہے۔ یہ رسم ورواج
کوئی حقانی شریعت نہ تھے، صرف سزا تھے، ورنہ حق ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔ وہ اپنے دلوں کو
محفوظ کہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے) نہیں، بلکہ اللہ نے اُن (کے دلوں) پر اُن کے کفر کے
سبب سے مُہر لگادی ہے۔ سو وہ (حق بات کو) نہیں مانتے، مگر کم ہی (او رشاذ و نادر ہی)

(نبی اُن کو سمجھانے کے لئے آتے رہے۔ یہ اُن کو قتل کرتے اور جھُٹلاتے رہے۔ اُن کا
خیال ہے کہ دُنیا میں گناہ عورت کے سبب سے آیا ہے۔ وہ عورتوں کو حقیر جانتے تھے۔ حضرت
مریم علیہا السلام نے عورتوں کے لئے جو نیک نمونہ قائم کیا تھا، انہوں نے اس کا بھی انکار کیا)

حالانکہ کتاب احبار باب ۲۵ آیت ۳۶ وغیرہ میں انہیں منع کیا گیا ہے۔ ایسی سخت دلی اور ظلم کے سبب انہیں بعض سختی کے حکم دیئے گئے تھے

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے یہود تم کو جو طلاق کی اجازت دی گئی ہے وہ تمہاری سخت دلی کے سبب سے ہے، پر شروع سے ایسا نہ تھا۔ متی باب ۱۹۔ پھر خدا تعالےٰ نے شروع ہی سے طیبات کو حلال کیا ہوا ہے۔ یہود کے آگے بھی وہی طیبات پیش کئے گئے تھے مگر انہوں نے اپنے رسم و رواج ہی کو ان پر ڈال دیا

سچے ریفارمر جب کسی قوم کی کلی اصلاح سے مایوس ہو جاتے ہیں تو وہ ایسا نہیں کرتے، کہ جزئی اصلاح سے بھی رک جائیں۔ یہود نے خود ہی سبت کی رسم کو اپنی ہوسے سے اپنے سر پہ لیا تھا، لیکن وہ اپنی پسند کی ہوئی رسم کو بھی نہ نباہ سکے۔ وہ اپنی ھوسے کی تقلید پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے قلوبنا غلف یعنی ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں۔ ہم پر کسی کی بات اثر نہیں کرتی۔ پھر کیا اس سے اُن کی ہوا پرستی کا ثبوت نہیں ملتا ؟

وہ اسلام کے مدلل حکموں کو سُنکر اور وعدہُ الٰہی کے مطابق اہلِ اسلام کی کامیابی کو دیکھ کر پھر بھی خلافِ فطرت خوارق کو طلب کیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ (۱۵۳ اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کردے (نادان لوگ ایسے ہی فضول سوال کیا کرتے ہیں۔ یہود نے یہ جاہلانہ سوال رسولِ کریم کے وقت میں ہی نہیں کیا تھا، بلکہ اس سے بڑھ کر جاہلانہ سوال شروع ہی میں کر دیا تھا) سو انہوں نے (خود) موسیٰ ہی سے اس سے بڑھ کر سوال کیا تھا، سو یہ بولے تھے کہ اللہ ہی کو سامنے لا کر دکھلا دے سو اُن کو اُن کے ظلم کے سبب بے ہوشی نے آ پکڑا (خدا تعالےٰ یقین کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔ یقین ہی ایسا کامل ہو جاتا ہے کہ کوئی رویت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، لیکن بے مثل خدا کو آج تک کسی نے عیاناً نہیں دیکھا، بلکہ اس کا سوال کرنا بھی بڑا ظلم ہے

خدا تعالےٰ نے یہود کے اس سوال کو، جو انہوں نے کاغذی تحریر کے آسمان سے اُتارنے کے متعلق کیا تھا، اَن نیچرل ہونے کے سبب، خدا تعالےٰ کے عیاناً دکھلانے کے ساتھ ملایا ہے، اگرچہ وہ ایک چھوٹا سوال ہے، مگر ظالمانہ ضرور ہے

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اَن نیچرل کام جس سے صحیفۂ فطرت ٹوٹے

دے اور اُسے نیک و خوشحال اور تندرست و با اقبال بنا دے اور مصائب اور جہالت سے چھڑا دے، تو ایسے علاقہ کی طرف ہجرت کرنا، اللہ کی طرف جانا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بے ہوشی کے عالم میں تھے، وہ خود اپنے پاؤں پر چل کر کہیں آجا نہیں سکتے تھے۔ خدا تعالےٰ اُنہیں لوگوں کے ذریعہ سے اٹھوا کر کسی ایسے علاقہ میں لے گیا، جہاں اُنہیں صحت عطا کی گئی اور ظالموں کے جبر سے خلاصی ملی، یہی اُن کا خدا تعالےٰ کی طرف اُٹھا کر لے جایا جانا تھا۔ اگر خدا تعالےٰ کی طرف ہجرت کرنے اور خدا تعالےٰ کی طرف جانے سے کوئی آدمی آسمان کی طرف جایا کرتا ہے، تو مسیح علیہ السلام کے لئے ایسا فیصلہ دینا بھی صحیح ہو سکتا ہے، ورنہ اس کی غلطی سورج کی طرح ظاہر ہے۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہمیں جو علم ملتا ہے، وہ ہمیں زیادہ عالم بنانے کے لئے دیا جاتا ہے۔ وہم پرست بنانا اور دیو پری کے قصوں کو منوانا، خدا تعالےٰ کی طرف سے آنے والے علم کا کام نہیں ہو سکتا

قرآن مجید میں ایسی آیات بھی موجود ہیں، جن سے صراحتہً ثابت ہوتا ہے کہ آدمی اپنی جگہ پہ بیٹھا ہؤا ہی خدا تعالےٰ کی طرف آجاتا ہے اور اُسے جسمانی طور پر ایک قدم کے اُٹھانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اذجاء ربہ بقلب سلیم ۲۳/۷ الا من اتی اللہ بقلب سلیم ۱۹/۹ انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوات والارض ۶/۱۵ ففروا الی اللہ ۲۷/۲ سارعوا الی مغفرۃ من ربکم ۴/۴ واتخذ تموہ وراءکم ظہریا ۱۲/۸ ۔ انسان کے دل کا غفلت سے ہٹ کر خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونا، خدا کی طرف آنا اور خدا تعالےٰ کو پسِ پشت ڈال دینا، خدا تعالےٰ سے دُور ہو جانا ہے دل اور آنکھوں کے بدل جانے سے بھی انسان ایک عالم سے دوسرے عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والابصار ۱۸/۱۱

مسیح علیہ السلام نے جب یہودیوں کی شریرانہ تجویزوں کو دیکھا، تو حواریوں کو فرمایا من انصاری الی اللہ یعنی خدا تعالےٰ کی طرف لے جانے میں کون میرا مددگار ہوگا۔ حضرت مسیح ؑ صلیب پر چڑھنے کے سبب بے ہوشی کے عالم میں پھنس گئے تھے، اُس وقت ضرور تھا کہ کوئی شخص اُنہیں اٹھا کر اللہ تعالےٰ کی طرف ہجرت کرائے۔ یہود نے اُنہیں قتل تو یقیناً نہیں کیا ۱۵۸/۴ بلکہ (مسیح علیہ السلام کے بے ہوش ہونے کے سبب، حواریوں کو حکم دے کے) اللہ اُسے اپنی رحمت کے مقام کی) طرف اُٹھا لے گیا اور اللہ (ہمیشہ اپنے امر پہ) غالب (لیکن) حکمت کے ساتھ کام کرنے والا(ا) ہے۔ (حضرت ابراہیم ؑ نے بھی اپنی ہجرت کے وقت خدا تعالیٰ کی صفات

[۱۵۶] اور اُن کے کفر کرنے اور مریم پر بڑا بہتان لگانے کے سبب [۱۵۷] اور اُن کے (اس بیہودہ قول کے) کہنے کے سبب کہ بلاشبہ ہم نے مسیح (یعنی شہزادہ اور اقبال مند بننے والے) عیسےٰ (یعنی بنی اسرائیل کو غیر قوموں کی غلامی سے چھڑانے والے) ابنِ مریم (یعنی خدا تعالےٰ کی خادمہ کے بیٹے) اللہ کے رسول (کیونکہ لوگ اُسے ایسا سمجھتے آتے ہیں) کو قتل کر دیا ہے

(اُنہوں نے یہ دعوےٰ قرآن کے لانے والے کے آگے پیش کیا تھا۔ یہ دعویٰ یقیناً باطل ہے۔ کوئی اہلِ کتاب اسے نہیں مان سکتا۔ رسولِ کریم کے زمانہ میں جن لوگوں نے ایسا دعویٰ کر دیا تھا، آخر وہ بھی اسی دُنیا کی زندگی میں مان گئے کہ ہم نے مسیحؑ کو قتل نہیں کیا۔ تمام اہلِ کتاب مانتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کی کوئی ہڈی یا ٹانگ یا بازو نہیں توڑا گیا اور نہ وہ صلیب پر ہی اتنی دیر رہے کہ جس سے اُن کا مرجانا قرینِ قیاس ہو جاتا۔ اُس وقت لوگ حیرت سے کہتے تھے کہ کیا اتنی جلدی مرگیا) حالانکہ انہوں نے اُسے (یقیناً) قتل نہیں کیا اور انہوں نے اُسے مصلوب بھی نہیں بنایا (یعنی اتنی دیر تک صلیب پر نہیں رکھا، جس سے اُس کا صلیب پر مرنا قرینِ قیاس ہو جائے) (لیکن وہ (مسیح بے ہوش ہو جانے کے سبب) اُن کے لئے (مصلوب کی مانند) بنایا گیا (صوبہ کا حاکم مسیحؑ کو راستباز جانتا تھا۔ اُس کے سپاہیوں نے مشہور کیا کہ یہ تو مرچکا ہے۔ اِس طرح اُس کو ہڈیوں کے توڑنے سے بچا دیا، لیکن دوسرے چوروں کی ہڈیاں توڑ ہی گئی تھیں) اور بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے اس کے بارہ میں (حق سے) اختلاف کیا ہے، البتہ اس سے شک میں ہیں۔ اُنہیں اِس کے متعلق کوئی علم نہیں، صرف ظن کی پیروی ہے اور اُنہوں نے اُس کو قتل تو یقیناً نہیں کیا

(خدا تعالےٰ کی طرف ہجرت کرنے اور خدا تعالےٰ کی طرف جانے کا قرآن پاک میں کئی جگہ ذکر آیا ہے ۲/۱۵ و ۲۳/۷ و ۵/۱۱، لیکن کسی جگہ بھی آسمان کی طرف جانے یا ہجرت کرنے کا اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔ ہر جگہ زمین کے ایک شہر سے دُوسرے شہر کی طرف جانا ہی مراد ہے۔ جس جگہ کفر و شرک کے لئے جبر کیا جاتا ہو، یا وہاں بے حیائی کے محرکات بکثرت ہوں، یا اُس جگہ انسان کسی مرض یا تنگی یا مصیبت یا جہالت میں گرفتار ہو، تو اگر انسان وہاں سے کسی مفید علم یا دینی آزادی یا نیکی یا صحت کے حاصل کرنے کے لئے دوسرے علاقہ میں جائے، جہاں خدا تعالےٰ اُسے رحمت کے ساتھ ملے اور اُس کے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول

(ہم نے اُن پر حلال کردہ طیّبات کو بطور سزا کے حرام کر دیا، جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے) اور اُن کے لئے جو اُن میں سے کافر ہوں، ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے
(اہلِ کتاب سب یکساں طور پر بُرے نہیں ہیں) لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں، اور (اس قرآن کے) مومن، وہ (سب) اس پر ایمان لاتے ہیں، جو تیری طرف اُتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا (قرآنِ کریم تمام کتابوں پر حاوی و ہیمن اور کامل و کافی و تبیان لکل شئ ہے۔ قرآن حکیم کے ماننے میں تمام کتابیں آجاتی ہیں، لیکن جو لوگ دوسری کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اُس ہدایت و نور سے تو ضرور مستفید ہو سکتے ہیں، جو اُن کتابوں میں موجود ہے قرآن مہیمن اور دیگر الٰہی کتابوں کے ساتھ نہ دیگر انبیاء و رسل کی حدیثیں وحی تھیں اور نہ رسولِ کریم کی اپنی باتیں ہی وحی ہیں۔ انسانی احادیث کو خدا تعالیٰ کے بے مثل وحی کی مانند سمجھنا سخت ظلم ہے) اور (آگے اللہ تعالیٰ ارشاد کرتا ہے کہ ان کتاب والوں میں سے خاص کرتا ہوں) نماز کے قائم کرنے والوں کو (مقیمین اختصاص کے سبب سے منصوب ہے۔ یہ اَختَصُّ مضارع معروف واحد متکلم کا مفعول ہے اور مختص کا موقعہ اخیر میں ہوتا ہے۔ دوسرے الٰہی کتابوں والے نماز کے قائم کرنے والے تھے، اگرچہ اُن کے قبلے وغیرہ الگ الگ تھے۔ مشترکہ نماز ہی اصل نماز ہے) اور (دوسرے لوگوں میں) جو زکوٰۃ (یعنی حقِ ملک اور حقِ مساکین) کے دینے والے اور اللہ اور یومِ آخر کے ماننے والے ہیں، یہ (سب) لوگ جو ہیں، قریب ہے کہ ہم اُنہیں اجرِ عظیم دیں گے

رکوع ۲۳

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ
وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ
وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَ
رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۝ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَ

عزیز وحکیم ہی کا ذکر کیا اور فرمایا:- انہ ھو العزیز الحکیم (۲۶/۱۵)

۱۵۷ اور ان اہلِ کتاب میں سے (جنہوں نے رسولِ کریم کے مقابلہ پر دیدہ و دانستہ جھوٹ بول کر کہا تھا انا قتلنا المسیح) کوئی نہیں ہے، مگر وہ (اپنے اس قول کے برخلاف) اس (امر یعنی مسیح ؑ کے عدم قتل) پر، اپنی موت سے پہلے (یعنی اس دُنیا کی زندگی ہی میں) ضرور ایمان لائے گا (اہلِ کتاب میں سے کوئی شخص بھی آج تک اس بات کا قائل نہیں ہوسکا، کہ ہم نے مسیح ؑ کو یقیناً قتل کردیا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکا کہ اُن کی ہڈیاں توڑی گئی تھیں اور کوئی دعوے نہیں کرسکتا کہ جمعہ کی آخری گھڑیوں میں، چلیپا کے ساتھ جکڑے جانے سے مسیح علیہ السلام ضرور چلیپا کے ذریعہ سے ہی قتل کئے گئے تھے۔ اصل مصلوب وہی ہوتا ہے، جو چلیپا پر کافی مدت رہ کر قتل ہوجائے۔ غشی میں پڑجانے والا مشبہ بالمصلوب تو ہوسکتا ہے، مگر اصل مصلوب نہیں ہوسکتا۔ یہودیوں کی غرض تھی کہ مسیح ؑ کو مصلوب ٹھہراکر اُسے ملعون ثابت کریں۔ استثناء باب ۲۱ آیت ۲۳۔ عیسائی اُن کو ملعونیت سے نہ بچاسکے۔ عیسائیوں نے کہا کہ وہ ملعون تو ضرور ہوا ہے، مگر ہمارے گناہوں کے لئے گلاتیوں ۳-۱۳۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ ملعون وہی شخص ہوتا ہے، جس کی روح رحمت الٰہی سے دُور ہوجائے اور اُس کا دل سیاہ وسخت ہوجائے یہ صرف قرآن مجید ہی ہے، جس نے مسیح علیہ السلام کو اس ملعونیت سے بَری کیا اور کہا، کہ وہ مشبہ بالمصلوب ہوا ہے۔ اصل مصلوب ہرگز نہیں ہوا۔ السلام علی یوم ولدت ویوم اموت و یوم ابعث حیا۔ سورت مریم ؑ) اور پیشی کے دن وہ (یعنی خود خداتعالےٰ) ان (جیسے لوگوں) پر گواہی دینے والا ہوتا ہے

۱۵۸ الغرض ہم نے یہود کے (ایسے ایسے) ظلم کرنے کے سبب اُن پر وہ طیّبات، جو اُن کے لئے حلال کی گئی تھیں، اُن پر حرام کردیں اور (نیز) بہت سے لوگوں کو اللہ کے رستہ سے اُن کے روکنے کے سبب (بہت سے جاہل لوگ یہود کو اہلِ کتاب سمجھ کر اُن کی حمایت پاکر نیکوں کی مخالفت پر اَڑ جاتے تھے، اسی لئے انہیں کہا گیا تھا۔ لا تکونوا اوّل کافر بہ یعنی کفر میں نمونہ نہ بنو)

۱۶۱ اور ان کے ربوا کو اخذ کرنے کے سبب (جسے وہ بُری طرح لیتے تھے) حالانکہ وہ اُس سے روکے گئے تھے اور (نیز) لوگوں کے مالوں کو اُن کے باطل کے ساتھ کھانے کے سبب

رہے اور کوئی قوم یہ نہ کہہ سکے کہ ہم کو خدا تعالےٰ کی طرف سے حق نہیں پہنچا

آگے فرمایا کہ قرآن مجید بھی بالخصوص بڑی صفائی کے ساتھ وہی خدمت بجا لا رہا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگ رسولوں کو خدا تعالےٰ کی طرف سے صرف مبشّر و منذر ہی نہیں جانتے، بلکہ اُنہیں خدا تعالےٰ کی صف میں بٹھاتے ہیں، اُنہیں شفیع اور منجی ٹھہراتے ہیں۔ اُنہیں معشوق الٰہی بناتے ہیں۔ اُن کی اپنی دینی باتوں کو خدا تعالےٰ کے ساتھ مثلہ معہ بتاتے ہیں۔ کتاب الٰہی پر اُن کا قاضی و حاکم ہونا دکھلاتے ہیں۔ اُن کا دوسرا اصل مطاع اور دُوسرا اصل حاکم بلکہ دوسرا احکم الحاکمین ہونا سکھلاتے ہیں اور احکم الحاکمین کے ہمراہ اُن کو دوسرا اور الگ مُنتہائے سوال بتلاتے ہیں، جہاں دو برابر کی اطاعتیں مانی جاتی ہیں، وہاں ایک کا دوسرے کی بات پر مقدم اور دوسرے کی بات پر حاکم اور دُوسرے کی بات پر قاضی ہونا لازم ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک ایک ہی اصل مطاع اور ایک ہی احکم الحاکمین ہونے کی صورت میں، کسی دوسرے انسان کو ساتھ ملانے کے بغیر، تمام ضروری وحی کا، تفصیل کے ساتھ آنا ممکن نہیں ہے، ورنہ انہیں ایسی چالیں گھڑنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ عیسائیوں کے مشرکوں نے دُنیا میں سخت اندھیر پھیلا دیا ہے۔ وہ عورت کے پیٹ سے نکلے ہوئے بچّہ کو خالق الارض والسماء کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور دین میں سخت غلو کرتے ہیں۔ تمام رسول جو ابنِ آدم کہلاتے ہیں وہ اپنی اعلےٰ حالت میں اللہ تعالےٰ کے پیغامبر ہوتے ہیں۔ وہ سب پیدائش کے لحاظ سے خدا تعالےٰ کے کلمے ہوتے ہیں اور بنیادی حالت کے لحاظ سے خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک ارتقاء یافتہ انسانی رُوح بن کر آتے ہیں۔ تمام رسول ان تین حالتوں میں شریک تھے اسی لئے اللہ تعالےٰ اس کے آگے فرماتا ہے۔ سو تم اللہ اور اُس کے رسولوں کو مانو اور (ایک خدا میں) تین (شخصیتیں) مت کہو۔ مسیحیوں کے نزدیک وہ تین شخصیتیں یہ ہیں:-

ایک باپ جو بیٹے سے الگ حقیقت رکھتا ہے اور بیٹا باپ سے الگ شخصیت رکھتا ہے، کیونکہ بیٹا اور باپ ایک ہی ذاتیت اور ایک ہی شخصیت نہیں رکھ سکتے۔ بیٹے اور باپ کی حقیقت ایک ہی نہیں ہو سکتی۔ یہی حال رُوح القدس کا بھی ہے۔ رُوح القدس کو باپ یا بیٹا نہیں کہا جا سکتا، بلکہ وہ باپ اور بیٹے کے درمیان ایک تیسری شخصیت اور تیسری حقیقت ہے اور مستقل اور ازلی واسطہ ہے۔ اگر باپ ضروری الوجود ہے اور بیٹا بھی ضروری الوجود ہے اور رُوح القدس بھی ضروری الوجود ہے، تو ضرور ہے کہ تین ضروری الوجود ہیں۔ پھر انہیں ایک ہی ضروری الوجود اور

مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
حَكِيْمًا ○ ۱۶۶ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۚ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۞ ۱۶۷ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا
ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ○ ۱۶۸ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا
لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۙ ۱۶۹ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرًا ○ ۱۷۰ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا
خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ○ ۱۷۱ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۚ اِنَّمَا
الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۚ
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
وَكِيْلًا ۧ

ترجمہ ۔ اکیسویں رکوع میں رسولوں کا بیان ہے۔ وہاں فرمایا ہے کہ ہوا پرست لوگ اللہ میں اور رسولوں میں نا اتفاقی اور اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ بائیسویں رکوع میں بھی حضرات مسیح و مریم علیہما السلام کو یہود کے بُرا بھلا کہنے کا ذکر ہے۔ ہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو راسخون فی العلم ہیں، وہ تمام الٰہی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں

اب اس رکوع میں ارشاد کیا ہے کہ رسولوں کے تشریف لانے کا فائدہ کیا ہے۔ رسولوں کے آنے کا فائدہ یہ بتلایا ہے کہ وہ مُبشر و منذر ہو کر آتے ہیں، تاکہ لوگوں کے لئے اللہ تعالٰے پر کوئی حجت باقی نہ

کلمات ہوتے ہیں، یہی عورات کی طرف ڈالے جایا کرتے ہیں اور جب آدمی رسول کے درجہ پر پہنچا، تو وہ اعلیٰ رتبہ کی آیت اللہ بن گیا۔ ان میں سے کوئی چیز بھی کسی انسان کو خدا نہیں بناتی۔ چونکہ تمام رسول ان امور میں شامل ہیں، اس لئے اللہ تعالےٰ نے نتیجہ میں فرمایا فامنوا باللہ و رسلہ اللہ، خالق کل شے ہے۔ رُوح القدس وحی لانے والی مخلوق کو کہتے ہیں۔ رسول بھی مخلوق ہی ہوتے ہیں۔ حکم بہر صورت ایک خدا ہی کا ہوتا ہے۔ ان کے سبب سے تین حکم نہیں بن جاتے۔ اس لئے فرمایا ولا تقولوا ثلاثۃ، جیسا کہ ارشاد ہے:-)

۱۶۳ بلاشبہ ہم نے تیری طرف وحی کیا، جس طرح ہم نے نوحؑ اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی کیا اور ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب اور عیسےٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف وحی کیا اور (جس طرح) ہم نے داؤد کو زبور دی، ۱۶۴ اور ان رسولوں کو جن کا، ہم نے تجھ پر پہلے ذکر کیا اور ان رسولوں کو، جن کا ہم نے تجھ پر ذکر نہیں کیا (یعنی ان کو بھی ہم نے صحیفے دیئے) اور (جس طرح) اللہ نے موسےٰ سے کلام کی (جیسے اللہ کا بندوں کے ساتھ) کلام کرنا (مناسب ہے)

(اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید وحی کرنے کے تینوں طریقوں سے ہی نازل ہوا ہے۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام سے اس قدر کلام نہیں ہوئی، جس قدر قرآن مجید کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے رسولِ کریم کے ساتھ کلام کی۔ چند آیتوں کے سوائے باقی تمام کلام اللہ رسولِ مقبول کو اس طرح ملا ہے، جس طرح اللہ تعالےٰ نے موسےٰؑ سے کلام کی تھی)

۱۶۵ (اللہ تعالےٰ نے) ان رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے بنا کر (بھیجا ہے) تاکہ لوگوں کے لئے اللہ پر ان رسولوں (کے آنے) کے بعد کوئی حجت (باقی) نہ رہے، اور اللہ (ہمیشہ سے اپنے امر پر) غالب (اور) حکمت کے ساتھ کام کرنے والا رہا ہے

(جس طرح انسان کے لئے جسمانی غذا کی ضرورت ہے، اسی طرح رُوحانی غذا کی بھی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ ہدایتِ الٰہی انسان کو اسی طرح ملنی چاہیئے، جس طرح ہوا اور پانی انسان کو بسہولت مل سکتے ہیں۔ جب تک ابتدائی انسان فطری جنت میں تھا، فطرت سے اس کو ہدایت ملتی تھی۔ عقل و صحیفۂ فطرت تو ہر وقت سامنے رہتے ہیں، لیکن اللہ تعا کسی قوم کو عام طور پر عذاب

ایک ہی واجب کیوں کہا جاتا ہے

اسی طرح اگر باپ ایک فرد ہے اور بیٹا دوسرا فرد ہے اور رُوح القدس تیسرا فرد ہے، تو یہ تین فرد ہوئے۔ اِن تینوں افراد کو ذاتِ واحد کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اگر باپ کامل مطلق اور بیٹا بھی کامل مطلق اور رُوح القدس بھی کامل مطلق ہے، تو تین کامل مطلق ہوئے۔ اور اگر ایک کامل مطلق بس ہے تو دوسرے دو کامل مطلق سراپا فضول ٹھہرے۔ کامل مطلق کا فضول ہونا بے معنی بات ہے، اور کامل مطلق سے خارج کسی مستقل کمال کا پایا جانا، کامل مطلق کو بھی ناقص بنا دیتا ہے، اگر تینوں کافی ہیں، تو بقول مسیحیان تین خدا ہوئے۔ اگر تین قادر مطلق ہیں، جب بھی تین خدا ہوئے۔ اگر تین عالم الغیب ہیں، تو بھی تین خدا ہی ہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یقولون علواً کبیرا

اگر مسیحیوں کا ایسا ہی اعتقاد ہے، تو قرآن مجید نے انہیں سچ فرمایا ہے کہ لا تقولوا ثلاثۃ یوحنا کے پہلے خط کے پانچویں باب کی ساتویں آیت میں لکھا ہے۔ تین ہیں، جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں، باپ اور کلام اور رُوح القدس، اور یہ تینوں ایک ہیں۔ کیا ایسے عقیدہ والوں کو کہنا کہ لا تقولوا ثلاثۃ کسی طرح سے بھی غلط ہو سکتا ہے؟ نیک اعتقاد رُوح کو سنوارنے کے لئے ہوتا ہے۔ کسی اعتقاد کو بھید قرار دینے کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ قائلین اسے حقیقی طور پر تسلیم کرنے سے بیزار ہیں۔

مسیحی لوگ مسیح علیہ السلام کو کلمہ و کلام کہتے آتے ہیں۔ قرآن مجید بھی اُنہیں کلمہ و آیت ہی مانتا ہے، لیکن وہ ان الفاظ سے عیسائیوں کے برخلاف نتیجہ نکالتا ہے۔ قرآنِ کریم تمام مخلوقات کو آیاتِ الٰہی کہتا ہے۔ اگر وہ آیت کہنے سے کسی مچھر، مکھی کو خدائی میں شامل کرتا ہے تو مسیح ؑ بھی ایسی مخلوقات سے خارج نہیں ہیں۔ کیا اِن لوگوں کو خالق و مخلوق میں فرق نہیں دکھلائی دیتا، پھر کلمہ کے معنے معمولی بات کے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ تمام مخلوقات کی ہستی خدا تعالیٰ کے آگے صرف ایک معمولی بات ہے۔ تمام مخلوقات خدا تعالیٰ کے کہنے سے ہی ظہور پاتی ہے، اس لئے ہر مخلوق مسیح علیہ السلام کی طرح خدا تعالیٰ ہی کا خارجی کلمہ ہے

قدرتی کلمات بے شمار ہیں۔ وہ تمام درختوں کو قلمیں بنا کر اور سمندروں کو سیاہی سمجھ کر بھی نہیں ختم ہو سکتے۔ رُوح بمنزلہ ایک حرف کے ہے۔ نطفہ و علقہ، جو رُوح و جسم سے مرکب اور رُوح سے اُوپر کے درجہ میں ہیں۔ حکم الٰہی کے ذریعہ سے ہی ترکیب پا کر خدا تعالیٰ کے قدرتی اور خارجی

کتاب ہو، جس میں صرف الٰہی کلام ہی کو مسلسل اور متصل کر کے لایا گیا ہو، اُس میں کسی نبی و رسول کی حدیثوں یا کسی قوم کے رسم و رواج کو بیچ میں داخل نہ کیا گیا ہو، وہ شروع سے اخیر تک الٰہی فرمان ہی ہو ۲۱/۹، اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُس کی حفاظت کا وعدہ ہو ۱۴/۲، اور دعوےٰ کیا جائے کہ اس میں آگے پیچھے سے باطل کا دخل محال ہے ۲۴/۱۹، اُس کو کل آدمیوں اور کل زمانوں کے لئے قابلِ اتباع قرار دیا گیا ہو، اور اس کا علمِ الٰہی کے مطابق ہونا دکھلایا جائے

قدیم مذاہب میں انسانی حسد و خود غرضی کے سبب سے بہت سے نقص پیدا ہو گئے تھے مختلف اُمتوں کی الگ الگ کتابیں تھیں، لوگوں نے اُن احادیث کو اور اس رسم و رواج کو جو اُن میں شامل کیا گیا تھا، مقدم سمجھا اور حقیقت کو پسِ پشت ڈال دیا، الگ الگ فرقے بن گئے، اور ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق و تذلیل کرنے لگے

اگر آئندہ بھی تمام انسانوں کے لئے الگ الگ کتابوں کا آنا مُسلّم رکھا جائے، تو دُنیا کی پُرانی فرقہ بندی سے بڑھ کر فرقہ بندی پیدا ہو گی۔ قرآن حکیم نے آکر محمدیت کو جاری نہیں کیا، بلکہ اُس اسلام کو پیش کیا ہے، جو کل دُنیا کے لئے دائمی طور پر مقصود اصلی ہے، لیکن آج کل کے مدعیوں میں سے کوئی شخص اسلام کی جگہ احمدیت کو پھیلاتا ہے اور کوئی بابیت اور بہائیت کا پرچار کرتا ہے۔ وہ دین کو عالمگیر نہیں بنانا چاہتے، لیکن اسلام تمام لوگوں کو ایک خدا کے تحت میں لاتا اور ایک بناتا ہے۔ بلاشبہ تمام کتابوں میں حقیقی ہدایت اور نور بالضرور موجود ہے۔ سب سے کام لیا جا سکتا ہے، مگر مفصل نور و ہدایت کو اجتماعی طور پر ایک قرآن ہی میں لایا گیا ہے اور اس لئے اُس کو خدا تعالےٰ کافی و کامل اور تبیان لکل شیء اور تفصیل لکل شیء فرماتا ہے، کوئی اُسے مانے یا نہ مانے) لیکن اللہ اُس کے متعلق ۱۶۶ جو اُس نے تیری طرف اُتارا ہے (یعنی قرآن کے متعلق) گواہی دیتا ہے کہ اُس (خدا) نے اس (قرآن) کو اپنے علم کے مطابق اُتارا ہے اور فرشتے (یعنی کارکنانِ قدرت بھی) گواہی دیتے ہیں (انسان کی فطرت میں اس قرآن کی صداقت ڈالتے ہیں) اور اللہ ہی (عمدہ نتائج کے پیدا کرنے کے لحاظ سے) کافی گواہ ہے

(جب قرآن کریم اللہ کی طرف بلاتا ہے اور تمام مذاہب کو ایک بنانا چاہتا ہے، وہ کسی محمدیت و احمدیت پر چلنا نہیں سکھلاتا، بلکہ اسلام کی طرف داعی ہے، جو تمام مکانوں اور زمانوں کا دین ہے۔

نہیں کیا کرتا، جب تک انہیں وحی والی تعلیم کا پہنچنا سہل الحصول نہ بنا دے

جب انسان دنیا میں پھیل گئے اور ظاہر ہے کہ اُن کے ایک حصّہ کو دوسرے حصّہ کے ساتھ مقابلہ کر کے ہی وطن چھوڑنا پڑا تھا، تو چونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ لڑ جھگڑ کر نکلے تھے، اس لئے وہ ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ جنگ رہتے تھے اور یوں وہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ دوسرے ملکوں میں دیو بھوت بستے ہیں، اور راکھشس اور اسُر رہتے ہیں، اُس وقت ایک ملک والے دوسرے ملکوں میں کم ہی آ جا سکتے تھے، لیکن لوگوں کو اُس وقت بھی ہدایتِ الٰہی کی، آب و ہوا کی طرح ضرورت تھی۔ اِس لئے ہر قوم میں الگ الگ رسول آتے رہے اور الٰہی ہدایت کو اپنی اصلیت میں پہنچاتے رہے ۱۴/۱۱، ۲۲/۱۵، ۱۳/۷، ۱۵/۲، ۲۹/۱ وغیرہ

مختلف اُمتوں نے وحی الٰہی کے ساتھ، اپنے اپنے قومی رسم و رواج کو بھی الٰہی کتابوں میں شامل کر لیا اور اپنے اپنے رُسل و انبیاء کی احادیث کو بھی کتاب الٰہی میں ملا لیا۔ ہر قوم کو اُن کی سرکشی اور جہالت کے سبب سزائی حکم بھی ملے تھے، وہ بھی کتب الٰہی میں شامل کئے گئے۔ اُن کتابوں کی صورت صاف طور پر اِس کا پتہ لگا رہی ہے۔ ہاتھ کے کنگنوں کو دیکھنے کے لئے آرسی کی کیا ضرورت ہے۔ سزائی حکم دائمی اور حقّانی شریعت نہیں بن سکتے تھے۔ چونکہ تمام انسانوں کے لئے ایک جامع اور خالص کتاب آنے والی تھی، اِس لئے ان مخلوط کتابوں کی حفاظت کی ایسی ضرورت نہ تھی اور اِس لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے اُن کی حفاظت کا وعدہ بھی نہیں کیا گیا

وہ جامع کتاب کس وقت آ سکتی تھی، اُس کے آنے کا وہ وقت تھا، جبکہ تمام دُنیا ایک گھر کے حکم میں ہو گئی ہو اور آمد و رفت اور میل جول کے سامان اور اشاعت کے ذرائع عام ہو گئے اور اُس کتاب کو حفظ کر کے پہنچانے والے پیدا ہو گئے، تاکہ اُس کتاب کی عام اشاعت کے بعد، لوگوں کے لئے اللہ تعالےٰ پر کوئی حجت نہ رہے۔ ضرور تھا کہ اُس کتاب کی زبان ہمیشہ زندہ رہنے والی، اور صحیح ترجمہ کئے جانے کے قابل ہو، اُس کا نرا ترجمہ ہی پیش نہ کیا جائے بلکہ اصل متن کو بھی ساتھ ہی پہنچایا جائے تاکہ لوگوں کے ترجمہ کی غلطی کو اصل سرچشمہ کے ساتھ مقابلہ کر کے، بر بنائے دلائل دُور کر دیا جائے۔ پھر وہ ایسی کتاب ہو، جو خالص اپنی تعلیم سے تمام مذاہب کو ایک بنا دینے والی اور فرقہ بندی کو شرک قرار دینے والی ہو ۳۱/۷۔ پھر وہ ایسی

میں عرض کرتا ہوں کہ اگر ان رشیوں نے ان منتروں کے معنی عقل سے سمجھے تھے، تو کیا وجہ ہے کہ ان رشیوں سے پہلے قریباً دو سو کروڑ سالوں میں یہ معنی کسی انسان کی سمجھ میں نہ آئے اور اگر وحی سے سمجھے تھے، تو اس سے وحی کا حسب ضرورت بار بار آنا ثابت ہوا

دوم۔ اگر پہلے کروڑہا سال تک وید مقدس کے معنی نہیں سمجھے جاتے تھے، یا غلط معنے لئے جاتے تھے اور کتاب تو اُس وقت کسی کے پاس موجود ہی نہ تھی، تو اُس وقت انسانوں کی ہدایت کے لئے کیا وحی کا آنا لازم نہ تھا؟

سوم۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وید مقدس کا پرکاش قریباً دو ارب سال سے رشیوں کے سینوں میں ہوا ہے۔ اتنے لمبے عرصہ میں ویدوں کی جو کچھ اشاعت ہوئی ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں

کہتے ہیں کہ وید مقدس تبت میں ملے تھے، لیکن تبت میں آج تک ویدوں کو کوئی شخص بھی نہیں جانتا اور نہ دُنیا کے کسی اور ملک میں کوئی ایک وید ہی پایا جاتا ہے۔ اگر وید مقدس پہلے انسانوں کو ملے ہوتے، تو تمام ملکوں والے انہیں ضرور اپنے ساتھ لے گئے ہوتے

سو، جب دُنیا کے ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک والوں کو راکھشس اور چنڈال سمجھتے تھے اور ایک دوسرے کے سایہ سے بچتے تھے، تو کیا اس وقت دوسرے علاقوں کی اصلاح انہی ویدوں سے کی جاتی تھی، یا کیا اُن کے پاس نئے رسول آتے تھے، یا کیا خدا تم انہیں غفلت ہی میں رکھ کر انہیں استیصالی عذاب دے دیا کرتا تھا؟

عام عذاب کی صورت میں وحی کی تعلیم کا پہنچنا لازم ہے۔ قوم نوح علیہ السلام غرق ہوئی۔ اُن کے پاس رسول آئے۔ کیا وید مقدس اُن کے لئے بشیر و نذیر بنے تھے۔ قومِ لوطؑ کا علاقہ بحیرہ مردار کی صورت میں بدلا گیا، کیا وید مقدس کی کتابی تعلیم ہی اُنہیں پہنچی تھی؟ فرعون غرق ہوا، اُس کے پاس رسول آئے، لیکن وید مقدس کی تعلیم اُسے نہیں ملی۔ قومِ عاد تُند باد سے برباد ہوئی، لیکن وید مقدس نے آکر اُنہیں نہیں سمجھایا۔ قومِ ثمود و مدین وغیرہا سخت زلزلوں سے تباہ ہوئے، لیکن خود وید مقدس، اُن کے پاس نہیں آئے اور نہ اُنہوں نے وید مقدس کا نام ہی سُنا تھا۔ رسولوں کے آنے سے ایک دوسرے کی تصدیق ہوتی ہے اور اگر صرف ایک دفعہ ہی وحی فرض کی جائے، تو دانا کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی ایک فسانہ ہی ہے

قرآن حکیم کسی حق بات اور کلمۂ حکمت کو جہاں سے بھی ملے، لینے سے ہرگز ہرگز مانع نہیں، اگر یہ بات سچ ہے، تو اس قرآن سے روکنے والے، اللہ کے کافر اور سبیل اللہ سے ہٹانے والے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے) بلاشبہ وہ لوگ، جنہوں نے (اللہ کے ساتھ) کفر کیا اور اللہ کے رستہ سے روکا، وہ دور کی گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں

(پھر جنہوں نے کفر کے ساتھ ظلم تک نوبت پہنچا دی، تو اُن کا کیا حال ؟) بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے (اللہ کے ساتھ) کفر کیا اور (اللہ کے ماننے والوں پر) ظلم کیا (۱۶۸) تو اللہ ایسا نہیں ہے کہ انہیں (پورے علاج کے بغیر) بخش دے اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ انہیں کوئی (سہولت کا) رستہ دکھلائے۔ ہاں (اُن کے علاج کے لئے) جہنم کا رستہ (دکھاتا ہے) اس حال میں کہ وہ اس میں ہمیشہ رہ پڑنے والے ہوتے ہیں (جب تک اُن میں کفر و ظلم کے امراض گڑے رہتے ہیں) اور اللہ پر (ایسی صفائی بخشنے والا علاج کرنا) آسان ہے۔ اے لوگو! تمہارے پاس یہ رسولؐ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر آیا ہے۔ سو تم (حق کو) مانو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم کفر کرو، تو بلاشبہ اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (اور چونکہ تم بھی اُسی کی مملوک ہو، تو ضرور ہے کہ علیم و حکیم کی مملوک آخر درست ہو جائے) اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے

(کیا علیم و حکیم کے کام کا یہی نتیجہ نکلنا چاہیئے کہ اُس کے مملوک و مخلوق بیماری سے کبھی بھی رہائی نہ پاسکیں، انسان کی اصل فطرت صحیح ہے۔ مرض آخر مرض اور مرض ہی ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ الہامِ الٰہی دُنیا کے شروع میں صرف ایک دفعہ ہی ہوتا ہے پھر کبھی نہیں آتا، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، بوجوہ ذیل :-

اوّل - وید مقدس کے منتروں کے اوپر اُن منتروں کے رشیوں کے نام لکھے ہوئے موجود ہیں۔ یہ رشی چار پانچ ہزار سال کے اندر اندر ہی پیدا ہوئے تھے، اُن کے متعلق یہ نہیں مانا جاتا کہ اِن رشیوں نے یہ منتر خود بنائے تھے یا ان کے خاندان میں یہ منتر بعض مواقع پر پڑھے جاتے تھے۔ اُن سے سُنکر کتابت میں لائے گئے، بلکہ یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ ان رشیوں نے اِن منتروں کے معنی پہلے پہل سمجھے تھے۔ جب وید مقدس کتابت میں لائے گئے، تو ویدوں کے منتروں پر اِن رشیوں کے نام بھی دیئے گئے

وہ کسی اوہام پرستی اور اپنی شفاعت کی طرف نہیں بُلائیں گے۔ وہ دمشقی مینار اور بہشتی مقبرہ کو دکھلا کر چندوں کے لئے نئی مدیں نہیں کھولیں گے۔ وہ اپنے آپ کو دوسرا اصل مطاع اور دوسرا احکم الحاکمین نہیں ٹھہرائیں گے، ایسے تمام حرکات غلطی خوردہ لوگوں کے ہیں

جو شخص ایسی تعلیم کو پاکر خدا تعالےٰ کا سچا مومن و محب اور پکا متوکل و موحد ہوتا ہے اور اپنے اُس ایمان کے مطابق حتے الوسع عمل بھی کرتا ہے اور اُسے کسی دوسرے شخص سے جو دنیا ہی سچا اعتقاد رکھتا ہے، بیزاری نہیں ہے، تو وہ اکہرا اجر تو ضرور پا چکا، اب اگر وہ زیادہ ترقی کرنا چاہے اور وہ ھدی للمتقین کی طرف آئے، تو وہ ضرور دوہرا اجر پائے گا،

۲۶ و ۲۷

کوئی رسول و نبی اس لئے نہیں آتا کہ اُس کے آنے سے لوگوں کا اکہرا اجر بھی ضائع ہو جائے اور جو شخص پہلے سچے ربانی تسلیم کئے جاتے تھے، اب وہ اس کے ظہور سے کافر بن جائیں، اور خدائی بھروسہ اُن کے لئے کچھ کام نہ آئے ۲۴۔ نیک لوگ تو یہ سمجھیں گے کہ جب یہ اُن خدائی احکام پر چلتا ہے، جو ہم بھی وہی لائے ہیں، تو یہ ہمارا بھائی ہے۔ رسول اس لئے آتا ہے، کہ وہ غافلوں کو جگا کر بچا دے، وہ اس لئے نہیں آتا کہ جو لوگ پہلے سے مومن و مُسلم ہیں، اُنہیں آکر کافر بنا دے۔ کیا کوئی حکیم تندرستوں کو بھی بیمار بنانے کے لئے آیا کرتا ہے

ہاں، جو لوگ مسیح ع جیسے بشر کو خدائے احد کا ازلی و ابدی اکلوتا بیٹا بناتے ہیں، اور کسی دوسرے بشر کے لئے ایسا عہدہ تجویز نہیں کر سکتے، وہ اسلام سے پہلے ہی خارج ہو چکے ہیں۔ تمام انصاف پسند داناؤں کو چاہیئے کہ دُنیا سے ایسی جہالتوں کو اپنے نمونہ اور تعلیم سے نکالنے کی کوشش کریں کیا ابھی تک ایسی جہالتوں سے نکلنے کا وقت نہیں آیا، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ (اے کتاب والو! اپنے دین میں حد سے نہ نکلو اور اللہ پر سوائے سچ کے اور کچھ نہ بولو، سوائے اس کے نہیں، کہ مسیح عیسےٰ ابنِ مریم (ان تینوں صفتوں کے ساتھ وہ عبد ہی رہتا ہے۔ قرآن پاک کے آنے کے وقت مسیحی لوگ حضرت مریم ع کو عیسیٰ ع کی طرح اِلٰہ ہی سمجھتے تھے۔ خدا تعالےٰ نے ابنِ مریم کے لفظ کا کئی جگہ استعمال کیا ہے، تاکہ تمام جہان والوں کو پتہ لگ جائے کہ کیا جننے والی اور جنا ہوا کبھی اِلٰہ ہو سکتے ہیں ورنہ کسی کو بنی فاطمہ کہنے سے وہ حضرت علی رض کی اولاد سے خارج نہیں ہو جاتا اور یا بنوم کہنے سے باپ کا انکار لازم نہیں آتا، اس سے ادعوھم لاٰبائھم کی بھی مخالفت نہیں ہو سکتی) اللہ کا رسول ہے

قرآن کریم کے پڑھنے والے پر یہ بات یقیناً واضح ہو جاتی ہے کہ تمام رسل وانبیاء کا وہی اعتقاد وعمل تھا، جو ہمیں سکھایا گیا ہے۔ قرآن مجید کو پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ عیسےٰؑ ہمارا غیر نہیں ہے، موسےٰؑ ہم سے الگ نہیں ہے۔ نوحؑ و ابراہیمؑ مسلم ہیں، داؤد وسلیمان اور زکریا و یحییٰ سب صراطِ مستقیم کے پیرو ہیں۔ از آدم تا ایں دم کوئی رسول اور کوئی صدیق اور کوئی شہید اور کوئی صالح ہمارا غیر نہیں۔ ہم کسی رسول میں اسلام کے لحاظ سے فرق نہیں ڈالتے اور ہم نرا دھار خدا تعالےٰ ہی کے ہیں۔ ہم سب اسی کے مسلم ہیں۔ ہم بے مثل خدا کے ساتھ کسی انسان کو کسی بات میں مثلہ معہ نہیں ٹھہراتے۔ ہم دو یکساں اطاعتوں کے ہرگز ہرگز قائل نہیں ہیں۔ ہمارا رب سب رسل وانبیاء اور اس لیئے اُن کی امتوں کو بھی فرماتا ہے کہ یہ تمہاری ایک ہی اُمت ہے اور میں تم سب کا ایک ہی رب ہوں، پس میرے عابد بنو اور مجھ ہی سے ڈرو ۲۳؍۲ و ۲۳؍۴

ہر نبی سے عہد لیا گیا تھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی رسول دوسرے علاقہ سے، یا خدا تم کی طرف سے تمہاری مدد کے لیئے آجائے اور وہ اپنی ذات کا خیال نہ رکھ کے صرف توحیدِ الٰہی اور وحدتِ انسانی کو پھیلانا چاہے اور کسی سے اپنے لیئے کوئی اجر نہ مانگے اور یہ نہ چاہے کہ لوگ میری اُستت گائیں، اور یہی اس تعلیم کی تصدیق ہے، جو تم کو بھی ملی ہے، تو تم اپنی ذات کو آگے نہ رکھنا، بلکہ اُس کی مدد کرنا اور اُس پر ایمان لانا، ایسے دو بے نفس شخص جب آپس میں ملیں گے، تو ضرور ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں گے، ایسے اشخاص کو اپنی ذات کا خیال نہیں ہوتا، اُن کا اصلی مقصود تعلیم الٰہی ہی ہوتی ہے اور بس

یہ بات میری سمجھ سے یقیناً باہر ہے کہ جب خدائی وحی نے تمام انسانوں کے لیئے واضح کر دیا کہ اسلام ہی سچا دین ہے اور وہ کل رسولوں کا واحد دین رہا ہے۔ اُس اسلام کے سوائے کوئی اور دین قبول نہیں ہو سکتا۔ اسی اسلام سے تمام مذاہب میں اتفاق ہو سکتا ہے تو اس اسلامی تعلیم کے بعد کسی اور تعلیم کی کیا ضرورت باقی رہ سکتی ہے، جو کھلے اسلام سے ہٹا کر فرقہ فرقہ بنائے اور احمدیّت اور بابیّت اور بہائیّت کو اصل دین ٹھہرائے۔ ہاں خدائی وحی کے پیرؤں میں سے بعض خود بھی کم و بیش ملہم بن سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو عملی طور پر یقین حاصل ہو جائے گا کہ رسولوں کو سچ مچ وحی ہوتی رہی ہے، پس وہ اسلام ہی کی طرف بلائیں گے

ترجمہ - بہت سے لوگ ایسے بھی جاہل ہوتے ہیں کہ نبیوں اور رسولوں کا مرتبہ اُن کی حد سے بڑھا دیتے ہیں۔ اس طرح جاہل لوگ اُن رسولوں پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ اُن کے سچ مچ کافر بن جاتے ہیں۔ لوگو میرے کہنے پر غصہ نہ کرو۔ خود قرآن کریم کی آیت کو پڑھ کر دیکھو، اگر تمہارا قرآن پر ایمان ہے۔ رسول صرف ایک بندہ ہوتا ہے۔ اگر وہ بندگی سے نکل جائے، بلکہ بندہ بننے میں عار سمجھے، تو وہ پورا پورا جہنمی بن جاتا ہے

اس رکوع میں رسولوں کی حقیقت کھولی گئی ہے۔ پہلے دکھلایا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ملائکۃ المقربین کا شرف صرف خدا تعالےٰ کے بندہ ہونے میں ہی ہے۔ خدا تعالےٰ ہی سے صراطِ مستقیم کی دُعا کرنی چاہیئے، وہی صراطِ مستقیم کو اپنی وحی سے ثابت کرتا ہے۔ رسولِ کریم کلالہ کے متعلق خود ہی فتوے نہیں دے سکتے تھے۔ نبیوں کا ہر دینی قول خدا تعالےٰ کے اصل وحی کی مانند ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔ آخر خود اللہ تعالےٰ ہی فتوے دیتا ہے، کوئی رسول اپنے اختیار سے خود ہی وحی کو نہیں اتار لیا کرتا، وحی الٰہی کا انتظار ہی کرنا پڑتا ہے۔ وحی کا انتظار ہی نبی و رسول کی زبان کو روکے رکھتا ہے۔ اگر اُس کا اپنا قول ہی، خواہ وہ دینی ہی کیوں نہ ہو، بمنزلہ وحی ہُوا کرے، تو اُس کی زبان کو اور کون سی چیز روک سکتی ہے۔ وہ اُس دینی بات کا فوراً جواب دے دیا کرے، کیونکہ بقولِ شما، جو دینی بات بھی اُس کے مُنہ سے نکلے گی، وہ وحی یوحیٰ اور علمہ شدید القویٰ ہونے کے بغیر ہی بمنزلہ وحی ہُوا کرے گی۔ رسولِ کریم وحی یوحیٰ علمہ شدید القویٰ یعنی قرآنِ کریم ہی لوگوں کو سُنایا کرتے تھے۔ لوگوں نے اس سے نکال لیا کہ رسولؐ جو کچھ بولتا ہے، وہ وحی ہی ہوتا ہے ایسے رسول کو قرآن کریم کے ملنے کی کونسی ضرورت باقی رہ سکتی ہے۔ ایسے رسولؐ کو دُنیا میں ہمیشہ رہنا چاہیئے تھا، تاکہ جن مجتہدین کو رسولِ کریم کے بعد دینی مسائل میں اپنے غور و فکر سے اجتہاد و استنباط کرنے کی ضرورت پڑتی رہی ہے، وہ رسولِ مقبول کے بولنے سے سب بمنزلہ وحی ہو جاتے اور اُمت میں دینی باتوں کے متعلق کوئی اختلاف نہ رہتا۔ یہ بہانے اسی لئے گھڑے جاتے ہیں کہ کسی دینی بات میں اختلاف رہنا ٹھیک نہیں، لیکن وہ اختلاف باوجود ایسے عذروں کے اب بھی موجود ہے

مخفی نہ رہے کہ ملائکہ یعنی کارکنانِ قدرت کا تعلق جسمانی و رُوحانی تمام اشیاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب خدا تعالےٰ کائنات میں کوئی نیا تصرّف کرنا چاہتا ہے، تو پہلے اُن وحی الٰہی کو قبول کرنے والے عقول کو اپنے فوق الفطرت تصرّف کے مناسب وحی کرتا ہے، پھر وہ خدائی تصرّف کی وحی پانے والے ملائکہ حسب الحکم

اور (خدا تعالیٰ کے قانون و حکم سے بنا ہوا) اس کا (خارجی) کلمہ (یعنی نطفہ یا علقہ) ہے کہ اُسے مریم کی طرف ڈالا اور (مفرد حالت میں وہ) اُس کی طرف سے ایک روح ہے (یہ تینوں صفتیں تمام بنی آدم کے رسولوں میں پائی جاتی ہیں) پس اللہ پر (خدا کے لائق) اور اُس کے رسولوں پر (اُن کی حیثیت کے لائق) ایمان لاؤ اور تین مت کہو، ٹل جاؤ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ سوائے اِس کے نہیں، اللہ جو ہے، تو وہ ایک ہی معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اُس کا جنا ہوا ہو، جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، اُسی کی مِلک ہے اور اللہ کافی وکیل (یعنی لائق توکل) ہے

رکوع ۲۴

۱۷۲ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ
يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۞ ۱۷۳ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
۱۷۴ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ۞ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۞ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۞ ۱۷۵ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ
فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۞ۭ ۱۷۶ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ
اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ
وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَ
اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞ ع

تو اُس (بہن) کے لئے اُس (ترکہ) کا نصف ہے، جو وہ چھوڑ جائے اور وہ (بھائی) اُس (بہن) کا وارث ہوتا ہے۔ اگر اس (کلالہ بہن) کی کوئی اولاد (نر و مادہ نیچے تک) نہ ہو (بیٹا اپنے اُوپر کے اجداد کو دلا کر اپنے باپ کا وارث بنتا ہے، پس بھائی کی صورت میں مورث کے اُوپر کے غیر محجوب و غیر ممنوع زندہ اجداد کو دلا کر ہی بھائی کو وارث بنانا لازم ہے۔ دو یا زیادہ بھائی ہونگے تو وہ سب اس بہن کے وارث ہوں گے، اور یہ بھی یاد رہے کہ نسبیوں میں مورث خواہ مرد ہو یا عورت اُن کے وارث اپنی حیثیت ہی کے مطابق حصہ پاتے ہیں۔ عورت کے بیٹا بیٹی کو اُسی طرح ورثہ ملتا ہے، جس طرح مرد کے بیٹا بیٹی کو حصہ ملا کرتا ہے۔ پس بھائی کا بھائی بھی اُسی طرح وارث ہوگا، جس طرح بہن کا بھائی اور بہن کی بہن بھی اُسی طرح حصہ پائے گی، جس طرح بھائی کی بہن وارث ہوتی ہے) پھر اگر وہ (بہنیں) دو ہوں، تو اُن دونوں کے لئے اُس سے دو تہائی ملے گا، جو وہ چھوڑ گیا (دو سے زیادہ بہنوں کا بھی یہی حال ہے) اور اگر بہن بھائی مرد اور عورتیں (ملے جلے) ہوں (رجال میں ایک بھائی اور نساء میں ایک بہن کا حکم بھی داخل ہے) تو مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ اللہ تمہارے لئے (کھول کھول کر) بیان کرتا ہے تاکہ تم غلطی میں نہ پڑو، اور اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے

(اس آیت سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:۔

اوّل۔ ولد کے معنے نر و مادہ اولاد کے ہیں۔ پس جس طرح بیٹے کے ساتھ بہن بھائی کو معین و غیر معین حصہ میں سے کچھ نہیں ملتا، اُسی طرح بیٹی کے ساتھ بھی بہن بھائی کو کچھ نہیں مِل سکتا اور کلالہ کے معنی کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح باپ کے ساتھ بھائی کو نہیں مِل سکتا، اُسی طرح ماں کے ساتھ بھی بہن بھائی کو کچھ نہیں مِل سکتا۔ اس کی تین وجہیں پہلے بیان کی جا چکی ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیٹے اور باپ کا حصہ پُورا ہوتا ہے، اس لئے اُن کے ساتھ کسی اور کو نہیں دیا جاتا، لیکن یہ خیال غلط ہے۔ بیٹے اور باپ دونوں کے ساتھ سکڑ نانی کو بھی دلایا جاتا ہے، اگر بہن بھائی کا حق ہوتا، تو انہیں بھی دلایا جا سکتا تھا

دوم۔ اس آیت نے بہن بھائی کو بلا فرق اولاد والا حصہ دلایا ہے، سو جب یہ وارث ہوتے ہیں، تو انہیں دوسرے درجہ پر اولاد والا حصہ ہی ملتا ہے اور چونکہ نیچے تک تمام اولاد اولاد ہی میں شامل ہوتی ہے اور وہ اولاد کی کسر میں تحویل پا سکتی ہے، اس لئے اولاد کو حصہ اکٹھا ہی ملتا ہے

ترتیب دینے والے ملائکہ کو وہی الہام پہنچاتے ہیں اور ترتیب دینے والے ملائکہ قوانینِ فطرت میں اسی ترتیب کے مطابق الہام ڈالتے ہیں، تب وہ کام فطری طور پر ظہور پاتا ہے۔ ان تمام ملائکہ میں سے وہ ملائکہ جو ابتداءً تصرفِ الٰہی کا الہام پاتے ہیں، وہ ملائکۃ المقربین ہیں۔ مسیح علیہ السلام اور دیگر مخلوقات کا حسب منشائے الٰہی ظہور پانا اور کسی کا رسول اور مسیح بننا انہی کے واسطہ سے ہی ظہور پاتا ہے، لیکن یہ ملائکہ ہرگز ہرگز خود مختار نہیں ہوا کرتے۔ خدا تعالےٰ ہی انہیں ملائکہ میں سے چن لیتا، اور انہیں مختلف جہات رکھنے والے رسول بناتا ہے۔ یہ ملائکہ خدا تعالےٰ کے عابد ہوتے ہیں۔ مسیح ؑ کے لئے بھی خدا تعالےٰ کے عبد ہی بننے میں شرف ہے۔ اگر اسے خدا تعالےٰ کے بندہ بننے میں عار ہے، تو وہ کچھ چیز نہیں ہے، جیساکہ ارشاد ہے کہ) مسیح[۱۷۲] کبھی عار نہیں کریگا، کہ وہ اللہ کے لئے بندہ بنے اور نہ مقرب فرشتے ہی (جن کے ذریعہ سے خود مسیح ؑ اور دوسرے ابنِ آدم پیدا ہوتے ہیں۔ مسیح ؑ اپنے آپ کو ابنِ آدم ہی کہا کرتا تھا) اور جو شخص خدا کا بندہ بننے سے عار رکھے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھے تو ابھی (یعنی مرنے کے ساتھ ہی) وہ (خدا) اُن سب کو اپنے حضور میں ہانک لائیگا (جیساکہ وہ پہلے سے کرتا آتا ہے)۔ پھر[۱۷۳] لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور صلاحیت والے عمل کئے، تو اللہ اُن کو اُن کے اجر پورے دیتا ہے اور انہیں اپنے فضل سے (آئندہ بھی) ترقی دیتا ہے، ولیکن جن لوگوں نے (خدا کے بندہ بننے کو) عار سمجھا اور تکبّر کیا، تو وہ (خدا) اُن کو دردناک عذاب دیا کرتا ہے۔ اور[۱۷۴] وہ اپنے لئے اللہ کے سوائے کوئی اور سرپرست اور مددگار نہیں پایا کرتے۔ اے[۱۷۵] لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (مسیح ؑ کی الوہیت توڑنے کے لئے) ایک برہان آچکا ہے، اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا ہے، سو[۱۷۶] لیکن وہ لوگ، جو اللہ پر ایمان لائے، اور اس (اللہ) کو مضبوط کرکے پکڑا، تو ابھی وہ (اللہ) اُنہیں اپنی رحمت اور فضل میں لے لیتا ہے، اور اُنہیں اپنی طرف سیدھا راستہ دکھاتا ہے (ایمان و عمل کی نسبت سے نتیجہ ہمیشہ مستقبل میں ہوتا ہے)۔ یہ[۱۷۷] (لوگ) تجھ سے فتوے طلب کرتے ہیں، تو کہہ (میں کیا چیز ہوں؟) اللہ (ہی)، تم کو کلالہ کے بارہ میں فتوے دیتا ہے۔ اگر کوئی مرد مر جائے، جس کے لئے کوئی اولاد (نر و مادہ نیچے تک) نہ ہو (اور اُس کے ماں باپ صرف پہلے درجہ ہی کے نہ ہوں، کیونکہ کلالہ کے معنوں میں ماں باپ کا نہ ہونا بھی ساتھ ہی پایا جاتا ہے، مگر چونکہ اس جگہ لیس لہ والد نہیں فرمایا، اس لئے اس سے مرنے والے کے تمام ماں باپ اُوپر تک مراد نہیں لئے جاسکتے) اور اُس کی ایک بہن ہو،

فطرت کی تصویر

بلاغ اُمتِ مسلمہ کا ماہوار صحیفہ۔ قرآنِ عظیم کو جمیع ضروریاتِ وحی کے لئے مکتفی ثابت کرنے والا واحد رسالہ۔ ۱۹۲۲ء سے خالص اسلام کی خدمت کر رہا ہے۔ اس کی اعانت ہر معقول پسند مسلم کا دینی اور اخلاقی فرض ہے۔ سالانہ چندہ تین روپے۔ نمونہ ۴ر

تعلیمات القرآن } مرتبہ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری اسلام کے اعتقادی مسائل کے متعلق آیات کو جمع کر کے اکثر جگہ نہایت قابل قدر استنباط کئے ہیں۔ اپنی شان کی پہلی کتاب ہے۔ کتابت طباعت اور کاغذ اعلیٰ۔ قیمت عـہ علاوہ محصول ڈاک ٭

اسلامی حریت و مساوات } یہ وہ بسوط مباحثہ ہے۔ جو مرزا بشیر الدین صاحب محمود قادیانی اور خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے کے مابین ہوا۔ مذہبی۔ تاریخی اور اقتصادی معلومات سے پُر ہے۔ بیحد دلچسپ ہے صفحات ۲۵۰۔ قیمت عـہ (رعایتی)

میں منکرِ حدیث کیوں ہوا } احادیث کے متعلق سید مقبول احمد بی اے کی تحقیقات جو برسوں ممالکِ عربیہ اسلامیہ میں رہ چکے ہیں قیمت ۲ر

مطالعۂ حدیث تنقیدِ صحیح کی روشنی میں } مع تنقید مولانا اسلم جیراجپوری یہ وہ کتاب ہے۔ جس نے مفسدین فی الدین کے چہروں سے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ از سید مقبول احمد بی۔ اے۔ ڈپٹی کلکٹر۔ صفحات ۱۶۶ قیمت (رعایتی) ۱۲ر علاوہ محصول ڈاک

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم } جنابِ رسالتمآب نے غلامی کی لعنت کو دور کرنے کیلئے کیا کچھ کیا۔ فرمودہ جناب محمد ابراہیم صاحب بی اے۔ سب جج۔ ۲ر کے ٹکٹ ڈاک بھیجکر منگوالیں ٭

کتبخانہ "اُمتِ مسلمہ" امرتسر

اسی طرح جب بہن بھائیوں کو اولاد ہی کی طرح حصّہ ملتا ہے، تو اُن کی اولاد بھی اُن کے ساتھ ایک ہی کسر میں لائی جاسکتی ہے۔ انہیں بھی تمام اولاد کی طرح اکٹھا ہی حصّہ دلایا جائے گا

سوم۔ اس طرح اس آیت میں عینی بہن بھائیوں کا حصّہ مذکور ہے اور اگر وہ نہ ہوں، تو تیسرے درجہ پر پدری بہن بھائیوں کا حصّہ نکالا جاسکتا ہے اور اگر وہ نہ ہوں، تو علاتی بہن بھائیوں کا ورثہ بھی اسی سے نکل آتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ لوگ عینیوں اور پدریوں کو تو اس آیت میں لے آتے ہیں لیکن مادریوں کو اس آیت سے نکال دیتے ہیں

چہارم۔ یہ آیت میراث کے بیان میں آخری آیت ہے۔ اللہ تعالےٰ اس میں فرماتا ہے کہ میں تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہوں، تاکہ تم بے راہ نہ ہو جاؤ اور غلطی میں نہ پڑو ضرور ہے کہ پہلی آیتوں میں کچھ کمی ہوگی، جس کمی کے پورا کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ اب اس آیت نے ظہور فرما کر علمِ میراث کی اُس کمی کو پورا کردیا ہے۔ پس میراث کے بیان کے لئے اللہ تعالےٰ ہی کا بیان کافی ہے اور قرآن پاک ہی میں سب حصّوں کا ذکر ہے

قرآن پاک سے جو کچھ میری سمجھ میں آیا ہے، اُسے لوگوں کے آگے پیش کردیا ہے۔ اگر کوئی صاحب الفاظِ قرآن سے اس کا زیادہ اچھا بیان پیش کردے، تو میں دل سے اس کا شکریہ بجا لاؤنگا)



تمّت

ثنائی برقی پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام ابو رضا عطاءاللہ پرنٹر چھپا۔ اور عبداللہ خان ناظم اُمت مسلمہ
امرتسر پبلشر نے قلعہ بھنگیاں امرتسر سے شائع کیا۔ صرف سرورق رتن پریس دل روڈ لاہور میں طبع ہوا۔